انظُر كيف نُصرِّف الآيٰت لعلّهم يفقهون ٥ ٦/٦٥

اے مخاطب!

غور کر کہ ہم اپنی آیتوں کو کس طرح پھیر پھیر کر لاتے ہیں۔
تاکہ لوگ تصریفِ آیات کے ساتھ قرآنِ کریم میں تفقہ پیدا کریں۔

ترجمۃُ القرآن بتصریفِ آیات الفرقان

المعروف بہ

تفسیر القرآن بالقرآن

جلد دوم مشتمل بر سورہ آلِ عمران و سورہ نساء

شائع کردہ

ادارہ بلاغ القرآن ۱۱۰۔ این سمن آباد لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست عنوانات ومسائل متعلقہ آیات مجید سورۂ آل عمران

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست عنوانات و مسائل متعلقہ آیات مجید سورۃ النساء

(۵)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قرآنِ کریم کا مُفسّر خود اللہ تعالےٰ ہے

جیسے کہ ارشادِ گرامی ہے:-

وَلَا یَاْتُوْنَکَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰکَ بِالْحَقِّ وَاَحْسَنَ تَفْسِیْرًا ؕ

(۲۵/۳۴)

اور (اے رسول!) لوگ آپؐ کے پاس اسکی مثل نہیں لائینگے

مگر

آپؐ کے پاس اپنا حق (قرآن مجید) اور اسکی احسن تفسیر بھی ہم ہی لاتے ہیں۔

(صفحہ ۳۷۱ تا ۳۷۵ بھی ملاحظہ فرمائیں)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قرآن فہمی کے قرآنی اصول

• تفسیر القرآن بالقرآن کی جلد اوّل کے شروع میں ۱۲۸ صفحات کا دیباچہ دیا گیا ہے جس میں قرآن کریم کو سمجھنے کے وہ اصول درج ہیں جو قرآن کریم نے خود پیش کئے ہیں۔ تفسیر القرآن بالقرآن کی جلد دوم میں جو اسوقت آپکے ہاتھوں میں ہے، بعض مقامات پر مذکورہ بالا دیباچہ کے حوالے دیئے گئے ہیں۔ قارئین کرام کو وہ حوالہ جات مذکورہ دیباچہ میں درج محولہ عنوان میں ملینگے۔

بحمد اللہ • ذاتِ باری کے فضل و احسان کیساتھ تفسیر القرآن بالقرآن کی دوسری جلد طبع ہوکر منظرِ عام پر آ گئی ہے۔ اِس کا اندازِ تفسیر یہ ہے:-

۱۔ اِس میں دائیں طرف قرآن مجید کا عربی متن ہے۔ اور متن کے بین السطور ہر عربی لفظ کا اُردو ترجمہ اُس لفظ کے نیچے لکھا گیا ہے۔ بعض مقامات پر مفہوم بندی یا جگہ کی عدم گنجائش کی بدولت کسی عربی لفظ کا اُردو ترجمہ اُس کے آگے پیچھے ہو گیا ہو۔ ورنہ کوشش یہی کیگئی ہے کہ ہر لفظ کا ترجمہ اُسکے عین نیچے آئے۔

۲۔ عربی متن اور لفظی ترجمہ کے بالمقابل بائیں طرف بامحاورہ ترجمہ درج ہے جس میں بریکٹوں کے استعمال کی غرض ترجمہ کے محذوف مفہوم کو نمایاں کرنا ہے۔

۳۔ دائیں طرف کے عربی متن کے وضاحت طلب الفاظ پر الگ الگ اِسطرح کے ۱ ۲ ۳ نمبر لگا دیئے گئے ہیں۔ اور بائیں طرف انہی عربی الفاظ کے اُردو ترجمہ کے الفاظ پر بھی وہی نمبر اِسطرح کے ۱ ۲ ۳ لگائے گئے ہیں۔ اور آیات مجیدہ کے خاتمہ پر نمبر زدہ الفاظ کے تفسیری نوٹ بھی بالترتیب ساتھ ہی دے دیئے گئے ہیں۔ اِسطرح:- ۱ ۲ ۳ وغیرہ۔

۴۔ بائیں طرف کے بامحاورہ ترجمہ میں جہاں عام تراجم سے اختلاف کیا گیا ہے۔ وہاں بھی یہی انداز اختیار کیا ہے کہ متن کے عربی الفاظ اور مقابل کے اُردو ترجمہ پر مذکورہ بالا انداز کے نمبر لگا کر ساتھ ہی تفسیری نوٹ میں ترجمہ کے اختلاف کی وہ دلیل دیدی گئی ہے جس کی رُو سے اختلاف حق بجانب ہے۔

۵۔ الفاظ اور جملوں کی تفسیر کیلئے ہر مقام پر تفسیر القرآن بالقرآن کا انداز اختیار کیا ہے۔ اور مناسب مقامات میں اُس پر صحیفۂ فطرت (کائنات) کی مشاہداتی آیات کو بطور دلیل پیش کیا ہے۔

(ادارہ بلاغ القرآن)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

سُوۡرَةُ اٰلِ عِمۡرٰنَ

● یہ قرآن مجید کی تیسری سورت مجیدہ ہے۔ چونکہ اس میں آلِ عمران کا تذکرہ ہے اسلئے اسی نام سے منسوب ہے۔ اسکی دو سَو آیتیں ہیں۔ سابقہ سورۃ البقرہ کیساتھ اسکا ربط یہ ہے، جن مسائل کا ذکر اُس میں اجمالاً آیا ہے، اس میں تفصیلاً دیدیا گیا ہے۔ سورۃ البقرہ میں زیادہ تر خطاب یہود کیساتھ ہے اور اس میں زیادہ تر نصاریٰ کیساتھ۔ سورۃ البقرہ میں وحدتِ باری کے مقابلہ پر گائے پوجا اور عام بُت پرستی کی تردید فرمائی ہے، اس میں مسیحی عقیدہ ابن اللہ اور حضرتِ مسیحؑ کی الوہیت کی مذمت کیگئی ہے۔ سورۃ البقرہ میں خانۂ کعبہ کی مرکزیت اجاگر کیگئی ہے اور اس میں اُسکے تاریخی شواہد پیش کئے گئے ہیں۔ البقرہ میں جنگ کی ضرورت واہمیت نمایاں فرمائی اور اس میں صحابہؓ کی اُن دو جنگوں کا ذکر ہے، جن میں سے ایک میں فتح اور دوسری میں شکست ہوئی تھی۔ اور ان تذکار جلیلہ میں وضاحت کردیگئی ہے کہ فتح کے اسباب کیا ہوتے ہیں۔ اور کن وجوہات کی بنا پر شکست ہو جاتی ہے۔

● اس سورہ مجیدہ میں قرآن کریم کے متعلق وضاحت کردیگئی ہے کہ اس میں آیات محکمات بھی ہیں اور متشابہات بھی۔ دونوں قسم کی آیتیں ذاتِ باری ہی کیطرف سے ہیں۔ جو لوگ محکمات سے الگ کر کے متشابہات کی پیروی کرتے ہیں انکے اذہان ٹیڑھے ہیں۔ متشابہات کا مفہوم خود اللہ تعالیٰ نے محکمات میں محفوظ کر دیا ہوا ہے۔ محکمات و متشابہات کی مکمل بحث دیباچہ کے صفحہ ۳۰ پر ملاحظہ فرمائیں۔

● نیز اس سورت مجیدہ میں رسُولِ مقبول سلام علیہ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی تاریخ کا کچھ حصہ بھی آگیا ہے، یعنی قرآن کریم کے نزولِ اُخری میں سے جنگِ بدر و اُحد کے ضروری واقعات بھی درج کر دا دیئے گئے ہیں، کہ کسطرح اللہ تعالیٰ نے میدانِ بدر میں صحابہؓ کی مدد فرمائی جب وہ کمزور تھے۔ اور کسطرح اُحد میں ہزیمت سے دوچار ہوئے، جو اُنکی اپنی سہو کا نتیجہ تھا۔ اس سورت میں ان تاریخی واقعات کی جھلک اور فرضِ منصبی میں سستی کرنیوالے صحابہؓ کی معافی کا اعلانِ عام بھی درج کر دا دیا گیا ہے تاکہ آنیوالی نسلیں نہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی تعظیم و تکریم میں کمی کرنے پائیں، اور نہ اُنکی شان میں کسی قسم کے نا ملائم الفاظ زبان پر لا سکیں ــــ کاش کہ اگر صحابہ کرامؓ کے مخالف حضرات اس سورت کی محولہ آیات پر تعریف آیات کیساتھ غور فرمائیں تو شانِ صحابہؓ نکھر کر سامنے آجائے۔ ایک پرانی مخاصمت ختم ہو جائے اور فرزندانِ ملت کے صدیوں کے بچھڑے ہوئے دو بھائی، آپس میں گلے مل جائیں۔

● سورۂ آل عمران کا خاتمہ اس اہم حکم پر ہوا ہے کہ پوری اُمت ایک مضبوط مرکز کے ذریعہ خود بھی ثابت قدم رہے اور دائرۂ ایمان میں داخل ہونیوالے جملہ افراد کو بھی ثابت قدم رکھے۔ اُمت کا باہمی ربط و ضبط کبھی نہ ٹوٹنے پائے۔ اسی سے اُمت ہر قسم کے داخلی اور خارجی خطرات سے محفوظ رہ سکتی ہے۔ اور یہی ہے قوموں کی کامیابی اور عروج کا اہم ترین راز۔

(نوٹ) قرآن مجید میں انبیاء کرام کے اسماءِ گرامی کیساتھ سَلٰمٌ آیا ہے :۔ سَلٰمٌ عَلٰی نُوْحٍ، سَلٰمٌ عَلٰٓی اِبْرٰهِيْمَ، سَلٰمٌ عَلٰی مُوْسٰی وَ هٰرُوْنَ، سَلٰمٌ عَلٰٓی اِلْ يَاسِيْنَ، سَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِيْنَ ۳۷/ ۱۸۱-۱۳۰-۱۲۰-۱۰۹-۷۹ حضرت یحییٰ کیلئے آیا ہے سَلٰمٌ عَلَيْهِ ۱۹/۱۵ اسلئے تفسیر القرآن بالقرآن میں انبیاء کے نام پر ؑ لکھا گیا ہے جو سلٰمٌ علیہ کا مخفف ہے۔ نیز تفسیر میں جگہ بجگہ بڑے دیئے گئے ہیں جو سورت کا نمبر آیت کا نمبر ہیں مثلاً ۱/۲ سے پہلی سورت کی پہلی آیت اور ۶/۴ سے چوتھی سورت کی چھٹی آیت مراد ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

ساتھ نام اللہ رحمان رحیم کے

الٓمّٓ ۝ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ

الٓمّٓ اللہ نہیں حاکم سوائے اس

الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۝ ۲

خود زندہ خود قائم کے

نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا

نازل کی تمہے اوپر تیرے ہی کتاب ساتھ حق کے تصدیق کرنیوالی واسطے

بَيْنَ يَدَيْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۳

اسکے جو درمیان ہاتھوں اسکے ہے اور نازل کی تورات اور انجیل

مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ۬

اس سے پہلے ہدایت لوگوں کیلئے اور نازل کیا فیصلہ

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ

بیشک جو لوگ انکار کریں ساتھ آیتوں اللہ کے واسطے انکے سزا ہے

شَدِيْدٌ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ۝ ۴

سخت اور اللہ غالب ہے صاحب بدلے کا

اللہ صاحب بخشش عام، اور صاحب رحمت خاصہ کے (بابرکت) نام کیساتھ پڑھیگا:

اے امین! لین القلب! مرسل! محمدا (حمد درحمد کئے ہوئے) اللہ کے سوا کوئی فرمانبرداری کے لائق نہیں۔ وہ ازخود زندہ ہے۔ (نیز ہمیشہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ ہمیشہ کیلئے) ازخود قائم بالذات ہے۔

اے رسول! اس (حیّ وقیوم) نے آپ پر اپنی حیثیت بدوش کتاب نازل فرمائی ہے۔ جو (اُن کتابوں کی) تصدیق کرنیوالی ہے، جو اس سے پہلے نازل ہوئیں اور اللہ تعالیٰ ہی نے اس سے پہلے لوگوں کی ہدایت کیلئے توراۃ اور انجیل نازل فرمائی۔ اور (پھر یہ قرآن کتاب فیصل نازل فرمائی)۔

بیشک جو لوگ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔ اُن کیلئے سخت عذاب ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ (مجرموں کو سزا دینے میں) غالب ہے۔ اور ہر جرم کی پوری پوری سزا دینے والا ہے۔

● دیکھئے! یہ سورۂ مقدسہ کی ابتدائی آیات کریمات ہیں، جن میں وحدت باری کے بعد اس اہم ترین امر کی وضاحت کی گئی ہے کہ نوعِ انسانی کی رہنمائی کیلئے صرف مُنزل من اللہ کتاب کی ضرورت ہے۔ قرآن کریم سے پہلے بھی انسانی ہدایت کیلئے توراۃ وانجیل وغیرہ تمام کتابیں اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے نازل ہوئی تھیں۔ اور سلسلۂ ہدایت کی آخری کتاب

عـــہ۔ حروفِ مقطعات کی بحث دیباچہ کے صفحہ ۱۰ پر ملاحظہ فرمائیں

قرآن کریم بھی اُسی کیطرف سے نازل کیگئی ہے۔
نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ۳/۳ کے الفاظ انتہائی اہم اور غور طلب ہیں جن سے بالوضاحت ثابت ہوتا ہے کہ قرآن کریم کے جملہ مندرجات حق ہیں یعنی کائناتی مشاہدات ہر دور میں انکی تصدیق کرتے چلے جارہے ہیں اور کرتے چلے جائینگے لیکن یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا سابقہ کتب انجیل و تورات حق نہیں ہیں۔ اگر وہ حق ہیں تو نزول قرآن کی کیا ضرورت تھی۔ اسکا جواب خود آیاتِ بالا نمبر ۳-۴ میں گزر چکا ہے کہ قرآن سے پہلے تورات و انجیل کو بھی لوگوں کی ہدایت کیلئے نازل کیا گیا تھا جو حق ہی تھیں لیکن ان کتابوں کے اہل حضرات کے متعلق خبر دیگئی ہے يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ۴/۴۶ وہ اللہ کے پاک کلام کی اُسکے اصل مقامات سے تحریف کرتے ہیں۔ اور تحریف کا یہ عمل بدستور جاری ہے جس پر بائیبل کے مختلف ایڈیشن خود گواہ ہیں کہ ہر نیا ایڈیشن سابقہ ایڈیشن سے متعدد مقامات پر مختلف ہوتا ہے۔ پھر اناجیلِ اربعہ میں سے متی مرقس لوقا اور یوحنا کی انجیلیں تو ہیں، لیکن مسیح کی انجیل کوئی نہیں پھر ان اناجیل کی نمایاں تحریفی حالت یہ ہے کہ انکا اصل متن غائب ہے۔ حالانکہ کسی کتاب کو تحریف سے محفوظ رکھنے کا واحد ذریعہ اُسکا متن ہی ہوسکتا ہے۔ اسلیئے ان حالات میں اب ایک ایسی کتاب کی ضرورت تھی، جسے تحریف سے محفوظ رکھنے کیلئے اُسکے متن کی حفاظت کردیگئی ہو۔ چنانچہ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۱۵/۹ کی ضمانت کیساتھ قرآن کریم کو نازل کرکے اُسے فرقان ۳/۴ بھی قرار دیدیا ہے۔ اسمیں قیامت تک کوئی ردو بدل بھی نہیں کرسکیگا اور جتنی تحریف من اللہ میں سابقہ اہل کتاب نے کر رکھی ہے یہ اُسکا فرق بھی نمایاں کرتا رہیگا المختصر سابقہ کتب توراۃ انجیل وغیرہ سب حق ہی نازل ہوئی تھیں۔ مگر اہل کتاب نے ان میں تحریف کردی ہوئی ہے! اسلیئے اب قیامت تک کیلئے خداوندی رہنمائی قرآن کریم سے ملتی رہیگی۔ سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ اگرچہ سابقہ کتب میں تحریف بڑے ازوارانہ انداز سے کیگئی تھی لیکن اللہ تعالیٰ سے مخفی نہیں، کیونکہ :-

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي

بیشک اللہ نہیں پوشیدہ رہتی ہے اُس سے کوئی چیز بیچ

الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ ۵

زمین کے اور نہ بیچ آسمان کے

بلاشبہ اللہ وہ ہے کہ اُس سے نہ کوئی زمین کی چیز مخفی رہتی ہے نہ آسمان کی۔ (تو اسطرح جب وہ ہر مجرم کی حقیقتِ جرم سے پوری طرح باخبر ہے۔ تو اُسکی عدالت سے کسی مجرم کا بچ نکلنا ہرگز ممکن نہیں۔ جبکہ اُسکے ہاں نہ رشوت راہ پاسکتی ہے نہ سفارش ۲/۴۸ + ۲/۲۵۴)

• اس سے اگلی آیت میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے وہ خوردبینی جرثومہ بھی مخفی نہیں جو ماں کے پیٹ، رحم اور غول کے متعدد پردوں اور اندھیروں میں پوشیدہ ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ ان اندھیروں اور پردوں میں بھی قسم قسم کی تصویریں بناتا رہتا ہے :-

هُوَ الَّذِيْ يُصَوِّرُكُمْ فِي الْاَرْحَامِ

وہ، وہ ہے جو تصویریں بناتا ہے تمہاری بیچ رحموں کے

(اے نوعِ انسانی!) وہ اللہ ہی ہے جو ہر ماں کے رحم میں اپنے قانونِ مشیت کیمطابق جسطرح چاہتا ہے تمہاری

كَيْفَ يَشَآءُ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿٦﴾

جیسے چاہتا ہے نہیں حاکم سوائے اُس غلبے والے حکمت والے کے

تصویریں بناتا ہے۔ اُسکے سوا کوئی فرمانبرداری کے لائق نہیں۔ وہ ارحموں کے متعدد اندھیروں میں تصویریں بنانے پر) غالب بھی ہے اور صاحب حکمت بھی۔ (یعنی اپنے حکمت بھرے قانون جاریہ کے مطابق ہی جُدا جُدا تصویریں بناتا ہے)

● ۱ نوع انسانی کے ہر فرد کی الگ الگ تصویر یعنی جُدا جُدا حلیہ غالب حکمت والے کی ایک عظیم حکمت ہے جسمیں اُسکی صفت عزیز ذُوانتقام کا مخصوص عمل دخل ہے۔ ہر انسان کا الگ الگ حلیہ ہی وہ حکمت بالغہ ہے جسکی بدولت مظلوم، ظالم کو اور شاہد اپنے مشہود کو دنیا اور آخرت کی عدالت میں پہچان سکتا ہے۔ مجرم کی شناخت پریڈ کیلئے اُسکی الگ تصویر، یعنی اُسکے الگ حلیے کی ضرورت ہے جو مصورِ رحمی نے رحم مادر ہی میں پوری کردی ہوئی ہے۔ دستاویزوں میں حلیہ اور جسم کا کوئی مخصوص نشان لکھا جاتا ہے۔ انسان کے ہاتھ پیروں کی انگلیوں کے نشان بھی اسی لئے باہم مختلف ہیں۔ اس دنیا میں ہاتھوں اور پیروں کی گواہی انگوٹھوں کی ریکھوں کے الگ الگ نشانات میں، جو دستاویزوں پر انگوٹھا لگوا کر لی جاتی ہے۔ خواندہ افراد کے دستخط بھی ہاتھوں کی گواہی ہے۔ حکومتیں ایسے مخصوص کالج قائم کرتی ہیں جنمیں انگوٹھوں کی ریکھوں اور دستخطوں کی پہچان کا علم سکھایا جاتا ہے۔ قاتل قتل کرکے فرار ہو جائے تو اُسکی گرفتاری کیلئے اُسکا حلیہ شائع کیا جاتا ہے۔ تھانوں میں اُسکی تصویر (فوٹو) کی کاپیاں رکھدی جاتی ہیں۔ نیز مجرم مفرور کی تصویر اشتہاروں میں چھاپکر شہروں کے چوکوں میں چسپاں کردی جاتی ہیں۔ یہ سب کچھ مصورِ رحمی کی الگ الگ تصویر کشی کی بدولت ہے۔ ہر انسان کی تصویر اُس نے اولین خوردبینی جرثومے میں موجود ہوتی ہے۔ اور ہر انسان شکم مادر سے ایک الگ تصویر (حلیہ) لیکر پیدا ہوتا ہے۔ اللہ عزیز ذُوانتقام نے اتنا عظیم نظام اسلیئے قائم کر رکھا ہے تاکہ کوئی مجرم جُرم کرکے غیر مجرموں میں خلط ملط نہ ہوسکے۔ پھر ذات باری نے فوٹو اور ٹیلیویژن کا انتظام بھی اپنی صفت مصوری کے تحت اس کائنات میں روزِ آفرینش سے رکھدیا ہوا ہے تاکہ مجرم کے اقدام جرم کی پوری فلم تیار ہو جائے۔ غرض یہ کہ مجرم جُرم کی سزا سے بچ نہ سکے۔ اللہ تعالیٰ خود بھی عادل ہے۔ اُسکی عدالت میں کوئی مجرم سزا سے ہرگز نہیں بچ سکیگا۔ نیز اُس نے دُنیوی حاکموں کو بھی عدل ہی کا حکم دیا ہے اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ﴿۵﴾۔ اور مجرموں کی تخصیص کیلئے اُس مصورِ رحمی نے رحم مادر ہی میں ہر انسان کی الگ تصویر بنادی ہے نیز ہر مجرم و غیر مجرم کے حلیے کو محفوظ کرنے کیلئے اس کائنات میں فوٹو کشی کا سامان بھی مہیا کردیا ہے اور اقدام جرم کی پوری فلم تیار کرنے کیلئے ٹیلیویژن کے اسباب بھی روزِ آفرینش سے ہی پیدا کر دیئے ہوئے ہیں نیز گوناگوں سائنسی عجائبات کے خالق نے قرآن کریم میں صدیوں پیشتر انکی علوم کی خبر دیدی ہوئی ہے جو قیامت تک معلوم ہوتے رہینگے۔ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ﴿۳/۱۹۱﴾۔

طریقۂ تفہیم قرآن کی وضاحت

● اس سے اگلی آیت مجیدہ میں بالوضاحت بتادیا گیا ہے کہ قرآن کریم میں دو قسم کی آیتیں ہیں محکمات اور متشابہات لیکن اصل کتاب محکمات ہیں۔ متشابہات نہیں:-

هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ
وُہ ہے جس نے نازل کی اُوپر تیرے اپنی کتاب اِس میں سے
اٰیٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَ اُخَرُ
آیتیں ہیں محکم وہ اصل کتاب ہیں اور دوسری
مُتَشٰبِهٰتٌ ؕ فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ
مانند ہونیوالی پھر جو لوگ کہ بیچ قلوب اُنکے ٹیڑھ ہے
فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ
پس وہ پیروی کرتے ہیں متشابہات کی اُس میں تلاش فتنہ
وَ ابْتِغَآءَ تَاْوِیْلِهٖ ؔۚ وَ مَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗۤ اِلَّا
اور تلاش اُسکی تاویل کیلئے۔ اور نہیں جانتا اُسکی تاویل سوائے
اللّٰهُ ؔۘ وَ الرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ
اللہ کے۔ اور پکے بیچ علم کے کہتے ہیں
اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَ مَا یَذَّكَّرُ
ایمان لائے ہم ساتھ اُسکے سب طرف سے ہے ہمارے رب کے۔ اور نہیں نصیحت [21]
اِلَّاۤ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝ ۷
مگر صاحب عقل کے

اے رسول! وہ اللہ ہی ہے جس نے آپ پر اپنی کتاب نازل فرمائی ہے (قرآن حکیم)۔ اُسمیں سے ایک قسم کی آیتیں محکمات ہیں بس وہی اصل کتاب ہیں۔ (ہر مسئلہ کی عمارت محکمات ہی کی بنیادوں پر اُٹھائی جائیگی)، اور دُوسری قسم کی آیتیں ہیں متشابہات۔ (یعنی محکمات کے ساتھ ملتی جلتی۔ مگر اُن سے محکمات کے خلاف شبہ پیدا ہوتا ہے)، پھر جن لوگوں کے ذہن ٹیڑھے ہیں۔ وہ اُن میں سے فتنہ اور من مانی تاویل تلاش کرنے کیلئے اُس چیز کی اتباع کرتے ہیں، جس سے محکمات کے خلاف شبہ پیدا ہوتا ہے۔ حالانکہ اُن کی تاویل اللہ کے سوا نہ کوئی جانتا ہے نہ ظاہر کرتا ہے[1])
اور جو لوگ علم میں پختہ ہیں[2]۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم قرآن کیساتھ ایمان لائے۔ یہ سارے کا سارا ہمارے پروردگار کا نازل کردہ ہے۔ (یعنی وہ متشابہات کو محکمات کی مثل و مانند جانتے، اور متشابہات کو محکمات کے ماتحت رکھتے چلے جاتے ہیں۔ یہ لوگ صاحب عقل ہیں) حقیقت یہ ہے کہ قرآن حکیم سے صاحب عقل ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں[3]۔

• [1] فعل عَلِمَ یَعْلَمُ کا معنی جاننا بھی ہے اور ظاہر کرنا بھی۔ ۳/۱۴۲ + ۹/۱۶۔
• [2] راسخون فی العلم کا معنی ہے جو علم میں پختہ اور ثابت ہوں۔ اور علم کی تعریف ۲/۱۴۲ میں بیان ہوئی ہے۔ وَلَا تَقْفُ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنَّ السَّمْعَ وَ الْبَصَرَ وَ الْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا ۝ اور تو اُس چیز کے پیچھے نہ پڑنا جس کا تجھے علم نہ ہو۔ (علم کے دروازے یہ ہیں کہ) بلاشبہ کان آنکھیں اور دماغ، ان سب چیزوں کے متعلق سوال کیا جائیگا کہ جو تمہارے عقائد و نظریات، خدا تعالیٰ کے عطا کردہ اِن میزانوں پر پورے نہیں اُترتے تھے، تم اُنکے پیچھے کیوں پڑے رہے۔
• پس راسخون فی العلم وہ ہیں جو سمع بصر اور فؤاد کی شہادت کی پابندی کریں۔ اور محکمات و متشابہات دونوں قسم کی آیات کریمات کو مُنزل من اللہ مانیں لیکن محکمات کو اصل کتاب مانتے ہوئے متشابہات کو اُنکے ماتحت رکھیں۔
• [3] دیباچہ کے عنوان نمبر ۱۳ میں محکمات و متشابہات کی وضاحت کیجا چکی ہے کہ قرآن کریم کی وہ آیات کریمات متشابہ ہیں، جنمیں:-
۱۔ بعض الفاظ یا اصطلاحیں بطور مجاز استعمال ہوئی ہیں۔ مثلاً یدُ اللہ اور وجہُ اللہ کے مرکب اضافی سے یہ شبہ پڑتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کوئی مجسم شخصیت ہے اور اُسکے ہاتھ منہ وغیرہ بھی ہیں۔ یہاں یَد بمعنی طاقت ہے ہاتھ نہیں۔ اور وجہ

یعنی رضا ہے چہرہ نہیں۔ ہاتھ منہ چہرہ وغیرہ سب دیکھنے کی چیزیں ہیں۔ اگر خدا تعالیٰ کے یہ اعضاء ہوتے تو دکھائی دیتے لیکن ۶/۱۰۳ میں کہدیا ہے لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ۔ اُسے نہ آنکھیں دیکھ سکتی ہیں نہ عقل پا سکتی ہے۔ پس یدُ اللہ اور وجہُ اللہ بطور مجاز استعمال ہوئے ہیں۔

ب۔ وہ آیات کریمات جن کا معنیٰ قواعدِ عرب کی رُو سے ایک سے زائد ہو ہی نہیں سکتا، وہ محکمات ہیں۔ اور جن کے ایک سے زائد معنے لئے جا سکتے ہوں، وہ متشابہات ہیں۔ مثلاً يَهْدِىٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ ۴۲/۱۳ کا قواعد کی رُو سے صرف ایک ہی معنیٰ لیا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اُسکی رہنمائی کرتا ہے جو خود اُسکی طرف رجوع کرتا ہے۔ یہ آئت محکم ہے اور اِسکے برعکس قواعد کی رُو سے، وَاَنَّ اللّٰهَ يَهْدِىْ مَنْ يُّرِيْدُ ۲۲/۱۶ کے دو معنے ہو سکتے ہیں یعنی یہ معنیٰ بھی صحیح ہے "بلاشبہ اللہ تعالیٰ اُسے ہدائت دیتا ہے جس کیلئے خود اللہ ارادہ کرتا ہے" اور یہ معنیٰ بھی درست ہے کہ "بلاشبہ اللہ تعالیٰ اُس شخص کو ہدائت دیتا ہے جو شخص خود ہدائت حاصل کرنے کا ارادہ کرتا ہے" پس ۴۲/۱۳ محکم ہے اور ۲۲/۱۶ متشابہ ہے۔

ج۔ وہ آیات کریمات محکمات ہیں جو قرآنِ کریم کے دیباچہ یعنی اسکی فہرست اور پیش لفظ سورۃ فاتحہ کے سات عنوانات کی تائید کرتی ہیں۔ اور جو آئتیں بظاہر اِن عنوانات کی مخالفت کرتی ہوں، وہ متشابہات ہیں۔ اُنکا جو مفہوم عنوانات سورہ فاتحہ کے مطابق ہوگا وہ صحیح ہے اور جو اُنکی مخالفت کرتا ہو وہ غلط ہے۔

د۔ نیز جس آئت کا مفہوم مشاہداتِ عالم کی مخالفت کرتا ہو وہ آئت متشابہ ہے۔ اُسکا وہ مفہوم صحیح ہے جو عالمی مشاہدات کیمطابق ہو۔

• پس قرآن کریم کی رُو سے راسخون فی العلم وہ ہیں جو آیات متشابہات کا وہ مفہوم قرآن کریم سے تلاش کرتے ہیں، جو محکمات اور قرآنی منشور سورہ فاتحہ کے سات عنوانات کے مطابق ہو۔ اِسکے برعکس بعض لوگ کچھ مخصوص افراد کو راسخون فی العلم قرار دیکر، اُنہیں اللہ تعالیٰ کیطرح آیات متشابہات کا عالم ٹھہراتے اور آئت مجیدہ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ م وَالرّٰسِخُوْنَ فِى الْعِلْمِ میں اِلَّا اللّٰهُ کے بعد والے میم کے وقف لازم کو اڑا کر مفہوم یہ بیان کرتے ہیں کہ آیات متشابہات کی تاویل اللہ اور راسخون فی العلم جانتے ہیں۔ حالانکہ میم کا وقف لازم جو اللہ اور راسخون فی العلم کے درمیان فصل کیلئے آیا ہے اگر اسے اڑا کر اللہ اور راسخون فی العلم میں وصل کر دیا جائے تو اسی آئت مجیدہ میں كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا کا یہ مفہوم بنتا ہے کہ اللہ سمیت راسخون فی العلم یہ کہتے ہیں کہ محکمات اور متشابہات سب ہمارے رب کی نازل کردہ ہیں۔ حالانکہ یہ مفہوم مطلقاً غلط ہے، کیونکہ اللہ کا کونسا رب ہے جس کیطرف سے قرآن کریم اور آیاتِ محکمات و متشابہات نازل ہوئی ہوئی ہیں۔ فلہذا میم کے وقف لازم برائے فصل کو نظرانداز کرنا بھی غلط ہے۔ اور راسخون فی العلم کو وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ میں اللہ تعالیٰ کیساتھ شریک کرنا بھی صحیح نہیں۔ چنانچہ سلسلۂ درس کی اگلی آئت مجیدہ اسی چیز کی تائید کرتی ہے:۔

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا	(وہ راسخون فی العلم کہتے ہیں کہ ہماری آرزو یہ ہے کہ
رب ہمارے نہ ٹیڑھے پا ذہن ہمارے پیچھے جب ہدائت دی تو نے ہمیں	اے ہمارے پروردگار تو ہمارے ذہنوں میں ٹیڑھا

وَهَبْ لَنَا مِن لَّدُنكَ رَحْمَةً ۚ إِنَّكَ أَنتَ
اور عطا کر واسطے ہمارے طرف اپنی سے رحمت۔ بیشک تو ہے
الْوَهَّابُ ۝ ۸
عطا کرنے والا

پھر نہ پائے، پیچھے اس کے کہ تو نے ہمیں ہدایت دے دی ہے۔ اور تو ہمیں اپنی طرف سے رحمت عطا فرما۔ بلا شبہ تو ہی تو (اپنی طرف سے رحمت) عطا کرنیوالا ہے۔

● غور فرمائیگا: کہ اگر اللہ اور راسخون فی العلم کے درمیان وقف کو اڑا دیا جائے۔ تو مفہوم یہ بنتا ہے کہ خود اللہ بھی اور راسخون فی العلم بھی، سب کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! جبکہ بعد کہ تو نے ہمیں ہدایت دیدی ہے، ہماری آرزو ہے کہ ہمارے قلوب اسکے بعد ٹیڑھے نہ ہونے پائیں۔ اب چونکہ یہ دعا، یہ تمنا، اور یہ آرزو خدا تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا شان باری کے منافی ہے۔ اسلئے ثابت ہوا کہ اٰمَنَّا بِهٖ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا کے متکلم بھی صرف راسخون فی العلم ہی ہو سکتے ہیں اللہ نہیں ہو سکتا۔ اور رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا..... الخ کا متکلم بھی اللہ تعالیٰ ہرگز نہیں ہو سکتا، صرف راسخون فی العلم ہی ہو سکتے ہیں۔ فلھذا ثابت ہوا کہ متشابہات کی تاویل بھی صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ اور اُسے اپنی محکمات میں ظاہر بھی اُسی نے کر دیا ہے۔ راسخون فی العلم انکی تاویل کو ہرگز نہیں جانتے۔ البتہ وہ اس چیز پر ایمان رکھتے ہیں کہ محکمات و متشابہات انکے پروردگار ہی کی نازل کردہ ہیں! وہ متشابہات کی تاویل کیلئے انہیں محکمات کے ماتحت رکھکر، محکمات ہی سے تلاش کرتے ہیں۔ اس سے اگلی آیت کریمہ میں راسخون فی العلم کی ایک دعا بیان ہوئی ہے۔

رَبَّنَا إِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ
رب ہمارے بیشک تو جمع کرنیوالا ہے لوگوں کو اس دن کو نہیں شک
فِيهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيعَادَ ۝ ۹
بیچ اسکے۔ بیشک اللہ نہیں کرتا خلاف اپنے وعدے کے

ع ۹

اے ہمارے پروردگار! بیشک تو لوگوں کو اس دن[1] جمع کرنیوالا ہے جسکے واقع ہونے میں شک نہیں۔ (یہ لوگ فرد شکست خوردہ جمع ہونگے) بیشک اللہ تعالیٰ اپنے عہد کے خلاف نہیں کرتا۔ (اُس نے اپنے عہد كَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ[۳] کے مطابق ضرور ضرور کافروں کے مقابلے پر مومنوں کی مدد کرنا اپنے ذمہ لے رکھا ہے)۔

● علہ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيهِ سے عام طور پر قیامت کا دن مراد لیا جاتا ہے۔ لیکن سیاق کلام اسکی تائید نہیں کرتا جیسے کہ آگے آیت نمبر ۱۱ میں كَدَأْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ کے الفاظ میں کاف حرف تشبیہ لا کر ثابت کیا گیا ہے کہ اس دن سے مراد شکست کا دن ہے، قیامت کا نہیں۔ کیونکہ آل فرعون کے متعلق بتایا گیا ہے کہ انہیں انکی سرکشیوں کی بدولت پکڑ لیا گیا اور یہ دنیوی گرفت تھی اُخروی نہیں تھی۔ نیز آیت نمبر ۱۲ میں زمانہ رسالت کے کافروں کو مخاطب کرکے کہا گیا ہے کہ تم عنقریب شکست کھا جاؤ گے یہ بھی دنیوی شکست کا عذاب تھا۔ آخرت کا نہیں اگلی آیت مجیدہ میں انہی کافروں کے متعلق خبر دی گئی ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَن تُغْنِيَ عَنْهُمْ
بیشک جو لوگ انکار کریں ہرگز نہیں کفایت کرینگے اُن سے

بلاشبہ جو لوگ ہماری نازل کردہ کتاب[۳] کا انکار کرتے ہیں۔ انہیں (شکست کے دن) اللہ کے عذاب سے بچانے میں نہ انکی

أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُم مِّنَ اللَّهِ شَيْئًا ۖ
مال اُنکے اور نہ اولاد اُنکی طرف سے اللہ کی کچھ بھی
وَأُولَٰئِكَ هُمْ وَقُودُ النَّارِ ۝ ۱۰
اور وہ لوگ، وہی ہیں ایندھن آگ کا

اولاد ہی ذرّہ بھر فائدہ دے سکیں گی نہ مال۔ بیشک یہ لوگ جہنم کی آگ کا ایندھن ہیں (اسوقت ناہموار معاشرہ کے جہنم میں جل رہے ہیں اور اُسدن جس کے واقعہ ہونے میں کوئی شک نہیں شکست کے جہنم میں جلیں گے)۔

كَدَأْبِ آلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ۚ
مانند حالت لوگوں فرعون کے اور جو لوگ تھے پہلے اُنکے
كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا فَأَخَذَهُمُ اللَّهُ بِذُنُوبِهِمْ ۗ
جھٹلایا آیتوں ہماری کو پھر پکڑا اُنکو اللہ نے بدلے گناہوں اُنکے
وَاللَّهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝ ۱۱
اور اللہ بہت سخت ہے سزا دینے میں

ان منکروں کی مثال قوم فرعون اور اُن سے پہلی قوموں جیسی ہے کہ اُنہوں نے ہماری آیتوں کو (اس حد تک) جھٹلایا (اور مخالفت کی کہ اُنکی سرکشیوں کی سزا کا دن آگیا) پس اللہ نے انہیں اُنکے انکار کے بدلے پکڑ لیا۔ (کسی قوم پر آندھی اور زلزلہ آیا اور کوئی قوم پانی میں غرق کر دیگئی) حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مجرموں کو عذاب کرنے میں بہت سخت ہے۔

● اس سے اگلی آیت مقدسہ میں رسول اکرم سلام علیہ کی زبانِ فیض ترجمان سے اعلان کروا دیا گیا ہے۔ کہ آنحضور کے مخالف عنقریب شکست یاب ہو جائینگے اس آیتِ مجید سے کھل کر ثابت ہو چکا ہے کہ آیاتِ ماسبق میں کافروں کیلئے قیامت کے عذاب کا نہیں بلکہ دُنیا کی شکست کا ذکر ہے۔

قُل لِّلَّذِينَ كَفَرُوا سَتُغْلَبُونَ وَتُحْشَرُونَ
کہ واسطے اُنکے جنہوں نے انکار کیا عنقریب تم مغلوب ہو گے اور جمع کیے جاؤ گے
إِلَىٰ جَهَنَّمَ ۚ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝ ۱۲
بیچ آگ کے۔ اور ہے بُرا ٹھکانا

اے رسول! منکرینِ ربوبیت کو کہہ دیجئیگا، کہ تم عنقریب مغلوب ہو جاؤ گے۔ اور عنقریب شکست [1] کی آگ میں اکٹھے کیے جاؤ گے اور وہ (شکست کی زمین) بہت بُری زمین [2] ہے۔

[1] یہاں جہنم کا معنی شکست ہے۔

[2] مہاد کا معنی پست زمین (المنجد صفحہ ۱۲۳۳) جس زمین (میدان) میں شکست ہو جائے آیت بالا میں اُسے جہنم اور بئس المہاد کہا گیا ہے حقیقت یہ ہے کہ قوموں کی تاریخ میں سب سے بڑا دکھ اور سب سے بڑا میدان (زمین) وہ ہے جس میں انہیں شکست ہو جائے۔ اگلی آیت مجیدہ میں صحابہ کے اُسی جنگ کا نقشہ پیش کیا گیا ہے۔ جس کے متعلق کفار کو مطلع کر دیا گیا تھا کہ تم عنقریب مغلوب ہو گے اور شکست کے جہنم میں اکٹھے کیے جاؤ گے۔

قَدْ كَانَ لَكُمْ آيَةٌ فِي فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ۖ
بیشک ہے واسطے تمہارے نشانی بیچ دو گروہوں کے مقابلے کے
فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَأُخْرَىٰ كَافِرَةٌ
ایک گروہ لڑتا تھا بیچ راہ اللہ کے۔ اور دوسرا انکاری تھا

بیشک تمہارے لئے اُن دو جماعتوں میں ایک واضح نشان ہے، جو باہم متقابل آئیں۔ ایک (مومنوں کی جماعت تھی جو ذاتی مفاد کیلئے نہیں بلکہ نفاذِ ربوبیت کیلئے) اللہ کی راہ میں لڑی تھی اور دوسری ضابطۂ ربوبیت کی منکر تھی۔ اُن (دونوں نے) اُن (کافروں)

يَرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَأْيَ الْعَيْنِ ؕ وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ
وہ دیکھتے تھے انہیں دوگنے اپنے سے دیکھنا آنکھوں کا۔ اور اللہ قوت دیتا ہے
بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً
ساتھ اپنی مدد کے جسے چاہے۔ بیشک بیچ اسکے البتہ عبرت ہے
لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ۝ ۱۳
واسطے عقلمندوں کے

کو آنکھوں کیساتھ اپنے سے دوگنے دیکھ لیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے قانونِ مشیت کے مطابق اُن لوگوں کو اپنی مدد کیساتھ طاقت دیتا ہے (جو اپنے اعمال کیساتھ) اللہ کی مدد چاہتے ہیں)۔ بلاشبہ اِس امر میں عقلمندوں کیلئے سامانِ عبرت ہے۔ (کہ اللہ تعالیٰ اُنکی مدد کرتا ہے جو اپنی مدد آپ کرتے ہیں وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ۲۲/۴۰)

• اِس آیت مجیدہ میں يَرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَأْيَ الْعَيْنِ کے الفاظ سے چونکہ قواعد کے لحاظ سے دو معنے برآمد ہوتے ہیں پہلے یہ کہ کافروں نے مومنوں کو اپنے سے دُگنا دیکھا اور دُوسرے یہ کہ مومنوں نے کافروں کو اپنے سے دُگنے دیکھ لیا۔ اسلئے یہ آیت مجیدہ متشابہ ہے جسے آگے چلکر ۳/۱۲۳ نے محکم کر دیا ہے جسمیں اِسی جنگ کا ذکر جنگِ بدر کے نام سے کیا گیا ہے اور صحابہؓ کو کہا گیا ہے۔ وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ اور بیشک اللہ نے میدانِ بدر میں تمہاری مدد فرمائی، حالت یہ تھی تم وہاں بہت تھوڑے تھے۔ اِس آیت مجیدہ سے ثابت ہُوا ہے کہ جملہ يَرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ میں يَرَوْنَ کا فاعل صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں کافر نہیں۔ نیز کمزوری کی حالت میں مومنوں کا دُگنے کافروں پر غالب آنا ۸/۶۶ میں بتایا گیا ہے۔ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا ؕ فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْۤا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ = اللہ جانتا ہے کہ تم میں کمزوری ہے پس اگر تم میں سو ثابت قدم مجاہدین ہوں تو اللہ کے قانونِ مشیت کے مطابق دو سو پر غالب آئینگے اور اگر ہزار ہوں تو دو ہزار پر بھاری ہونگے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ فیصلہ اُن ثابت قدم مجاہدوں کیلئے ہے جو ۸/۱۵ کے مطابق میدانِ جنگ میں پیٹھ دکھانیوالے نہیں۔

• اِس سے اگلی آیت مجیدہ میں دنیا کے مال کی اُن مخصوص چیزوں کی فہرست دیگئی ہے جنہیں انسان کے سامنے اسکا نفس امارہ بھی اور عوام کے باطل پیشوا بھی مزیّن کرکے پیش کرتے ہیں۔ اور لوگ اِن چیزوں کی محبت میں پھنس کر ضابطۂ خداوندی سے غافل ہو کر قسم قسم کے جرائم میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ واضح رہے کہ اِنہی چیزوں کی اندھا دھند محبت قوموں کے زوال کا باعث بنتی ہے۔

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ
مزیّن کیا گیا واسطے لوگوں کے محبت کرنا خواہشوں کا، عورتوں کی
وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ
اور بیٹوں اور خزانوں جمع کئے ہوؤں سونے کے
وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ؕ
اور چاندی کے اور گھوڑوں نشان کئے ہوؤں اور مویشیوں اور کھیتی کی

انسانوں کیلئے (خود اِنکے اپنے نفسوں کی طرف سے) بیویوں سے جنسیات کے اندھا دھند شوق میں (جو شکست کا موجب بنے) نیز بیٹوں اور سونے چاندی کے جمع کئے ہوئے خزانوں خصوصًا نشان زدہ گھوڑوں اور عمومًا جملہ مویشیوں اور کھیتی میں زینت قرار دیگئی ہے۔ مذکورہ بالا سب چیزیں محض دنیا کی زندگانی کا سامان ہیں۔ (اگر انہیں اللہ کے حکم اور اُسکی حدوں میں رہکر حاصل اور صرف کیا جائے تو

ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ۱۴

یہ ہے فائدہ زندگی دنیا کا۔ اور اللہ ہے اُنکے پاس اچھا ٹھکانہ

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ایسے لوگوں کیلئے بہتر ٹھکانہ ہے۔ (ایسے لوگوں کو دنیا میں بھی ہموار معاشرہ کی جنت میسر آتی ہے اور دوسری زندگی میں بھی نعماء خداوندی کی فراوانی ہوگی)

● اس سے اگلی آیت مجیدہ میں خود آنحضور سلام علیہ کی زبانِ مبارک سے دنیوی نعمتوں کی نسبت اُخروی نعمتوں کی فضیلت کا اعلان کرادیا گیا ہے:۔

قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ ۭ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ۱۵

کہہ کیا میں خبر دوں تم کو بہتر کی اس سے واسطے اُنکے جو بچتے ہیں۔ پاس رب اُنکے ہیں باغات چلتی ہیں بیچ اُن کے نہریں ہمیشہ رہنے والے اُن میں اور جوڑے پاکیزہ اور خوشنودی طرف سے اللہ کے اور اللہ ہے دیکھنے والا بندوں کو

اے رسولؐ! (دنیا کے ناجائز مال کی محبت میں پھنسے ہوئے لوگوں سے) کہہ دیجئیگا کہ کیا میں تم کو اس سے بہتر چیز کی خبر دوں، جو اُن لوگوں کیلئے ہے، جو ضابطۂ خداوندی کی مخالفت سے بچنے والے ہیں۔ اُنکے لئے اللہ تعالیٰ کے ہاں ایسے باغات ہیں، جن کی سطح میں نہریں بہتی ہیں۔ اُن باغوں میں پاکیزہ ساتھی اور رضائے الٰہی کا پورا سامان ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے جملہ اعمال کو خوب خوب دیکھنے والا ہے۔

● اگلی آیت مجیدہ میں اِنہی تقویٰ شعار افراد کے متعلق ارشاد ہوا ہے کہ وہ اللہ کی ربوبیت عالمینی پر ایمان بھی رکھتے ہیں اور اپنی خطاؤں کیلئے طلبِ مغفرت، نیز ناہموار معاشرہ اور شکست کی آگ سے بچنے کیلئے دعا بھی کرتے ہیں۔ لیکن واضح رہے کہ صرف دعاؤں سے اللہ کی مدد نہیں آتی۔ ارشادِ باری ہے وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ۲۲/۴۰ - اور بیشک اللہ اُس کی مدد کرتا ہے جو اپنی مدد آپ کرتا ہے۔ اِسلئے دُعا اپنے آپ کو عمل کرنے کی تحریک ہے:۔

اَلَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۱۶

جو لوگ کہتے ہیں رب ہمارے بیشک ہم ایمان لائے پس معاف فرما واسطے ہمارے خطائیں ہماری اور بچا ہمکو عذاب آگ سے

یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے پروردگار کے حضور صلوٰۃ (موقف میں) کہتے ہیں۔ اے ہماری نشوونما کا سامان کرنیوالے بلاشبہ ہم تیری ربوبیت پر ایمان لائے پس ہماری خطائیں معاف فرما، اور ہمیں ناہموار معاشرہ اور شکست کی آگ سے بچالے

● نیز فرمایا:۔

اَلصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالْقٰنِتِيْنَ

ثابت قدم رہنے والے اور سچ بولنے والے اور فرمانبرداری کرنیوالے

(وہ) قانونِ خداوندی کی راہ میں پیش آنیوالی مشکلوں کا سینہ تان کر مقابلہ کرنیوالے۔ سچ بولنے والے اور اللہ کی فرمانبرداری کرنیوالے

وَالْمُنْفِقِيْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ ۱۷

اور خرچ کرنیوالے مغفرت طلب کرنیوالے سحریوں کے وقت

ہیں۔ (قانونِ خداوندی کے نفاذ کیلئے) مال خرچ کرنیوالے اور سحریوں کیوقت طلب مغفرت کرتے (بستر سے الگ ہو جاتے ہیں ۳/۱۶)

عـــہ • الصّٰبِرِيْنَ .. الخ کے مذکورہ بالا الفاظ موضع جر میں مذکورہ دعا ۳/۱۶ کیطرح اَلَّذِيْنَ اتَّقَوْا کی صفت ہیں اور مفہوم یہ ہے کہ زندگی کے مذکورہ بالا انعامات ایسے متقی لوگوں کو حاصل ہوتے ہیں جو قانونِ خداوندی کی راہ میں پیش آنیوالی مشکلوں کا سینہ تان کر مقابلہ کرنیوالے سچ بولنے والے، اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرنیوالے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی الٰہ نہیں

• اس سے اگلی آیت مجیدہ میں مذکورہ بالا بیان پر اللہ تعالیٰ کی، ملائکہ کی (یعنی تمام کائناتی قوتوں) اور اُن لوگوں کی شہادت پیش کیگئی ہے، جو کتاب کائنات کا علم حاصل کرتے ہیں جو متعصب نہیں ہوتے۔ بلکہ انصاف پر قائم رہتے ہیں۔ کتابِ کائنات کا علم حاصل کرنے ہی سے خدا تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب کا حقیقی علم حاصل ہوتا ہے دیکھئے! اللہ ملائکہ اور اولوالعلم یعنی اُنکی شہادت جو صحیفۂ فطرت کا علم رکھتے ہیں۔

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ

گواہی دیتا ہے اللہ بیشک یہ کہ نہیں کوئی حاکم مگر وہ اور کائناتی قوتیں

وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا ۢ بِالْقِسْطِ ۭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ

اور صاحب علم جو قائم ہیں انصاف پر، گواہی دیتے ہیں نہیں کوئی حاکم مگر وہ

الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۱۸

النصف

غالب حکمت والا

(خود) اللہ تعالیٰ شہادت دیتا ہے عـــہ یہ کہ بلاشبہ خود اُسکے سوا کوئی فرمانبرداری کے لائق نہیں عـــہ۔ اور ملائکہ (یعنی کارگاہِ کائنات میں کام کرنیوالی تمام قوتیں عـــہ) گواہی دے رہی ہیں کہ وہ سب اللہ ہی کے قوانین کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی ہیں) اور اصحاب علم کا ہر فرد* جو انصاف پر قائم ہے وہ بھی یہی گواہی دیتا ہے عـــہ (کہ) اُس اللہ کے سوا کوئی حاکم نہیں وہ غالب ہے۔ اُسکا غلبہ حکمت کی اساس پر ہے۔

*۔ سامنے ترجمہ میں ہر فردِ واحد کے الفاظ اسلئے آئے ہیں کہ اولوا العلم جمع کے بعد قائمًا واحد کا صیغہ آیا ہے جو شَهِدَ فعل یا فاعل میں مستتر ضمیر فاعل سے حال ہے۔ اور اسکے بعد لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کا تکرار عبث نہیں، بلکہ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ کے اظہار کیلئے لایا گیا ہے۔ اور مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ، ملائکہ اور اولوا العلم تقویٰ شعار افراد کی مشترکہ شہادت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ یقینًا اپنے دعووں میں پورا پورا غالب ہے۔ مگر اسکا غلبہ حکمت یعنی دانائی کی بنا پر ہے۔ عقل و بصیرت کے خلاف ہرگز نہیں۔

اللہ تعالیٰ کی شہادت اُسکی اپنی کتاب میں موجود ہے

عـــہ ۴/۱۶۶ میں ارشاد ہوا ہے:۔ لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَيْكَ ویکن اللہ اس مقدس کتاب کیساتھ گواہی دیتا ہے جو اُس نے اے رسول! آپکی طرف نازل فرمائی ہے۔ بالفاظ دیگر اللہ تعالیٰ کا نہ کوئی مادی جسم اور نہ مادی زبان ہے کہ آپکے ساتھ باآواز گواہی دیتا ہو۔ اُسکی گواہی بذریعہ تنزیل آنحضور کیطرف نازل کردہ کتاب میں موجود ہے۔ الٰہ واحد پر دوسری گواہی ہے ملائکہ کی اور تیسری ہے اولوالعلم کی۔ اِنکی وضاحت بالترتیب نوٹ نمبر ۳ و ۴ میں ملاحظہ فرمائیں۔

اِلٰہ کا معنی ہے صاحب حکم عـــہ

• عام تراجم میں لفظ اِلٰه کا ترجمہ معبود کر دیا گیا ہے، جو خود عربی کا لفظ ہے۔ اسطرح عربی کا ترجمہ عربی میں کر دینے سے اس لفظ کا صحیح مفہوم نکھر کر سامنے نہیں آتا۔ بلکہ اس امر کی ضرورت باقی رہتی

ہے کہ لفظ معبود کا معنی واضح کیا جائے۔

• لفظ معبود، عَبَدَ یَعْبُدُ عِبَادَۃً سے اسم مفعول ہے بمعنی عبادت کیا گیا۔ لفظ عبادت کا سہ حرفی مادہ ع ب د = عبد ہے، عبد کہتے ہیں بندے کو۔ پس معبود کا معنی ہوا وہ ذات جس کا بندہ بنا جائے۔ جس کا حکم مانا جائے، یعنی حاکم۔ شاہ عبدالقادر مرحوم نے بھی سورہ قصص کی آیت نمبر ۸۸ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ میں اِلٰه کا معنی حاکم لکھا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ اِلٰه، معبود اور حاکم تینوں الفاظ کا ایک ہی معنی ہے صاحب حکم اسی چیز کی تائید آیات ذیل میں موجود ہے:۔

• اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ۶/۵۷ + ۱۲/۴۰ + ۱۲/۶۷ اور لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ۴۷/۱۹ کا ایک ہی مفہوم ہے، کہ اللہ کے سوا کوئی صاحب حکم نہیں، کوئی فرمانبرداری کے لائق نہیں ــ والدین اور انبیاء سلام علیہم کی اطاعت اسلئے لازم ہے۔ کہ انکی اطاعت کا حکم انکی الگ الگ حدود و قیود کے اندر خود صاحب حکم نے دے رکھا ہے۔ انبیاء سلام علیہم کے متعلق خود ارشاد باری ہے کہ وہ جو بھی حکم دیتے تھے، خدا تعالیٰ کا نازل کردہ ہوتا تھا لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ ۲۱/۲۷۔ وہ اپنے قول میں بھی اپنے خالق و مالک سے آگے نہیں بڑھتے تھے۔

والدین کے متعلق ارشاد ہوا ہے:۔ وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ ... فَلَا تُطِعْهُمَا ۳۱/۱۵ = اور اگر والدین اس چیز کی کوشش کریں کہ تو میرے ساتھ شریک ٹھہرائے تو پھر ان کی اطاعت نہ کرنا۔

۳ ملائکہ کی شہادت

• اللہ کے سوا حاکم کوئی نہیں اس امر پر اللہ تعالیٰ کی شہادت بصورت تنزیل کی وضاحت آیت نمبر ۱ میں گزر چکی ہے۔ دوسرے نمبر پر ہے ملائکہ کی شہادت کہ اللہ کے سوا کوئی صاحب حکم نہیں اس پر شاہد گواہ ہے کہ اس کارگاہ میں کام کرنیوالی ہر کائناتی قوت جو ہر ساعت اللہ تعالیٰ کے حکم (یعنی اسکے قانون) کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی ہے، بزبان حال گواہی دے رہی ہے کہ صاحب حکم صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ ملائکہ کے دن رات کے عمل ہی کو انکے حالی تکلم کے الفاظ میں انکی تسبیح بتایا گیا ہے:۔ نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ۲/۳۰ = ہم تیری تحمید و تقدیس کیساتھ تیری تسبیح کرتے ہیں۔ اسی تسبیح کو سمجھانے کیلئے سورہ بنی اسرائیل میں ارشاد ہوا ہے:۔

• تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ؕ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ۱۷/۴۴ = یہ بیشمار فضائیں اور زمین اور جو کچھ بھی ان دونوں کے درمیان موجود ہے، سب اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتے ہیں۔ یعنی موجودات کی ایک ایک چیز معروف تسبیح ہے۔ لیکن تم ان کی تسبیح کو سمجھنے کیلئے تفقہ نہیں کرتے۔ (یعنی تمہیں کائنات کی ایک ایک چیز کی تسبیح کو سمجھنے کیلئے تفقہ کرنی چاہیئے)۔

• اب رہا یہ سوال کہ موجودات عالم کی تسبیح کو سمجھا کس طرح جا سکتا ہے؟ ــ اسکا جواب سورۂ نور میں دیا گیا ہے:۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ ؕ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ ۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ۲۴/۴۱ = اے مخاطب! کیا تو نے غور نہیں کیا (یعنی تجھے غور کرنا چاہیئے) کہ بلاشبہ اللہ وہ ہے کہ آسمانوں اور زمین کا ہر جاندار عموماً، اور صفیں باندھ کر اڑنے والے پرندے خصوصاً، اس کی تسبیح کرتے ہیں بلاشبہ ان میں سے ہر جاندار اپنی صلوٰۃ و تسبیح کو خوب جانتا ہے۔ (اور ان کی تسبیح کیا ہے؟) اللہ جانتا ہے، جو وہ الگ الگ کام کرتے ہیں۔

• دیکھئے: یہاں تسبیح کا بدل آیا ہے ما یفعلون ـ پس ثابت ہوا کہ ہر جاندار کا وہ کام جو اُسے خالق موجودات کیطرف سے تفویض کیا گیا ہے۔ یعنی اُسکا فرض منصبی ہی اُسکی تسبیح ہے۔

• اسی طرح ملائکہ کی تسبیح اُنکے فرائض منصبی ہیں ۔ وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ وَّالْمَلٰٓئِكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ۝ يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ۝ ۱۶/۵۰ = اور آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے جانداروں اور کائناتی قوتوں میں سے سب اللہ کی فرمانبرداری کرتے ہیں۔ اور وہ تکبر نہیں کرتے وہ اپنے بلند و بالا پروردگار سے ڈرتے ہیں اور اُنہیں جو بھی حکم دیا گیا اُسکے مطابق عمل کرتے چلے جارہے ہیں۔

• اب حضرت انسان کے فرائض میں داخل ہے کہ ۳/۲ کے حکم خداوندی کے مطابق ہر جاندار اور بے جان اور جملہ کائناتی قوتوں کے فرائض منصبی کو جاننے کیلئے تفقہ کرے اور اُن سے بذریعہ تسخیر کام لے۔ یہی ہے ملائکہ کا سجدہ بحضور آدم، جس کی خبر ۲/۳۴ ـ ۷/۱۱ ـ ۱۵/۲۹-۳۰ + ۱۷/۶۱ + ۱۸/۵۰ + ۲۰/۱۱۶ + ۳۸/۷۲ میں بدیں الفاظ دی گئی ہے :۔ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ اور وہ وقت قابل ذکر ہے جب ہم نے جملہ ملائکہ (کائناتی قوتوں کو) زبانِ حال کہا کہ سب کی سب نوعِ آدم کیلئے سجدہ ریز ہو جاؤ (اُسکے تابع تسخیر ہو جاؤ) تو ابلیس کے سوا سب ملائکہ نوعِ آدم کے تابع تسخیر ہو گئے۔ یہ ہے ملائکہ کی شہادت کہ اللہ کے سوا کوئی صاحب حکم نہیں۔

• آیت زیر بحث میں حاکمیت خداوندی پر تیسری شہادت اُن افراد کی لائی گئی ہے

اولوا العلم قائماً بالقسط کی شہادت

جو اولوالعلم اور قائماً بالقسط ہیں۔ اِس پر پہلا سوال یہ ہے کہ اولوالعلم کون ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی حاکمیت کی شہادت کیلئے پیش کیا ہے۔ اسکا جواب سورہ رعد میں دیا گیا ہے :۔

• وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَسْتَ مُرْسَلًا ۭ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًۢا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۙ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ ۱۳/۴۳ = اور کافر کہتے ہیں کہ آپ اللہ کے بھیجے ہوئے نہیں۔ کہدیجئے کہ تمہارے اور میرے درمیان اللہ تعالیٰ کافی گواہ ہے اور کافی گواہ ہے جس کے پاس کتاب کائنات کا علم ہے ۔ چونکہ قرآن کریم کتاب کائنات کے خلاف ایک لفظ نہیں کہتا، اسلئے وہ لوگ جو اولوالعلم ہیں یعنی کتاب کائنات کا علم رکھتے ہیں وہ شبانہ روز کے سائنٹی تجربات کیساتھ، بصورتِ مشاہدات گواہی دیتے چلے جارہے ہیں کہ یہ کائنات اپنے بنانیوالے کے غیر متبدل قوانین کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی ہے ۔ اور اِس بھری کائنات کا واحد حاکم اللہ تعالیٰ ہے ۔

• یورپ کے غیر مسلم مفکرین و مدبرین جو کل تک خالق کائنات کی ہستی میں شک لانے کے نظریہ کے حامل تھے آج مشاہدات کے ہاتھوں مجبور ہو کر اِس چیز کے قائل ہوتے چلے جارہے ہیں کہ اِس کائنات کا کنٹرول ایک ایسی ذات کے قبضہ قدرت میں ہے جس کے قوانین ہرگز ہرگز تبدیل نہیں ہوتے۔ بلکہ وہ اتنا بڑا حساب دان ہے کہ کروڑوں برس سے سورج چاند ستارے وغیرہ اجرام فلکی کو جس مدار پر چلا دیا ہے اور اُنکا سال بھر کا جو چکر روز ازل سے مقرر کر دیا ہے، اِس میں کروڑوں برس کے بعد بھی نہ کوئی خامی پائی گئی ہے نہ خرابی۔ اور نہ اجرام فلکی کے سالانہ ادوار میں آجتک ایک سکنڈ تک کا فرق آیا ہے۔ یعنی کروڑوں سال سے سال کے چاروں موسم بہار، گرما، خزاں اور سرما اپنے اپنے وقت پر بدستور آتے چلے جارہے ہیں۔

• نیز قرآن کریم نے اُولوا العلم حضرات پر قائماً بالقسط کی قید لگا کر واضح کر رکھا ہے کہ اُولوا العلم میں سے ضدی اور ہٹ دھرم لوگ خدائے واحد کی گواہی نہیں دینگے۔ کیونکہ ضد، تعصب اور ہٹ دھرمی سے عقل و بصیرت کے سوئچ آف ہو جاتے ہیں۔ کائنات کا علم ہونے کے ساتھ ساتھ اُولوا العلم کا قائماً بالقسط ہونا بھی ایک شرط ہے۔ یعنی عالمی مشاہدات کی رُو سے خدا تعالیٰ کی حاکمیت کی گواہی وہ دیتے ہیں جو ضدی اور متعصب نہیں، بلکہ انصاف پر قائم ہیں۔

رجوع الی المطلب

• ہم عرض کر رہے ہیں کہ الٰہ کا معنیٰ ہے حاکم۔ اور لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ کا معنیٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی حاکم نہیں۔ چنانچہ اگلی آیت مجیدہ میں اسی چیز کی وضاحت کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ دین صرف اسی کی فرمانبرداری ہے۔ واضح رہے کہ متوازن معاشرہ کے قیام کے وہ اصول جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں وہ اللہ کی فرمانبرداری کے قوانین ہیں۔ وہی اللہ کا پسندیدہ دین ہے۔ آیت ذیل میں اسلام کو اللہ کا پسندیدہ دین کہا گیا ہے چونکہ اسلام کا معنیٰ ہے گردن نہادن گردن الدینا یعنی احکام الٰہی کے سامنے سر رکھ دینا ہی اللہ کا پسندیدہ دین ہے۔

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۟ وَ
بیشک ہے دین نزدیک اللہ کے اسلام اور
مَا اخْتَلَفَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ
نہ اختلاف کیا اُن لوگوں نے جو دیئے گئے تھے کتاب، مگر پیچھے
مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْیًۢا بَیْنَهُمْ ؕ وَ مَنْ یَّكْفُرْ
اسکے کہ آیا انکے پاس علم سرکشی کرتے ہوئے آپس میں اور جو کوئی انکار کرے
بِاٰیٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ ۱۹
ساتھ آیتوں اللہ کے پس بے اللہ بہت جلد حساب لینے والا۔

بلاشبہ اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ دین صرف اسلام (یعنی خالص اللہ کی فرمانبرداری کرنا) ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) نے خدا تعالیٰ کی طرف سے اُسکا نازل کردہ علم (کتاب) آ چکنے کے بعد صرف آپس کی سرکشی کی بدولت اختلاف پیدا کر لیا ہے۔ اور جو قوم اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا انکار کرتی ہے (اُسے جان لینا چاہیئے کہ) اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔ (وہ قوم فرعون اور عاد و ثمود کی طرح دنیا میں بھی پکڑ لیتا ہے۔ اور قیامت کا روزِ مکافات بھی کوئی دور نہیں ہے)

• جس طرح پیدائش سے پہلے کا لاکھوں برس کا وقفہ ہر شخص کیلئے ایک ثانیہ کے برابر بھی نہیں۔ اسی طرح موت کے بعد اور قیامت سے پہلے کا وقفہ بھی ہر متوفی کیلئے ایک لمحہ ہی کے برابر ہوگا۔ قیامت کی بعثت پر ایسا معلوم ہوگا کہ ابھی مرے تھے اور ابھی اُٹھا لیا گیا ہے۔ یعنی موت کا ذائقہ ابھی منہ میں ہوگا کہ قیامت برپا ہو جائیگی

دُنیا اور آخرت میں مکافاتِ عمل کا نظریہ

• اِنَّ اللّٰهَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ کے الفاظ میں دنیا اور آخرت دونوں جگہ پر مکافاتِ عمل کا تصور دیا گیا ہے۔ جیسے کہ پیچھے ۳/۱۱ میں آلِ فرعون اور سابقہ نافرمان اُمتوں کی دنیوی سزا کا ذکر گزر چکا ہے اور آگے ۳/۲۲ میں حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ آیا ہے۔ لیکن بعض لوگ اِنَّ اللّٰهَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ سے یہ مفہوم اخذ کرتے ہیں کہ جو شخص مرجاتا ہے اُسے فوراً دوسرا جسم مل جاتا ہے اور فوراً اُسکا حساب شروع ہو جاتا ہے۔

لیکن قرآن کریم پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ قیامت کا ایک مخصوص دور ہے جسمیں صدیوں کے متوفی لوگوں کے گلے سڑے جسم، اُنکی گلی سڑی ریزہ ریزہ شدہ ہڈیاں، بلکہ جسم کا پورا پورا صحیح سالم کر لیا جائیگا۔ جیسے کہ سورہ قیامت میں بالفاظ صریح ارشاد ہوا ہے:۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۝ وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ۝ اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ ۝ بَلٰى قٰدِرِيْنَ عَلٰٓى اَنْ نُّسَوِّيَ بَنَانَهٗ ۝ ۷۵ ۔ اللہ رحمان ورحیم کے نام کیساتھ پڑھ تُو اے صاحب قرآن! یوم قیامت کی شہادت ہے۔ اور (گناہوں پر) ملامت کرنیوالی ضمیر انسانی کی شہادت ہے۔ کیا نافرمان انسان نے گمان کر رکھا ہے کہ ہم اسکی ہڈیوں کو جمع نہیں کرینگے۔ ہاں ہم تو اس پر قادر ہیں کہ ہم اُسکا پورا پورا درست کرینگے۔

• دیکھیے! اِن آیات کریمات میں بالوضاحت بتا دیا گیا ہے کہ صدیوں کی گلی سڑی ہڈیاں اور جسم کا پورا پورا برابر کر لیا جائیگا یہی تصور جب آنحضرت سلام علیہ نے عوام کے سامنے پیش کیا تو منکرین قیامت نے اس پر بہت تعجب کیا۔ خداوند تعالیٰ نے اُن کی آپس کی گفتگو کو اسطرح بیان کیا ہے:۔

• وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا هَلْ نَدُلُّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ يُّنَبِّئُكُمْ اِذَا مُزِّقْتُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ۙ اِنَّكُمْ لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ۝ اَفْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَمْ بِهٖ جِنَّةٌ ۭ بَلِ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ فِي الْعَذَابِ وَالضَّلٰلِ الْبَعِيْدِ ۝ ۳۴/۸-۷

• (مفہوم) اور ضابطۂ خداوندی کے منکر (ایکدوسرے سے) کہتے ہیں کہ کیا ہم تمہیں ایک ایسا شخص بتائیں، جو تمہیں یہ خبر دیتا ہے کہ جب تم (گل سڑ کر) ریزہ ریزہ ہو جاؤ گے۔ تو تمہیں دوبارہ پیدا کر لیا جائے گا۔ اُس نے (اس نظریے کا) اللہ پہ بہتان باندھ لیا ہے۔ اور یا اُسے جنون ہو گیا ہے۔ (اے رسولؐ! آپ کا دماغ خراب نہیں ہوا) بلکہ اعمال کے انجام (یعنی جزا سزا کے منکر لوگ) عذاب اور دُور کی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں۔

• غور فرمائیں! اِن آیات کریمات میں صراحتاً بتایا گیا ہے کہ آنحضور سلام علیہ نے نوع انسانی کو یہی نظریہ پیش فرمایا تھا کہ اِسی جسم کی صدیوں کی گلی سڑی ہڈیوں کو، جو اگرچہ ریزہ ریزہ ہو چکی ہونگی، اعمال کی جوابدہی کیلئے دوبارہ زندہ کر لیا جائیگا۔ اور جس زمانے میں یہ چیز بروئے کار لائی جائیگی اُسی کو یوم القیامۃ دوبارہ اٹھنے کا زمانہ یا یوم الدین، یعنی دنیوی اعمال کی جزا سزا کا زمانہ کہا گیا ہے۔

• اب رہا یہ سوال کہ اگر اعمال کی جوابدہی قیامت کو ہونیوالی ہے، جو متوفی افراد کی یوم وفات سے لکھو کھہا سال بعد برپا ہوگی۔ تو پھر اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ کا مفہوم کیا ہوا؟ جبکہ اسکا لفظی ترجمہ صاف صاف یہ ہے کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔ جوابًا عرض ہے کہ اس جملے کا یہ مفہوم نہیں کہ جب کوئی مرجاتا ہے تو اسی وقت اُسکا یوم القیامت، یوم الدین یا یوم الحساب قائم ہو جاتا ہے۔ بلکہ مفہوم یہ ہے کہ جب بھی کوئی شخص کوئی اچھا یا بُرا عمل بجا لاتا ہے تو اُسی وقت اُس عمل کا اچھا یا بُرا بدلہ، عمل بجا لانیوالے کے حساب میں درج ہو جاتا ہے

[اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ]

اور یہ اچھا یا بُرا بدلہ دیا جائیگا یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ کو (۴۱/۱۴) - یعنی جس دَور میں اُس حساب کو، جو ہر عمل کی بجاآوری پر فوراً درج حساب ہو جاتا تھا، قائم کیا جائیگا، بروئے کار لایا جائیگا - قرآن کریم کی رُو سے یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ وہ ہے جب اللہ تعالیٰ اگلے پچھلے جملہ افراد کو اکٹھا کرلیگا - دیکھئے دلائل القرآن بتعریف آیاتِ الفرقان :-

• قُلِ اللّٰهُ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۲۵/۲۶ = اے رسول کہدیجیئگا کہ اللہ ہی وہ عظیم الشان ذات ہے جو تمہیں زندگی دیتا ہے - پھر تمہیں موت دیتا ہے - اور پھر قیامت کے دن (جسکے برپا ہونے) میں کوئی شک نہیں، تم سب کو اکٹھا کریگا - نیز فرمایا :-

• وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۲۵/۱۷ - اور وہ دن قابلِ ذکر ہے جب اللہ تعالیٰ انہیں (یعنی غیر اللہ سے مرادیں مانگنے والوں کو) اور جن سے مرادیں مانگتے ہیں، سب کو اکٹھا کرلیگا -

• وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ۳۴/۴۰ = اور وہ دن قابلِ ذکر ہے - جب اللہ تعالیٰ سب کو جمع کرلیگا -

نیز اسی یوم القیامت کے منکرین کے متعلق سورہ واقعہ میں قیامت ہی کے حالات کے ضمن میں ارشاد ہوا ہے :-

• وَكَانُوْا يَقُوْلُوْنَ ۥ اَىِٕذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ۙ اَوَاٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ۝ قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ ۙ لَمَجْمُوْعُوْنَ ۥ اِلٰى مِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ۝ ۵۶/۴۷ تا ۵۰ - اور جہنمی لوگ کہا کرتے تھے کیا جب ہم مرجائینگے اور مٹی اور ہڈیاں ہو جائینگے تو پھر کیا ہم بھی اور ہمارے باپ دادے بھی اٹھائے جائینگے - اے رسول کہدیجیئگا، بلاشبہ (تم اور تمہارے باپ دادے) پہلے پچھلے سب کے سب (قیامت) کے متعینہ اور معلوم دن کو بالضرور جمع کئے جانیوالے ہیں -

• اب آیاتِ بالا پر غور کرنے سے بالصراحت ثابت ہوا کہ یوم القیامت، یوم الدین اور یوم الحساب وہ متعینہ اور معلوم دن ہے جب اگلے پچھلے متوفی لوگ جن کی ہڈیاں بھی ریزہ ریزہ ہو چکی ہونگی، اسلاف و اخلاف سب کے سب مکافاتِ عمل کیلئے جمع کرلئے جائینگے - پس اسطرح بھی وہ نظریہ مطلقاً غلط ثابت ہوتا ہے کہ سریع الحساب کا یہ مفہوم ہے کہ جو مرجاتا ہے اُسکا فوراً حساب لے لیا جاتا ہے -

منکرینِ قیامت کو بارشادِ الٰہی رسولِ مقبول کا جواب

• سلسلۂ درس کی گزشتہ آیتِ مجیدہ میں دُنیا اور آخرت میں اعمال کے حساب اور جزا سزا کی خبر دیگئی ہے جس سے غرض یہ کہ لوگ دُنیا و آخرت دونوں کے مکافاتِ عمل کے خداوندی قانون کو ہمیشہ یاد رکھیں اور نیک اعمال بجا لائیں - اگلی آیتِ مجیدہ منکرینِ قیامت کو آنحضور سے کہلوا دیا گیا ہے -

فَاِنْ حَآجُّوْكَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْهِيَ

پھر اگر وہ جھگڑیں آپ سے تو کہہ دیں میں نے فرمانبردار کی اپنی رضا

(اے رسول !) اگر لوگ آپکے ساتھ (یوم حساب کے بارے میں) جھگڑا کریں تو آپ کہدیجیئگا کہ میں نے اور میری پیروی

لِلّٰهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ؕ وَقُلْ لِّلَّذِیْنَ اُوْتُوا
واسطے اللہ کے! اور جو میرا تابع ہے! اور کہہ واسطے اُنکے جو دیئے گئے
الْکِتٰبَ وَالْاُمِّیّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ ؕ فَاِنْ اَسْلَمُوْا
کتاب اور جن کو نہیں دیئے گئے، کیا تم فرمانبردار ہوئے پھر اگر وہ فرمانبردار ہو گئے
فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَیْكَ الْبَلٰغُ ؕ
تو ہدایت پائی۔ اور اگر اعراض کریں تو سوائے اسکے نہیں کہ آپ پر ہے پہنچانا۔
وَاللّٰهُ بَصِیْرٌۢ بِالْعِبَادِ ۲۰ ع
اور اللہ ہے دیکھنے والا بندوں کو

کرنیوالے ہر شخص نے اپنی رضا کو اللہ کا فرمانبردار کر لیا ہے اور آپ اُن لوگوں سے جنہیں کتاب دیگئی ہے (یعنی یہود و نصاریٰ) اور اُمیّین سے، جنہیں کتاب نہیں دیگئی[1]، پوچھیئے! کیا تم اللہ کے فرمانبردار ہو گئے ہو۔ پھر اگر وہ خالص اللہ کے فرمانبردار بن جائیں۔ تو ہدایت پالینگے۔ اور اگر وہ (اللہ کی خالص فرمانبرداری سے) اعراض کریں تو بلاشبہ آپ کے ذمہ (جبراً منوانا نہیں) ہمارا پیغام پہنچانا ہے[2]۔ اور (ہر کسی کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائیگا کیونکہ) اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے اعمال کو دیکھنے والا ہے۔

• [1] اُمّی کا لفظ جب اہل کتاب کے مقابلے پر آئے تو اس سے مراد ہوتے ہیں بنی اسماعیل جنہیں قرآن سے پہلے کتاب نہیں دیگئی۔
• [2] رسولوں کا کام جبراً منوانا نہیں صرف اللہ کا پیغام پہنچانا ہے دیکھئے! ۵/۹۹،۹۲ + ۱۳/۴۰ + ۱۶/۸۲ + ۲۴/۵۴ + ۲۹/۱۸ + ۳۶/۱۷ + ۴۲/۴۸ + ۶۴/۱۲
• اس سے اگلی آیت مجیدہ میں اُن لوگوں کیلئے عذاب الیم کی وعید درج ہے، جو اللہ تعالیٰ کی آیات بینات کا انکار کرتے اور انبیاء علیہم السلام کی مقدس جماعت کی ناحق مخالفت کرتے ہیں۔ اس آیت میں یَقْتُلُوْنَ النَّبِیّٖنَ بِغَیْرِ حَقٍّ کے الفاظ آئے ہیں۔ اب چونکہ اللہ تعالیٰ کے نبی و رسول کا غالب آنا سو فیصدی لازم تھا[۵۸/۲۱] کَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ۔ اسلئے کوئی نبی قتل نہیں ہوا۔ مکمل بحث سورۃ بقرہ کی آیت نمبر ۶۱، ۸۷ و ۹۱ کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَكْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ وَیَقْتُلُوْنَ[1]
بیشک جو لوگ انکار کریں ساتھ آیتوں اللہ کے اور مخالفت کریں
النَّبِیّٖنَ بِغَیْرِ حَقٍّ ۙ وَّیَقْتُلُوْنَ الَّذِیْنَ
نبیوں کی ناحق اور مخالفت کریں ان لوگوں کی
یَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ
جو حکم کرتے ہیں انصاف کا لوگوں میں سے پس بشارت دے انہیں
بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ۲۱
عذاب کی دردناک

بیشک جو لوگ اللہ تعالیٰ کی آیات بینات کا انکار کرتے ہیں اور اللہ کے نبیوں کی ناحق مخالفت کرتے ہیں۔ نیز اس مقدس جماعت کی ناحق مخالفت کرتے ہیں، جو لوگوں میں سے انصاف کا حکم دیتے ہیں۔ اسے رسول! انہیں دردناک عذاب کی خبر دیدیں۔

• [1] قتل کا معنی لڑائی کرنا بھی ہے۔ جیسے کہ وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ کا مفہوم یہ ہے کہ فتنہ پردازی لڑائی سے بھی بدتر ہے۔ لہٰذا فتنہ پردازی کی اجازت نہیں دی گئی۔ کیونکہ فتنہ پردازی جنگ کے بغیر ختم نہیں ہوسکتی۔ اسطرح آیت بالا کا مفہوم یہ ہے کہ بلاشبہ کفار انبیاء اور عدل و انصاف کا حکم دینے والوں کے ساتھ بلاوجہ لڑائیاں کرتے تھے۔ حالانکہ وہ عدل و مساوات کا حکم کرتے تھے۔

• انبیاء سلام علیہم کی لائی ہوئی ربانی تعلیم کی مخالفت انبیاء کی مخالفت ہے۔ جو ہر دور میں ہو رہی ہوتی ہے۔ چنانچہ آیت بالا میں مخالفین انبیاء و مبلغین بالقسط کو دنیا و آخرت میں عذاب الیم کی خبر دی گئی ہے۔ اسی چیز پر مشاہدات عالم گواہ ہیں کہ انبیاء سلام علیہم کی مخالفت، یعنی اُنکے لائے ہوئے اجتماعی پروگرام کو چھوڑنے ہی کا نتیجہ ہے کہ اقوام عالم، باوجود اسکے کہ تسخیر کائنات کے ذریعہ زمین و آسمان کی بے پناہ نعمتیں حاصل کرتی چلی جا رہی ہیں، مگر وہ لوگ اسکے باوجود ہر آن عذاب الیم میں مبتلا ہیں۔ کرۂ ارض کا کوئی حصہ ایسا نہیں، جہاں جنگ کے سبب بادل نہ منڈلا رہے ہوں۔ چنانچہ اس اگلی آیت میں خبر دی گئی ہے کہ ضابطۂ خداوندی کا انکار کرکے انبیاء سلام علیہم کی عملاً مخالفت کرنیوالوں کے بڑے بڑے تسخیری اعمال دنیا میں بھی ضائع ہو چکے ہیں اور قیامت میں ضائع ہو جائینگے۔ دنیا میں ان کا امن و سکون برباد اور باہمی جنگ و جدال جاری ہے اور انہیں آخرت کا عذاب بھی ہوگا۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي
وہی لوگ ہیں جو ضائع ہو گئے اعمال اُنکے بیچ
الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۘ وَمَا لَهُم مِّن نَّاصِرِينَ ۲۲
دنیا کے اور آخرت۔ کے۔ اور نہیں واسطے اُنکے کوئی مددگار

یہی وہ لوگ ہیں کہ اُن کے اعمال دُنیا میں بھی ضائع ہو چکے ہیں۔ اور آخرت میں بھی ضائع ہو جائینگے۔ اور ان (اللہ کی آیتوں کا انکار کرکے انبیاء کی مخالفت کرنیوالوں) کا دُنیا اور آخرت میں کوئی مددگار نہیں۔

• اِس سے اگلی آیت میں یہود کے متعلق بتایا گیا ہے کہ اُنہیں کتاب خداوندی کی فرمانبرداری کی بدولت حکومت ارضی میں حصہ ملا تھا جو کتاب کی نافرمانی کی بدولت چھن گیا۔ اور اب بھی اُن کی حالت یہ ہے کہ جب اُنہیں پھر سے کتاب کی طرف بلایا جاتا ہے تو مُنہ موڑ کر چلے جاتے ہیں۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِّنَ
کیا نہیں غور کیا اُن لوگوں نے جو دیئے گئے حصہ
الْكِتَابِ يُدْعَوْنَ إِلَىٰ كِتَابِ اللَّهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ
کتاب کا وہ بلائے جاتے ہیں طرف کتاب اللہ کے تاکہ فیصلہ کرے درمیان اُنکے
ثُمَّ يَتَوَلَّىٰ فَرِيقٌ مِّنْهُمْ وَهُم مُّعْرِضُونَ ۲۳
پھر منہ موڑا ایک گروہ نے اُن میں سے اور وہ ہیں اعراض کرنیوالے

اے رسول! کیا آپنے اُن لوگوں پر غور نہیں کیا، (یعنی آپکو غور کرنا چاہیئے) کہ جنہیں کتاب میں سے حصہ دیا گیا۔ (کتاب کی اتباع میں حکومت ملی $\frac{7}{137} + \frac{26}{59} + \frac{44}{158}$)۔ وہ کتاب کی طرف بلائے جاتے ہیں تاکہ وہ کتاب اُن کے آپس کے جھگڑوں کا فیصلہ کردے، پھر اُن میں سے ایک فریق منہ موڑ کر چل دیتا ہے۔ اور وہ ہیں ہی اعراض کرنیوالے۔

• بلاشبہ اللہ کی کتاب اجتماعیت کے ذریعہ زمین کا وارث بنا دیتی ہے۔ لیکن انفرادی فائدوں کی چاشنی اسقدر محبوب و مرغوب ہوتی ہے کہ اس تجربہ کے باوجود کہ انفرادیت نے خود غرضی کے جہنم میں پھینک دیا ہوا ہے پھر بھی انفرادیت چھوڑ کر اجتماعیت کیطرف رُخ نہیں کرتے۔ اِس سے اگلی آیت میں اہل کتاب کے علماء و مشائخ کے دیئے ہوئے اُس نظریئے کی خبر دی گئی ہے جو عوام کے اذہان میں پوری طرح راسخ ہو چکا ہے کہ انہیں آخرت

کا عذاب صرف چند دنوں کیلئے ہوگا۔ یعنی اُن کے نبی شفاعت کرکے اُنہیں چھڑا لینگے۔ اسلئے چند دنوں کے عذاب کے ڈر سے دُنیا کے فائدوں سے کنارہ کشی کیوں اختیار کی جائے؟۔

ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ
یہ اسلئے کہ بیشک کہتے ہیں وہ کہ نہیں چھوئیگی ہمیں آگ

إِلَّا أَيَّامًا مَعْدُودَاتٍ وَغَرَّهُمْ فِي دِينِهِمْ
مگر دن گنتی کے۔ اور دھوکا دیا اُنہیں۔ بیچ دین اُن کے

مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ۲۴
جو افترا کرتے تھے

(آخرت کے) مذکورہ بالا (عذاب سے بےخوفی) اسلئے ہے کہ وہ کہتے ہیں، ہمیں آخرت کی آگ کا عذاب نہیں مس کریگا مگر صرف چند روز (۲/۸۰)۔ حقیقت یہ ہے کہ اُنہیں، اُن کے دین میں اُن کے اُس (باطل عقیدے) نے دھوکا دیدیا ہوُا ہے، جو وہ خود افترا کرلیا کرتے تھے (کہ ہم اللہ کے بیٹے ہیں ۵/۱۸ ہمیں چند دنوں کے سوا مزید عذاب نہیں دیا جائیگا ۲/۸۰)۔ علہ

علہ افسوس ہے کہ چند دنوں کے عذاب کا عقیدہ صرف یہود و نصاریٰ ہی میں نہیں۔ بلکہ یہ اہلِ اسلام کے ہاں بھی راہ پا چکا ہے۔ کتبِ روایات کی روایتِ شفاعت میں مذکور ہے کہ جب دوزخی دوزخ میں چلے جائینگے تو رسُولِ مقبول اللہ تعالیٰ سے شفاعت کرکے اپنی اُمّت کو دوزخ سے نکلوا لینگے۔ مسئلۂ شفاعت کی وضاحت سورہ بقرکی آیت نمبر ۲۵۵ میں گزر چکی ہے۔

● اس سے اگلی آیتِ کریمہ میں اہلِ کتاب کے مذکورہ بالا عقیدے کے بطلان کے طور پر انکے متعلق باندازِ مخصوص ارشاد ہوُا ہے:۔

فَكَيْفَ إِذَا جَمَعْنَاهُمْ لِيَوْمٍ لَا رَيْبَ فِيهِ
پھر کیا ہوگا جب ہم جمع کرینگے انکو اُسدن نہیں شک بیچ اسکے

وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا
اور پورا بدلہ دیا جائیگا ہر نفس جو کسب کیا اس نے اور وہ نہیں

يُظْلَمُونَ ۲۵
کئے جائینگے ظلم

پھر اُسدن اُن کا کیا حال ہوگا، جس کے برپا ہونے میں کوئی شک نہیں، جب ہم (تمام لوگوں کے ساتھ) اُنہیں بھی جمع کرلینگے۔ اور ہر شخص کو پُورا پُورا بدلہ دیا جائےگا اُن اعمال کا جو وہ خود بجا لایا۔ حقیقت یہ ہے کہ لوگ (جزا سزا کے فیصلے میں) ظلم نہیں کئے جائینگے۔

● علہ کیف جب استفہام کیلئے ہو تو اسکے بعد کبھی فعل محذوف ہوتا ہے اور کبھی ظاہر، جیسے كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللّٰهِ ۲/۲۸ میں کیف استفہامیہ کے بعد تکفرون فعل ظاہر ہے۔ لیکن یہاں استفہام انکاری کا فعل محذوف ہے۔ اور تقدیرِ کلام یہ ہے كَيْفَ يُخْرِجُونَ أَنْفُسَهُمْ مِنَ النَّارِ، أَيْ لَا طَاقَةَ لَهُمْ أَنْ تَخْرُجُوا أَنْفُسَهُمْ مِنَ النَّارِ إِذَا جَمَعْنَاهُمْ لِعَذَابِ الْخُلْدِ يَوْمٍ لَا رَيْبَ فِيهِ۔ اس آیت مجیدہ میں یہود کے اِس عقیدہ کی تردید کیگئی ہے کہ ہم چند دن آگ میں رہینگے۔ یعنی واضح کردیا

گیا ہے کہ وہ ہرگز اپنے آپ کو آگ سے نکال نہیں سکینگے جب ہم انہیں اُس دن آگ میں پھینک دینگے جس میں کوئی شک نہیں۔

● آیاتِ بالا میں قیامت کی عدالتِ عالیہ کے منصفانہ فیصلوں کی خبر دینے کے بعد اگلی آیت مجیدہ میں دنیوی حکومتوں کے متعلق ایک واضح اعلان کرا دیا گیا ہے، کہ خدا تعالیٰ جس بھی خطہ ارضی کی حکومت جسے عطا کرتا ہے، اپنے قانونِ مشیت کے مطابق عطا کرتا ہے۔ اور جس سے چھین لیتا ہے، قانونِ مشیت کے مطابق ہی چھین لیتا ہے۔ اس نازک ترین مسئلہ کو آنحضور کی زبانِ مبارک سے قُل منظر لاکر حل کرا دیا گیا ہے۔ یہ وہ مسئلہ ہے جس کے ضمن میں جھٹ سے کہہ دیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جسے چاہے حکومت عطا کرے، جس سے چاہے چھین لے۔ لیکن حقیقتِ حال یہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ بلا قانون حکومتیں دیتا اور چھینتا ہے۔ اُسکا ہر فعل اُن کے قانون کیمطابق ہوتا ہے۔

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ

کہ اے اللہ مالک ملک کے دیتا ہے تو ملک مطابق مشیت کے

مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ز

جسے چاہے۔ اور چھین لیتا ہے ملک مطابق مشیت کے جس سے چاہے

وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ط

اور غلبہ دیتا ہے مطابق مشیت کے جسے چاہے و ذلیل کرتا ہے مطابق مشیت کے

بِيَدِكَ الْخَيْرُ ط اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۲۶

قبضے تیرے میں ہے بھلائی بیشک تو ہر چیز کے پیمانے مقرر کرنیوالا ہے

اے رسول! یوں کہیگا کہ اے میرے اللہ، مُلک کا مالک صرف تُو ہے۔ تو جسے (اپنے ملک کے کسی حصہ کی) حکومت عطا کرتا ہے، اپنے قانونِ مشیت ہی کے مطابق عطا کرتا ہے۔ اور جس سے چھین لیتا ہے، اپنے قانونِ مشیت ہی کیمطابق چھین لیتا ہے یعنی جسے غلبہ عطا کرتا ہے اپنے قانونِ مشیت کیمطابق ہی عطا کرتا ہے۔ اور جسے تو ذلیل کرتا ہے اُسے اپنے قانونِ مشیت کیمطابق ہی ذلیل کرتا ہے۔ بھلائی تیرے قبضے میں ہے (جو تیرے قوانین کے مطابق حاصل ہوتی ہے)، بیشک تُو ہر چیز کی قدریں (پیمانے اور قوانین) مقرر کرنیوالا ہے۔

ایک غلط فہمی کا اظہار | یاد رہے کہ یہ وہ آیت مجیدہ ہے، جس کا غلط مفہوم اخذ کر کے خدا تعالیٰ کو ایک بے اصول راجہ یا مغرور نمابندار کی حیثیت دیدی گئی ہے۔ کہ اگر راجہ جی کا مزاج ٹھیک ہے تو کسی کے سلام کرنے پر اسے جاگیر بخش دی۔ اور اگر مزاج خراب ہے تو سلام نہ کرنے کے عوض میں کاٹھ مار کر عمر قید کر دیا۔ اسیطرح مغرور نمابندار خوشامدیوں پر خوش ہوا تو شہر بھر میں من مانیاں کرنے کی چھٹی دیدی۔ اور صرف سامنے سے گزرنے پر مزاج بگڑ گیا تو حوالات میں بند کر دیا۔ بالفاظِ دیگر کوئی اصول نہیں، کوئی قانون نہیں اسیطرح سابقہ تفاسیر نے آیت بالا کی غلط تفسیر کی بدولت خدا تعالیٰ کو بھی بے اصول بنا کر رکھدیا ہے کہ اگر جی میں آیا تو کسی بدمعاش ڈاکو کو بادشاہت دیدی اور چاہا تو کسی شریف آدمی کو زمین پر پٹخ دیا۔

زمین کے وارث کون ہیں؟ | حقیقت یہ ہے کہ نہ اللہ تعالیٰ بے اصول ہے نہ اصول شکن۔ اس نے ہر چیز کے لئے قوانین و ضوابط مقرر کر دیئے ہیں۔ وراثتِ ارضی کے متعلق واضح الفاظ میں فیصلہ دیدیا ہے:-

● اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ ○ $\frac{21}{105}$ = بلاشبہ (میرے قانون کے مطابق) زمین کے وارث میرے

وہ بندے ہیں جو اس میں اصلاح کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ اسی چیز کو جمہوری طرزِ حکومت کی خبر دیتے ہوئے اسطرح بیان کیا گیا ہے کہ تمہاری ریاست کا صدر وہ ہونا چاہیئے، جو تم میں سب سے زیادہ تقویٰ شعار ہے:-

• إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ ۴۹/۱۳ = اللہ کیطرف سے (فیصلہ یہ ہے کہ) تمہارا سب سے زیادہ مکرم (یعنی تمہارا صدر و سربراہ) وہ ہے جو تم میں قوانینِ خداوندی کی سب سے زیادہ نگہداشت کرنیوالا ہے ــ پس وراثتِ ارضی کے متعلق خداوندی فیصلہ صرف یہ ہے کہ زمین کے وارث وہ ہونے چاہئیں جو اصلاح فی الارض کی صلاحیت رکھتے ہوں اور صدارت و امارت کی خدمات اُس شخص کے سپرد کی جائیں جو سب سے بڑھکر قوانینِ خداوندی کی مخالفت سے بچنے والا ہے۔

حصولِ حکومت کے ذرائع

اِس خداوندی فیصلے کو ذہن میں رکھکر اب آیئے حصولِ حکومت کے اُن ذرائع پر غور کریں جو قرآنِ کریم اور عالمی مشاہدات میں موجود ہیں۔ قرآنِ کریم میں فرعون جیسے ظالم شخص کی حکومت کا تذکرہ بھی موجود ہے۔ اور حضرت داؤد و سلیمان اور مسیح و محمد سلامٌ علیہم کی حکومتوں کی خبر بھی درج ہے۔ اب اگر یہ تسلیم کیا جائے کہ فرعون کو بھی اللہ ہی نے ملک عطا فرمایا تھا اور داؤد و سلیمان کو بھی اُسی نے حکومت عنایت کی تھی تو قرآنِ حکیم کا أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ ۲۱/۱۰۵ والا فیصلہ مذاقِ محض بن کر رہ جاتا ہے۔ کیونکہ فرعون کے متعلق قرآنِ کریم کا اپنا فیصلہ موجود ہے:- إِنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِينَ ۲۸/۴ بیشک وہ مفسدوں میں سے تھا۔ اب مفسد چونکہ مصلح کی ضد ہے۔ اِسلئے ظاہر ہے کہ فرعون کو حکومت اللہ تعالیٰ نے نہیں دی تھی۔ بلکہ:-

• حصولِ حکومت کا مطلق قانونِ مشیت یہ ہے کہ یہ طاقت ہی کیساتھ حاصل ہوگی۔ فرعون، چنگیز اور ہلاکو جیسے مفسدین نے بھی طاقت ہی کیساتھ حکومت حاصل کی تھی، اور حضرات داؤد و سلیمان اور مسیح و محمد سلامٌ علیہم جیسے مصلحین نے بھی طاقت ہی کیساتھ اصلاحی پرچم بلند کیے تھے۔ چنانچہ حضرت داؤد کو قرآنِ کریم میں دَاوُودَ ذَا الْأَيْدِ کہا گیا ہے ۳۸/۱۷ = طاقتوں والا داؤد نیز یاد رہے کہ حصولِ حکومت کیلئے درکار طاقت و قوت کی پھر دو قسمیں ہیں:-

۱- عوامی اتحاد اور مادی اسباب کی قوت۔ یہ وہ طاقت ہے جسکے ساتھ حضرت موسیٰ و داؤد اور مسیح و محمد سلامٌ علیہم نے حکومت حاصل کی تھی۔ یہ حکومتِ الٰہیہ ہے جس میں ربوبیت کی رُو سے صدر و عوام ایک ہی سطح کے افراد ہوتے ہیں۔

۲- ذاتی استبداد اور مادی اسباب کی قوت۔ یہ وہ طاقت ہے، جسکے ساتھ فرعون، ہامان اور چنگیز و ہلاکو جیسے مفسدین نے حکومت حاصل کی تھی۔ یہ حکومت شیطانیہ ہے جس میں بالادست افراد کے ہاں نعماءِ خداوندی کی فراوانی ہوتی ہے، اور عوام بنیادی ضروریاتِ زندگی تک سے محروم پائے جاتے ہیں۔ اور یہ دونوں قسم کی حکومت خدا تعالیٰ کے مقرر کردہ قوانینِ مشیت یعنی عوامی اتحاد + مادی اسباب یا ذاتی استبداد + مادی اسباب ہی کے ذریعہ ملتی ہے۔ اور الگ انہی کے فقدان ہی کی بدولت چھن جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کوئی بے اصول ہستی نہیں کہ کبھی مصلحین کو برسرِ اقتدار لاتا ہے اور کبھی حکومت مفسدوں کے حوالے کر دیتا ہے۔ پس آیتِ مجیدہ ۳/۲۶ زیرِ نظر کا روائتی ترجمہ مطلقاً غلط ہے کہ اے اللہ تو جسے چاہتا ہے حکومت عطا کرتا ہے اور جس سے چاہتا ہے چھین لیتا ہے۔ صحیح ترجمہ یہ ہے کہ اے اللہ تو جسے حکومت دیتا ہے اپنے

قوانینِ مشیّت کے مطابق دیتا ہے اور جس سے چھین لیتا ہے، اپنے قانونِ مشیت ہی کے مطابق چھین لیتا ہے۔

قانونِ مشیّت کی ایک زندہ مثال

• سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں مذکورہ بالا تصوّر کی تاکید کی گئی ہے، کہ بھری کائنات میں جو کچھ بھی انجام پذیر ہو رہا ہے، اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ قوانینِ مشیّت ہی کے مطابق ہو رہا ہے یعنی کائنات کے پُرزے لیل و نہار قوانینِ مشیت ہی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں آیت بالا تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ کے عین متصل مابعد آنحضورؐ ہی کی زبانِ مبارک سے ذیل کے غیر مبہم الفاظ میں اعلان کروا دیا گیا ہے:-

تُولِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُولِجُ النَّهَارَ فِي
داخل کرتا ہے تُو رات کو دن میں اور داخل کرتا ہے تُو
اللَّيْلِ ز وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ
رات میں اور نکالتا ہے تُو زندہ مُردہ سے اور نکالتا ہے تُو
الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ ز وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَاءُ بِغَيْرِ
مُردہ کو زندہ سے اور تُو رزق دیتا ہے مطابق مشیت کے بے
حِسَابٍ ۲۷[1]
حساب

اے میرے اللہ! تُو اپنے مقرر کردہ قانونِ مشیت کے مطابق رات کو دن میں داخل کرتا ہے۔ اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے۔ تُو اپنے قانونِ مشیّت کے مطابق مُردہ (یعنی غلام قوموں) میں سے زندہ (یعنی آزاد افراد) نکالتا ہے اور زندہ (یعنی آزاد قوموں) میں سے مُردہ (یعنی غلام افراد) نکالتا ہے۔ اور جسے (یعنی آزاد قوموں کو) تُو بے حساب[1] رزق عطا کرتا ہے، اپنے قانونِ مشیّت کے مطابق ہی عطا کرتا ہے۔

دیکھئے! آیت مجیدہ کے ابتدائی الفاظ میں دن رات کو گھٹانے اور بڑھانے کا فاعل خدا تعالیٰ کو بتایا گیا ہے جنہیں قانونِ مشیت مقدور ہے

---

[1] بے حساب رزق کی مثال یوں سمجھیئے، عام قاعدہ یہ ہے کہ کرۂ ارض کی جملہ اقوام اپنی محنت کے مطابق اُجرت پاتی چلی جا رہی ہیں لیکن آزاد ممالک کی آزاد اقوام کو سابقہ اقوام کے دفینوں اور پہاڑوں کی کانوں سے جو مال میسّر آتا ہے وہ محنت و اُجرت کے عوامی پیمانوں کے مطابق نہیں بلکہ بغیر حساب میسّر آتا ہے۔ چاہیئے تو یہ کہ جہاں سَو مزدور کام کریں وہاں زیادہ سے زیادہ سَو خاندانوں کی ضرورت کے مطابق اُجرت ملے لیکن سونے چاندی کی کانوں، تیل اور پٹرول کے ذخیروں میں سَو مزدور کام کرتے ہوتے ہیں تو لاکھوں کروڑوں کا مال بے حساب مل جاتا ہے نیز وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ کا ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ رضاءِ الٰہی کے مطابق قائم ہونیوالے معاشرہ میں محنت بقدرِ ہمّت اور اُجرت بقدرِ ضرورت بے حساب دینے کا نظام قائم ہونا چاہیئے۔ کرۂ ارض کے غیر الٰہی نظاموں میں فرد فرد کو اپنے خود ساختہ قوانین کے حساب سے اتنی کم اُجرت ملتی ہے جس سے کنبہ کی ضرورتیں پوری نہیں ہوتیں۔ رضاءِ الٰہی یہ ہے کہ ہر کنبہ کے ذمّہ دار فرد کو اُسکی محنت کی اُجرت خود ساختہ پیمانوں کے حساب سے نہیں، بلکہ لِتُجْزَىٰ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا تَسْعَىٰ ۲۰ کے خداوندی فیصلے کے مطابق بغیر حساب (باقی برحاشیہ صفحہ ۲۵)

جیسے کہ عالمی مشاہدات کی شہادت یہ ہے کہ کرۂ ارض کے مختلف مقامات پہ دن رات کا گھٹنا بڑھنا خدا تعالیٰ کے مقرر کردہ طبعی قوانین کے مطابق مختلف ہے۔ نصف کرہ شمالی میں ۲۱ ستمبر سے دن گھٹنا شروع ہوتا ہے۔ اور نصف کرہ جنوبی میں اسی تاریخ سے رات گھٹنی شروع ہوتی ہے۔ اور یہ اختلافِ لیل و نہار کرۂ ارض کے ہر منطقے پر خدا تعالیٰ کے مقرر کردہ قوانین کے مطابق ہمیشہ جاری رہتا ہے جن میں آجتک کبھی کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔ یعنی ایسا کبھی نہیں ہوا کہ نصف کرہ شمالی میں ۲۱ جون کو سب سے چھوٹا دن ہوگیا ہو، اور ۲۱ دسمبر کو سب سے چھوٹی رات ہوگئی ہو۔ یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ کے قوانین نہ اپنا مقام ہی تبدیل کرتے ہیں نہ وقت، بلکہ ہر کام اپنے مقام اور وقت کے مطابق انجام پذیر ہوتا چلا جا رہا ہے۔ لیکن غور طلب امر یہ ہے کہ اختلاف لیل و نہار کا عمل جو کرۂ ارض کے مختلف مقامات پر اپنے اپنے مختلف اندازوں پر قوانینِ جاریہ کیمطابق سرانجام ہورہا ہے، اُسکا فاعل خدا تعالیٰ کو کیوں ٹھہرایا گیا ہے۔

تُولِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُولِجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ تو دن کو رات میں اور رات کو دن میں داخل کرتا ہے۔

• واضح رہے کہ یہاں كَيْفَ يَشَآءُ کے الفاظ محذوف و مقدر ہیں۔ اور آیت مجیدہ کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ اے اللہ تو اپنی غیر متبدل مشیّت کے طبعی قوانین کے مطابق ہر آن رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کرتا چلا جا رہا ہے پس جسطرح گردشِ لیل و نہار خدا تعالیٰ کے مقررہ قوانین کے مطابق جاری ہے۔ اُسیطرح مالکِ ارض و سماوات کے قوانینِ مشیّت کے مطابق اقوامِ عالم کو زمین کی حکومت ملتی بھی چلی جارہی ہے، اور چھنتی بھی چلی جا رہی ہے۔ خدا تعالیٰ کسی لاُابالی راجے یا نواب جیسا بےاصول نہیں کہ خوش ہوا تو گاؤں بخش دیئے اور ناراض ہوا تو کان مار دیا۔ حکومت کے متعلق مشیّتِ خداوندی کی وضاحت گزر چکی ہے کہ طاقت ہی کیساتھ حاصل ہوتی ہے، خواہ عوامی اتحاد، مادی اسباب کی طاقت ہو خواہ ذاتی استبداد، مادی اسباب کی طاقت ہو، مگر رضا بالٰہی یہ ہے کہ حکومت اتحادی ہو جسمیں ملک کا صدر، پورے سرکاری ملازم اور ریاست کے پورے عوام کا حقِ ربوبیت متوازن و مساوی تسلیم کیا گیا ہو۔

امن دشمن اقوام کیساتھ دوستی نہ کرنا

• آیاتِ سابق میں حصول و ضیاعِ حکومت، اور اقوام کی قومی زندگی اور موت کے قوانینِ مشیّت کی وضاحت کے بعد، کہ دنیا میں رحمانی اور شیطانی حکومتیں رب تعالیٰ کے قوانینِ مشیّت کے مطابق ہی قائم ہوتی رہینگی۔ اگلی آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ پہلی قسم کی حکومت وہ ہوگی جو ربوبیتِ عالمینی پر ایمان رکھتے ہوئے امنِ عالم کی علمبردار ہوگی، اور دوسری قسم ربوبیتِ عالمینی کی منکر ہوکر فسادکی موجد۔ اسلئے جماعت مومنین کو حکم دیا جا رہا ہے کہ اقوامِ عالم میں سے اُن قوموں کے ساتھ جو نظریۂ ربوبیتِ عالمینی پر ایمان نہ رکھتی ہوں، اُنہیں دوست نہ بنائیں۔ کیونکہ ایسی قوموں کی دوستی موجبِ امن نہیں ہوسکتی۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۴) دی جانی چاہیئے، جس سے پورے کنبہ کی ضروریاتِ زندگی خوراک لباس رہائش اور تعلیم و علاج باقاعدہ میسّر آتی رہیں۔ ظاہر ہے کہ دس افراد کا ذمہ دار فرد، دس افراد کی ضروریاتِ زندگی کے حصول کے لئے سعی و محنت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے لِتُجْزٰی كُلُّ نَفْسٍ بِمَا تَسْعٰى کے الفاظ میں دس افراد کی ضروریاتِ زندگی اُسکا حق قرار دیا ہے، جو اُس کی محنت کے حساب سے نہیں بلکہ بغیر حساب ملنا لازم ہے۔

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَاۤءَ

نہ پکڑیں مومن کافروں کو دوست

مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ

سوائے مومنوں کے اور جو کوئی کرے گا ایسا ۔ پس نہیں وہ

مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ۗ

اللہ سے بیچ کسی چیز کے ۔ سوائے اسکے کہ کرو تم اُن سے پورا پورا بچنا ۔

وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ۗ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ۲۸

اور ڈراتا ہے تم کو اللہ اپنے قانون سے ۔ اور طرف اللہ کے ہے لوٹ کر جانا

حکم دیا جاتا ہے کہ جماعت مومنین[۱] اُن اقوام سے دوستی نہ رکھے جو (ربوبیت عالمینی کا) انکار کرنیوالے ہیں[۲] سوائے اُن اقوام کے جو نظریہ ربوبیت عالمینی پر ایمان[۳] لے آئیں ۔ اور جو فرد یا گروہ ایسا کریگا ، وہ جان لے کہ اُسکا اللہ تعالیٰ کیساتھ کوئی تعلق واسطہ نہیں ہے ۔ سوائے اس صورت کے کہ تم اُن (کے بُرے عزائم کے خطرات) سے اسطرح بچ جاؤ ، جو بچنے کا حق ہے ۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے قوانین کی مخالفت کے نتائج[۴] سے ڈراتا ہے ۔ کیونکہ (اعمال کی اُخروی جوابدہی کیلئے) اللہ ہی کی طرف لوٹ کر آنا ہے ۔

● ۱۔۲۔۳ آیت بالا کے ۱ کے المومنون سے جماعت مومنین مسلمین مراد ہے ، جو قرآن کریم کے ہر نظریے پر سو فیصدی ایمان لے آئے ۔ لیکن اسکے ۳ کے المومنین سے مُراد غیر مسلموں میں سے وہ اقوام ہیں جو اس نظریے پر ایمان رکھتی ہوں کہ امن عالم کا قیام اِسکے بغیر ممکن نہیں کہ ریاست کے ایک ایک فرد کے بنیادی حقوقِ ربوبیت تسلیم کئے جائیں ۔ اور اس آیت کے ۲ کے الکفرین سے مُراد وہ غیر مسلم اقوام ہیں جو عوام کے بنیادی حقوق کی مُنکر ہوں ۔ اُن سے دوستی قائم کرنے سے اِسلئے منع کر دیا گیا ہے کہ عوام کے حقوقِ ضروریاتِ زندگی تسلیم کئے ، اور مہیا کئے بغیر کسی بھی خطۂ زمین پر حقیقی اور پائیدار امن قائم نہیں ہو سکتا ۔

● ۴ یہاں نفس بمعنی قانون ہے ۔ اللہ اپنے آپ سے نہیں بلکہ اپنے قانون کی مخالفت کے بُرے نتائج سے ڈراتا ہے ۔

کیا مطلق کافروں سے دوستی نہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے

● آیت بالا ۳/۲۸ کے مذکورہ مفہوم کے خلاف جو مفہوم روائتی تراجم و تفاسیر نے دیا ہے کہ مومنوں کو ہر قسم کے کافروں سے دوستی نہ رکھنے کا حکم دیا گیا ہے ، یہ مشاہداتی طور پر ناقابلِ عمل ہونے کیساتھ ساتھ اسوۂ رسُول کے بھی خلاف ہے ۔ جیسے کہ سورۂ انفال میں خبر دیگئی ہے کہ رسُولِ مقبول نے بعض کافر اقوام کیساتھ صلح کے معاہدے کئے ہُوئے تھے ۔ چنانچہ زمانۂ رسالت میں جن مومنین نے مکہ معظمہ سے ہجرت نہیں کی تھی یعنی وہیں رہگئے تھے ۔ اور وہاں رہتے ہوئے اپنا الگ داخلی نظام قائم کیا ہوا تھا ۔ اُن کے متعلق ارشاد ہوتا ہے : وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا ۚ وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰى قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ ۸/۷۲ = اور اے ہجرت کرنیوالو (مہاجرو!) اور اے نصرت کرنیوالو (انصارو!) جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت نہیں کی ۔ وہ جبتک ہجرت کریں اُسوقت تک تمہارے ذمہ اُن کی نگرانی کی کوئی چیز نہیں ۔ اگر وہ دین کے معاملے میں تم سے مدد مانگیں ، تو اُن کی مدد کرنا تمہارا فرض ہے ۔ سوائے اِسکے کہ اگر اُنکا تنازعہ کسی ایسی قوم سے ہو جن کے اور تمہارے درمیان (جنگ نہ کرنے یعنی صلح کا)

عہدو پیمان موجود ہو۔ تو تم اس قوم کے خلاف، غیر مہاجر مومنوں کی مدد نہیں کر سکتے۔

• اب دیکھئے! کہ اگر آیت مجیدہ ۳/۲۸ میں کافروں سے مطلقاً دوستی نہ کرنے کا حکم دیا گیا ہوتا۔ تو مکہ کے غیر مہاجر مومنوں کی مدد کے مقابلے پر کافروں کیساتھ کئے گئے عہدو پیمان کو ترجیح نہ دی جاتی۔ بلکہ تنبیہ کیا جاتا کہ کافروں کے ساتھ کیگئی دوستی اور عہدو پیمان کو توڑ دو۔ یہ ہمارے حکم ۳/۲۸ کے خلاف ہے۔

مفاد پرستی کا فساد چھپا کر، امن کا اعلان کرنا

• اقوام عالم کا دستور یہ ہے کہ ہر طرف جنگیں بھی چھیڑی ہوئی ہوتی ہیں اور ہر طرف امن امن کا ڈھنڈورا بھی پیٹا جا رہا ہوتا ہے۔ جو قومیں عوام کے حقوق ضروریات زندگی کو تسلیم نہیں کرتیں۔ اگرچہ انکے ذہنوں میں ذاتی یا طبقاتی مفاد پوشیدہ ہوتا ہے۔ لیکن اُن کی بھی زبان اور قلم سے یہی اعلان جاری رہتا ہے کہ ہم دنیا سے غربت، بیماری اور ناخواندگی کا خاتمہ کرنے کے متمنی ہیں۔ ایسے مفسد لوگ اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ۲/۱۱ کا منافقانہ اعلان کرنیوالے اور منکرین ربوبیت کے ساتھ چھپی دوستی رکھنے والے زمانۂ رسالت میں بھی موجود تھے۔ جن کے متعلق اگلی آیت مجیدہ میں ارشاد ہوا ہے:-

قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِیْ صُدُوْرِكُمْ اَوْ تُبْدُوْهُ
کہہ دیجئے! اگر تم چھپاؤ جو سینوں تمہارے میں ہے یا اسے ظاہر کرو

يَعْلَمْهُ اللّٰهُ ؕ وَيَعْلَمُ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى
جانتا ہے اُسے اللہ۔ اور وہ جانتا ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو ہے

الْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ۲۹
زمین میں۔ اور اللہ ہے ہر چیز کے اندازے مقرر کرنیوالا

(اے رسول! لوگوں سے) کہہ دیجئے کہ (انفرادی مفاد کا جذبہ) جو تمہارے ذہنوں میں موجود ہے۔ خواہ تم اُسے چھپاؤ یا ظاہر کرو۔ اللہ تعالیٰ اُسے جانتا ہے۔ (تمہارے پوشیدہ عزائم چیز ہی کیا ہیں) وہ تو آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے ہر چیز سے باخبر ہے۔ نیز (باخبر ہی نہیں بلکہ) اللہ ہر چیز کے خود قوانین مقرر کرنیوالا ہے۔ (اُس نے ہر چیز کو اپنے قوانین کی زنجیروں میں جکڑ رکھا ہے)

قیامت کی یاد

خداوند عالم چونکہ نافرمان افراد و اقوام کو اِس دنیا میں اُس وقت تک نہیں پکڑتا، جبتک کہ اُسکے قوانین مشیت کیمطابق کسی قوم کے جرائم کی سزا مرتب نہ ہو جائے۔ اسطرح بعض افراد کی سزا چونکہ انکی زندگی میں مرتب نہیں ہوتی اور وہ زندگی بھر برائیاں کرتے رہتے ہیں۔ تاآنکہ بلا سزا دنیا سے چلے جاتے ہیں۔ اسلئے اِن پر یہ تصور پیدا ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے کھلی چھٹی دے رکھی ہے کہ جسکی لاٹھی اُسکی بھینس کے خود ساختہ اصول پر عمل کرتے چلے جائیں۔ اسلئے خدا تعالیٰ کا قاعدہ کلیہ ہے کہ اپنی کتاب مقدس میں ایسے لوگوں کو ساتھ کے ساتھ اُخروی عدالت کی خبر بھی دیتا چلا جاتا ہے۔ چنانچہ سلسلۂ درس کی اگلی آیت میں ارشاد ہوا ہے:-

يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ
جس دن پائیگا ہر نفس جو عمل کیا اُس نے اچھا

وہ دن قابل ذکر ہے جس میں ہر شخص اپنے ہر اُس عمل کو حاضر پائیگا، جو وہ بھلائی میں سے بجا لایا۔ نیز اپنے ہر

مُّحْضَرًا ۚ وَمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْءٍ ۚ تَوَدُّ لَوْ اَنَّ
حاضر کیا ہؤا اور جو عمل کیا اس نے بُرا۔ چاہیگا کہ کاش ہوتا
بَيْنَهَا وَبَيْنَهٗٓ اَمَدًا ۢ بَعِيْدًا ۭ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ
اُس بُرے عمل اور اُسکے درمیان لمبا فاصلہ۔ اور ڈراتا ہے تم کو اللہ
نَفْسَهٗ ۭ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ۳۰ۧ
اپنے قانون سے اور ہے اللہ بہت مہربان بندوں پر ع

اُس عمل کو بھی موجود پائیگا جو وہ بُرائی میں سے بجالایا تھا۔ (برُے اعمال کی سزا کے متعلق)، وہ آرزو کریگا، کاش کہ اُس سزا کے، اور اُسکے درمیان بہت ہی دُوری ہو حقیقت یہ ہے کہ (قیامت کی بار بار یاد دلاکر) اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے قانون (کی مخالفت کے بُرے نتائج) سے ڈراتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بہت ہی مہربان ہے۔

• اس سے اگلی آیت میں قوانینِ خداوندی کی مخالفت کی عملی صورت کی وضاحت خود آنحضورؐ کی زبانِ مبارک سے بالفاظِ ذیل کرائی گئی ہے:۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ
کہدیجئیگا، اگر ہو تم محبت کرتے اللہ سے تو اتباع کرو میری
يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ
محبت کریگا تم سے اللہ۔ اور معاف کریگا خطائیں تمہاری اور ہے اللہ
غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۳۱
معاف کرنے والا مہربان

اے رسولؐ! کہدیجئیگا کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو، تو میری پیروی کرو (چونکہ میں قرآن کریم کی پیروی کرتا ہوں ٦/۵٠ ، ١٠/١۵ ، ۴٦/٩ اسلئے میری پیروی قرآن کریم کی پیروی ہے) اسطرح اللہ تمہیں پسند کریگا اور تمہاری خطائیں معاف کردیگا کیونکہ اللہ تعالیٰ معاف کرنیوالا مہربان ہے۔

اتباعِ رسولؐ

اِس آیت کریمہ سے اتباعِ رسولؐ کے پردے میں کُتبِ روایات کی اتباع کا ثبوت پیش کیا جاتا ہے حالانکہ خدا تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں رسولِ مقبول سے خود اعلان کروا رکھا ہے:۔

• اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ٦/۵٠ ، ١٠/١۵ ، ۴٦/٩ • میں نہیں اتباع کرتا مگر صرف اُسکی جو میری طرف وحی کیا گیا ہے۔ اور اس سوال کا جواب بھی کہ آپ پر کیا وحی کیا گیا تھا، خود آپ ہی سے کہلوادیا گیا ہے۔ اور اُسکی خود ہی تصدیق بھی کردیگئی ہے:۔

• وَاُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ ٦/١٩ اور میری طرف یہ قرآن وحی کیا گیا ہے۔

• اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ ١٢/٣ اور تیری طرف ہم نے یہ قرآن وحی کیا ہے۔

اِن ہر سہ آیاتِ کریمات کے اتصال سے ثابت ہوتا ہے کہ رسولِ مقبول وحی کی اتباع کرتے تھے اور آپ پر قرآن کریم وحی کیا گیا تھا جس کی تائید و تصدیق خدا تعالیٰ اور رسولِ مقبول ہر دو کے بیانات سے بیّن ہے۔ پس ثابت ہؤا کہ اصل متبوع وحی الٰہی ہے۔ جس کے تابع خود رسولِ مقبول بھی تھے۔ اِسطرح اگرچہ رسولِ مقبول ہم میں موجود نہیں ہیں۔ لیکن ہمارے اندر اصل متبوع وحی الٰہی قرآنِ کریم اپنے صحیح متن کیساتھ موجود و محفوظ ہے اور قیامت تک موجود و محفوظ رہیگا۔ پس آیتِ زیر بحث ٣/٣١ میں اتباعِ رسولؐ کی صورت میں اتباعِ قرآن کا حکم دیا گیا ہے، کُتبِ روایات کی اتباع کا حکم ہرگز نہیں دیا گیا۔ چنانچہ سلسلۂ درس کی اگلی آیتِ مجیدہ میں آنحضورؐ کو دوبارہ حکم ہؤا ہے کہ آپ کہدیجئیگا کہ لوگو! اللہ کی اطاعت

اسکے رسول کے لائے ہوئے ضابطۂ حیات کے ذریعہ کرو۔

قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا

کہدیجیئگا اطاعت کرو اللہ کی اور رسول کی پھر اگر وہ روگردانی کریں

فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ۝ ۳۲

تو بیشک اللہ نہیں پسند کرتا انکار کرنیوالوں کو

اے رسول! کہدیجیئگا کہ اللہ کی اطاعت اسکے رسول کے ذریعہ[1] کرو۔ (کیونکہ اسنے اپنا حکمنامہ اپنے رسول ہی کے ذریعہ تم تک پہنچایا ہے) پھر اگر لوگ (ہمارے حکمنامہ کی اطاعت) روگردانی کریں تو (اعلان کر دیجیئگا کہ) اللہ تعالیٰ انکار کرنیوالوں کو پسند نہیں کرتا۔

● [1] اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ کی مفصل بحث دیباچہ کے عنوان نمبر ۲۶ میں ملاحظہ فرمائیں۔ اس جملہ میں واؤ بمعنی بذریعہ ہے جسکی وضاحت قرآن کریم نے وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖۤ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِيْۤءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ $\frac{9}{3}$ میں کر دی ہے کہ اللہ اور رسول کا اعلان ایک ہے دو نہیں ہیں اور اس آیت کا معنٰی یہ ہے کہ: حج اکبر کے دن اللہ کا اعلان ہے اسکے رسول کے ذریعہ کہ بیشک اللہ اور اسکا رسول مشرکوں سے بیزار ہیں جسطرح بیان روز روشن کیطرح عیاں ہے کہ رسول کا اعلان اللہ کا اعلان ہے الگ نہیں تھا۔ اسی طرح رسول کی اطاعت اللہ کی اطاعت سے الگ ہرگز نہیں ہے۔ علاوہ ازیں اطاعت ہوتی ہے حکم کی۔ اور حکم ہے صرف اللہ تعالیٰ کا۔ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ $\frac{6}{57}$ + $\frac{12}{40}$ + $\frac{12}{67}$ ۔ نیز فرمایا:۔ لَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖۤ اَحَدًا $\frac{18}{26}$ = اللہ تعالیٰ اپنے حکم میں کسی ایک کو بھی شریک نہیں کرتا۔ (حتّٰی کہ کوئی نبی رسول بھی اللہ کے حکم میں ہرگز شریک نہیں تھا۔ پس اطاعت صرف اللہ تعالیٰ کی ہے۔ جسے وہ کراتا ہے اپنا حکمنامہ بھیجکر اپنے نبیوں کے ذریعہ۔ اللہ کے نبی رسول چونکہ اللہ کے سو فیصدی فرمانبردار تھے، اسلئے وہ $\frac{6}{57}$ + $\frac{12}{40}$ + $\frac{12}{67}$ کے تکراری اعلان کے مطابق اپنی نہیں، بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے تھے۔ اسکے علاوہ قرآن مجید میں اطاعتِ رسول سے مراد آپ کے وہ احکام بھی ہیں جو آپ بحیثیت صاحب امر دیا کرتے تھے یعنی انتظامی امور سے متعلقہ احکام یعنی وہ امور جن میں آنحضور کو صحابہ کیساتھ مشورہ کرنے کا حکم دیا گیا تھا:۔ شَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ $\frac{3}{159}$ = آپ صحابہ کیساتھ دنیوی امور میں مشورہ کیا کریں۔ پھر باہمی مشورہ کے بعد جس کام کا ارادہ فرمائیں تو اللہ کے قانون پر بھروسہ کیا کریں۔ صاحب امر ہونے کی حیثیت سے آنحضور کے پانچ مقام تھے۔

● ۱ ۲ پہلا یہ کہ آپ قرآنی ریاست کے صدر تھے۔ اور دوسرا یہ کہ آپ قاضی القضاۃ یعنی مقدموں کے فیصلے کی رو سے آخری اتھارٹی تھے۔ آپکا فیصلہ مقدمہ کے ہر دو فریق کو تسلیم کرنا لازم تھا۔ اسکے ضمن میں مومنوں کے متعلق ارشاد ہوا ہے:۔ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝ $\frac{4}{65}$ پس تیرے پروردگار کی شہادت ہے کہ یہ لوگ اسوقت تک مومن نہیں ہو سکتے، جبتک کہ اپنے جھگڑوں میں آپکو حاکم نہ ٹھہرائیں پھر یہ کہ جو فیصلہ آپ کریں اس پر ذہنوں میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں، اور اسے اسطرح تسلیم کریں جو تسلیم کرنے کا حق ہے۔ اسی کے ضمن میں خود آنحضور کو حکم دیا گیا ہے:۔ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ $\frac{5}{48}$ = آپ صرف مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ قرآن کریم کیساتھ فیصلے کیا کریں۔

● ۳ آپ کا تیسرا مقام تھا سپہ سالار کا۔ چنانچہ مورچوں کی تقسیم آپ کا کام تھا۔ اور آپکا حکم ماننا سو فیصدی لازم تھا۔ جیسے

کہ میدانِ بدر میں ہر سپاہی کیلئے اُسکا مقام آپنے خود مقرر فرمایا تھا:- وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ۳/۱۲۱ - اور وہ وقت قابلِ ذکر ہے جب آپ صبح سویرے اپنے اہل سے (میدانِ جہاد میں پہنچ گئے) آپ مومنوں کو لڑائی کے ٹھکانوں (مورچوں) پر متعین فرما رہے تھے۔ یہ تعین آنحضور فرماتے تھے، بذریعہ وحی نہیں ہوتا تھا۔ اور اسیطرح مالِ غنیمت کی تقسیم بھی بذریعہ وحی نہیں ہوتی تھی، یہ بھی خود آنحضور کا کام تھا۔ چنانچہ مومنوں کو حکم ہوا ہے:- وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۵۹/۷ اور مالِ فے (یا مالِ غنیمت) میں سے تمیں جو مال اللہ کا رسول دے وہ لے لیا کرو، اور جس مال سے منع کردے اُس سے رک جایا کرو یعنی جس جس کو اللہ کا رسول جتنے جتنے مال کا حقدار قرار دے اُسے اتنا ہی لینا چاہیئے۔ آنحضور کا فیصلہ قطعی ہوگا۔ اِسکی غرض بتائی گئی ہے:- كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ ۵۹/۷ : تاکہ ایسا نہ ہو کہ مال تمہارے مالداروں ہی میں گھومتا رہے اور غربا بیچارے محروم رہ جائیں۔

● ۴ چوتھا مقام آنحضور کا تھا امیر صلوٰۃ کا، کہ آپ کی موجودگی میں کوئی اور شخص امیر صلوٰۃ کے فرائض ادا نہیں کرسکتا تھا۔ سورہ نسآء میں ارشاد ہوا ہے:- وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ ۴/۱۰۲ : اور اے رسول! جب آپ خود اِن میں موجود ہوں تو اِن کیلئے آپ خود صلوٰۃ کھڑی کیا کریں۔

● ۵ پانچواں مقام تھا آپکا منبر کے خطیب کا، جسکی خبر سورہ جمعہ میں دیگئی ہے کہ شروع شروع میں کچھ مومنوں کی یہ حالت تھی: وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَا ِۨانْفَضُّوْٓا اِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَآئِمًا ۶۲/۱۱ : اور جب دیکھتے ہیں تجارت یا کھیل تماشا تو اُس کی طرف بھر جاتے ہیں اور آپ کو کھڑا چھوڑ جاتے ہیں۔

● پس اِن الگ الگ حیثیات کی رُو سے آپکے فیصلوں کا ماننا صحابہ کیلئے فرض تھا۔ اور آپکے بعد آپکے جانشین اولی الامر ریاست کے صدر، عدالت کے قاضی القضاۃ، میدانِ جہاد کے سپہ سالار، منبر کے خطیب اور صلوٰۃِ موقت کے امیر کے وہی فرائض انجام دینگے جو آنحضور انجام فرمایا کرتے تھے۔ اور ہر زمانے کے مومنوں پر الگ الگ اُن کی اتباع و اطاعت فرض ہوگی۔ ضابطۂ الٰہی میں نہ دخل آنحضور کو تھا نہ آپکے جانشینوں کو ہوگا۔

● چونکہ پیچھے مسلسل حکومتِ ارضی کا ذکر چلا آرہا ہے اسلئے اگلی آیت مجیدہ میں خلافتِ ارضی کیلئے جن افراد کو منتخب کیا گیا تھا۔ اُنکا ذکر لایا گیا ہے:-

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰٓى اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ بیشک اللہ نے پسند کیا آدم کو اور نوح کو اور آل اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۳۳ ابراہیم کو، اور آلِ عمران کو مقابلے لوگوں کے	بیشک اللہ تعالیٰ نے (خلافتِ ارضی کیلئے) منتخب فرمایا، آدم کو، نوح کو اور آلِ ابراہیم کو اور آلِ عمران کو لوگوں کے مقابلے پر ۔ ۱

● ۱ حضرت آدم اللہ کے نبی اور پہلے ارضی خلیفہ تھے۔ نوح کی قوم نے نوح کی مخالفت کی۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ نے اُسے غرق کردیا تو حضرت نوح نے متوازن اسلامی معاشرہ قائم کیا۔ ظاہر ہے کہ نوح نے جو طوفان کے بعد بستی بسائی تھی۔ اُس میں مجلہ اہلِ بستی

کا خوراک لباس علاج اور رہائش کا مساویانہ حق تسلیم کیا گیا تھا۔ آلِ ابراہیم کے متعلق سورہ نساء میں ارشاد ہوا ہے :۔ وَآتَيْنَاهُم مُّلْكًا عَظِيمًا ۔ اور ہم نے آلِ ابراہیم کو ایک عظیم حکومت عطا فرمائی۔ حضرت موسیٰ اور داؤد و سلیمان سلام علیہم آلِ ابراہیم کے چشم و چراغ تھے۔ اور اسی طرح آلِ عمران میں حضرت عیسیٰ سلام علیہ نے بنی اسرائیل کو شکست دیکر ایسی سلطنت قائم کی تھی جس میں نظامِ ربوبیت کی رو سے سب کا مساوی حق تھا۔ حضرت مسیح کی جنگ کا ذکر ۱۴/۶۱ میں آیا ہے جس کی تفصیل جلد اول میں ۲ کے تحت گزر چکی ہے۔ ملاحظہ فرما کر تسلی فرمالیں۔ اگلی آیت مجیدہ میں حضرات آدم، نوح، آلِ ابراہیم اور آلِ عمران کے متعلق بتایا گیا ہے کہ انکے بعض بعض کی اولاد تھے سب نوعِ آدم تھے۔ اُن میں سے مافوق البشر کوئی بھی نہیں تھا۔

ذُرِّيَّةً بَعْضُهَا مِن بَعْضٍ ۗ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۳۴

اولاد تھے بعض اُن کے بعض کی اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے

اِن میں سے بعض، بعض کی ذریت (یعنی بعض بعض کے حقیقی بیٹے، پوتے پرپوتے) تھے (ان سب کے سب کے اقوال افعال میں مطلقاً فرق نہیں تھا ۲/۲۸۵) حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر ایک کی باتوں کو سننے، اور ارادوں کو جاننے والا ہے۔

• اِن اللہ کے پسندیدہ گروہوں میں سے ایک گروہ آلِ عمران کا ذکر اگلی آیت مجیدہ میں انتہائی پسندیدہ اور خصوصی انداز کیساتھ کیا گیا ہے کہ حضرت عمران کی بیوی، جو اگرچہ ایک عورت تھی، اُسکے ذہن میں تبلیغ اسلام کا اسقدر وسیع جذبہ موجود تھا۔ کہ اُس نے اپنے اُس بچے کو جو ابھی اُس کے رحم میں تھا۔ دینِ الٰہی کی خدمت کے لئے وقف کر دیا۔ دیکھئے! کس پیارے انداز میں بیان کیا گیا ہے :۔

إِذْ قَالَتِ امْرَأَتُ عِمْرَانَ رَبِّ إِنِّي نَذَرْتُ لَكَ مَا فِي بَطْنِي مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّي ۖ إِنَّكَ أَنتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۳۵

جب کہا زوجۂ عمران نے اے میرے رب بیشک میں نے نذر کی تیرے لئے جو ہے میرے پیٹ میں آزاد کیا ہوا پس تو قبول فرما مجھ سے بیشک تو سننے والا جاننے والا

وہ وقت قابلِ ذکر ہے جب زوجۂ عمران نے حضورِ الٰہی میں عرض کیا کہ اے میرے پروردگار! بلاشبہ میں نے اپنے اُس بچے کو جو میرے پیٹ میں ہے (اپنے حقوق سے) آزاد کر کے تیرے دین کی خدمت کیلئے تیری نذر کر دیا ہے۔ پس تو میرا یہ حقیر نذرانہ قبول فرما۔ بلاشبہ تو سننے والا جاننے والا ہے (تو میرے الفاظ کو سنتا اور میری نیت کو جانتا ہے)

• جیسا کہ اگلی آیت سے عیاں ہوگا کہ یہ بچہ جسے پیدائش سے پہلے ہی دین اللہ کیلئے وقف کر دیا گیا تھا حضرت مریم تھیں۔ آیت مجیدہ میں اُن کی والدہ کیلئے اِمْرَأَتُ عِمْرَانَ کے الفاظ آئے ہیں۔ اِمْرَأَتُ کا لفظ بیوی کیلئے آتا ہے، جیسے اِمْرَأَتَ فِرْعَوْنَ، اِمْرَأَتَ نُوحٍ وغیرہ۔ لیکن یہاں پر یہ مغالطہ رفع کرنا ضروری ہے کہ آیت مجیدہ کے الفاظ کے مطابق جب حضرت مریم کی والدہ عمران کی بیوی تھیں تو حضرت مسیح عمران کے نواسے ثابت ہوتے ہیں۔ لیکن آلِ عمران کے لفظ کے مطابق آپ عمران کی ذریت سے تھے نواسے نہیں تھے۔ اسلئے ثابت ہوتا ہے کہ والدۂ مریم کے شوہر عمران، آلِ عمران کے ایک فرد تھے، جن کا نام ملکی رواج کے مطابق دادا پردادا کے نام پر عمران رکھا گیا تھا۔ جیسا کہ آیت مجیدہ ۱۹/۲۸ میں مریم کو یَا أُخْتَ هَارُونَ کہا گیا ہے۔ یہ ہارون اپنے اُس بڑے

بزرگ حضرت ہارون کی آل میں سے تھے۔ جو حضرت موسیٰ کے بھائی تھے۔ نیز حضرت مریم کے شوہر یعنی حضرت مسیح جن کے بیٹے تھے، وہ بھی اپنے بڑے بزرگ عمران کی اولاد میں سے ثابت ہوتے ہیں پس اسطرح حضرت مسیح اپنے اُس بڑے بزرگ حضرت عمران کی آل میں سے تھے۔ جن کا ذکر آلِ ابراہیم کے بعد آلِ عمران کے الفاظ میں آیا ہے۔ یہاں آل کا معنی اولاد ہے۔ کیونکہ آلِ ابراہیم سے بھی اُن کی اولاد مقصود ہے حضراتِ داؤد، سلیمان اور موسیٰ سلام علیہم جنہیں خلافتِ ارضی عطا کی گئی تھی۔

حضرتِ مریم کی پیدائش

● زوجۂ عمران کا خیال تھا کہ اُسکے ہاں لڑکا پیدا ہوگا۔ لیکن وہ بچہ جب پیدا ہُوا، تو وہ لڑکی تھی۔ اِس پر اُسے کچھ خفت تو محسوس ہُوئی۔ مگر اپنے وعدہ کے مطابق لڑکی ہی کو خدمتِ دین کیلئے پیش کردیا۔

فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ إِنِّي وَضَعْتُهَا

پھر جب جنا اُس نے اُسے تو کہا اے میرے رب بیشک میں نے جنی

أُنْثَىٰ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ وَلَيْسَ الذَّكَرُ

لڑکی۔ اور اللہ خوب جانتا ہے اُسے جو اُسنے جنا۔ اور نہیں لڑکا

كَالْأُنْثَىٰ وَإِنِّي سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ وَإِنِّي أُعِيذُهَا

مانند لڑکی کے۔ اور بیشک میں نے نام رکھا اسکا مریم۔ اور بیشک میں دیتی ہوں پناہ میں

بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ۝ ۳۶

تیری، اور اس کی اولاد کو بھی شیطان مردود سے

پھر جب زوجۂ عمران نے اُسے جنا تو وہ لڑکی تھی۔ اُسنے کہا کہ اے میرے پروردگار! میں نے لڑکی جنی ہے حقیقت یہ ہے کہ اللہ خوب جانتا ہے، جو کچھ اُسنے جنا۔ اُسکا ذہنی بیٹا اِس بیٹی کے برابر نہیں ہوسکتا تھا۔ زوجۂ عمران نے کہا، میں نے بچی کا نام مریم رکھا ہے۔ اور اے میرے پروردگار! بیشک میں اُسے اور اِسکی اولاد کو شیطان مردود کے شر سے بچانے کیلئے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔

● آگے بڑھنے سے پہلے یہ بتانا ضروری ہے کہ مندرجہ بالا آیت مجیدہ کے ترجمہ میں خط کشیدہ الفاظ جملہ معترضہ ہیں جنمیں خدا تعالیٰ نے وضاحت فرمادی ہے کہ زوجۂ عمران کے ہاں پیدا ہونیوالی لڑکی اُسکے ذہنی لڑکے سے بہتر تھی۔ یہ اسلئے کہ مریم منذورہ تھی جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ اُس معاشرہ کی اِس غیر اسلامی رسم کو توڑنیوالا تھا جو منذورہ لڑکیوں کی شادی میں حائل تھی۔ مریم وہ پہلی منذورہ تھی جسکی شادی کے ذریعہ جہالت کی مذکورہ رسم توڑی گئی۔ چنانچہ والدۂ مریم کا نذرانہ قبول کیا گیا۔ اور قبولیت کی سند کے طور پر اگلی آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ کفالتِ مریم کے بہت سے دعویداروں کے باوجود مریم منذورہ حضرتِ زکریا کی کفالت میں آئیں، جنہوں نے اُنکی بہترین تربیت فرماکر اُنہیں بہترین معلّمہ بھی بنادیا۔

فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُولٍ حَسَنٍ وَأَنْبَتَهَا

پس اللہ نے قبول کیا اُسے قبول کرنا اچھا اور اُسکی

نَبَاتًا حَسَنًا وَكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ۚ.....

کی اچھی تربیت کی اور اُسکی کفالت کی زکریا نے

پھر مریم کو اُسکے پروردگار نے (اُسکی ماں کے) اچھے نذرانے کے طور پر قبول کیا۔ اور اُسکی اچھے طریقے سے پرورش فرمائی۔ حقیقت یہ ہے کہ مریم کی کفالت زکریا نے کی تھی۔

احساسِ ذمہ داری

مریمؑ جوان ہوگئیں تو حضرت زکریاؑ نے انہیں ایک الگ محراب میں مقیم کر دیا جہاں انکے پاس صرف عورتیں ہی آتی اور دین سیکھا کرتی تھیں۔ اسطرح وہ مریمؑ کیلئے کھانے کی کچھ چیزیں لے آتی تھیں۔ زکریا سلام علیہ انکی خبر گیری کیلئے انکے پاس آتے تو پوچھتے کہ مریمؑ! یہ چیزیں تمہارے پاس کہاں سے آتی ہیں۔ آپ فرماتیں، شاگرد عورتوں کے ذریعہ اللہ تعالیٰ بھیج دیتا ہے۔ اس واقعہ کو قرآن کریم نے بالفاظ ذیل بیان کیا ہے:۔

كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ ۙ وَجَدَ عِنْدَهَا
جب داخل ہوتا اسکے پاس زکریا محراب میں پاتا اسکے پاس
رِزْقًا ۚ قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا ۗ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ
کھانے کی چیزیں۔ کہتا اے مریم کہاں سے آتی ہے یہ۔ کہتی وہ ہے طرف سے
اللّٰهِ ۗ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ ۳۷
اللہ کی بیشک اللہ رزق دیتا ہے جسے چاہے، بلا حساب

جب حضرت زکریاؑ مریمؑ کے پاس محراب میں جاتے تو ان کے پاس کھانے کی چیزیں پڑی ہوئی پاتے۔ آپ پوچھتے مریم! یہ (رزق) تیرے پاس کہاں سے آتا ہے۔ وہ کہتیں اللہ بھیج دیتا ہے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ جسے (اُجرت کے پیمانوں کیساتھ ناپے بغیر یعنی) رزق بغیر حساب دیتا ہے، اپنے قانونِ مشیت کے مطابق ہی دیتا ہے۔

● حضرت زکریاؑ کا مذکورہ بالا سوال اَنّٰى لَكِ هٰذَا اس چیز کی خبر دیتا ہے کہ آپ پر جو کفالتِ مریمؑ کی ذمہ داری ڈالی گئی تھی، آپ اُسے ہر وقت نگاہوں کے سامنے رکھتے تھے۔ نیز اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت مریم بہترین معلّمہ اور مبلغہ بن چکی تھیں اور سنِ بلوغ کو پہنچنے تک عورتوں کی تبلیغ اور درس و تدریس کا کام سنبھال چکی تھیں۔

ولادتِ یحییٰؑ

اس سے اگلی چار آیاتِ کریمات میں حضرت یحییٰؑ کی ولادت کا ذکر ولادتِ مسیحؑ کے ذکر سے ماقبل جملہ معترضہ کے طور پر آیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ولادتِ مسیحؑ کیساتھ ولادتِ یحییٰؑ کا ایک خاص تعلق ہے۔ جس کا ذکر آگے اپنے مقام پر آرہا ہے۔ یہاں صرف اتنا عرض کیا جاتا ہے کہ ولادتِ مسیحؑ کا ذکر قرآن کریم میں دو جگہ مذکور ہے۔ سورہ آلِ عمران اور سورہ مریم میں۔ اور دونوں مقامات پر ولادتِ مسیحؑ کے تذکرہ سے پہلے ولادتِ یحییٰؑ کا ذکر لایا گیا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ جب مریمؑ صدیقہ کو حضرت زکریاؑ نے ایک الگ محراب میں الگ کر دیا، جہاں انہوں نے عورتوں کے درس تدریس کا کام سنبھال لیا۔ تو آپ عورتوں کی تبلیغ کی طرف سے مطمئن ہوگئے۔ لیکن آپ اپنے بعد مردوں کی تبلیغ اور درس و تدریس کے متعلق مطمئن نہیں تھے۔ کیونکہ مردوں میں آپکے بعد سلسلۂ تبلیغ کو جاری رکھنے والا کوئی نہیں تھا۔ اسلئے آپ نے حضرت مریمؑ کی تبلیغی کامیابیوں کو دیکھ کر، محرابِ مریمؑ ہی میں خدا تعالیٰ کے حضور دعا فرمائی:۔

هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ ۚ قَالَ رَبِّ هَبْ لِيْ
وہاں دعا کی زکریا نے رب اپنے سے۔ کہا اے رب عطا کر واسطے میرے
مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ ۝ ۳۸
طرف اپنی سے بیٹا پاکیزہ بیشک تو ہے سننے والا دعا کا

وہاں زکریاؑ نے اپنے رب کے حضور دعا فرمائی کہ اے میرے پروردگار! مجھے اپنی جناب سے ایک پاکیزہ بیٹا عطا فرما۔ بلاشبہ تو دعا کو سننے والا ہے۔

دُعا حضورِ الٰہی میں براہِ راست کی جائیگی۔ کسی نبی ولی کا وسیلہ درمیان میں نہیں لایا جائیگا۔

• حصولِ اولاد کیلئے حضرتِ زکریاؑ کی دُعا آپکے سامنے ہے۔ جسے تبادل الفاظ کیساتھ ۱۹/۵ اور ۲۱/۸۹ میں دہرایا بھی گیا ہے۔ نیز بیٹے ہی کیلئے حضرت ابراہیمؑ کی دُعا ۳۷/۱۰۰ میں مذکور ہے لیکن نہ حضرتِ ابراہیمؑ اپنی دعا میں اپنے بزرگ حضرتِ نوحؑ کا وسیلہ لائے تھے۔ نہ حضرت زکریا نے اپنے بزرگ حضرت ابراہیمؑ کا وسیلہ پیش کیا تھا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ دعا میں کسی نبی ولی کا وسیلہ لانا خلافِ اسلام ہے! اور بات بھی بڑی سیدھی سی ہے کہ جب حضراتِ ابراہیمؑ اور زکریا سلامٌ علیہم جیسے نبی تو خود اللہ تعالیٰ کے محتاج تھے اور خود اُس سے بیٹے مانگتے تھے۔ تو پھر وہ وسیلہ کسطرح ہو سکتے ہیں؟ لیجئے اب دعاءِ زکریا کا جواب ملاحظہ فرمائیے:۔

فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ عـ۱

پس مخاطب ہوئیں وحی لانیوالی قوتیں جب کہ کھڑے دعا کر رہے تھے

فِي الْمِحْرَابِ ۙ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًۢا

بیچ محراب کے۔ بیشک اللہ آپکو بشارت دیتا ہے یحیٰی کی۔ تصدیق کرنے والا

بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ

اللہ کے ارشادات کی۔ اور سردار اور پابندِ شریعت اور نبی۔ ہیں سے

الصّٰلِحِيْنَ ۝ ۳۹

صالحین کے

پھر حضرتِ زکریاؑ سے اللہ کی وحی لانیوالی قوتوں کے ذریعہ اُسی وقت مخاطب ہوا جب وہ محراب میں کھڑے دعا کر رہے تھے کہ اے زکریا! بلاشبہ اللہ تعالیٰ آپ کو یحیٰی کی خوشخبری دیتا ہے۔ جو ارشاداتِ الٰہیہ کے مطابق (سابقہ نبیوں کی) تصدیق کرنے والا ہوگا۔ قوم کا سردار ہوگا۔ نیز قوانینِ الٰہیہ کا پُورا پابند ہوگا یعنی نبی ہوگا۔ اور اُس گروہ میں سے ہوگا جو معاشرہ کی اصلاح کرنیوالے ہیں۔

عـ۱ یہاں یُصَلِّیْ بمعنی نماز پڑھ رہا نہیں بلکہ دُعا کر رہا ہے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ ایسا بے اصول نہیں کہ حضرت زکریا صلوٰۃ ادا کر رہے ہوں اور وہ عین دورانِ صلوٰۃ ہی اپنا پیغام بھیجدے۔ نیز واضح رہے کہ اللہ کے پیغام اُسکی پیغام رساں قوتوں ملائکہ ہی کے ذریعہ آتے تھے۔ جو ظاہری کانوں سے نہیں بلکہ بصیرت کے کانوں ہی کیساتھ سُنے جاتے تھے۔ نہ اللہ تعالیٰ کی کوئی اپنی ادی زبان ہے نہ اُسکے ملائکہ کی کہ اُسکا پیغام باآواز ہو۔ حضرتِ زکریاؑ کو جب بیٹے کی خوشخبری دیگئی تو آپ نے اپنے حالات کے مطابق انتہائی تعجب کے عالم میں عرض کیا:۔

قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّقَدْ بَلَغَنِيَ

کہا اے رب کسطرح ہوگا میرے لئے بیٹا جبکہ بلاشبہ پہنچا مجھے

الْكِبَرُ وَامْرَاَتِيْ عَاقِرٌ ؕ قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ

بڑھاپا اور بیوی میری ہے بانجھ۔ کہا ایسا ہی ہے۔ اللہ

يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ۝ ۴۰

کرتا ہے اپنے قانونِ مشیت کیمطابق

حضرت زکریا نے کہا کہ اے میرے پروردگار! میرے ہاں بیٹا کسطرح ہوگا، جبکہ خود مجھکو بڑھاپا پہنچ چکا ہے اور میری بیوی بانجھ ہے۔ اللہ نے فرمایا، ایسا ہی ہے (واقعی آپ بوڑھے ہیں اور آپکی بیوی بانجھ ہے۔ لیکن) اللہ تعالیٰ ہر کام قانونِ مشیت کے مطابق ہی کرتا ہے۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرتِ زکریاؑ نے پہلے تو طلب بیٹے کیلئے دعا فرمائی لیکن جب منظور ہوگئی تو جھٹ کہدیا کہ میرے ہاں بیٹا کسطرح ہوگا جبکہ میں بوڑھا اور بیوی بانجھ ہو چکی ہے۔ کیا اللہ کا نبی پہلے بھول گیا تھا کہ ہم دونوں بوڑھے

ہو چکے ہیں۔ اسکا جواب یہ ہے کہ اَنّٰی استفہام کے بعد اگر جملہ منفی ہو تو استفہام انکاری ہوتا ہے یعنی اَنّٰی امر محال کیلئے کلام میں تاکید پیدا کرتا ہے۔ چنانچہ یہاں مفہوم یہ ہے کہ میرے ہاں بیٹا، سلسلۂ تولید کی راہ میں حائل ان رکاوٹوں کو دُور کئے بغیر نہیں ہوگا۔ اسکے جواب میں ارشاد ہوا ہے کَذٰلِکَ = ایسا ہی ہے۔ اللہ اپنے قانونِ مشیت کے مطابق ہی ہر کام انجام دیتا ہے۔ سورہ مریم میں آیا ہے :- ھُوَ عَلَیَّ ھَیِّنٌ ۹/۱۹ = ان رکاوٹوں کو دُور کرنا میرے لئے آسان ہے۔ چنانچہ حضرت زکریاؑ میں چونکہ مردمی بالکل ناپید نہیں تھی۔ اسلئے انہیں تبلیغی کام سے تین دن کی چھٹی کروا کر بیوی کیطرف رجوع کر دیا۔ اور بیوی جو بیمار تھی اُسے علاج کے ذریعہ اولاد کے قابل کر دیا۔ سورۂ انبیاء میں اسی چیز کی خبر دیگئی ہے :-

• وَزَكَرِيَّآ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ رَبِّ لَا تَذَرْنِىْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ ۚ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَوَهَبْنَا لَهٗ يَحْيٰى وَاَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ ۲۱/۸۹-۹۰ اے صاحب قرآن! زکریا کا وہ وقت قابل ذکر ہے، جب اُس نے اپنے رب کو پکارا، کہ اے میرے پروردگار! مجھے اکیلا نہ چھوڑنا۔ تو بہتر وارث عطا کرنیوالا ہے۔ پس ہم نے اسکی دُعا قبول فرمائی۔ اور اُسے اسطرح یحییٰؑ عطا کیا کہ ہم نے اپنے قانونِ شفا کے مطابق، اسکے لئے اُسکی بیوی کی اصلاح کر دی۔

• دیکھئے! اس آیت مجیدہ ۲۱/۹۰ نے، ۳/۴۰ کے الفاظ اَللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ میں مذکور اللہ کے قانونِ مشیت کی تفسیر کر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت زکریاؑ کو بیٹا، اپنے مقرر کردہ قوانینِ مشیت کے مطابق ہی عطا فرمایا تھا جس پر اَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ کے الفاظ شاہد ہیں۔

يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ کا معنیٰ قانونِ مشیت کے مطابق ہے، اس کے خلاف ہرگز نہیں

• يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ کا معنیٰ روائتی تراجم میں یہ لیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے قوانینِ جاریہ کے خلاف کرتا ہے جسطرح چاہتا ہے۔ لیکن قرآنِ کریم اس تصور کا حامل نہیں جب حضرت داؤدؑ نے حضرت طالوت کو بنی اسرائیل کے لشکر کا سپہ سالار مقرر کیا تو انہوں نے کہا کہ یہ کسطرح ہمارا سپہ سالار ہو سکتا ہے جبکہ اُسکے پاس تو مال ہی کوئی نہیں! اس پر حضرت داؤدؑ نے فرمایا۔ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِى الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ۲/۲۴۷ ، اللہ نے اُسے تمہارے مقابلے پر اسلئے پسند فرمایا ہے کہ اُسے علم اور صحت میں زیادہ فراخی دی ہے اور اسکے بعد آیا ہے :- وَاللّٰهُ يُؤْتِىْ مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَآءُ ۲/۲۴۷ = اور اللہ تعالیٰ اپنا ملک اُسے دیتا ہے جسے اپنے قانونِ مشیت کیمطابق چاہتا ہے۔ اب دیکھئے کہ سپہ سالاری کیلئے اللہ کا قانونِ مشیت یہ ہے کہ یہ منصب اُسے دیا جانا چاہئے جو جنگی علم بھی رکھتا ہو اور جسم کے لحاظ سے بھی تنومند اور جفاکش ہو۔ اب آیئے سلسلۂ درس کیطرف۔ اگلی آیت مجیدہ میں حضرت زکریاؑ کو تین دن کیلئے تبلیغی کام سے چھٹی کرنیکا حکم دیا گیا ہے :-

قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّىْٓ اٰيَةً ۭ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا

کہا اے رب میرے ٹھہرا واسطے میرے کوئی نشانی کہا نشانی تیری یہ ہے کہ

تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا ۭ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ

تو نہ کلام کرے لوگوں سے تین دن مگر اشاروں سے اور یاد رکھ رب اپنے کو

زکریاؑ نے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار! میرے لئے کوئی نشانی ٹھہرائیگا۔ حکم ہوا تیرے لئے نشانی یہ ہے کہ تو تین دن کیلئے لوگوں کیساتھ اشاروں کے سوا کلام نہ کرنا ۱۹/۱۰۔ اور اپنے پروردگار کو خوب یاد رکھنا۔ اور اپنے فرائضِ منصبی دن کے پچھلے حصے اور صبح کو (حسبِ) قرآن بدستور)

كَثِيرًا وَّسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْإِبْكَارِ ۝٤١ ع ۱۱/۱۲

بہت اور اپنا فرض منصبی ادا کیا کر شام اور صبح کو ادا کرتے رہنا۔

• یہاں تسبیح سے مراد صلوٰۃ موقت نہیں بلکہ فرائض منصبی کی ادائیگی ہے۔

حضرت مریم کو اس غیر اسلامی رسم کو توڑنے کیلئے چن لیا گیا جو اس معاشرہ میں رائج تھی کہ منذورہ لڑکیوں کی شادی نہیں کیجاتی تھی

• حضرت یحییٰ کی پیدائش کے ضمنی ذکر کے بعد اگلی آیت مجید میں حضرت مریم کو جب وہ بالغ ہوگئیں تو حضرت ذکریا کی معرفت پیغام دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے منذورہ لڑکیوں کو کنواری رکھنے کی غیر اسلامی رسم کو توڑنے کیلئے چن لیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوا ہے ؛۔

وَإِذْ قَالَتِ الْمَلَٰٓئِكَةُ يَٰمَرْيَمُ إِنَّ اللَّهَ

اور جب (ذکریا کی معرفت) ملائکہ نے مریم کو کہا بیشک اللہ نے

اصْطَفَٰكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفَٰكِ عَلَىٰ نِسَآءِ الْعَٰلَمِينَ ۝٤٢

پسند کیا تجھے اور پاکیزہ ٹھہرایا تجھے اور پسند کیا تجھے بمقابل عورتوں جہانوں کے

اور وہ وقت قابل ذکر ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی پیغام رساں قوتوں نے حضرت ذکریا کی معرفت حضرت مریم کو کہا کہ اللہ نے تجھے پسند کیا، پاکیزہ ٹھہرایا اور تجھے (منذورہ لڑکیوں کی عدم نکاح کی جاہلانہ رسم کو توڑنے کیلئے) اس زمانے کی عورتوں سے چن لیا ہے۔

وحی نبیوں کو ہوتی تھی اور نبی صرف مرد ہوتے تھے

• آگے بڑھنے سے پہلے اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ خدا تعالیٰ عوام سے خطاب کرنے کیلئے نبیوں کو بطور نمائندہ منتخب کیا کرتا تھا! ور ان کے ذریعہ عوام سے خطاب کرتا تھا۔ اور وہ مرد ہی ہوا کرتے تھے جیسے کہ ارشاد ربانی ہے ؛۔ وَمَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ إِلَّا رِجَالًا نُّوحِىٓ إِلَيْهِم مِّنْ أَهْلِ الْقُرَىٰٓ ۱۲/۱۰۹ = اور اے رسول ہم نے آپ سے پہلے بھی بستیوں والوں میں سے نہیں بھیجا کسی کو مگر مردوں ہی کو بھیجا تھا کہ ہم انکی طرف وحی کرتے تھے۔ پس اس خداوندی کلیئے کے مطابق ثابت ہوا کہ حضرت مریم کو وحی نہیں ہوتی تھی۔ کیونکہ نہ آپ نبیہ تھیں۔ اور نہ مرد تھیں کہ انکی طرف وحی ہوتی اور اللہ کا پیغام براہ راست انکی طرف آتا۔ چونکہ اس وقت کے نبی تھے حضرت ذکریا سلام علیہ اسلئے مریم کے نام کا پیغام حضرت ذکریا کے پاس آتا تھا، اور وہ اللہ کا پیغام انکو پہنچا دیتے تھے۔ پس واضح رہے کہ آیت بالا ۳/۴۲ میں وَإِذْ قَالَتِ الْمَلَٰٓئِكَةُ کے الفاظ میں حضرت ذکریا کا واسطہ محذوف ہے۔ چنانچہ پیغام خداوندی کا بقیہ حصہ یہ ہے ؛۔

يَٰمَرْيَمُ اقْنُتِى لِرَبِّكِ وَاسْجُدِى وَارْكَعِى

اے مریم اپنے رب کی فرمانبردار رہ اور اسکے سامنے سجدہ ریز ہو جا

مَعَ الرَّٰكِعِينَ ۝٤٣

اور اللہ کے قانون کے سامنے جھکنے والوں کیساتھ جھک جا۔

حضرت ذکریا کی معرفت کہا گیا کہ) اے مریم اپنے پروردگار کی فرمانبردار بنی رہ۔ اسکے قوانین کے سامنے پوری طرح سجدہ ریز ہو جا اور خصوصاً قانون خداوندی کے سامنے جھکنے والوں کیساتھ تو بھی جھک جا۔

• بعض مترجمین نے وَاسْجُدِى وَارْكَعِى مَعَ الرَّٰكِعِينَ سے یہ مراد لی ہے کہ مریم صدیقہ کو صلوٰۃ موقت (نماز) کا حکم دیا گیا تھا۔

اگر یہ نظریہ صحیح تسلیم کیا جائے تو اس پر سوال پڑتا ہے۔ کہ کیا اللہ کے رسول زکریا سلام علیہ نے مریم کو بالغ ہونے تک صلوٰۃ موقوت کی تعلیم نہیں دی تھی؟ نیز کیا اللہ تعالیٰ صلوٰۃ کا حکم الگ الگ مردوں اور عورتوں کے نام الگ الگ جاری کیا کرتا ہے۔ کہ اے فلاں عورت صلوٰۃ ادا کیا کر۔ اور اے فلاں مرد صلوٰۃ ادا کیا کر۔ پس واضح ہے کہ آیت بالا میں وَاسْجُدِيْ اور وَارْكَعِيْ میں نماز کا حکم نہیں بلکہ قوانینِ خداوندی کے سامنے جھکنے کا حکم ہے یعنی منذورہ پر بھی دوسری عورتوں کی طرح نکاح کرکے رب تعالیٰ کے عائلی قوانین کی پابندی سو فیصدی لازم ہے۔

کفالت نامے پر دستخط

• اس سے اگلی آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ مریم صدیقہ کی کفالت کے سلسلے میں کچھ جھگڑے کی صورت بھی پیدا ہوگئی تھی۔ لیکن آخری فیصلہ یہ ہوا، کہ مریم کی کفالت حضرت زکریا کرینگے۔ اس آخری فیصلے کو ضبطِ تحریر میں لاکر تمام جھگڑنے والوں سے دستخط لئے گئے۔ چنانچہ آنحضورؐ کو مخاطب کرکے خبر دی گئی ہے کہ اے صاحب قرآن:-

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ؕ

یہ ہیں خبریں غیب سے۔ وحی کرتے ہیں ہم طرف تیری

وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ

اور نہیں تھا تو انکے پاس جب وہ دستخط کر رہے تھے اپنے قلموں سے کہ ان میں سے

يَكْفُلُ مَرْيَمَ ۪ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ۝۴۴

کون ہوگا کفیل مریم کا! اور آپ اسوقت بھی انکے پاس نہیں تھے جب وہ جھگڑتے تھے

(صاحبِ قرآن! سابقہ واقعات کا) مذکورہ بالا بیان غیب کی خبروں میں سے ہے جو ہم آپکی طرف وحی کرتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ آپ اسوقت انکے پاس موجود نہیں تھے جب (کفالتِ مریم کے متعلق جھگڑنے والے) دستخط دے رہے تھے کہ مریم کا کفیل کون ہوگا! اور آپ اسوقت بھی انکے پاس موجود نہیں تھے، جب وہ (اس سے قبل اس معاملے میں) جھگڑ رہے تھے۔

• اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ کا لفظی معنیٰ ہے: "جب وہ اپنے اپنے قلم پیش کر رہے تھے"، قلم پیش کرنا محاورہ ہے دستخط دینے کا اسلئے معنی لکھا گیا ہے: جب وہ دستخط دے رہے تھے لیکن روایاتی تراجم میں يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ کا معنیٰ یہ لکھا ہے کہ کفالتِ مریم کے جھگڑے کا فیصلہ یہ ہوا کہ سب دریا میں قلم ڈالیں جسکا قلم پانی کے بہاؤ کے الٹی طرف جائے وہ مریم کا کفیل ہو۔ اسطرح بقول روایات حضرتِ زکریا اسلئے حضرت مریم کے کفیل مقرر ہوئے تھے کہ آپکا قلم دریا میں الٹے پانی بہ گیا تھا۔ یاللعجب!

مسئلہ ولادتِ مسیح

• اس سے اگلی آیات کریمات میں ولادتِ مسیح کا وہ عظیم مسئلہ مذکور ہے جس کے متعلق عوام مترجمین و مفسرین نے یہ تاثر دیا ہے کہ آپ معاذ اللہ بلا باپ پیدا ہوئے تھے۔ حالانکہ آیت اسبق میں وَارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ کے الفاظ میں حضرت مریم کو یہ سمجھایا گیا ہے کہ تیرا منذورہ، معتکفہ اور مبلّغہ ہونا تجھے نکاح کے عائلی قوانین کی زد سے مستثنیٰ نہیں ٹھہرا سکتا۔ اسلئے تجھے بھی منذورہ ہونے کے باوجود قانونِ خداوندی کے سامنے جھکنے والوں کیساتھ جھکنا ہوگا یعنی تجھے کنواری نہیں رکھا جائیگا۔ بلکہ تجھے بھی قیدِ نکاح میں لایا جائیگا۔ قرآن کریم میں یہ عنوان سورہ مریم میں بھی آیا ہے۔ اس سورت میں اسے اسوقت سے شروع کیا گیا ہے کہ جب مریم منذورہ معتکفہ مبلّغہ ہونے کیساتھ ساتھ سنِ بلوغ کو بھی پہنچ گئیں۔ اور علیحدہ مکان میں عورتوں کی تعلیم و تبلیغ کا کام شروع کردیا تو اسوقت انکے کفیل حضرتِ زکریا کے فریضۂ کفالت کے مطابق ہر لڑکی کے وارث کا فرض ہے کہ جب

وہ بالغ ہو جائے تو اُسکے نکاح کا انتظام بھی کرے اور منگنی کے وقت لڑکی کی رضا حاصل کرنے کیلئے اُس سے منگنی کا ذکر بھی کرے، جیسے کہ ارشاد باری ہے :۔ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ سَتَذْكُرُوْنَهُنَّ ۲/۲۳۵ ۔ اللہ تعالیٰ ظاہر کرتا ہے کہ تم منگنی کا ذکر لڑکیوں سے ضرور کرو گے۔ پس خبر دگیر، ہے کہ حضرت زکریا نے مریم کی منگنی کا اہتمام بھی کیا اور اُنکی رضا حاصل کرنے کیلئے اُن سے اُسکا ذکر بھی کیا۔ ہم سورہ مریم کو شروع سے پیش کرتے ہیں تاکہ ولادت یحییٰ کا جو ذکر سورہ آل عمران میں گزر چکا ہے اُسے آپ سورہ مریم کے الفاظ میں بھی ملاحظہ فرمائیں۔ ولادت یحییٰ کے ذکر کے بعد ولادت مسیح سے متعلقہ سورہ مریمؑ اور سورہ آل عمران، دونوں سورتوں کی آیتیں متقابل پیش کیجائینگی۔ اور پھر سلسلۂ درس کا تسلسل سورہ آل عمران کی آیت نمبر ۵۱ سے شروع کیا جائیگا۔

سورۂ مریمؑ

• خدا تعالیٰ نے سورہ مریمؑ میں بھی بلکہ ولادت مسیحؑ کو شروع کرنے سے پہلے اُسیطرح ولادت یحییٰؑ کا ذکر کیا ہے جسطرح سورہ آل عمران کی آیات نمبر ۳۸ تا ۴۱ میں گزر چکا ہے۔ وجہ یہ کہ ولادت یحییٰؑ اور ولادت مسیحؑ میں ایک خصوصی مماثلت ہے۔ لیجئے یہ ہے سورہ مریم:۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ صاحب بخشش عامہ و رحمت خاصہ کے نام کیساتھ پڑھونگا

كٓهٰيٰعٓصٓ ۝ ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا ۝ ۱۹/۲

اے کریم! ہادی، عبد، صدّیق! تیرے رب کی رحمت کا ذکر کیا جا رہا ہے جو اُس نے اپنے بندہ زکریاؑ پر فرمائی۔

اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا ۝ ۱۹/۳

وہ وقت قابل ذکر ہے جب اُسنے اپنے پروردگار کو مخفی آواز میں پکارا

قَالَ رَبِّ اِنِّيْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّيْ وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَيْبًا وَّلَمْ اَكُنْۢ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا ۝ ۱۹/۴

اُس نے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار بیشک میں ہوں کہ میری ہڈیاں کمزور ہو چکی ہیں۔ اور سر کے بال سفید ہو چکے ہیں۔ (اس حالت میں ایک مراد مانگتا ہوں) حقیقت یہ ہے کہ اے میرے پروردگار میں تیرے حضور دعا کرنے کے بعد تیرے دربار سے کبھی نامراد نہیں لوٹا۔

وَاِنِّيْ خِفْتُ الْمَوَالِيَ مِنْ وَّرَآءِيْ وَكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۝ يَّرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا ۝ ۱۹/۶

(نیز عرض کیا کہ) بیشک میں خوف کرتا ہوں کہ میرے رشتہ داروں میں میری دینی وراثت کے قابل کوئی نہیں۔ اور (ادھر میری حالت یہ ہے کہ) میری بیوی بانجھ ہے پس تو اپنی جناب سے ایک وارث عطا فرما۔ جو میرا بھی وارث ہو اور آل یعقوبؑ کا بھی وارث ہو۔ (یعنی جو دین یعقوبؑ کا مبلغ ہو) اور اے میرے پروردگار تو اُسے اپنا پسندیدہ ٹھہرائیو۔

يٰزَكَرِيَّآ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ ِۨاسْمُهٗ يَحْيٰى لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا ۝ ۱۹/۷

(ارشاد ہوا کہ) اے زکریاؑ! بلاشبہ ہم تجھے ایک بیٹے کی خوشخبری دیتے ہیں جسکا نام یحییٰ ہوگا۔ اس سے پہلے ہم نے یہ نام کسی کا نہیں رکھا۔

قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا وَّقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا ۝ ۱۹/۸

زکریا نے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار! میرے ہاں بیٹا کس طرح پیدا ہو گا جبکہ (حالت یہ ہے کہ) میری بیوی بانجھ ہے۔ اور میں بڑھاپے کی انتہا کو پہنچ چکا ہوں۔

قَالَ كَذٰلِكَ ج قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَّقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَيْئًا ۝ ۱۹/۹

فرمایا ایسا ہی ہے۔ واقعی تو بوڑھا ہے اور تیری بیوی بانجھ ہے۔ تیرا رب فرماتا ہے کہ (ان رکاوٹوں کا دور کرنا) میرے لئے آسان ہے اس سے پہلے میں نے تجھے پیدا کیا تھا اس حالت میں کہ تو کوئی چیز نہیں تھا

قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْ اٰيَةً ؕ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَيَالٍ سَوِيًّا ۝ ۱۹/۱۰

زکریا نے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار میرے لئے کوئی نشانی ٹھرایئے۔ حکم ہوا کہ تین دن (اشاروں کے سوا ہم) لوگوں کیساتھ کلام نہ کرنا۔

فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰۤى اِلَيْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ۝ ۱۹/۱۱

اسکے بعد زکریا محراب سے نکلکر قوم کیطرف گئے اور انہیں اشارہ سے کہا کہ (میں تین دن رات کلام نہیں کرونگا تم) صبح اور دن کے پچھلے حصے میں اپنے فرائض منصبی ادا کرتے رہنا۔

● حضرت یحییٰ پیدا ہوئے اور جوان ہو گئے۔ آپکے نام حکم اور آپکی شخصیت کی وضاحت اسطرح کی گئی ہے:-

يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ؕ وَاٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا ۝ ۱۹/۱۲

(ہم نے یحییٰ کو حکم دیا کہ) اے یحییٰ ہماری کتاب کو مضبوط تھامے رہنا اور ہم نے اُسے بچپن ہی سے اپنے پیغام کو لوگوں تک پہنچانیکا فریضہ عطا کر دیا تھا

وَّحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَزَكٰوةً ؕ وَكَانَ تَقِيًّا ۝ ۱۹/۱۳

اور ہم نے اُسے اپنی طرف سے نرم دل، پاکیزہ اور متقی پایا تھا۔ (یعنی وہ ہمارے قوانین کی پوری پوری نگہداشت کرنیوالا تھا)

وَّبَرًّۢا بِوَالِدَيْهِ وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا ۝ ۱۹/۱۴

نیز وہ اپنے ماں باپ کیساتھ نیکی کرنے والا تھا۔ اور نافرمان و سرکش ہرگز نہیں تھا۔

وَسَلٰمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوْتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا ۝ ۱۹/۱۵

اور اُس پر سلام ہے جس دن وہ پیدا ہوا۔ اور جس دن فوت ہوا۔ اور جس دن دوبارہ زندہ کرکے اٹھایا جائیگا۔

● سورۂ مریم کی اس سے اگلی آیات کریمات میں حضرت مریم کا ذکر شروع ہوتا ہے لیکن واضح رہے کہ اس سورت مقدسہ میں وہ تمام واقعات حذف کر دیئے گئے ہیں جو ولادت مریم اور انکے جوان اور مبلغہ و معلمہ بننے تک کے سورہ آل عمران میں درج ہیں یعنی سورہ مریم میں سورہ آل عمران میں مذکور واقعات سے اگلے واقعات درج ہیں۔ آل عمران کی آیت نمبر ۳/۴۲ میں حضرت مریم کے نام پیغام ہے کہ تو قانون خداوندی کے سامنے جھکنے والوں کیساتھ جھک جا۔ یہ حضرت زکریا کے ذریعہ مریم کے نام نکاح کا حکم تھا کہ جسطرح نکاح کے خداوندی حکم کے سامنے ہر کسی نے سر تسلیم خم کر رکھا ہے تو بھی اس پر عمل کر چنانچہ جیسا کہ فریضہ کفالت کی رو سے حضرت زکریا کے فرائض میں داخل تھا کہ جس طرح انہوں نے مریم کی بہترین تعلیم و تربیت فرمائی تھی، جب آپ جوان ہو جائیں، تو انکے نکاح کا انتظام کریں۔ اور اُن سے انکی منگنی کا ذکر

کریں ۲/۲۳۵۔ چنانچہ جب مریمؑ نے مشرقی مکان میں عورتوں کی تبلیغ و تعلیم یعنی زنانہ مدرسہ کا فریضہ ادا کرنا شروع کر دیا۔ اور وہ بالغ بھی ہو چکی تھیں، سورہ مریم کی اگلی آیت میں اُسوقت کا ذکر کیا گیا ہے :۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ ۘ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ۙ ۱۹/۱۶ || اے رسولؐ! اس کتاب قرآن کریم میں مریمؑ کا اُسوقت کا ذکر کیجئے (اور لکھ دیجئے کہ) جب وہ (اپنے فریضۂ تعلیم و تبلیغ کیلئے) مشرقی مکان میں الگ ہو گئی۔

فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا ۣ قف م || پس اُس نے (سِن بلوغ کو پہنچکر) اُن (دیکھ بھال کرنیوالے نامحرموں) سے پردہ اختیار کر لیا۔

• ادھر جب حضرت مریمؑ بالغ ہو گئیں تو اُدھر حضرت زکریاؑ نے اپنے فریضۂ کفالت کے مطابق اُن کی منگنی کا انتظام فرمایا۔ اور حکم باری ۲/۲۳۵ کے مطابق لڑکی کے ورثاء کا جو فرض ہے کہ منگنی کا ذکر لڑکی سے بھی کریں۔ اسکے لئے اللہ نے حضرت زکریاؑ کو حکماً مریمؑ کے پاس بھیجا۔ جس کی خبر بالفاظ ذیل دیگئی ہے :۔

فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا [عله] فَتَمَثَّلَ لَهَا [عله] بَشَرًا سَوِيًّا ۱۹/۱۷ || سو (اُسوقت) ہم نے مریمؑ کیطرف اپنے تعلیم پانیوالے (رسول زکریاؑ) کو بھیجا پس اُس نے اُس سے ایک بشر سوی (کامل مرد) کے حالات بیان کئے۔

[عله] رُوْحَنَا • روح کا معنی ہے اللہ کی تعلیم :۔ وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ۴۲/۵۲ = اور اسیطرح ہم نے (اے رسولؐ) آپکی طرف اپنی تعلیم اپنے امر کے مطابق وحی فرمائی ہے۔ عربی قواعد کے مطابق اسم بمعنی اسم فاعل بھی آتا ہے روح کا معنی اللہ کی تعلیم پانیوالا بھی ہے جیسے حضرت مسیحؑ کو بھی اللہ کی تعلیم پانیوالا (روح) کہا گیا ہے۔ آیت بالا میں روح یعنی اللہ کی تعلیم پانیوالا حضرت زکریاؑ کو کہا گیا ہے۔ جو حضرت مریمؑ کے کفیل تھے۔ جب انہوں نے حضرت مریمؑ کی منگنی کا اہتمام کیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے انہی کو مریم کی رضا حاصل کرنے کیلئے اُنکے پاس بھیجا۔ آپنے اُن سے ہونیوالے شوہر کے حالات بیان کئے۔

[عله] فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا • سابقہ تراجم میں فَتَمَثَّلَ لَهَا کا مفہوم غلط لیا گیا ہے، کہ جبریلؑ ایک نوجوان کی شکل بنکر مریمؑ کے پاس آئے اور کہا کہ میں تجھے بیٹا دینے آیا ہوں۔ منتہی الارب مطبع اسلامیہ لاہور کی جلد چہارم صفحہ ۱۱۴۸ پر تمثل کے متعدد معنوں میں سے ایک معنی داستان زدن (حالات بیان کرنا) بھی مذکور ہے۔ اسکا سہ حرفی مادہ م۔ ث۔ ل ہے۔ یہ لفظ تشبیہ کیلئے بھی آتا ہے اور حالات بیان کرنے کیلئے بھی۔ مثل بمعنی حالات خود قرآن کریم میں بھی آیا ہے۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ۭ ۲/۲۱۴ = کیا تم نے گمان کر لیا ہے کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔ حالانکہ تمہیں ابھی اُن لوگوں جیسے حالات پیش نہیں آئے جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں ۔ دیکھئے! یہاں مثل کا معنی حالات ہے مثال نہیں۔ اسوقت ہمارے سامنے شاہ عبدالقادرؒ اور مولوی احمد علی لاہوری مرحوم کا ترجمہ موجود ہے۔ دونوں اصحاب نے مَثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ کا ترجمہ پہلے لوگوں کے حالات ہی لکھا ہے۔ اسطرح تمثل کا معنی باب تفعل کے خاصہ تعدیہ کے مطابق ہوا حالات بیان کرنا۔ اور اسطرح فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا کا معنی ہوا اُس اللہ کے رسولؐ نے مریمؑ کے سامنے ایک بشر کامل کے

حالات بیان کئے۔ (مکمل تفصیل آگے آرہی ہے)۔

روائتی تفاسیر کی ایک جھلک

• اس قرآنی تفسیر کے برعکس سابقہ تفاسیر و تراجم کی بوالعجبی ملاحظہ فرمائیں کہ تَمَثَّلَ کا مصدری معنٰی مَثَل ہونا لیا گیا ہے۔ اور مفہوم یہ بتایا گیا ہے کہ جبریل امین ایک نوجوان کی شکل بنکر حضرت مریم کے پاس آیا اور کہا لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا = میں اسلئے آیا ہوں کہ تجھے ایک پاکیزہ بیٹا دوں! وہ بیٹا کس طرح دیا؟ اسکے متعلق لکھا ہے کہ جبریل نے پھونک ماری اور مریم صدیقہ حاملہ ہوگئیں۔

• اس تصور نے اور کیا کیا گل کھلائے ہیں؟ اسکی مثال ۹ اور ۱۲ جنوری ۱۹۶۳ء کے سہ روزہ ایشیا کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیں جسمیں "دعوت" دہلی کے حوالے سے لکھا ہے کہ قاری محمد طیب مہتمم دارالعلوم دیوبند فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا" کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ:- مریم عذرا کے سامنے جس شبیہ (صورتِ) مبارک نے نمایاں ہو کر پھونک ماری وہ شبیہ محمدی تھی۔ اس ثابت شدہ دعوٰی سے متین طور پر خود بخود کھل جاتا ہے کہ مریم صدیقہ اس شبیہ کے سامنے بمنزلہ زوجہ کے تھیں جبکہ وہ اسکے تصرف سے حاملہ ہوئیں۔ (بحوالہ طلوع اسلام مارچ ۱۹۶۳ء صفحہ ۱۵)

• دیکھا آپنے کہ ایک غلط تصور نے بات کہاں سے کہاں تک پہنچا دی ہے۔ مریم صدیقہ کو معاذاللہ معاذاللہ شبیہ محمدی کی بیوی بنا دیا گیا ہے۔ اور مسیح سلام علیہ کو اسکا بیٹا — چنانچہ اس سوال کے جواب میں کہ حضرت مسیح کس کے بیٹے تھے، قاری محمد طیب صاحب لکھتے ہیں:- "پس حضرت مسیح کی ابنیت (یعنی بیٹا ہونے) کے دعویدار ایک حد تک ہم بھی ہیں۔ مگر ابن اللہ (اللہ کا بیٹا) مانکر نہیں بلکہ ابن احمد کہکر (یعنی احمد عربی کا بیٹا کہکر) خواہ وہ ابنیت تمثالی ہی ہو"۔ معاذاللہ! استغفراللہ!

• کیا خوب ہے یہ تصور و تخیل، جو فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا کا غلط مفہوم لیکر بیان کیا گیا ہے کہ مریم صدیقہ معاذاللہ معاذاللہ، رسول عربی احمد سلام علیہ کی تمثالی بیوی ہیں اور مسیح سلام علیہ رسول اکرم کے تمثالی بیٹے ہیں — غور فرمائیں کیا چیستان بنا کر رکھدیا گیا ہے قرآن کریم کی آیات کریمات کو، کہ تمثالی بیوی اور تمثالی بیٹا تو چھ سو سال پہلے پیدا ہوتے ہیں۔ اور تمثالی شوہر اور تمثالی باپ چھ سو سال بعد عالم وجود میں آتے ہیں۔ حالانکہ حضرت مسیح سمیت سب کے سب نبی، آنحضور سے پہلے گزر چکے ہیں! اور سب کا شمار آنحضور کے آباؤ اجداد میں ہوتا ہے۔ اور ان سب کی بائیں آنحضور کی مائیں تھیں لیکن دیکھئے کہ حضرت مسیح کی ماں کو جو آنحضور کی بھی ماں ہیں بیوی بنا دیا ہے، اگرچہ تمثالی ہی قرار دیگئی ہے۔ العیاذ باللہ!

رجوع الی المطلب

• اب پھر آئیے! اپنے مضمون کیطرف — ۱۹/۹ میں آپ دیکھ چکے ہیں کہ جب حضرت زکریا نے حکم باری کیمطابق حضرت مریم کے سامنے بشر سوی (یعنی آپکے ہونیوالے شوہر کامل مرد کے) حالات بیان کئے یعنی اپنے فریضۂ کفالت ۳۷/۳ اور حکم باری ۲/۲۳۵ کیمطابق ان سے انکی منگنی کا ذکر کیا تو حضرت مریم نے اپنی رضامندی کا جن الفاظ میں اظہار فرمایا، انکی خبر بالفاظ ذیل دیگئی ہے:-

قَالَتْ اِنِّيْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا ۱۸/۱۹	مریم نے کہا بیشک میں آپکی (تعلیم و تربیت) رحمان کی پناہ میں ہوں۔ بلاشبہ آپ ایک متقی شخص ہیں۔

• اگرچہ اُس معاشرہ میں منذورہ لڑکیوں کی شادی منع تھی یعنی انہیں کنواری (بے شوہر) رکھا جاتا تھا لیکن حضرت مریمؑ نے حضرتِ زکریاؑ کی صحیح اسلامی تربیت کا ذکر کرکے عرض کیا کہ میں آپکی تعلیم و تربیت کی بدولت اللہ کی پناہ میں ہوں یعنی میں قانونِ خداوندی سے سرتابی ہرگز نہیں کرونگی۔

• ملہ مِنۡ بمعنی سے اور مِنۡكَ بمعنی تجھ سے۔ یعنی تیری تعلیم و تربیت کی بدولت۔

• ملہ یہاں اِنۡ شرطیہ نہیں ہے بلکہ اِنَّ کا مخفف ہے۔ اِنۡ تاکیدیہ بمعنی اِنَّ بلا درود صلہ لام ۷/۸۷ میں آیا ہے وَاِنۡ كَانَ طَآئِفَةٌ مِّنۡكُمۡ اٰمَنُوۡا بِالَّذِىۡۤ اُرۡسِلۡتُ بِهٖ وَطَآئِفَةٌ لَّمۡ يُؤۡمِنُوۡا۔ اور بیشک تم میں سے ایک گروہ اُس پر ایمان لایا جس کیساتھ میں بھیجا گیا ہوں اور ایک گروہ نے انکار کر دیا۔ آیت صدر ۱۹/۱۸ میں حضرت مریمؑ نے حضرت زکریاؑ کی دی ہوئی تعلیم و تربیت کی تعریف کی جو حضرتِ زکریاؑ کے کامل اتقا کا ثبوت تھا۔ حضرتِ مریمؑ نے آپکے اتقا کا اقرار کیا۔ اور اِنِّىۡۤ اَعُوۡذُ بِالرَّحۡمٰنِ کے الفاظ میں ہونیوالے مذکورہ شوہر کیساتھ شادی کی رضامندی کا اظہار فرمایا۔ اِس پر ساتھ ہی حضرت زکریاؑ نے فرمایا کہ منگنی کی اِس نسبت کا فیصلہ میرا نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا ہے۔ میں اِس سلسلے میں بھی اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔ اور ساتھ ہی بیٹے کی خوشخبری بھی دیدی۔ اِس عنوان کو اللہ تعالیٰ نے سورہ مریم اور سورہ آلِ عمران دونوں میں بالفاظِ ذیل ارشاد فرمایا ہے۔ دونوں آیات کریمات کے الفاظ بالمقابل درج کئے جاتے ہیں :۔

سورہ مریم	سورہ آلِ عمران
قَالَ اِنَّمَاۤ اَنَا رَسُوۡلُ رَبِّكِ ۖ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا ۱۹/۱۹	اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنۡهُ ۖ اسۡمُهُ الۡمَسِيۡحُ عِيۡسَى ابۡنُ مَرۡيَمَ ۳/۴۵
(مفہوم) زکریاؑ نے کہا سوائے اِسکے اور کوئی بات نہیں کہ (اِس مخصوص پیغام میں بھی) میں اللہ کا رسول ہوں۔ (اللہ کا بھیجا ہوا آیا ہوں) تاکہ تجھے ایک پاکیزہ بیٹے کی خوشخبری دوں۔	(مفہوم) ملائکہ نے (اللہ کا پیغام دیتے ہوئے حضرت زکریاؑ کی معرفت) کہا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ تجھے اپنی طرف سے کلام پانیوالے بیٹے کی خوشخبری دیتا ہے جسکا نام مسیح عیسیٰؑ ابن مریم ہوگا۔

• دیکھئے بالمقابل آیات کریمات میں دائیں طرف اَنَا رَسُوۡلُ رَبِّكِ کے الفاظ میں حضرت زکریاؑ رسول کے منظہ متکلم کے ساتھ حضرت مریمؑ کو پاکیزہ بیٹے کی خوشخبری دیگئی ہے اور بائیں طرف حضرتِ زکریاؑ کا تکلم محذوف ہے جس کی واضح دلیل پیچھے گذرچکی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنا پیغام اپنے ملائکہ کے ذریعہ اپنے نبی رسول ہی کیطرف نازل کرتا تھا۔ کسی غیر نبی کیطرف پیغام بھی اپنے نبی رسول ہی کے ذریعہ بھیجا جاتا تھا۔ حضرت مریمؑ چونکہ نبیہ نہیں تھیں۔ اِسلئے اُن کے نام جو منگنی کا پیغام بھیجا گیا تھا، ملائکہ کے ذریعہ حضرتِ زکریاؑ رسول ہی کیطرف بھیجا گیا تھا۔

• ملہ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا کا معنی مروجہ تراجم میں یہ لکھا ہے "تاکہ میں تجھے پاکیزہ بیٹا دوں" ۔ یہ معنی ازروئے قرآنِ کریم غلط ہے۔ کیونکہ تصریفِ آیات کے ذریعہ اسکی متقابل آیت مجیدہ ۳/۴۵ میں صاف ارشاد ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھے اپنی طرف سے کلام پانیوالے مسیح عیسیٰ ابن مریمؑ کی خوشخبری دیتا ہے۔ اِسلئے لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا میں لفظ بِشَارَةً محذوف ہے اور تقدیر کلام یہ ہے۔ لِاَهَبَ لَكِ بِشَارَةَ غُلٰمٍ زَكِيٍّ۔

• عـــلہ کَلِمَةٍ مِّنْهُ کا معنی سمجنے لکھا ہے اپنی (اللہ) کیطرف سے کلام پانیوالا۔ یہاں کَلِمَةٍ اسم بمعنی اسم فاعل ہے۔ اور اس سے اگلے الفاظ میں صاف لکھا ہے کہ اُسکا نام مسیح عیسٰی ابن مریم ہوگا۔ اس خوشخبری پر حضرت مریمؑ نے اس خطرہ کے پیش نظر کہ میں منذورہ ہوں۔ منذورہ کی شادی معاشرہ میں منع ہے۔ معاشرہ کے لوگ اس منگنی کو نکاح تک کسطرح پہنچنے دیجئے اس میں بے اندازہ رکاوٹیں کھڑی کرینگے۔ چنانچہ مریمؑ نے نکاح کی خبر اور بیٹے کی خوشخبری کے جواب میں ارشاد فرمایا:-

سورہ مریم

قَالَتْ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَكُ بَغِيًّا ۝ قَالَ كَذٰلِكِ ۚ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ ۚ وَلِنَجْعَلَهٗٓ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا ۚ وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا ۝ ۱۹/۲۱

(مفہوم) مریمؑ نے کہا میرے ہاں بیٹا کسطرح ہوگا جبکہ (میرا منذورہ ہونا میرے نکاح میں بہت بڑی کاوٹ ہے اسطرح) نہ مجھے میرے شوہر نے مس کیا اور نہ میں بدکارہ ہوں اللہ کے رسول زکریاؑ نے کہا کہ ایسا ہی ہے۔ (بیشک تیرا منذورہ ہونا تیرے نکاح میں بہت بڑی کاوٹ ہے) تیرا پروردگار کہتا ہے کہ اس کاوٹ کو دُور کرنا میرے لئے آسان ہے (اس بشیر بیٹے کی غرض یہ ہے کہ ہم لوگوں کیلئے نشانی ٹھہرائیں (کہ یہ ہے منذورہ منکوحہ کا بیٹا) اور اپنی طرف سے رحمت ٹھہرائیں۔ (یعنی وہ دُکھیا انسانیت کو رحمت بھرا قانون عطا کرے) حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک فیصلہ شدہ امر ہے (جو ہو کر رہیگا)۔

سورہ آل عمران

قَالَتْ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ وَلَدٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ ۭ قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَاۗءُ ۭ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝ ۳/۴۷

(مفہوم) مریمؑ نے کہا میرے ہاں بیٹا کسطرح ہوگا جبکہ (میرا منذورہ ہونا میرے نکاح میں بہت بڑی کاوٹ ہے اسطرح) نہ مجھے میرے شوہر نے مس کیا اور نہ میں بدکارہ ہوں ۱۹/۲۰) حضرت زکریاؑ نے کہا ایسا ہی ہے۔ (بیشک تیرا منذورہ ہونا تیرے نکاح میں بڑی کاوٹ ہے) اللہ تعالیٰ جیسے چاہتا ہے اپنے قانون مشیت کیمطابق ہی پیدا کرتا ہے جب وہ کسی کام کا فیصلہ کرتا ہے تو سوائے اسکے نہیں (کہ اپنے قانون مشیت کی زبان سے) کہتا ہے ہوجا۔ پس وہ (اسکے قانون مشیت کیمطابق اپنی مقررہ مدت کے بعد) ہوجاتا ہے۔ (پس تمام رکاوٹیں دُور ہوجائینگی اور یہ کام ہو کر رہیگا)۔

نوٹ • آیاتِ بالا کے ضمنی نوٹ نمبر ۱ تا صفحہ ۴۶ تک پھیلے ہوئے ہیں۔ ان نمبروں کے مطابق بغور ملاحظہ فرمائیں:-

مَسِّ بَشَر • مسِّ بشر سے مراد شوہر کی مس ہے جنسیات کے ضمن میں مس کا لفظ منکوحہ جوڑے کیلئے آتا ہے۔ قرآن نے حرامکاری کو مس کے لفظ سے بیان نہیں کیا حرامکاری کیلئے الفحشا یا البغا کا لفظ لایا گیا ہے سورہ نور میں ارشاد ہوا ہے وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَاۗءِ ۲۴/۳۳ ۔ اور اپنی ملازموں کو حرامکاری کیلئے مجبور نہ کرو۔ اسکے برعکس سورہ مجادلہ ۵۸/۳-۴ میں منکوحہ جوڑے کے اسی فعل کو مس کے لفظ میں بیان کیا گیا ہے بیوی کو ماں کہنے کا کفارہ بتایا گیا ہے کہ:- • وہ ایک گردن آزاد کریں مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَاۗسَّا ۔ مس سے پہلے پہلے
اگر اسکی طاقت نہ ہو، تو پھر حکم ہوا ہے کہ:- • دو ماہ کے پے در پے روزے رکھیں مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَاۗسَّا ۔ " " "
اگر اسکی بھی طاقت نہ ہو، تو پھر حکم ہوا ہے کہ:- • ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائیں (مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَاۗسَّا۔ محذوف)

• اسیطرح ۳۳/۴۹ میں ارشاد ہوا ہے:- يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ ...... ایمان والو! جب تم مومنہ عورتوں سے نکاح کرو۔ اور پھر اگر مس سے پہلے طلاق دیدو تو پھر ...... اُنکی عدت شمار نہ کیا کرو۔

• اب چونکہ آیات بالا سے ظاہر ہے کہ قرآن کریم کی لغت میں منکوحہ جوڑے کے باہمی اختلاط کو مس، اور حرامکاری کو البغا کہا جاتا ہے۔ اسلئے جب مریم صدیقہ نے کہا :- لَمْ یَمْسَسْنِیْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَكُ بَغِیًّا تو اسکا معنی صاف ہے کہ زمیر نکاح کی رکاوٹ کا دور ہونا ممکن ہے، اور نہ میں حرامکارہ ہوں پس یہاں لفظ البشر سے ہونیوالا شوہر مراد ہے۔ کوئی عام مرد مُراد نہیں۔ عام مرد کی نفی تو لَمْ اَكُ بَغِیًّا کے الفاظ میں الگ مذکور ہے۔ بالفاظِ دیگر کسی غیر مرد کے متعلق تو حضرت مریم کیلئے تصور تک پیدا نہیں ہوتا۔

هُوَ عَلَیَّ هَیِّنٌ ۲

• هُوَ عَلَیَّ هَیِّنٌ کا مفہوم یہ لکھا گیا ہے کہ مریم کے منذورہ ہونے کی بدولت اُسکے نکاح کی راہ میں معاشرہ کی جو قدیمی رسم حضرت مریم کو سدِ سکندری دکھائی دیتی تھی۔ اُسکے متعلق کہا گیا کہ اسکا دور کرنا میرے لئے آسان ہے۔ اِسکے برعکس روایات نے جو هُوَ عَلَیَّ هَیِّنٌ کا یہ مفہوم لیا ہے کہ حضرتِ مسیح کو باپ کے بغیر پیدا کرنا میرے لئے آسان ہے۔ اللہ تعالیٰ کے متعلق ایسا تصور تک نہیں کیا جاسکتا کہ وہ اپنے قانون کو توڑ دے جبکہ اُسکا اعلان عام ہے :- لَا تَبْدِیْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۱۰/۶۴ ۔ اللہ کے قوانین کیلئے بدلنا ہے ہی نہیں۔ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۶/۱۱۵ ۔ اُسکے قوانین کو کوئی بدلنے والا نہیں۔ مَا یُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَیَّ ۵۰/۲۹ ۔ میرا قانون خود میری طرف سے بھی نہیں بدلا جاتا۔ نیز واضح رہے کہ هُوَ عَلَیَّ هَیِّنٌ کا جملہ حضرت یحییٰ کی پیدائش کے ذکر میں بھی آیا ہے کہ حضرت یحییٰ کی پیدائش میں جو رکاوٹ ہے اُسکا دور کرنا میرے لئے آسان ہے۔ وہاں رکاوٹ تھی زوجہ زکریا کا بیمار ہونا چنانچہ سورہ انبیاء میں ارشاد ہوا ہے :- وَوَهَبْنَا لَهٗ یَحْیٰی وَاَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ ۲۱/۹۰ ۔ اور ہمنے اُسے (زکریا کو) یحییٰ عطا فرمایا یعنی اُسکی (بیمار) بیوی کی اُسکے لئے اصلاح کردی۔ پس جسطرح حضرت یحییٰ کی پیدائش کے ذکر میں هُوَ عَلَیَّ هَیِّنٌ کا معنی ، پیدائش یحییٰ میں حائل مادی رکاوٹ کو دور کرنا ہے۔ اِسی طرح حضرت مسیح کی پیدائش میں جو مریم کے منذورہ ہونے کی بدولت نکاح مریم میں رکاوٹ تھی اُسکا دور کرنا مفہوم ہے۔

قَالَ كَذٰلِكِ ۳

• ولادتِ مسیح کے ضمن میں جملہ قَالَ كَذٰلِكِ سے عام مترجمین نے یہ تصور اخذ کیا ہے کہ اس میں یہ کہا گیا ہے کہ مریم کے ہاں بیٹا بلا اختلاط شوہر ہی پیدا ہوگا۔ لیکن پہلے اِس سلسلے کی اصولی بحث ملاحظہ فرمائیں۔ اور پھر اِس جملہ کے مختلف قرآنی استعمالات سے ثابت کیا جائیگا کہ یہ جملہ قانونِ جاریہ کی تائید کرتا ہے مخالفت نہیں کرتا۔

• قرآن کریم میں انسانی پیدائش کا نقشہ اسطرح کھینچا گیا ہے کہ ایک وقت وہ تھا، جب صفحۂ ہستی پر انسان کا ذکر تک نہیں تھا:- هَلْ اَتٰی عَلَی الْاِنْسَانِ حِیْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ یَكُنْ شَیْئًا مَّذْكُوْرًا ۷۶/۱ ۔ پھر اسکا ذکر کیا گیا:- اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ ۳۸/۷۱ ۔ پھر اسکی افزائش نسل کا قانون مقرر کیا گیا:- بَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِیْنٍ ۚ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِیْنٍ ۚ ۳۲/۷-۸ ۔ اور ساتھ ہی یہ بھی بتادیا کہ انسان کی ابتدائی پیدائش کا ذریعہ زمین ہے:- وَاللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا ۧ ۷۱/۱۷ ۔ اور نسلی پیدائش کا ذریعہ عورت ہے:- نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ۲/۲۲۳ ۔ اور اِس ذریعہ یعنی عورت کا تاکیدی اور وضاحتی اعلان کرتے ہوئے صاف کہدیا کہ بیوی کے بغیر خود اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی بیٹا پیدا نہیں ہوسکتا:- اَنّٰی یَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ۶/۱۰۱ ۔ اللہ کا بیٹا کسطرح ہوسکتا ہے جبکہ اُسکی بیوی ہی کوئی نہیں — دیکھیے اِن الفاظ میں کس وضاحت کیساتھ اعلان کردیا گیا ہے کہ مرد کے ہاں بیوی کے بغیر، اور عورت کے ہاں شوہر کے بغیر اولاد ہرگز ہرگز نہیں ہوسکتی۔

کیونکہ وضاحت کر دیگئی ہے کہ اگر خود اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی بیٹے کی پیدائش کا سوال پیدا ہو جائے، تو پھر بھی اُسکے اپنے مقرر کردہ جوڑے کے قانون پرعمل درآمد کئے بغیر اُسکے ہاں بھی بیٹا پیدا نہیں ہو سکتا۔ پس جبکہ قانون کی پابندی کے سلسلے میں خود خالق کائنات کی یہ حالت ہے تو دُنیا کے کسی بھی مرد یا عورت کے متعلق کسطرح تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ قانونِ مشیت پر عمل درآمد کئے بغیر کبھی کوئی بچہ پیدا ہو گیا ہو۔

• سلسلۂ پیدائش کے ضمن میں قانونِ مشیت کی پابندی کی اس اصولی تفصیل کے بعد اب آئیے جملہ قَالَ کَذٰلِكِ کی طرف۔ واضح رہے کہ یہ جملہ قرآنِ کریم میں متعدد مقامات پر آیا ہے لیکن کسی بھی مقام پر مشیتِ الٰہی کے قانونِ جاریہ کی مخالفت نہیں کرتا مثال کے طور پر دیکھئے آیاتِ ذیل۔ حضرتِ ابراہیمؑ کے مہمانوں کے متعلق ارشاد ہوا ہے:-

• وَبَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ۝ فَاَقْبَلَتِ امْرَاَتُهٗ فِيْ صَرَّةٍ فَصَكَّتْ وَجْهَهَا وَقَالَتْ عَجُوْزٌ عَقِيْمٌ ۝ قَالُوْا كَذٰلِكِ ۙ قَالَ رَبُّكِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْحَكِيْمُ الْعَلِيْمُ ۝ ۵۱/۲۸ تا ۳۰ = اور اُنہوں نے (ابراہیمؑ کو) ایک صاحبِ علم بیٹے کی خوشخبری دی۔ اُنکی بیوی کہا (اپنے آپ سے) باتیں کرتی ہوئی آگے بڑھی ——— پھر (نسوانی دستور کے مطابق) حیرت کیساتھ اپنے چہرے پر ہاتھ مارا اور کہا (کیا) بڑھیا بانجھ (بیٹا جنے گی یعنی بڑھیا بانجھ بیٹا نہیں جن سکتی) اُنہوں نے کہا، کَذٰلِكِ ایسا ہی ہے۔ (تو نے سچ کہا ہے لیکن) بلاشبہ اللہ تعالیٰ حکمت والا اور علم والا ہے۔ (وہ اپنے حکمت بھرے قانون کیساتھ بوڑھے مردوں اور بانجھ عورتوں سے کمیاں دُور کر کے اُنہیں اولاد پیدا کرنے کے قابل بنا دیتا ہے)۔

• اب چونکہ حضرتِ ابراہیمؑ کے ہاں بڑھیا بانجھ کی اصلاح کے بعد اُسی کے بطن سے جو اولاد پیدا ہوئی مشیت کے قانونِ جاریہ ہی کے مطابق ہوئی تھی۔ اِسلئے ثابت ہوا کہ قَالُوْا کَذٰلِكِ کے الفاظ نے قانونِ مشیت کی تصدیق کیساتھ ساتھ حضرتِ ابراہیمؑ کی زوجہ محترمہ کے اس یقین کی بھی تصدیق کر دی ہے کہ بڑھیا بانجھ کا جبتک بانجھ پن قائم رہے، اولاد پیدا نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نے اپنے قانون کی راہ میں حائل رکاوٹوں کو اپنے قوانینِ شفا و اصلاح ۲۱/۹ کے مطابق دُور کر دیا۔ شوہر میں مردیت، اور بیوی میں نسائیت آگئی، اور قانونِ جاریہ کے مطابق ہی حضرتِ اسحاقؑ پیدا ہوئے۔

• واضح رہے کہ قَالَ کَذٰلِكِ کا جملہ حضرتِ مسیحؑ کی خوشخبری کے ضمن کے علاوہ حضرتِ یحییٰؑ کی خوشخبری میں بھی آیا ہے۔ لہٰذا قرآنِ کریم کے دونوں مقامات بالمقابل لائے جا رہے ہیں، تاکہ حقیقت نکھر کر عیاں ہو جائے:-

حضرتِ یحییٰؑ کی خوشخبری

قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا وَّقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا ۝ قَالَ كَذٰلِكَ ۚ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ ۱۹/۸-۹

(مفہوم) زکریا نے کہا کہ اے میرے پروردگار میرے ہاں بیٹا کسطرح ہو گا جبکہ میری بیوی بانجھ ہے۔ اور خصوصًا

حضرتِ مسیحؑ کی خوشخبری

قَالَتْ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَكُ بَغِيًّا ۝ قَالَ كَذٰلِكِ ۚ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ ۚ ۱۹/۲۰-۲۱

(مفہوم) مریمؑ نے کہا، میرے ہاں بیٹا کسطرح پیدا ہو گا جبکہ میرے شادی شدہ ہونے سے نہ شوہر کی مس ممکن ہے اور نہ میں بدکارہ ہوں! اللہ

میں بڑھاپے کی انتہا کو پہنچ چکا ہوں! اللہ کے بھیجے ہوئے نے کہا کہ ایسا ہی ہے۔ تیرے رب نے کہا ہے کہ میرے لئے وہ (یعنی قانونِ مشیت کی راہ میں حائل شدہ رکاوٹوں کو دور کرنا) آسان ہے۔	کے رسول زکریا نے کہا کہ ایسا ہی ہے۔ تیرے رب نے کہا کہ میرے لئے وہ (یعنی تیرے نکاح کی راہ میں حائل قدیمی رسم کی رکاوٹ کو دور کرنا) آسان ہے۔

• ہر دو سمت کے متقابل الفاظ پر غور فرمائیں کہ حضرت یحییٰ کی پیدائش کے سلسلے میں حضرت زکریا نے دو رکاوٹیں بیان کی ہیں، اُنکا بڑھاپا، اور بیوی کا بانجھ پن۔ اور اسیطرح حضرت مسیح کی پیدائش میں حضرت مریم نے دو رکاوٹیں بیان کی ہیں شوہر کی عدم مس، اور خود اُن کا بدکارہ نہ ہونا۔ لیکن، حضرت مریم کے بدکار ہونے :۔
کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اِسلئے، فی الحقیقت ایک ہی رکاوٹ تھی منذورہ کے عدم نکاح کی پُرانی رسم۔ جسے اللہ تعالیٰ نے دُور کر دیا۔ حضرت مریم کا نکاح ہو گیا اور حضرت مسیح اللہ تعالیٰ کے قانونِ جاریہ کے مطابق پیدا ہوئے۔

يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ

• یخلق ما یشآء کے الفاظ سے بھی روائتی تفاسیر نے یہ تصور پیدا کیا ہے کہ حضرت مسیح بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ جسطرح چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ حالانکہ ما یشآء کے الفاظ سے اللہ تعالیٰ کے قانون مشیت کی مطابقت مراد ہے مخالفت مراد نہیں۔ ارشادِ باری ہے :۔ اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ ۵۴/۴۹ = بیشک ہم نے ہر چیز کو اپنے مقررہ پیمانے (قانون) کے مطابق پیدا کیا ہے۔ نیز فرمایا :۔ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا ۶۵/۳ = بیشک اللہ نے ہر چیز کیلئے الگ الگ پیمانہ (قانون) مقرر کر رکھا ہے۔ اب اِن آیات کریمات کے مطابق یخلق ما یشآء پر غور فرمائیں۔ لیشآء اور شیء ایک ہی مادہ ش۔ی۔ء سے ہیں جب ۵۴/۴۹ + ۶۵/۳ کے مطابق ہر چیز کیلئے اللہ تعالیٰ نے خود قاعدے قانون مقرر کر دیئے ہیں تو یخلق ما یشآء کا معنیٰ صاف ہے کہ اللہ تعالیٰ جو کچھ بھی پیدا کرتا ہے اپنے خود مقرر کردہ قوانین مشیت ۵۴/۴۹ + ۶۵/۳ کے مطابق ہی پیدا کرتا ہے پس یخلق ما یشآء کے الفاظ سے یہ تصور اخذ کرنا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح کو اپنے خود مقرر کردہ قانونِ مشیت کے خلاف بغیر باپ کے پیدا کیا تھا، خود آئینِ قرآنی کے خلاف ہے۔

اٰيَةً لِّلنَّاسِ

• یخلق ما یشآء کے علاوہ ایۃً للناس کے الفاظ سے بھی یہ دلیل پکڑی جاتی ہے کہ حضرت مسیح چونکہ اللہ کی نشانی تھے اسلئے آپ بلا باپ کی پیدائش تھے۔ العیاذ باللہ۔ لیکن واضح رہے کہ اگر مسیح کو اللہ تعالیٰ کی نشانی مانکر بلا باپ کی پیدائش مانا جائے تو حضرت مریم کو بھی بلا باپ ماننا لازم آتا ہے۔ کیونکہ سورہ مومنون میں مسیح کیساتھ مریم کو بھی اللہ کی نشانی کہا گیا ہے :۔ وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗۤ اٰيَةً ۲۳/۵۰ = اور ہم نے ابن مریم اور اُسکی ماں دونوں کو اپنی نشانی ٹھہرایا۔ لیکن دلائل بالا کے مطابق وَلِنَجْعَلَهٗۤ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا ۱۹/۲۱ سے یہ مراد نہیں کہ حضرت مسیح کو بلا باپ پیدا کیا گیا تھا اور حضرت مریم کو بلا شوہر بیٹا دیا گیا تھا۔ بلکہ یہ ماں بیٹا اِس جہت سے اللہ تعالیٰ کی واضح نشانی قرار دیئے گئے ہیں کہ مریم منذورہ کے ذریعہ اُس معاشرہ کی منذورہ لڑکیوں کو بلا نکاح رکھنے کی پُرانی رسم کو توڑا گیا۔ اور حضرت مسیح اُس رسم کو توڑنیوالی منذورہ منکوحہ کے بیٹے تھے۔ آج بھی عیسائیوں کے ہاں مشنری کیلئے مختص کردہ منذورہ قسم کی لڑکیوں کی شادی نہیں کیجاتی بلکہ انہیں

فن بنایا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ طریقہ دین اللہ سے بغاوت پر مبنی ہے۔ جیسے حضرت مریم کے ذریعہ توڑا گیا۔ اور رہاہٹوں کو اس عظیم دینی خدمت کے بدلے الگ الگ مخصوص نشانی ٹھہرایا گیا ہے۔

رَحْمَةً مِّنَّا

• اصل رحمت اللہ تعالیٰ کا قانون ہے جس کے ذریعہ دکھیا انسانیت کو ان کے کھوئے ہوئے انسانی حقوق بو میسّر آتے ہیں۔ اب چونکہ دکھیا انسانیت کا مونس و غمخوار اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ قانون نوعِ انسانی کو صرف نبی رسولوں کے ذریعہ ہی دیا جاتا تھا اسلئے سب نبیوں کو رحمت قرار دیا گیا ہے۔ آنحضور کے متعلق آیا ہے:- وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ ۲۱/۱۰۷ اور اسیطرح مسیح کو رَحْمَةً مِّنَّا کہا گیا ہے۔

كُنْ فَيَكُونُ

• کُنْ فَیَکُوْنُ کے جملے سے جو ولادتِ مسیح کے تذکرہ میں بھی وارد ہوا ہے، عام طور پر یہ مفہوم لیا جاتا ہے کہ خدا تعالیٰ جس کام کو کرنا چاہتا ہے، کہتا ہے کُن پھر وہ کام اپنی لازمی مدت اور متعلقہ ذرائع کے بغیر چشم زدن میں ہو جاتا ہے۔ یہ مفہوم قرآن کریم اور عالمی مشاہدات کی رُو سے غلط ہے۔ کیونکہ ابتدائے آفرینش ہی سے ہر چیز سلسلۂ ارتقا کی منازل طے کرتی ہوئی درجۂ تکمیل تک پہنچی ہے۔ مثلاً زمین و آسمان چھ دن میں تیار ہوئے تھے خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ۷/۵۴، لیکن ایک دن کی مقدار بتائی گئی ہے:- اِنَّ یَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ۲۲/۴۷ - بلاشبہ تیرے رب کے ہاں ایک دن کی مقدار ایک ہزار سال کے برابر ہے، جو تم شمار کرتے ہو۔ پس ثابت ہوا کہ زمین و آسمان چھ ہزار سال میں تیار ہوئے تھے۔ تو اسطرح کُن فیکون کی مشاہداتی تفسیر یہ ثابت ہوئی کہ کائنات چھ ہزار سال کی ارتقائی منازل طے کر کے موجودہ صورت میں آئی تھی۔ واضح رہے کہ کُن فیکون کی فا میں ہر کام کیلئے مدت کا وقفہ محذوف و مقدر ہے، جو خدا تعالیٰ نے اپنے قانونِ مشیت کے مطابق ہر کام کیلئے الگ الگ مقرر کر رکھا ہے۔ مادہ خرگوش کی مدتِ حمل ایک ماہ، بھیڑ بکری کی چھ ماہ، گائے بھینس کی دس ماہ اور عورت کی نو ماہ، صاحبِ مشیت کی خود مقرر کردہ ہے۔

• المختصر! اللہ تعالیٰ کی مستقل سنت ہے:- اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۲/۱۱۷ جب وہ کسی کام کا فیصلہ کرتا ہے تو اپنے قانونِ مشیت کی زبان سے کہتا ہے کُن۔ پھر وہ اپنی مقررہ مدت و ذرائع کیساتھ ہو جاتا ہے۔ اسی چیز کی مزید تشریح آیتِ ذیل میں کر دی گئی ہے:- اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَیْءٍ اِذَآ اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۱۶/۴۰ ہمارا قول کسی چیز کیلئے سوائے اسکے نہیں ہوتا کہ جب ہم اسکا ارادہ کرتے ہیں تو ہم کہتے ہیں ہو جا۔ پھر وہ ہو جاتی ہے۔ اس آیت مجیدہ میں وضاحت کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کی طرح فاعل بالفعل نہیں، بلکہ فاعل بالارادہ ہے جسکی وضاحت بنی اسرائیل کی بدحالی کے ضمن میں کی گئی ہے کہ جب فرعون نے بنی اسرائیل کو زمین میں کمزور کر دیا تو ارشاد ہوا ہے:- وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِی الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ ۲۸/۵ اور ہم نے ارادہ کیا کہ جنہیں زمین میں کمزور کر دیا گیا ہے، ان پر احسان کریں یعنی انہیں زمین کے امام اور وارث بنا دیں۔ اب دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارادہ قریباً پون صدی کے بعد پورا ہوا۔ سب سے پہلے حضرت موسیٰ کو پیدا کیا گیا، فرعون کے گھر میں پالکر جوان کیا، دس سال تک مدین میں رکھا۔ پھر نبوت عطا فرمائی تو آپ نے بنی اسرائیل کی آزادی کی مہم شروع کی۔ کئی برسوں کے بعد فرعون غرق ہوا اور پھر کہیں جا کر بنی اسرائیل آزاد ہوئے۔ اس مثال سے ثابت ہوا کہ اللہ کا ارادہ اور کُن فیکون اُسکے مقرر کردہ اسبابِ عمل

اور اُنکی مقررہ مُدّت کیساتھ وابستہ ہے۔ نیز اسی ضمن میں:-

• مَوت وحیات کا پُورا نظام جو قانونِ مشیت واسبابِ وعلل کی زنجیروں میں جکڑا ہُوا شبانہ روز چل رہا ہے۔ یہ سارے کا سارا نظام، خدا تعالیٰ کے کُن فیکون کا مظہر ہے۔ دیکھیئے ارشادِ باری:- هُوَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ ۖ فَإِذَا قَضَىٰ أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُن فَيَكُونُ ۝ ۴۰/۶۸ = وہ اللہ ہی ہے جو پیدا کرتا اور مَوت دیتا ہے۔ پھر جب وہ موت وحیات میں سے کسی کام کا فیصلہ کرتا ہے تو سوائے اسکے اور کوئی بات نہیں کہ اُسے کہتا ہے ہو جا۔ پس وہ ہو جاتا ہے ـــ دیکھیئے اِس آیت مجیدہ میں موت وحیات کے پُورے نظام کائنات کو کُن فیکون کا مظہر بتایا گیا ہے۔ جس پر مشاہدات گواہ ہیں کہ ہر پیدائش اور ہر مَوت قوانینِ مشیت کے مطابق ہی ہو رہی ہے۔ خلافِ مشیت نہ کوئی مَوت واقعہ ہوتی ہے نہ پیدائش۔ اور یہ سب کُن فیکون ہی کے مظہر ہیں۔ پس ثابت ہُوا کہ پیدائشِ مسیحؑ کے تذکرہ میں جو کُن فیکون کا جُملہ آیا ہے، اُس میں آپ کو بلا باپ کی پیدائش نہیں بتایا گیا۔ بلکہ جسطرح ابتدائے آفرینش سے آجتک کی جملہ پیدائشیں کُن فیکون کا مظہر ہیں، اور خدا تعالیٰ کے قوانینِ مشیت کے مطابق ہی ہوتی چلی آرہی ہیں۔ اُسیطرح حضرت مسیح کی پیدائش بھی کُن فیکون کی مظہر ہے۔ آپ قانونِ مشیت کے مطابق، میاں بیوی کے اختلاط ہی کیساتھ رحمِ مادر میں پہنچے تھے۔ اور قانونِ مشیت یعنی دردِزہ ہی کیساتھ پیدا ہُوئے تھے ۱۹/۲۳۔

نگاہِ بازگشت

• اُوپر وضاحت کی جاچکی ہے کہ آیات کریمات میں آمدہ الفاظ کے صحیح معنوں کے دلائلِ قاطعہ کیمطابق حضرتِ مسیح کی پیدائش عین قانونِ جاریہ کے مطابق ہُوئی تھی۔ آپکو اور آپکی والدہ محترمہ کو اللہ تعالیٰ کی نشانی ٹھہرایا گیا ہے۔ نیز جب حضرتِ مریمؑ پیدا ہُوئیں تو لَيْسَ الذَّكَرُ كَالْأُنثَىٰ ۳/۳۶ کے الفاظ میں حضرتِ مریمؑ کو آپ کی والدہ کے ذہنی بیٹے سے بہتر ٹھہرایا گیا تھا کہ آپکے ذریعہ معاشرہ کی اِس غیر اسلامی قدیمی رسم کو توڑنا تھا جو منذورہ لڑکیوں کا نکاح نہ کرنے کی سند قرار دی جارہی تھی۔ چنانچہ إِنِّي نَذَرْتُ لَكَ مَا فِي بَطْنِي ۳/۳۵ کے مطابق جب مریمؑ منذورہ لڑکی کی حیثیت سے حضرتِ زکریاؑ کی کفالت میں آئیں، تو حضرت نے اُنکی بہترین تربیت فرمائی۔ علمِ دین کے زیور سے آراستہ کیا۔ مسلمہ اور مبلغہ بنایا۔ عورتوں کی تعلیم وتبلیغ کیلئے الگ زنانہ مدرسہ جاری کر کے دیا۔ اب آپ بالغ ہو چکی تھیں۔ اِسلئے اُن کا نکاح کرنے کیلئے منگنی کا اہتمام کیا۔ اور اللہ کے حکم کے مطابق بالغ مریمؑ سے نکاح کی رضامندی حاصل کرنے کیلئے اُنکے ہونیوالے شوہر کے حالات بیان کیئے۔ حضرت مریمؑ نے رضامندی دینے کیساتھ ہی معاشرہ میں منذورہ لڑکیوں کے عدمِ نکاح کی قدیمی رسم کے نکاح کی راہ میں حائل ہونے کا خطرہ ظاہر کیا۔ لیکن حضرتؑ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میرے لئے اِس رکاوٹ کو دُور کرنا آسان ہے۔ چنانچہ وہ رکاوٹ دُور ہو گئی۔ اور حضرتِ زکریاؑ نے ارشادِ خداوندی کے مطابق ایک بشر سوی ۱۹/۱۷ کیساتھ اُنکا نکاح کر دیا۔ پھر کیا ہُوا؟

فَحَمَلَتْهُ فَانتَبَذَتْ بِهِ مَكَانًا قَصِيًّا ۝ ۱۹/۲۲

پھر مریمؑ نے (قانونِ جاریہ کیمطابق) پاکیزہ بیٹے کا بوجھ اُٹھایا پھر (جب وہ بوجھ نمایاں ہوگیا) تو اُسکے ساتھ کنارے والے مکان میں الگ ہو گئی۔

• یہ مکان ایک پُر فضا بالاخانہ تھا۔ کھجور کا درخت بالاخانے کے صحن سے ملحق، نیچے پانی کا چشمہ حتّٰی کہ قانونِ مشیت

کے مطابق حاصل کردہ امانت کو قانونِ مشیت کے مطابق وضع کرنے کا وقت آگیا۔ اور اسطرح جب مریم کو دردِ زہ کی تکلیف ہوئی تو وہ بیقرار ہوکر بالاخانہ کے صحن میں بڑھی ہوئی شاخ کیطرف کھلی فضا میں تشریف لائیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس بیقراری کے منظر کو بالفاظِ ذیل بیان فرمایا ہے :-

فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ اِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ ۚ قَالَتْ يٰلَيْتَنِيْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا ۝ ۱۹/۲۳

پھر (حمل کے اُس عرصہ کے بعد جو وضع حمل کیلئے مقرر ہے) مریم کو دردِ زہ کی (بیقراری) کھجور کی شاخ کیطرف لے آئی۔ اُس نے شدّتِ درد میں کہا، کاش میں اِس (جانکاہ تکلیف) سے پہلے مرجاتی اور بھولی بسری ہوجاتی۔

• آگے بڑھنے سے پہلے یہاں یہ امر غور طلب ہے کہ اگر بقول کسے حضرت مریم کا حاملہ ہونا قانونِ مشیت کا محتاج نہیں تھا تو وضع حمل کیوں قانونِ مشیت کا محتاج ہوا۔ کیوں نہ وضع حمل مکھن سے بال نکلنے کا مصداق ہوا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ جسطرح حضرت مسیح کا وضع حمل اللہ تعالیٰ کے قانونِ جاریہ کے مطابق ہوا، اُسیطرح قرارِ حمل بھی قانونِ مشیت کے عین مطابق ہی ہوا تھا۔ حضرت مریم چونکہ پلوٹھی حاملہ تھیں، اِسلئے قانونِ جاریہ کے مطابق پہلا وضع حمل پوری شدّتِ درد ہی کیساتھ ہورہا تھا۔ چنانچہ جب آپ کی بیقراری کی خبر آپکے کفیل حضرتِ زکریّا کو ہوئی تو آپنے شفقتِ بزرگانہ کے مطابق بالاخانے کے نیچے سے تسکین و تسلّی اور ضروری ہدایات کے الفاظ میں کہلا بھیجا۔

فَنَادٰىهَا مِنْ تَحْتِهَآ اَلَّا تَحْزَنِيْ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا ۝ ۱۹/۲۴

پھر (مریم کے اظہارِ اضطراب پر آپکے کفیل زکریّا نے) نیچے سے کہلا بھیجا کہ غم نہ کر۔ (تُو جانتی ہے کہ) تیری رہائش گاہ کے نیچے تیرے پروردگار نے چشمہ جاری کر رکھا ہے۔ (اگر پیاس ہو تو تازہ پانی منگا کر پینا)

وَهُزِّيْٓ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا ۝ ۱۹/۲۵

اور (کھجور کا درخت تیرے گھر میں ہے) تو کھجور کی شاخ کو اپنی طرف ہلاتی ہے تو وہ تجھ پر تازہ کھجوریں گراتی ہے۔

• واضح رہے کہ شدّتِ درد کے عالم میں کھجور سے کھجوریں جھاڑنے کو نہیں کہا گیا۔ بلکہ اِن الفاظ میں مریم کو کھجوریں کھانے کی ترغیب دیگئی ہے۔ اور دایہ وغیرہ کو ہدایت کیگئی ہے کہ دردِ زہ کی شدّت کو کم کرنے کیلئے تازہ کھجوریں کھلائی جائیں، جو گرم بھی ہوتی ہیں اور ملیّن بھی۔ یاد رہے کہ اِس آیت میں هُزِّيْٓ تا رُطَبًا جَنِيًّا کے الفاظ وضع حمل سے متعلقہ وقتی ہدایات ہیں۔ اگلی آیت میں پھر تاکید کیگئی ہے :-

فَكُلِيْ وَاشْرَبِيْ وَقَرِّيْ عَيْنًا ۚ فَاِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًا ۙ فَقُوْلِيْٓ اِنِّيْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ اُكَلِّمَ الْيَوْمَ اِنْسِيًّا ۝ ۱۹/۲۶

پھر (وضع حمل کے بعد بھی) تو (تازہ کھجوریں) کھانا، اور (چشمہ کا تازہ پانی) پینا۔ اور (بیٹے کو دیکھ کر) اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرنا۔ (لیکن زچگی کے ایام میں زیادہ باتیں نہ کرنا)، جب تو

کسی کو آتا دیکھے تو (اشارہ سے) کہدینا کہ میں نے رحمان کے ہاں منت مانی ہے کہ آج کسی سے کلام نہ کرونگی۔ (تاکہ زیادہ باتوں کیساتھ تیری صحت پر بُرا اثر نہ پڑے)۔

• آیت بالا میں زچگی کی حالت سے متعلقہ ہدایات دیگئی ہیں۔ جن سے کسی بھی صاحب عقل و دانش کو انکار نہیں۔ اگرچہ کفیل و نگران کیطرف سے وضع حمل سے بہت پہلے بھی حاملہ کو مذکورہ ہدایات دی جاچکی ہوتی ہیں لیکن زچہ کیلئے بروقت یاددہانی بھی ضروری ہوتی ہے۔

حضرت مسیحؑ کا قوم سے خطاب

• واضح رہے کہ حضرت مسیحؑ قانون مشیت کے مطابق ہی پیدا ہوئے۔ ماں کا دودھ پیا، بڑے اور جوان ہوگئے۔ خدا تعالیٰ کی پیشینگوئی کے مطابق نبی ہوئے، کتاب ملی، معاشرہ کی برائیوں اور بُرے عقیدوں کے خلاف تبلیغ شروع کی۔ ماں اپنے بیٹے کو سواری پر سوار کرکے قوم کے پاس لائیں۔ قوم جن عقائد و اعمال کو صحیح خیال کرتی چلی آرہی تھی، حضرت مسیحؑ نے انہیں غلط قرار دیا۔ اس پر قوم نے مریمؑ کو کہا کہ تو (یہ بیٹا) ایک عجیب چیز لائی ہے، جس نے جملہ نظریات کو باطل قرار دیدیا ہے:۔

فَاَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا تَحْمِلُهٗ ۭ قَالُوْا يٰمَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْـــًٔـا فَرِيًّا ۝ 19/27

پھر (جب مسیحؑ نبی ہوئے تو) مریمؑ انہیں (اپنی قوم کے غلط عقائد کی تردید کی تبلیغ کیلئے) سوار کرکے[1] قوم کے پاس لائیں تو انہوں نے (مسیحؑ سے جب اپنے عقائد کی تردید سُنی تو) کہا[2] اے مریمؑ! تو (یہ بیٹا) ایک عجیب چیز لائی ہے (جو ہمارے عقائد کی جملہ عمارتوں کو یکسر منہدم کررہا ہے)

يٰٓاُخْتَ هٰرُوْنَ مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّمَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِيًّا ۝ 19/28

(انہوں نے کہا) اے ہارون کی بہن! نہ تیرا باپ بُرا آدمی تھا۔ اور نہ تیری ماں (مروجہ عقائد کی) باغی تھی۔ (وہ دونوں باغی اور مخالف نہیں تھے۔ تُو نے بیٹے کو ایسی تعلیم دیکر معاشرہ کی بغاوت کیوں کی ہے)

• [1] تَحْمِلُهٗ کا یہ معنیٰ غلط ہے کہ مریمؑ شیرخوار مسیحؑ کو گود میں اُٹھا کرلے گئیں۔ صحیح معنیٰ یہ ہے کہ جب حضرت مسیحؑ صاحب نبوت ہوئے تو (انہیں تبلیغ کیلئے سوار کرکے قوم کے پاس لائیں۔ تَحْمِلُهٗ کے مادہ حمل کا معنیٰ سوار کرنا خود قرآن مجید میں موجود ہے۔ لِتَحْمِلَهُمْ 9/92 تاکہ تو انہیں سوار کرے۔ • [2] یہاں یہ الفاظ محذوف ہیں:۔ اِذَا سَمِعُوْا كَلَامَهٗ قَالُوْا يٰمَرْيَمُ۔۔۔ (جب انہوں نے مسیحؑ کا کلام سُنا تو کہا اے مریمؑ!

• اہل روایات نے اس آیت کا یہ مفہوم لیا ہے کہ قوم نے کہا، نہ تیرا باپ ہی بُرا آدمی تھا اور نہ تیری ماں ہی بدکارہ عورت تھی۔ تو حرامکاری کرکے یہ ناجائز بیٹا کہاں سے لے آئی ہے۔ آیت بالا کا یہ مفہوم مطلقاً غلط ہے، کیونکہ بَغِيًّا کا معنیٰ صرف بدکار نہیں۔ بلکہ معاشرہ کے قانون کی باغی بھی ہے۔ یہ لفظ جنسی بغاوت کے علاوہ قانونی بغاوت کیلئے بھی آتا ہے۔ چنانچہ ملک کے قانون کی مخالفت کرنیوالے کو باغی کہا جاتا ہے۔ حالانکہ قانون کے باغی کا بدکار ہونا ضروری نہیں۔ چنانچہ مریمؑ کو قوم نے اپنے معاشرہ کے قانون کا باغی قرار دیا تھا، زناکار نہیں کہا تھا۔ جیسے کہ مریمؑ کے دلائے ہوئے حضرت مسیحؑ کے جواب سے ظاہر ہے کہ قوم کا اعتراض معاشرہ کے

رائج عقائد و نظریات کی بغاوت ہے۔ اگلی آیت مجید میں بتایا گیا ہے کہ مریمؑ نے قوم کے مذکورہ بالا اعتراض کا جواب خود نہ دیا۔ بلکہ مسیح کیطرف اشارہ کرکے قوم سے کہا کہ اس سے جواب سنو۔ چنانچہ حضرت مسیح نے قوم کے اعتراض کے جواب میں اپنی نبوت اور عطاء کتاب کا اعلان کرکے یہ ثبوت پیش کیا کہ میں تمہارے عقائد و نظریات کی تردید از خود نہیں کر رہا۔ بلکہ مجھے خلعت نبوت سے نوازا گیا ہے مجھے کتاب دیگئی ہے۔ میں جو کچھ کہتا ہوں وہ خدا تعالیٰ کی کتاب انجیل کی رو سے کہتا ہوں۔ اب اگر قوم کا اعتراض بقول روایات حضرت مسیح کی پیدائش کے متعلق ہوتا، کہ تو یہ کیا عجیب چیز لائی ہے۔ یعنی بے باپ کا بیٹا، ناجائز بیٹا۔ تو حضرت مسیح کو اس سوال کا یہ جواب دینا چاہیئے تھا کہ میں اپنی ماں کے ہاں معجزانہ طور پر بلا باپ پیدا ہوا ہوں۔ میری ماں سو فیصدی پاکباز ہے لیکن انہوں نے ماں کی بریت کا اعلان کرنے کی بجائے کیا جواب دیا؟ حضرت مریمؑ نے حضرت مسیح کی طرف اشارہ کیا۔

فَاَشَارَتْ اِلَيْهِ ؕ قَالُوْا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِى الْمَهْدِ^عله^ صَبِيًّا ۝ 19/29

(قوم کے اعتراض کے جواب میں) مریم نے مسیح کیطرف اشارہ کیا (اس سے پوچھو)۔ انہوں نے کہا کہ ہم (بڑے بڑے عالم) اس سے کیا کلام کریں جو ابھی کل کا بچہ ہے۔

● علہ فِى الْمَهْدِ صَبِيًّا کے الفاظ محاورہ کے طور پر آئے ہیں۔ ان سے مراد گود کا بچہ نہیں۔ کیونکہ گود کے بچے کو نہ کتاب دیجاتی ہے اور نہ اس پر صلوٰۃ و زکوٰۃ فرض ہوتی ہے لیکن حضرت مسیح نے کہا:

قَالَ اِنِّىْ عَبْدُ اللّٰهِ ۟ؕ اٰتٰنِىَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِىْ نَبِيًّا ۝ وَّجَعَلَنِىْ مُبٰرَكًا اَيْنَ مَا كُنْتُ ۪ وَاَوْصٰنِىْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا ۝ 19/31

مسیح نے فرمایا کہ بلاشبہ میں اللہ کا بندہ ہوں اس نے مجھے کتاب دی ہے۔ اور مجھے نبی بنایا ہے! اور میں جہاں کہیں بھی ہوں مجھے بابرکت ٹھہرایا ہے۔ (یعنی میں ایک بابرکت قانون لیکر آیا ہوں) اور مجھے حکم دیا ہے کہ میں جبتک زندہ رہوں صلوٰۃ قائم کروں اور زکوٰۃ دیتا رہوں۔

● دیکھا آپنے! کیا اس جواب کے مطابق حضرت مسیح دودھ پیتے بچے تھے؟ کیا انہیں شیرخوارگی کے عالم میں کتاب نبوت مل چکی تھی۔ یا کیا آپنے شیرخوارگی ہی کے عالم میں معاذاللہ جھوٹ بولا تھا کہ مجھے کتاب دیگئی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ نہ اس وقت حضرت مسیح دودھ پیتے بچے ہی تھے اور نہ آپنے جھوٹ بولا تھا۔ آپ جوان ہو چکے تھے۔ آپکو کتاب نبوت مل چکی تھی۔ آپ پر صلوٰۃ و زکوٰۃ فرض ہو چکی تھی۔ اگلی آیت میں ہے کہ حضرت مسیح نے مزید فرمایا:

وَّبَرًّاۢ بِوَالِدَتِىْ ؗ وَلَمْ يَجْعَلْنِىْ جَبَّارًا شَقِيًّا ۝ 19/32

اور میں اپنی ماں کیساتھ نیک سلوک کرنیوالا ہوں! اور مجھے اللہ نے سرکش اور بدنہاد نہیں ٹھہرایا۔

وَالسَّلٰمُ عَلَىَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَيَوْمَ اَمُوْتُ وَيَوْمَ اُبْعَثُ حَيًّا ۝ ۳۳ 19/33

مجھ پر اس دن بھی سلام تھا جب میں پیدا ہوا۔ اسدن بھی سلام ہوگا جب میں مرونگا! اور اسدن بھی سلام ہوگا جب میں دوبارہ زندہ کرکے اٹھایا جاؤنگا۔

• آیاتِ بالا سے مزید ثابت ہوتا ہے کہ آپ اس جواب کے وقت دودھ پینے گود کے بچے نہیں تھے۔ بلکہ ایسے جوان تھے کہ جب بیٹے پر ماں باپ کی خدمت کرنا فرض ہو جاتا ہے۔ اور یہ وہ وقت تھا، جب آپکے والد فوت ہو چکے تھے۔ صرف ماں زندہ تھی۔ ورنہ بَرًّام بِوَالِدَتِیْ کی بجائے بَرًّام بِوَالِدَیَّ آتا۔ عام مفسرین کو دھوکا، قوم کے بڑے بڑے علماء کے جواب سے لگتا ہے، جو انہوں نے کہا تھا:- كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا = کہ ہم اتنے بڑے بڑے علماء اس سے کیا کلام کریں جو ابھی کل کا بچہ ہے۔ یہ بالکل اسیطرح کی اصطلاح ہے جیسے ہمارے معاشرہ میں جب کسی بڑے بوڑھے کو کسی نوجوان کے مقابلے پر لایا جائے، تو وہ کہتا ہے کہ اس کل کے بچے کیساتھ بحث وتمحیث کرنا میری توہین ہے، جسکے ابھی دودھ کے دانت بھی نہیں نکلے۔

حضرتِ مسیح اللہ کے بیٹے نہیں تھے بلکہ حضرت یعقوب کے پوتے اپنے باپ کے بیٹے تھے

• بے باپ کا تو اہلِ عقل ودانش کے نزدیک سوال تک ہی پیدا نہیں ہوتا۔ آپکے متعلق اصل جھگڑا، آپکو شریکِ الوہیت کرنے کا ہے۔ نصاریٰ نے آپکو اللہ کا بیٹا بنا کر شریکِ الوہیت ٹھہرا لیا۔ اور اسیطرح جب اللہ کو انکا باپ ٹھہرا لیا گیا، تو اصل باپ کا تصور گم کرنے کیلئے آپکو معاذ اللہ کنواری مریم کا بیٹا ظاہر کیا۔ حالانکہ قرآنِ کریم کی رو سے آپ، حضرات نوح، ابراہیم اور داؤد کی نسل سے انکے دور کے پوتے پر پوتے تھے۔ جیسے کہ سورہ انعام میں آیا ہے:- وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ۚ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ ۚ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ ...... وَمِنْ اٰبَآئِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ ...... ۶/۸۴ تا ۸۷ = اور نوح کی ذریت میں سے تھے داؤد، سلیمان، ایوب، یوسف، موسیٰ اور ہارون۔ اور اسیطرح ہم محسنین کو جزا دیتے ہیں۔ اور زکریا، یحییٰ اور عیسیٰ اور الیاس سب صالحین میں سے تھے..... اور انکے باپ اور بیٹے..... ان آیاتِ کریمات سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت مسیح سمیت جملہ انبیاء کے الگ الگ باپ تھے۔ اور حضرت عیسیٰ سمیت مذکورہ بالا سب نبی حضرت نوح کے بعد حضرت داؤد کی اولاد تھے۔

• نیز سورہ آل عمران میں حضرت مسیح کے متعلق بالتصریح اعلان کیا گیا ہے:- اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ۳/۵۹ = بیشک عیسیٰ کا حال نوعِ آدم کے حال جیسا ہے یعنی حضرت مسیح نوعِ آدم سے الگ قسم کی مخلوق نہیں تھے جسطرح جملہ نوعِ آدم کا کوئی فرد بغیر باپ کے نہیں ہے، اسیطرح حضرت مسیح بھی بغیر باپ کے نہیں تھے۔ اس آیت مجیدہ ۳/۵۹ کی تفسیر معہ تفسیر کُنْ فَیَکُوْن اپنے مقام پہ سلسلہ درس کی سورہ آل عمران کی آیت نمبر ۳/۵۹-۶۰ کے ماتحت صفحہ ۹۵ پر آگے آرہی ہے۔

حضرت مسیح کا نسب نامہ بالفاظِ تفسیر جلالین وکمالین

• سورہ مریم میں حضرت مسیح کے ذکر سے ماقبل حضرات زکریا اور یحییٰ کا ذکر آیا ہے ۱۹/۲ تا ۱۵۔ اور آپکے ذکر کے بعد حضرات ابراہیم، اسحٰق، یعقوب، موسیٰ، اسماعیل، ادریس، آدم اور نوح کا ذکر آیا ہے ۱۹/۴۱ تا ۵۷۔ اور اسکے بعد ۱۹/۵۸ میں ارشاد ہوا ہے:- اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ مِنْ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ۡ وَمِنْ ذُرِّيَّةِ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْرَآئِيْلَ ...... ۱۹/۵۸۔ اس آیت مجید میں حضرت مسیح سلامٌ علیہ کو حضرت ابراہیم واسرائیل کی اولاد بتایا گیا ہے۔ جیسا کہ تفسیر جلالین وکمالین مطبوعہ مجتبائی پریس، میں اسکے صفحہ ۲۵۵ پر اس آیت ۱۹/۵۸ کی تفسیر جلالین کے الفاظ میں حسب ذیل ہے:-

"اُولٰٓئِکَ مبتدأ اَلَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْہِمْ صفۃ لہ مِنَ النَّبِیّٖنَ بیان لہم وہو فی معنی الصفۃ وما بعدہ الی جملۃ الشرط صفۃ للنبیین فقولہ مِنْ ذُرِّیَّۃِ اٰدَمَ ای ادریس وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ فی السفینۃ ای ابراہیم ابن ابنہ سام وَمِنْ ذُرِّیَّۃِ اِبْرٰہِیْمَ ای اسمٰعیل واسحٰق ویعقوب **وَمِنْ ذُرِّیَّۃِ اِسْرَآءِیْلَ وہو یعقوب ای موسٰی وہٰرون وزکریا ویحیٰی وعیسٰی**"

• دیکھئے! جلالین کے اِس اقتباس کے چوکھٹے میں لائے گئے الفاظ میں اصحاب جلالین نے صاف لکھا ہے کہ حضرات موسٰی، ہارُنؑ زکریا، یحیٰی اور عیسٰی حضرت اسرائیل (یعقوب) کی اولاد تھے — اِسی صفحہ پر جامع البیان میں 19/58 کی یہ تفسیر درج ہے:-

"اُولٰٓئِکَ الانبیاء المذکورون فی تلک السورۃ اَلَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْہِمْ نعماظاہرۃ وباطنۃ مِنَ النَّبِیّٖنَ بیان للموصول مِنْ ذُرِّیَّۃِ اٰدَمَ بدل منہ باعادۃ الجار وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ای من ذریۃ من حملنا مع نوح من سفینۃ سوے ادریس فانہ جد نوح فہو من ذُرِّیَّۃِ ادم وابراہیم من ذریۃ من حمل مع نوح **وَمِنْ ذُرِّیَّۃِ اِبْرٰہِیْمَ وَاِسْرَآءِیْلَ عطف علی ابراہیم فموسٰی وہٰرون وزکریا ویحیٰی وعیسٰی من ذریۃ اسرآئیل** ......"

• دیکھئے! جامع البیان اقتباس کے چوکھٹے میں لائے گئے الفاظ میں، کس طرح صاف صاف لکھا ہے کہ حضرات موسٰیؑ، ہارونؑ زکریاؑ، یحیٰیؑ اور عیسٰیؑ حضرت اسرائیلؑ کی اولاد تھے — غور فرمائیں کہ یہاں اِن نحوی علماء کو علم نحو نے حضرت مسیحؑ کے نسب نامہ کے اظہار کیلئے مجبور کردیا ہے کہ آپ حضرت یعقوبؑ کی اولاد تھے۔ جس سے کھل کر ثابت ہوچکا کہ حضرت مسیحؑ کے والد اولادِ یعقوب کے ایک فرد تھے۔ یہ ہے حضرت مسیحؑ کا نسب نامہ جو ہمیشہ باپ کی نسبت سے ہوتا ہے ماں کی نسبت سے کبھی ہوتا ہی نہیں۔

• سورۂ مریم کے سلسلۂ درس کی اگلی آیتوں میں حضرت مسیحؑ کے ذکر کے بعد اعلان کردیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا صُلبی بیٹا بھی کوئی نہیں۔ اور وہ کسی کو بیٹا یعنی متبنّٰی بھی ہرگز نہیں بناتا۔

ذٰلِکَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ ۚ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِیْ فِیْہِ یَمْتَرُوْنَ ۝ 19/34

مَا کَانَ لِلّٰہِ اَنْ یَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ ۙ سُبْحٰنَہٗ ؕ اِذَا قَضٰٓی اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ ۝ؕ 19/35

مذکورہ بالا (کوائف والاتھا) عیسٰیؑ بیٹا مریمؑ کا۔ (مذکورہ) قولِ حق ہے جس میں لوگ شک کرتے ہیں۔ (اور مسیحؑ کو اللہ کا بیٹا ٹھہراتے ہیں) اللہ کیلئے یہ لائق نہیں کہ وہ کسی کو بھی بیٹا بنائے۔ وہ بیٹے (اور بیوی سے) پاک ہے 6/101۔ وہ (موت وحیات سمیت 67/2 علہ) جب کسی کام کا ارادہ کرتا ہے تو اُسے (قانونِ مشیّت کی زبان سے) کہتا ہے ہوجا پھر وہ (اُسکے قانونِ مشیّت کی منزلیں طے کرکے) ہوجاتا ہے،

علہ • آیت مجیدہ 67/2 کی مکمل بحث کُن فیکون کی ذیلی سُرخی کے تحت صفحہ 27 پر گزر چکی ہے۔

• اِس سے اگلی آیت میں حضرت مسیحؑ کی بعثت کی غرض، اور آپ کی تحریک کا خلاصہ، بلاتمیز اعلیٰ وادنیٰ ربوبیتِ عامہ خود اُنہی کے الفاظ میں بیان ہوئی ہے:-

وَاِنَّ اللّٰہَ رَبِّیْ وَرَبُّکُمْ فَاعْبُدُوْہُ ؕ ھٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ ۝ 19/36

اور (مسیحؑ نے قوم سے کہا) بلاشبہ اللہ تعالیٰ میرا بھی رب ہے اور بلاتمیز اعلیٰ وادنیٰ تم سب کا بھی رب ہے پس اُسی کے قانون کی فرمانبرداری کرو۔ یہی سیدھی راہ ہے۔

• ۳/۵۲ اِس آیت مجیدہ کے بعینہٖ یہی الفاظ سورۂ آل عمران کی آیت نمبر ۵۱ میں بھی آئے ہیں۔ جو معہ تفسیر اپنے مقام پر آگے آرہی ہے۔

مریمؑ پر یہودیوں کا بہتانِ عظیم

• ولادتِ مسیحؑ بے باپ کے ثبوت میں قرآنِ کریم سے ایک دلیل یہ لائی جاتی ہے کہ یہودیوں نے مریمؑ پر حرامکاری کا بہتان باندھا تھا۔ قرآنِ کریم نے سورہ نساء میں اُسکی تصدیق کی ہے :- وَّبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا ۙ ٤/١٥٦ اور (اللہ تعالیٰ اُن سے بیزار ہوا) اُنکے انکار کی بدولت اور اُنکے اُس عظیم بہتان کی بدولت، جو اُنہوں نے مریمؑ پر باندھا تھا۔ اِس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ "مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّمَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِيًّا" کی وضاحت تو حضرتِ مسیحؑ کے جواب میں صفحہ ۵۰ پر گزر چکی ہے کہ الفاظِ بالا میں قوم نے حضرت مریمؑ پر معاشرہ کے مروجہ عقائد و نظریات کی بغاوت کا الزام لگایا تھا۔ جس کا جواب اُنہوں نے حضرت مسیحؑ سے دلوایا کہ میں بحیثیت نبی اور صاحبِ کتاب ہونے کے تمہارے عقائد و نظریات کی تردید کرتا ہوں۔ لیکن ٤/١٥٦ میں مذکور بہتان اگر حضرت مریمؑ پر یہودیوں کا لگایا ہوا جنسی بغاوت ہی کا تسلیم کیا جائے، تو یہ مریمؑ کی وفات کے بعد اُسوقت کا ہو سکتا ہے، جب نصاریٰ نے حضرت مسیحؑ کو بے باپ کی پیدائش ظاہر کیا، تو یہودیوں نے کہا کہ پھر تو وہ ناجائز پیدائش ہی ہو سکتا ہے۔ اور مریمؑ معاذ اللہ بدکارہ ہوگی۔

• سورہ نساء ٤/١٥٦ میں جہاں یہودیوں کے مریمؑ پر بہتانِ عظیم کا ذکر ہے۔ وہاں ٤/١٥٩-١٥٣ یہودیوں کے اُن جرائم کی فہرست بیان ہوئی ہے، جو اُنکے مختلف زمانوں کے الگ الگ آباؤ اجداد نے الگ الگ وقتوں میں کئے تھے۔ مثلاً یہودیوں کا بچھڑے کی پوجا کرنا ٤/١٥٣۔ سبت کے مقننہ وار اجتماع کی خلاف ورزی کر کے مچھلیاں پکڑنے چلے جانا ٤/١٥٤۔ اللہ تعالیٰ سے کئے گئے عہد کو توڑ دینا ٤/١٥٥۔ اور حضرتِ موسیٰؑ کے بعد آنیوالے متعدد نبیوں کی مخالفت کرنا ٤/١٥٥۔ اور اس سے آگے ہے مریمؑ پر بہتانِ عظیم باندھنا ٤/١٥٦۔ پس اِس آیت میں یہودیوں کے مریمؑ پر جس بہتانِ عظیم کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہ اُسوقت ہی کا ہے، جب نصاریٰ نے مسیحؑ کو کنواری کا بیٹا بتایا تو اِسکے جواب میں اُنہوں نے مریمؑ کو بدکارہ کہا۔ لہٰذا اِس آیت ٤/١٥٦ سے بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ مریمؑ نے بلا شوہر بچہ جنا تھا۔ اور یہودیوں نے اُس پر بدکاری کا بہتان باندھا تھا۔ آج بھی اگرچہ قرآنِ کریم میں کُن فیکون بدستور درج ہے۔ لیکن آج اگر کوئی کنواری، خواہ کتنی ہی نیک چلن ہو، حاملہ ہو جائے اور بچہ جنے تو کون ہوگا جو اُسے بدکارہ نہ کہیگا؟

ایک اور اعتراض کا جواب

• حضرت مسیحؑ کو بے باپ ثابت کرنے کیلئے کہا جاتا ہے کہ اگر مسیحؑ بے باپ پیدا نہیں ہوئے تھے تو قرآنِ کریم میں اُنہیں مسیح ابنِ مریمؑ کیوں کہا گیا ہے۔ جبکہ ۳۳/۴ میں حکم دیا گیا ہے کہ جنہیں تم متبنّٰے بنا لیتے ہو، اُنہیں اپنے بیٹے نہ کہا کرو، بلکہ :- اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ۳۳/۵ ۔ اُنہیں اُن کے باپوں کے نام کیساتھ پکارا کرو۔ یہ طریقہ اللہ کے نزدیک مبنی بر انصاف ہے۔

• جواباً عرض ہے کہ اِس آیت مجیدہ میں کسی بچے کو اُس شخص کیطرف منسوب کرنے سے منع کیا گیا ہے، جو اُسکا باپ نہیں۔ یعنی کسی کی ولدیت بدلنے سے منع کیا گیا ہے۔ ماں کے نام کیساتھ پکارنے سے نہیں روکا گیا۔ حضرتِ ہارونؑ کو جب حضرت موسیٰؑ ناراض ہوئے تو آپنے اُن سے کہا کہ اے میری ماں کے بیٹے مجھ پر ناراض نہ ہو ٢٠/٩٤۔ اگر حضرتِ مسیحؑ کو ماں کیطرف منسوب کر کے پکارنے کا یہ مطلب ہے کہ آپ کا باپ کوئی نہیں تھا۔ تو کیا حضرت موسیٰؑ کا بھی باپ کوئی نہیں تھا جبکہ خود حضرتِ ہارونؑ نے اُنہیں ماں کا بیٹا فرمایا یَبْنَؤُمَّ ٢٠/٩٤۔

نیز قرآنِ کریم میں حضرتِ موسیٰؑ کی ماں ہی کا ذکر ہے۔ باپ کا نہیں حتیٰ کہ ماں ہی آپ کو صندوق میں بند کرکے دریا میں ڈالدیتی ہے۔ کیا اِن واقعات سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ حضرتِ موسیٰؑ کا باپ کوئی نہیں تھا؟

● اب آیئے اِس مسئلہ کیطرف کہ حضرتِ مسیحؑ کو ماں کی نسبت سے کیوں پکارا جاتا ہے؟ — یہ ایک قاعدہ کلیہ ہے کہ والدین میں سے جو فرد بھی معاشرے کا مشہور فرد ہو، اولاد اُسکے نام سے منسوب ہوتی ہے۔ مثلاً ایڈورڈ ہفتم کو ملکہ وکٹوریہ کا بیٹا اسلئے کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے شوہر کی نسبت معاشرہ میں زیادہ معروف تھی۔ اِسیطرح حضرت علیؓ کی فاطمی اولاد کو بنی فاطمہ اسلئے کہا جاتا ہے کہ حضرتِ فاطمہؓ رسُولِ اکرمؐ کی بیٹی ہونے کے لحاظ سے اپنے شوہر کی نسبت زیادہ معروف تھیں پس جسطرح حضرت علیؓ کی فاطمی اولاد کو بنی فاطمہ کہنے سے اور جسطرح ایڈورڈ ہفتم کو ملکہ کا بیٹا کہنے سے نہ حضرت علیؓ کی نفی ہو جاتی ہے اور نہ ایڈورڈ ہفتم کے باپ کی نفی ہوتی ہے — اِسیطرح مسیحؑ ابن مریمؑ کہنے سے اُنکے متعلق یہ تصوّر قائم کرنا مطلقاً غلط ہے کہ معاذ اللہ معاذ اللہ اُنکا باپ کوئی نہیں تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت مریمؑ منذورہ مبلّغہ اور معلّمہ ہونے کی بدولت اپنے خاوند کی نسبت بہت زیادہ مشہور معروف خاتون تھیں۔ اسلئے مسیح سلام علیہ معاشرہ میں اُنہی کی نسبت سے مشہور ہوئے۔ اور قرآن کریم نے آپکو اُسی نام سے متعارف کرایا ہے، جس نام سے آپ معاشرہ میں معروف تھے۔

سورہ آل عمران کے سلسلۂ درس کی طرف رجعت

● مسئلۂ ولادتِ مسیحؑ کی وضاحت کیلئے سورہ آل عمران اور سورہ مریم کا تقابل، اور اِس مسئلہ سے متعلقہ سورہ مریم کی ابتدائی ۳۶ آیات کریمات کی تفسیر کے بعد اب پھر سورہ آل عمران کے سلسلۂ درس کی طرف رُخ کیا جاتا ہے، جس کا ترجمہ اور تفسیر صفحہ نمبر ۲۷ پر آیت نمبر ۴۴ تک گزر چکا ہے۔ اب اُس تسلسل کو قائم کرتے ہوئے سورہ آل عمران کی آیت نمبر ۴۵ سے شروع کیا جا رہا ہے۔ سابقہ آیت میں حضرت مریمؑ کو حضرتِ زکریاؑ کے ذریعہ پیغام دیا گیا ہے کہ ایک عظیم الشان منذورہ مبلّغہ اور معلّمہ ہونے کے باوجود تجھے بھی اللہ تعالیٰ کے عائلی قوانین کے سامنے اُسیطرح جھکنا ہے جسطرح سب لوگ جھکے ہوئے ہیں۔ یعنی یہ حضرت مریمؑ کیطرف آپ کے کفیل حضرتِ زکریاؑ کیطرف سے شادی کا پیغام تھا۔ اگلی آیت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی پیغام رساں قوتوں ملائکہ نے مریمؑ کو حضرتِ زکریاؑ کے ذریعہ بیٹے کی خوشخبری دی۔ واضح رہے اللہ اپنا پیغام اپنے نبیوں ہی کی طرف بھیجتا تھا، جو غیر نبیوں کیطرف نبیوں ہی کے ذریعہ پہنچایا جاتا تھا۔ ذیل میں قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ میں حضرت زکریاؑ کا واسطہ محذوف ہے:-

إِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ إِنَّ اللّٰهَ
جب کہا ملائکہ نے اے مریم بیشک اللہ
يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ۖ اسْمُهُ الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ
خوشخبری دیتا ہے تجھے ساتھ کلمہ کے اپنی طرف سے نام اسکا مسیح عیسیٰ بیٹا
مَرْيَمَ وَجِيهًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ
مریم کا ہوگا۔ باوقار بیچ دنیا کے اور آخرت کے، اور میں سے

وہ وقت قابلِ ذکر ہے، جب ملائکہ نے (حضرتِ زکریاؑ کے ذریعہ) کہا کہ اے مریمؑ بلاشبہ اللہ تعالیٰ تجھے اپنی طرف سے کلام پانیوالے (بیٹے) کی خوشخبری دیتا ہے، جس کا نام مسیح عیسیٰ ابن مریمؑ ہوگا۔ وہ دنیا اور آخرت میں باوقار اور مقربین میں سے ہوگا۔

الْمُقَرَّبِيْنَ ۝ ۴۵

مقربین میں سے

ف۱ • وجیھا فی الدنیا کی تفسیر ۶۱/۴ میں ہے کہ باہمی جنگ میں بنی اسرائیل کو شکست اور مسیح کو فتح نصیب ہوئی۔ تفصیل صفحہ ۶۲ پر آگے آ رہی ہے۔

وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِى الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَّمِنَ

اور کلام کریگا لوگوں سے بچپن میں اور ہوگا ادھیڑ عمر کا اور میں سے

الصّٰلِحِيْنَ ۝ ۴۶

اصلاح کرنیوالوں کے

اور وہ بچپن ف۱ میں لوگوں سے کلام کریگا (یعنی اللہ کا پیغام لوگوں تک پہنچائیگا) اور وہ پختہ کار ہوگا ف۲۔ نیز وہ معاشرہ کی اصلاح کرنیوالوں میں سے ہوگا۔

ف۱ • فی المھد بچپن کیلئے محاورۃً آیا ہے ف۲ • کھلا بمعنی ادھیڑ عمر والا۔ ادھیڑ عمر کو پہنچنا محاورہ ہے پختہ کار ہو چکنے کا۔

• جب حضرت مریم کو بیٹے کی خوشخبری دیگئی تو آپنے اپنے منذورہ ہونے کی بدولت شادی کی راہ میں حائل رکاوٹوں کے پیش نظر یہ کہا۔

قَالَتْ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِىْ وَلَدٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِىْ

کہا مریم نے اے میرے رب کیونکر ہوگا میرے لئے بیٹا حالانکہ نہیں چھوا مجھے

بَشَرٌ ؕ قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ اِذَا

شوہر نے۔ کہا ایسا ہی ہے۔ اللہ پیدا کرتا ہے جو قانون مشیت ہے جب

قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝ ۴۷

وہ فیصلہ کرتا ہے کسی امر کا تو سوائے اسکے نہیں کہ اُسے کہتا ہے ہو جا پھر وہ ہو جاتا ہے

مریم نے کہا، اے میرے رب میرا ف۱ بیٹا کیسے ہوگا جبکہ (میرا منذورہ ہونا، میرے نکاح میں عظیم رکاوٹ ہے اسطرح نہ مجھے شوہر کی مس ملکن اور نہ میں بدکارہ ہوں ۲۰/۱۹) (حضرت زکریا ف۲ نے) کہا ایسا ہی ہے (بیشک تیرا منذورہ ہونا تیرے نکاح میں رکاوٹ ہے جس کا دور کرنا اللہ کیلئے آسان ہے ۲۱/۱۹) اللہ تعالیٰ جسے پیدا کرتا ہے اپنے قانون مشیت کیمطابق پیدا کرتا ہے۔ جب کسی امر کا ارادہ کرتا ہے تو قانون مشیت کی زبانی کہتا ہے ہو جا۔ وہ ہو جاتا ہے

• واضح رہے کہ مس لبشر، قال کذالک، یخلق ما یشآء اور کن فیکون کی قرآنی تفسیر بالترتیب صفحہ ۴۳-۴۴-۴۶-۴۷ پر گزر چکی ہے۔ قارئین کرام دوبارہ ملاحظہ فرماکر ذہن میں تازہ کرلیں۔

ف۲ • اوپر بتایا جا چکا ہے کہ حضرت مریم سے ملائکہ کا خطاب حضرت زکریا کی معرفت ہوا تھا یعنی آئت ماقبل ۴۵/۳ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ میں حضرت زکریا کا واسطہ محذوف ہے جسکی تائید آئت بالا میں قال فعل واحد مذکر لاکر کردیگئی ہے کہ حضرت مریم سے مخاطب ایک مذکر حضرت زکریا تھے یعنی ملائکہ بصورت جمع کا خطاب حضرت مریم کیطرف بذریعہ حضرت زکریا تھا۔ اِس سے اگلی آئت مجیدہ کا ربط آئت نمبر ۴۵-۴۶ کیساتھ ہے اور حضرت زکریا کے ذریعہ، ملائکہ کیطرف سے اللہ کے پیغام میں اُسی بیٹے کی صفات بیان کیگئی ہیں، جس کی خوشخبری آیات ماقبل ۴۵-۴۶ میں دیگئی ہے:-

وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَ

اور سکھائیگا اللہ اُسے کتاب اور دانائی اور تورات اور

اور اللہ تعالیٰ اُسے (یعنی مسیح ابن مریم کو، اپنی حکمت ف۱ بھری کتاب، یعنی تورات اور انجیل کی تعلیم دیگا

وَالْإِنْجِيلَ ۚ ۴۸
انجیل

(نوٹ، قرآن انجیل تورات زبور سب ایک ہی کتاب کے الگ الگ نام ہیں ۲۶/۹۹ یعنی ایک ہی کتاب مختلف زبانوں میں نازل ہوئی تھی۔

● ملہ حکمت، اللہ کی کتاب سے الگ چیز نہیں بلکہ کتاب کے اندر موجود ہے، جیسے کہ یٰسٓ ۝ والقرآن الحکیم سے خود قرآن ہی حکمت والا ثابت ہے، قرآن سے الگ حکمت کوئی نہیں:-

وَرَسُولًا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَنِّي قَدْ جِئْتُكُم
اور ہوگا رسول طرف بنی اسرائیل کے۔ (کہیگا) بیشک میں تمہارے پاس آیا
بِآيَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ ۙ أَنِّي أَخْلُقُ لَكُم مِّنَ الطِّينِ
ایک نشانی تمہارے رب کیطرف سے بیشک میں پیدا کرتا ہوں واسطے تمہارے مٹی میں سے
كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ فَأَنفُخُ فِيهِ فَيَكُونُ طَيْرًا بِإِذْنِ
صورت پرندے کے پھر پھونکتا ہوں اس میں پھر وہ ہو جاتا ہے پرندہ اذن
اللَّهِ ۖ وَأُبْرِئُ الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ وَأُحْيِي الْمَوْتَىٰ
اللہ سے اور میں ٹھیک کرتا ہوں مادر زاد اندھوں اور کوڑھیوں کو اور زندہ کرتا ہوں مُردوں
بِإِذْنِ اللَّهِ ۖ وَأُنَبِّئُكُم بِمَا تَأْكُلُونَ وَمَا تَدَّخِرُونَ
کو ساتھ اذن اللہ کے۔ اور تمہیں بتاتا ہوں جو تم کھاتے ہو اور جو کچھ تم جمع کرتے ہو
فِي بُيُوتِكُمْ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لَّكُمْ إِن كُنتُم
بیچ گھروں اپنے کے بیشک اس بیان میں ایک نشانی ہے واسطے تمہارے اگر ہو تم
مُّؤْمِنِينَ ۝ ۴۹
ایمان لانے والے

اور وہ مسیح بنی اسرائیل کی طرف رسول ہوگا۔ (اُن سے کہیگا) میں تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک واضح دلیل لیکر آیا ہوں۔ بیشک (میں تمہارے تقلید کی کیچڑ میں پھنسے ہوئے افراد کو) تمہارے لئے ملہ غیر اللہ کی فرمانبرداریوں کے) کیچڑ سے نکالکر پرندوں کیطرح (غیر اللہ کی ذلت سے) آزاد کر دونگا پھر اسے اللہ کی تعلیم دونگا پھر وہ اللہ کے اذن (قانون) سے اُڑتے پرندوں کیطرح ہو جائینگے (وہ تمہاری رہنمائی کے قابل ہو جائینگے) نیز میں اُن مادرزاد ایمانی اندھوں کو (یعنی جنہوں نے ہدایت کی روشنی دیکھی ہی نہیں) ایمانی بینا کر دونگا اور برص کے ایمانی مریضوں کو (یعنی نہ مومن ہیں نہ کافر) اُنکی ایمانی برص (منافقت دور کرکے) شفایاب کر دونگا۔ نیز میں ایمانی مُردوں کو اللہ کے اذن (قانون) کے مطابق ایمانی لحاظ سے زندہ کر دونگا۔ اور تمہیں اس چیز سے باخبر کر دونگا کہ جو تم کھاتے ہو (حلال ہے یا حرام) اور جو کچھ تم اپنے گھروں میں ذخیرہ کرتے ہو (وہ ربوبیت عامہ کے منافی ہے یا مطابق) اور اگر تم ماننے والے ہو تو بیشک مذکورہ بالا بیان میں تمہارے لئے ایک واضح دلیل ہے۔ ملہ

● ملہ تمہارے لئے لکم سے مراد یہ ہے کہ حضرت مسیح نے فرمایا کہ میں آبائی تقلید کے کیچڑ میں پھنسے ہوؤں میں ربانی تعلیم پھونک کر انہیں تمہارے لئے پرندوں کیطرح آزاد کر دونگا یعنی پھر وہ تمہاری رہنمائی کے قابل ہو جائینگے۔ اس سے آپکے مبلغ صحابہ مراد ہیں۔

● ملہ روایتی تراجم میں اس آیت سے یہ مفہوم اخذ کیا گیا ہے کہ مسیح سلام علیہ اللہ کی اجازت کیساتھ مٹی کے پرندے بناکر اُن میں پھونک مارتے تھے وہ زندہ ہو کر اُڑ جاتے تھے۔ مگر یہ نظریہ غور طلب ہے کہ پرندوں کے پیدا کرنے کا خداوندی قانون تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نر و مادہ کے ملاپ سے انڈے، اور انڈوں سے بچے پیدا کرتا ہے۔ جو پیدا ہونے سے کئی دن بعد اُڑنے کے قابل ہوتے ہیں۔ اسطرح اگر حضرت مسیح کو پھونک مارکر چشم زدن میں اُڑا کر دکھا دینے والا مانا جائے تو معاذ اللہ معاذ اللہ ایک طرف خدا تعالیٰ کے قانون کی مخالفت ہوتی ہے اور دوسری طرف حضرت مسیح خدا تعالیٰ سے بڑے خالق ثابت ہوتے ہیں۔ یاد رہے کہ نفخ کا معنی پھونک مارنا بھی ہے اور تعلیم دینا بھی۔ جیسے کہ ہم کہتے ہیں تو نے زید کے کان میں کیا پھونک دیا ہے کہ وہ بہت ہوشیار ہو گیا ہے۔ اسطرح أَنِّي أَخْلُقُ لَكُم مِّنَ الطِّينِ

...... الخ کا مفہوم یہ ہے کہ تمہاری حالت طین یعنی کیچڑ کی سی ہو چکی ہے کہ جہاں لیپ دیا وہیں چمٹ گئے۔ جو عقیدہ کسی نے بنا کر دے دیا اُسی سے وابستہ ہو گئے۔ لیکن میں ایسی تعلیم مہیّا کرونگا کہ تمہارا ہر فرد، جو اس تعلیم پر عمل کریگا، اُڑتے پرندوں کیطرح آزاد ہو جائیگا یعنی تقلید کی دلدل سے نکل کر ہر عقیدے کو عقل و بصیرت کیمطابق قبول کرنے کی دعوت دیگا۔

● اِس آیت مجیدہ میں مٹی کے پرندوں کے علاوہ باقی سب چیزیں بھی مجاز کے انداز میں بیان ہوئی ہیں۔ اگر انہیں حقیقت پر محمول کر کے یہ مفہوم لیا جائے کہ واقعی مسیح سلام علیہ مادرزاد اندھوں کو بینا، کوڑھیوں کو اچھا اور مُردوں کو زندہ کر سکتے تھے۔ تو آپکا فریضۂ تبلیغِ دین نہیں ہونا چاہیئے تھا۔ بلکہ آپ کا فرض یہ ہونا چاہیئے تھا کہ آپ کرّۂ ارض کا سفر اختیار کرتے اور زندگی بھر اندھوں کو آنکھیں دیا کرتے، کوڑھیوں کو اچھا اور مُردوں کو زندہ کیا کرتے۔ اتنے بڑے حکیم حاذق کو معاشرے کی اصلاح کا کام سونپ دینا، بالکل ایسا ہے، جیسے ایک سول سرجن کو انتظامیہ کا کام سونپ دیا جائے۔ اور نتیجہ یہ ہو کہ اِدھر مریض صحت کو ترستے رہیں اور اُدھر انتظام بھی صحیح نہ ہو سکے۔ لانکہ آیت بالا کی ابتدا ہی میں مذکور ہے کہ حضرت مسیح سلام علیہ کو بنی اسرائیل کیطرف خدا تعالی کا پیغام پہنچانیوالا مقرر کیا گیا تھا اور اُس پیغام میں یہ خوبی تھی کہ ایمانی اندھے بینا ہو جاتے تھے۔ ذِعلمِ یقین، رحمۃ یقین ہو جاتے، جنہیں برص کی بیماری کیساتھ تشبیہ دیگئی ہے، یعنی نہ سارے سفید نہ سارے کالے۔ نہ مومن نہ کافر۔ ایسے لوگ بھی اُس تعلیم سے اچھے ہو سکتے تھے۔ اور ایمانی مُردے اُس ربانی تعلیم سے ایمانی زندگی پاتے تھے یہی حال رسول اکرم سلام علیہ کی تعلیم کا تھا۔ کہ آپ بھی حضرت مسیح کیطرح ایمانی مُردوں کو زندگی عطا کیا کرتے تھے۔ دیکھیئے ارشادِ باری:- يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ

۸/۲۴ = اے ایمان والو! جب اللہ اپنے رسول کے ذریعہ تمہیں زندہ کرنے کیلئے بلائے تو اُسکا کہا مانا کرو۔

● اب بتایئے! کیا یہ ایمانی زندگی ہی نہیں ہے جو طبعی زندوں کو دی جا رہی ہے۔ اور جس کیلئے صرف حضرت مسیح ہی نہیں بلکہ جملہ انبیاء سلام علیہم مبعوث فرمائے گئے تھے حضرت مسیح بھی جملہ انبیاء کیطرح ایمانی اندھوں کو اللہ کی تعلیم کے ساتھ ایمانی بصیرت عطا فرماتے تھے۔ ایمانی برص والوں کو اچھا، اور ایمانی مُردوں کو زندہ کیا کرتے تھے۔ اور جو لوگ کیچڑ کیطرح تقلید کے مشرکانہ نظریات میں لپٹے ہوئے تھے، انہیں بلند پرواز پرندوں کیطرح فکری بلندی عطا کرتے تھے۔ جس سے وہ خود بھی کسی عقیدے کو عقل و بصیرت پر پرکھے بغیر قبول نہ کرتے تھے اور دوسروں کو بھی تبلیغ کرتے۔ دین اللہ کے مبلغ پیدا کرنا انبیاء کا فریضہ تھا۔ چنانچہ حضرت مسیح نے بھی صحابہ کی مبلغ جماعت پیدا فرمائی تھی۔

● اِس سے اگلی آیت مجیدہ میں حضرت مسیح کے اُس خطاب کا بقیہ حصہ درج ہے جو آیت نمبر ۴۹ ماسبق میں گزر چکا ہے۔ حضرت مسیح نے مزید فرمایا:-

وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَاةِ
اور تصدیق کرنیوالا ہوں جو مجھ سے پہلے نازل ہوئی تورات۔
وَلِأُحِلَّ لَكُم بَعْضَ الَّذِي حُرِّمَ عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُم
اور تاکہ حلال بتاؤں تمہیں بعض جو حرام کی گئیں تم پر اور لایا ہوں تمہارے پاس

اور میں اُس چیز کی تصدیق کرنیوالا ہوں، جو مجھ سے پہلے آچکی ہے یعنی تورات۔ اور میں اسلئے تمہارے پاس آیا ہوں کہ وہ بعض چیزیں جو تم پر (تمہارے پیشواؤں کی طرف سے) حرام کر دی گئی ہیں انہیں ضابطۂ الٰہی کے مطابق حلال ٹھہراؤں۔ پس تم

بِاٰیَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۟ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ ۟۵۰

ایک نشانی تمہارے رب کیطرف سے ڈرو اللہ سے اور اطاعت کرو میری

اللہ تعالیٰ کی مخالفت سے بچو اور میری اطاعت کرو (میں تم سے اپنی نہیں اللہ ہی کی اطاعت کراؤنگا ۳/۷۹)

ع۱ آج مسلمان قوم کا بھی یہی حال ہے کہ اِن کے مذہبی پیشوا کسی کو تعویذ دیتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ایک چیز اپنے اوپر حرام کرلو۔ ورنہ تعویذ اثر نہیں کریگا اسطرح مخاطب پر گائے کا گوشت مسور کی دال یا بینگن وغیرہ میں سے کوئی چیز حرام کردیجاتی ہے۔ چاند کی گیارھویں تاریخ کا دودھ عوام پر حرام ٹھہرا دیا جاتا ہے بعض لوگوں کے بعض کھیتوں کی پیداوار اپنے لئے حلال اور انکے لئے حرام کردی جاتی ہے۔ یہی حال بنی اسرائیل کا تھا۔ حضرت مسیحؑ نے فرمایا کہ میں ایسی سب چیزیں تمہارے لئے حلال ٹھہراؤنگا۔

• اس سے اگلی آیت میں آپؑ پوری قوم سے کہتے ہیں کہ میں ربوبیّت عامہ کا پیغام لیکر آیا ہوں۔ اور ربوبیّت کے لحاظ سے تم میں اور مجھ میں سرِ مُو فرق نہیں۔ ضروریاتِ زندگی کا حق جیسا میرا ہے، بالکل ویسا حق تمہارا ہے۔ اللہ تعالیٰ جیسا میرا رب ہے، ویسا ہی تمہارا رب ہے :-

اِنَّ اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا

بیشک اللہ میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے پس اُسی کا حکم مانو یہی ہے

صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ ۵۱

راستہ سیدھا

(اور مسیحؑ نے کہا کہ اے قوم!) بلاشبہ اللہ تعالیٰ میرا بھی رب ہے اور بلاتمیز اعلیٰ و ادنیٰ تم سب کا بھی رب[ع۱] ہے پس اُسی کے قانون کی فرمانبرداری کرو۔ یہی سیدھی راہ ہے۔

• یہ آیت مجیدہ حضرت مسیحؑ کیطرف سے بالکل انہی الفاظ میں سورۂ مریم ۱۹/۳۶ میں بھی آئی ہے

ع۱ دیکھئے! اس آیت مجیدہ میں آیاتِ ماسبق کی رُو سے تعلیم عیسوی کا لُبِّ لباب پیش کرکے بتا دیا گیا ہے کہ بنی اسرائیل اللہ تعالیٰ کے نظامِ ربوبیّت میں رکاوٹ بن کر بیٹھے ہوئے تھے کہیں سرمایہ داری اور ذخیرہ اندوزی ربوبیّتِ عامہ میں مانع تھی۔ اور کہیں مذہبی پیشواؤں نے اللہ کی حلال کردہ چیزوں کو مُریدوں پر حرام ٹھہرا دیا ہوا تھا۔ لوگ مختلف اقسام کے کیچڑوں میں پھنسے ہوئے تھے۔ مسیحؑ نے اُن پر واضح کر دیا کہ اِن تمام غیر اللہ پابندیوں کو دُور کرکے قوم کے گلے سے تمام انسانی پٹے اُتار دونگا۔ اور ایک ایسا نظام قائم کرونگا جس میں ربوبیّت کے لحاظ سے تم میں اور مجھ میں قطعاً کوئی فرق نہیں ہوگا۔ یعنی حقوقِ ربوبیّت کی رُو سے ریاست کے صدر و سربراہ اور عوام ایک سطح پر ہونگے۔ اِس تکراری آیت مجیدہ میں جو حضرت مسیحؑ ہی کے الفاظ میں ۱۹/۳۶ میں بھی آئی ہے کھول کر بتا دیا گیا ہے کہ حقوقِ ربوبیّت کی رُو سے صدر و عوام کا ایک سطح پر ہونا، اور ریاست میں حاکم صرف اللہ تعالیٰ کو ماننا ہی صراطِ مستقیم ہے، سیدھی راہ ہے۔

• اس سے اگلی آیت مجیدہ میں اُس مہم کا ذکر ہے، جو حضرت مسیحؑ نے نظامِ ربوبیّت کے قیام کے لئے چلائی تھی۔ چنانچہ جب آپ نے اللہ کا پیغامِ وحدت و ربوبیّت لوگوں تک پہنچایا۔ تو سرمایہ داروں اور ذخیرہ اندوزوں نے اِسے قبول نہ کیا۔ اب آپ نے قوم میں سے اللہ تعالیٰ کی وحدت و ربوبیّت کے مومنوں کو الگ کرلیا تاکہ منکرینِ ربوبیّت کا مقابلہ کرکے حکومت الٰہیہ قائم کی جاسکے۔ اور جاگیرداری زمینداری، سرمایہ داری اور ذخیرہ اندوزی جیسے غربا کش نظریات کا خاتمہ کیا جاسکے۔ آپ کی اِس مہم کا نقشہ اگلی آیت مجیدہ میں اسطرح کھینچا گیا ہے :-

فَلَمَّآ اَحَسَّ عِیْسٰی مِنْهُمُ الْکُفْرَ قَالَ مَنْ

پھر جب محسوس کیا عیسیٰ نے اُن میں انکار تو کہا کون ہے

اَنْصَارِیْٓ اِلَی اللّٰهِ ؕ قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ۚ

مددگار میرا طرف اللہ کی۔ کہا سفید ہوئے ہوؤں نے ہم ہیں مددگار اللہ کے

اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ۚ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ۵۲

ایمان لائے ہم ساتھ اللہ کے اور تو گواہ رہ کہ بیشک ہم فرمانبردار ہیں

پھر جب عیسیٰ[۳] نے بنی اسرائیل میں نظامِ ربوبیّت کا انکار محسوس کیا تو اُنہوں نے اعلان فرمایا، کون ہے (یعنی ہے کوئی) جو اللہ کے قانونِ ربوبیّت کے نفاذ میں میرا مددگار بنتا ہے۔ (اس پر) حواریوں (یعنی جو مسیح کی تعلیم سے غیر اللہ کی غلاظتوں سے نکل کر سفید ہو چکے تھے۔ اُنہوں) نے کہا ہم اللہ کے قانون کے مددگار ہیں ہم اللہ پر ایمان لائے ہیں۔ اور آپ گواہ رہیں کہ بیشک ہم اللہ کے فرمانبردار ہیں۔

حواری کون تھے؟

• لفظ حواری کا مادہ ح۔و۔ر = حور ہے۔ جس کا بنیادی معنیٰ سفید ہونا ہے۔ حوّاریٰ میدے کو کہتے ہیں۔ سفید فام عورتوں کو حواریات کہا جاتا ہے۔ سفیدی میں چونکہ داغ کی گنجائش نہیں ہوتی اسلئے جن لوگوں کی زندگی صاف ہوتی ہے۔ انہیں حواری کہا جاتا ہے۔ حواری کا لفظی معنیٰ چونکہ سفید یا دھلا ہوا ہے، اسلئے سابقہ تفاسیر میں حواریوں سے مراد دھوبیوں کا ایک گروہ لیا گیا ہے لیکن مسیح کے صحابہ کو حواری اسلئے کہا گیا ہے کہ وہ غیر اللہ کی غلاظتوں سے نکل کر پاک صاف ہو چکے تھے

• اس سے اگلی آیتِ مجیدہ میں حضرت مسیح کے صحابہ، غیر اللہ سے پاک صاف یعنی حواریوں کی دُعا درج ہے، جو نظامِ ربوبیّت کے قیام کیلئے اُنہوں نے فرمائی۔

رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا

اے رب ہمارے ہم ایمان لائے ساتھ اُسکے جو نازل کیا تُو نے اور اتباع کی ہم نے

الرَّسُوْلَ فَاکْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِیْنَ ۵۳

تیرے رسول کی پس تُو لکھ لے ہمیں ساتھ گواہوں کے

(صحابۂ مسیح نے حضورِ الٰہی میں عرض کیا) اے ہم سب کے پروردگار! ہم سب تیرے اُس قانونِ ربوبیّت پر ایمان لائے ہیں جو تُو نے نازل کیا ہے۔ اور ہم نے تیرے رسول کی اتباع کی ہے پس تُو ہمیں ربوبیّتِ عامہ کے گواہوں میں لکھ لے۔

ربوبیّتِ عامہ کا اقرار

• رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ کے الفاظ میں رب تعالیٰ کے حضور دُعا کرنیوالے اس امر کا اقرار کرتے ہیں کہ تُو ہم سب کا برابر کا رب ہے۔ کیونکہ رَبَّنَا جمع متکلم کا صیغہ ہے۔ اور "اے ہم سب کے رب" کہنے والے رب تعالیٰ کو پورے معاشرے کا رب تسلیم کرتے ہیں صرف بالادستوں کا نہیں۔ پس آیتِ مجیدہ کا یہی مفہوم صحیح ہے۔ "اے ہم سب کے پروردگار! ہم سب تیرے قانونِ ربوبیّت پر ایمان لائے ہیں جو تُو نے نازل فرمایا ہے"۔ یاد رہے کہ رب تعالیٰ کا نازل کردہ ضابطۂ حیات جو ابتدائے آفرینش سے نازل ہوتا چلا آ رہا ہے۔ اگرچہ وہ مختلف زبانوں اور مختلف زمانوں میں نازل ہوا لیکن وہ ایک ہی ضابطہ تھا۔ جو قرآنِ کریم میں موجود ہے [۱۲]۔ قرآنِ کریم اقرارِ ربوبیّتِ عالمینی اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ [۱] سے شروع اور اقرارِ ربوبیّتِ عالمینی قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ [۱۱۴] پر ختم ہوتا ہے۔ یعنی اپنے قاری سے اپنے پہلے ہی سبق میں ربوبیّتِ عالمینی کا اقرار لے لیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جملہ عالمین کا رب ہے۔ صرف جباروں، مکاروں، سرمایہ داروں اور ذخیرہ اندوزوں ہی کا رب نہیں پس ضابطۂ خداوندی کی رو سے صرف وہ نظام، نظامِ ربوبیّت کہلا سکتا ہے جس میں معاشرہ کے ایک ایک فرد کی ضروریاتِ زندگی کا قانونی حق تسلیم کیا گیا ہو۔ اسی نظام کیلئے حضرت مسیح سلام علیہ نے ربوبیّتِ عامہ کا اعلان کیا۔ لیکن مخالفوں نے آپکے خلاف بڑی تجویز کی۔

وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ
تجویز کی انہوں نے اور تجویز کی اللہ نے اور ہے اللہ بہتر
الْمٰكِرِيْنَ ؕ ۵۴
تجویز کرنیوالوں کا
ع
الثلثة

اور (مخالفین نے نظریۂ ربوبیت عامہ کے خلاف) تجویز کی اور اللہ تعالیٰ نے (ان کے خلاف) تجویز کی۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بہتر تجویز کرنیوالا ہے۔ (یعنی اللہ کی تجویز ضابطۂ ربوبیت کے مطابق حضرت مسیحؑ نے معاشرہ قائم کر دکھایا)

● دشمنوں کی تجویز انبیاء سلام علیہم کو قتل کر کے انہیں ناکام کرنے کی ہوتی تھی، لیکن اللہ تعالیٰ کی تجویز یہ ہوتی تھی کہ وہ انبیاءؑ کو ہجرت کروا کر انہیں کامیاب کر دیتا تھا۔ چنانچہ حضرت مسیحؑ نے بھی ایسا ہی کیا۔ آپ مع والدہ اور صحابہ ایک پُر فضا ٹیلے (ربوہ) پر ہجرت فرما گئے، جہاں مصفّیٰ پانی کا چشمہ بھی جاری تھا ۲۳/۵۰۔ لیکن دشمنوں نے جیسے کہ ان کی عادت ہے آپ کا پیچھا کیا۔ لیکن انہیں شکست فاش ہوئی۔ اور حضرت مسیحؑ کامیاب ہوئے۔ اگلی آیت مجیدہ میں اسی عظیم کامیابی کی بشارت دی گئی ہے

اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ
جب کہا اللہ نے اے عیسیٰ بے شک میں تجھے پورا کرنیوالا اور بلند کرنیوالا ہوں
اِلَىَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ
اپنی طرف اور پاک کرنیوالا ہوں تجھے اُن لوگوں سے جنہوں نے انکار کیا اور مقرر کرنیوالا
اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۚ
ہوں تیری اتباع کرنیوالوں کو اوپر اُنکے جنہوں نے انکار کیا قیامت کے دن تک
ثُمَّ اِلَىَّ مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيْمَا كُنْتُمْ
پھر ہے طرف میری لوٹنا تمہارا پھر فیصلہ کرونگا تمہارے درمیان اس میں کہ ہوتم
فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۵۵
بیچ اس کے اختلاف کرتے

وہ وقت قابلِ ذکر ہے جب اللہ نے کہا کہ اے عیسیٰؑ، بلاشبہ میں آپ کو مخالفوں کے مقابلے پر ثابت قدم رکھنے والا ہوں، اور آپکو اپنی طرف اٹھانیوالا (یعنی ہجرت کرانیوالا) ہوں۔ اور آپکو کافروں کی بُری تجویز کے شر سے پاک کرنے، یعنی بچانے والا ہوں، اور اُن لوگوں کو جو آپ کی اتباع کرتے رہینگے، منکرینِ ربوبیت کے مقابلے پر قیامت کے دن تک غالب رکھنے والا ہوں۔ پھر (نظامِ ربوبیت سے اختلاف کرنے والو! سُن لو کہ) تمہارا لوٹ کر آنا میری ہی طرف ہے۔ پھر میں تمہارے درمیان اس چیز کا فیصلہ کرونگا جسمیں تم خود اختلاف پیدا کر لیا کرتے تھے۔

● ملہ اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ کا معنیٰ لکھا گیا ہے بلاشبہ میں تجھے دشمنوں کے مقابلے پر ثابت قدم رکھنے والا ہوں۔ مُتَوَفِّی اسم فاعل ہے تَوَفّٰى باب تفعّل سے۔ اس کا ثلاثی مجرد ہے وَفٰى يَفِيْ وَفَاءً۔ اور مادہ ہے و-ف-ی۔ اس مادہ کا بنیادی معنیٰ ہے پورا ہونا مکمل ہونا۔ وَفَى الشَّىْءُ کا معنیٰ ہے وہ چیز پوری یا مکمل ہو گئی۔ اسطرح کسی چیز کا مکمل ہو جانا اس امر کی دلیل ہوتا ہے کہ وہ عمل جو اسکے مکمل کرنے کیلئے جاری تھا ختم ہو چکا ہے۔ اسطرح کسی چیز کے خاتمہ کیلئے بھی یہی مادہ استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ موت یعنی انسانی زندگی کے خاتمے کیلئے بھی وفات کا لفظ مستعمل ہے۔ اس مادہ کے بنیادی معنوں کے مطابق وفاء العہد کا معنیٰ ہے اس نے عہد پورا کیا۔ اور وفاء الفرض کا معنیٰ ہے اس نے اپنا فرض پورا کیا۔ لیکن چونکہ فرض ادا ہوتا ہے ثابت قدمی کیساتھ۔ اسلئے اس مادہ کا

کا ایک معنی ثابت قدم رہنا بھی ہے۔ نیز چونکہ مُتَوَفِّی باب تفعّل سے ہے۔ اسلئے آیت بالا میں اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ کا معنی لکھا گیا ہے بلا شبہ میں آپ کو ثابت قدم رکھنے والا ہوں۔

• ع۲ اور اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ کے بعد ہے وَرَافِعُكَ اِلَیَّ۔ اس کا معنی لکھا گیا ہے "آپکو اپنی طرف اُٹھانیوالا ہوں یعنی اپنے دین کیلئے ہجرت کروانے والا ہوں"۔ ہجرت حضرت ابراہیمؑ کے یہ الفاظ آتے ہیں:۔ اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیْ ۳۷/۹۹ = بیشک میں اپنے پروردگار کیطرف ہجرت کرنیوالا ہوں — روائتی تراجم میں رَافِعُكَ اِلَیَّ کا معنی مذکور ہے کہ میں تجھے اپنی طرف اُٹھانیوالا ہوں۔ اور اسکا مفہوم یہ لیا گیا ہے کہ خدا تعالیٰ نے آپ کو دو ہزار سال سے اُوپر اُٹھا کر چوتھے آسمان پر مقیم کر رکھا ہے۔ حالانکہ اس تصور کے مطابق خود خدا تعالیٰ کو بھی چوتھے آسمان پر مقیم ماننا پڑیگا، کیونکہ رَافِعُكَ کے بعد آیا ہے اِلَیَّ۔ لیکن اللہ تعالیٰ تو ہر جگہ موجود ہے ۵۸/۷۔ نیز اگر رَافِعُكَ کا معنی آسمان کیطرف اُٹھا لیا جائے تو حضرت ادریسؑ کو بھی کو کسی اُونچے مکان پر زندہ اُٹھایا گیا ماننا پڑتا ہے۔ کیونکہ اُن کیلئے بھی آیا ہے: وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ۱۹/۵۷۔ پھر حضرت مسیحؑ کے آسمان پر اُٹھائے جانے کے تصور کے مطابق پہلے اللہ تعالیٰ کو اُسکی شان کے خلاف صرف آسمان پر ماننا پڑتا ہے۔ حالانکہ وہ ہر جگہ موجود ہے ۲/۱۱۵

• ع۳ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا کا معنی سیاق کلام کے مطابق، کہ ماقبل مخالفوں کی تجویز کا ذکر مَكَرُوْا کے الفاظ میں موجود ہے۔ اسلئے یہ لکھا گیا ہے "میں آپکو مخالفوں کی تجویز کے شر سے پاک کرنے یعنی بچانیوالا ہوں"۔

مسیح سلام علیہ کا غلبہ اور بنی اسرائیل کی شکست

• سلسلۂ درس کی آیت مجیدہ ۳/۵۴ ماسبق میں حضرت مسیحؑ کے خلاف مخالفین کی بُری تجویز اور اللہ تعالیٰ کی احسن تجویز کا ذکر گزر چکا ہے۔ اور آیت نمبر ۳/۵۵ ماسبق میں حضرت مسیحؑ کی ہجرت اور آپکے مخالف بنی اسرائیل کے مقابلے پر آپ کی فتح و کامرانی کی پیشینگوئی فرمائی گئی ہے۔ یہ مقابلہ کسطرح ہوا۔ اور مسیح سلام علیہ اپنے صحابہؓ (حواریوں) سمیت بنی اسرائیل پر کسطرح غالب آئے۔ اسکا ایک مخصوص انداز کیساتھ تذکرہ ۵/۱۱۱ تا ۱۱۴ سورہ مائدہ میں بھی آیا ہے جس کی بحث سورہ مائدہ میں آئیگی۔ یہاں پر سورہ صف کا آخری رکوع پیش خدمت ہے جسمیں اس مقابلے کا نقشہ اسطرح کھینچا گیا ہے کہ رسول عربی سلام علیہ کے صحابہ کو، اور اُن کے بعد قیامت تک کے مومنوں کو مخاطب کر کے ارشاد ہوا ہے:۔

• يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْۤا اَنْصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيّٖنَ مَنْ اَنْصَارِيْۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ فَاٰمَنَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْۢ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ وَكَفَرَتْ طَّآئِفَةٌ ۚ فَاَيَّدْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلٰى عَدُوِّهِمْ فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِيْنَ ۶۱/۱۴

(مفہوم) اے ایمان والو! اللہ کے دین کے اسیطرح مددگار بن جاؤ۔ جیسا کہ مسیحؑ ابن مریم نے جب اپنے حواریوں سے کہا تھا کہ اللہ کے نظامِ ربوبیت کے قیام میں میرا کون مددگار ہے۔ تو آپکے حواریوں نے کہا ہم اللہ کے دین کے مددگار ہیں۔ پھر دعوتِ عیسوی کے جواب میں بنی اسرائیل کے دو گروہ ہو گئے) ایک گروہ آپ پر ایمان لایا (اور مسیحؑ کا ساتھی بنا) اور ایک گروہ نے انکار کر دیا (اور آپکا دشمن ہو گیا) پھر ہم نے دشمنوں کے مقابلے پر ایمان والوں کی مدد فرمائی۔ اور وہ دشمنوں پر غالب آئے۔

• فی الحقیقت انبیاء کی ہجرت ہی میں اُنکی فتح و کامرانی پوشیدہ ہوتی تھی۔ حضرت مسیحؑ نے ہجرت کرکے ربوہ نامی پُرفضا مقام کو اپنا صدر مقام بنایا۔ اِسکی خبر آیتِ ذیل میں دیگئی ہے:۔ وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ آيَةً وَآوَيْنَاهُمَا إِلَىٰ رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَمَعِينٍ ع ۲۳ = اور ہم نے ابنِ مریمؑ اور اُسکی ماں کو (اہلِ عالم کیلئے ثبات قدمی کی) ایک نشانی ٹھہرایا۔ اور اُنہیں ربوہ (نامی ایک پُرفضا ٹیلے) پر جہاں پانی اور رہائش کا معقول انتظام تھا ٹھکانہ عطا فرمایا۔ جہاں اُنہوں نے نظامِ ربوبیت قائم کیا۔ لیکن جیسے کہ مشرکینِ مکہ کی مخالفت کی آگ آنحضور سلامٌ علیہ کی ہجرت کے بعد بھی ٹھنڈی نہ ہوئی اور اُنہوں نے آپ پر پے درپے متعدد جارحانہ حملے کیئے اِسیطرح حضرت مسیحؑ اور اُنکے صحابہ حواریوں کی ہجرت کے بعد بنی اسرائیل نے بھی آپ پر جارحانہ حملہ کیا، جس میں مسیحؑ اور آپکے حواری غالب آئے فَأَصْبَحُوا ظَاهِرِينَ ۵ ۱۴/۶۱ سلسلۂ درس کی اگلی دو آیتوں میں مومنوں اور مخالفوں کے متعلق ایک مستقل قانون کی وضاحت کردیگئی ہے:۔

فَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَأُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا

پس جو لوگ انکار کرینگے پھر میں عذاب کرونگا اُنہیں عذاب سخت

فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمَا لَهُم مِّن نَّاصِرِينَ ۵۶ ۵

بیچ دنیا کے اور آخرت کے۔ اور نہیں واسطے اُن کے کوئی مددگار۔

وَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ

اور جو لوگ ایمان لائیں گے اور اعمال کرینگے معاشرہ کی اصلاح کے

فَيُوَفِّيهِمْ أُجُورَهُمْ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ ۵۷ ۵

پس وہ پورا دیئے جائینگے اجر انکا۔ اور اللہ نہیں پسند کرتا ظالموں کو

پس (فیصلہ دیا جاتا ہے) جو لوگ میرے ضابطۂ ربوبیت کا انکار کرینگے میں اُنہیں دُنیا میں بھی سخت عذاب میں مبتلا کرونگا۔ اور آخرت میں بھی سخت عذاب دونگا۔ اور اُن کا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔

اور جو لوگ (میرے ضابطۂ ربوبیت عامہ پر) ایمان لائینگے اور (اُسے بروئے کار لاکر) معاشرے کی اصلاح کرینگے پس وہ اپنا پُورا پُورا اجر دیئے جائینگے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بے ٹھکانہ کام کرنیوالوں کو پسند نہیں کرتا۔

• آیاتِ بالا میں انبیاء سلامٌ علیہم کے مشن ربوبیتِ عامہ کے منکروں کو ظالم کہا گیا، اور اُن سے بیزاری کا اعلانِ عام کیا گیا ہے۔ کیونکہ انبیاء سلامٌ علیہم کی بعثت اور نزولِ کتاب کی غرض ہی امنِ عامہ یعنی نظامِ ربوبیتِ عامہ کا قیام ہے۔ جیسے کہ ہم قارئینِ کرام کے ذہنوں میں قرآنِ کریم کے درسِ اوّل کو پھر تازہ کرتے ہیں کہ اسکا اوّلین درس ہی الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۱ کے الفاظ میں ربوبیتِ عالمینی ہے لیکن سرمایہ داری نظام شروع ہی سے اِس نظام کا مخالف چلا آیا ہے چنانچہ اگلی آیتِ مجیدہ میں مخالفوں کی جارحیت کا مقابلہ، قرآنِ کریم کے حکمت بھرے قانون ہی کیساتھ کرنے کی ہدایت فرمائی گئی ہے:۔

ذَٰلِكَ نَتْلُوهُ عَلَيْكَ مِنَ الْآيَاتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيمِ ۵۸

وہ ہے جو ہم پڑھتے ہیں اوپر تیرے۔ آیتوں اور نصیحت حکمت والی سے

(اے رسولؐ!) مذکورہ بالا بیان جو ہم نے آپ پر تلاوت فرمایا ہے۔ یہ ہماری واضح نشانیاں اور حکمت سے بھرپور نصیحت نامہ ہے۔

• دیکھیئے آیتِ بالا میں رسولِ اکرمؐ کو مخاطب کرکے واضح کیا گیا ہے کہ صاحبِ قرآن! حضرت مسیح سلامٌ علیہ کا قصہ جو

آیاتِ بالا میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ حکمت سے لبریز نصیحت نامہ ہے۔ بالفاظِ دیگر آنحضرتؐ پر واضح کیا گیا ہے کہ آپکو بھی اپنے حواریوں، یعنی صحابہؓ سمیت نظام ربوبیّت کے مخالفوں سے نبرد آزما ہونا ہوگا۔ ابتدائے آفرینش ہی سے، انبیاء سلامٌ علیہم کا یہ دستور چلا آیا تھا کہ جس قوم میں پیدا ہوتے، اُسی قوم سے تبلیغ وحدت ربوبیّت کی ابتدا کرتے تھے لیکن نتیجہ یہ ہوتا کہ کچھ لوگ مان لیتے اور کچھ مخالف ہو جاتے جب قوم کی مخالفت بڑھ جاتی تو حکم خداوندی کے مطابق ساتھیوں سمیت ہجرت کر جاتے کیونکہ زمین میں فساد کرنا انبیاء کی سُنّت نہیں۔ انبیاء سلامٌ علیہم فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيلَ ۱۵/۸۵ کے الٰہی حکم کے مطابق نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ بغیر کسی جنگ و جدال کے قوم سے علیحدہ ہو جاتے، یعنی ہجرت کر کے کسی دوسرے مقام پر پہنچ جاتے تھے اسطرح مخالفوں کیساتھ جنگ کی نوبت اُسوقت آتی تھی، جب وہ جارحانہ طور پر لشکر لیکر چڑھ دوڑتے تھے۔ اُسوقت اللہ کے نبیوں کو مدافعانہ جنگ کیلئے مجبوراً مقابلے پر آنا پڑتا تھا۔

• حضرتِ موسیٰؑ نے رات کو ہجرت فرمائی۔ فرعون کو خبر ہوئی تو خود لشکر لیکر چڑھ آیا۔ لڑائی تک نوبت نہ آئی اور وہ اپنے لشکروں سمیت غرق ہو گیا ۲۰/۷۷ ،۲۶/۶۶ حضور رسالتمآب سلامٌ علیہ نہایت امن کے ساتھ ہجرت کر کے ساتھیوں سمیت مدینہ منورہ پہنچ گئے لیکن مخالفوں نے متعدد بار جارحانہ حملے کئے۔ کئی بار لشکر لیکر چڑھ دوڑے۔ اور متعدد بار رحمتِ عالمؐ کو مدافعت کیلئے مقابلے پر آنا پڑا۔

اِن مدافعانہ جنگوں ہی کیلئے خدا تعالیٰ نے مقدور بھر زیادہ سے زیادہ فوجی طاقت مہیا کرنے کا حکم دے رکھا ہے ۔ وَأَعِدُّوا لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ وَمِن رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ ۸/۶۰ = مخالفوں کے مقابلے کیلئے اپنی پوری استطاعت کیساتھ فوجی قوت تیار رکھو۔ خصوصاً الخیل، گھوڑے یعنی تیز ترین سواریوں کی اسقدر فراوانی مہیا کرو۔ کہ تم اِس قوت کے ساتھ اللہ کے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو خوفزدہ رکھو۔ یہی وہ فوجی طاقت تھی، جو سرکارِ مدینہ نے مدینہ میں مہیا کی اور دشمنوں پر غالب آئے اور یہی طاقت سرکارِ ربوہ نے مہیا کر کے بنی اسرائیل پر فتح پائی اور ربوبیّتِ عامہ کی اساس پر معاشرہ قائم کیا۔ جملہ انبیاء کا فریضہ ہی یہ تھا۔ کہ عوام کو شرک اور معاشی ناہمواری کی غلاظت سے پاک کر کے عملاً ثابت کر دکھائیں کہ اللہ ربّ العٰلمین ہے۔

حضرتِ مسیحؑ نوعِ آدم میں سے تھے، مافوق البشر نہیں تھے۔

• انبیاء سلامٌ علیہم کی تحریک ہمیشہ بے سر و سامانی کے عالم سے شروع ہو کر ہر مشکل کا مقابلہ کرتی ہوئی کامیاب و کامران ہوا کرتی تھی۔ اس کامیابی کی بدولت دورِ صحابہؓ کے بعد کے لوگ اُنہیں مافوق البشر ہستیاں قرار دینا شروع کر دیتے تھے۔ یہی حال حضرت مسیحؑ کا ہے۔ کہ آپ کی مذکورہ بالا عظیم الشان کامیابی کی بدولت بعد والوں نے آپ کو مافوق البشر قرار دیا۔ آپ کے ساتھ قسم قسم کے الوساتی تصوّرات چسپاں کئے گئے۔ آپ کو اور مریمؑ صدیقہ کو اللہ تعالیٰ کا حصّہ مان کر تین الٰہوں کا عقیدہ قائم کر لیا قَالُوا إِنَّ اللَّهَ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ ۵/۷۳ ، اسطرح تین الٰہ بنائے گئے۔ ایک گروہ اس سے بھی آگے بڑھ گیا۔ اُس نے مسیح کو عین اللہ قرار دیدیا۔ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۵/۷۲ ۔ چنانچہ اگلی آیات کریمات میں وضاحت کیگئی ہے کہ حضرتِ مسیح کوئی مافوق الانسان ہستی نہیں تھے۔ بلکہ وہ بھی نوعِ آدم ہی تھے۔ نہ آپ اللہ تعالیٰ کی الوہیّت میں تیسرے حصّے کے حصّہ دار تھے

اور نہ ہی عین اللہ تھے ۵/۲:۔

إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِندَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ ۖ خَلَقَهُ مِن تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُن فَيَكُونُ ﴿٥٩﴾

بیشک حال ہے عیسیٰ کا نزدیک اللہ کے مانند حال آدم کے پیدا کیا اسے مٹی سے پھر اسے کہا ہو جا پھر وہ ہو گیا۔

بلاشبہ عیسیٰ کا حال اللہ کے ہاں نوع آدم کے حال جیسا ہے۔ اللہ نے نوعِ آدم کو مٹی (زمین) سے پیدا کیا تھا۔ پھر (یعنی زمین سے پیدا کرنے کے بعد) اُسے کہا (مکمل) ہو جا۔ پھر وہ (اپنی ارتقائی منزلیں طے کر کے موجودہ صورت میں صحیح سالم) ہو گئی۔

• ملہ لفظ مَثَل کے متعدد معنوں میں سے ایک معنی حال بھی ہے۔ دیکھئے آیت ذیل۔ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ۲/۲۱۴ = کیا تم نے گمان کر لیا ہے کہ یونہی جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔ حالانکہ تم پر ابھی وہ حال نہیں آیا جو تم سے پہلے لوگوں پر آیا تھا۔ یہاں مَثَل بمعنی حال ہے مثال نہیں۔

• ملہ لفظ آدم اسم جنس ہے۔ اور یہاں نوع آدم مراد ہے۔ وہ فرضی آدم مراد نہیں، جسکے متعلق کہا جاتا ہے کہ اللہ نے جب نوع انسانی کو پیدا کرنا چاہا تو ایک مرد کا بُت بنایا اور اس میں جان ڈالی۔ اُسکی پسلی سے اُسکی بیوی نکالی۔ خود اُسی کے جسم سے نکلی ہوئی عورت کیساتھ جو بیٹی ہی ہو سکتی ہے، اُسکا نکاح کیا۔ پھر اُس جوڑے میں سے لڑکے اور لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ اُن بہن بھائیوں کا باہم نکاح شروع کیا۔ اور اسطرح نوع انسانی کی افزائش نسل ہوئی۔ حالانکہ نہ باپ بیٹی کا نکاح کبھی بھی جائز ہو سکتا ہے نہ بہن بھائی کا۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ کے قوانین میں تبدیلی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ۱۷/۷۷ + ۲۵/۴۳۔ نوع آدم کی اوّلین تخلیق زمین میں سے ہوئی۔ بہت سے مرد و زن مختلف خطّوں سے زمین سے پیدا کئے گئے ۔ هُوَ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيْهَا ۱۱/۶۱ = اُس اللہ نے تمہیں زمین میں سے پیدا کیا اور اسی میں آباد کر دیا۔ نیز ۲۰/۵۵ مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى۔ اور ۵۳/۳۲ هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ اِذْ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ۔ اور ۷۱/۱۷ وَاللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا میں بھی اسی چیز کی تائید و توثیق موجود ہے۔ اسطرح جب زمین سے پیدا ہونیوالے مرد عورتیں، اپنی ارتقائی منازل طے کر کے صحیح سالم ہو گئے۔ تو ہر خطّے کی نوع میں اُنہی میں سے اوّلین نبی پیدا کئے گئے جنہوں نے نوع آدم کو عائلی قوانین سے متعلقہ خداوندی ضابطہ سے آگاہ کیا۔ کہ نہ باپ بیٹی کا نکاح روا ہے نہ بہن بھائی کا۔ یہ زمین سے پیدا ہونے والی مخلوق نوع آدم کہلائی۔ اور ہر خطّہ کی نوع آدم میں مبعوث کئے جانیوالے نبی، سب آدم کہلائے۔ اسطرح زمین سے پیدا ہونے والی مخلوق کی اولاد کو قرآن کریم میں بنی آدم کہا گیا ہے۔ زمینی مخلوق میں ہر جگہ الگ الگ نبی کی بعثت کی تفصیلی خبر جلد اوّل میں سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۲/۲۱۳ کے سامنے کے ترجمہ میں ملاحظہ فرمائیں۔

• ملہ نوع آدم کو زمین سے پیدا کر چکنے کے بعد پھر کُن کا حکم اس امر کی دلیل ہے کہ نوع آدم اپنی ابتدائی پیدائش کے بعد بار بتعالےٰ کے قانون کُن کے مطابق ارتقائی منازل طے کر کے موجودہ شکل و صورت میں صحیح سالم ہوئی تھی۔ زمینی پیدائش کے بعد ارتقائی منازل کی خبر مختلف آیات کریمات میں موجود ہے۔ جیسے کہ سورہ نوح میں ارشاد ہوا ہے۔ وَقَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا ۷۱/۱۴ = اور بلاشبہ اللہ تعالےٰ نے تمہیں مختلف اطوار سے یعنی مختلف ارتقائی منازل سے گزار کر پیدا کیا۔ سورہ اعراف میں فرمایا ہے۔ وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ۷/۱۱ = اور بیشک ہم نے تمہیں پیدا کیا۔ پھر (ارتقائی منازل سے گزار کر) تمہاری صورتیں مکمل کیں۔

رجوع الی المقصود

• سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں آنحضورؐ پر واضح کیا گیا ہے کہ مسیحؑ کی حقیقت وہی ہے جو آپکے پروردگار نے بیان کردی ہے۔ لوگ اُنہیں عین اللہ[۱]، یا تین الٰہوں کا تیسرا[۲]، قرار دیکر شک کرتے ہیں آپ کبھی بھی شک نہ لائیگا۔

اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ ۝ ٦٠

حق تیرے رب کیطرف سے ہے۔ پس نہ ہونا تو شک لانیوالوں سے

اے رسولؐ! مذکورہ بالا حقیقت تیرے رب کیطرف سے ہے پس تو شک لانیوالوں سے نہ ہوجانا۔

• اِس سے اگلی آیت مجیدہ میں آنحضورؐ کو اِس تنازعہ کا حل بتایا گیا ہے کہ جو لوگ آپ سے جھگڑا کریں کہ مسیحؑ بالفرد خود الٰہ یا شریکِ الوہیت ہیں۔ تو آپ اُنہیں یہ دعوت دیجئیگا کہ آؤ ہم اپنے اپنے مردوں، عورتوں اور بچوں کو اکٹھا کرکے لے آئیں۔ اور غور کرکے دیکھ لیں، کہ یہ لوگ بلے باپ کے جس چور دروازے کے ذریعہ مسیحؑ کو اللہ کا بیٹا ٹھہرا کر اُسے شریکِ الوہیت بناتے ہیں کیا اِن میں کوئی بچہ ایسا ہے، جو بلا باپ پیدا ہُوا ہو۔ یا کوئی عورت ایسی ہے، جس نے کبھی بھی بلا اختلاط شوہر کوئی بچہ جنا ہو۔ اور یا کوئی مرد ایسا ہے، کہ جس کی ماں بہن یا بیٹی نے کبھی کوئی بچہ بلا باپ جنا ہو۔ کیا ایسا ہونا ممکن ہے ؟

فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ

پھر جو کوئی جھگڑے تجھ سے بیچ اسکے پیچھے اسکے کہ آگیا پاس تیرے

الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ

علم۔ تو کہدے کہ آؤ بلائیں ہم بیٹوں اپنوں کو اور بیٹوں تمہاروں کو

وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ثُمَّ

اور عورتوں اپنی کو اور عورتوں تمہاری کو اور مردوں اپنوں کو اور مردوں تمہارے کو

نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ۝ ٦١

پھر ہم آزادانہ غور کرلیں پھر ٹھہرائیں بیزاری اللہ کی اوپر جھوٹوں کے

پھر اے رسولؐ! جونسا گروہ، علم آچکنے کے بعد آپکے ساتھ اِس مسئلہ (یعنی مسیحؑ کی الوہیت) کے بارے میں جھگڑا کرے تو آپ کہدیجئیگا کہ آؤ ہم بلائیں اپنے بیٹوں کو، اور تمہارے بیٹوں کو اپنی عورتوں کو اور تمہاری عورتوں کو۔ اپنے مردوں کو اور تمہارے مردوں کو[۱]۔ پھر ہم (اِس مسئلہ پر) آزادانہ غور کریں[۲] (یعنی مسیحؑ کی بشریت اور الگ الگ اِن تین صنفوں کی بشریت پر غور کرکے فیصلہ کریں، کہ کیا مسیحؑ الٰہ ہو سکتا ہے۔ پھر مشاہدے کی رُو سے) جھوٹوں پر اللہ کی بیزاری[۳] کا اعلان کریں۔

• [۱] ابناء بمعنی بیٹے اور نساء بمعنی عورتیں کی رعایت سے انفس کا معنی لکھا گیا ہے مردوں۔ اپنے اپنے بیٹوں اور اپنی اپنی عورتوں کیساتھ اپنے اپنے مردوں ہی صحیح ہے جبکہ نفس بمعنی فرد ہے، مرد ہو یا عورت۔ لیکن یہاں چونکہ عورتیں الگ شمار کردی گئی ہیں۔ اِسلئے بھی یہاں انفس بمعنی مردوں ہی درست ہے۔

• [۲] ابتہال کا معنی لکھا گیا ہے آزادانہ غور کرنا۔ اِسکا سہ حرفی مادہ ہے ب۔ ہ۔ ل = بھل، جسکا بنیادی معنی ہے رائے اور ارادہ میں آزاد چھوڑنا۔ تاج العروس میں لکھا ہے اَبْهَلَ النَّاقَةَ کا معنی ہے اونٹنی کو تھن باندھے اور مُہار ڈالے بغیر آزاد چھوڑ دیا۔ پس یہاں چونکہ فَمَنْ حَآجَّكَ کے مطابق ایک جھگڑے کے فیصلے کیلئے اپنے اپنے بچوں عورتوں اور مردوں کو اکٹھا کرنے کو کہا گیا ہے۔ اِسلئے یہاں مسئلہ زیر بحث کے مطابق اِن پر آزادانہ غور کرنا ہی مقصود ہے۔

آیتِ مباہلہ نہیں آیتِ ابتہال ؏ ۲

• اس آیت کو روائتی مکاتیبِ فکر میں آیتِ مباہلہ کہا جاتا ہے، حالانکہ اس آیت میں مادہ ب۔ ہ۔ ل بہل کے باب افتعال کا چودھواں صیغہ آیا ہے نَبْتَهِلْ اسطرح اس آیت کو زبردستی آیتِ مباہلہ قرار دے لیا گیا ہے۔ حالانکہ نہ یہ باب مفاعلہ سے ہے، اور نہ اِسے آیتِ مباہلہ کہا جا سکتا ہے ذیل میں مادہ بہل کے باب افتعال اور باب مفاعلہ دونوں ابواب کی فعل مضارع معروف کی گردان حاضر خدمت ہے خود فیصلہ کریں کہ لفظ نَبْتَهِلْ باب افتعال سے ہے مفاعلہ سے ہرگز نہیں۔

صیغوں کے نام	باب افتعال	باب مفاعلہ
واحد مذکر غائب	یَبْتَهِلُ	یُبَاهِلُ
تثنیہ مذکر غائب	یَبْتَهِلَانِ	یُبَاهِلَانِ
جمع مذکر غائب	یَبْتَهِلُوْنَ	یُبَاهِلُوْنَ
واحد مؤنث غائب	تَبْتَهِلُ	تُبَاهِلُ
تثنیہ مؤنث غائب	تَبْتَهِلَانِ	تُبَاهِلَانِ
جمع مؤنث غائب	یَبْتَهِلْنَ	یُبَاهِلْنَ
واحد مذکر مخاطب	تَبْتَهِلُ	تُبَاهِلُ
تثنیہ مذکر مخاطب	تَبْتَهِلَانِ	تُبَاهِلَانِ
جمع مذکر مخاطب	تَبْتَهِلُوْنَ	تُبَاهِلُوْنَ
واحد مؤنث مخاطب	تَبْتَهِلِیْنَ	تُبَاهِلِیْنَ
تثنیہ مؤنث مخاطب	تَبْتَهِلَانِ	تُبَاهِلَانِ
جمع مؤنث مخاطب	تَبْتَهِلْنَ	تُبَاهِلْنَ
واحد مذکر و مؤنث متکلم	اَبْتَهِلُ	اُبَاهِلُ
تثنیہ و جمع مذکر و مؤنث متکلم	نَبْتَهِلُ	نُبَاهِلُ

اب غور فرمائیں

کہ:۔

• مادہ بہل کے باب افتعال اور مفاعلہ دونوں کی گردانیں آپکے سامنے ہیں۔ آپ دیکھتے ہیں کہ آیتِ بالا کا وہ لفظ جسکی رُو سے اس آیت کو آیتِ مباہلہ قرار دیا جا چکا ہے، نَبْتَهِلْ ہے یہ باب افتعال کی گردان کا آخری صیغہ ہے یعنی یہ لفظ باب افتعال سے متعلق ہے مفاعلہ سے نہیں۔ نَبْتَهِلْ مجزوم اس لئے ہے کہ امر کا جواب مضارع میں ہے۔

• گذارش ہے کہ اگر آیتِ بالا میں آنحضور کو مباہلہ کا حکم دیا گیا ہوتا تو یہاں باب مفاعلہ کے صیغہ جمع متکلم سے نُبَاهِلْ آنا چاہیئے تھا نہ کہ نَبْتَهِلْ۔

• عربی دان حضرات کو اس سے مطلقاً جائے انکار نہیں کہ لفظ نَبْتَهِلْ، اِبْتَهَلَ یَبْتَهِلُ اِبْتِهَالًا سے ہے بَاهَلَ یُبَاهِلُ مُبَاهَلَةً سے ہرگز نہیں۔ پس ظاہر ہے کہ جس دعوے کی بنیاد ہی صحیح ثابت نہیں ہوتی وہ کس طرح صحیح قرار دیا جا سکتا ہے؟

• نیز اللہ تعالیٰ کے نبی رسول ضابطۂ خداوندی کے منکروں کو اپنی طرف اسلئے نہیں بلاتے تھے کہ آؤ ایک دوسرے پر لعنت بھیجکر مسائل حل کریں۔ وہ تو کائنات کے ٹھوس دلائل پیش کیا کرتے تھے۔ حضرت ابراہیمؑ نے منکر بادشاہ کے سامنے یہ مشاہدہ پیش کیا کہ میرا رب زندگی اور موت دیتا ہے۔ اس پر جب[۶] جاہل بادشاہ نے قانونِ حیات و ممات کو نہ سمجھتے ہوئے یہ کہا کہ میں بھی زندہ رکھتا اور مارتا ہوں۔ تو معاً ایک ایسا مشاہدہ پیش کیا کہ وہ لاجواب ہو کر مبہوت ہو گیا۔ آپنے فرمایا کہ میرے پروردگار نے نظامِ شمسی قائم کیا ہے۔ وہ سورج کو مشرق سے لاتا ہے۔ اگر تجھ میں طاقت ہے تو مغرب سے لا کر دکھا دے ۲/۲۵۸ دیکھیئگا! کہ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے مدِ مقابل کو کائناتی مشاہدات کے ٹھوس دلائل کیساتھ لاجواب کیا۔ یہ نہیں کہا کہ آؤ مباہلہ کر کے ایک دوسرے پر لعنت برسائیں اور اسطرح مسئلہ حل ہو جائیگا۔ العیاذ باللہ!

مباہلے کا نتیجہ کیا نکلتا ہے؟

• آیت مجیدہ زیرِ بحث کا صحیح مفہوم صفحہ ۶۶ پر گزر چکا ہے۔ لیکن روائتی ترجموں میں ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ کا معنٰی، الفاظ کے معمولی تغیر کیساتھ یہ لکھا ہے کہ پھر ہم اللہ سے دعا کریں، عاجزی کریں، رجوع کریں، پھر ہم جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ٹھہرائیں ـــ یہ کچھ تحریر کرنے کے بعد کسی بھی مفسر نے یہ نہیں لکھا کہ اسطرح ابتہال کرنے، یعنی دعا، عاجزی، اور رجوع کرنے، اور جھوٹوں پر لعنت ٹھہرانے کا نتیجہ لعنوی محسوس کیا نکلتا ہے، جس سے سب لوگ جان لیں کہ مباہلہ کرنیوالے دو فریقوں میں سے فلاں فریق سچا اور فلاں جھوٹا ہے ـــ کہا جاتا ہے کہ جھوٹا شخص سچے کی زندگی میں مر جاتا ہے۔ لیکن یہ ایک عجیب و غریب نظریہ ہے کہ حق و باطل کی تمیز کے لئے کسی شخص کی موت کا انتظار کیا جائے۔ بالفرض اگر جھوٹا آدمی فریقِ ثانی کی زندگی میں مر جائے، مگر مرے تاریخِ مباہلہ سے دس بارہ سال کے بعد، تو اسطرح تحقیقِ مسئلہ کی صورتِ محسوس یہ سامنے آتی ہے کہ تاریخِ مباہلہ سے دس بارہ سال کے بعد جا کر کہیں سچ جھوٹ کا فیصلہ ہو گا۔ اب بتایئے کہ اس عرصہ میں جو لوگ گمراہ مر جائینگے۔ اُن کا وبال کس پر ہو گا۔ نیز سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا انبیاء سلامٌ علیہم مباہلے کر کر کے طالبانِ حق کو سالہا سال کے انتظار میں مبتلا کر دیا کرتے تھے، کہ کب فریقِ مخالف اُن کی زندگی میں مرے اور کب حق و باطل کا فیصلہ ہو۔ اور کب طالبانِ حق، حق کی راہ اختیار کریں۔ ہم پوچھتے ہیں کہ کیا مباہلہ کے قائل حضرات نے اپنے سینکڑوں، ہزاروں اختلافی مسائل میں سے کسی ایک مسئلہ کو بھی مباہلہ کی مدد سے حل کر کے آئے دن کی سرپھٹول ختم کر لی ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ مسائل کا حل دلائلِ قاطعہ ہیں مباہلہ نہیں۔

مادہ بھل کی لغوی تحقیق

• واضح رہے کہ مندرجہ بالا نظریات جو عقل کے ترازو پر کسی بھی صورت میں پورے نہیں اُترتے کتبِ روایات کے پیدا کردہ ہیں۔ اور محض اندھی عقیدت کے بل بوتے پر قائم ہیں۔ آیئے ہم آپ پر مادہ ب۔ ہ۔ ل یعنی بھل کے بنیادی معنے واضح کرتے ہیں:-

• اس مادہ کے بنیادی معنے ہیں آزاد ہونا۔ لازم اور متعدی دونوں صورتوں میں استعمال ہوتا ہے۔ بَهَلَهٗ یا اَبْهَلَهٗ دونوں کے معنے ہیں، اُس نے اُسے چھوڑ دیا، آزاد کر دیا۔ اَبْهَلَ النَّاقَةَ کا مفہوم یہ ہے کہ اُس نے اونٹنی کو بلا مہار اور بغیر تھن باندھے چھوڑ دیا ـــ باب استفعال، اِسْتَبْهَلَ الْوَالِي الرَّعِيَّةَ کا معنیٰ ہے کہ حاکم نے رعایا کو آزاد چھوڑ دیا یعنی قانونی گرفت ڈھیلی

کردی ہے ـــ بَاھِلٌ (اسم فاعل) آزاد کو کہتے ہیں جو قیدی نہ ہو۔ اور بَاھِلَۃٌ اُس عورت کو کہتے ہیں جس کا خاوند نہ ہو، یعنی جو ازدواجی زندگی سے آزاد ہو ـــ پس مذکورہ بالا لغوی تحقیق سے ثابت ہُوا کہ مادہ بھل کے معنوں میں بنیادی تصور آزادی کا ہے۔ تو اسطرح آیتِ زیرِ بحث کے سیاق و سباق کے مطابق عیاں ہے کہ آیت نمبر ۵۹ کے مطابق حضرتِ مسیح بھی نوعِ آدم ہیں۔ آپ کی طرف منسوب کردہ نظریہ الوہیت، عین خدا ہونے اور ایک تہائی خدا ہونے کی تردید، اور جس چور دروازہ سے یہ نظریہ داخل کیا گیا ہے کہ مسیح بلا باپ پیدا ہُوئے تھے، اسلئے خدا کے بیٹے اور صاحبِ الوہیت ہیں، ایک ایک تصور کا بطلان کیا گیا ہے۔ کہ حضرتِ مسیح کا حال بالکل بنی آدم کے حال جیسا ہے۔ آپ بنی آدم ہی کے ایک فرد تھے جسطرح نوعِ آدم کے افراد پیدا ہوتے ہیں۔ آپ بھی بالکل اُسیطرح پیدا ہُوئے تھے، اُسیطرح بڑھے، جوان ہُوئے۔ بیمار ہوتے اور تندرست ہوتے تھے۔ کھاتے پیتے اور بول و براز کے جملہ عوارضات سے بھی بری نہیں تھے۔ اور کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَۃُ الْمَوْتِ کے الٰہی فیصلہ سے بھی مستثنےٰ نہیں تھے۔

کائناتی مشاہدہ

• اللہ تعالیٰ کے غیر متبدل قوانین کے شواہد کے باوجود اگر کوئی گروہ حضرتِ مسیح کو الٰہ منوانے اور بلا باپ کی پیدائش کہکر اللہ کا بیٹا ٹھہرانے پر بضد ہو تو آیتِ بالا زیرِ بحث نمبر ۶۱ میں آنحضور کو مشاہداتی فیصلے کی ترکیب بتائی گئی ہے کہ آپ اِن جھگڑنے والوں سے کہدیجئے کہ آؤ ہم اور تم اپنے اپنے بچے، اپنی اپنی عورتیں اور اپنے اپنے مرد لے آئیں، سب کو اکٹھا کریں۔ اور اِسکے بعد آیا ہے ثُمَّ نَبْتَہِلْ پھر ہم دونوں گروہ ملکر مباہلہ نہیں بلکہ ابتہال کریں یعنی آزادانہ طور سے سب بچوں، عورتوں اور مردوں پر غور کرکے دیکھ لیں کہ کیا کوئی بچہ بلا باپ پیدا ہُوا ہے؟ کیا کسی عورت نے بلا اختلاط کوئی بچہ جنا ہے؟ ـ کیا کسی مرد کی ماں، بہن یا بیٹی کے ہاں کبھی کوئی بچہ بلا باپ پیدا ہُوا ہے۔ کیا اِن میں سے کوئی اللہ کا بیٹا اور اِلٰہ ہو سکتا ہے؟ پھر اِس مشاہداتی تجربہ کی رُو سے ہم جس نتیجے پر پہنچیں، اُس کی رُو سے جھوٹوں پر اللہ کی بیزاری کا اعلان کردیں۔

• اِسطرح حق و باطل کا فیصلہ موقعہ ہی پر ہو جائیگا، نام نہاد مُباہلہ کی رُو سے حق و باطل کا فیصلہ کسی فریق کی موت یعنی کب مرے کے انتظار پر موقوف نہیں رہیگا۔ اور یہ طریقۂ ابتہال ہر مسئلے کی آزادانہ تحقیق کیلئے قیامت تک کام دیتا چلا جائیگا۔

• فلہذا حضرتِ مسیح سلامٌ علیہ سے متعلقہ ہر مسئلے کا فیصلہ آیت نمبر ۵۹ کے فیصلہ کے مطابق کہ آپ عام نوعِ آدم کیطرح کے ایک فرد تھے۔ اور آیت نمبر ۶۱ کے فیصلے کے مطابق کر اپنے بیگانے بچوں، عورتوں اور مردوں کو نگاہ میں رکھ کر فیصلہ کرلو کہ کیا نوعِ آدم ہوتے ہُوئے، مسیح سلامٌ علیہ بلا باپ، اللہ کے بیٹے اور اِلٰہ ہو سکتے ہیں؟

روائتی شانِ نزول

• آیت زیرِ بحث کے اِس واضح اور غیر مبہم مفہوم کے باوجود، کُتب روایات نے اِسکی طرف ایک شانِ نزول، اور انتہائی عجیب و غریب قصہ چسپاں کر رکھا ہے۔ اسوقت ہمارے سامنے شاہ عبدالقادرؒ کی اصلی تفسیر موضح القرآن مطبوعہ لاہور کھلی پڑی ہے۔ اُسکے صفحہ ۷۵ پر آیتِ بالا کی تفسیر بالفاظِ ذیل درج ہے:-

"جب یہ آیت خداتعالیٰ نے بھیجی، تب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن ہی (یعنی نجران کے) نصاریٰ کے عالموں کو بُلا کر فرمایا کہ جتنا میں تمہیں سمجھاتا ہوں۔ اور دلیلیں مضبوط سُناتا ہوں۔ تم زیادہ جھگڑتے ہو۔ اور دشمن ہوتے ہو۔ اب آؤ، ہم تم

اسطرح قسم کریں اور جھوٹوں پر لعنت کریں خدا تعالیٰ کی۔ تو سچا اور جھوٹا سب پر معلوم ہو۔ نصاریٰ کے عالموں نے یہ بات قبول کی۔ اور راضی ہوئے اور ایک دن ایک مکان مقرر کیا۔ اور دوسرے دن حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسینؓ کو گود میں لیا۔ اور حضرت امام حسنؓ کا ہاتھ پکڑا۔ اور حضرت فاطمہ زہراؓ کو اپنے پیچھے۔ اور حضرت مرتضیٰ علیؓ کو اُن کے پیچھے لیکر چلے۔ اور فرمایا ان سب کو، کہ جب میں دعا کروں تو تم چاروں آمین کہیو۔ اُنہوں نے قبول کیا۔ اور ادھر جو نصاریٰ کے بڑے بڑے عالم آئے اور ان کو دیکھا اور پکارا اپنی قوم کو کہ اے یارو! ان کے مقابلے سے ڈرو۔ جو ہم یہ کئی صورتیں دیکھتے ہیں، اگر یہ خدا سے دعا کریں تو پہاڑ زمین سے اکھڑ کر اُڑ جائے۔ اگر تم ان سے مقابلہ کروگے تو ایک نصرانی زمین پر نہ رہیگا۔ آخر کو صلح اس بات پر ٹھہری، جو ہر برس میں دو بار دو ہزار دینار، اور تیس زرہ دیا کرینگے جزیہ یہ بات لکھ کر صلح ٹھہری اور نصاریٰ نے جزیہ دینا قبول کیا اور مقابلہ نہ کیا۔" (اصلی تفسیر موضح القرآن مطبوعہ لاہور صفحہ ۷۵)

• پس!-

برادران عزیز! یہ ہے روایتی شان نزول جسکے ذریعہ ایک ایسی آیت مجیدہ کی دائمی افادیت کو ایک فرضی قصے کیساتھ ختم کر دیا گیا ہے، جو ہر متنازعہ مسئلہ کو عالمی مشاہدات کے میزان پر تول کر فیصلہ کرنے کی رہنمائی کرتی ہے۔ یہ وہ آیت ہے، جسکے لمبے اور واضح سیاق، اور غیر مبہم سباق کیساتھ فیصلہ دیدیا گیا ہے کہ حضرت مسیحؑ کی ابنیت اور الوہیت، دونوں کو مشاہدات کی کسوٹی پر کس کر دیکھ لو، اپنے بیگانے سب بچے، عورتیں اور مرد سب پر نگاہ دوڑالو، کیا کوئی بلا باپ، اللہ کا بیٹا، یا الٰہ ہے؟ کہ مسیحؑ جو انہی جیسے نوع آدم تھے۔ کیا بلا باپ، اللہ کے بیٹے اور شریک الوہیت ہو سکتے تھے۔

• افسوس کہ اس آیت مجیدہ پر یہ نظریہ سوار کر دیا گیا ہے کہ عیسائیوں کے مقابلے پر مسیحؑ کی عدم الوہیت کا فیصلہ کرنے کے لئے رسول اکرم سلام علیہ دو نواسوں، ایک صاحبزادی اور ایک داماد کو ساتھ لیکر تشریف فرما ہو گئے۔ نجران کے عیسائی علماء نے انکی عظمت کو تسلیم کر کے یہ تو مان لیا کہ یہ صورتیں اگر دعا کریں تو پہاڑ اکھڑ کر اُڑ جائینگے۔ لیکن پھر بھی وہ مسلمان نہ ہوئے۔ کیا عجیب قصہ ہے؟ انہوں نے یہ تسلیم کر لیا کہ اگر ہم ان کے مقابلہ پر آئینگے تو روئے زمین پر کوئی عیسائی باقی نہیں رہیگا، لیکن اسلام نہ لائے بلکہ عیسائیوں کا وجود زمین پر باقی رکھنے کیلئے سال میں دو مرتبہ دو دو ہزار دینار اور تیس تیس زرہیں بطور جزیہ دینا قبول کیا۔ بالفاظ دیگر اس نظریاتی جنگ کا مال غنیمت بتایا گیا ہے چار ہزار دینار اور ساٹھ عدد زرہیں سالانہ۔ معاذ اللہ استغفر اللہ!

• یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا مباہلہ کا حکم اُسی ذات مقدس بارئتعالیٰ کیطرف سے متصور ہو سکتا ہے جس نے عقائد و نظریات کی جنگ کیلئے للکار کر کہا ہے:- هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ۲/۱۱۱ = اگر تم سچے ہو تو واضح دلائل پیش کرو۔ اور میدانی جنگوں کیلئے حکم دیا ہے:- وَأَعِدُّوا لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ ۸/۶۰ اور دشمن کے مقابلہ کیلئے پوری استطاعت بھر فوجی طاقت مہیا کرتے چلے جاؤ۔

رجوع الی المقصود

• اس وضاحت کے بعد کہ آیت ابتہال کو انتہائی دھاندلی کیساتھ آیت مباہلہ بنا دیا گیا ہے، اب پھر سلسلۂ درس کی طرف رجوع کریں۔ حضرت مسیحؑ کے متعلق جو وضاحت آیات اسبق میں کیگئی ہے۔ اسی کے متعلق اگلی آیت مجیدہ میں بطور تاکید ارشاد ہوا ہے:-

إِنَّ هَٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ ۚ وَمَا مِنْ إِلَٰهٍ إِلَّا اللَّهُ ۚ وَإِنَّ اللَّهَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝٦٢

بیشک یہ البتہ یہی قصہ (مسیح کا) ہے سچا اور نہیں کوئی بھی الٰہ سوائے اللہ کے۔ اور بیشک اللہ بیشک وہی ہے غلبے والا حکمت والا

بلاشبہ (مسیح کے متعلق یہی فیصلہ سچا ہے (کہ وہ بنی آدم کا ایک پاکیزہ رسول تھا) اور حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ دنیا میں موجود ہی نہیں۔ (اور یہ مسیح کو الٰہ ٹھہرانیوالے بگوش ہوش سن لیں کہ) بلاشبہ اللہ ہی غلبے والا حکمت والا ہے۔

● اس سے اگلی آیت میں مسیح کو الٰہ ماننے والوں کے متعلق فیصلہ دیدیا گیا ہے کہ یہ لوگ فسادی ہیں، نیز انہیں وعید سنائی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی فساد انگیزیوں کو خوب جانتا ہے۔ یہ لوگ مسیح کو گناہوں کا کفارہ قرار دیکر بھاری سزا سے بچ نہیں سکتے۔

فَإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِالْمُفْسِدِينَ ۝٦٣ ع

پھر اگر وہ منہ موڑیں (حقائق سے) تو بیشک ہے اللہ خوب جاننے والا فساد کرنے والوں کو

پھر اگر یہ لوگ (مذکورہ حقائق اور عالمی مشاہدات کے باوجود حقیقت سے) روگردانی کریں تو پھر (انہیں جان لینا چاہیئے کہ) اللہ تعالیٰ فساد کرنیوالوں سے پوری طرح باخبر ہے۔ (یہ لوگ کفارہ وغیرہ کے منگھڑت عقیدوں کی بدولت اللہ کے عذاب سے بچ نہیں سکتے)

غیر اللہ کو حاجت روا اور مشکلکشا نہ ٹھہرایا جائے

● اللہ کے نبیوں یا انکے صالح بندوں کو شریکِ الوہیت کرنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پھر یہ لوگ ان سے مرادیں مانگنا شروع کر دیتے ہیں۔ انہیں کارگاہِ کائنات میں مختارِ عام قرار دیدیا جاتا ہے۔ یہی حال اہلِ کتاب یہود و نصاریٰ کا ہے کہ انہوں نے الگ الگ حضرت عزیزؑ و مسیحؑ کو اللہ کا بیٹا ٹھہرا کر حاجت روا اور مشکلکشا قرار دے رکھا ہے ۹/۳۰۔ اب چونکہ یہ چیز عقیدۂ الوہیت کے منافی ہے ۵/۴۶، اسلئے رسولِ اکرم کو حکم دیا گیا ہے کہ اہلِ کتاب کو دوسری دعوت آپ یہ دیں۔ کہ آؤ ہم اس مسئلہ پر متفق ہو جائیں، جو ہمارے اور تمہارے درمیان بطور قدرِ مشترک موجود ہے۔ وہ یہ کہ نہ اللہ کیساتھ کسی کو شریک ٹھہرائیں، اور نہ غیر اللہ کو حاجت روا اور مشکلکشا قرار دیں، تم بھی اس پر مصروفِ عمل ہو جاؤ۔

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا

کہدیجیئگا اے اہلِ کتاب آؤ طرف ایسی بات کے جو برابر ہے درمیان ہمارے

وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ

اور درمیان تمہارے یہ کہ نہ ہم عبودیت کریں سوائے اللہ کے اور نہ ہم شریک کریں ساتھ اسکے

شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ

کسی چیز کو اور نہ ٹھہرائے بعض ہمارا بعض کو حاجت روا سوائے اللہ کے

فَإِن تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ ۝٦٤

پھر اگر وہ منہ موڑیں تو کہدو گواہ رہو یہ کہ ہم بلاشبہ اللہ کے فرمانبردار ہیں

(اے رسول!) کہدیجیئگا! کہ اہلِ کتاب آؤ ہم سب ایک ایسے مسئلہ پر متفق ہو جائیں، جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترکہ مسلّم ہے۔ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی اطاعت نہ کریں۔ اور اسکے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرائیں۔ اور ہمارا بعض، بعض کو اللہ کیساتھ روزی رساں اور حاجت روا، مشکلکشا نہ ٹھہرائے۔ پھر اے رسول! اگر یہ لوگ ان حقائق سے روگردانی کریں۔ تو آپ اپنے صحابہ سمیت اعلان کر دیں، کہ تم گواہ رہو، کہ ہم (مذکورہ بالا حقائق کی رُو سے) اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار ہیں۔

• آیتِ بالا میں بتایا گیا ہے کہ یہود و نصاریٰ نے عزیرؑ و مسیحؑ کو اللہ کے بیٹے ٹھہرا کر دل کی مستقل اقدار کو پامال کر رکھا ہے:
۱۔ وہ اللہ کے سوا اُن غیر اللہ کی فرمانبرداری کرتے ہیں، جنہوں نے عزیرؑ و مسیحؑ کی ابنیت کا نظریہ پیش کیا تھا۔
۲۔ نیز انہوں نے اللہ کیساتھ عزیرؑ و مسیحؑ کو اسکا شریکِ الوہیت ٹھہرا رکھا ہے۔
۳۔ اللہ کے سوا اُسکے بندوں یعنی حضرت عزیرؑ و مسیحؑ کو روزی رساں، حاجت روا اور مشکلکشا قرار دیدیا ہے۔ اور یہ نظریہ مزید آگے چلتا ہے۔ کہ اِنکے احبار و رُہبان اِنکے حاجت روا اور مشکلکشا ہیں اور یہ اُنکی مدد کے محتاج ہیں۔

ایک اہم سوال

• اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا مذکورہ بالا عقائد صرف یہود و نصاریٰ ہی کو مشرک ٹھہراتے ہیں؟ یا ان کی زد میں جو قوم بھی آجائے مشرک ٹھہرتی ہے؟ کیا اگر یہی اعمال و عقائد مسلمانوں میں موجود ہوں کہ یہ غیر اللہ کتابوں کے ذریعہ غیر اللہ کی اطاعت بھی کر رہے ہوں، آنحضورؐ یا آپکے کسی صحابیؓ کو مشکلکشا، اور اُمت کے کسی بزرگ کو دستگیر ٹھہرا کر شرک فی الصفات بھی کر رہے ہوں۔ اور اس سے آگے ہر دور کے مشائخ کو عوام کا حاجت روا بھی قرار دے رکھا ہو تو کیا آیتِ بالا کی زد مسلمانوں پر نہیں پڑتی ہے؟ — اس سوال کا جواب قانونِ الٰہی کی ہمہ گیری سے پوچھئے، جس کی رُو سے نہ پسرِ نوحؑ کو کوئی رعایت دی کہ وہ ایک نبی کا بیٹا تھا۔ اور نہ اب ابراہیمؑ کو اس سے مستثنےٰ ٹھہرایا گیا کہ وہ ایک نبی کا اب تھا۔

اپنے اپنے عقائد پر اپنے اپنے بزرگوں کو بطور دلیل پیش کیا جاتا ہے

• اس سے اگلی آیتِ مجیدہ میں یہود و نصاریٰ کی ایک اور بڑی فاش غلطی کی خبر دی گئی ہے۔ کہ یہودی کہتے تھے کہ حضرت ابراہیمؑ یہودی تھے اور عیسائی کہتے تھے کہ وہ عیسائی تھے لیکن انہیں اتنی بھی عقل نہیں تھی کہ حضرت ابراہیمؑ تو تورات و انجیل کے نزول سے پہلے کے گزرے ہوئے تھے۔

يَٰٓأَهۡلَ ٱلۡكِتَٰبِ لِمَ تُحَآجُّونَ فِيٓ إِبۡرَٰهِيمَ وَ اے اہلِ کتاب! کیوں تم جھگڑتے ہو بیچ ابراہیم کے حالانکہ	اے اہلِ کتاب! (یہودیو اور نصرانیو!) تم ابراہیمؑ کے متعلق یہ کہکر کہ وہ یہودی تھے اور نصرانی تھے، کیوں جھگڑتے ہو۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ جن نبیوں کی تم اُمت ہو۔ وہ نبی اور اُن پر جو کتابیں نازل ہوئی تھیں تورۃ و انجیل نہیں نازل ہوئی تھیں وہ مگر ابراہیمؑ کے بعد نازل ہوئی تھیں۔ دیکھو اتنی بڑی غلط بیانی کرتے ہوئے، تم کیوں عقل نہیں کرتے۔
مَآ أُنزِلَتِ ٱلتَّوۡرَىٰةُ وَٱلۡإِنجِيلُ إِلَّا مِنۢ بَعۡدِهِۦٓۚ أَفَلَا نہیں اتاری گئی تورات اور انجیل مگر بعد اُسکے کیا پھر نہیں	
تَعۡقِلُونَ ۝ ٦٥ تم عقل کرتے	

• اس سے آگے ارشاد فرمایا کہ تم جن چیزوں کو جانتے ہو، اُن میں بھی جھگڑتے ہو، اور جن کو نہیں جانتے، اُن میں بھی جھگڑا کرتے ہو۔

هَٰٓأَنتُمۡ هَٰٓؤُلَآءِ حَٰجَجۡتُمۡ فِيمَا لَكُم بِهِۦ وہ ہو تم، وہ ہو کہ جھگڑتے ہو بیچ اُسکے کہ جسکے واسطے تمہارے ساتھ اُسکے	تم وہ لوگ ہو کہ جس چیز کا تمہیں علم ہے (کہ تورۃ و انجیل حضرت ابراہیمؑ سے بعد کی کتابیں ہیں، اور حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰؑ

عِلْمٌ فَلِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ
علم پھر کیوں جھگڑتے ہو تم بیچ اُسکے کہ نہیں ہے واسطے تمہارے ساتھ اس کے علم

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ ۶۶
اور اللہ جانتا ہے مگر تم نہیں جانتے۔

و عیسیٰ سے پہلے گزر چکے ہیں۔ پھر تم ابراہیم کو یہودی یا نصرانی بناکر خواہ مخواہ) جھگڑتے ہو۔ پھر تم اُس امر میں، جس کا تمہیں علم نہیں کیوں جھگڑتے ہو (یعنی جن امور کا تمہیں علم نہیں، اُن میں تمہیں نہیں جھگڑنا چاہیئے) اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

• ۱ فَلِمَ تُحَآجُّوْنَ استفہام انکاری ہے۔ اور مفہوم یہ ہے کہ جن امور کا تمہیں علم نہیں، اُن میں تمہیں ہرگز نہیں جھگڑنا چاہیئے:۔

مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّ
نہیں تھا ابراہیم یہودی اور نہ نصرانی اور

لٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ ۶۷
لیکن تھا ہر باطل دین سے موڑنے والا اللہ کا فرمانبردار اور نہیں تھا وہ شرک کرنیوالوں سے

(سُن لو کہ) ابراہیم نہ یہودی تھے نہ نصرانی۔ بلکہ وہ ہر دین باطل سے منہ موڑ کر دینِ حق کیطرف جھکنے والے اور اللہ تعالیٰ کے پورے پورے فرمانبردار تھے۔ اور وہ (اللہ تعالیٰ کی ذات صفات اور اُسکے حکم میں کسی کو بھی) شریک کرنیوالے نہیں تھے۔

• یہود و نصاریٰ حضرتِ ابراہیم کو بالترتیب یہودی اور نصرانی کہکر آپکے ساتھ اپنے تقرّب کا ثبوت پیش کرتے ہیں۔ آیتِ بالا میں حضرتِ ابراہیم کیساتھ اُنکے جذبۂ تقرّب کا ردّ نہیں کیا گیا۔ بلکہ طریقۂ تقرّب کو غلط قرار دیا ہے۔ جیسے کہ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۳/۹۵ کے الفاظ میں اتباعِ ملّتِ ابراہیم کا حکم دیا گیا ہے۔ اور سلسلۂ درس کی اگلی آیت میں اِسی اتّباع کو تقرّبِ ابراہیمی کا ذریعہ بتایا ہے:۔

اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَ
بیشک قریب ترین لوگوں سے ساتھ ابراہیم کے وہ لوگ ہیں جنہوں نے اتباع کی اُسکی اور

هٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ ۶۸
یہ نبی اور جو لوگ ایمان لائے (ابراہیم کے قریب ہیں) اور اللہ ہے مددگار مومنوں کا

بلاشبہ تمام لوگوں میں سے ابراہیم کے سب سے زیادہ قریب وہ لوگ ہیں، جو اُس (کی ملّت ۳/۹۵) کی اتباع کرتے ہیں۔ اور یہ نبیؐ (کی)، اور آپکے ساتھی مومن بھی (ابراہیم کے بہت زیادہ قریب ہیں) حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مومنوں کا مددگار ہے۔

انبیاء کے لائے ہوئے ضابطے کی اتباع ہی انبیاء کی اتباع ہے

• اس آیت میں آنحضورؐ کو حضرتِ ابراہیم کا قریب ترین شخص اسلئے بتایا گیا ہے کہ آپ ملّتِ ابراہیمؑ پیروکار تھے۔ جیسے کہ خود آنحضورؐ سے اعلان کروا دیا گیا ہے:۔ قُلْ اِنَّنِيْ هَدٰىنِيْ رَبِّيْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۚ دِيْنًا قِيَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۶/۱۶۱ ”صاحبِ قرآن کہدیجیئے کہ مجھے میرے پروردگار نے صراطِ مستقیم پر چلا دیا ہے۔ جو مضبوط دین ہے۔ جو ملّتِ ابراہیم ہے۔ یعنی وہی راستہ ہے جو ابراہیم نے اختیار کیا تھا۔

• نیز صحابہؓ کو بھی حضرتِ ابراہیم کا اقرب کہا گیا ہے۔ کیونکہ یہ پاکیزہ جماعت رسولِ اکرمؐ کی متبع تھی۔ یعنی اس تسلسل کے ماتحت کہ صحابہ رضی اللہ عنہم رسولِ اکرم کے، اور آنحضور ملّتِ ابراہیم کے متبع تھے۔ اسطرح وہ بھی ملّتِ ابراہیم کے متبع اور آپکے اقرب تھے۔ واضح ہے کہ اس آیت میں بتا دیا گیا ہے کہ انبیاء سلام علیہم کی قربت اُنکے لائے ہوئے ضابطے کی اتباع سے حاصل ہوتی ہے، نسلی یا

خونی رشتے سے ہرگز حاصل نہیں ہوتی۔ جیسے کہ حضرتِ نوحؑ کا بیٹا اور حضرتِ ابراہیمؑ کا اَبْ قریب ترین خونی رشتے کے باوجود اسلئے اُنکے غیر اقرب قرار پائے تھے کہ وہ اُنکی ملت کے مُتّبع نہ ہوئے۔

• آگے بڑھنے سے پہلے علمائے روایات کی پیدا کردہ اِس غلط فہمی کا دُور کرنا ضروری ہے کہ آنحضورؐ کی اتباع واطاعت کتبِ روایات کی اتباع واطاعت سے ہوتی ہے لیکن جیسے کہ سلسلۂ درس کی آیت نمبر ۶۸ زیر بحث میں آیا ہے۔ کہ ابراہیمؑ کے اَوْلیٰ یعنی اقرب وہ لوگ ہیں جو اَتَّبَعُوْهُ یعنی جو اُسکی اتباع کرتے ہیں۔ اور اسکے آگے آیا ہے وَهٰذَا النَّبِيُّ۔ اور یہ نبیؐ بھی حضرت ابراہیمؑ کے اَوْلیٰ و اقرب ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ آنحضورؐ، حضرتِ ابراہیمؑ کے مُتّبع تھے۔ لیکن آنحضورؐ کے پاس حضرت ابراہیمؑ کیطرف منسوب روایات کا کوئی مجموعہ نہیں تھا۔ کہ آپ روایاتِ ابراہیمیؑ کی اتباع کر کے ابراہیمؑ کے متبع بنے ہوں۔ تو اسطرح سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کونسی چیز تھی جس کی اتباع کر کے آپ متبع ابراہیم ہوئے تھے۔ اسکا جواب ۶/۱۰۶ + ۱۰/۱۰۹ + ۳۳/۲ کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیں۔ ارشاد ہوتا ہے:۔ وَاتَّبِعْ مَا يُوحَىٰ إِلَيْكَ = اے رسولؐ اُس کتاب کی اتباع کر، جو تیری طرف وحی کیگئی ہے۔ اِس حکم کی تعمیلی صورت کا اعلان قرآن کریم کے متعدد مقامات پر بالفاظِ ذیل درج ہے:۔ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوحَىٰ اِلَيَّ ۶/۵۰ + ۱۰/۱۵ + ۴۶/۹ = نہیں میں اتباع کرتا مگر صرف اُس کتاب کی جو میری طرف وحی کیگئی ہے۔ اور اسی چیز کی اتباع کا حکم مومنوں کو دیا گیا ہے:۔ اِتَّبِعُوا مَا اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ ۷/۳ = ایمان والو! اُس کتاب کی اتباع کرو، جو تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے نازل کیگئی ہے۔

• واضح رہے کہ مَا يُوحَىٰ اور مَا اُنْزِلَ کی اتباع ہی انبیاء کی اتباع ہے۔ اور جملہ انبیاءؑ کیطرف مَا يُوحَىٰ اور مَا اُنْزِلَ صرف اور صرف ایک ہی کتاب ہے۔ جیسے کہ ۲/۲۱۳ میں فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ کے الفاظ میں وضاحت کر دیگئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء کو مبعوث فرمایا اور اُن سب کیساتھ اپنی ایک ہی کتاب نازل فرمائی۔ بالفاظِ دیگر چونکہ حضرتِ ابراہیمؑ سمیت جملہ انبیاء کی طرف قرآن کریم ہی کا ضابطۂ حیات نازل کیا گیا تھا۔ پس ثابت ہوا کہ قرآن کریم کی اتباع ہی حضرت ابراہیمؑ سمیت جملہ انبیاء کی اتباع ہے۔ اسی کی اتباع ملتِ ابراہیم یعنی ضابطۂ ابراہیمی کی اتباع ہے۔ اِسی کی اتباع اسوۂ ابراہیمی ۶۰/۴ کی اتباع ہے اور اسی کی اتباع اسوۂ محمدی کی اتباع ہے ۳۳/۲۱

رجوع الی المقصود

• اِس سے اگلی آیت مجیدہ میں اہلِ کتاب کے مخفی ارادوں سے خبردار کیا گیا ہے۔ کہ وہ اہل اسلام کو گمراہ کرنے کے متمنی ہیں۔ اور وہ اپنے آپکو الگ ابراہیمی ظاہر کر کے اپنے ارادوں کی تکمیل کرنا چاہتے ہیں:۔

وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ
چاہتا ہے ایک گروہ اہل کتاب کا، کاش کہ گمراہ کریں تم کو

وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۶۹○
اور نہیں گمراہ کرتے مگر اپنے افراد کو اور وہ شعور نہیں رکھتے

(ایمان والو) اہل کتاب کا ایک گروہ چاہتا ہے کہ وہ (کسی طرح) تمہیں گمراہ کر دیں۔ حالانکہ (حقیقت یہ ہے کہ) وہ تمہیں گمراہ نہیں کرتے، بلکہ اپنے ہی افراد کو گمراہ کرتے ہیں۔ اور وہ اِسکا شعور نہیں رکھتے۔

• وہ اپنے ہی افراد کو گمراہ کرتے ہیں کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ، جو لوگ اُنکے دامِ فریب میں آتے تھے، وہ مومن نہیں بلکہ اُن کے اپنے افراد تھے۔

يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ
اے اہل کتاب کیوں تم کفر کرتے ہو ساتھ آیتوں اللہ کے
وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ۝ ۷۰
اور ہو تم خود گواہ

اے اہل کتاب! (یہود و نصاریٰ) تم اللہ کی واضح نشانیوں کا کیوں انکار کرتے ہو۔ حالانکہ تم خود اُنکے گواہ ہو (یعنی تمہاری کتابوں توراۃ و انجیل میں رسولِ عربی کی آمد کی گواہی موجود ہے) ۴۸/۲۹ + ۷/۱۵۷

يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ
اے اہل کتاب کیوں ملاتے ہو سچ کو ساتھ جھوٹ کے
وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ ۷۱ ع ۱۵
اور چھپاتے ہو سچ کو اور ہو تم جانتے

اے اہل کتاب! (یہود و نصاریٰ) تم حق کو باطل میں کیوں ملاتے ہو۔ اور (اس آمیزش کیساتھ) حق کو کیوں چھپاتے ہو۔ حالانکہ تم جانتے ہو (کہ توراۃ و انجیل کی خبر کے مطابق یہ رسول اور یہ کتاب آنیوالے تھے جو آگئے ہیں)۔

• اگلی آیتِ مجیدہ میں اُس طریقے کی وضاحت کی گئی ہے، جس کیساتھ اہل کتاب، مومنوں کو گمراہ کرنے کی کوشش ناکام کیا کرتے تھے۔

وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا
اور کہتا ہے ایک گروہ اہل کتاب میں سے ایمان لاؤ
بِالَّذِيْۤ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ
ساتھ اُسکے کہ نازل کیا گیا اوپر اُن کے جو ایمان لائے پہلے حصے دن کے
وَاكْفُرُوْۤا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝ ۷۲
اور انکار کرو پچھلے حصے اُسکے تاکہ وہ لوٹ آئیں

اور اہل کتاب کا ایک گروہ اپنے ساتھیوں کو یہ کہتا ہے کہ مومنوں پر جو کتاب نازل ہوئی ہے۔ تم اُس پر دن کے پہلے حصے میں ایمان لے آیا کرو۔ اور پچھلے حصے میں اُس کا انکار کر دیا کرو۔ تاکہ (تمہاری دیکھا دیکھی) مومن بھی قرآن کا انکار کرکے تمہاری طرف لوٹ آئیں۔

وَلَا تُؤْمِنُوْۤا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ ۗ قُلْ
اور نہ ایمان لاؤ مگر واسطے اُسکے جو اتباع کرے دین تمہارے کی کہو
اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ ۙ اَنْ يُّؤْتٰۤى اَحَدٌ مِّثْلَ
بیشک ہدایت اللہ کی ہدایت ہے کہ دی جائے کسی کو مانند اُس کے
مَاۤ اُوْتِيْتُمْ اَوْ يُحَآجُّوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ ۗ قُلْ
جو تم کو دیگئی یا وہ جھگڑنے میں تم سے تمہارے رب کے ہاں۔ کہ
اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ ۚ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۗ وَاللّٰهُ
بیشک فضل ہے قبضہ میں اللہ کے عطا کرتا ہے جسے عطا کرنا ہے قانون مشیت سے اور اللہ

نیز وہ (ایکدوسرے کو کہتے ہیں کہ) تم کسی کے دین پر ایمان نہ لاؤ سوائے اُسکے جو تمہارے دین کی پیروی کرے۔ (اے رسول) کہدیجیئیگا کہ ہدایت وہی ہے جو اللہ کیطرف سے ہو۔ (اے یہود! تمہاری حاسدانہ باتوں سے اللہ کی مشیت نہیں بدل سکتی) کہ جسطرح تمہیں کتاب دیگئی ہے اُسطرح کسی اور (یعنی بنی اسماعیل) کو نہیں دیجا سکتی۔ اور نہ تمہارے اِس خطرہ کے پیش نظر بھی) کہ وہ اللہ کے حضور تم سے جھگڑینگے (تمہیں انکارِ کتاب اللہ کا مجرم ٹھہرائینگے)، اللہ کی مشیت نہیں رُک سکتی کہ بنی اسماعیل کو کتاب دیجائے۔ اے رسول! کہدیجیئیگا کہ فضل

وَاسِعٌ عَلِيمٌ ۝۷۳
وسعت دینے والا بڑھکر جاننے والا

یعنی عطاء کتاب، اللہ کے اپنے قبضے میں ہے، جسے عطا کرتا ہے عطا کرتا ہے قانونِ مشیت کے مطابق حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ وسعت دینے والا بڑھکر جاننے والا ہے۔

يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَنْ يَشَاءُ ۗ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ۝۷۴
خاص کرتا ہے اپنی رحمت سے جسے دخاص کرنا ہے قانونِ مشیت سے اور بے اللہ تعالیٰ فضل بہت بڑے کا

وہ جسے چاہتا ہے نیت کے مطابق، اپنی رحمت کیلئے (نبوت کیلئے) مختص کر لیتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل والا ہے۔

نبوت وہبی ہے کسبی نہیں

• ملتلہ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ کے الفاظ میں فضل سے مراد کتاب و نبوت ہے۔ اور يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَنْ يَشَاءُ کے الفاظ میں فیصلہ دیا گیا ہے کہ نبوت وہبی ہے کسبی نہیں یعنی اللہ تعالیٰ کیطرف سے اُسکے اپنے انتخاب کے مطابق عطا کی جاتی تھی۔ خود محنت مشقت، ریاضت عبادت اور چلہ کشی وغیرہ کے ذریعہ حاصل نہیں کی جاسکتی تھی۔ حتیٰ کہ ہونیوالے نبی کو خبر تک نہیں ہوتی تھی کہ وہ نبی ہونیوالا ہے۔ جیسے کہ خود آنحضور سلام علیہ کو کہا گیا تھا۔ مَا كُنْتَ تَرْجُوا أَنْ يُلْقَى إِلَيْكَ الْكِتَابُ إِلَّا رَحْمَةً مِنْ رَبِّكَ ۲۸ = اے رسول آپ کو یہ امید نہیں تھی کہ آپ کی طرف کتاب نازل کی جائیگی۔ مگر یہ فضل آپ پر آپکے رب کی رحمت سے ہوا ہے۔

• نیز مَا كُنْتَ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ وَلَا الْإِيمَانُ ۴۲ کے متعلق واضح کرنا ضروری ہے کہ اس آیت میں جو یہ کہا گیا ہے کہ آپ کتاب اور ایمان کو نہیں جانتے تھے۔ اس سے آنحضرت کے متعلق یہ نظریہ قائم کرنا غلط ہے کہ آپ مطلقاً ان پڑھ تھے۔ حتیٰ کہ ایمان تک سے بھی واقف نہیں تھے۔ حالانکہ یہ بتایا گیا ہے کہ نبوت سے پیشتر آپکا قلب شیشے کیطرح شفاف تھا، جس میں کسی سابقہ کتاب اور کسی مروجہ ایمان کے غلط اثرات کا گزر تک نہیں تھا یعنی جس قلب پر قرآن نازل ہونیوالا تھا، وہ قرآن ہی کیلئے خالی رکھا گیا تھا۔

• سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں اس امر کی خبر دیگئی ہے کہ اہلِ کتاب کے بعض لوگ تو امین دین کے کھرے تھے، لیکن بعض اہلِ اسلام کی مخالفت میں اسقدر آگے بڑھ چکے تھے کہ وہ مسلمانوں کا مال کھا جانا حلال جانتے تھے۔

وَمِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مَنْ إِنْ تَأْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ
اور اہل کتاب سے وہ ہے اگر تو اُسے امانت دے کوئی خزانہ

يُؤَدِّهِ إِلَيْكَ ۚ وَمِنْهُمْ مَنْ إِنْ تَأْمَنْهُ بِدِينَارٍ
واپس کردے تجھے۔ اور اُن میں سے وہ ہے اگر تو اُسے امانت دے ایک دینار

لَا يُؤَدِّهِ إِلَيْكَ إِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَائِمًا ۗ ذَٰلِكَ
نہ لوٹائے تیری طرف سوائے اسکے کہ تو ہمیشہ اور اسکے رہے کھڑا۔ یہ

اور (اے رسول!) اہل کتاب میں سے بعض تو ایسا ہے کہ اگر آپ اُسے کوئی خزانہ بھی امانت کے طور پر دیدیں تو آپ کو واپس لوٹا دیگا۔ اور بعض ایسا ہے کہ اگر آپ اُسے صرف ایک دینار بھی امانت دیں تو وہ آپ کو اسوقت تک واپس نہیں کریگا جبتک آپ (تقاضے کیلئے) اسکے سر پر نہ کھڑے رہیں۔ اُن کا یہ دستور اسلئے ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ اُمیوں کا مال کھا جانے

بِاَنَّهُمۡ قَالُوۡا لَیۡسَ عَلَیۡنَا فِی الۡاُمِّیّٖنَ سَبِیۡلٌ ۚ اسلئے کہ بیشک وہ کہتے ہیں نہیں اوپر ہمارے بیچ اُمیوں کے کوئی راستہ وَیَقُوۡلُوۡنَ عَلَی اللّٰہِ الۡکَذِبَ وَهُمۡ یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۷۵﴾ اور وہ کہتے ہیں اوپر اللہ کے جھوٹ اور وہ جانتے ہیں	میں ہم پر کوئی حرج نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے ذمّہ جھوٹ باندھتے ہیں۔ حالانکہ وہ (حقوق العباد کو) جانتے ہیں۔ (کہ کسی قوم کو بھی کسی قوم کا مال کھانے کا حق ہرگز حاصل نہیں)

• اس آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ اہلِ کتاب نے اُمیّوں کی امانتیں کھا جانا اجتماعی طور پر جائز قرار دے رکھا ہے اگرچہ وہ ایک دینار بھی کیوں نہ ہو۔ کسی قوم میں معدودے چند افراد کا ایماندار ہونا یعنی امانتیں نہ کھانا قوم کے کیریکٹر یا کردار کی بلندی کا ثبوت نہیں ہوا کرتا۔ یہود کا مشترکہ عقیدہ یہ ہے کہ ہر حال میں اُنکی نجات ہو جائیگی:۔ لَنۡ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّاۤ اَیَّامًا مَّعۡدُوۡدَةً ۲/۲۴

مقامِ افسوس • جسطرح اہلِ کتاب مسلمانوں کا مال کھا جانا حلال جانتے ہیں اسیطرح خود مسلمانوں میں بھی یہی غلط نظریہ چل رہا ہے کہ کافروں کا مال کھا جانا حلال ہے۔ اور حقوق العباد کے اِس خداوندی قانون وَلَا تَاۡکُلُوۡۤا اَمۡوَالَ النَّاسِ بِالۡبَاطِلِ کو توڑنے کیلئے اہلِ کتاب نے تو اللہ تعالیٰ پر یہ جھوٹ باندھا ہے کہ اُنہیں اُمیوں کا مال کھانے کی اجازت خود اللہ نے دے رکھی ہے لیکن اِس سلسلے میں مسلمانوں نے بھی آنحضور سلامٌ علیہ پر بہتان باندھ رکھا ہے کہ اُنکے لئے کافروں کا مال کھانا آنحضور نے حلال فرمایا ہے۔ بخاری شریف جلد اوّل قرآن محل کراچی کے صفحہ ۲۲۲ پر آنحضور کیطرف منسوب کیا گیا ہے:۔

"عَنۡ اَنَسِ ابۡنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوۡلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ اُمِرۡتُ اَنۡ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰی یَقُوۡلُوۡا لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ فَاِذَا قَالُوۡهَا وَصَلَّوۡا صَلٰوتَنَا وَاسۡتَقۡبَلُوۡا قِبۡلَتَنَا وَاَكَلُوۡا ذَبِیۡحَتَنَا فَقَدۡ حَرُمَتۡ عَلَیۡنَا دِمَآؤُهُمۡ وَاَمۡوَالُهُمۡ
انسؓ ابنِ مالک روایت کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلعم نے فرمایا مجھے اُسوقت تک لوگوں سے جنگ کرنے کا حکم دیا گیا ہے جبتک لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ نہ کہدیں۔ پھر جب وہ یہ کہہ دیں اور ہمارے جیسی نماز پڑھیں، ہمارے قبلے کیطرف منہ کریں۔ اور ہمارا ذبیحہ کھائیں تو اُن کے خون اور مال ہم پر حرام ہو گئے"

معاذ اللہ! استغفر اللہ • اللہ تعالیٰ کے مقدس رسول جناب محمدِ عربی سلامٌ علیہ پر لَاۤ اِكۡرَاهَ فِی الدِّیۡنِ ۲/۲۵۶ کی مخالفت کا الزام، آنحضور پر کتب روایات کے لگائے ہوئے الزاموں میں سے ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انبیاء سلامٌ علیہم کی بعثت کی غرضِ عظیم ہی یہ تھی کہ کرۂ ارض کے ایک ایک فرد کے حقوق محفوظ ہو جائیں، خواہ عقیدہ کے لحاظ سے وہ کسی بھی مکتبِ فکر کا حامل کیوں نہ ہو۔

• سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں ایسے باطل نظریات کی تردید کیلئے اعلانِ عام کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کو پسند کرتا ہے، جو اللہ کے ساتھ کئے ہوئے وعدوں کو پورا کرتے ہیں۔ اور اُسکے قوانین کی مخالفت سے بچنے والے ہیں:۔

بَلٰی مَنۡ اَوۡفٰی بِعَهۡدِهٖ وَاتَّقٰی فَاِنَّ اللّٰہَ ہاں جو کوئی پورا کرتا ہے وعدہ اپنا اور بچتا ہے پس بیشک اللہ	ہاں (اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ قوم وہ ہے جو اُسکے ساتھ کئے ہوئے) اپنے وعدے کو پورا کرتی ہے۔ اور اُسکے قوانین کی مخالفت

یُحِبُّ الْمُتَّقِیْنَ ۝ ۷۶

پسند کرتا ہے بچنے والوں کو

سے بچتی ہے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کو پسند کرتا ہے جو اُسکے قوانین کی مخالفت سے بچنے والے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کیساتھ کیا ہُوا وعدہ

• آیت بالا کے متعلق سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کونسا وعدہ ہے، جو اللہ تعالیٰ کیساتھ کیا جاتا ہے اور جسکی وفا محبت الٰہی کا موجب بنتی ہے؟ جواباً عرض ہے کہ ربّ العزت نے سورہ فاتحہ میں مومنوں سے ذیل کے وہی سات وعدے لئے ہیں جو سابقہ اُمتوں سے اُنکی کتابوں میں لئے گئے تھے :۔

۲/۱۔ اللہ تعالیٰ کو ربّ العلمین ماننا۔ اور حصولِ نعماءِ خداوندی کیلئے، قوانینِ قدرت کے مطابق ہمیشہ کوشش کرتے رہنا۔ $\frac{1}{2-1}$

۳۔ قیامت کو برحق ماننا اور یقین رکھنا کہ قیامت کی عدالت میں ضرور ضرور باز پُرس ہوگی کہ نعماءِ خداوندی کو قیامِ ربوبیتِ عامہ کے ضمن میں، پوری نوعِ انسانی، یا کم از کم اپنی حدودِ ریاست میں مساوی تقسیم کا انتظام کیا تھا یا نہیں۔ $\frac{1}{3}$

۴۔ صرف اللہ تعالیٰ کو حاکمِ حقیقی تسلیم کرنا۔ اُسی کی فرمانبرداری کرنا۔ اور ہر مشکل میں صرف اُسی کو مشکلکشا اور حاجتروا جاننا اور صرف اُسی سے غائبانہ مدد طلب کرتے رہنا۔ غیر اللہ کو غائبانہ مدد کے اسباب پیدا کرنیوالا قرار نہ دینا۔ اور عبادت و استعانت کو متحدہ انداز میں صرف اللہ تعالیٰ کیلئے مخصوص رکھنا۔ $\frac{1}{4}$

۵۔ مذکورہ بالا چاروں نظریات کو صراطِ مستقیم جاننا اور خدا تعالیٰ سے اسی پر چلنے رہنے کی دعا کرتے رہنا۔ $\frac{1}{5}$

۶۔ اللہ تعالیٰ کو پورے عالمین کا رب ماننے، حصولِ نعماء کیلئے مسلسل کوشش کرتے، قیامت کی باز پُرس پر ایمان اور عبادت و استعانت کو خالص اللہ کیلئے مختص کرتے کو نبیوں کی راہ تسلیم کرنا۔ یعنی اس چیز پر ایمان رکھنا کہ یہی وہ سیدھی راہ ہے، جس پر اپنے اپنے وقت میں تمام نبی رسول چلتے رہے تھے۔ $\frac{1}{6}$

۷۔ انبیاء سلام علیہم کے متعلق عقیدہ رکھنا کہ وہ خدا تعالیٰ کے سو فیصدی فرمانبردار تھے۔ اُن پر اللہ تعالیٰ کا غضب کبھی نہیں ہوا تھا۔ کیونکہ اُنہوں نے خدا تعالیٰ کا راستہ کبھی گم نہیں کیا تھا۔ $\frac{1}{7}$

• یہ ہے سات پاکیزہ وعدوں کا مجموعہ جسمیں پورا اسلام مع عقائد و اعمال موجود ہے۔ اِن وعدوں کی وفا ہی محبتِ الٰہی کا موجب ہے اور اِن وعدوں کی مخالفت سے عملاً بچنے والے متقی ہیں۔ اور ایسے ہی لوگوں کو خدا تعالیٰ پسند کرتا ہے بسلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں اِن وعدوں کو دُنیا کے حقیر مال کے چند روزہ حصول کے عوض فروخت کرنیوالوں کو وعید سنائی گئی ہے :۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَیْمَانِهِمْ

بیشک جو لوگ بیچتے ہیں عہد اللہ کو اور اپنی قسموں کو

ثَمَنًا قَلِیْلًا اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ

بدلے مال حقیر کے وہ ہی ہیں کہ نہیں حصہ واسطے اُنکے بیچ آخرت کے اور

بلاشبہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کیساتھ کئے گئے وعدہ اور اپنی قسموں کو دُنیا کے حقیر مال کے بدلے بیچ دیتے ہیں۔ آخرت میں اُن کا کوئی حصہ نہیں ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ قیامت کو (نا ناراض ہوگا کر) اُن سے کلام تک نہیں کریگا۔ اور نہ اُن کی طرف

لَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا
نہ کریگا کلام اُن سے اللہ اور نہ دیکھے گا طرف اُنکی دن قیامت کے اور نہ

يُزَكِّيْهِمْ ۠ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ ۷۷
پاک کریگا اُنہیں اور واسطے اُنکے عذاب ہے دردناک۔

بنظر التفات دیکھیگا! اور نہ اُنہیں گناہوں سے پاکیزہ ٹھہرائیگا حقیقت یہ ہے کہ ان (ربوبیت عامہ کے منکروں) کیلئے دردناک عذاب ہے۔

• سلہ آخرت کا معنی انجام اور مستقبل بھی ہے۔ اسطرح لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ کا ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے عہد شکنی کرنیوالی قوموں کا مستقبل تباہ ہوجاتا ہے۔ اُن کی تجارت برباد ہوجاتی ہے۔ اور پوری قوم اقتصادی بدامنی کا شکار ہوکر رہ جاتی ہے۔ صحیح قیادت تک کی پیش نہیں جاتی کیونکہ قوم کی اکثریت بد دیانت ہوچکی ہوتی ہے۔

• اس سے اگلی آیت مجیدہ میں اہل کتاب کے متعلق بتایا گیا ہے کہ وہ اُس کتاب کو اللہ کی کتاب بتاتے ہیں، جو اللہ کی طرف سے نہیں آئی:-

وَاِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيْقًا يَّلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ
اور بیشک اُن میں سے ایک گروہ پیچ دیتے ہیں بالوں اپنی کو تم ایک کتاب کے

لِتَحْسَبُوْهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتٰبِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ
تاکہ تم گمان کرو اُسے اللہ کی کتاب میں سے اور نہیں وہ اللہ کی کتاب میں اور کہتے ہیں

هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى
کہ وہ طرف اللہ سے ہے اور نہیں وہ طرف اللہ سے اور وہ کہتے ہیں اُوپر

اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝ ۷۸
اللہ کے جھوٹ اور وہ جانتے ہیں۔

اور بیشک اہل کتاب میں ایک گروہ ایسا ہے جو (اپنی لکھی ہوئی) کتاب پیش کرکے، اپنی زبان کو اس طرح پیچ دیکر کلام کرتا ہے کہ تم اُس کتاب کو اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب کا حصّہ سمجھنے لگو۔ حالانکہ وہ اللہ کی کتاب کا حصّہ نہیں ہے یعنی وہ کہتے ہیں کہ یہ کتاب، اللہ کی طرف سے نازل شدہ ہے حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کیطرف سے نازل شدہ نہیں ہے۔ اور وہ اُس کتاب کو اللہ تعالیٰ کیطرف منسوب کرکے جھوٹ بولتے ہیں اور وہ جانتے ہیں (کہ وہ مُنزّل من اللہ نہیں ہے)۔

ہم مسلمان بھی یہود و نصاریٰ سے کم نہیں ہیں

• یہودیوں نے اپنی روایات کی کتاب تالمود کو منزّل من اللہ قرار دے رکھا ہے اور نصاریٰ نے چاروں انجیلوں کو خدا تعالیٰ کیطرف منسوب کر رکھا ہے، جو الگ الگ لوقا، متی، مرقس اور یوحنّا کی نازل کردہ ہیں۔ اور اُن چاروں کو ایک کتاب کہا جاتا ہے جسمیں مسیح کو اللہ، اور اللہ کو تین میں کا تیسرا بتایا گیا ہے لیکن اس سلسلے میں مسلمان بھی اُن سے پیچھے نہیں ہیں۔ انہوں نے روایات کی کم از کم چھ کتابوں کو وحی خفی کے نام سے منزّل من اللہ قرار دے رکھا ہے :- وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ = حالانکہ وہ خوب جانتے ہیں کہ روایات کی جملہ کتابیں نہ جبریل کی لائی ہوئی ہیں اور نہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کی ہوئی ہیں۔ بلکہ وہ سینکڑوں اور ہزاروں راویوں کیطرف سے نازل کردہ ہیں لیکن یہود و نصاریٰ سمیت سب لوگوں کے ایسے باطل نظریات کی تردید کردی گئی ہے کہ جملہ انبیاء کو صرف ایک ہی حکمت بھری کتاب دی جایا کرتی تھی۔ اور اللہ کے نبیوں کی یہ شان ہرگز نہیں تھی کہ وہ لوگوں سے اپنی عبدیت کرواتے بلکہ وہ اللہ کی کتاب کے ذریعہ لوگوں کو رب والے بناتے تھے۔ چنانچہ سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں ارشاد ہوا ہے :-

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ
نہیں لائق واسطے کسی بشر کے کر دے اُسے اللہ کتاب اور فیصلے کرنا

وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ
یعنی نبوت۔ پھر وہ کہے لوگوں کو ہو بندے میرے

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ
سوائے اللہ کے اور لیکن ہو رب والے بسبب اس کے ہو تم

تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ۝ ۷۹
پڑھتے کتاب اللہ کی اور بسبب اسکے ہو تم اُسی کا درس دیتے

کسی بشر کیلئے یہ لائق نہیں کہ اللہ تعالیٰ اُسے کتاب اور حکم یعنی قانون و نبوّت عطا فرمائے، پھر وہ لوگوں کو یہ کہے کہ تم اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ (یعنی میرا حکم مانو) بلکہ اُس کے لئے یہ لائق ہے کہ وہ یہ کہے کہ لوگو! رب والے بن جاؤ۔ (نظامِ ربوبیّت قائم کرو) اسلئے کہ تم اللہ کی کتاب کا علم حاصل کرتے اور اُسی کتاب کا درس دیتے ہو۔ (جو ربوبیّت عامہ کا درس دیتی ہے)

وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ
اور نہ وہ حکم کرے تم کو کہ ٹھہراؤ ملائکہ صفت بندوں نبیوں کو

اَرْبَابًا ۭ اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ ۸۰
حاجت روا۔ کیا وہ حکم کریگا تم کو کفر کا پیچھے اسکے کہ ہو تم مسلمان

ع ۱۴

اور اُسے یہ بھی لائق نہیں کہ تمہیں یہ حکم دے کہ تم ملائکہ صفت عباد الرحمٰن ۶۳/۲۵ اور نبیوں کو رب (حاجت روا) مان لو کیا (نبی کی یہ شان ہے کہ) اسکے بعد کہ تم مسلمان ہوچکے ہو تمہیں کفر کا حکم دے۔ (ہرگز نہیں)

● غور فرمائیں کہ آیاتِ بالا میں وضاحتًا بتا دیا گیا ہے کہ نبیوں کا کام کتاب اللہ کی تعلیم دینا : صرف اللہ تعالیٰ ہی کو مشکلکشا اور حاجت روا منوانا ہوتا تھا۔ وہ اپنے آپکو حاجت روا نہیں منواتے تھے نیز وہ ربوبیّت عامہ ہی کے داعی ہُوا کرتے تھے۔ اس وضاحت کے بعد اگلی آیت مجیدہ میں بنی اسرائیل سے لئے گئے ایک مخصوص وعدے کا ذکر کیا گیا ہے کہ اُنکے پاس جب بھی کوئی رسول آئے جو سابقہ کتابوں کی تصدیق کرے، تو اُن پر لازم ہے کہ وہ ضرور ضرور اُس پر ایمان بھی لائیں اور اُسکی تحریکِ ربوبیّت میں اُس کی ضرور ضرور مدد بھی کریں۔

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ
اور جب لیا اللہ نے وعدہ نبیوں کا بیشک جو دی میں نے تم کو

مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاۗءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ
کتاب اور دانائی۔ پھر اگر آئے پاس تمہارے کوئی رسول تصدیق کرنیوالا اُسکا

لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ۭ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ
جو ہے پاس تمہارے ضرور ایمان لاؤ گے ساتھ اسکے اور ضرور مدد کرو گے اُسکی کہا کیا اقرار کیا تم نے

وَاَخَذْتُمْ عَلٰي ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ ۭ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ۭ
اور پکڑا تم نے اُوپر اسکے عہد میرا۔ کہا انہوں نے اقرار کیا ہم نے

قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ۝ ۸۱
کہا پس گواہ رہو۔ اور میں ساتھ تمہارے ہوں گواہوں میں سے

اور وہ وقت قابلِ ذکر ہے جب اللہ نے (اپنے نبی کے ذریعہ بنی اسرائیل سے)[علہ] نبیوں کا عہد لیا کہ بیشک میں نے جو تمہیں کتاب حکمت عطا کی ہے پھر اگر تمہارے پاس کوئی رسول آئے جو اُس کتاب کی تصدیق کرنیوالا ہو جو تمہارے پاس ہے۔ تو تم اُس پر ضرور ضرور ایمان لاؤ گے اور ضرور ضرور اُس کی مدد کرو گے۔ (نیز) فرمایا کیا تم نے اقرار کیا۔ اور اس پر میرا عہد قبول کیا۔ انھوں نے کہا ہم نے اقرار کیا۔ فرمایا پس تم گواہ رہو کہ میں بھی تمہارے ساتھ (اس عہد کے) گواہوں میں سے گواہ ہوں۔

● علہ اللہ تعالیٰ نبیوں ہی کے ذریعہ عہد لیتا تھا۔ یہاں حضرت موسیٰ کا ذریعہ حذف ہے۔

ایک ضروری وضاحت

• واضح رہے کہ آیتِ بالا سے ماقبل مسلسل پندرہ آیتیں ۶۴ تا ۷۸، جو قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ سے شروع ہوتی ہیں، اور ان پوری آیتوں میں بنی اسرائیل ہی کا مسلسل تذکرہ چلا آرہا ہے، اس امر پر گواہ ہیں کہ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ ..... الخ میں مذکور عہد بنی اسرائیل سے لیا گیا تھا جو نبیوں پر ایمان لانے اور انکی مدد کرنے کے متعلق تھا۔ اسکے برعکس روایاتی تفاسیر و تراجم میں اِس آیت کا ایسا چیستانی معنی درج ہے، جسکا نہ سیاقِ کلام اور حقیقتِ حال ہی کیساتھ کوئی تعلق ہے۔ اور نہ ہی وہ مشاہدہ کی رُو سے ممکن العمل ہے۔ روایتی تفاسیر و تراجم میں آیتِ مجیدہ کا یہ معنی لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام نبیوں کو انکے پیدا ہونے سے پہلے جمع کرکے اُن سے نبی عربی سلامٌ علیہ کے متعلق یہ وعدہ لیا تھا، کہ جب وہ تمہارے پاس آئیں، اور تمہاری کتاب کی تصدیق کریں تو تم اُن پر ایمان لانا اور اُنکی مدد کرنا۔ آیتِ مجیدہ کا یہ روایتی معنی سرِ فہرست مشاہدہ کی رُو سے ہی سو فیصد غلط ہے۔ کیونکہ نہ رسولِ اکرم کسی بھی نبی کے پاس آئے تھے اور نہ کسی بھی نبی نے اُن کی مدد کی تھی۔ تو اسطرح جب آنحضور کی بعثت ہی تمام نبیوں کے بعد ہونیوالی تھی تو اس پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کیطرف سے انبیاء سلامٌ علیہم سے اِس ڈرامائی قسم کے عہد لینے کا فائدہ؟

یہ عہد بنی اسرائیل ہی سے لیا گیا تھا

• آیتِ مجیدہ کے الفاظ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ ۳/۸۱ کا بعض مفسرین نے مذکورہ قسم کا ڈرامائی معنی ہی لیا ہے۔ اور بعض نے صحیح مفہوم بھی لکھا ہے۔ یاد رہے کہ اس جملے میں مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ مضاف مضاف الیہ ہے اور اس کا معنی ہے نبیوں کا عہد۔ قواعد کی رُو سے اِس اضافت کے دو مفہوم ہیں:۔

۱۔ نبیوں سے لیا ہوا عہد۔ اور ۲۔ نبیوں کے متعلق لوگوں سے لیا ہوا عہد۔

• شاہ اشرف علی صاحب تھانوی۔ مولوی احمد علی صاحب لاہوری۔ مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری اور مولوی مقبول احمد صاحب شیعہ نے ذیل کے الفاظ میں پہلا معنی ہی لیا ہے، جو ہرگز صحیح نہیں:۔

• "اور جب کہ اللہ تعالیٰ نے عہد لیا انبیاء سے" (ترجمہ اشرف علی صاحب تھانوی)

• "اور جب اللہ نے نبیوں سے عہد لیا" (ترجمہ احمد علی صاحب لاہوری)

• "جب خدا نے ہر ایک نبی سے وعدہ لیا" (ترجمہ ثناء اللہ صاحب بحوالہ مواہب بروایت ابن عباسؓ حسن بصری، قتادہ)

• "اور جسوقت خدا نے پیغمبروں سے عہد لیا تھا" (ترجمہ مقبول احمد صاحب شیعہ)

لیکن شاہ عبدالقادر اور شاہ رفیع الدین صاحبان نے وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ کا صحیح معنی لکھا ہے:۔

• "اور جب لیا اللہ نے اقرار نبیوں کا" (ترجمہ شاہ عبدالقادر صاحب دہلوی)

• "اور جب لیا اللہ نے عہد پیغمبروں کا" (ترجمہ شاہ رفیع الدین صاحب دہلوی)

پیغمبروں کا عہد کس سے لیا گیا تھا؟

• اب رہا یہ سوال کہ جب قرآنی منشا اور مشاہدہ کیمطابق مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ کا مفہوم نبیوں سے لیا گیا عہد نہیں، بلکہ اُنکے متعلق دیا گیا عہد ہے تو یہ عہد کس سے لیا گیا تھا؟ اِسکی وضاحت پیچھے بھی کر دی گئی ہے کہ سیاقِ کلام کیمطابق یہ عہد بنی اسرائیل سے بذریعہ موسیٰ سلامٌ علیہ لیا گیا تھا۔

کیونکہ اس سے ماقبل پندرہ آیتوں میں مسلسل بنی اسرائیل کا ذکر چل رہا ہے جسمیں بالوضاحت بتایا گیا ہے کہ انکے بعض تو معاملات کے کھرے تھے لیکن بعض ایک چونی بھی لیکر واپس نہ کرنا حلال جانتے تھے ۳/۷۵۔ نیز وہ اللہ کے عہد کو حقیر مال کے عوض بیچ دیتے تھے ۳/۷۷۔ پس ربطِ کلام کی رُو سے یہ عہد بنی اسرائیل سے لیا گیا عہد ہے۔ چنانچہ شاہ عبدالقادر نے اس آیت کی تفسیر موضح القرآن میں بالآخر اسی چیز کا اقرار بالفاظِ ذیل کیا ہے :۔ "اللہ نے اقرار لیا نبیوں کا یعنی نبیوں کے مقدمہ میں بنی اسرائیل سے اقرار لیا۔ (مترجم نسخۂ قرآن اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ شائع کردہ انجمن خدام الدین لاہور صفحہ ۱۹۹ و مترجم نسخہ تاج کمپنی صفحہ ۹۶)

مزید غور فرمایئے

• یہاں تک آپ سمجھ چکے ہیں کہ اکثر تراجم نے جس عہد کو انبیاء سے لیا گیا بتایا ہے۔ وہ نبیوں سے نہیں بلکہ نبیوں سے متعلق بنی اسرائیل سے لیا گیا عہد تھا۔ آیت زیر بحث ۳/۸۱ میں دو جملے مزید ایسے ہیں جنہیں روائتی تراجم میں ٹھوکر کھائی گئی ہے۔ پہلا ہے لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ۔ اور دوسرا ہے ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ۔ پہلے جملے میں عطاءِ کتاب و حکمت کا مفعول انبیاء سلام علیہم کو ٹھہرا کر یہ مفہوم لیا گیا ہے کہ یہ عہد انبیاء ہی سے انکی پیدائش سے ماقبل لیا گیا تھا۔ حالانکہ کتاب و حکمت انبیاء کی معرفت عوام کو دیجاتی ہے۔ جیسے کہ پیچھے ۳/۲۳ میں عطاءِ کتاب کے متعلق بنی اسرائیل کو کہا گیا ہے وَمَآ اُوْتِيْتُمْ اور جو تم دیئے گئے۔ نیز ۲/۲۳۱ میں قرآن کے متعلق عوام کو کہا گیا ہے وَمَآ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ۔ اللہ تعالیٰ کی سنت ہی یہی ہے کہ وہ اپنی کتاب اپنے نبیوں کے ذریعہ ہی لوگوں کو دیتا ہے۔

علہ واضح رہے کہ آیت مجیدہ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ ۳/۸۱ میں انبیاء سے لئے گئے عہد کا ذکر ہرگز نہیں۔ کیونکہ نبیوں سے لئے گئے عہد کا ذکر قرآن مجید میں بالفاظِ ذیل موجود ہے :۔ وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ۝ لِّيَسْـَٔلَ الصّٰدِقِيْنَ عَنْ صِدْقِهِمْ وَاَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝ ۳۳/۷-۸ ۔ اور جب ہم نے نبیوں سے انکے الگ الگ زمانوں میں انکا (یعنی انکے فرائض منصبی کا) عہد لیا۔ اور اے رسول تجھ سے بھی اور نوح سے بھی (اور) ابراہیم اور عیسیٰ ابن مریم سے بھی اپنے اپنے وقت پر عہد لیا۔ یعنی سب سے پکا عہد لیا (کہ وہ ہماری رسالت کو لوگوں تک ضرور پہنچا دینگے) یہ اسلئے تاکہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن سچوں سے انکے سچ کے متعلق سوال کرے (انہیں جزا دے) اور جھوٹوں سے انکے جھوٹ کے متعلق سوال کرے) اور اللہ نے انکار کرنیوالوں کیلئے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

یہ ہے وہ عہد جو نبیوں سے لیا گیا تھا۔

• اب آیئے آیت مجیدہ کے جملہ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ کیطرف۔ اس جملہ میں لفظ رَسُوْلٌ نکرہ ہے۔ اور بنی اسرائیل سے عہد لیا گیا تھا کہ تمہارے پاس کوئی بھی رسول آئے تو تم اس پر ایمان لانا اور اسکی مدد کرنا۔ لیکن روائتی تراجم نے رسول سے رسول عربی مراد لے رکھا ہے صرف اس عجیب و غریب تصور کو صحیح ثابت کرنے کیلئے جو عملاً غلط ثابت ہو چکا ہے کہ نہ رسول کریمؐ کسی بھی نبیؑ کے پاس آئے تھے اور نہ کسی نبیؑ نے آپ کی مدد فرمائی تھی۔ اس جملے میں رسول کو نکرہ یعنی کوئی رسول، شاہ عبدالقادر صاحب اور شاہ اشرف علی صاحب نے بالفاظِ ذیل تسلیم کیا ہے :۔

• محترم تھانوی صاحب مرحوم لکھتے ہیں : "پھر تمہارے پاس کوئی پیغمبر آئے" (مترجم نسخہ قرآن مطبوعہ ملک دین محمد لاہور صفحہ ۹۴)

• اور شاہ عبدالقادر مرحوم نے لکھا ہے :- "پھر آوے تم پاس کوئی رسول" (مترجم نسخہ قرآن مطبوعہ تاج کمپنی صفحہ ۹۶)

• لیکن افسوس ہے کہ ان حضرت نے بھی رسُولٌ کا معنی اگرچہ کوئی رسول لکھا ہے۔ لیکن پھر مفہوم وہی بیان کیا ہے کہ اس آیت ۳/۸۱ میں نبیوں ہی سے لیئے گئے عہد کا ذکر ہے کہ تمہارے پاس رسول عربی آئیں تو ان پر ایمان بھی لانا۔ اور انکی مدد بھی کرنا۔ حالانکہ اس نام نہاد عہد کے متعلق بیان کیا جاچکا ہے کہ حقتعالیٰ اس حقیقت سے ہرگز بے خبر نہیں تھا کہ رسول اکرم تو کسی بھی نبی کی زندگی میں آنیوالے نہیں تھے۔ تو ان سے وہ ایسا بے معنی عہد کیوں لینے لگا تھا۔ جیسکا مشاہدۂ پردے کا آنا بالکل بالکل ناممکن تھا۔ نیز واضح رہے کہ جسطرح آیت زیر بحث ۳/۸۱ کا سیاق کلام بھی اسی امر کی وضاحت کرتا ہے کہ یہ عہد نبیوں سے نہیں، بلکہ نبیوں کے متعلق بنی اسرائیل سے لیا گیا تھا، اسیطرح اسکا سباق بھی اسی مفہوم کی تائید کرتا ہے :-

فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ
پھر جو کوئی روگردانی کرے پیچھے اسکے پس وہ لوگ وہی ہیں

الْفٰسِقُوْنَ ۸۲
حدیں پھاندنے والے

پھر اس (پختہ عہد) کے بعد جو لوگ روگردانی کرینگے، وہی تو اللہ تعالیٰ کی حدوں کو پھاندنے والے ہیں۔

• اس آیت مجیدہ میں مَنْ تَوَلّٰى کے الفاظ نے مطلقاً فیصلہ کر دیا ہے کہ ۳/۸۱ کا عہد ان لوگوں سے لیا گیا تھا۔ جن میں بعض تو ایسے تھے جو روگردانی، عہد شکنی کرنیوالے نہیں تھے لیکن بعض ایسے تھے جو روگردانی کرکے اللہ تعالیٰ کی حدوں کو توڑنیوالے تھے۔ اور یہ تصور جماعت انبیاء کے متعلق قابل قبول ہی نہیں کہ ان میں سے کچھ نبی عہد شکن بھی ہوسکتے تھے جنہیں معاذاللہ معاذاللہ فاسق کہا گیا ہو۔ بلکہ یہ عہد شکن بنی اسرائیل ہی تھے۔ جن کے متعلق اگلی آیت میں بتایا گیا ہے کہ وہ اسلام کے سوا کسی اور دین کے طلبگار ہیں :-

اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ
کیا پھر وہ غیر دین اللہ کا تلاش کرتے ہیں، حالانکہ واسطے اسکے فرمانبردار ہے

مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّاِلَيْهِ
جو ہے بیچ آسمانوں کے اور زمین کے خوشی سے اور ناخوشی سے اور طرف اسکے

يُرْجَعُوْنَ ۸۳
وہ لوٹ جاوینگے

کیا یہ (نبیوں سے متعلقہ لئے گئے عہد کو توڑنیوالے) اللہ کے دین کے سوا کسی اور دین کی تلاش کرتے ہیں۔ حالانکہ جو بھی جاندار آسمانوں اور زمین میں موجود ہیں، سب خوشی اور ناخوشی کیساتھ اُسی (کے طبعی قوانین) کے فرمانبردار ہیں۔ اور (حالت یہ ہے کہ) یہ (غیر اسلام دین کے طلبگار) اعمال کی جوابدہی کیلئے اُسی کیطرف لوٹائے جائینگے۔

• آیت بالا میں زمانۂ رسالت کے بنی اسرائیل کے متعلق جو اپنے آباؤ اجداد سمیت انبیاءؑ سے متعلقہ عہد کو توڑنیوالے تھے، وضاحتاً بتادیا گیا ہے کہ وہ دین اسلام کی پابندیوں کو قبول نہیں کرتے تھے۔ اور کسی ایسے دین کی تلاش میں تھے جسمیں ایسی پابندیاں موجود نہ ہوں۔ نیز اس آیت میں انبیاءؑ سے متعلقہ عہد کی وضاحت کردیگئی ہے کہ ان پر ایمان لانے اور انکی مدد کرنے کی عملی صورت یہ ہے

کہ اُنکے لائے ہُوئے دین کو جو اُنکی کتابوں میں ہوتا تھا، قبول کیا جائے۔ اُن کتابوں پر اسطرح عمل کیا جائے جسطرح جملہ ذی حیات (طبعی قوانین کی زنجیروں میں جکڑے ہُوئے) اُسکے سو فیصدی فرمانبردار ہیں۔ چنانچہ سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں خود آنحضور سلام علیہ اور آپکے صحابہؓ کے متعلق خبر دیگئی ہے کہ وہ جملہ انبیاء کی کتابوں پر ایمان لا چکے تھے۔

قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ
کہہ ایمان لائے ہم ساتھ اللہ کے اور اُسکے جو نازل ہوا اوپر ہمارے اور جو نازل ہوا

عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ
اوپر ابراہیم کے اور اسماعیل کے اور اسحاق کے اور یعقوب کے اور اُن کی اولاد کے

وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۖ لَا
اور جو دیا گیا موسیٰ اور عیسیٰ کو اور تمام نبیوں کو اُنکے رب کیطرف سے نہیں

نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۖ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۸۴
ہم فرق کرتے درمیان کسی ایک کے اُن میں اور ہیں ہم واسطے اُسکے فرمانبردار

(اے رسولؐ!) کہدیجیئے کہ (میں اور میرے پیروکار) ہم سب اللہ پر ایمان لائے۔ اور جو کتاب ہم پر نازل ہُوئی ہے اُس پر ایمان لائے ہیں۔ اور جو کتابیں ابراہیمؑ پر، اسمٰعیلؑ پر، اسحاقؑ پر، یعقوبؑ پر، اور اولادِ یعقوبؑ پر نازل ہُوئی تھیں، اور جو کتابیں موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو، اور جملہ انبیاء کو اُنکے رب کی طرف سے دیگئی تھیں سب پر ایمان لائے ہیں۔ ہم اِن رسولوں میں سے کسی ایک میں بھی فرق نہیں کرتے۔ ہم سب اُس (اللہ ہی) کے فرمانبردار ہیں۔

● دیکھئے! اِس آیت میں وضاحت کر دیگئی ہے کہ جملہ انبیاء کو دینِ اسلام ہی دیا گیا تھا، وہ اُن کی کتابوں میں محفوظ تھا جو کتابیں بائیبل کے نام سے اسوقت موجود ہیں، اُن کے متعلق قرآن کریم نے خبر دی ہے کہ اہلِ کتاب نے اُن میں تحریف کر رکھی ہے اور بدستور تحریف کرتے چلے جا رہے ہیں، جیسے کہ ہر ایڈیشن سابقہ ایڈیشن سے مختلف ہوتا ہے:۔ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ۔ پس حفاظتِ خداوندی کے مطابق تحریف سے مبرا صرف قرآن کریم ہے:۔ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝ $\frac{9}{15}$ پس اللہ تعالیٰ کا خالص دینِ اسلام اِسوقت صرف قرآن کریم میں محفوظ ہے۔ اور یہی وہ دینِ خالص ہے، جو سابقہ انبیاء کی کتبِ مقدسہ میں نازل ہُوا تھا۔ اِنَّهٗ لَفِيْ زُبُرِ الْاَوَّلِيْنَ ۝ $\frac{196}{26}$ نیز فرمایا۔ اِنَّ هٰذَا لَفِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ۝ صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى ۝ $\frac{87}{18-19}$۔

● اِسی دین کو جو سابقہ صُحف میں تھا، جو اسوقت قرآن کریم میں محفوظ ہے، دینِ اسلام کہا ہے، اور اسی کے متعلق ارشاد ہُوا ہے:۔

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ
اور جو کوئی تلاش کریگا سوا اسلام کے کوئی دین پس ہرگز نہیں قبول ہوگا

مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ ۸۵
اُس سے۔ اور وہ ہوگا بیچ آخرت کے گھاٹا پانے والوں سے

اور جو کوئی بھی (اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ دین) اسلام کے سوا کوئی اور دین تلاش کریگا۔ پس وہ اُس سے ہرگز ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔ اور وہ آخرت میں خسارہ پانے والوں میں سے ہوگا۔

• اگلی آیت مجیدہ میں عام اصول بتا دیا گیا ہے کہ جو لوگ آنحضورؐ پر ایمان لانے کے بعد انکار کر دیں، انہیں اللہ تعالیٰ ہدایت یافتہ نہیں ٹھہراتا:-

كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ
کسطرح ہدایت کرے اللہ اُس قوم کو کہ کفر کیا اُنہوں نے بعد ایمان اپنے کے

وَشَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّجَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ
اور گواہی دی کہ بیشک رسول عربی سچے ہیں اور آئی اُن کے پاس واضح دلیلیں

وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ ۸۶
اور اللہ نہیں ہدایت کرتا قوم ظالموں کو۔

اللہ تعالیٰ اُس قوم کو کسطرح ہدایت یافتہ ٹھہرائے (یعنی اُسے ہرگز ہدایت یافتہ نہیں ٹھہرائیگا) جس نے ایمان لانے کے بعد انکار کر دیا حالانکہ اُنہوں نے گواہی دی کہ بلاشبہ رسولِ عربی سچے رسول ہیں اور اُنکے پاس ہماری واضح دلیلیں بھی آئیں؛ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بے ٹھکانہ کام کرنیوالوں کو ہدایت یافتہ ٹھہراتا ہی نہیں۔

اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَ
یہی وہ لوگ ہیں کہ بدلہ اُنکا ہے یہ کہ اوپر اُنکے ہے بیزاری اللہ کی اور

الْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ۝ ۸۷
ملائکہ کی اور لوگوں کی سب کی۔

یہ وہ لوگ ہیں کہ (قیامت کے دن) اُن سے اللہ تعالیٰ بھی بیزار ہوگا۔ نیز اُسکے رسول بھی بیزار ہونگے اور جملہ (نیک لوگ) بھی بیزار ہونگے۔ • ملٰئکہ یعنی نیک لوگ۔ سورہ یوسف میں حضرت یوسف کیلئے مَلَكٌ كَرِيْمٌ ۱۲ کا لفظ آیا ہے۔ ملائکہ یعنی رسل بھی ہیں۔

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا
ہمیشہ رہنے والے ہیں بیچ اُسکے۔ نہ ہلکا کیا جائیگا اُن سے عذاب اور نہ

هُمْ يُنْظَرُوْنَ ۝ ۸۸
وہ مہلت دیئے جائینگے

وہ اللہ تعالیٰ کی بیزاری میں ہمیشہ رہینگے۔ اُن سے عذاب کبھی ہلکا نہیں کیا جائے گا۔ اور نہ ہی اُنہیں ڈھیل دی جائے گی۔

اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے بچنے کا ذریعہ صرف توبہ اور اصلاح ہے

• اگلی آیت مجیدہ میں ایسے لوگوں کیلئے باریتعالیٰ کی بیزاری اور عذاب سے بچنے کا یہ ذریعہ بتایا گیا ہے کہ ضابطۂ الٰہی اور آنحضورؐ کی رسالت کے انکار سے توبہ کریں اور اپنی اصلاح کر لیں۔

اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۣ
سوائے اُنکے جو توبہ کریں بیچھے اِسکے اور اپنی اصلاح کر لیں

فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ ۸۹
تو بیشک اللہ معاف کرنیوالا مہربان ہے

سوائے اُن لوگوں کے جو مذکورہ بالا جرم (یعنی ایمان لانے کے بعد کفر کیا) تو اُس کے بعد توبہ کریں۔ (یعنی پھر ایمان لائیں) اور (ضابطۂ الٰہی کے عین مطابق اپنی اصلاح کر لیں۔ تو پھر اُن کیلئے بلاشبہ اللہ تعالیٰ معاف کرنیوالا مہربان ہے

قتلِ مرتد کا نظریہ غیر قرآنی ہے

• آیت بالا سے ثابت ہوتا ہے کہ کوئی شخص مسلمان ہونے کے بعد پھر کافر ہو جائے تو اُس کیلئے پھر بھی ایمان لانے کی گنجائش موجود ہے۔ لیکن کتب روایات کا کہنا یہ ہے کہ جو شخص ایک مرتبہ مسلمان ہونے کے بعد کافر ہو جائے وہ مرتد ہے، اور واجب القتل ہے۔ حالانکہ اگر روائتی نظریہ کے مطابق مرتد کو قتل

کر دیا جائے تو اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ وَ اَصْلَحُوْا کا خداوندی اعلان معہ اگلی آیت ذیل بیکار محض ثابت ہوتا ہے :-

اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِیْمَانِهِمْ
بیشک جو لوگ انکار کریں بعد ایمان لانے اپنے کے
ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ ۚ
پھر زیادہ ہو جائیں انکار کی رُو سے ہرگز نہیں قبول ہوگی توبہ اُنکی
وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الضَّآلُّوْنَ ۝۹۰
اور وُہی تو ہیں گمراہ ہونے والے

بیشک جو لوگ ایمان لانے کے بعد کافر ہو جائیں، پھر (اگر وہ توبہ اور اصلاح نہ کریں اور) کفر ہی میں ترقی کرتے چلے جائیں۔ (حتّٰی کہ اُن کی موت کا وقت آجائے تو) اُنکی توبہ ہرگز ہرگز قبول نہیں ہوگی (۹۰) ایسی لوگ تو گمراہ ہیں۔

• سورۂ نساء میں یہ مغالطہ بھی دُور کر دیا گیا ہے کہ صرف ایک مرتبہ ایمان لانے کے بعد کُفر کرنے سے توبہ مردود نہیں ٹھہرتی بلکہ متعدد بار ایمان لانے اور کُفر کرنے پر بھی توبہ کا دروازہ کُھلا رہتا ہے۔ عدم قبولیت توبہ کا فتویٰ اُسوقت کیلئے ہے، جب کوئی شخص کُفر کرنے کے بعد پھر کُفر ہی میں ترقی کرتا چلا جائے:- اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّمْ یَكُنِ اللّٰهُ لِیَغْفِرَ لَهُمْ وَ لَا لِیَهْدِیَهُمْ سَبِیْلًا ؕ ۴/۱۳۷

• دیکھئے اِس آیت مجیدہ میں وضاحت کر دی گئی ہے ایک مرتبہ کے ایمان لانے اور کُفر کرنے سے عدم مغفرت کا فتویٰ صادر نہیں ہوتا بلکہ لَاۤ اِكْرَاهَ فِی الدِّیْنِ ۲/۲۵۶ کے مطابق دینی آزادی ہر حال میں قائم رہتی ہے۔ خواہ کتنی مرتبہ ایمان لائے اور کتنی مرتبہ کفر کرے۔ ایسے لوگوں کی سزا قتل نہیں بلکہ عدم اعتماد ہے۔ اسلامی ریاست میں ایسے لوگوں پر کڑی نظر رکھی جائیگی۔ عدم مغفرت کا فتویٰ اُس پر لگتا ہے جو کفر کرنے کے بعد پھر کُفر ہی میں ترقی کرتا چلا جائے، اور تادمِ مرگ کُفر ہی پر اڑا رہے۔ بسلسلۂ درس کی آیت بالا میں لَنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ موت کے وقت کیلئے کہا گیا ہے جیسے کہ ۴/۱۸ میں عدم قبولیت توبہ کا وقت بتایا گیا ہے موت کا وقت:- وَ لَیْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السَّیِّاٰتِ ۚ حَتّٰۤى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّیْ تُبْتُ الْـٰٔنَ وَ لَا الَّذِیْنَ یَمُوْتُوْنَ وَ هُمْ كُفَّارٌ ؕ ۴/۱۸ :- اُن لوگوں کیلئے توبہ نہیں ہے جو بُرے اعمال بجالاتے ہیں حتّٰی کہ اُن میں سے کسی پر موت کا وقت آجائے اور وُہ کہے کہ میں اب توبہ کرتا ہوں اور نہ اُن لوگوں کیلئے توبہ ہے جو مر جائیں اور وہ کافر ہوں ـــ دیکھئے یہاں وضاحت کر دی گئی ہے کہ عام بدعمل ہو یا کافر جب موت کا وقت آجائے تو پھر کسی کی بھی توبہ قبول نہیں ہوتی۔ لہذا قتل مُرتد کا نظریہ مطلقاً غیر قرآنی اور دوبارہ سہ بارہ ایمان لانے کے وہ مواقع چھین لینے کے مصداق ہے، جو اُسے قرآن کریم نے عطا کئے ہیں۔ پس عدم قبولیتِ توبہ کا وقت ایک مرتبہ ایمان لانے کے بعد انکار کرنے کا وقت نہیں، بلکہ موت کا وقت ہے۔ ایسے لوگوں کیلئے سلسلۂ درس کی اگلی آیت میں ارشاد ہُوا ہے :-

اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَ مَاتُوْا وَ هُمْ كُفَّارٌ
بیشک جو لوگ انکار کریں اور مر جائیں حالانکہ وہ کافر ہوں

بیشک جو لوگ کفر کریں اور وُہ اِس حالت میں مر جائیں۔ کہ وہ بدستور کافر ہوں۔ تو (قیامت کے دن) اُن میں سے

فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَهَبًا
تو ہرگز نہ قبول کیا جائیگا اُن میں سے کسی ایک سے بھی زمین بھر سونا
وَّلَوِ افْتَدٰى بِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ
اگرچہ فدیہ دے ساتھ اسکے یہی لوگ ہیں کہ واسطے انکے ہے عذاب دردناک اور
وَّمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ۹۱ ع
نہیں واسطے اُن کے کوئی مددگار

کسی ایک سے بھی زمین بھر سونا بھی قبول نہیں کیا جائیگا۔ اگرچہ وہ اسے فدیہ کے طور پر پیش کرے۔ یہی وہ لوگ ہیں کہ اُنکے لئے دردناک عذاب ہے اور اُن کا کوئی بھی مددگار نہیں ہوگا۔

• ضابطۂ الٰہی قرآنِ کریم کا انکار کرنیوالوں، اور اُس پر تادمِ مرگ قائم رہنے والوں کیلئے قیامت کے دردناک عذاب کی خبر دینے کے بعد، اگلی آیت مجیدہ میں مومنوں کو مخاطب کر کے یہ کہا گیا ہے کہ تم بھی صرف زبانی ایمان لانے سے قیامت کی عدالت میں کامیاب نہ ہو سکوگے۔ جب تک ہمارے نازل کردہ ضابطے پر عمل نہ کرو۔ اور اِسے جاری کرنے کے لئے اپنی عزیز ترین چیز تک خرچ نہ کردو:-

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا
ہرگز نہ پہنچوگے تم بھلائی کو حتیٰ کہ خرچ کرو اُس سے کہ
تُحِبُّوْنَ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ۹۲
محبت کرتے ہو تم اور جو تم خرچ کرتے ہو کوئی چیز۔ تو بیشک اللہ اسے خوب جاننے والا ہے

(ایمان والو) تم اُسوقت تک بھلائی کو ہرگز ہرگز نہیں پہنچوگے۔ جبتک اُس چیز میں سے نہ خرچ کرو جس سے تم محبت کرتے ہو۔ اور جو کچھ تم خرچ کروگے اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے (کہ تم اپنی پسندیدہ چیزیں خرچ کرتے ہو یا ناکارہ اور بوسیدہ)۔

• اِس سے اگلی آیت مجیدہ میں پھر بنی اسرائیل کیطرف رُخ کیا گیا ہے۔ اور اُنکے ایک مخصوص اعتراض کا جواب دیا گیا ہے:۔
• گزشتہ آیت نمبر ۸۳ میں بنی اسرائیل کے متعلق خبر دگئی ہے کہ وہ اسلام کے سوا کسی اور دین کے متلاشی تھے یعنی اُنہوں نے تورٰۃ کے سوا دیگر کتابوں کو دین کا ماخذ قرار دے دیا ہُوا تھا۔ اور اسطرح حِلّت و حُرمت تک کے مسائل میں بھی تحریفِ تورٰۃ کے مرتکب ہو چکے ہُوئے تھے۔ کچھ حلال چیزوں کو اُنہوں نے از خود حرام قرار دے لیا تھا۔ اور اِس خود ساختہ حُرمت کو نبیوں کی سُنّت بتاتے تھے۔ جیسے کہ حضرتِ یعقوبؑ بعض چیزیں اِسلئے نہیں کھاتے تھے کہ وہ اُن کے مزاج کے موافق نہیں تھیں۔ لیکن بنی اسرائیل نے بعد کے زمانے میں سُنّتِ یعقوبؑ کے نام سے اُن چیزوں کو مستقل طور پر اپنے اوپر حرام ٹھہرا لیا تھا۔ چنانچہ اگلی آیت مجیدہ میں اِسی چیز کی خبر دگئی ہے کہ تورٰۃ مقدس میں تمام حلال کھانے بنی اسرائیل کیلئے حلال تھے۔ حضرتِ اسرائیل، یعنی یعقوب سلام علیہ نے نزولِ تورٰۃ سے پہلے بعض چیزیں اپنے اختیار و سُنّت کے طور پر نہیں۔ بلکہ ناموافقتِ مزاج کی بدولت اپنے لئے حرام ٹھرائی ہوئی تھیں:۔

كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِیْٓ اِسْرَآءِيْلَ
تمام کھانے تھے حلال واسطے بنی اسرائیل کے
اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِيْلُ عَلٰى نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ
مگر جو حرام کیا اسرائیل نے اپنی جان پر پہلے اِس سے کہ نازل ہوئی

(تورٰۃ مجیدہ میں) بنی اسرائیل کیلئے تمام (قرآنی حلال) کھانے حلال ٹھہرائے گئے تھے۔ اور اسرائیلؑ نے (یعنی یعقوبؑ نے کچھ کھانے ناموافقتِ مزاج کی بدولت) اپنے اُوپر نزولِ تورٰۃ سے پہلے حرام کئے ہُوئے تھے۔ (اسطرح حضرتِ

التَّوْرٰىةُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَآ
تورات ، کہہ پس لاؤ تورات پھر پڑھو اس کو
اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ ۹۳
اگر ہو تم سچے

یعقوبؑ کا کچھ کھانوں کو اپنے اوپر حرام ٹھہرانا حلّت و حُرمت کے ربّانی حکم میں حائل نہیں ہو سکتا۔ قانون وُہی ہے جو توراۃ میں نازل کیا گیا تھا)۔ اے رسولؐ (آپ حلّت و حُرمت کی تصدیق کیلئے بنی اسرائیل سے) کہیئے کہ اگر تم سچے ہو تو اصل توراۃ لاؤ اور اُسے پڑھو۔

اللہ کے قانون میں انبیاء کا کوئی دخل نہیں

آیت بالا میں وضاحتاً بتا دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قانون توراۃ میں موجود تھا۔ حضرتِ یعقوبؑ کا بوجہ عدم موافقت مزاج کسی چیز کو اپنے لئے حرام ٹھہرالینا، سُنّتِ رسول کے نام سے بھی کوئی قانونی حیثیت نہیں رکھتا۔ جیسے کہ ارشادِ باری ہے کہ اللہ کے دین (قانون) میں حکم صرف اللہ تعالیٰ کا ہے :-

- اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ۶/۵۷ + ۱۲/۴۰ + ۱۲/۶۷ = اللہ کے سوا کسی کا حکم ہے ہی نہیں — حتّٰی کہ خود آنحضورؐ کو مطلع کیا گیا ہے۔
- لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ ۳/۱۲۸ = اے رسولؐ ہمارے حکم میں آپکا (بھی) کوئی حصہ نہیں۔
- اگلی آیت مجیدہ میں اللہ تعالیٰ کے ذمہ افتریٰ باندھکر سُنّتِ رسولؐ کے نام سے قوانینِ الٰہیہ میں ردّ و بدل کرنے والوں کے متعلق ارشاد ہوا ہے :-

فَمَنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ
پھر جو باندھے اوپر اللہ کے جھوٹ پیچھے اس کے
فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ ۹۴
پس وُہی تو ظالم ہیں

مذکورہ بالا تفصیل کے بعد (کہ قانونِ الٰہی میں انبیاء کا کوئی حصہ نہیں) پھر جو لوگ اللہ پر جھوٹ باندھینگے (کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کو تقنینی اختیارات دے رکھے ہیں) پس وُہی تو ظالم ہیں۔

علہ ظلم کا معنٰی ہے بے ٹھکانہ کام کرنا۔ ایک کی چیز کو دوسرے کو سونپ دینا۔ اِسطرح الٰہی اختیارات کو اُس کے رسولوں کی طرف منسوب کرنا بھی بے ٹھکانہ کام یعنی ظلم ہے۔

- اِس سے اگلی آیت مجیدہ میں رسولِ اکرمؐ کی زبانی اقرار لیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے کہ قانون صرف اللہ کا ہے اُس میں ردّ و بدل کا کوئی نبی بھی مجاز نہیں۔ نیز اگلی آیت مجیدہ میں حضرتِ ابراہیمؑ کے متعلق اعلان کیا گیا ہے کہ وُہ کبھی اللہ کے کسی حکم میں اپنا کوئی حکم شریک کرنیوالے نہیں تھے۔ ایمان والو! تم بھی ابراہیمؑ حنیف کی راہ اختیار کرتے ہوئے شرک فی الحکم سے بچتے رہو:-

قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ ۫ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ
کہہ سچ فرمایا ہے اللہ نے پس پیروی کرو طریقے ابراہیمؑ

کہہ دیجیئے (اے رسولؐ!) اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے (کہ اللہ کے قانون میں کوئی حصہ دار نہیں۔ یہی دین ابراہیمؑ

(ناقبل تحریف)

حَنِيۡفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ ۝ ۹۵

مخلص کی ۔ اور وہ نہیں تھا شرک کرنیوالوں سے

حنیف تھا) پس ایمان والو! اُسی دین کی پیروی کرو جس کے ہر دینِ باطل سے کٹ کر دینِ حق کیطرف جھکنے والے ابراہیمؑ پیروکار تھے ۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ (احکام الٰہی میں کسی اور کا حکم شامل کرکے) شرک فی الحکم کرنیوالوں میں سے ہرگز نہیں تھے ۔

● آیت بالا میں چونکہ حضرت ابراہیمؑ کا ذکر آیا ہے ۔ اسلئے اس مطابقت کے لحاظ سے اگلی آیت مجیدہ میں اُس مرکزی مقام کا ذکر، اُسکی اہمیت اور اُسکے متعلقہ احکام دیدیئے گئے ہیں، جسے حضرت ابراہیمؑ از سرِ نو آباد فرمایا تھا، یعنی بیت اللہ شریف۔ جو پوری نوعِ انسانی کے امن کی ضمانت کے علمبردار کی حیثیت سے آجتک مکہ معظمہ میں موجود ہے ۔ اور قیامت تک موجود رہے گا ۔

اِنَّ اَوَّلَ بَيۡتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِىۡ بِبَكَّةَ

بیشک وہ پہلا گھر جو ٹھہرایا گیا لوگوں کیلئے البتہ وہ مکہ میں ہے

مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلۡعٰلَمِيۡنَ ۝ۚ ۹۶

با برکت اور ہدایت واسطے عالمین کے

بلاشبہ پہلا گھر (آدینِ مرکزی مقام)، جو لوگوں (کے نام ہدایت نامے جاری کرنے) کیلئے وضع کیا گیا تھا وہ مکہ معظمہ میں ہے برکت والا، اور دنیا بھر کے لوگوں کیلئے (امن کے ہی) ہدایت نامے جاری کرنے کا مرکز ٹھہرایا گیا ہے ۔

● اس سے اگلی آیت مجیدہ سے سابقہ مترجمین نے ایک ایسی ٹھوکر کھائی ہے کہ مسئلے کی حقیقت ہی مطلقاً بدل گئی ہے ۔ یعنی بیت اللہ شریف کو صرف زیارت گاہ بنا کر رکھ دیا ہے ۔ اور حج کو صرف زیارت کا سفر ۔ حالانکہ حقیقتِ حال اسکے بالکل برعکس ہے ۔

فِيۡهِ اٰيٰتٌ ۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبۡرٰهِيۡمَ ۚ وَمَنۡ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ؕ

بیچ اسکے ہیں نشانیاں کھلی مقام ابراہیم کا ۔ اور جو داخل ہوا اسمیں ہوا امن

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الۡبَيۡتِ مَنِ اسۡتَطَاعَ اِلَيۡهِ

اور ہے واسطے اللہ کے اوپر لوگوں کے لازم ارادہ کرنا اللہ کے گھر کا جو پاوے طاقت طرف اسکی

سَبِيۡلًا ؕ وَمَنۡ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِىٌّ عَنِ الۡعٰلَمِيۡنَ ۝ ۹۷

راہ کی ۔ اور جو کوئی انکار کرے تو اللہ بے محتاج ہے لوگوں سے

ہدایتِ عالمین کے اِس مرکز میں اُس ابراہیمؑ کا ایک نظام ہے ۔ (جو ہر دینِ باطل سے کٹ کر دینِ حق کی طرف جھکنے والا تھا) اور جو شخص بھی اِس نظام میں داخل ہوا وہ امن پانیوالا ہوا ۔ اور جو اس مرکز تک پہنچنے کی طاقت پاوے، اُس پر لازم ہے ارادہ کرنا اللہ کے گھر کا خالص اللہ کیلئے (یعنی عوام کی بھلائی کیلئے)[1] اور جو کوئی اِسکی مرکزیت کا انکار کریگا (اُسکا اپنا نقصان ہوگا)۔[2] اللہ تعالیٰ لوگوں کے اقرار و انکار سے بے نیاز ہے۔

● [1] حج نوعِ انسانی کی بھلائی کیلئے ایک سالانہ عالمی پروگرام ہے ۔ اگرچہ یہ مفہوم حج کے عمومی مفہوم سے مختلف ہے، لیکن اس پر سورۂ حج کی آیت ذیل گواہ ہے ۔

لِيَشۡهَدُوۡا مَنَافِعَ لَهُمۡ ۲۲/۲۸ = تاکہ لوگ (بیت الحرام کے عالمی مرکز میں) اپنے فائدوں کیلئے حاضر ہوا کریں۔

● [2] سلسلۂ درس کی آیت بالا ۳/۹۷ کے آخر میں وضاحت کردی گئی ہے کہ جو فرد یا قوم اس عالمی مرکز کا انکار کریگی، وہ اللہ تعالیٰ کا کچھ نہ بگاڑ سکیگی بلکہ خود ہی امن کی نعمتِ عظمیٰ سے محروم ہو جائیگی ۔ اللہ تعالیٰ کے اس بیان پر کرۂ ارض کا چپہ چپہ گواہ ہے کہ بیت اللہ کی

مرکزِ بیت کے مقابلے پر جنیوا اور نیویارک کو عالمی مرکز قرار دیکر پوری دنیا کو فتنہ و فساد کا جہنم بنا کر رکھدیا گیا ہے۔ واضح رہے کہ امنِ عالم کا اصل علمبردار ضابطۂ خداوندی ہے جو قرآن کریم سے پہلے توراۃ وانجیل وغیرہ کتبِ الٰہیہ میں محفوظ تھا۔ بیت اللہ کا عالمی مرکز بھی ضابطۂ خداوندی کے نفاذ کے ذریعہ ہی امن کا ضامن ہے جس کی ایک ایک شق پر عمل کرنا ضروری ہے۔ چونکہ بنی اسرائیل نے ضابطۂ الٰہی ہی سے رُوگردانی کر رکھی تھی اسلئے اگلی آیت میں اُنہی کو مخاطب کیا گیا ہے۔ جن کی ضابطۂ الٰہی کی مخالفت کی رُو سے یہ حالت تھی کہ حضرتِ یعقوبؑ نے جو چیز عدم موافقتِ مزاج کی بدولت اپنے اُوپر حرام کر رکھی تھی۔ اُنہوں نے اُسے سُنّتِ پیغمبر قرار دیکر سب پر حرام ٹھہرا لیا ہُوا تھا۔ اور اسطرح توراۃ مقدس کے احکام کو پسِ پشت پھینک دیا تھا۔ چنانچہ اُنہی کے متعلق آنحضور کو حکم ہوتا ہے:۔

قُلْ يَاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ
کہدیجیئگا! اے اہلِ کتاب! کیوں کرتے ہو انکار ساتھ آیتوں

اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا تَعْمَلُوْنَ ۝ ۹۸
اللہ کے۔ حالانکہ اللہ گواہ ہے اُس پر جو بھی عمل تم کرتے ہو

اے رسولؐ! کہدیجیئگا کہ اے اہلِ کتاب تم اللہ کی آیتوں کا کیوں انکار کرتے ہو۔ (یعنی تمہارا عمل کتاب اللہ کے خلاف کیوں ہوگیا ہے، جانتے رہو کہ) جو بھی عمل تم کرتے ہو، اللہ تعالیٰ اُنکا خود بھی گواہ ہے۔ (اسلئے تم اپنے عملوں کی سزا سے بچ نہ سکوگے)۔

● اہلِ کتاب میں سے جو لوگ آنحضورؐ اور ضابطۂ قرآنی پر ایمان لاتے تھے، مذکورہ لوگ انہیں اس سے روکتے تھے۔ چنانچہ اگلی آیتِ مجیدہ میں ارشاد ہُوا ہے:۔

قُلْ يَاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ
کہدیجیئگا کہ اے اہلِ کتاب! کیوں روکتے ہو تم راہ

اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَّاَنْتُمْ شُهَدَآءُ ؕ
اللہ سے اُنہیں جو ایمان لاتے ہیں۔ تلاش کرتے ہو تم اسمیں کجی۔ حالانکہ ہو تم گواہ

وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝ ۹۹
اور نہیں ہے اللہ غافل اُس سے جو تم عمل کرتے ہو

اے رسولؐ! اہلِ کتاب سے کہدیجیئگا کہ تم اُن لوگوں کو اللہ کی راہ سے کیوں روکتے ہو، جو اُس پر ایمان لاتے ہیں۔ تم الٰہی ضابطے میں کجی تلاش کرتے ہو۔ حالانکہ اِس پر تم خود گواہ ہو (یعنی جو کتابیں تمہیں دیگئی ہیں اُن میں اِس رسولؐ اور اِس کتاب کی آمد کی خبر درج ہے ۵/۱۵)۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن عملوں سے ہرگز غافل نہیں جو تم بجالاتے ہو۔

● اِس سے اگلی آیتِ مجیدہ میں مومنوں کو واضح کیا گیا ہے کہ خبردار رہو کہ اگر تم نے اہلِ کتاب کی اطاعت کی تو وہ تمہیں مُرتد کردینگے:۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ
اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو۔ اگر تم نے طاعت کی اُس گروہ کی اُن

الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ
لوگوں میں سے جو دیئے گئے تھے کتاب وہ پھیر دینگے تم کو پیچھے ایمان تمہارے کے

كٰفِرِيْنَ ۝ ۱۰۰
انکار کرنیوالے

ایمان والو! اگر تم نے اُن لوگوں میں سے (بہکانے والے) گروہ کی، جنہیں کتاب دیگئی ہے، اطاعت کی تو وہ تمہیں ضابطۂ الٰہی (قرآن کریم) پر ایمان لانے کے بعد پھر دینِ باطل کی طرف لوٹا کر کافر کردینگے۔ (یعنی وہ تمہیں لوٹا کر دوبارہ اپنے باطل مذہب میں لے جائینگے)۔

وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ

اور کسطرح تم کفر کروگے حالانکہ وہ ہو تم کہ پڑھی جاتی ہیں اوپر تمہارے

اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ ؕ وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ

آیتیں اللہ کی اور ہے بیچ تمہارے رسول اسکا۔ اور جو کوئی مضبوط پکڑے اللہ کو

فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۱۰۱ ع ۱۰

پس تحقیق وہ رہنمائی کیا گیا طرف راستے سیدھے کے

اور ایمان والو تم کسطرح (اللہ کی کتاب کا) انکار کروگے جبکہ تم وہ ہو کہ تم پر اللہ کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں (اور تمہارے درمیان اُس کا رسول خود موجود ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جس نے اللہ (یعنی اُسکی کتاب[۱]) کو مضبوط پکڑ لیا پس وہ بلاشبہ سیدھی راہ کیطرف چلا دیا گیا۔

● [۱] اعتصام باللہ کا معنیٰ لکھا گیا ہے اعتصام بکتٰب اللہ۔ کیونکہ اللہ کو پکڑنے کی عملی صورت $\frac{۳}{۱۰۳}$ میں آگے قریب ہی اِن الفاظ میں بتا دیگئی ہے وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَ

اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو۔ ڈرو اللہ سے جو حق ہے ڈرنے کا اُس کے اور

لَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۱۰۲

نہ مرنا تم مگر اس حالت میں کہ ہو تم مسلمان

ایمان والو! اللہ تعالیٰ کے قانون کی اُس طرح نگہداشت کرو، جو نگہداشت کرنے کا حق ہے۔ (کسی کے بہکانے میں نہ آنا $\frac{۳}{۱۰۰}$)۔ اور مرتے دم تک ضابطۂ الٰہیہ پر پوری طرح عامل رہکر اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار بنے رہنا۔

اعتصام بالکتب ہی اعتصام باللہ ہے

آیت نمبر ۱۰۱ میں جو اعتصام باللہ کا حکم دیا گیا ہے۔ اور جس کا معنی ہمنے اعتصام بالکتب لکھا ہے۔ اگلی آیت مجیدہ میں اِس امر کی وضاحت کر دیگئی ہے کہ اللہ کی کتاب ہی وہ چیز ہے، جس کے ساتھ اعتصام کرنا اللہ تعالیٰ کے ساتھ اعتصام کرنا ہے۔ نیز اِس امر کی بھی وضاحت کر دیگئی ہے کہ اعتصام بالکتب ہی سے فرقہ بندی ختم ہوتی ہے۔ اور اعتصام بالکتب ہی کو ترک کرنے سے فرقہ بندی پیدا ہوتی ہے۔

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ص

اور مضبوط پکڑے ہو رسی اللہ کی سب ملکر اور نہ ہو جانا فرقہ فرقہ

وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ

اور یاد کرو نعمت اللہ کی جو ہوئی اوپر تمہارے جب تھے تم دشمن پھر الفت

بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا ج وَكُنْتُمْ

ڈالی بیچ اذہان تمہارے کے پھر ہو گئے تم ساتھ نعمت اُسکی کے بھائی بھائی اور تھے تم

عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ط

اوپر کنارے گڑھے آگ کے سے۔ پھر بچا لیا تم کو اُس سے۔

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۱۰۳

اسیطرح بیان کرتا ہے کھول کھول کر اللہ واسطے تمہارے آیتیں اپنی تاکہ تم ہدایت پاتے رہو

اور (ایمان والو!) اللہ کی کتاب کو سب ملکر مضبوطی کیساتھ تھامے رہو۔ اور (آپس میں افتراق پیدا کرکے) فرقے فرقے نہ ہو جانا۔ اور اللہ تعالیٰ کی نعمت (قرآن کریم) کو یاد کرو جو تم پر (نازل) کیگئی ہے۔ (ایک وقت وہ تھا) جب تم ایکدوسرے کے دشمن تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے تمہارے ذہنوں[۱] میں اُلفت ڈالدی۔ پھر تم اللہ کی نعمت (قرآنی تعلیم) کیساتھ بھائی بھائی بن گئے۔ (تمہاری حالت یہ تھی کہ) تم آگ کے گڑھے کے کنارے پر تھے پھر اُس نے تمہیں آگ (یعنی باہمی جنگ و عداوت) سے بچا لیا۔ اللہ تعالیٰ اسیطرح تمہارے لئے اپنی آیتیں کھول کھولکر بیان کرتا ہے۔ تاکہ تم ہدایت پاتے رہو[۲]۔ (یعنی اللہ تعالیٰ کی کتاب کو مضبوط تھام کر ہمیشہ کیلئے فرقہ بندی سے بچتے رہو)۔

• ؎ قلب کا لفظ جب بغض ومحبت یا عقل وفکر کیلئے استعمال ہو تو اُسکا معنی ذہن اور دماغ ہوتا ہے دل نہیں ہوتا۔ جیسے کہ لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا ؎ میں بتا دیا گیا ہے کہ اُنکے پاس قلب یعنی دماغ ہیں مگر وہ اُنکے ساتھ تفقہ نہیں کرتے۔

ہدائت کیا ہے اور ذریعہ ہدائت کیا ہے؟

• دیکھا آپنے! کہ آیتِ بالا میں کس وضاحت کیساتھ بتایا گیا ہے کہ فرقہ بندی سے بچنا اور بھائی بھائی بنکر رہنا ہدائت ہے۔ پس اِس سے ثابت ہُوا کہ فرقہ بندی کو قائم رکھتے ہُوئے، اپنے آپکو ہدائت یافتہ سمجھنا محض خود فریبی ہے۔ نیز خدا تعالیٰ نے وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا کے الفاظ میں اِس چیز کی وضاحت بھی کر دی ہے کہ فرقہ بندی سے بچنے کا واحد ذریعہ صرف حبل اللہ یعنی قرآن کریم ہی کو مل کر مضبوط تھامے رہنا ہے۔

حبل اللہ کی تعریف

• بعض لوگ حبل اللہ میں قرآن کریم کیساتھ کتب روایات کو بھی شامل کر لیتے ہیں۔ اور بعض لوگ اسمیں کچھ بزرگوں کو شامل کرتے ہیں۔ لیکن یہ دونوں تصور حقیقت سے دُور ہیں۔ کیونکہ جب زمانۂ رسالت میں اعتصام بحبل اللہ کا حکم دیا گیا تو اُسوقت نہ کتب روایات کا وجود موجود تھا نہ انکے بزرگوں کا۔ قرآن کریم نے خود اِس امر کی وضاحت کر دی ہے کہ اعتصام بحبل اللہ سے مراد اعتصام بالکتب ہے۔ حضرت یحیٰی سلام علیہ کو حکم ہُوا یٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ؎ ۔ اے یحیٰی ہماری کتاب کو مضبوطی کیساتھ تھامے رہنا۔ پس ثابت ہُوا کہ حبل اللہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے جس کی اتباع انبیاء وسلام علیہم پر بھی فرض تھی۔ اس خالص اتباع میں کسی بھی شخصیت یا کسی غیر اللہ کتاب کو شامل کرنا شرک فی الحکم ہے ؎۔ خود آنحضورؐ بھی کتاب اللہ کے متبع تھے ؎ ؎ ؎۔ پس کتب اللہ کی اتباع ہی رسول اللہ کی اتباع ہے۔

فرقہ بندی شرک ہے

• آئتِ بالا ؎ میں جو حکم دیا گیا ہے کہ اللہ کی کتاب کو مضبوط تھام کر فرقہ بندی سے بچتے رہو اسی کے متعلق سورہ روم میں اعلان کر دیا گیا ہے کہ فرقہ بندی شرک ہے:۔

وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝ مِنَ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا ۚ كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ ۝

۳۰: ۳۱-۳۲ = اور تم مشرکوں میں سے نہ ہو جانا۔ جو اپنے دین میں اختلاف پیدا کرکے فرقے فرقے ہو جاتے ہیں۔ ہر فرقے کے پاس (غیر قرآن) جو کچھ بھی ہوتا ہے۔ وہ اُسی پر اترا تا رہتا ہے۔

فرقہ بندی کی ضد جماعتی نظام کا حکم

• آیاتِ بالا میں فرقہ بندی سے بچنے کے تاکیدی حکم کے بعد اگلی آئت مجیدہ میں پورے اتفاق واتحاد کو قائم رکھنے کیلئے جماعتی نظام کا حکم دیتے ہُوئے ارشاد ہُوا ہے:۔

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَ ؎ اور چاہیئے کہ ہو تم میں سے ایک جماعت جو بلائیں طرف بھلائی کے اور	اور ایمان والو! چاہیئے کہ تم میں ایک ایسی جماعت ہو جو عوام کو بھلائی کی طرف بلائے۔ اور نیکیوں کا حکم کرے اور
يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَ حکم کریں ساتھ احکام قرآنی کے اور منع کریں منہیات قرآنیہ سے اور	بُرے کاموں سے حکماً روک دے۔ حقیقت یہ ہے کہ فلاح وبہبود کو پہنچنے والے یہی لوگ ہیں، (جن میں ایسی جماعت

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۱۰۴
ہیں وہی لوگ فلاح پانیوالے

(موجود ہو)۔

● ملہ خیر کا معنٰی مال و متاع بھی ہے۔ جیسے کہ ۲/۱۸۰ میں ارشاد ہوا ہے:۔ كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرَا ۨ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ ۔ تم میں جس کسی پر موت کا وقت آجائے، اگر وہ خیر یعنی مال و متاع چھوڑ رہا ہو تو اس پر فرض کیا گیا ہے کہ اپنے والدین اور اقربا کے حق میں وصیت کر جائے۔

● اسطرح جب خیر کا معنٰی مال بھی ہے۔ تو آئت بالا میں ایک ایسی جماعت قائم کرنے کا حکم دیا گیا ہے، جو پورے معاشرہ کے مال و دولت کی امین ہو۔ معاشرے کا سارا مال بیت المال کی صورت میں اس جماعت کے پاس جمع ہوتا رہے۔ اور وہ پورے عوام کو يَدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ کرے یعنی سب کی ضروریات زندگی کی ضامن ہو۔ سب کو بلا بلا کر ضروریات زندگی ادا کرے۔ اور پھر اُسے حق ہو يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ اور يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ کا۔ اس آئت میں اجتماعی نظام ربوبیت کے قیام کا حکم دیا گیا ہے جس کی رُو سے عوام میں سے ہی ایک نیکو کار جماعت پورے معاشرہ کے عوام کی ضروریات زندگی کی ضامن ٹھہرتی ہے۔ اُنکا ایک صدر و سربراہ ہوتا ہے۔ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ۴۹/۱۳۔ چنانچہ سلسلہ درس کی اس سے اگلی آئت مجیدہ میں اسی اجتماعی نظام کی مخالفت سے اور انفرادی نظام کے قیام سے مطلقاً روک دیا گیا ہے۔

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْ
اور نہ ہونا تم مانند اُن لوگوں کے کہ متفرق ہوئے اور اختلاف پیدا کیا
بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ۭ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ
پیچھے اسکے جو آئیں اُنکے پاس دلیلیں اور وہی ہیں کہ واسطے اُن کے
عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۙ ۱۰۵
ہے عذاب بہت بڑا

(مذکورہ بالا اجتماعی نظام قائم کرنا) اور اُن لوگوں جیسے نہ ہو جانا، جنہوں نے فرقہ بندی پیدا کر کے اختلاف پیدا کر لیا۔ پیچھے اسکے کہ اُن کے پاس خود بیان کرنے والی (آئتیں اللہ تعالٰی کی) آگئیں۔ اس لئے یہی لوگ ہیں کہ واسطے اُن کے بہت بڑا عذاب ہے۔

● اس سے اگلی آئت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ آیات البینہ کی مخالفت کی جزا سزا صرف دنیا ہی میں نہیں بلکہ قیامت کے دار الجزا میں بھی دیکھا جائیگی۔

يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ ۚ
اسدن سفید ہونگے چہرے اور سیاہ ہونگے چہرے
فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ ۣ اَكَفَرْتُمْ
پھر جو لوگ کہ سیاہ ہونگے چہرے اُنکے (اُنسے کہا جائیگا) کیا تم نے انکار کیا
بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ
پیچھے ایمان اپنے کے پس چکھو عذاب اس سبب سے کہ تھے تم

یوم مکافات عمل میں کچھ چہرے سفید (خوش و خرم) ہونگے اور کچھ چہرے سیاہ (پژمردہ) ہونگے۔ پھر وہ جن کے چہرے مرجھاتے ہوئے ہونگے (اُن سے کہا جائیگا) کیا تم نے (ہمارے ضابطۂ ربوبیت پر) ایمان لانے کے بعد انکار کر دیا تھا۔ پس اپنے انکار کی بدولت جو تم کیا کرتے تھے، ہمارے عذاب کا مزہ چکھو۔

تَكْفُرُوْنَ ○ ۱۰۶
انکار کرتے

مسئلۂ قتلِ مرتد کی تردید

• آیت بالا میں اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ کے الفاظ سے کھُل کر عیاں ہوتا ہے کہ کتب روایات کا یہ مسئلہ مطلقاً غلط ہے کہ جو لوگ ایمان لانے کے بعد کافر ہو جائیں، مرتد ہو جائیں، واجب القتل ہیں۔ یہ تصوّر مطلقاً غیر قرآنی ہے۔ کیونکہ آیت بالا میں ارتداد کی سزا دُنیا میں قتل کرنا نہیں بتائی گئی، بلکہ قیامت کا عذاب بتایا گیا ہے۔ چنانچہ مرتدین کی اُخروی سزا کی وضاحت کے بعد اگلی آیت مجیدہ میں ضابطۂ ربوبیت پر ایمان لانے والوں یعنی سفید چہرے والوں کے متعلق ارشاد ہُوا ہے:۔

وَاَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ فَفِيْ رَحْمَةِ
اور جو لوگ کہ سفید ہونگے چہرے اُنکے۔ وہ ہونگے بیچ رحمت

اللّٰهِ ؕ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ○ ۱۰۷
اللہ کے۔ وہ اُس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔

اور وہ لوگ جن کے چہرے سفید (خوش وخرّم) ہونگے وہ اللہ کی رحمت (یعنی اُسکی نعمتوں) میں ہونگے۔ اور وہ اُن (اللہ کی نعمتوں) میں ہمیشہ رہینگے۔

• ۱؎ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ کے جملہ سے روایتی تفاسیر میں جو یہ تصوّر دیا گیا ہے کہ قیامت کی زندگی ابدی ہوگی جو کبھی ختم نہ ہوگی غلط اور غیر قرآنی ہے۔ کیونکہ اُخروی زندگی کی میعاد آسمانوں اور زمین کی موجودگی تک ہے۔ سورہ ہُود میں ارشاد ہُوا ہے:۔ فَاَمَّا الَّذِيْنَ شَقُوْا فَفِي النَّارِ ...... خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ $\frac{11}{106-107}$ ۔ پھر جو شقی لوگ ہیں پس وہ آگ میں ہونگے ...... ہمیشہ رہنے والے اُن میں جبتک آسمان اور زمین قائم ہیں۔ وَاَمَّا الَّذِيْنَ سُعِدُوْا فَفِي الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ $\frac{11}{108}$ ۔ اور جو لوگ سعید ہیں، پس وہ ہونگے جنّت میں، ہمیشہ رہنے والے اُس میں جبتک آسمان اور زمین قائم ہیں۔ اِن آیتوں کی پُوری تشریح اپنے مقام پر سورہ ہُود میں آئیگی انشاء اللہ!

• سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں آنحضور کو مخاطب کرکے ارشاد ہُوا ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کی عدالت میں عدل کریگا۔ وہ بندوں پر ظلم کا ارادہ نہیں کرتا:۔

تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ؕ
مذکورہ بالا اللہ کی آیتیں ہیں۔ پڑھتے ہیں ہم انہیں آپ پر ساتھ حق کے

وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِيْنَ ○ ۱۰۸
اور نہیں اللہ ارادہ کرتا ظلم کا واسطے لوگوں کے

(اے رسُول!) مذکورہ بالا آیتیں اللہ تعالیٰ کی ہیں۔ جنہیں ہم آپ پر ٹھیک ٹھیک تلاوت کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ (لوگ خود بُرے عمل کرکے سزا کے مستحق ہوتے ہیں) اللہ تعالیٰ لوگوں پر ظلم کرنے کا ارادہ ہرگز نہیں رکھتا۔

• اِس سے اگلی آیت مجیدہ میں تصریح کردیگئی ہے کہ اُوپر کی آیات کریمات میں ربوبیتِ عامہ ہی کا ذکر چل رہا ہے جس کی مخالفت ضابطۂ ربوبیت کی مخالفت ہے۔

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَ
اور صرف اللہ ہی کا ہے جو کچھ ہے بیچ آسمانوں کے اور بیچ زمین کے اور
اِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝ ۱۰۹
طرف اللہ کے پھیرے جائینگے سب کام

آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے سب کچھ صرف اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے۔ (اس نے یہ سب کچھ نوعِ انسانی کی ضروریاتِ ربوبیت کیلئے پیدا کیا ہے ۲/۲۹) اور (ربوبیتِ عامہ میں بحالِ صرف کی جوابدہی کیلئے) جملہ امور اللہ ہی کیطرف لوٹ کر آئینگے۔

● چونکہ صحابۂ رسول کی مقدس جماعت نے ضابطۂ ربوبیت پر عمل کیا اور اسے عملاً نافذ کرکے ایک ایسا معاشرہ متشکل کر دکھایا جسمیں کوئی فردِ واحد ضروریاتِ زندگی سے محروم نہیں تھا۔ اسلئے اگلی آیتِ مجیدہ میں صحابہ کی پاکیزہ جماعت کی تعریف کیگئی ہے:-

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ
ہو تم بہترین ایک جماعت نکالی گئی واسطے لوگوں کے
تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ
حکم کرتے ہو قرآنی احکام کا اور منع کرتے ہو قرآنی منہیات سے اور
تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا
ایمان لاتے ہو ساتھ اللہ کے اور اگر ایمان لاتے اہلِ کتاب، ہوتا بہتر
لَّهُمْ ؕ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُهُمُ
واسطے انکے۔ ان میں سے ایمان لانیوالے ہیں اور اکثر انکے ہیں
الْفٰسِقُوْنَ ۝ ۱۱۰
حدیں پھاندنے والے

(اے صحابۂ رسول!) تم ایک بہترین جماعت ہو جو لوگوں کی (بھلائی) کیلئے (رسول اکرم کے ذریعہ) پیدا کیگئی ہے۔ تم لوگوں کو قرآنی احکام کا حکم کرتے ہو اور قرآنی منہیات سے روکتے ہو۔ اور تم (ضابطۂ ربوبیت پر عمل کرکے اپنے اللہ رب العالمین پر عملاً) ایمان لاتے ہو۔ اور اگر اہلِ کتاب (یہود و نصاریٰ) بھی ایمان لائیں (جیسے تم ایمان لاتے ہو ۲/۱۳۷) تو یہ بہتر ان کیلئے۔ ان میں سے تھوڑے ہیں جو ایمان لاتے ہیں۔ اور ان کی اکثریت (ضابطۂ الٰہی کا انکار کرکے اللہ تعالیٰ کی) حدیں پھاندنے والی ہے۔

● اس اگلی آیتِ مجیدہ میں اہلِ کتاب میں سے یہود کی مخالفت کے ضمن میں صحابہ رضی اللہ عنہم کو مخاطب کرکے وضاحت کر دیگئی ہے:-

لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّآ اَذًى ؕ وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ
ہرگز نہیں ضرر دینگے تمکو سوائے زبانی ایذا کے۔ اور اگر لڑینگے تم سے
يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ ۫ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ۝ ۱۱۱
پھیر دینگے تمہاری طرف پیٹھیں اپنی۔ پھر نہیں مدد کئے جائینگے

(ایمان والو!) یہ اہلِ کتاب، تمہیں بازی طعن زنی کے سوا ہرگز کوئی ضرر نہیں پہنچا سکینگے۔ اور اگر تمہارے ساتھ لڑائی کرینگے تو تمہیں پیٹھ دکھا کر (میدانِ جنگ سے بھاگ جائینگے)۔ پھر (اس شکست کے بعد) انکی کوئی مدد نہیں کیجائیگی۔

● نیز یہودیوں کے متعلق اعلان کر دیا گیا ہے کہ وہ جہاں کہیں بھی ہونگے ان پر ذلت مسلط رہیگی، جس سے نکلنے کے دو راستے ہونگے، یا تو دینِ اللہ کیطرف لوٹ کر ضابطۂ الٰہیہ کے ساتھ منسلک ہو جائیں اور یا لوگوں کے بنائے ہوئے قوانین میں سے کسی قانون کا پھندا اپنے گلے میں ڈال لیں:-

ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ أَيْنَ مَا ثُقِفُوا إِلَّا
مار دی گئی اوپر انکے ذلت جہاں بھی وہ پائے جائیں سوائے

بِحَبْلٍ مِّنَ اللَّهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَاءُوا
ساتھ رسی کے اللہ کی یا رسی میں سے لوگوں کی۔ اور لائے

بِغَضَبٍ مِّنَ اللَّهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ
ساتھ غضب اللہ کے سے۔ اور ماری گئی اوپر انکے محتاجی

ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانُوا يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ
یہ اسلئے کہ بیشک وہ تھے کفر کرتے ساتھ آیتوں اللہ کے اور

يَقْتُلُونَ الْأَنبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۚ ذَٰلِكَ بِمَا عَصَوا
لڑائی کرتے انبیاء سے بلاوجہ۔ یہ اسلئے کردہ کرتے تھے نافرمانی

وَّكَانُوا يَعْتَدُونَ ﴿١١٢﴾
اور کرتے تھے سرکشی

وہ (کرۂ ارض پر) جہاں کہیں بھی پائے جائیں۔ اُن پر ذلت ماردیگئی ہے (یعنی ذلت اُنکے گلے کا ہار بنادیگئی ہے) بسوائے اسکے کہ یا تو وہ اللہ کی رسّی (اُسکی کتاب) کو مضبوط تھام لیں ۱۴۳۔ اور یا لوگوں کی رسّی (یعنی لوگوں کے بنائے ہوئے قانون میں سے کسی قانون) کا سہارا لیں۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنی بداعمالیوں کی بدولت، اللہ کے غضب کے مستحق ہوچکے ہیں۔ اور محتاجی اُن پر واجب کردیگئی ہے۔ یہ اسلئے ہے کہ وہ اللہ کی نشانیوں کا انکار کرتے آرہے ہیں۔ اور وہ نبیوں کے ساتھ بلاوجہ لڑائی کرتے تھے۔ (نیز) اسلئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانیاں کرتے اور اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدوں کو پھاندتے تھے۔

قرآن اور یہودی حکومت کا قیام

• اس آیت مجیدہ کی رُو سے دو چیزوں کی وضاحت ضروری ہے۔ پہلی یہ کہ جب فلسطین میں یہودی حکومت قائم ہوئی تو غیر مسلموں کیطرف سے اعتراض کیا گیا کہ مسلمان تو کہتے تھے کہ یہودیوں کی حکومت کبھی قائم نہیں ہوگی۔ اسکا جواب اللہ تعالیٰ نے آیت بالا میں چودہ سو سال پیشتر سے بالفاظ ذیل دے رکھا ہے:۔ اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللَّهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ = کہ ذلت سے نکلنے کے دو راستے ہیں۔ یا تو وہ پوری طرح اللہ کی کتاب کے فرمانبردار ہوجائیں۔ اور یا کسی قوم کے بنائے ہوئے قانون کیساتھ منسلک ہوجائیں۔ چنانچہ جب یہودیوں نے اقوام عالم کے بنائے ہوئے اس قانون کا سہارا لیا کہ جس علاقے میں کسی قوم کی آبادی کی کثرت ہو۔ وہاں انہیں حکومت قائم کرنے کا حق ہے۔ اسطرح فلسطین کے اُس علاقے میں جہاں اُنکی کثرت بنائی گئی، وہاں اُنکی حکومت قائم ہوگئی۔ قرآن کریم میں یہودی حکومت کے قیام کے قانون بِحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ، کی خبر صدیوں سے درج ہے، جسکی رُو سے موجودہ اسرائیلی حکومت قائم ہوئی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا قانونِ عروج و زوال تمام قوموں کیلئے یکساں غیر متبدل ہے

• آیت بالا سے متعلقہ دُوسری چیز وضاحت طلب یہ ہے کہ آیات اللہ کے انکار اور اللہ تعالیٰ کی جن نافرمانیوں اور سرکشیوں کی بدولت ذلت کو یہودیوں کے گلے کا ہار بنا دیا گیا تھا۔ اُنہی نافرمانیوں کی مرتکب جو قوم بھی ہوگی، وہ ذلت کی سزا سے ہرگز نہیں بچ سکیگی۔ اسکے مطابق بتانا یہ ہے کہ اگر مسلمان قوم بھی آیات اللہ کی مخالفت اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں کے اُسی الٰہی قانون کی زد میں آجائے، جسکی زد میں قوم بنی اسرائیل آئی ہوئی ہے تو اللہ تعالیٰ کا غیر متبدل قانون انہیں بھی معاف نہیں کریگا۔ کیونکہ نہ کوئی قوم اللہ تعالیٰ کی سگی ہے اور نہ سوتیلی۔ ذات باری کیطرف سے ہر قوم کے عروج و زوال کے فیصلے،

ہر قوم کے اپنے اعمال کے مطابق سرزد ہوتے چلے آرہے ہیں۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۱۳/۱۱ بیشک اللہ تعالیٰ کسی قوم میں عروج یا زوال کی رُو سے کوئی تغیر اُس وقت تک نہیں پیدا کرتا جبتک کہ وہ اپنے اندر عروج یا زوال کی رُو سے خود تغیر نہیں پیدا کرتے۔ نیز فرمایا۔ هُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۶/۱۲۷ اللہ تعالیٰ قوموں کے اپنے عملوں کے ذریعہ انکا مددگار ہے۔

رجوع الی المطلب

● سلسلۂ درس کی آیت صدر ۳/۱۱۲ میں بنی اسرائیل کی ذلت کی استثنائی صورت بیان کرنے کے بعد یہ بھی بتا دیا گیا ہے کہ زمانۂ رسالت کے سب یہودی ایک جیسے نہیں تھے۔ اُن میں ایک جماعت اللہ کے دین پر قائم بھی تھی ا۔

لَيْسُوْا سَوَآءً ۭ مِنْ اَھْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَاۗىِٕمَةٌ
نہیں ہیں برابر۔ اہل کتاب میں سے ہے ایک جماعت قائم،

يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَاۗءَ الَّيْلِ وَھُمْ يَسْجُدُوْنَ ۱۱۳
پڑھتے ہیں آئتیں اللہ کی ابتدائی رات میں اور وہ سجدہ کرتے ہیں۔

يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ
وہ ایمان لاتے ہیں ساتھ اللہ کے اور دن پچھلے کے اور وہ حکم کرتے ہیں

بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ
نیکیوں کا اور منع کرتے ہیں بُرے کاموں سے اور وہ جلدی کرتے ہیں بھلائیوں میں

وَاُولٰۗىِٕكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۱۱۴
اور ہیں وہ نیکوکاروں میں سے

سب اہل کتاب ایک جیسے نہیں ہیں۔ اُن میں ایک جماعت (اللہ کے دین پر) قائم ہے۔ وہ رات کی ابتدائی گھڑیوں میں اللہ کی آئتیں پڑھتے ہیں۔ اور وہ سجدہ کرتے (یعنی اللہ تعالیٰ کی امر عمل میں فرمانبرداری بھی کرتے اور صلوٰۃ موقت نماز بھی ادا کرتے) ہیں۔ وہ (اہل کتاب کا مذکورہ بالا گروہ) اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں اور لوگوں کو نیک کاموں کا حکم کرتے ہیں اور بُرے کاموں سے منع کرتے ہیں اور خود سُرعت کیساتھ بھلائیوں میں حصہ لیتے ہیں۔ اور وہ ایسے لوگوں میں سے ہیں جو معاشرہ کی اصلاح کرنے والے ہیں۔

وَمَا يَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ ۭ وَاللّٰهُ
اور جو عمل کرتے ہیں بھلائی سے اللہ اُسے ضائع نہیں کریگا اور اللہ

عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ۱۱۵
ہے خوب جاننے والا بچنے والوں کو

اور وہ لوگ جو نسا عمل بھلائی کا (یعنی قیام ربوبیت عامہ کیلئے)[ع۱] بجا لاتے ہیں۔ (اللہ تعالیٰ) اُسے ہرگز ضائع نہیں کریگا (اُسکا بدلہ انہیں ضرور دیا جائیگا) اور اللہ تعالیٰ خوب خوب جاننے والا ہے اُن لوگوں کو جو ضابطۂ الٰہی کی مخالفت سے بچنے والے ہیں۔

[ع۱] ● یہانتک تو زمانۂ رسالت کے اہل کتاب کے تقویٰ شعار افراد کی تعریف بیان کیگئی ہے اور اُنکے اُن اعمال کے اجر کا یقین دلایا گیا ہے جو وہ خیر کیلئے بجا لاتے ہیں ہم نے خیر کا معنی لکھا ہے نظام ربوبیت، یعنی ضابطۂ الٰہی کے مطابق قائم کردہ وہ نظام جس میں ہر فرد معاشرہ کو خیر یعنی ضروریات زندگی کے مطابق مال میسر آتا رہے۔ قرآن کریم میں خیر بمعنی مال سورہ بقرہ کی آیت ذیل میں آیا ہے جو پیچھے صفحہ ۱۰۶ پر بھی گزر چکی ہے ا۔
● كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرَۨا ۖ الْوَصِيَّةُ ...... ۲/۱۸۰ جب تم میں سے کسی پر موت کا

وقت آجائے۔ اگر اُس نے خیر یعنی مال چھوڑا ہو تو اُس پر وصیّت کرنا فرض کیا گیا ہے۔

• سلسلۂ درس کی اگلی آئت مجیدہ میں دین اللہ کی مخالفت کر کے مال جمع کرنیوالوں کے متعلق کہا گیا ہے کہ انہیں انکے مال اور اولاد کوئی فائدہ نہیں دینگے :۔

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَنْ تُغْنِیَ عَنْھُمْ اَمْوَالُھُمْ
بیشک جو انکار کریں ہرگز فائدہ نہیں دیگا انہیں مال اُن کا
وَلَآ اَوْلَادُھُمْ مِّنَ اللّٰہِ شَیْئًا ؕ وَاُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ
اور نہ اولاد اُن کی طرف سے اللہ کچھ بھی ۔ اور وہی ہیں صاحب
النَّارِ ۚ ھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ ۝ ۱۱۶
آگ وہ بیچ اسکے رہنے والے سدا

بیشک جو لوگ (اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ نظامِ ربوبیّت عامہ کا) انکار کرتے ہیں۔ اُنہیں ہرگز فائدہ نہیں دیگا (انکا جمع کیا ہُوا مال) اور نہ فائدہ دیگی انہیں اُن کی اولاد اللہ (کے عذاب) سے کچھ بھی۔ یعنی وہ لوگ (دنیا میں بھی جہنّمی معاشرہ میں ہونگے۔ اور آخرت کو بھی) ناکامی کی آگ والے ہونگے۔ وہی تو ہیں جو اُس ناکامی کی آگ میں ہمیشہ رہینگے۔

• اِس سے اگلی آئت مجیدہ میں اُن لوگوں کی مثال بیان کیگئی ہے جو صرف دنیا کے نام نمود کیلئے مال خرچ کرتے ہیں۔ انکی زندگی کی کھیتیاں اُنکے اپنے ظلم کی بدولت برباد ہو جاتی ہیں :۔

مَثَلُ مَا یُنْفِقُوْنَ فِیْ ھٰذِہِ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا
مثال اُس مال کی جو خرچ کرتے ہیں واسطے اس حیاتی دُنیا کے
کَمَثَلِ رِیْحٍ فِیْھَا صِرٌّ اَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوْٓا
مانند مثال ہوا کے ہے کہ بیچ اسکے تیز سردی ہو وہ پہنچے ایسی قوم کی کھیتی کو کہ ظلم کیا
اَنْفُسَھُمْ فَاَھْلَکَتْہُ ؕ وَمَا ظَلَمَھُمُ اللّٰہُ وَلٰکِنْ
اپنی جانوں پر پھر وہ اُسے برباد کر گئی۔ اور نہیں ظلم کیا اُن پر اللہ نے ولیکن
اَنْفُسَھُمْ یَظْلِمُوْنَ ۝ ۱۱۷
وہ آپ اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں

(ربوبیّتِ عامہ کے خلاف) اپنی اِس زندگی کی نمائش کیلئے[1] لوگ جو کچھ خرچ کرتے ہیں اُسکی مثال ایسی ہے کہ ایک ہوا ہو۔ اُسمیں تیز سردی ہو۔ وہ ہوا ایسے لوگوں کی کھیتی کو لگ جائے جنہوں نے اپنے آپ پر ظلم کیا (یعنی کھیتی کی حفاظت نہ کی) پھر وہ ہوا اُس کھیتی کو برباد کر جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن پر ظلم نہیں کیا (یعنی اللہ نے انکی کھیتی کو برباد نہیں کیا) بلکہ ایسے لوگ (قانونِ الٰہی سے غفلت برت کر) اپنے آپ پر خود ظلم کرتے ہیں

• [1] فی معنی کیلئے۔ دیکھئے دیباچہ کا صفحہ ۹۵۔ بحوالہ ۲/۱۴۴

• اس سے اگلی آئت مجیدہ میں دو قومی نظریہ کے مطابق کافر اور مومن حکومتوں کے باہمی تعلقات کی وضاحت کیگئی ہے اور کافروں کے مخفی بغض کی خبر دیتے ہوئے انتہائی وضاحت کیساتھ ایمان والوں کو ہدایت کیگئی ہے کہ وہ اپنوں کے سوا غیروں کو رازدار نہ بنائیں۔ کیونکہ وہ اُنکے ارادوں سے واقف ہو کر اُنکی حکومت کی خرابی میں کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھینگے :۔

منکرینِ ربوبیّت کو رازدار نہ بنایا جائے

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَۃً مِّنْ
اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو نہ بنانا رازدار سوائے

اے ایمان والو! نہ بناؤ اپنوں کے سوا کسی اور (یعنی ربوبیّتِ عامہ کے منکروں) کو رازدار۔ (اسطرح تمہارے راز پاکر) وہ تمہاری

دُونِكُمْ لَا يَأْلُونَكُمْ خَبَالًا وَدُّوا مَا عَنِتُّمْ
اپنوں کے۔ نہ کمی کرینگے تمہاری خرابی میں۔ پسند کرتے ہیں جو تمہیں تکلیف دے
قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاءُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ ۖ وَمَا تُخْفِي
بیشک ظاہر ہو بُغض اُن کا اُن کے مونہوں سے۔ اور جو کچھ چھپایا ہے
صُدُورُهُمْ أَكْبَرُ ۚ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْآيَاتِ إِنْ
اُنکے ذہنوں نے بہت بڑا ہے۔ بیشک بیان کیں ہم نے تمہارے لئے نشانیاں اگر
كُنْتُمْ تَعْقِلُونَ ۝ ۱۱۸
ہو تم عقل رکھتے۔

خرابی میں کوئی کمی نہیں کرینگے۔ وہ اُس چیز کو پسند کرتے ہیں جو تمہیں تکلیف دے۔ بیشک اُنکا بُغض و عناد اُن کے مُونہوں سے ظاہر ہو چکا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جو کچھ اُن کے ذہنوں نے چھپایا ہوا ہے وہ اُس سے بھی بہت بڑا ہے۔ (یعنی تمہارے خلاف اُنکے خفیہ منصوبے بہت بڑے خطرناک ہیں وہ تمہاری حکومت کا نام و نشان مٹا دینا چاہتے ہیں) بیشک ہمنے تمہارے لئے اپنی نشانیاں کھول کر بیان کردی ہیں بشرطیکہ تم عقل سے کام لیتے ہو۔

● آیتِ بالا میں منکرینِ ربوبیت کے عمومی ظاہری اور باطنی بُغض و عداوت کی خبر دینے کے بعد اگلی آیتِ مجیدہ میں زمانۂ رسالت کے منکرین کے منافقانہ غیض و غضب کا نقشہ بھی کھینچا گیا ہے اور مومنوں کو اُنکی سادہ لوحی سے بھی آگاہ کر دیا گیا ہے کہ غور تو کرو کہ تم کس سے دوستی کرتے ہو۔

هَا أَنْتُمْ أُولَاءِ تُحِبُّونَهُمْ وَلَا يُحِبُّونَكُمْ
تم وہ ہو کہ محبت کرتے ہو اُن سے اور نہیں محبت کرتے وہ تم سے
وَتُؤْمِنُونَ بِالْكِتَابِ كُلِّهِ ج وَإِذَا لَقُوكُمْ
اور تم ایمان لاتے ہو کتابوں سب پر۔ اور جب وہ ملتے ہیں تم سے
قَالُوا آمَنَّا ۖ وَإِذَا خَلَوْا عَضُّوا عَلَيْكُمُ الْأَنَامِلَ
کہتے ہیں ایمان لائے ہم اور جب علیحدہ ہوتے ہیں تو کاٹ کاٹ کھاتے ہیں انگلیاں تمہارے خلاف
مِنَ الْغَيْظِ ۚ قُلْ مُوتُوا بِغَيْظِكُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ
ساتھ غصے کے۔ کہہ دے اے رسول مر جاؤ اپنے غصے میں۔ بیشک اللہ خوب جاننے والا
بِذَاتِ الصُّدُورِ ۝ ۱۱۹
جو کچھ ہے تمہارے ذہنوں میں۔

(ایمان والو! تم اتنے سادہ لوح ہو کہ) کہ تم وہ ہو۔ اُن سے دوستی کرتے ہو لیکن وہ تم سے (مطلقاً) محبت نہیں کرتے۔ اور تم سب کتابوں پر ایمان لاتے ہو (مگر وہ سب کتابوں کو نہیں مانتے) مگر جب تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم بھی تمہاری کتاب پر ایمان لائے ہیں۔ اور جب تم سے الگ ہوتے ہیں تو تمہاری مخالفت کے غصے میں انگلیاں کاٹ کاٹ کھاتے ہیں۔ (اے رسول! آپ) کہہ دیجیئگا کہ اپنے غصے میں مر مٹو۔ بیشک اللہ تعالیٰ اذہان کی پوشیدگیوں تک کو خوب اچھی طرح جانتا ہے (کہ تم ظاہر کیا کرتے ہو اور چھپاتے کیا ہو)۔

● اس سے اگلی مجیدہ میں پھر مومنوں کو مخاطب کرکے مخالفینِ ربوبیت کی ذہنی پوشیدگیوں سے مزید آگاہ کیا گیا ہے کہ:۔

إِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَإِنْ
اگر مس کرے تمہیں کوئی بھلائی تو بری لگتی ہے انہیں۔ اور اگر
تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَفْرَحُوا بِهَا ۖ وَإِنْ تَصْبِرُوا
پہنچے تم کو کوئی برائی تو اس پر خوش ہوتے ہیں۔ اور اگر تم ثابت قدم رہو

(ایمان والو!) اگر تمہیں کوئی بھلائی میسر آئے تو وہ انہیں بری لگتی ہے۔ اور اگر (کبھی ایسا ہو کہ) تمہیں کوئی برائی پہنچے تو اس پر وہ بہت خوش ہوتے ہیں۔ لیکن اگر تم ثابت قدم رہو اور بچاؤ طلب کرو (یعنی دفاعی تیاریاں مکمل رکھو) تو اُنکی بری

وَتَتَّقُوا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْـًٔا ۭ اِنَّ اللّٰهَ
اور چاہو حفاظت تو نہ نقصان دیگی تمکو انکی تجویز کچھ بھی۔ بیشک اللہ ہے
بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ۝ ۱۲۰
ساتھ اسکے جو وہ عمل کرتے ہیں گھیرنے والا

تجویزیں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچائینگی۔ بیشک اللہ اُن کے تمام عملوں (یعنی تجویزوں اور تدبیروں) کا پوری طرح احاطہ کرنیوالا ہے۔ ● یہاں تَتَّقُوا سے مُراد ہے دفاعی تیاریاں مکمل رکھو۔ یعنی بچاؤ طلب کرو، سے مُراد ہے دفاعی تیاریاں مکمل رکھو۔

● آیت مجیدہ ۱۱۸ تا ۱۲۰ میں مسلسل حکم دیا گیا ہے کہ کافروں (ربوبیت عامہ کے منکروں) کو دوست نہ بناؤ۔ انکا بغض و عناد اُنکے مُنہ کے الفاظ سے عیاں ہے۔ نیز اُنہوں نے تمہارے خلاف ذہنوں میں بہت بڑی بڑی تجویزیں چھپائی ہوئی ہیں۔ اُنکے شر سے بچتے رہو اور اپنی دفاعی تیاریاں مکمل رکھو۔ کاش کہ اگر مسلمان حکومتیں آپس میں ایکدوسرے کو رازدار بنائیں، پورا اتحاد قائم کریں اور سب ملکر دفاعی تیاری اور عزم و استقلال قائم رکھیں۔ نیز خود اپنے ہاں نظامِ ربوبیت قائم کریں تو ہو نہیں سکتا کہ منکرین ربوبیت مسلمانوں کو کوئی زک پہنچاسکیں۔ دفاعی تیاریاں اسلئے ضروری ہیں کہ مخالف قومیں کسی بھی وقت پرحملہ آور ہوسکتی ہیں۔ جیسے کہ سلسلۂ درس کی اگلی آیتوں میں ایک ایسی جنگ کی تاریخ بیان کیگئی ہے کہ مخالفین ربوبیتِ عامہ نے آنحضور پر حملہ کردیا۔ آپ مدافعت کیلئے مقابلہ پر آئے مگر مجاہد صحابہ کے دو دستوں نے لڑائی میں کمزوری دکھائی تھی:-

وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ
اور جب آپ صبح کو اپنے اہل سے نکلے۔ ٹھکانہ دیتے تھے مومنوں کو
مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ ۱۲۱
بیٹھنے کی جگہ واسطے لڑائی کے۔ اور اللہ ہے خوب سننے والا خوب جاننے والا
اِذْ هَمَّتْ طَّاۗىِٕفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا ۙ وَاللّٰهُ
جب ارادہ کیا دو جماعتوں نے تم میں سے کہ دونوں بزدلی دکھائیں اور اللہ
وَلِيُّهُمَا ۭ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ ۱۲۲
مددگار اُن دونوں کا۔ اور اوپر اللہ کے بھروسہ کرتے ہیں مومن۔

اور وہ وقت قابلِ ذکر ہے جب (اے رسُول!) آپ صبح کے وقت اپنے اہل (گھر) سے نکلے۔ آپ مومن مجاہدوں کو میدانِ جنگ میں مناسب مقامات پر متعین کرتے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ (ہر بات کو) خوب سُننے والا۔ اور ہر عمل کو خوب خوب جاننے والا ہے۔

(اے ایمان والو!) وہ وقت قابلِ ذکر ہے جب تم میں سے دو جماعتوں نے ہمت ہارنے کا ارادہ کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اُنکا مددگار ہے (پس وہ ثابت قدم ہوگئے) اور مومن اللہ تعالیٰ ہی (کے قانون) پر بھروسہ کرتے ہیں۔

اللہ کی مدد انسانی اعمال کی بدولت آتی ہے

● یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب صحابہ کی دو جماعتوں نے ہمت ہارنے کا ارادہ کیا تو پھر اللہ تعالیٰ اُنکا مددگار کسطرح بنا۔ اسکا جواب ذیل کے اصولی اعلان میں دیا گیا ہے:- لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ ۶/۱۲۷ = نوعِ انسانی کیلئے اللہ کے ہاں (اُسکے نازل کردہ ضابطۂ حیات کے مطابق) سلامتی کا گھر ہے (یعنی سلامتی ہی سلامتی ہے) اور وہ اُنکا مددگار ہے ساتھ اُن عملوں کے جو وہ خود بجالاتے ہیں — اِس اعلانِ خداوندی کے مطابق ثابت ہُوا کہ صحابہؓ کی مذکورہ بالا دو جماعتوں نے دُوں ہمتی کا صرف ارادہ کیا۔ لیکن فوراً ہی ثابت قدم ہوگئے، اللہ تعالیٰ اُنکا مددگار ہوگیا اور فتحیاب ہُوئے۔

جنگِ بدر میں صحابہؓ کی ثابت قدمی کا نتیجہ تھا فتحِ عظیم

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں جنگِ بدر

کی مختصر تاریخ بیان ہوئی جب صحابہؓ کمزور تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کی ثبات قدمی کی بدولت اُن کی مدد فرمائی اور وہ فتحیاب ہو گئے:-

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ
اور البتہ تحقیق مدد کی تمہاری اللہ نے بدر میں حالانکہ تھے تم کمزور
فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ ۱۲۳
پس بچو تم اللہ (کی مخالفت) سے تاکہ تم اپنے اعمال کا پورا بدلہ پاؤ

اور (یاد کرو کہ) اللہ تعالیٰ نے بدر (کے میدانِ جنگ) میں تمہاری (ثبات قدمی کی بدولت[عله]) تمہاری مدد فرمائی۔ حالانکہ تم اُسوقت کمزور تھے پس اللہ (کے قانون کی مخالفت) سے بچتے رہو تاکہ تم (ہر مقام پر) اپنے اعمال کے بھرپور ثمر سے بہرہ یاب ہوتے رہو[عله]۔

[عله] نَصَرَكُمُ اللّٰهُ کا معنی لکھا گیا ہے۔ اللہ نے تمہاری ثابت قدمی کی بدولت تمہاری مدد فرمائی۔ اوپر ۶/۱۲۷ سے بھی ثابت کیا جا چکا ہے کہ اللہ کی مدد انسان کے اپنے اعمال کیساتھ مشروط ہے هُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۶/۱۲۷۔ آیت بالا میں نصر کا لفظ آیا ہے۔ اِس مادہ کے تحت سورہ حج میں صحابہ ہی کے ذکر میں ارشاد ہوا ہے۔ وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ۲۲/۴۰ اور بیشک اللہ تعالیٰ اُس قوم کی مدد کرتا ہے جو اپنی مدد آپ کرتی ہے۔ میدانِ جنگ میں اپنی مدد آپ کرنے کا تصوّر اِس کے سوا نہیں کہ جہاں قدم جم جائیں، جان جائے مگر قدم نہ اُکھڑیں۔ جنگِ بدر میں صحابہ کی اسی ثبات قدمی کی بدولت انہیں عظیم الشان فتح نصیب ہوئی تھی۔
[عله] اللہ معنی اللہ کا قانون کیلئے دیکھئے دیباچہ کا صفحہ ۵۶ [عله] شکر معنی اعمال کا بھرپور بدلہ پانا کیلئے دیکھئے دیباچہ کا صفحہ ۵۳

• جنگ میں ثابت قدمی کلید کامیابی ہے۔ سلسلۂ درس کی اِس سے اگلی آیت مجیدہ میں آنحضور کے وہ الفاظ بیان کئے گئے ہیں جو آنحضور نے صحابہ کو ثابت قدم رکھنے کیلئے بحیثیت سپہ سالارِ لشکر، تھوڑے اور کمزور صحابہ کی ہمت بندھائی اور حوصلہ افزائی کیلئے عین میدانِ جنگ میں ارشاد فرمائے تھے:-

اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ
جب کہا آپنے واسطے مومنوں کے کیا کافی نہیں کہ مدد کرے تمہاری
رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ ۝ ۱۲۴
رب تمہارا ساتھ تین ہزار ملائکہ پے در پے آنیوالوں کے

وہ وقت قابلِ ذکر ہے جب اے رسول! آپنے مومنوں سے کہا کہ (دشمن کی کثرت سے نہ گھبراؤ) کیا تمہارے لئے یہ کافی نہیں کہ تمہارا رب تمہاری مدد کرے تین ہزار کائناتی قوتوں[عله] کیساتھ جو پے در پے نازل ہونے والی ہوں۔

[عله] سورہ انفال میں جنگ بدر کے تذکرہ میں مزید ارشاد ہوا ہے۔ اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ ۝ ۸/۹ وہ وقت قابلِ ذکر ہے جب تم اپنے رب سے مدد طلب کر رہے تھے پھر اُس نے جواباً ارشاد فرمایا، بیشک میں پے در پے آنیوالی ایک ہزار کائناتی قوتوں کیساتھ تمہاری مدد کرنیوالا ہوں۔

ملائکہ • اگلی آیت مجیدہ میں اللہ تعالیٰ کی کائناتی قوتوں کی مدد کو صحابہؓ کی ثابت قدمی کے ساتھ بالفاظ ذیل مشروط کیا گیا ہے۔

بَلٰۤى ۙ اِنۡ تَصۡبِرُوۡا وَتَتَّقُوۡا وَيَاۡتُوۡكُمۡ
ہاں اگر تم ثابت قدم رہو اور بچاؤ چاہو اور وہ آجائیں تم پر
مِّنۡ فَوۡرِهِمۡ هٰذَا يُمۡدِدۡكُمۡ رَبُّكُمۡ بِخَمۡسَةِ اٰلٰفٍ
طرف سے جوش اپنے کے یہ۔ تو مدد کریگا تمہاری رب تمہارا ساتھ پانچ ہزار
مِّنَ الۡمَلٰٓـئِكَةِ مُسَوِّمِيۡنَ ۝۱۲۵ الربع
کانشانی تو توں کے پہنچائی گئی

ہاں، اگر تم ثابت قدم رہو اور بچاؤ کے جملہ لوازمات پورے رکھو۔ اور وہ (تمہارے دشمن) تم پر اپنے اس جوش کیساتھ ٹوٹ پڑیں تو تمہارا رب عین وقت پر پہنچنے والی کانشانی قوتوں کیساتھ تمہاری مدد کریگا۔

• ۲ تَصۡبِرُوۡا کا سہ حرفی مادہ ص۔ب۔ر = صبر ہے جسکا بنیادی معنی ہے حصولِ مقصد کی راہ میں پیش آنیوالی مشکلات کا پوری ثابت قدمی اور استقلال کیساتھ مقابلہ کرنا۔ تفصیل کیلئے دیکھئے دیباچہ کا صفحہ ۵۲۔

• ۳ تَتَّقُوۡا کا سہ حرفی مادہ و۔ق۔ی = وقی ہے جس کا بنیادی معنی ہے بچاؤ۔ اور بچنے کیلئے ہر مقام پر چونکہ بچاؤ کا سامان مہیا کرنا ضروری ہے یعنی ہر مقام کے مطابق سامان کے بغیر بچاؤ ناممکن ہے۔ اسلئے جب تَتَّقُوۡا کو اِنۡ شرطیہ کیساتھ مشروط کیا گیا ہے، تو اسکا یہ معنی لکھا گیا ہے کہ ۔ اگر تم بچاؤ کے جملہ لوازمات پورے رکھو تو اللہ تعالیٰ اپنی مخفی قوتوں کیساتھ تمہاری مدد کریگا۔ بچاؤ کے لوازمات کا حکم سورہ انفال میں دیا گیا ہے :- وَاَعِدُّوۡا لَهُمۡ مَّا اسۡتَطَعۡتُمۡ مِّنۡ قُوَّةٍ وَّمِنۡ رِّبَاطِ الۡخَيۡلِ تُرۡهِبُوۡنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمۡ ۝ = اور دشمن کے مقابلے کیلئے پوری استطاعت کیساتھ فوجی قوت تیار کرتے رہو۔ خصوصاً ذرائع رسل و رسائل کی تمہارے ہاں بہتات ہو، جس کے ساتھ تم اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو لرزاتے اور دہلاتے رہو۔

• ۴ مُسَوِّمِيۡنَ کا سہ حرفی مادہ س۔و۔م = سوم ہے جسکا بنیادی معنی پہنچنا بھی ہے اور پہنچانا بھی۔ لازم و متعدی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے نیز اسکا معنی نشان لگانا بھی ہے۔ لیکن یہاں ۳/۱۲۵ میں مسوّمین بصیغہ اسم فاعل کا معنی ہے پہنچنے والے۔ قرآن کریم ۲/۴۹ میں يَسُوۡمُوۡنَكُمۡ سُوۡٓءَ الۡعَذَابِ کے الفاظ میں یہ مادہ متعدی صورت میں استعمال ہوا ہے، جیسے بنی اسرائیل کو کہا گیا ہے کہ آلِ فرعون تمہیں بُرا عذاب پہنچاتے تھے۔ نیز ۷/۱۴۱ میں بھی يَسُوۡمُوۡنَكُمۡ سُوۡٓءَ الۡعَذَابِ کے الفاظ آتے ہیں۔

ملائکہ کی مدد سے متعلقہ مزید متعدد آیاتِ قرآنیہ

• سورہ انفال آیت نمبر ۱۱-۱۲ میں جنگ بدر ہی کے متعلق ارشاد ہوا ہے:

• اِذۡ يُغَشِّيۡكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنۡهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيۡكُمۡ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمۡ بِهٖ وَيُذۡهِبَ عَنۡكُمۡ رِجۡزَ الشَّيۡطٰنِ وَلِيَرۡبِطَ عَلٰى قُلُوۡبِكُمۡ وَيُثَبِّتَ بِهِ الۡاَقۡدَامَ ۝ اِذۡ يُوۡحِىۡ رَبُّكَ اِلَى الۡمَلٰٓـئِكَةِ اَنِّىۡ مَعَكُمۡ فَثَبِّتُوا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا ؕ سَاُلۡقِىۡ فِىۡ قُلُوۡبِ الَّذِيۡنَ كَفَرُوا الرُّعۡبَ فَاضۡرِبُوۡا فَوۡقَ الۡاَعۡنَاقِ وَاضۡرِبُوۡا مِنۡهُمۡ كُلَّ بَنَانٍ ۝ ۸/۱۱-۱۲ = وہ وقت قابلِ ذکر ہے جب اللہ نے تم پر امن کی نیند مسلّط کی (تمہیں تازہ دم کردیا)۔ اور تم پر آسمان سے پانی نازل کیا (اسطرح تمہارے لئے میدانِ جنگ میں پانی کا ذخیرہ بھی جمع کردیا۔ اور ریتلے

میدان کو جس میں گھوڑوں کے پاؤں دھنستے تھے پانی کیساتھ ٹھوس کردیا) تاکہ تمہیں ذہنی کمزوریوں سے پاک کردے۔ اور لے جائے تم سے شیطانی وسوسے (جو کم ہمتی پیدا کرتے ہیں) اور تاکہ اس بارش کے پانی کیساتھ (میدان جنگ میں) تمہارے قدموں کو ثابت کردے وہ وقت قابل ذکر ہے جب اے رسول) تیرے رب نے (تیرے ہی ذریعہ) ملائکہ کو (یعنی میدان جہاد کے فوجی سرداروں کو)* وحی کی، کہ میں تمہارے ساتھ ہوں تم مومن مجاہدوں کو ثابت قدم رکھو۔ میں عنقریب کافروں کے اذہان میں تمہارا رعب ڈالدونگا پس تم کافروں کی گردنیں مارو اور ان کے ایک ایک پورے پر ضربیں لگاؤ

● * یہاں ملائکہ کا معنیٰ فوجی سردار ہے۔ جیسے کہ سورہ زخرف میں آیا ہے کہ فرعون نے حضرت موسیٰ کے متعلق کہا۔

فَلَوْلَآ اُلْقِيَ عَلَيْهِ اَسْوِرَةٌ مِّنْ ذَهَبٍ اَوْ جَآءَ مَعَهُ الْمَلٰٓئِكَةُ مُقْتَرِنِيْنَ ○ ۴۳/۵۳ = پس اسکے پاس سونے کے کنگن کیوں نہیں اور اسکے ساتھ پرا باندھے ہوئے فوجی سردار کیوں موجود نہیں ہیں۔ ــــ پس آیت مجیدہ ۱۱/۸ میں ملائکہ سے مراد کائناتی قوتیں ہیں، نیند کی مخفی قوت جو دکھائی نہیں دیتی، سمندروں سے بادلوں کی صورت میں پانی کو اٹھا لانیوالی، اور پھر بارش برسانے والی ہزاروں قوتیں، جن کے ذریعہ میدان بدر میں ذہنی ناسازگاری ختم کرکے صحابہؓ کے قلوب کو ثبات عطا فرمایا گیا۔ اور ۱۲/۸ میں ملائکہ کا معنیٰ ہے فوجی سردار، جنہیں آنحضورؐ کے ذریعہ حکم دیا گیا کہ مومنوں کے اپنے اپنے دستے کے قلوب میں ثبات پیدا کئے رہو۔ تمہاری ثابت قدمی کی وجہ سے میں کافروں کے ذہنوں میں تمہارا رعب ڈالدونگا۔ تم کافروں کی گردنیں مارو اور انکی پوری قوت ختم کردو۔

● ۲ اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ○ نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ○ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ ○ ۴۱/۳۰-۳۲ = بیشک جو لوگ کہتے ہیں کہ ہمارا رب اللہ ہے یعنی (وہ اللہ تعالیٰ کے قانون ربوبیت پر ایمان لاتے ہیں) پھر اس پر استقامت کرتے (یعنی نظام ربوبیت کے قیام میں لگ جاتے ہیں) ان پر (اطمینان وسکون کی) کائناتی قوتیں نازل ہوتی ہیں (جو بزبان حال کہتی ہیں کہ) خوف نہ کرو اور غم نہ کھاؤ۔ اور خوشخبری پاؤ جنت (متوازن معاشرہ) کی جس کا تم وعدہ دیئے جاتے ہو۔ ہم (اطمینان وسکون کی مخفی قوتیں) تمہاری دوست ہیں دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ تمہیں یہ (دنیا کے متوازن معاشرے میں بھی اور اخروی جنت) میں بھی وہ کچھ میسر آئیگا جو تمہارے جی چاہینگے۔ یہ (متوازن معاشرہ اور اخروی جنت) بچاؤ عطا کرنیوالے، رحمت کرنیوالے کی طرف سے تمہاری مہمانی ہے ــــ ان آیات مجیدہ میں ذہنی سکون واطمینان کی مخفی کائناتی قوتوں کو ملائکہ کہا ہے جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا۔

● ۳ لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْـًٔا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ○ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ۚ وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ○ ۹/۲۵-۲۶ = بیشک اللہ نے تمہاری مدد کی بہت جگہوں پر، خصوصًا حنین کے دن، جب تمہیں اپنی کثرت پر تعجب تھا۔ پھر تمہاری کثرت تمہارے کسی کام نہ آئی اور زمین اپنی وسعت کے باوجود تم پر تنگ ہوگئی یعنی تم میدان سے پیٹھ پھیر گئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ اور مومنوں پر اپنی تسکین نازل فرمائی یعنی ایسے

لشکر نازل کیئے جنہیں تم نے دیکھا نہیں تھا۔ اور (اسطرح) اُس نے کافروں کو شکست کا عذاب دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ (ضابطۂ ربوبیت کا) انکار کرنیوالوں کی سزا یہی ہے۔

● آیت بالا کے داخلی الفاظ کے مطابق چونکہ جنگِ حُنین کے وقت مسلمانوں کی کثرت ہو چکی ہوئی تھی۔ اسلئے یہاں جنودًا لَّمْ تَرَوْهَا سے مُراد دُور کے علاقہ کے مومن مجاہدین ہیں جو عین موقعہ پر کمک کی صورت میں پہنچ گئے، جنہیں صحابہ نے اس سے پہلے نہیں دیکھا تھا۔ واضح رہے چونکہ آیاتِ بالا $\frac{9}{25-26}$ میں ملائکہ کا لفظ مطلقاً نہیں آیا۔ اسلئے یہاں جُنُودًا لَّمْ تَرَوْهَا سے مُراد دُور کے مومن مجاہدوں کے لشکر ہیں جو بروقت پہنچ گئے۔

۴ اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى

$\frac{9}{40}$ = اگر تم اُسکی مدد نہ کرو (تو کوئی بات نہیں) پس بیشک اللہ تعالیٰ نے اُس (رسول) کی مدد کی اُسوقت جب اُسے کافروں نے اُسکے گھر سے نکالدیا۔ وہ دو میں کا دُوسرا تھا جب وہ دونوں دشمنوں کے انبوہ[*] میں گھر گئے۔ جب اُس نے اپنے ساتھی سے کہا کہ غم نہ کر بیشک اللہ ہمارے ساتھ ہے (کیونکہ ہم نے اپنی کسی ذاتی غرض کیلئے ہجرت نہیں کی، اللہ تعالیٰ کے نظامِ ربوبیت کے قیام کیلئے کی ہے۔ اسلئے وہ ضرور ہماری مدد کریگا)۔ پس اللہ تعالیٰ نے اُس پر ذہنی تسکین نازل کی، یعنی ایسے لشکروں کیساتھ اُسکی مدد کی جنہیں تم نے نہیں دیکھا۔ اور (اسطرح اللہ نے ضابطۂ ربوبیت کا انکار کرنیوالوں کیطرف سے آنحضورؐ کے قتل کے بنائے گئے منصوبے کو ناکام کر دیا۔ (یعنی آپ اپنے ساتھی سمیت بخیریت تمام مدینہ منورہ پہنچ گئے) یہاں جُنُودًا لَّمْ تَرَوْهَا سے مراد بروقت پہنچنے والے مدنی مومن ہیں جو آنحضورؐ کے استقبال کیلئے آئے تھے۔ یہاں بھی ملائکہ کا لفظ نہیں ہے۔

● [*] غار کا معنی عربی زبان میں گروہ بسیار از مردم و لشکر بھی ہے۔ منتہی الارب جلد سوم صفحہ ۹۱۲۔

۵ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ۚ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ۚ اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ۞ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا ۞

$\frac{33}{9 \text{ تا } 11}$ = اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کی اُس نعمت کو یاد کرو جو اُس نے تم پر کی جب تم پر دشمنوں کے لشکر چڑھ آئے تو ہم نے اُن پر آندھی بھیج دی۔ (یعنی آندھی میں موجود اپنے وہ) لشکر بھیج دیئے جو تم نے نہیں دیکھے۔ (جنہوں نے دشمن کے خیموں کی طنابیں اکھیڑ پھینکیں۔ اِس طرح وہ ہمت ہار بیٹھے (اور ناکام لوٹ گئے) اور اللہ تعالیٰ نے اُن کاموں کو دیکھ لیا جو تم (اپنے بچاؤ کیلئے) کرتے تھے۔ وہ وقت قابلِ ذکر ہے جب (تمہارے دشمن) تم پر تمہارے اوپر کیطرف سے بھی آ گئے۔ اور تمہارے نیچے سے بھی آ گئے اور جب (منافقوں کی) نظریں ٹیڑھی ہو گئیں اور اُنکے کلیجے منہ کو آ گئے۔ اور تم (یعنی تمہارے اندر رہنے والے منافق) اللہ کے متعلق بُرا گمان کرنے لگے۔ وہاں مومنوں کو ظاہر کر دیا گیا اور وہ (منافق) ہلائے گئے سخت ہلایا جانا۔ اِس آیتِ مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ جنگِ احزاب کے موقعہ پر ایک شدید آندھی کے ذریعہ صحابہ کی مدد کی گئی تھی جس میں اللہ کے مخفی لشکر موجود تھے۔

۶ هُوَ الَّذِيٓ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ فِيْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ لِيَزْدَادُوٓا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ ؕ وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۙ لِيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَيُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عِنْدَ اللّٰهِ فَوْزًا عَظِيْمًا ۙ وَّيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ الظَّآنِّيْنَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوْءِ ؕ عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ۚ وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَلَعَنَهُمْ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ ؕ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ۝ وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝ ۴۸/۴تا۷

(مفہوم) وہ اللہ ہی ہے جس نے مومنوں کے ذہنوں میں تسکین نازل کی (کہ اللہ کی مدد اُنکے ساتھ ہے) تاکہ بڑھ جائیں اُنکے ایمان ساتھ ایمان کے۔ اور اللہ ہی کی ملکیت ہیں آسمانوں اور زمین کے (مخفی) لشکر۔ اور ہے اللہ تعالیٰ حکمت والا، بڑھکر علم والا۔ تاکہ وہ مومنین اور مومنات کو (اُنکے اعمال کے ذریعہ) ایسے باغوں (متوازن معاشرہ) میں داخل کرے جس کی سطح میں (ضروریات زندگی کی) نہریں بہتی ہیں۔ وہ (صحابہؓ اور صحابیات) اُس میں ہمیشہ (تا زیست) رہنے والے ہیں۔ اور تاکہ وہ (اللہ) اُن کی بدحالیاں اُن سے دُور کردے۔ اور عذاب کرے منافق مردوں اور منافق عورتوں کو (۳۳/۶۰-۶۱) اور مشرکوں کو بھی جو اللہ کے متعلق بُرا گمان کرتے ہیں کہ (اللہ تعالیٰ مومنوں کی مدد نہیں کریگا)۔ اُن پر بُرائی کا چکر ہے۔ اور اللہ اُن سے ناراض اور بیزار ہوگیا۔ اور اُنکے لئے تیار کیا جہنم (دنیا میں شکست ۳/۱۲ آخرت میں ناکامی) کا عذاب۔ اور اللہ ہی کی ملکیت ہیں آسمانوں اور زمین کے (مخفی) لشکر۔ اور ہے اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا (وہ ایمان والوں کو بھی حکمت ہی کے ذریعہ کافروں کے مقابلے پر غلبہ حاصل کرنے کی تلقین کرتا ہے)

۷ وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْـًٔا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اَنْ يَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَرْضٰى ۝

۵۳/۲۶ = اور آسمانوں میں بہت سی ہیں اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ مخفی کائناتی قوتیں۔ کہ اُنکی عملی شفاعت کسی کیلئے اُسوقت تک کوئی فائدہ نہیں دیتی جبتک کہ اللہ تعالیٰ اُس شخص کیلئے اپنے قانونِ مشیت کے مطابق راضی نہ ہوجائے ـــــ اس آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ پوری فضا ملائکہ (یعنی اللہ تعالیٰ کی مخفی کائناتی قوتوں) سے بھری پڑی ہے۔ مگر اُن سے فائدہ اُسی وقت حاصل ہوسکتا ہے جب کسی کائناتی قوت کو اللہ تعالیٰ کے معینہ قانون کے مطابق مسخر کرکے تابع فرمان کیا جائے۔ جیسے بجلی، ایتھر، ریڈیائی لہریں اور شعاعیں وغیرہ۔ اب غور فرمائیں کہ جب انہیں مسخر کرلیا گیا ہے تو اُنکی شفاعت جو وہ نوعِ انسانی کے لئے بذریعہ عملِ تسخیر کرتی ہیں فائدہ بخش ہوچکی ہے۔ ارشادِ باری ہے:۔ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ ۴۵/۱۳ = اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے مسخر کر دیا ہے (اپنے جملہ جنود السمٰوٰت والارض) کو، جو جو بھی آسمانوں میں ہیں اور زمین میں ہیں ـــ اِس آیت مجیدہ ۵۳/۲۶ میں اُن کائناتی مخفی قوتوں کو ملائکہ کہا گیا ہے جن سے پوری فضائیں معمور ہیں۔

۸ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْ فَوْقِهِنَّ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِي الْاَرْضِ ؕ اَلَآ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝ ۴۲/۵ = قریب ہے کہ فضائی کُرّے اپنے اوپر سے پھٹ جائیں (مگر) حالت یہ ہے کہ ملائکہ

(کائناتی قوتیں) اپنے رب کی عملی حمد کیساتھ ہر آن اپنے فرائضِ منصبی ادا کر رہی ہیں۔ اور جو جاندار زمین میں ہیں اُنکے لئے بچاؤ چاہتی ہیں۔ خبردار بلا شبہ اللہ تعالیٰ بچاؤ دینے والا، رحمت کرنیوالا ہے۔ اِس آیتِ مجیدہ میں زمینی مخلوق کو فضائی کُرّوں کے پھٹ کر گِر جانے سے بچاؤ دینے والی اُن قوتوں کو ملائکہ کہا گیا ہے جن میں سرِفہرست کُرّہ جاتِ سماویہ کی الگ الگ کششِ ثقل ہے۔ جو جملہ کُرّہ جات کے اجزا کو بکھرنے، پھٹنے نہیں دیتی۔ اور پھر وہ الگ الگ قوتیں ہیں جو الگ الگ اجرامِ فلکی کو الگ الگ اپنے اپنے مدار پر محوِ گردش رکھتی ہیں۔ یہی ہے اِن ملائکہ کا يَسْتَغْفِرُونَ لِمَنْ فِي الْأَرْضِ، کہ وہ اپنے اپنے مندرجہ بالا الگ الگ عمل کیساتھ اجرامِ فلکی کو پھٹنے نہیں دیتیں اور اِسطرح زمین پر بسنے والے جانداروں کی حفاظت کرنے پر مامور ہیں۔

۹ سورہ مدثر میں ضابطۂ ربوبیت کے منکر سربراہِ ریاست کے متعلق ارشاد ہوا ہے:۔ إِنَّهُ فَكَّرَ وَقَدَّرَ ۝ فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ۝ ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ۝ ثُمَّ نَظَرَ ۝ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ۝ ثُمَّ أَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ ۝ فَقَالَ إِنْ هَٰذَا إِلَّا سِحْرٌ يُؤْثَرُ ۝ إِنْ هَٰذَا إِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ۝ ۷۴ : ۱۸ تا ۲۵ = اُس نے تفکر کیا اور اندازہ (یعنی قانون) مقرر کیا۔ پس اُسے اللہ کی مار اُس نے کیسا (ناہموار اور غیر متوازن) قانون مقرر کیا۔ اُسے پھر خدا کی مار اُس نے کیسا (ربوبیت کے خلاف ناہموار اور غیر متوازن) قانون مقرر کیا۔ اُس نے پھر (دوبارہ) ضابطۂ الٰہی پر غور کیا۔ پھر (اِس سے) تیوری چڑھائی اور منہ بسورا۔ پھر پیٹھ پھیری اور تکبر کیا۔ پھر کہا کہ یہ (متوازن ربوبیت کا نظریہ) جھوٹ ہے جو چلا آرہا ہے۔ نہیں ہے یہ قول (اللہ کا بلکہ) یہ قول ہے بشر کا (کہ معاشرہ کا قانون ہر کسی کیلئے متوازن ربوبیت کا حامل ہونا چاہیئے)۔ اِسکے بعد ارشاد ہوا ہے:۔

• سَأُصْلِيهِ سَقَرَ ۝ وَمَا أَدْرَاكَ مَا سَقَرُ ۝ لَا تُبْقِي وَلَا تَذَرُ ۝ لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ ۝ عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ۝ وَمَا جَعَلْنَا أَصْحَابَ النَّارِ إِلَّا مَلَائِكَةً ۙ وَمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ إِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِينَ كَفَرُوا لِيَسْتَيْقِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَيَزْدَادَ الَّذِينَ آمَنُوا إِيمَانًا ۙ وَلَا يَرْتَابَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَالْمُؤْمِنُونَ ۙ وَلِيَقُولَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ وَالْكَافِرُونَ مَاذَا أَرَادَ اللَّهُ بِهَٰذَا مَثَلًا ۚ كَذَٰلِكَ يُضِلُّ اللَّهُ مَن يَشَاءُ وَيَهْدِي مَن يَشَاءُ ۚ وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ ۚ وَمَا هِيَ إِلَّا ذِكْرَىٰ لِلْبَشَرِ ۝ ۷۴ : ۲۶ تا ۳۱

(مفہوم) میں اُسے مزہ سقر (ناہموار معاشرہ) میں جلاؤنگا۔ اور کیا ہے وہ ذات جو اے رسول آپکو بتاتی ہے کہ سقر کیا ہے۔ (سقر کی تعریف یہ ہے کہ) وہ نہ باقی رکھے نہ چھوڑے (نہ زندہ نہ مُردہ) نوعِ بشر کو جھلس دینے والی۔ (یعنی ناہموار جہنمی معاشرہ، سقر میں رہنے والوں کی صلاحیتیں جھلس کر رہجاتی ہیں) اُس سقر (جہنمی معاشرہ) پر اُنیس (نگران عمّال) ہوتے ہیں (جو اُنیس بیس کے ابلیسی چکّر میں پھنسے ہوئے ہیں)۔ اور نہیں پایا ہم نے اہلِ نار (یعنی غیر متوازن معاشرہ کے نگران عمّال) کو مگر ملائکہ (یعنی ایک ہی نہج پر کام کرنیوالے) اور نہیں پایا ہم نے اُن (ناہموار معاشرہ سقر کے خود غرض اور غافل عمّال) کی اُنیس کی گنتی مگر ضابطۂ ربوبیت کا انکار کرنیوالوں کیلئے عذاب:۔ تاکہ اُنیس بیس کے ابلیسی چکّر میں پھنسے ہوؤں کی پریشانیوں کو دیکھ کر اہلِ کتاب یقین کرلیں (کہ نوعِ انسانی کی مشکلوں کا حل صرف نظامِ ربوبیت ہے) اور مومنوں کے ایمان زیادہ ہوجائیں۔ نیز اہلِ کتاب اور مومن (عقیدۂ ربوبیت میں) شک نہ لائیں۔ اور (ضابطۂ ربوبیت کے منکر)، جن کے ذہنوں میں نفاق کی بیماری ہے، یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ (اُنیس کی گنتی کی ضرب المثل بیان کرکے) کیا غلط

مثالیں دی ہے۔ اللہ تعالیٰ اِسیطرح گمراہ پاتا ہے (بعض کو) اپنے قانونِ مشیت کے مطابق، اور ہدایت یافتہ پاتا ہے (بعض کو) اپنے قانونِ مشیت کے مطابق۔ اور نہیں جانتا تیرے رب کے لشکروں کو (جو کائناتی قوانین سے غافل ذاتی منفعت کے چکر میں پھنسے ہوؤں کیلئے آندھی اور سیلاب کی صورت میں عذاب لاتے ہیں، یعنی ہوا پانی وغیرہ کی مخفی قوتیں) مگر انہیں وہی جانتا ہے۔ اور نہیں ہے یہ (قانونِ مشیت کا ہر گوشہ) مگر نوعِ بشر کیلئے ایک نصیحت و عبرت ہے۔ (تاکہ انفرادی منفعت کوشی کو چھوڑ کر لوگ اجتماعی نظام ربوبیت کو اپنائیں)۔

● ۱؎ جَعَلْنَا کا معنٰی لکھا گیا ہے (پایا ہمنے) کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی کو اصحاب نار نہیں بناتا۔ لوگ بُرے عملوں کیساتھ خود اصحاب نار بنتے ہیں۔

● ۲؎ نار یعنی غیر متوازن معاشرہ کی آگ، جو ذہنوں کو جلاتی ہے ۱۰۴ میں بالفاظ ذیل مذکور ہے:۔ نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ الَّتِیْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْئِدَةِ ٥ وہ اللہ کی قرار دی ہوئی (لوگوں کی ناہموار معاشرہ کی خود اپنی) بھڑکائی ہوئی آگ ہے، جو ذہنوں کو جلاتی ہے

● ۳؎ یہاں اصحاب نار سے مراد نار کے نگران یعنی جہنمی معاشرہ کے عمال ہیں۔ چنانچہ یہاں تمام مترجمین نے اصحاب نار کا معنٰی دوزخ کے داروغے ہی لکھا ہے۔

● ۴؎ ملائکہ کا سہ حرفی مادہ م۔ل۔ک = ملک ہے جسکا بنیادی معنٰی ہے ایک ہی صفت کا ملکا ہونا۔ کائنات کی ہر قوت چونکہ ایک ہی قسم کے ملکے کے مطابق کام کرتی ہے اسلئے ہر کائناتی قوت ملک ہے۔ ناہموار معاشرہ کے نگران (سربراہ اور اسکا عملہ، عمال) چونکہ ذاتی منفعت کوشی کی ایک ہی نہج پر کام کرتے چلے جاتے ہیں، خواہ غریب عوام بلک بلک کر اور سسک سسک کر مر رہے ہوں لیکن اُنکی منفعت کوشی کی روش میں مطلقاً کوئی فرق نہیں آتا۔ اِسلئے اُنکے اِس ایک ہی نہج پر کام کرتے چلے جانے کے مخصوص ملکے کے مطابق اُنہیں ملائکہ کہا گیا ہے۔

● ۵؎ ناہموار معاشرہ کے نگران عمال کی گنتی ۱۹ ضرب المثل کے طور پر بیان کیگئی ہے، جو مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا کے الفاظ سے عیاں ہے کہ یہاں ۱۹ کا عدد ضرب المثل کے طور پر آیا ہے اور یہی ضرب المثل ناہموار معاشرہ کی اساس و بنیاد ہے کہ جب کسی کے پاس ۱۹ روپے جمع ہو جائیں تو وہ مزید ایک روپیہ کے حصول کیلئے سرگرداں رہتا ہے "تاکہ ۲۰ پورے ہو جائیں" اسی طرح جب کسی کے پاس ۹۰ روپے جمع ہو جائیں تو مزید دس روپیہ کیساتھ اُنہیں ۱۰۰ بنانے کیلئے سرگرداں پھرتا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس ایسے لوگ ۹۰۰ کو ہزار بنانے کی دُھن میں اور پھر ہزاروں لاکھوں کروڑوں کے بینک بیلنس میں تبدیل کرنے کے جنون میں پاگل ہوئے رہتے ہیں۔ یہ ہے اُنیس کے چکر کی ضرب المثل کی عملی صورت۔ جسے ننانوے کا پھیر بھی کہا جاتا ہے۔

● ۶؎ جو معاشرہ ذاتی منفعت کوشی کی اساس پر قائم ہوتا ہے، اُسکے عمال ذاتی جائیدادیں کھڑی کرنے کی فکر میں کائناتی قوانین سے غافل رہتے ہیں، جسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لشکر جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ، کبھی تو سیلاب کی صورت میں اُنکی ہزاروں بستیوں کو بہا کر لے جاتے ہیں اور کبھی آندھی اور زلزلے کی صورت میں تباہی مچا دیتے ہیں۔ لیکن جب کوئی ایسا عذاب گزر جاتا ہے تو اس معاشرہ کے حکام آئندہ کیلئے انسدادی اقدام کرنے کی بجائے پھر ذاتی نفع اندوزی اور سیاسی جوڑ توڑ میں مبتلا ہو جاتے ہیں

روائتی ملائکہ

• اُوپر تو آیات کریمات میں حقیقت اور مجاز کے انداز میں بیان کیگئی کائناتی قوتوں (ملائکہ) کی قرآنی تفصیل بیان کیگئی ہے۔ لیکن اِسکے برعکس ملائکہ کے متعلق روائتی تصور یہ ہے کہ وہ نور کی پیدائش ہیں اور ہر قسم کی شکلیں بدل لیتے ہیں۔ یعنی بقولِ روایات کبھی تو کوئی ملک، نوجوان آدمی بنکر حضرت مریمؑ کے پاس پہنچ جاتا ہے تاکہ معاذ اللہ معاذ اللہ پھونک مار کر اُنہیں حاملہ کر جائے۔ اور کبھی بقولِ روایات ہزاروں کی تعداد میں مسلح سپاہی بنکر میدانِ بدر میں مومنوں کی مدد کے لئے پہنچ جاتے ہیں۔ لیکن میدانِ اُحد میں اِنہی بدری مجاہدوں کیلئے ہرگز نہیں آتے۔ چنانچہ روائتی تصور کے مطابق میدانِ بدر میں صحابہؓ کو ہزارہا ملائکہ کی مدد کی بدولت فتح ہوتی ہے اور جنگ اُحد میں اُنکی مدد نہ آنے کی بدولت شکست ہو جاتی ہے۔ افسوس ہے کہ اِس روائتی تصور سے نہ صرف یہ کہ جنگ بدر میں صحابہؓ کے عزم و استقلال کی نفی ہو جاتی ہے۔ بلکہ كَمْ مِّن فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللَّهِ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ ۝ ۲/۲۴۹ کا الٰہی اعلان بھی غلط ثابت ہوئے، جسمیں کہا گیا ہے کہ، بارہا چھوٹی جماعت بڑی جماعت پر غالب آتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ثابت قدم رہنے والوں کیساتھ ہے۔ یعنی، میدانِ بدر میں اگر تین ہزار یا پانچ ہزار ملائکہ سپاہی بنکر شریکِ جنگ ہوئے تھے تو چھوٹی اور کمزور جماعت، بڑی اور طاقتور جماعت پر غالب نہیں آئی تھی۔ بلکہ ملائکہ کی پانچ ہزار کی ایک کثیر جماعت غالب آئی تھی۔

• لیکن حقیقتِ حال اِس آیت مجیدہ ۲/۲۴۹ کے آخری جملہ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ میں نمایاں کرکے فتح و شکست کا الٰہی قانون بتا دیا گیا ہے۔ کہ میدانِ جہاد میں ثابت قدم رہنے والے مجاہدوں کو اللہ تعالیٰ کی معیت و نصرت نصیب ہوتی ہے۔ چنانچہ جنگِ بدر میں ثابت قدمی ہی کا نتیجہ تھی فتح اور عدمِ ثبات قدمی کا نتیجہ تھی شکست، جنگِ اُحد میں۔

رجوع الی المطلب

• اب پھر آیئے اپنے سبق کیطرف بسلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں، جنگِ بدر میں آنحضورؐ کی طرف سے صحابہؓ کی ہمت افزائی اور اللہ کی مدد کو اُنکے لئے خوشخبری اور باعثِ تسکینِ قلوب قرار دیا گیا اور موجبِ ثباتِ قدمی بنایا گیا ہے:-

وَمَا جَعَلَهُ اللَّهُ إِلَّا بُشْرَىٰ لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ اور نہیں ٹھہرایا اُسے اللہ نے مگر خوشخبری واسطے تمہارے اور تاکہ مطمئن ہو	اور نہیں ٹھہرایا اللہ نے (نبی کیطرف سے صحابہؓ کی ہمت افزائی کو) مگر بشارت تمہارے لئے۔ اور تاکہ مطمئن رہیں اذہان تمہارے ساتھ اِس خوشخبری کے۔ اور نہیں ہے مدد مگر اُس اللہ کیطرف سے ہے (اُسکے قانون کے مطابق ۳/۱۲۶ + ۴۰/۲۲) جو غالبِ حکمت والا ہے۔ (پس جنگ میں بھی غلبہ حکمت ہی کیساتھ میسر آتا ہے)۔
قُلُوبُكُم بِهِ ۗ وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِندِ اللَّهِ اذہان تمہارے ساتھ اُسکے۔ اور نہیں ہے مدد مگر اللہ کی طرف سے	
الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ ۝ ۱۲۶ غالب حکمت والے سے	

• ۱؎ جنگِ بدر میں کائناتی قوتوں کی مدد کو فتح کی خوشخبری سورہ انفال میں بھی بتایا گیا ہے:- وَمَا جَعَلَهُ اللَّهُ إِلَّا بُشْرَىٰ وَلِتَطْمَئِنَّ بِهِ قُلُوبُكُمْ ۚ وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِندِ اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝ ۸/۱۰ = اور نہیں ٹھہرایا اللہ نے اُسے مگر صرف خوشخبری۔ اور تاکہ اِس خوشخبری کیساتھ تمہارے قلوب مطمئن ہو جائیں اور مدد صرف اللہ کیطرف سے اُسکے قانون کے مطابق آتی ہے۔

بیشک اللہ غالب حکمت والا ہے۔ (پس سُن لو کہ غلبہ حکمت یعنی دانائی ہی کے ساتھ حاصل ہوتا ہے)

● چنانچہ سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں میدانِ جنگ کی حکمت بتائی گئی ہے کہ دشمن کے لشکر کی ایک طرف کو کاٹ دیا جائے تاکہ وہ کمزور ہو جائے:۔

لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِينَ كَفَرُوٓا أَوْ يَكْبِتَهُمْ
تاکہ کاٹ دے ایک طرف کے کافروں کو اور یا انہیں ہلاک کر دے

فَيَنقَلِبُوا خَآئِبِينَ ۝ ۱۲۷
پھر وہ لوٹ جائیں شکست خوردہ

(یہ خوشخبری اور حوصلہ افزائی اسلئے تھی کہ مجاہدوں کے ہاتھوں) اللہ تعالیٰ میدانِ جنگ میں ایک طرف کے کافروں (منکرینِ ربوبیت) کو دوسری طرف کے کافروں سے قطع کر دے یعنی انہیں کمزور کر دے۔[عنہ] پھر اِسطرح وہ سب کے سب شکست کھا کر واپس لوٹ جائیں۔

● عنہ يَكْبِتَهُمْ میں آمدہ مادہ ک۔ب۔ت ۔ کبت کا بنیادی معنیٰ ذلیل و خوار کرنا بھی ہے اور کمزور کرنا بھی۔ یہاں میدانِ جنگ کی مناسبت سے کافر فوج کے عین جگر میں گھس کر انہیں دو ٹکڑے کر دینا اور ایک طرف کو دوسری طرف سے قطع کر کے کمزور کرنا ہی صحیح معنیٰ ہے۔

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ سے ثابت ہوتا ہے کہ مکہ کے حملہ آوروں میں سے بعض، بعد میں مسلمان ہو گئے تھے چنانچہ ارشاد ہوا ہے:۔

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ
نہیں ہے واسطے تیرے حکم میں سے کچھ۔ یا لوٹ آئے اُن پر (اللہ)

أَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَإِنَّهُمْ ظَٰلِمُونَ ۝ ۱۲۸
یا عذاب کرے انہیں بیشک وہ ظالم ہیں

(اے رسولؐ!) آپکے لئے ہمارے حکم میں کچھ نہیں ہے۔ (اللہ ہی اِنکے متعلق فیصلہ کریگا) کہ انہیں (توبہ کے بدلے) معاف کر دے یا (سرکشی کے بدلے) عذاب کرے۔ بیشک (اس وقت) وہ سب ظالم ہیں۔

● اِس سے اگلی آیت مجیدہ میں وجہ بیان کیگئی ہے کہ حکم کے معاملہ میں خود آنحضورؐ تک کو بھی کیوں حق دخل نہیں دیا گیا۔ حکم کا حق صرف کائنات کے مالک کا ہے:۔

وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمَٰوَٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ يَغْفِرُ لِمَن
اور واسطے اللہ ہی کے ہے جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے۔ بخش دیتا ہے جسے

يَشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَن يَشَآءُ وَاللَّهُ غَفُورٌ
اپنی مشیت سے اور عذاب کرتا ہے جسے اپنی مشیت سے اور ہے اللہ بخشنے والا

رَّحِيمٌ ۝ ۱۲۹
مہربان

ع ۱۳ / ۹ / ۴

واسطے اللہ ہی کے ہے آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے (لہٰذا کائنات میں حکم کا حق بھی اُسی کا ہے $\frac{6}{57}+\frac{12}{40}$)۔ وہ جسے عذاب سے بچاتا ہے، بچاتا ہے قانونِ مشیت کے مطابق۔ اور جسے عذاب کرتا ہے، عذاب کرتا ہے اپنے قانونِ مشیت کیمطابق۔[عنہ] (اس نے عذاب و ثواب کے الگ الگ قانون مقرر کر رکھے ہیں $\frac{2}{284}$[عنہ])۔ حقیقتِ حال یہ ہے کہ وہ بچانیوالا مہربان ہے۔ (لوگ اپنے عملوں سے خود عذاب کے مستحق ہوتے ہیں)۔

اللہ تعالیٰ کے بخشش و عذاب کے الگ الگ پیمانے ہیں

• ۲۸۴/۲ روائتی تراجم میں یَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ اور یُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ کا یہ معنی لیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا بخشش و عذاب کا کوئی قانون نہیں۔ وہ ایک لاابالی ہستی ہے جی میں آیا تو گنہگار کو بے توبہ بخش دیا اور جی میں آیا تو نیکو کار کو موردِ عذاب قرار دیدیا۔ برادرانِ عزیز! مَنْ یَّشَآءُ کے الفاظ میں مشیّتِ الٰہی کا ذکر ہے جس کے متعلق سورہ بقرہ کی آئت ذیل میں آئت بالا ہی کے الفاظ آئے ہیں لیکن اُس میں اعلان کر دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بخشش و عذاب کے الگ الگ پیمانے مقرر کر رکھے ہیں:-

لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ؕ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۲/۲۸۴ = واسطے اللہ ہی کے ہے جو کچھ بھی آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے (لہذا آسمانوں اور زمین میں حکم کا حق بھی اُسی کا ہے) اور جو کچھ تمہارے ذہنوں میں چھپا ہوا ہے اگر تم اسے ظاہر کرتے ہو یا اسے چھپاتے ہو اللہ تعالیٰ تم سے تمہارے چھپے اعمال کا بھی حساب لیگا۔ پھر (ٹھیک ٹھیک حساب لینے کے بعد) جسے عذاب سے بچا لیگا تو اپنے قانونِ مشیّت کے مطابق بچائیگا اور جسے عذاب کریگا اُسے اپنے قانونِ مشیت کے مطابق ہی عذاب کریگا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ بخشش و عذاب سمیت ہر چیز کے اندازے پیمانے اور قوانین مقرر کرنیوالا ہے۔ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ میں لفظ قدیر مادہ قدر سے ہے جسکا معنی ہے ٹھیک ٹھیک اندازے پیمانے اور قوانین مقرر کرنا، اور كُلِّ شَيْءٍ کی قید سے ثابت ہے کہ اُس نے بخشش و عذاب کے بھی قوانین مقرر کر رکھے ہیں جن کے خلاف نہ وہ بخشش کرتا ہے نہ عذاب۔

• دیکھئے! اِس آئت مجیدہ میں بخشش و عذاب کو پہلے نمبر پر اعمال کے حساب کیساتھ مشروط کیا گیا ہے اور اسکے بعد اعلانِ عام کر دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بخشش و عذاب سمیت ہر چیز کے قوانین مقرر کر رکھے ہیں۔ جو فرد یا قوم دنیا اور آخرت میں بخشش کی مستحق ہوتی ہے اللہ تعالیٰ کے مقررہ قوانینِ بخشش کے مطابق ہی ہوتی ہے اور جو عذاب کی مستحق ہوتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کے قوانینِ عذاب کے مطابق ہی مستحق ہوتی ہے۔

نظامِ ربوبیّتِ عامہ

• صفحہ ۹۹ پر ہم آئت نمبر ۱۱۸/۳ کے ترجمہ میں لکھ آئے ہیں کہ غیروں (یعنی ربوبیّتِ عامہ کے منکروں) کو رازدار نہ بناؤ۔ صفحہ ۱۰۱ پر آئت نمبر ۱۲۰ کی تمہیدی سطور میں بھی مخالفینِ رسالت کو ربوبیّتِ عامہ کے منکر لکھا گیا ہے۔ نیز صفحہ ۱۰۲ پر آئت نمبر ۱۲۱ میں میدانِ بدر میں آنحضورؐ کے مدِمقابل آنیوالے کافروں کو بھی منکرینِ ربوبیّتِ عامہ ہی لکھا گیا ہے کافر کا معنی عام طور پر اللہ کا منکر لیا جاتا ہے۔ لیکن آنحضورؐ کے مدِمقابل اللہ کے منکر نہیں تھے بلکہ ربوبیّتِ عامہ کے منکر تھے۔ کیونکہ انکا اللہ تعالیٰ پر ایمان کا ثبوت تو آئتِ ذیل میں موجود ہے:-

وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۸/۳۲ = اور جب اُنہوں نے کہا کہ اے ہمارے اللہ اگر یہ قرآن سچا ہے تیری طرف سے (اور ہم اس پر ایمان نہیں لائے) تو تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا اور یا ہم پر کوئی اور دردناک عذاب لے آ۔ لہٰذا وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے منکر نہیں تھے بلکہ وہ نظامِ ربوبیّتِ عامہ کے منکر تھے۔ معاشی طبقات کو اللہ تعالیٰ کا نظام جانتے تھے۔ ہم مسلسل لکھتے چلے آرہے ہیں کہ جملہ انبیاءؑ کیطرح آنحضورؐ کا مشن بھی

نظام ربوبیّتِ عامہ کا قیام تھا۔ چنانچہ جنگِ بدر کے ذکر کے بعد اور جنگ جہاد کے باقی مسائل سے قبل سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں نظامِ ربوبیّت کے بدترین دشمن سودی نظام کی تردید کرتے ہوئے مومنوں پر واضح کر دیا گیا ہے کہ یہ جنگ کیوں برپا ہوئی ہے۔ کیوں انسانی جانوں کا ضیاع کیا گیا؟ اور کیوں انسانی خون بہایا گیا ہے؟ صرف نظامِ ربوبیّت کے قیام کیلئے اور سودی نظام کو مٹانے کیلئے:۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰٓوا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۠ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۱۳۰

اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو نہ کھاؤ سود دُگنا دُگنا اور ڈرو اللہ سے تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ

اے ایمان والو! مت کھاؤ سود (جو اصلزر سے بھی) دُگنا ہو جاتا ہے (اور پھر اُس سے بھی) دُگنا ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ (کے قانونِ ربوبیّتِ عامہ کی مخالفت سے) بچو تاکہ تم (زندگی کے ہر گوشے میں) کامیاب ہو جاؤ۔

وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْٓ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ۱۳۱

اور بچو اُس آگ سے جو تیار کی گئی ہے کافروں کیلئے

اور (سودی نظام کی) اُس آگ سے بچو جو نظامِ ربوبیّت کا انکار کرنیوالوں کیلئے تیار کی گئی ہے۔

● نکتہ اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً کے الفاظ میں سودی نظام کی وضاحت کی گئی ہے کہ یہ شیطانی نظام شیطان کی آنت کی طرح اتنا لمبا ہوتا چلا جاتا ہے کہ اگر کوئی شخص سود خوار سے ایک سو روپیہ سود پر لے تو سود کی صورت میں سو روپیہ ادا کر چکنے کے باوجود سو روپیہ اصلزر باقی چلا آرہا ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ دو صد روپیہ سود ادا کر چکنے پر بھی قرضدار کی جان نہیں چھوٹتی حالانکہ وہ اصل رقم ایک مرتبہ نہیں بلکہ دو مرتبہ ادا کر چکا ہوتا ہے۔ نیز اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً کا دوسرا مفہوم سود در سود بھی ہے کہ اگر قرضدار بیچارہ ایک سال یا دو سال کا سود ادا نہیں کر سکا تو سود خوار سود کی رقم کو اصلزر میں جمع کر لیتا ہے اور اُسکے بعد اصلزر کیساتھ ساتھ سود پر بھی سود شمار ہونا شروع ہو جاتا ہے۔

● نکتہ واضح رہے کہ جو معاشرہ سودی نظام کی اساس پر چل رہا ہو، اُس میں ہمیشہ عدم اطمینان کی حالت طاری رہتی ہے۔ جس فرد کو انتہائی کامیاب خیال کیا جاتا ہو۔ اگر اُسکے اندر بھی جھانک کر دیکھا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ وہ بھی غیر مطمئن ہے اور اپنے آپ کو ناکامیاب ہی مانتا ہے۔ اسی حقیقت کو وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ کے الفاظ میں اُجاگر کیا گیا ہے کہ فوز و فلاح اور کامیابی کی ایک ہی صورت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مخالفت سے بچو اور سودی نظام کو ختم کر کے صدقاتی نظام جاری کرو۔ چنانچہ سورہ بقرہ میں کھلے لفظوں میں ارشاد ہوا ہے يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ ۲/۲۷۶ = اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا اور صدقات کو بڑھاتا ہے۔ یعنی یہ حکم دیتا ہے کہ ضرورتمندوں کی ضرورتیں سودی نظام کیساتھ نہیں بلکہ صدقاتی نظام کیساتھ پوری کی جایا کریں۔ جبتک صحیح قرآنی معاشرہ قائم نہیں ہوتا اُسوقت تک ضرورتمندوں کو صدقاتی فنڈ بیت المال میں سے بلاسود قرضہ دیا جائے، جسے وہ انتہائی آسان قسطوں میں ادا کر دیا کریں۔

● نکتہ جو لوگ سودی نظام پر بضد ہوں اُنہیں وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْٓ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ کے الفاظ میں تنبیہ کیا گیا ہے کہ سودی نظام ایک ایسی آگ ہے جو صدقاتی نظامِ ربوبیّت کے منکروں کیلئے تیار کی گئی ہے۔ سودی معاشرے میں اس چیز کا امکان ہر وقت موجود رہتا ہے کہ جو شخص آج سود لے رہا ہے، کل خود سود دینے پر مجبور ہو جائیگا۔ آج وہ بیچارے ضرورتمندوں کا خون

چوس رہا ہے تو کل کو اُسکا خون چوسا جائیگا۔ سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں سودی نظام کے ترک کرنے کو اللہ و رسول کی اطاعت بنایا، اور تکرار تاکیدی کیساتھ اِسی کو کامیابی کا زینہ قرار دیا ہے:۔

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۱۳۲
اور اطاعت کرو اللہ کی بذریعہ اسکے رسول کے تاکہ تم رحم کئے جاؤ

اور اطاعت کرو اللہ کی اُسکے رسول کے ذریعہ[1] (جو اُسکا نازل کردہ ضابطہ تمہارے پاس لایا ہے) تاکہ تم سب کے سب رحم کئے جاؤ

• [1] واؤ بمعنی کے ذریعہ، کیلئے دیکھئے دیباچہ کا صفحہ ۳۔
• دیکھئے! آیاتِ بالا میں سود سے اجتناب کے حکم کیساتھ ہی اللہ کی یعنی اُسکے رسول (کے لائے ہوئے ضابطۂ حیات) کی اطاعت کے مبین منفصل حکم سے کھُل کر عیاں ہو چکا، کہ اللہ اور اُسکے رسول کے ذریعہ اُسکے ضابطہ کی اطاعت سودی نظام ترک کئے بغیر نا ممکن ہے۔

مغفرت یعنی بچاؤ کی صحیح صورت

• واضح رہے کہ سود خوار انسانی ہمدردی سے مطلقاً کورا ہوتا ہے۔ جذبۂ اخوت اُس میں نام تک کو بھی باقی نہیں ہوتا۔ اِسلئے سودی نظام میں معاشرہ کے مصائب سے بچاؤ کی صورت نہیں ہوتی۔ اگلی آیت مجیدہ میں اسی کے متعلق ارشاد ہوا ہے:۔

وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ
اور دوڑو طرف بچاؤ کے طرف سے اپنے رب کی اور طرف جنت کے
عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ
کہ نمایاں ہونا اُسکا آسمانوں اور زمین کی مانند ہے۔ وہ تیار کی گئی ہے
لِلْمُتَّقِيْنَ ۱۳۳
واسطے بچنے والوں کے۔

اور دوڑ کر آؤ طرف بچاؤ کے[1] جو تمہارے رب کیطرف سے ہے اور دوڑ کر آؤ طرف جنت[2] کے کہ اُسکا (جنت کی حیثیت سے نمایاں ہونا) مانند نمایاں ہونے[3] آسمانوں اور زمین کے ہے۔ (وہ جنت) تیار کی گئی ہے اُن لوگوں کیلئے جو (سودی نظام سمیت ہر مفسد نظام کی برائیوں سے) بچنے والے ہیں[4]۔

• [1] لفظ مغفرت کا سہ حرفی مادہ غ۔ف۔ر = غفر ہے۔ جسکا بنیادی مصدری معنیٰ ہے بچانا اور چھپا لینا۔ اسطرح مغفرت کا معنیٰ ہے بچاؤ۔ دنیا کے غلط معاشرہ کے شر سے بچنا مغفرت ہے۔ اور دوسری زندگی میں مغفرت سے مراد ہے اُخروی ناکامی و نامرادی سے بچ جانا۔ اور یہ بچاؤ (مغفرت) نہ دنیا میں بلا سعی و کوشش، یعنی بلا اعمالِ صالح ہوتا ہے اور نہ دوسری زندگی میں۔ اِس زندگی کے اعمالِ صالح کے بغیر میسر آئیگا۔ پس سَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ کا معنیٰ یہ ہے کہ دوڑ دوڑ کر اور بھاگ بھاگ کر ایسے اعمال بجا لاؤ جن کا نتیجہ اِس دنیا کی زندگی میں خطرات سے بچاؤ ہو اور اُخروی زندگی میں کامیابی۔
• [2] جنت کی تعریف سورہ طٰہٰ میں بالفاظ ذیل آئی ہے:۔ اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا تَعْرٰى ۙ وَاَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا وَلَا تَضْحٰى ۝ ۲۰/۱۱۸-۱۱۹ = اے نوعِ انسانی بیشک نہ تو اس میں بھوکا رہیگا نہ ننگا۔ اور بیشک تو اس میں نہ پیاسا ہوگا اور نہ دھوپ میں جلیگا (یعنی تو جنت میں بے مکان نہیں ہوگا)۔ پس اِس آیۂ مبارکہ کے مطابق دنیا کا وہ معاشرہ جس میں ہر فردِ انسانی کو خوراک، لباس اور مکان حسبِ ضرورت بلا تمیز اعلیٰ و ادنیٰ باقاعدہ اور مسلسل میسر آئے وہ جنت ہے۔ نیز اُخروی جنت کی تعریف بھی بالکل یہی ہے کہ

اُس میں کوئی فردِ واحد بھی ضروریاتِ زندگی سے محروم نہیں ہوگا۔

● ۱۳ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ میں لفظ عرض کا معنیٰ روایتی تفاسیر میں یہ درج ہے کہ اُخروی جنّت اتنی وسیع ہوگی کہ اُسکا عرض یعنی چوڑائی آسمانوں اور زمین کے برابر ہوگی۔ لفظ عرض کا معنیٰ چوڑائی بھی ہے۔ لیکن یاد رہے کہ یہاں عرض معنی چوڑائی نہیں۔ بلکہ عرض یعنی سامنے ہونا اور نمایاں ہونا ہے۔ سورہ ہود میں آیا ہے۔ یُعْرَضُوْنَ عَلٰی رَبِّهِمْ ۱۸/۱۱۔ اور وہ اپنے رب کے حضور حاضر کئے جائینگے۔ سامنے لائے جائینگے۔ پیش کئے جائینگے۔ آیتِ زیرِ بحث میں صدقاتی نظام کو جو سُودی نظام کی ضد ہے جنّتی نظام کہا گیا ہے۔ اور اعلان کیا گیا ہے کہ ربوبیّتِ عامہ کی اساس پر قائم ہونیوالے معاشرہ کا جنّت ہونا اسطرح نمایاں ہے جسطرح آسمان اور زمین نمایاں ہیں۔ یعنی جس معاشرہ میں نہ کوئی بھوکا ہوگا۔ اور نہ پیاسا ہو نہ بے مکان، وُہی تو جنّت ہے ۲۰/۱۱۸-۱۱۹

● ۱۴ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ کے الفاظ میں بتایا گیا ہے کہ دُنیا کا جنّتی معاشرہ ہو یا اُخروی جنّت، بُرے نظاموں اور بُرے عملوں سے خود بچنے کا نتیجہ ہوگی۔ صرف آیاتِ قرآنیہ کی تلاوت یا اسماءِ الٰہی کے وِرد وظائف سے ہرگز میسّر نہیں آئیگی متّقین کا معنیٰ ہے خود بچنے والے۔ یعنی ایسے اعمال بجالانیوالے جن کا لازمی نتیجہ دُنیا کے مصائب سے بچاؤ اور حفاظت ہو۔ اور اِن اعمال میں سرِفہرست ہے نظامِ ربوبیّت کے قیام اور سُودی نظام کے دفعیہ کیلئے مال خرچ کرنا۔ چنانچہ متّقین کی تعریف بیان کرتے ہوئے اگلی آیت مجیدہ میں ارشاد ہُوا ہے:۔

۱

الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ
وہ لوگ خرچ کرتے ہیں۔ بیچ خوشی کے اور تکلیف کے

وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ ۱۵ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ۱۶
اور وہ ضبط کرنیوالے ہیں غصّے کو اور معاف کرنیوالے ہیں لوگوں کو

وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۱۷ ۱۳۴
اور اللہ ہے پسند کرتا احسان کرنیوالوں کو

(مُتّقین) وہ لوگ ہیں جو (بچاؤ حاصل کرنے کیلئے) مال خرچ کرتے ہیں خوشی کی حالت میں بھی اور تکلیف کی حالت میں بھی۔ ۱۴ اور وہ لوگ غصّے کو ضبط کرنیوالے ہیں ۱۵۔ اور وہ اُن لوگوں کو معاف کرنیوالے ہیں (جو جُرم کرنے کے بعد توبہ کر کے اپنی اصلاح کرلیں ۱۶) اور اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کو پسند کرتے ہیں جو معاشرہ میں توازن ۱۷ پیدا کرنیوالے ہیں۔

● ۱۴ نوعِ انسانی کی عمومی عادت یہ ہے کہ خوشی اور راحت کے وقت میں مال مست ہو کر رہ جاتے ہیں اور مال کیساتھ اتنی محبّت ہوتی ہے کہ ایک پیسہ بھی عوامی فلاح اور معاشرہ کی اصلاح کیلئے خرچ نہیں کرتے۔ مگر جب خطرے کا وقت آئے تو تھوڑا بہت مال خرچ کرنے کیلئے تیار ہوجاتے ہیں۔ لیکن آیتِ بالا میں متّقین کی صفت یہ بیان کیگئی ہے کہ وہ حصولِ بچاؤ کیلئے یعنی دفاعی ضروریات اور معاشرہ کی خرابیوں کی اصلاح کیلئے خوشی اور خطرہ ہر وقت پر مسلسل مال خرچ کرتے چلے جاتے ہیں۔

● ۱۵ وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ۔ غصّہ ایسی بُری چیز ہے جو بنے بنائے کام کو آنِ واحد میں بگاڑ کر رکھدیتا ہے۔ لیکن وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ کے الفاظ میں متّقین یعنی بچاؤ حاصل کرنیوالوں کے متعلق بتایا گیا ہے کہ وہ غصّے پر ہمیشہ قابو پائے رہتے ہیں۔ نہ غصّے میں بے قابو ہوتے ہیں اور نہ بنا بنایا کام بگاڑ کر کوئی نیا خطرہ مول لیتے ہیں۔ اِسی عنوان کو ذیل کے حکم میں

باندازِ ذیل بیان فرمایا ہے:۔ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ ۲۳/۹۶۔ اے رسول! (اگر کوئی شخص آپ کیساتھ بداخلاقی کا مظاہرہ کرتا ہے تو) آپ احسن طریقے سے اُسکا دفاع فرمائیں۔ وقتی طور پر غصے کو ضبط کرکے اپنے آپکو قابو میں رکھنا وقتی طور پر دفاع کی بہترین صورت ہے متقین اِس صفت کے حامل اور اِس پر پوری طرح عامل ہوتے ہیں۔

● ۱۳۴ وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ بھی غصے پر ضبط کی ایک احسن صورت ہے۔ مثلاً بھائی بیٹے یا بیوی سے کوئی غلطی ہوجائے تو اس غلطی پر بھائی باپ یا شوہر کو جو غصہ آتا ہے۔ اگر اُس غصے پر کنٹرول کیا جائے تو غلطی کرنیوالا غلطی پر نادم ہوکر معافی کا خواستگار ہوتا ہے اور حالات فوراً معمول پر آجاتے ہیں لیکن اسکے برعکس اگر غصے پر قابو نہ پایا جائے اور فریق مقابل کو مسلسل کوسنے چلے جائیں، حتٰی کہ وہ معافی کا طلبگار ہورہا ہو مگر ادھر مُنہ سے جھاگ جاری ہو، تو بھائی بیٹا یا بیوی اُس ادب احترام تک کو بھول جاتے ہیں جسے وہ کبھی بھی ترک کرنے کیلئے تیار نہیں تھے۔ اِسلئے متقین کی ایک شان یہ بیان کیگئی ہے کہ وہ غصے پر قابو پائے رہتے ہیں اور جن سے غلطی ہو جائے اگر وہ غلطی پر نادم ہوں تو فوراً معاف کر دیتے ہیں۔

● معافی کا الٰہی قانون یہ ہے:۔ اَنَّہٗ مَنْ عَمِلَ مِنْکُمْ سُوْٓءً ا بِجَھَالَۃٍ ثُمَّ تَابَ مِنْ بَعْدِہٖ وَاَصْلَحَ فَاَنَّہٗ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۶/۵۴۔ بیشک شان یہ ہے کہ تم میں جو کوئی نادانستہ طور پر غلطی کرے پھر اُسکی توبہ کرکے اصلاح کرلے تو اللہ تعالٰی بچاؤ دینے والا (معاف کرنیوالا) مہربان ہے۔ واضح رہے کہ وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ سے یہ مطلب اخذ کرنا مطلقاً غلط ہے کہ ہر عادی مجرم کو معاف کرتے چلے جانا ہے۔ ہرگز نہیں۔ ۶/۵۴ میں آپ دیکھ چکے ہیں کہ اللہ تعالٰی کے ہاں قابلِ معافی وہ لوگ ہیں جو نادانستہ طور پر غلطی کریں (بِجَھَالَۃٍ)۔ لیکن جو لوگ عادی مجرم ہوں جن کا روزمرہ کا دستور ہو کم تولنا، ملاوٹ کرنا اور جیبیں کاٹنا وغیرہ ایسے لوگ چونکہ نادانستہ غلطی کے زمرہ سے خارج ہیں اِسلئے وہ معافی کے دائرہ سے بھی خارج ہیں۔

● ۱۳۴ وَاللّٰہُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ کا معنی ہم نے لکھا ہے، اللہ تعالٰی اُن لوگوں کو پسند کرتا ہے جو معاشرہ میں توازن پیدا کرتے ہیں۔ یعنی محسنین کا معنی لکھا گیا ہے توازن پیدا کرنیوالے۔ محسنین کا لفظی ترجمہ ہے حسن پیدا کرنیوالے، احسان پیدا کرنے والے۔ حسن اور احسان ایک ہی مادہ ح۔س۔ن سے مشتق ہیں، اِس مادہ کا بنیادی معنی ہے کسی چیز کا اپنی حیثیت میں ہر لحاظ سے متوازن ہونا۔ نہ ضرورت سے چھوٹی۔ نہ ضرورت سے بڑی۔ نہ ضرورت سے کم نہ ضرورت سے زیادہ۔ چنانچہ حسین اُسے کہا جاتا ہے جسکے جملہ اعضاء متوازن ہوں نہ بڑے نہ چھوٹے، نہ کم نہ زیادہ۔ محسنین کا لفظ اللہ تعالٰی کے پسندیدہ لوگوں کیلئے آیا ہے یہ اِس لفظ کا معنی، اپنے مادہ کے بنیادی معنوں کی رُو سے ہے۔ آیت مجیدہ کے سیاق و سباق کے مطابق سودی نظام کے ردّ کے ذکر میں آنے کی بدولت اِسکے سوا نہیں ہے کہ اللہ تعالٰی اُنہیں پسند کرتا ہے جو سودی نظام جیسے غیر متوازن معاشرہ کی بجائے صدقاتی اور ربوبیت بدوش نظام قائم کرکے معاشرہ کے ایک ایک گوشے کو متوازن کرنیوالے ہیں۔ سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں متقین کے متعلق یہ خبر دیگئی ہے کہ ہونے کو وہ بھی بشر ہیں۔ سہو و خطا سے مبّرا نہیں ہوتے۔ لیکن اگر اُن سے کوئی غلطی ہوجائے تو اللہ کی نصیحت کو یاد کرتے ہیں۔ اور تائب ہوکر فوراً باز آجاتے ہیں اور اُس غلطی پر اصرار ہرگز نہیں کرتے۔

وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا

اور وہ لوگ جب کرتے ہیں کوئی گناہ یعنی اگر ظلم کریں

أَنفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللَّهَ فَاسْتَغْفَرُوا لِذُنُوبِهِمْ

جانوں اپنی پر تو یاد کرتے ہیں اللہ کو پھر بچاؤ طلب کرتے ہیں اپنے گناہوں سے

وَمَن يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا اللَّهُ وَلَمْ يُصِرُّوا

اور کون ہے بچاؤ دیتا گناہوں سے سوائے اللہ کے۔ اور وہ ہرگز نہیں کرتے اصرار

عَلَىٰ مَا فَعَلُوا وَهُمْ يَعْلَمُونَ ۝ ۱۳۵

اوپر اسکے جو کیا انہوں نے اور وہ جانتے ہیں

اور (متقی) وہ لوگ ہیں کہ جب وہ کریں کوئی گناہ یعنی جب اپنی جانوں پر (گناہ کے ذریعہ) ظلم کر بیٹھیں تو (جلدی ہی $\frac{۴}{۱۲}$) اللہ (کی نصیحت) کو یاد کرتے ہیں۔ پھر (توبہ اور اپنی اصلاح کیساتھ $\frac{۶}{۴}$) اپنے گناہوں (کی سزا) سے بچاؤ طلب کرتے ہیں اور کون ہے سوائے اللہ کے جو گناہوں (کی سزا) سے بچاؤ دینے والا ہے۔ اور وہ (متقی لوگ گناہ کرنے (اور توبہ و اصلاح کرنے) کے بعد ہرگز اُن افعال پر اصرار نہیں کرتے (یعنی اُنکا ہرگز اعادہ نہیں کرتے جن سے تائب ہوئے تھے) اور وہ جانتے ہیں (کہ توبہ کے بعد گناہ کا اعادہ کرنے سے توبہ مردود ہو جاتی ہے)

أُولَٰئِكَ جَزَاؤُهُم مَّغْفِرَةٌ مِّن رَّبِّهِمْ

یہی لوگ ہیں کہ اُن کی جزا ہے بچاؤ طرف سے اُنکے رب کے

وَجَنَّاتٌ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ

اور باغات کہ چلتی ہیں نیچے انکے سے نہریں۔ ہمیشہ رہنے والے ہیں

فِيهَا ۚ وَنِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِينَ ۝ ۱۳۶

بیچ اُنکے۔ اور اچھا اجر ہے عمل کرنے والوں کا

یہی وہ لوگ ہیں کہ (اُنکی توبہ اور اصلاح کے بدلے) اُنکی جزا اُنکے رب کیطرف سے گناہ کی سزا سے بچاؤ ہے۔ اور ایسے باغات ہیں جن کی سطح میں نہریں بہتی ہیں۔ (ایسے لوگ جن سے اگر قصور ہو جائے تو اُسے تسلیم کر لیں) وہ اِن باغات، جنّتی معاشرہ میں ہمیشہ رہینگے۔[ملہ] اور حقیقت حال یہی ہے کہ اچھا اجر اچھے عمل کرنیوالوں ہی کیلئے ہے۔

• ملہ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا کا ایک مفہوم تو ہے اُخروی جنّت میں اُسوقت تک رہنا، جبتک کہ آسمان اور زمین قائم ہیں، $\frac{۱۱}{۱۰۸،۹۱،۱۰}$ اور دُوسرا مفہوم ہے دُنیوی جنّت یعنی متوازن معاشرہ میں اُسوقت تک رہتے کا کہ جبتک اُس معاشرہ کے حکّام خصوصًا، اور عوام عمومًا غلطی کرنے کے بعد اُسکا اعتراف کریں اور توبہ کے بعد ہرگز ہرگز اصرار نہ کریں۔ بالفاظِ دیگر جس ریاست کے حکّام غلطی کا اعتراف کریں اور آئندہ کیلئے اُس سے کنارہ کش رہیں تو اُنکی حکومت کا تختہ ہرگز نہیں اُلٹایا جاتا۔ اُن پر لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ کی حالت طاری رہتی ہے اور اُنہیں اپنی حفاظت کیلئے باڈی گارڈز بھی نہیں رکھنے پڑتے۔ اِسکے برعکس جو لوگ حکومت کو باوا کی جاگیر قرار دیکر من مانیاں کرتے ہیں، وہ بے خوف نہیں ہوتے ہیں کہیں جاتا ہو تو باڈی گارڈز کے بغیر قدم نہیں اُٹھا سکتے اور ایسے لوگوں کی حکومتوں کے تختے آئے دن اُلٹائے جاتے رہتے ہیں۔ سلسلۂ درس کی اگلی آیت جدیدہ میں ایسے ہی ربوبیّت عامہ کے منکرین کے آثار زمین میں چل پھر کر دیکھنے اور عبرت حاصل کرنیکا حکم دیا گیا ہے۔

قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِكُمْ سُنَنٌ فَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ

بیشک گزر گئے پہلے تم سے بہت زمانے پس سیر کرو بیچ زمین کے

(اے مخاطبین!) تم سے پہلے بہت سے زمانوں کے لوگ گزر گئے ہیں۔ پس تم (عبرت حاصل کرنے کیلئے) زمین میں سیر کرو پھر

فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ۰ ۱۳۷

پھر دیکھو کیا ہوا تھا انجام جھٹلانے والوں کا

بنظرِ تعمق غور کرو کہ جو لوگ (نظامِ ربوبیت کو) جھٹلانے والے تھے، اُنکا کیا بُرا انجام ہوا تھا۔[۱]

● [۱] جھٹلانیوالوں کے بُرے انجام سے عبرت حاصل کرنا تقاضائے عقل بھی ہے اور حکمِ باری بھی یعنی حکم دیا گیا ہے کہ زمین میں چل پھر کر دیکھو کہ نظامِ ربوبیت کے منکروں کا کیا حال ہوا تھا یعنی جن حکام نے عوامی حقوقِ ربوبیت کا انکار کر کے عوام کے حقوق غصب کئے اور صرف اپنی عیش کیلئے سربفلک محلات تعمیر کرتے چلے گئے۔ اُنکا یہ حال ہوا، کہ آرامگاہوں اور شاہ نشینوں کو چھوڑ کر چلتے بنے۔ قوم کو بھی تباہ کر گئے اور آج اُنکے سربفلک محلات میں بھی اُلّو بول رہے ہیں۔ اگلی آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ یہ مضمون لوگوں کیلئے وضاحت، ہدایت اور نصیحت ہے :-

هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ

یہ بیان ہے واسطے لوگوں کے اور ہے ہدایت و نصیحت

لِّلْمُتَّقِيْنَ ۰ ۱۳۸

واسطے بچنے والوں کے

یہ ہے حقیقت جو لوگوں کیلئے کھول کھول کر بیان کر دیگئی ہے اور ہدایت اور نصیحت (کا سامان ہے)، اُن لوگوں کیلئے جو ہر قسم کے خطرات سے (عملاً) بچنا چاہتے ہیں۔[۱]

● [۱] کون ہے جو خطرات سے بچنا نہ چاہتا ہو لیکن مسلمانوں میں صدیوں کی روش یہ چل رہی ہے کہ زبانی زبانی دعاؤں کیساتھ تو ہر قسم کے خطرات سے بچاؤ طلب کرتے ہیں لیکن عمل کیطرف معمولی توجہ تک دینا اُن کے شمار سے خارج ہے۔ لیکن واضح رہے کہ مولوی اور پیر حضرات سے دعائیں منگوانے اور خود اونچی آواز میں آمین آمین کہتے چلے جانے سے نہ خطرات ٹل سکتے ہیں اور نہ ہی صرف دعائیں اور اونچی آمین سے مغفرت یعنی بچاؤ اور حفاظت میسر آتی ہے۔ پیچھے سلسلۂ درس کی آیت نمبر ۱۳۶ میں اللہ تعالیٰ کا اعلان گزر چکا ہے نِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ اچھا بدلہ عمل کرنیوالوں کا حصہ ہے۔ نیز اگلی آیت مجیدہ میں بھی صرف دعاؤں اور اونچی آمین کا نہیں بلکہ کام کرنے کا حکم دیا گیا ہے کہ ہر کام کو اُسکے وقت پر کرنا۔ نہ سستی کرنا اور نہ غم کھانا ہر غم تمہاری سستی ہی کا نتیجہ ہوگا۔

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ

اور نہ کرنا سستی اور نہ کھانا غم۔ اور تم ہی ہو گے غالب

اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۰ ۱۳۹

اگر ہو تم ماننے والے

اور (ایمان کے دعویدارو! ہر کام کو اُسکے وقت پر کیا کرو اس میں)، نہ تم سستی کیا کرو۔ اور نہ (اپنی سستی کے بدلے میں) غم کھایا کرو۔ تم ہی غالب ہو گے[۱] اگر (تم ہمارے اس حکم کے) ماننے والے ہو۔[۲]

● [۱] اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ کے جملے میں اَنْتُمْ ضمیر تقدم نے حصر کا فائدہ دیا ہے اسلئے اسکا معنیٰ لکھا گیا ہے "تم ہی غالب ہوگے"

● [۲] اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ کے جملے میں غلبہ مشروط کر دیا گیا ہے مومنین کیساتھ۔ مومنین مومن کی جمع ہے۔ اور معنیٰ ہے ایمان لانیوالے، حکم ماننے والے۔ اور قریب ترین مذکور ہے حکم امتناہی لَا تَهِنُوْا کا جس کی خلاف ورزی کا لازمی نتیجہ بتایا گیا ہے غم میں مبتلا ہونا۔ اسلئے قریب ترین حکم امتناہی کے مطابق لکھا گیا ہے کہ اگر تم ہمارے اس حکم کے ماننے والے ہو کہ ہر کام کو اُسکے وقت

پر کرنے میں سستی نہ کروگے تو تم ہی غالب رہوگے۔ نیز اس آئت مجیدہ میں ایک ٹھوس قرآنی حقیقت کا اعلان کردیا گیا ہے کہ غم میں مبتلا ہونا خود اپنی سستی ہی کا نتیجہ ہوتا ہے۔ چنانچہ ربطِ کلام کے مطابق اگلی آئت مجیدہ میں جنگِ اُحد کا ذکر کیا گیا ہے۔ جس میں صحابہ کو اُن کے بعض کی سستی کی بدولت تکلیف پہنچی تھی۔

اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ
اگر پہنچا تم کو زخم پس ضرور پہنچا تو تم مخالف کو بھی
قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ؕ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ
زخم مانند اسکے۔ اور مذکورہ دنوں کو ہم پھیرتے ہیں بیچ
النَّاسِ ۚ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ
لوگوں کے۔ اور تاکہ ظاہر کرے اُن لوگوں کو جو ایمان لائے۔ اور ٹھہرائے تم میں سے
شُهَدَآءَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ۙ ۱۴۰
گواہ۔ اور اللہ نہیں پسند کرتا ظالموں کو

(ایمان والو!) اگر تمہیں (تمہاری سستی کی بدولت مخالفوں کے ہاتھوں زخم شکست پہنچا ہے تو بیشک اسی قوم کو ایسا ہی زخم (تمہارے ہاتھوں) پہنچا تھا۔ اور مذکورہ قسم کے دنوں کو ہم اپنے قانونِ فتح و شکست کے مطابق[1] پھیرتے رہتے ہیں۔ (جو قوم بھی سستی کریگی، اُسے زخم کھانے ہی پڑینگے)۔ اور تاکہ اللہ مومنوں کو ظاہر[2] کردے (کہ وہ تکلیف اُٹھانے کے بعد بھی ثابت قدم رہتے ہیں)۔ اور تاکہ تمہیں میں سے بعض کو گواہ ٹھہرائے[3]۔ (اس پر) حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ظالموں (سستی کرنیوالوں)[4] کو پسند نہیں کرتا۔

[1] فتح و شکست کے قانون کی وضاحت آئت نمبر ۱۶۵ کی تفسیر میں آگے آرہی ہے۔
[2] يَعْلَمَ کا معنیٰ لکھا گیا ہے ظاہر کرے اللہ۔ فعل عَلِمَ يَعْلَمُ کا معنیٰ جاننا بھی ہے اور ظاہر کرنا بھی ہے۔ جب اس فعل کا فاعل اللہ تعالیٰ ہو تو اسکا مصدری معنیٰ جاننا نہیں ہوتا، بلکہ ظاہر کرنا ہوتا ہے۔ ثبوت آئت نمبر ۱۴۲ میں آگے آرہا ہے۔
[3] جن صحابہ کی سستی کی بدولت شکست ہوئی تھی۔ وہ اس حقیقت پر گواہ ہیں کہ شکست کا غم اپنی ہی سستی کا نتیجہ ہوتا ہے۔
[4] یہاں ظٰلِمِيْن کا معنیٰ لکھا گیا ہے سستی کرنیوالے۔ یہ اسلئے کہ ظلم کا لفظی معنیٰ ہے بے ٹھکانہ کام کرنا۔ اور واضح رہے کہ میدانِ جنگ میں اُس فرض سے جو سالارِ لشکر کی طرف سے کسی مجاہد کو سونپا گیا ہو سستی کرنا بے ٹھکانہ کام ہے، ظلم ہے۔ سلسلۂ درس کی اگلی آئت مجیدہ میں صحابہ کے متعلق کہا گیا ہے کہ وہ اس تکلیف اور شکست کی بھٹی میں سے گزر کر خالص ترین سونا کندن ہوگئے اور کافروں کا خاتمہ کرنے کے قابل ہوگئے تھے۔

وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَمْحَقَ
اور تاکہ صاف کردے اللہ اُن کو جو ایمان لائے اور مٹا دے
الْكٰفِرِيْنَ ۱۴۱
کافروں کو

اور (یہ شکست ایک عبرت ہے) تاکہ اللہ تعالیٰ پاسئے اُن لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں (شکست کی بھٹی سے گزرنے کے بعد) صاف[1] (کندن کیطرح) اور (اس عبرت حاصل کرنیوالے صحابہ کے ہاتھوں) نیست و نابود[2] کردے ربوبیتِ عامہ کے منکروں کو۔

[1] وَلِيُمَحِّصَ کا سہ حرفی مادہ م۔ح۔ص = محص ہے۔ جسکا بنیادی معنیٰ ہے آگ میں ڈالکر صاف کرنا۔ مَحَصَ الذَّهَبَ بِالنَّارِ کا معنیٰ ہے سونے کو آگ میں ڈالکر اور اُسے تپا کر ہر قسم کے میل کچیل سے صاف کرکے کندن بنا دیا۔
[2] يَمْحَقَ کا سہ حرفی مادہ ہے م۔ح۔ق = محق۔ اس مادہ کا بنیادی معنیٰ ہے مٹا دینا، نیست و نابود کر دینا۔ مَحَقَ ماضی

کا معنی ہے مٹا دیا۔ محو کر دیا۔ ہلاک کر دیا۔ فنا کر دیا۔ ختم کر دیا۔

● ۳۱ کفرین کی وضاحت پہلے بھی کی جا چکی ہے کہ سلسلۂ مضمون میں سیاق و سباق کے مطابق کافر وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ضابطۂ ربوبیت عامہ کا انکار کرتے ہیں۔ آنحضورؐ اور صحابہؓ کے مدمقابلین کے متعلق تو ۳۲/۸ میں خبر دی گئی ہے کہ اُنہوں نے کہا تھا۔ اے اللہ اگر یہ قرآن تیری طرف سے حق ہے اور ہم اِس حق پر ایمان نہیں لائے تو تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا۔ تفصیل صفحہ ۱۱ پر گزر چکی ہے۔ الغرض آنحضورؐ کا اور آپکے صحابہؓ کا قوم سے اختلاف ذاتِ باری کے متعلق صرف اتنا تھا کہ وہ اللہ کیساتھ اُسکی صفات میں اپنے بزرگوں کو شریک کرتے تھے ۱۷/۴۶ + ۳۹/۴۵ اور ربوبیت عامہ کے منکر تھے۔ اگلی آیت مجیدہ میں صحابہؓ پر واضح کیا گیا ہے کہ قیام ربوبیت کی مہم کوئی آسان راہ نہیں بلکہ انتہائی صبر آزما کٹھن منزل ہے :-

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا

کیا گمان کیا تم نے کہ داخل ہو گے جنت میں اور ابھی نہیں

يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ

ظاہر کیا اللہ نے اُن لوگوں کو کہ جہاد کیا تم میں سے اور نہیں ظاہر کیا

الصّٰبِرِيْنَ ۝ ۱۴۲

ثابت قدم رہنے والوں کو

(اے جماعت صحابہ)، کیا تم نے گمان کر لیا ہے کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے (یعنی وہ متوازن معاشرہ یونہی قائم ہو جائیگا جسمیں ہر ایک کے حقوقِ ربوبیت محفوظ ہوں) حالانکہ ابھی اللہ تعالیٰ نے تم میں سے اُنکو ظاہر نہیں کیا جو اسکے لئے کوشش کرتے ہیں اور ابھی ظاہر نہیں کیا اُنکو جو (اِس راہ پر خار میں پیش آنیوالے) مصائب کا مقابلہ سینہ تان کر کرتے ہیں۔

● اِس سے اگلی آیت مجیدہ میں صحابہؓ کے پاکیزہ جذبات کی خبر دی گئی ہے کہ تم اللہ کی راہ میں جان تک دینے کے متمنی تھے :-

وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ

اور بے شک تھے تم تمنا کرتے موت کی پہلے اِس کے کہ

تَلْقَوْهُ ۠ فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ وَاَنْتُمْ

تم نے ملاقات کی اُس سے۔ پس تم نے دیکھا اُسے اور تھے تم

تَنْظُرُوْنَ ۝ ۱۴۳

دیکھنے

ع ۱۴ / ۵

اور بیشک بیشک تم (میدانِ جنگ میں) موت کیساتھ ٹکرانے سے پہلے (اللہ کی راہ میں) موت کی تمنا کرتے تھے۔ پس تم نے اُسے (میدانِ جنگ میں) دیکھ لیا ہے حقیقت یہ ہے کہ تم (اللہ کی راہ میں جان دینے کا موقع میسر آنے کے) منتظر تھے۔

● عه واؤ بمعنی اظہارِ حقیقت کیلئے دیکھئے دیباچہ کا صفحہ ۸۵

● اِس سے اگلی آیت مجیدہ میں واضح کیا گیا ہے کہ متوازن معاشرہ قائم کرنے کیلئے انتھک محنت کرنا ہوگی۔ اگر خود رسولِ اکرمؐ یعنی تحریکِ ربوبیتِ عامہ کے داعی فوت بھی ہو جائیں تو پھر بھی اِس مہم کو آگے چلانا ہوگا۔ اگر تم بد دل ہو گئے تو اللہ کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکو گے :-

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ

اور نہیں ہیں محمدؐ مگر ایک رسول بیشک گزر گئے اُن سے پہلے

الرُّسُلُ ؕ اَفَا۟ئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ؕ

بہت رسول کیا پھر اگر وہ مرجائیں یا قتل کردیے جائیں تو تم مڑ جاؤ گے اپنی ایڑیوں پر

وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْــًٔا ؕ

اور جو کوئی مڑ جائے اپنی دونوں ایڑیوں پر پس ہرگز نہیں ضرر دیگا اللہ کو کچھ

وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ۝ ۱۴۴

اور ضرور جزا دیگا اللہ شکر کرنیوالوں کو

اور (اے جماعت صحابہ) نہیں ہیں محمدؐ مگر صرف اللہ کا پیغام پہنچانے والے ہیں۔ بلاشبہ آن سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے ہیں (یہ بھی گزر جائیں گے) کیا پھر اگر وہ مرجائیں یا (بفرض محال) قتل کردیے جائیں تو تم اپنی ایڑیوں پر مڑ جاؤ گے (یعنی اپنے سابقہ باطل دین میں چلے جاؤ گے)؟ اور (یاد رکھو کہ) جو کوئی مڑ جائے اپنی دونوں ایڑیوں پر (یعنی اپنے سابقہ باطل دین میں لوٹ جائے) تو وہ اللہ تعالیٰ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیگا۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بھرپور محنت کرنیوالوں کو ضرور پورا پورا بدلہ دیتا ہے۔

• ۱؎ اَفَا۟ئِنْ میں آمدہ گول نشان والا الف زائدہ ہے جو پڑھا نہیں جاتا۔ کلام میں زور پیدا کرتا ہے۔ یہاں اِن شرطیہ سے ماقبل آیا ہے شرط میں زور پیدا کیا ہے۔ کہ آنحضورؐ نے فوت تو ضرور ہو جانا ہے۔ ایسے الف زائدہ ۳/۱۴۴ ۳/۱۵۸ ۵/۲۹ ۷/۱۰۳ ۹/۴۷ ۱۱/۹۸ ۱۳/۳۰ ۱۸/۱۴ ۱۸/۲۳ ۲۷/۲۱ ۳۰/۳۹ ۳۷/۶۸ ۴۷/۴ ۴۷/۲۱ ۴۹/۱۱ ۵۹/۱۳ ۴۶/۴ ۴۶/۱۵-۱۶ میں بھی آئے ہیں۔

• ۲؎ قرآنی لغت میں قتل کا معنی لڑائی بھی ہے۔ وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۲/۱۹۱ کے الفاظ میں قتل بمعنی لڑائی ہے۔ اور اسطرح اَوْ قُتِلَ کا معنی یہ بھی ہے کہ "یا آپکے خلاف لڑائی چھڑ جائے" تو کیا تم لڑائی کے خوف سے دین اللہ سے پھر جاؤ گے۔ ۵/۶۷ کے مطابق آنحضورؐ لوگوں سے مکمل طور پر اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں تھے۔ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ ۵/۶۷

• ۳؎ انقلاب علیٰ اعقاب عربی زبان کا محاورہ ہے جس کا معنی ہے سابقہ مذہب میں لوٹ جانا۔

• ۴؎ واؤ بمعنی اظہارِ حقیقت کیلئے دیکھئے دیباچہ کا صفحہ ۵۵۔

• ۵؎ مضارع پر سَ داخل ہو تو حال اور تاکید کے معنے بھی دیتا ہے تفصیل کیلئے دیکھئے دیباچہ کا صفحہ ۹۴۔

• ۶؎ شکرین کا معنی ہے حصولِ مطلب کیلئے بھرپور محنت کرنیوالے ثبوت کیلئے دیکھئے دیباچہ کا صفحہ ۵۳۔

• سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں ربط کلام کے مطابق کہ جب آیت نمبر ۳/۱۴۴ میں موت کا ذکر آیا ہے اسلئے موت کے متعلق ارشاد ہوا ہے:۔

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ

اور نہیں ہے واسطے کسی شخص کے کہ مرجائے مگر مطابق قانون اللہ کے

كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ؕ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ

لکھے ہوئے مقررہ کے اور جو کوئی ارادہ کرے فائدہ دنیا کا ہم اُسے دیںگے

مِنْهَا ۚ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا ؕ

اُس سے اور جو کوئی ارادہ کرے فائدہ آخرت کا دینگے ہم اُسے اُس سے

اور کسی شخص (مومن) کو یہ لائق نہیں کہ وہ مرجائے (یعنی خود اپنی جان ختم کرلے، خودکشی وغیرہ کے ذریعہ ہوش سے عاری ہو کر طبعی موت سے پہلے پہلے) مگر اللہ کے قانون کے مطابق (اللہ کی راہ میں موت حاصل کرے۔ اللہ کی راہ میں مرنے کے احکام قرآن مجید میں) لکھے ہوئے ہیں۔ اور جو کوئی ارادہ کرے فائدہ دنیا کا، اُسے ہم اُس میں سے دینگے۔ اور جو کوئی ارادہ کرے فائدہ آخرت کا تو

وَسَنَجْزِي الشّٰكِرِيْنَ ۝ ۱۴۵

اور ضرور بدلہ دیتا ہے اللہ بھرپور کوشش کرنیوالوں کو | دینگے ہم اُسکو اُس میں سے۔ اور ضرور ضرور اللہ تعالیٰ بھرپور محنت کرنیوالوں کو (بھرپور محنت کا) پورا پورا بدلہ دیتا ہے۔

• ملہ بِاِذْنِ اللّٰہ کے جملے میں بِ باء بمعنی کیساتھ۔ اسکے قرآنی ثبوت کیلئے دیکھئے دیباچہ کا صفحہ ۹۲ اور اِذن کا معنیٰ ہے قانون۔ اسکے قرآنی ثبوت کیلئے دیکھئے دیباچہ کا صفحہ ۵۵۔

• ملہ۳ کِتٰبًا مُّؤَجَّلًا میں کِتٰبًا مصدر مفعول مطلق ہے اور مُّؤَجَّلًا اسکی صفت ہے۔ اور مطلب ہے کُتِبَ عَلَيْهِمْ کِتٰبًا مُّؤَجَّلًا بِاِذْنِ اللّٰہِ یعنی اللہ کے حکم کے مطابق (جب کفار کیساتھ جنگ شروع ہو جائے) تو اِس مقررہ وقت پر مومنوں کیلئے اللہ کی راہ میں مرنا (جانی قربانی دینا) فرض کیا گیا ہے۔ یہ تو ہے کِتٰبًا مُّؤَجَّلًا کا صحیح معنیٰ لیکن وانتی تراجم میں اسکا معنیٰ لیا گیا ہے موت کا لکھا ہوا وقت۔ اور اِس سے تصور یہ قائم کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر کسی کی موت کا وقت مقرر کیا ہوا ہے۔ مگر قرآن مجید میں بعض جگہ کِتٰبًا کا معنیٰ کسی شرط کیساتھ مشروط کر کے مقرر کیا ہوا بھی ہے۔ سورہ مائدہ میں آیا ہے کہ حضرت موسیٰ نے قوم سے کہا يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ ۵/۲۱ ۔ اے میری قوم اُس ارضِ مقدس میں داخل ہو جاؤ جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے لکھدی ہے۔ اِس لفظی ترجمہ کے مطابق اِس حکم کیساتھ ہی ارضِ مقدس کا بنی اسرائیل کیلئے لکھے جانے کا تصور سامنے آتا ہے۔ لیکن بنی اسرائیل نے کہا کہ اِس زمین میں ایک جابر قوم رہتی ہے جبتک وہ اُس میں سے نکل نہ جائے اُسوقت تک ہم اُس میں داخل نہیں ہونگے۔ اسکے جواب میں حضرتؑ نے فرمایا کہ تم ایک مرتبہ اُس زمین میں داخل ہو جاؤ تو تم غالب آجاؤ گے لیکن بنی اسرائیل نہ مانے اور ارضِ مقدس میں داخل نہ ہوئے۔ تو نتیجہ یہ ہوا کہ وہی زمین جو بنی اسرائیل کیلئے لکھدی گئی تھی اُن پر چالیس سال کیلئے حرام کردی گئی۔ قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۵/۲۶ ۔ فرمایا کہ اب وہ زمین اُن پر چالیس سال کیلئے حرام کردی گئی ہے۔

• دیکھئے! آیت بالا سے کھل کر عیاں ہو چکا ہے، کہ وہی ارضِ مقدس جس کیلئے كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ کے الفاظ آئے ہیں بنی اسرائیل کی بزدلی کی بدولت اُن پر چالیس سال کیلئے حرام کردی گئی تھی۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ كَتَبَ اللّٰهُ مشروط تھا۔ اگر بنی اسرائیل ارضِ مقدس میں داخل ہو جاتے تو وہ زمین اُنکے لئے لکھ دی جاتی۔ لیکن جب اُنہوں نے بزدلی دکھائی تو وہی زمین اُن پر چالیس سال کیلئے حرام کردی گئی۔ بس یہی حال ہے کِتٰبًا مُّؤَجَّلًا کی ایک صورت کا کہ یہ عام حالات میں مشروط ہے کہ اگر کسی شخص کی موت کے اسباب مہیا ہو جائیں تو اسبابِ موت کے اثرات کے انتہائی وقت پر موت واقع ہو جاتی ہے۔ مثلاً بس کے حادثے کا شکار ہو جاتے ہیں بیک وقت درجنوں افراد۔ لیکن اُن میں سے بعض تو بال بال بچ جاتے ہیں بعض موقعہ ہی پر ہلاک ہو جاتے ہیں، بعض ہسپتال میں پہنچکر دم توڑ دیتے ہیں اور بعض کو کئی دِن کے بعد موت آتی ہے۔ یہ سب کِتٰبًا مُّؤَجَّلًا کی تفسیر ہوتے ہیں کہ جن پر موت کے اسباب وارد ہی نہیں ہوتے، یعنی حادثے کے وقت کسی اوٹ میں آجاتے ہیں، تو وہ بال بال بچ جاتے ہیں۔ اور جن پر موت کے اسباب کا شدید ورود ہوتا ہے وہ موقعہ پر ہی ہلاک ہو جاتے ہیں، اور جن پر موت کے اسباب چند گھنٹے یا چند دن کے بعد پورے وارد ہوتے ہیں وہ چند گھنٹوں یا چند دِنوں کے بعد مرجاتے ہیں۔ اجل کا ایک معنیٰ ہے غایتِ وقت، انتہاءِ وقت۔ لہٰذا موت کے ضمن میں کِتٰبًا مُّؤَجَّلًا کا مفہوم

ہے موت کی انتہاءِ وقت۔ پس موت کے مختلف اسباب حادثہ، بیماری، آگ، پانی، آندھی، تیز دھار کی ضرب یا بندوق کے فائر وغیرہ کے ذریعہ جب اسبابِ موت کے اثرات کا انتہائی وقت آتا ہے تو موت کا واقعہ ہونا اللہ تعالیٰ کا لکھا ہوا قانون ہے۔ یہ روائتی تصور غلط ہے کہ ہر شخص کی موت کا وقت اور سبب خود اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا ہوا ہے۔ کیونکہ اگر کسی شخص کی موت کا ایک قاتل کے ہاتھوں واقع ہونا خود اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا ہوا ہو تو قاتل کو انعام ملنا چاہیئے نہ کہ سزائے موت ۔ پس صحیح قرآنی تصور یہ ہے کہ موت کیلئے اللہ تعالیٰ نے مشروط قانون مقرر کر رکھے ہیں۔ قانونِ الٰہی کے مطابق موت کے اسباب میں سے جب کوئی سبب وارد ہوتا ہے تو اُسکے انتہائی اثرات کے وقت پر اُسوقت موت واقع ہوتی ہے جب اسبابِ زندگی میں سے کوئی سبب باقی نہیں رہتا۔

● ملک جو شخص صرف دُنیا کی زندگی کیلئے کوشاں رہتا ہے اللہ تعالیٰ اپنے قانون کے مطابق اُسکی محنت کا پھل اُسے بھی دیتا رہتا ہے اور جو شخص آخروی زندگی کو نگاہوں میں رکھکر ربوبیتِ عامہ کو مطمع نظر قرار دیتا، اور اللہ تعالیٰ کے قانون کے مطابق زندگی بسر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے قانون کے مطابق اُسے بھی اُسکا حصہ عطا کرتا ہے لیکن چونکہ ربوبیتِ عامہ کو زندگی کی اساس مقرر کرنا انتہائی کٹھن منزل ہے۔ جس کیلئے انتہائی مستقل مزاجی کی ضرورت ہے۔ اسلئے اگلی آیت مجیدہ میں صحابہؓ کی حوصلہ افزائی کیلئے سابقہ انبیاء کے صحابیوں کے حالات بیان کئے گئے ہیں۔

وَكَأَيِّن مِّن نَّبِيٍّ قَاتَلَ ۙ مَعَهُ رِبِّيُّونَ كَثِيرٌ

اور کتنے ہی نبی ہوئے کہ قتال کیا ساتھ انکے ربانیوں بہت سوں نے

فَمَا وَهَنُوا لِمَا أَصَابَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَمَا ضَعُفُوا

پھر نہ ہوئے وہ سست اس سے جو پہنچا انہیں بیچ راہ اللہ کے اور نہ ہوئے کمزور

وَمَا اسْتَكَانُوا ۗ وَاللَّهُ يُحِبُّ الصَّابِرِينَ ○ ۱۴۶

اور نہ جھک گئے۔ اور اللہ پسند کرتا ہے ثابت قدم رہنے والوں کو۔

اور (دلے صحابہؓ) کتنے ہی نبی ہوئے کہ آنکے ساتھ ملکر قتال کیا بہت سے ربانیوں (انکے صحابیوںؓ) نے پھر جو تکلیفیں اُنہیں اللہ کی راہ میں پہنچیں اُن سے نہ وہ سست ہوئے نہ کمزور اور نہ تھک کر ہمت ہار بیٹھے۔ (یہ لوگ تھے صٰبرین یعنی مشکلوں کا ڈٹ کر مقابلہ کرنیوالے) حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ثابت قدم رہنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

● اِس سے اگلی آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ سابقہ انبیاء کے مذکورہ بالا قسم کے مستقل مزاج اور ثابت قدم صحابی یہ دُعا کرتے تھے :-

وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ إِلَّا أَن قَالُوا رَبَّنَا

اور نہیں تھا قول انکا مگر یہ کہ کہتے تھے اے رب ہمارے

اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَإِسْرَافَنَا فِي أَمْرِنَا وَ

چھپالے واسطے ہمارے قصور ہمارے۔ اور زیادتیاں ہماری بیچ کام ہمارے کے اور

ثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ○ ۱۴۷

مضبوط رکھ قدم ہمارے اور مدد کر ہماری مقابلے قوم کافروں کے

اور نہیں تھا اُن کا قول سوائے اِسکے کہ کہا اُنہوں نے اے رب ہمارے چھپالے ہماری تدبیری کوتاہیوں کو (جن کے ہم مرتکب ہوگئے) اور ہماری زیادتیوں کو جو ہم سے ہمارے کام میں واقع ہوئیں اور ثابت قدم رکھیو ہمیں تو مقابلے پر اُس قوم کے جو (نظامِ ربوبیتِ عامہ کا) انکار کرنیوالی ہے۔

● اس سے اگلی آیت میں سابقہ نبیوں کے صحابیوں کی انتھک محنت کے ثمر کا ذکر کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیا اور آخرت کی کامیابی عطا فرمائی ۔

فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ
پھر عطا کیا انہیں اللہ نے فائدہ دنیا کا اور بہتر فائدہ
الْاٰخِرَةِ ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۱۴۸
آخرت کا۔ اور اللہ پسند کرتا ہے توازن قائم کرنے والوں کو

پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں انکی (انتھک محنت کے بدلے میں) (اس) دنیا کا فائدہ بھی عطا فرمایا۔ انہیں آزاد حکومت میسر آئی[۱] اور بہتر فائدہ عطا کرتا ہے آخرت کا۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں پسند کرتا ہے جو (اقتدار ملنے پر) معاشرہ میں توازن قائم کرنیوالے ہیں[۲]۔

ثَوَابَ الدُّنْيَا کا معنی ہے آزاد حکومت

● ۱؎ یہاں ثواب الدنیا کا غیر مبہم مفہوم ہے آزاد اسلامی حکومت۔ کیونکہ جن صحابہؓ کی حوصلہ افزائی کیلئے سابقہ انبیاء کے صحابیوں کی انتھک محنت کا ذکر کیا جا رہا ہے، انہیں آزاد قرآنی حکومت خلافت علیٰ منہاج النبوۃ عطا کیگئی تھی $\frac{۲۲}{۵۵}+\frac{۲۴}{۵۵}$

● ۲؎ چنانچہ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ کے الفاظ میں واضح کر دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ لوگ وہ ہیں جو حکومت ملنے کے بعد یعنی رزق کے سرچشموں پر قابض ہونے کے بعد معاشرہ میں حسن و توازن قائم کرتے ہیں۔ چنانچہ اگلی آیت مجیدہ میں صحابہؓ کو تنبیہ کیا گیا ہے کہ اگر تم نے ضابطۂ الٰہی کے منکروں کی اطاعت کی تو وہ تمہیں تمہارے سابقہ باطل دین کی طرف لوٹا دینگے۔ تمہاری مہم ناکام ہو جائیگی اور تم خسارہ پانیوالے ہو جاؤگے ۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ
اے وہ جو ایمان لائے ہو اگر تم نے اطاعت کی انکی جنہوں
كَفَرُوْا يَرُدُّوْكُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا
نے انکار کیا۔ وہ تمہیں لوٹا دینگے اوپر تمہاری ایڑیوں کے پھر پھر جاؤگے تم
خٰسِرِيْنَ ۱۴۹
گھاٹا پانیوالے ہوکر

اے وہ لوگو! (جو ضابطۂ الٰہی پر) ایمان لائے ہو۔ اگر تم نے ان لوگوں کی اطاعت کی جنہوں نے ضابطۂ الٰہی کا انکار کیا ہے تو وہ تمہیں تمہارے سابقہ باطل مذہب میں لوٹا لے جائینگے پھر اسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ تمہاری سب کوششیں رائیگاں جائینگی) اور تم لوٹ جاؤگے گھاٹا پانیوالے ہوکر۔

بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ ۱۵۰
بلکہ اللہ تمہارا مددگار ہے اور وہ بہتر ہے مددگاروں کا

(کوئی اور تمہاری مدد نہیں کریگا) بلکہ اللہ تمہارا مددگار ہے اور وہ سب مددگاروں سے بہتر مددگار ہے۔

سَنُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ
ہم ضرور ڈالینگے بیچ اذہان انکے جو کافر ہوئے رعب تمہارا
بِمَاۤ اَشْرَكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ
اس سبب سے کہ انہوں نے شرک کیا ساتھ اللہ کے کہ نہیں نازل کی ساتھ اسکے

(اے ایمان والو!) ہم ضرور ضرور تمہارا رعب ڈالدینگے انکے ذہنوں میں جنہوں نے ضابطۂ الٰہی کا انکار کیا ہے۔ یہ اسلئے کہ وہ اللہ کیساتھ شرک کرتے ہیں[۱]، جس کی کوئی دلیل اللہ تعالیٰ نے نازل نہیں کی۔ اور ان شرک کرنیوالوں کا ٹھکانہ آگ (یعنی

سُلْطٰنًا ۚ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۭ وَبِئْسَ مَثْوَى الظّٰلِمِيْنَ ۝ ۱۵۱

کوئی دلیل۔ اور ان کا ٹھکانہ آگ ہے۔ اور بُرا ہے ٹھکانہ ظالموں کا

شکست کا جنم) ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان بے ٹھکانہ کام (یعنی شرک) کرنیوالوں کا ٹھکانہ بہت ہی بُرا ہے۔

• مشرک چونکہ اپنے متوفّی بزرگوں کی جھوٹی مدد پر بھروسہ رکھتے ہیں خود کچھ کرنا نہیں چاہتے۔ اور مومن چونکہ ۸ کے قرآنی حکم وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ کے مطابق قوت تیار کرتے ہیں۔ اسلئے کافروں کے دل پر مومنوں کا رعب پڑنا لازمی امر ہے۔

• اِس سے آگے پھر اُسی جنگ کیطرف رُخ کیا گیا ہے، جسکا ذکر آیت نمبر ۱۲۲ میں آیا ہے، جس میں کچھ صحابہؓ سے وقتی غلطی سرزد ہوئی تھی۔

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰٓي اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ۭ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ۭ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَي الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ ۱۵۲

اور بیشک سچا کیا تمہارے لئے اللہ نے وعدہ اپنا جب تم قتل کرتے تھے انہیں ساتھ حکم اسکے۔ تا آنکہ جب کمزوری دکھائی تم نے اور جھگڑنے لگے تم بیچ کام کے اور نافرمانی کی پیچھے اسکے جو دکھایا تمہیں وہ جس سے محبت کرتے ہو تم میں سے جو ارادہ کرتا ہے دنیا کا اور تم میں سے جو ارادہ کرتا ہے آخرت کا۔ پھر پھیر دیا تم کو ان سے تاکہ تمہیں ظاہر کرے! اور بیشک معاف کیا اللہ نے تمہیں۔ اور ہے اللہ صاحب فضل اوپر مومنوں کے

اور بیشک اللہ تعالیٰ نے اپنا (فتح کا) وعدہ تم پر اُسوقت پُورا کردیا جب تم انہیں (یعنی ربوبیّت عامہ کے منکروں کو) اللہ کے حکم سے قتل کر رہے تھے۔ تا آنکہ جب کمزوری دکھائی تم نے (یعنی تمہارے کچھ افراد نے) اور جو فریضہ تمہارے سپرد ہوا تھا اُس میں تم نے (یعنی تمہارے کچھ افراد نے) جھگڑا کیا۔ اور نافرمانی کی تم نے (اپنے کمانڈر یعنی ہمارے رسُولؐ کی) اُس فتح کے دیکھنے کے بعد جسے تم پسند کرتے ہو۔ تم میں سے وہ ہیں جنہوں نے دُنیا کا ارادہ کیا (یعنی مالِ غنیمت جمع کرنے کا) اور تم میں سے وہ ہیں جنہوں نے ارادہ کیا بہتر انجام کا۔ پھر اللہ نے تمہیں پھیر دیا اُن سے، تاکہ تمہیں ظاہر کر دے (کہ تمہاری اپنی غلطی سے فتح شکست میں تبدیل ہوگئی) اور بیشک اللہ نے معاف کیا تم کو۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مومنوں پر صاحبِ فضل ہے (یعنی مومنوں، صحابہؓ رسُولؐ پر اپنے فضل و رحمت کی بارشیں برسانے والا ہے)۔

معافی کا عام اعلان

• مذکورہ بالا جنگ میں جن صحابہؓ سے غلطی سرزد ہوئی اُنکے متعلق وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ کے الفاظ میں عام معافی کا اعلان کیا گیا ہے۔ اور وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَي الْمُؤْمِنِيْنَ کے الفاظ میں اُنہیں مومنین کہکر وضاحت کردی گئی ہے کہ وہ منافق نہیں تھے۔

غزوۂ فشل یعنی جنگ اُحد کی تفصیل

• آیتِ بالا میں اُس جنگ کی تفصیل پیش کی گئی ہے جو جنگِ اُحد کے نام سے معروف ہے۔ قرآن کریم کی رُو سے اسے غزوۂ فشل کہا جا سکتا ہے۔ کیونکہ اس میں صحابہ کی ایک

جماعت کی اُس کمزوری کا تذکرہ ہے جو فَشِلْتُمْ کے الفاظ میں بیان ہوا ہے جس کی بدولت صحابہؓ کی فتح شکست میں تبدیل ہو گئی تھی۔ حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ کے الفاظ سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک جماعت کو آنحضورؐ نے ایک مخصوص اہم جنگی مقام پر متعین فرمایا تھا۔ لیکن جب صحابہؓ نے دشمنوں کو قتل کرنا شروع کیا اور وہ بھاگ کھڑے ہوئے تو اُس جماعت نے سمجھا کہ اب فتح ہو گئی ہے اسلئے اُس جماعت کے ایک حصّے نے اُس مقام کو چھوڑ دینے کا ارادہ کیا مگر دوسرے حصّے نے اُن کے ساتھ اتفاق نہ کیا۔ اور اُنکا باہمی تنازعہ ہوا وَتَنَازَعْتُمْ۔ لیکن باہمی فیصلہ اُس مقام کو چھوڑ دینے کا ٹھہرا۔ حتّٰی کہ اُس مقام کو چھوڑ دیا گیا۔ اُنکے اِس فعل کو قرآنِ کریم نے عَصَيْتُمْ کے الفاظ میں بیان کیا ہے کہ تم نے اپنے سالارِ لشکر کی نافرمانی کی۔ اور نتیجہ یہ ہوا کہ اُسی مقام سے جب وہ غیر محفوظ ہو گیا تو دشمن نے اچانک حملہ کر کے صحابہؓ کی فتح کو شکست میں تبدیل کر دیا۔ اور ایسی بھاگڑ مچی کہ کچھ صحابیؓ میدان چھوڑ کر پہاڑی پر چڑھ گئے۔

اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰٓي اَحَدٍ وَّالرَّسُوْلُ

جب تم چڑھے جا رہے تھے اور نہیں دیکھتے تھے مڑ کر کسی ایک کو اور ہمارا رسول

يَدْعُوْكُمْ فِيْٓ اُخْرٰىكُمْ فَاَثَابَكُمْ غَمًّۢا بِغَمٍّ لِّكَيْلَا

بلاتا تھا تم کو پیچھے تمہارے۔ پھر پہنچایا تم کو غم ساتھ غم کے۔ تاکہ نہ

تَحْزَنُوْا عَلٰي مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَآ اَصَابَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ

تم کھاؤ غم اوپر اُسکے جو کھویا تم نے اور نہ جو پہنچا تم کو۔ اور بیشک اللہ خبردار

بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ ۱۵۳

ساتھ اُسکے جو تم عمل کرتے ہو

(اے جماعتِ صحابہؓ) وہ وقت قابلِ ذکر ہے جب تم (تمہارے بعض پہاڑی پر) چڑھے جا رہے تھے اور کسی کو مُڑ کر نہیں دیکھتے تھے۔ حالانکہ ہمارا رسولؐ تمہیں تمہارے پیچھے سے بُلاتا تھا۔ پھر تمہاری کمزوری کی بدولت پہنچایا (اللہ نے) تمہیں غم کے بعد غم۔ (ہمارا رسولؐ اسلئے تمہیں بلاتا تھا) تاکہ تم اُس پر غم نہ کرو جو مصیبت تم پر (تمہاری اپنی غلطی کی بدولت) آئی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ پُورا پُورا باخبر ہے اُس سے جو تم عمل کرتے ہو۔

• جب آنحضورؐ نے صحابہؓ کو پیچھے سے بلایا تو اُس حیات افروز آواز کا صحابہؓ پر کیا اثر ہوا؟ اِسکا جواب اگلی آیت مجیدہ میں دیا گیا ہے:-

ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً

پھر نازل کیا اوپر تمہارے پیچھے غم کے امن،

نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَاۗىِٕفَةً مِّنْكُمْ ۙ وَطَاۗىِٕفَةٌ قَدْ

نیند کہ ڈھانپا اُس نے ایک گروہ تمہارے کو۔ اور تھا ایک گروہ تحقیق

اَهَمَّتْھُمْ اَنْفُسُھُمْ يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ

پست ہمت کر دیا تھا اُنہیں اُنکے نفسوں نے۔ گمان کرتے تھے ساتھ اللہ کے خلاف حق

ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ۭ ......

گمان جاہلیت کا

پھر اللہ نے تم پر غم کے بعد امن نازل کیا۔ (دشمن میدان چھوڑ کر واپس چلا گیا اور تم واپس میدان میں لوٹ آئے) تم میں سے (اُس) ایک گروہ پر نیند غالب آئی (جسے جنگ کی محنت شاقہ نے چُور کر دیا تھا) اور تمہارا ایک گروہ وہ تھا کہ اُنہیں اُنکے نفسِ امّارہ نے پست ہمت کر دیا تھا! اور وہ اللہ کے متعلق جاہلیت کے زمانے کا غلط گمان کرنے لگے تھے (کہ اللہ اُنکی مدد نہیں کریگا۔ اور دشمن اُنہیں نیست و نابود کر دیگا لیکن اللہ نے اِسطرح اُنکی مدد فرمائی کہ دشمن فتح کو برقرار نہ رکھ سکا اور فوراً واپس لوٹ گیا)۔

...... يَقُولُونَ هَل لَّنَا مِنَ الْأَمْرِ مِن شَيْءٍ ۗ قُلْ إِنَّ
اُنہوں نے کہا کیا ہے واسطے ہمارے فیصلۂ جنگ میں کچھ۔ کہدے بیشک
الْأَمْرَ كُلَّهُ لِلَّهِ ۗ يُخْفُونَ فِي أَنفُسِهِم مَّا لَا
فیصلہ سارے کا سارا ہے واسطے اللہ کے۔ چھپاتے ہیں بیچ ذہنوں اپنوں کے جو نہیں
يُبْدُونَ لَكَ ۖ يَقُولُونَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْأَمْرِ
ظاہر کرتے واسطے تیرے اُنہوں نے کہا کاش کہ ہوتا واسطے ہمارے فیصلے میں سے
شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هَاهُنَا ۗ قُل لَّوْ كُنتُمْ فِي بُيُوتِكُمْ
کچھ تو نہ قتل ہوتے ہم یہاں۔ کہدے اگر رہتے تم بیچ گھروں اپنوں کے
لَبَرَزَ الَّذِينَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ إِلَىٰ مَضَاجِعِهِمْ ۖ
تو ضرور نکل آتے وہ لوگ کہ فرض کیا گیا اوپر اُنکے لڑنا طرف اپنے بستروں کے
وَلِيَبْتَلِيَ اللَّهُ مَا فِي صُدُورِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِي
اور تاکہ ظاہر کرے اللہ جو ہے بیچ اذہان تمہارے کے اور تاکہ خالص کرے جو بیچ
قُلُوبِكُمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿١٥٤﴾
ذہنوں تمہارے کے۔ اور ہے اللہ خوب جاننے والا جو کچھ ہے ذہنوں میں

اُنہوں نے کہا کاش کہ جنگ کرنے یا نہ کرنے کے فیصلے میں ہمارا بھی کوئی حصہ ہوتا۔ کہہ دیجیئے (اے رسولؐ!) فیصلے کا حق پورے کا پورا اللہ کیلئے ہے۔ (اُس نے شوریٰ کا حکم دیا ہے ۳/۱۵۹ شوریٰ میں جنگ کرنے کے متفقہ فیصلے پر عمل کرنا لازم ہے)۔ وہ (کمزور ایمان والے) اپنے ذہنوں میں وہ کچھ چھپاتے ہیں جو آپ پر ظاہر نہیں کرتے۔ اُنہوں نے کہا کہ اگر جنگ کرنے یا نہ کرنے کے فیصلے میں ہمارا کوئی حصہ ہوتا تو آج یہاں ہم (یعنی ہمارے ساتھی اسطرح بیدردی کیساتھ) قتل نہ ہوتے۔ کہہ دیجئیے کہ اگر تم اپنے گھروں میں رہتے تو بھی وہ مومن جن پر لڑائی فرض کی گئی تھی (وہ جو جنگ کے تھپیڑے میدان کو راحت بخش بستر جانتے ہیں) وہ ضرور اپنے ان بستروں (میدانِ جنگ) کیطرف نکل آتے۔ اور یہ اسلئے تاکہ ظاہر کرے اللہ جو کچھ تمہارے ذہنوں میں (دورِ جہالت کا غلط گمان) ہے اور تاکہ کندن کرے تمہارے ایمان کو جو تمہارے ذہن میں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ذہنوںؑ کی مخفی چیزوں تک کو خوب خوب جاننے والا ہے۔

● ع۱ قلوب قلب کی جمع ہے۔ قلب کا معنی دماغ اور ذہن ہے، دل نہیں۔ کیونکہ اچھے یا برے خیالات ذہن میں ہوتے ہیں دل میں نہیں ہوتے۔ دل تو جسم میں خون پہنچانے کا صرف ایک پمپ ہے

عام معافی کے اعلان کا تکرار

● اِس سے اگلی آیت مجیدہ میں اُن صحابہؓ کیلئے جن سے غزوۂ اُحد میں غلطی ہوئی تھی عام معافی کے اعلان کا تکرار کیا گیا ہے۔ تاکہ اہلِ اسلام کی آنیوالی نسلیں ان صحابہؓ پر زبانِ طعن دراز کرنے کی جرأت نہ کرسکیں:-

إِنَّ الَّذِينَ تَوَلَّوْا مِنكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ
بیشک وہ لوگ جو پیٹھ پھیر گئے تم میں سے جس دن ٹکرائیں دو جماعتیں
إِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطَانُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوا ۖ
سوائے اسکے نہیں کہ بہکایا انہیں شیطان (نفس) نے بوجہ بعض عمل کے جو انہوں نے کیا
وَلَقَدْ عَفَا اللَّهُ عَنْهُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ ﴿١٥٥﴾
اور بیشک درگزر کیا اللہ نے ان سے بیشک اللہ ہے معاف کرنیوالا بُردبار
ع

(اے جماعتِ صحابہؓ) بیشک تم میں سے جو لوگ (جنگِ اُحد میں) پیٹھ پھیر گئے تھے اُس دن جب دو فوجیں آپس میں ٹکرائی تھیں سوا اسکے نہیں ہے کہ اُنہیں اُنکی اپنی غلطی کے باعث (جو کسب اُنہوں نے خود کیا تھا، شیطان (یعنی اُنکے اپنے نفسِ امارہ) نے بہکا دیا تھا۔ اور (چونکہ اُنکی خطا بلا ارادہ تھی اسلیئے) اللہ تعالیٰ نے اُنہیں بالتحقیق معاف کر دیا ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ معاف کرنیوالا بُردبار ہے۔

منافق تو غزوۂ فشل (جنگ اُحد) میں شامل ہی نہیں ہوئے تھے

• غزوۂ فشل میں غلطی کرنیوالے صحابہؓ کیلئے عام معافی کے تکرار کے بعد جماعت مومنین کو ہدایت کیگئی ہے کہ تم اُن لوگوں یعنی منافقوں کی مانند نہ ہو جانا جو اس جنگ سے پیچھے رہ گئے تھے :-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ كَفَرُوا

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو نہ ہونا تم اُن لوگوں کیطرح کہ انکار

وَقَالُوا لِإِخْوَانِهِمْ إِذَا ضَرَبُوا فِي الْأَرْضِ أَوْ كَانُوا

کیا اور کہا متعلق اپنے بھائیوں کہ جب جہاد کے سفر پر نکلے یا ہوئے وہ

غُزًّى لَّوْ كَانُوا عِنْدَنَا مَا مَاتُوا وَمَا قُتِلُوا لِيَجْعَلَ

لڑائی کرنیوالے۔ اگر رہتے ہمارے پاس نہ مرتے اور نہ مارے جاتے: تاکہ ٹھہرائے

اللَّهُ ذَٰلِكَ حَسْرَةً فِي قُلُوبِهِمْ ۗ وَاللَّهُ يُحْيِي وَيُمِيتُ ۗ

اللہ اسے حسرت بیچ اُن کے دلوں کے۔ اور ہے اللہ زندگی دینے والا اور موت دینے والا

وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝ ۱۵۶

اور ہے اللہ ساتھ اُسکے جو تم عمل کرتے ہو دیکھنے والا

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو، نہ ہو جانا تم مانند اُن (منافقوں) کی جنہوں نے (جہاد فی سبیل اللہ سے) انکار کیا۔ (یعنی گھر بیٹھ رہے) اور اُنہوں نے اپنے بھائیوں کے متعلق کہ جب اُنہوں نے جہاد کیلئے سفر اختیار کیا یا وہ اللہ کی راہ میں لڑنے والے ہوئے تو کہا کہ اگر وہ ہمارے پاس رہتے تو نہ مرتے نہ مارے جاتے اور نہ قتل کئے جاتے۔ (ایمان والو تم اپنی عزم و استقلال کیساتھ جہاد کرتے رہنا) تاکہ اللہ تعالیٰ تمہاری کامیابی کے ذریعہ منکروں کے ذہنوں میں ٹھہرائے دائمی حسرت و افسوس؛ (کیونکہ وہ چاہتے ہیں کہ تمہیں شکست ہو) اگرچہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہے (اپنے قانون کے مطابق ہی) زندگی دینے والا اور موت دینے والا۔ اور جو بھی عمل تم بجا لاتے ہو وہ اُنہیں خوب دیکھنے والا ہے

• اس آیتِ مجیدہ سے ثابت ہے کہ غزوہ فشل (جنگ اُحد) میں کوئی منافق شامل نہیں ہوا تھا۔ بلکہ اُنہوں نے یہ کہا تھا کہ جسطرح ہم جنگ میں شامل نہیں ہوئے، اگر یہ لوگ بھی ہمارے پاس رہتے تو نہ مرتے اور نہ مارے جاتے لیکن اللہ تعالیٰ نے باقی مومنوں کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا ہے :-

وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ مُتُّمْ

اور البتہ اگر قتل ہو جاؤ تم بیچ راہ اللہ کے یا مر جاؤ تم،

لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللَّهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِّمَّا

البتہ مغفرت طرف اللہ سے اور رحمت بہتر ہے اُس سے جو

يَجْمَعُونَ ۝ ۱۵۷

وہ جمع کرتے ہیں

اور (ایمان والو!) بیشک اگر تم اللہ کی راہ میں قتل کئے جاؤ یا (میدانِ جہاد یا سفرِ جہاد میں طبعی موت) مر جاؤ تو بلاشبہ (تمہارے اللہ کی راہ میں یعنی نظامِ ربوبیت کے قیام کی کوشش میں کام آنے سے تمہارے حصے کی) اللہ کیطرف سے مغفرت اور رحمت اُس مال سے بہتر ہے جو وہ (جہاد سے پیچھے رہنے والے منافق) جمع کرتے ہیں.

وَلَئِنْ مُّتُّمْ أَوْ قُتِلْتُمْ لَإِلَى اللَّهِ

اور البتہ اگر تم مر جاؤ یا قتل کئے جاؤ۔ ضرور طرف اللہ کے

اور (یہ بھی سن لو کہ) اگر تم (اللہ کی راہ میں) مر جاؤ یا قتل کئے جاؤ (تو یہ نہ سمجھ لینا کہ تمہیں کوئی اجر نہیں ملیگا) بلاشبہ تم ضرور

تُحْشَرُوْنَ ۝ ۱۵۸
اکٹھے کیے جاؤ گے

ضرور اپنے اعمال کی بہتر جزا کیلئے اللہ تعالیٰ کے ہاں قیامت کو اکٹھے کیئے جاؤ گے۔

• لَاْ اِلَى اللّٰهِ کے ابتدائی لام کیساتھ آمدہ گول نشان والا الف زائدہ ہے جو لکھا جاتا ہے پڑھا نہیں جاتا۔ کلام میں زور اور تاکید کا فائدہ دیتا ہے۔ (کلام میں زور پیدا کرنے کیلئے اور بھی بہت سے الف زائدہ آئے ہیں۔ دیکھئے صفحہ ۱۱۹ سطر ۱۰-۱۱)

• اِس سے آگے یہ اہم مسئلہ آ رہا ہے کہ اُن صحابہ کے متعلق جو غزوۂ فشل (جنگ

کیا یہ صحابہ منافق تھے؟ العیاذ باللہ!

اُحد) میں پیٹھ دکھا گئے تھے اور جن کیلئے اس بنا پر کہ اُنکا یہ فعل اسلامی فوج کو نقصان پہنچانے کے ارادے سے نہیں تھا، ایک سوچی، پیچھے آیت نمبر ۱۵۲ میں لَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ کے الفاظ میں معافی کا اعلان کیا گیا ہے اور پھر آیت نمبر ۱۵۵ میں وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ کے الفاظ میں اعلانِ معافی کا تکرار گزر چکا ہے، اُنہی صحابہ کے متعلق اگلی آیت مجیدہ میں خود رسول مقبول کو تاکید کیگئی ہے کہ آپ بھی اُنہیں معاف فرمائیں۔ اور صرف معاف ہی نہ فرمائیں بلکہ اُنہیں اپنی مجلس مشاورت میں شامل کر کے اپنی پاکیزہ کابینہ کا رکن بنا کر اہم معاملات میں اُن سے مشورے کیا کریں۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ
پس ساتھ رحمت اللہ کی سے آپ نرم مزاج ہیں اُن کیلئے۔ اور اگر
كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۠
ہوتے آپ تند خو سخت ذہن والے البتہ بھاگ جاتے آپکے پاس سے
فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ
پس آپ بھی درگزر کریں اُن سے اور بچاؤ کا سامان کریں واسطے اُنکے اور مشورہ کریں اُن سے
فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّ
بیچ معاملے کے۔ پھر جب کسی کام کا ارادہ کریں تو بھروسہ کریں اللہ کے قانون پر۔ بیشک
اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ۝ ۱۵۹
اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے اپنے قانون پر بھروسہ کرنیوالوں کو

پس (اے رسول) اللہ کی رحمت سے آپ اِن (صحابہ) کے لئے نرم مزاج ہیں۔ (بالفرضِ محال) اگر آپ تند خو سخت مزاج ہوتے تو (وہ مزاج کی تندی و سختی کو برداشت نہ کرتے ہوئے) آپکے پاس سے ضرور ضرور بھاگ جاتے۔ پس آپ بھی اُنہیں معاف فرمائیں۔ اور اُنکے لئے بچاؤ کے سامان کریں۔ اور اُن سے اہم معاملات میں مشورے فرمایا کریں (یعنی اُنہیں اپنی مجلس مشاورت کے رکن بنالیں) پھر مشورہ کے بعد جو کام طے پا جائے) تو جب آپ اُس کام کا ارادہ کریں تو اللہ (کے قانون) پر بھروسہ کریں۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ اپنے (مقرر کردہ) قانون پر بھروسہ کرنیوالوں کو پسند کرتا ہے۔

• دیکھئے! جن صحابہ کو مجلس مشاورت کا رکن بنانے کا حکم دیا گیا ہے۔ کیا وہ منافق ہوسکتے ہیں؟ اِن صحابہ کو منافق کہنے والے حضرات آیت بالا کے الفاظ شَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ پر غور کر کے اپنے نظریہ اور عقیدہ پر نظر ثانی کی زحمت فرمائیں۔

• علہ توکل علی اللہ کا معنی ہے اللہ کے قانون پر بھروسہ کرنا۔ توکل کا معنی اسی آیت کے الفاظ شَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ میں نمایاں کر دیا گیا ہے۔ کہ جب کسی مہم، کسی کام کو شروع کرنے سے پہلے مجلس مشاورت کا بورڈ بٹھا کر معاملہ درپیش کے ہر پہلو پر نگاہ رکھتے ہوئے قانونِ الٰہی کے مطابق لائحہ عمل مرتب کرنے کا حکم دیا گیا ہے، تو پھر جب اُس کام کو شروع کیا جائیگا تو کیا طے شدہ لائحہ عمل کے

مطابق عمل کیا جائیگا یا اندھا دھند اور بے سوچے سمجھے؟ مزید تفصیل کیلئے دیکھئے دیباچہ کا صفحہ ۵۳۔ المختصر! آنحضورؐ کے نام مذکورہ صحابہ کے متعلق ہدایات جاری کرنے کے بعد اگلی آیت مجیدہ میں خود صحابہ کرامؓ کو مخاطب کرکے ارشاد ہوا ہے کہ اللہ کے قانون پر بھروسہ کرکے اللہ کی مدد حاصل کرتے رہو۔

اِنۡ یَّنۡصُرۡکُمُ اللّٰہُ فَلَا غَالِبَ لَکُمۡ ۚ[1]
اگر مدد کرے تمہاری اللہ۔ تو نہیں کوئی غالب تم پر
وَاِنۡ یَّخۡذُلۡکُمۡ فَمَنۡ ذَا الَّذِیۡ یَنۡصُرُکُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِہٖ ؕ
اور اگر وہ مدد چھوڑ دے تمہاری تو کون ہے جو مدد کرے تمہاری پیچھے اس کے۔
وَعَلَی اللّٰہِ فَلۡیَتَوَکَّلِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱۶۰﴾
اور اوپر اللہ کے بھروسہ کرتے ہیں مومن

(ایمان والو!) اگر اللہ (تمہارے اپنے اعمال کی بدولت $\frac{6}{127}$ + $\frac{22}{40}$) تمہاری مدد کرے۔ تو پھر (دنیا کی کوئی طاقت) تم پر غالب نہیں آسکتی۔ اور اگر وہ (تمہارے عملوں کی بدولت) تمہاری مدد چھوڑ دے تو پھر کون ہے جو اسکے بعد تمہاری مدد کرے حقیقت یہ ہے کہ (مومن یعنی) امن کے ضامن[2] لوگ اللہ تعالیٰ کے قانون ہی پر بھروسہ کرتے ہیں۔ (تاکہ اللہ تعالیٰ انکی مدد نہ چھوڑ دے)۔

● ۱ اِنۡ یَّنۡصُرۡکُمُ اللّٰہُ فَلَا غَالِبَ لَکُمۡ سے یہ مطلب اخذ کرنا غلط ہے کہ اللہ تعالیٰ کا جب جی چاہے مدد شروع کر دیتا ہے اور جب جی چاہے مدد چھوڑ دیتا ہے۔ $\frac{6}{127}$ میں آیا ہے :- وَھُوَ وَلِیُّھُمۡ بِمَا کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ ○ اور وہ اللہ انکا مددگار ہے ان عملوں کیساتھ جو خود بجا لاتے ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ اگر کوئی شخص آری کیساتھ درخت کا ٹہنا، تنے کیطرف بیٹھنے کی بجائے ٹہنے کیطرف بیٹھ کر کاٹنا شروع کر دے تو اللہ تعالیٰ ہرگز اسکی مدد نہیں کریگا۔ ٹہنے کے کٹنے کیساتھ ہی اُسے بھی فوراً زمین پر پٹخ دیگا۔

● ۲ لفظ مومن کا سہ حرفی مادہ ا م ن = امن ہے اور مومن کا ایک معنی امن دینے والا، امن کا ضامن بھی ہے۔ چونکہ کائنات میں نظامِ ربوبیت کے قیام کے بغیر ہرگز امن قائم نہیں ہوسکتا۔ اسلئے ربوبیتِ عامہ پر ایمان لانیوالے اہلِ عالم کو امن دینے والے، امن کے ضامن ہوتے ہیں۔ اب امن چونکہ اللہ تعالیٰ کے کائناتی قوانین ہی پر عمل کرنے سے میسر آتا ہے۔ اسلئے مومنین کی تعریف یہ بھی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے قوانین پر پورا پورا بھروسہ کرتے ہیں، تاکہ اللہ تعالیٰ کی مدد انکے شاملِ حال رہے۔ غزوۂ فشل (جنگِ احد) کا واقعہ آپ پچھلی آیاتِ کریمات میں ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ صحابہ جیسی پاکیزہ جماعت کے کچھ افراد سے جب اللہ کے قانون کی مخالفت ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے اُن کی مدد چھوڑ دی اور انہیں شکست ہوگئی۔ بالفاظِ دیگر قانونِ الٰہی میں ہرگز ہرگز لچک موجود نہیں ہے۔

ایک تاریخی تنازعہ کا قرآنی فیصلہ

● اہلِ اسلام کے دو گروہوں میں صحابہؓ کے متعلق یہ تنازعہ چل رہا ہے کہ بقول ایک گروہ کے جنگِ احد میں جو صحابیؓ میدان سے بھاگ گئے تھے وہ معاذ اللہ معاذ اللہ منافق تھے! اور انہی بھگوڑے منافقوں نے رسولِ اکرمؐ کی وفات کے بعد خلافت پر غاصبانہ قبضہ کر لیا تھا۔ اس مسئلے پر فریقین کے ہزاروں مناظرے اور مباحثے ہو چکے ہیں۔ لیکن وہ متفقہ طور پر کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکے۔ حالانکہ قرآنِ کریم نے چودہ سو سال پیشتر سے فیصلہ کر دیا ہوا ہے کہ غزوۂ فشل (جنگِ احد) میں لشکرِ صحابہ کے صرف چند افراد سے غلطی کی تھی $\frac{3}{152}$۔ جس کی بدولت فاتح صحابہ کی فتح مبدل بشکست ہوگئی $\frac{3}{152}$۔ جب دشمن نے غیر محفوظ مقام سے اچانک حملہ کر دیا، اور اسلامی لشکر میں بھاگڑ مچ گئی تو کچھ صحابیؓ میدان چھوڑ کر پہاڑی پر چڑھ گئے $\frac{3}{153}$۔

● لیکن آنحضورؐ نے پکارا تو واپس لوٹ کر میدان میں ڈٹ گئے۔ پھر اللہ کی مدد شامل حال ہوگئی، دشمن میدان چھوڑ کر چلا گیا ۳/۱۵۴۔ اللہ تعالیٰ نے مذکورہ صحابہ کا قصور معاف کیا ۳/۱۵۲۔ پھر اسی معافی کا اعادہ فرمایا ۳/۱۵۵۔ پھر آنحضورؐ کو حکم دیا کہ آپ بھی انہیں معاف فرمائیں ۳/۱۵۹۔ اور ساتھ ہی حکم دیدیا کہ آپ انہیں نہ صرف یہ کہ معاف فرمائیں۔ بلکہ انہیں اپنی مجلس مشاورت کے رکن مقرر کر کے ان سے اہم امور میں مشورے بھی لیا کریں۔ ۳/۱۵۹

افسوس کہ اگر قرآن کریم کو حکم مانا جاتا تو نہ صحابہؓ کو منافق قرار دیا جاتا اور نہ خلافت کا مسئلہ متنازعہ قرار پاتا

● اب اہل بصیرت و دیانت خود فیصلہ کر سکتے ہیں کہ کیا آیات بالا کی روشنی میں صحابہ کو منافق کہا جا سکتا ہے؟ اور کیا ان قرآنی فیصلوں کی موجودگی میں یہ فاسد نظریہ جنم لے سکتا ہے کہ آنحضورؐ کی وفات کے بعد مسند خلافت پر منافقوں نے قبضہ کر لیا تھا۔ صحابہ کی تعریف و توصیف اور ان کی ارفع شان کے تذکرے سے قرآن کریم بھرا پڑا ہے۔ ذیل میں صرف تین آیتوں پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ واضح رہے کہ یہ امر اہل علم سے ہرگز پوشیدہ نہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم مہاجر و انصار کے دو حصوں میں منقسم ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ان دونوں قسم کے صحابہ کو صاحب جنت اور صاحب فوز عظیم بھی قرار دیا ہے۔ اور رضی اللہ عنہم اور رضوا عنہ کا سرٹیفکیٹ بھی عطا فرمایا ہے:۔

۱ وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۹/۱۰۰ ۔ اور مہاجرین و انصار میں سے جنوں نے سب سے پہلے ہجرت و نصرت کی اور جنہوں نے بعد میں انکی اس نیکی میں پیروی کی یعنی بعد میں وقتاً فوقتاً ہجرت اور نصرت کرتے رہے اللہ تعالیٰ ان سب پر راضی ہوگیا اور وہ سب کے سب اللہ پر راضی ہوگئے۔ اور اللہ نے ان کیلئے ایسے باغات تیار کئے ہیں جن کی سطح میں نہریں بہتی ہیں۔ وہ ان میں ہمیشہ رہینگے۔ اور یہی تو بڑی کامیابی ہے۔

۲-۳ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْۤا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا مَعَكُمْ فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ ۸/۷۴-۷۵ ۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور اللہ کی راہ میں ہجرت اور جہاد کیا اور وہ لوگ جنہوں نے مہاجروں کو جگہ دی اور انکی مدد کی یہ سب مہاجر و انصار حقے سچے مومن ہیں۔ اور جو لوگ بعد میں ایمان لائے اور بعد میں ہجرت کی اور تمہارے ساتھ ملکر جہاد کیا۔ وہ بھی تمہیں میں سے ہیں۔ (وہ بھی حقے سچے مومن ہیں)۔

اب بتائیے!

● کیا قرآن کریم کی روشنی میں مہاجرین و انصار میں سے کسی ایک صحابی کو بھی منافق کہنے کی گنجائش موجود ہے؟ ہرگز نہیں۔ صحابہؓ کی پاکیزہ جماعت کو منافق قرار دینے کی وجہ اسکے سوا نہیں کہ قرآن کریم کو حکم نہیں مانا گیا۔ بلکہ نام نہاد اسلامی تاریخ کو قرآن کریم پر حاکم قرار دیدیا گیا ہے۔ حقیقت کی رو سے صحابہ کرام سب حقے سچے مومن تھے۔ جن میں سے بعض سے غزوۂ فشل (جنگ احد) میں بتقاضائے بشریت غلطی ہوئی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے انکی غلطی کو بھی بیان کر دیا ہے۔ اور معافی کے اعلان کا بھی تین مرتبہ تکرار فرمایا ہے ۳/۱۵۲ ۳/۱۵۵ ۳/۱۵۹۔

غنیمت کا مال چھپایا نہ جائے بلکہ سارے کا سارا بیت المال میں جمع کرایا جائے

• جنگ کے ذکرِ جمیل کیساتھ ہی اگلی آیت مجیدہ میں مالِ غنیمت کے متعلق بھی حکم دیدیا گیا ہے کہ اُس میں سے کسی بھی چیز کو چھپانے کا حق نہ خود رسُولِ مقبول کو تھا اور نہ کوئی صحابی اُسکا حق رکھتا تھا۔ سارے کا سارا مالِ غنیمت عوامی خزانے بیت المال میں جمع کیا جانا ضروری ہے۔ فلہذا ارشاد ہُوا ہے:۔

وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَغُلَّ ۚ وَمَنْ يَغْلُلْ يَأْتِ
اور نہیں لائق نبی کے کہ چھپائے اور جو کوئی چھپائے آئے گا

بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۚ ثُمَّ تُوَفَّىٰ كُلُّ نَفْسٍ مَا
ساتھ اسکے جو چھپایا دن قیامت کے پھر پورا دیا جائیگا ہر شخص کو جو

كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ۝ ۱۶۱
کمایا اُس نے اور وہ ظلم نہیں کئے جائینگے۔

اور نہیں لائق نبی کیلئے بھی کہ وہ (مالِ غنیمت میں سے) کچھ چھپالے[۱]۔ اور جو کوئی (خواہ وہ نبی ہو یا غیر نبی) جو کچھ بھی اُس نے چھپایا قیامت کے دن اُسکے حساب کیلئے حضورِ الٰہی میں حاضر ہوگا۔ پھر (یاد رکھو کہ) ہر شخص پُوری پُوری جزا اور سزا دیا جائیگا اُس عمل کے بدلے جو اُس نے خود کیا تھا حقیقت یہ ہے کہ (قیامت کی عدالت میں) لوگوں کیساتھ ظلم نہیں کیا جائیگا۔

• [۱] یَغُلَّ کا سہ حرفی مادہ ہے غ۔ل۔ل = غلل۔ اِسکا بنیادی معنٰی ہے چھپالینا۔ بددیانتی یعنی خیانت کرنا۔ سیاقِ کلام کے مطابق جبکہ ماقبل جنگ کا تذکرہ ہے، اِسلئے یہاں مالِ غنیمت کو نہ چھپانے کی تاکید کیگئی ہے۔ کیونکہ قرآنِ کریم کی رُو سے مالِ غنیمت لُوٹ کا مال نہیں ہے کہ جو کچھ کسی کے ہاتھ آگیا وہ اُسکا ہوگیا۔ بلکہ غنیمت کا سارا مال سب کے سب مجاہد سالارِ لشکر کے سامنے ڈھیر کردینگے۔ جسے قرآنی انداز کے مطابق تقسیم کیا جائیگا۔ مالِ غنیمت کی تقسیم کی تفصیل سورہ انفال کی ابتدائی آیات کی تفسیر میں اپنے مقام پر آگے آرہی ہے۔

• اگلی آیت مجیدہ میں مالِ غنیمت میں خیانت کرنیوالوں کو اللہ تعالیٰ کے انتہائی غصّے اور ناراضگی کا موردِ محل ٹھہرایا گیا ہے:۔

أَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللَّهِ كَمَنْ بَاءَ بِسَخَطٍ
کیا پھر جس نے اتباع کی رضا اللہ کی ہے مانند اسکے جو آیا ساتھ غصے

مِنَ اللَّهِ وَمَأْوَاهُ جَهَنَّمُ ۚ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ۝ ۱۶۲
کے اللہ کے اور ٹھکانہ اُسکا مقام سزا ہے اور وہ ہے بُری جگہ پھر جانے کی

پھر جس نے اللہ کی رضا کی اتباع کی (مالِ غنیمت میں خیانت نہیں کی) کیا وہ اُس شخص کی مانند ہے، کہ (جو خیانت کرکے) اللہ تعالیٰ کے غصے کا مستحق ہُوا۔ اُسکا ٹھکانہ سخت سزا[۱] کا مقام ہے حقیقت یہ ہے کہ وہ پھر کر جانے کی بہت بُری جگہ ہے۔

• [۱] لفظ جہنّم کا معنٰی اِسکی تعریف بِئْسَ الْمَصِيرُ سے عیاں ہے کہ جو شخص ایسے اعمال بجالائے جن کی پاداش اللہ تعالیٰ کی ناراضگی ہے تو اُسے دُنیا میں بھی اور اُخروی زندگی میں بُری جگہ میں پھیر دیا جاتا ہے۔ واضح رہے کہ نظامِ ربوبیت کے انکار کا نتیجہ ہے اللہ کی ناراضگی۔ کیونکہ نظامِ ربوبیت کے خلاف انفرادی مفادات کی اساس پر قائم کردہ نظاموں میں دنیا میں بھی دھوکا فریب اور مہذبانہ لوٹ کھسوٹ جاری رہتی ہے۔ ایسے معاشروں میں جس طرف کو بھی پھریں خواہ وہ کوئی سرکاری دفتر ہو یا نجی ادارہ۔ ہر جگہ مہذب ڈاکوؤں سے پالا پڑتا ہے۔ دفتروں میں رشوت کے ذریعہ کپڑے اُتارے جاتے ہیں اور نجی اداروں اور دکانوں پر ملاوٹ اور بلیک مارکیٹنگ

کے ذریعہ کھال اُدھیڑی جاتی ہے۔ اِسلئے دُنیا میں تو غیر متوازن معاشرہ جہنّم ہے۔ بِئْسَ الْمَصِیْرُ یعنی بُری جگہ پھر جانے کی۔ اندر اُخروی زندگی میں جہاں اِس دنیا کے بُرے اعمال کے بدلے ناکامی ونامرادی بطورِ سزا میسّر آئیگی وہ بھی جہنّم ہوگی۔ لغت مراۃ القرآن میں جہنّم کا معنٰی لکھا ہے دارالعقاب یعنی سزا کا گھر۔ نیز ۳/۱۰ میں صفحہ ۱۰ پر گزر چکا ہے، جہنّم یعنی شکست کی آگ۔

● سلسلۂ درس کی اگلی آیتِ مجیدہ میں رضاءِ الٰہی کی اِتّباع کرنیوالوں اور اُسکی ناراضگی والے عمل بجالانیوالوں دونوں قسم کے لوگوں کے متعلق ارشاد ہُوا ہے:۔

هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ
وہ ہیں کہ الگ الگ اُنکے درجے ہیں پاس اللہ کے اور ہے اللہ دیکھنے

بِمَا يَعْمَلُوْنَ ۝ ۱۶۳
ساتھ اُسکے جو وہ عمل کرتے ہیں

مذکورہ بالا لوگ (رضاءِ الٰہی کی اِتّباع کرنیوالے اور اللہ کی ناراضگی خریدنے والے) اللہ تعالیٰ کے ہاں اُنکے الگ الگ درجے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ خوب خوب دیکھنے والا ہے (اُن اچھے اور بُرے اعمال کو) جو وہ الگ الگ بجالاتے ہیں۔

آنحضورؐ کے والدین مومن تھے

● آیتِ بالا میں چونکہ اچھے اور بُرے یعنی مومن اور کافر دونوں قسم کے لوگوں کے الگ الگ مدارج کی خبر دیگئی ہے اِسلئے ذہنوں میں اُبھرنے والے اِس سوال کا جواب، کہ کیا آنحضورؐ کے والدین کا شمار مومنوں میں تھا یا کافروں میں، اگلی آیتِ مجیدہ میں دیدیا گیا ہے کہ اُن کا شمار کافروں میں نہیں تھا۔ کُتبِ روایات کا اُنہیں کافر بنانا بہتان محض ہے:۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ
بیشک احسان کیا اللہ نے اوپر مومنوں کے جب مبعوث کیا بیچ اُن کے

رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ
رسول اپنا میں سے جانوں اُن کی کے پڑھتا ہے اوپر اُنکے آیتیں اُسکی اور نشوونما کرتا ہے اُنکی

وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ
اور سکھاتا ہے اُنہیں اللہ کی کتاب یعنی دانائی اور بیشک وہ تھے اس سے پہلے

لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ ۱۶۴ (النصف)
البتہ بیچ جستجو ظاہر کے

بیشک اللہ تعالیٰ نے مومنوںؑ پر احسان فرمایا جب اُس نے اُن کے اندر اُنکی جانوں میں سے ایک رسُول مبعوث فرمایا ہے۔ وہ رسُول اُن پر اللہ کی آیتیں پڑھتا ہے۔ اور (اُن میں نظامِ ربوبیت قائم کرکے اُنہیں اقتصادی بدحالیوں سے) پاک کرتا ہے۔ اور تعلیم دیتا ہے اُنہیں اللہ کی کتب یعنی دانائی کی۔ حالانکہ بیشک وہ اِس (مذکورہ رسُول کی آمد) سے پہلے (اِس کھلی جستجو میں تھے، کہ ایک رسُول دُعائے ابراہیمؑ و اسماعیلؑ ۲/۱۲۹ کے مطابق اُن میں مبعوث ہونیوالا ہے)۔

● عله لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ کے الفاظ پر غور فرمائیں کہ مومنین کا وجود مقدّم ہے اور اُن پر کیا گیا احسان موخّر ہے۔ بالفاظ دیگر جن نفوس میں آنحضورؐ مبعوث کئے گئے تھے وہ بھی ایک مومن جماعت تھی اور جن دو مومن افراد (والدین) کی جانوں میں سے آپ پیدا کئے گئے تھے وہ بھی اِس مومن جماعت کے افراد تھے۔ اور یہ مومن جماعت وہی تھی جس کے متعلق حضرات ابراہیمؑ واسماعیلؑ نے دعا فرمائی تھی:۔
رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ...... رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا ۲/۱۲۸-۱۲۹ = اے ہمارے رب! ہم دونوں کو اپنے فرمانبردار رکھیو۔ اور ہماری اولاد میں سے ایک اُمّتِ مسلمہ بنائیو...... اے ہمارے رب اُن (اُمّتِ مسلمہ کے افراد)

میں اپنا رسول مبعوث فرمائیو ۔ پس قرآن کریم کے ان دلائل قاطعہ کے مطابق نہ صرف آنحضورؐ کے والدین ہی مومن تھے۔ بلکہ دعائے ابراہیمؑ و اسماعیلؑ کے مطابق نزولِ قرآن کے وقت ایک مومن جماعت بھی موجود تھی۔ جو لوگ بعثتِ محمدیؐ کے وقت مذکورہ مومن جماعت کی موجودگی تسلیم نہیں کرتے، انہیں اس امر کی قرآنی دلیل لانی چاہیئے کہ حضرات ابراہیمؑ و اسماعیلؑ کی مذکورہ بالا دعا قبول نہیں ہوئی تھی۔

• ۲ واؤ بمعنی یعنی کیلئے دیکھو دیباچہ کا صفحہ ۸۶ • ۳ واؤ بمعنی حالانکہ کیلئے دیکھئے دیباچہ کا صفحہ ۸۶

• ۴ اِنْ کَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ کے جملہ میں ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ کے مروجہ ترجمہ سے کہ "وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے" بالکل یہ تصور پیدا ہوتا ہے کہ وہ مومن نہیں بلکہ گمراہ تھے۔ اور ساتھ ہی قرآن کریم میں تضاد ثابت ہوتا ہے کہ ایک طرف تو اُمّتِ مسلمہ کے وجود کی خبر دیتا ہے جس میں سے آپ پیدا ہوئے اور دوسری طرف انہیں کھلے گمراہ قرار دیتا ہے۔ واضح رہے کہ آیت بالا میں ضَلٰل کا معنی گمراہی ہے اور نہ قرآن کریم میں تضاد موجود ہے۔ بلکہ یہاں اسی طرح ضَلٰل بمعنی جستجو ہے جس طرح آیاتِ ذیل میں بالفاظ ذیل موجود ہے:۔

۱۔ اِنَّکَ لَفِیْ ضَلٰلِکَ الْقَدِیْمِ ۱۲/۹۵ یہ جملہ حضرت یعقوبؑ کو انکے بیٹوں نے کہا تھا، جس کا یہ مفہوم ہرگز نہیں کہ تو بڑی پرانی گمراہی میں مبتلا ہے۔ بلکہ اسکا معنی یہ ہے کہ ابا جان! آپ یوسفؑ کی پرانی جستجو میں ہیں۔

۲۔ وَوَجَدَکَ ضَآلًّا فَھَدٰی ۹۳/۷ ۔ اور (اے رسولؐ!) اللہ نے آپکو ہدایت کا متجسس پایا پس آپکی رہنمائی فرمادی۔

غزوہ فشل (جنگِ اُحد) میں جو تکلیف ہوئی تھی وہ صحابہؓ کی ایک جماعت کی اپنی غلطی کا نتیجہ تھا

• سلسلۂ درس کی اگلی دو آیات کریمات ۱۶۶/۱۶۵ میں ہم شکست خوردہ صحابہؓ کو مخاطب کر کے واضح کیا گیا ہے کہ جو تکلیف تمہیں غزوہ فشل (جنگِ اُحد) میں پہنچی ہے وہ تمہارے اپنے ہی افراد کی غلطی کا نتیجہ تھی۔ اللہ تعالیٰ اپنے مقررہ قوانین کی مخالفت کبھی نہیں کرتا۔

اَوَلَمَّآ اَصَابَتْکُمْ مُّصِیْبَۃٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَیْھَا ۙ
کیا اور جب پہنچی تکلیف تمکو بیشک پہنچائی تم نے اس سے دو چند

قُلْتُمْ اَنّٰی ھٰذَا ۭ قُلْ ھُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِکُمْ ۭ اِنَّ اللّٰہَ
کہا تم نے کہاں سے آئی یہ۔ کہہ یہ آئی وہ ہے طرف تمہارے افراد کی بیشک اللہ

عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۱۶۵
ہے اوپر ہر چیز کے اندازے مقرر کرنیوالا

(ایمان والو!) اور کیا جب تم پر (شکست کی) مصیبت آئی بیشک تم (اپنی دشمنوں کو) اس سے دو چند تکلیف پہنچا چکے ہو تم نے کہا یہ (شکست) کہاں سے (کس طرف سے) آئی ہے۔ کہہ دیجیئے کہ یہ (شکست) تمہارے اپنے افراد[۱] کی طرف سے آئی ہے (اور عین اللہ کے قانون کے مطابق آئی ہے)۔ بیشک اللہ تعالےٰ (فتح و شکست سمیت ہر چیز کے) اندازے پیمانے اور قانون مقرر کرنیوالا ہے[۲]

• [۱] اَنْفُسِکُمْ کا معنی لکھا گیا ہے (تمہارے اپنے افراد)۔ نفس کا معنی ایک شخص بھی ہے، جس کی جمع عموماً نفوس آتی ہے لیکن قرآن کریم چونکہ صرف نحو کی غلطیاں بھی نکالتا ہے۔ اسلئے یہاں ثابت کیا گیا ہے کہ نفس کی جمع انفس کا معنی افراد بمعنی اشخاص بھی ہے۔ کیونکہ صحابہؓ کے کچھ افراد کی غلطی سے شکست ہوئی تھی سارے کے سارے صحابہؓ سے غلطی ہرگز سرزد نہیں ہوئی تھی۔

إِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ

علہ • اس جملہ کا معنی عموماً یہ لیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ جیسا چاہے ویسا کرے یعنی وہ خود اپنے مقرر کردہ قوانین کے خلاف بھی کرتا ہے۔ لیکن اوّل تو اس ترجمہ میں قدیر کا معنی قادر لکھ دینا علمی خیانت کے مترادف ہے۔ کیونکہ قادر اور قدیر دونوں عربی کے الفاظ ہیں مادہ ق۔ د۔ ر = قدر ہے۔ جس کا بنیادی معنی ہے اندازہ، پیمانہ اور قانون۔ اور اسی مادہ سے قَادِر بروزن فَاعِل، اسم فاعل ہے، یعنی اندازے، پیمانے اور قانون مقرر کرنیوالا۔ اور اسی مادہ سے قَدِیْر بروزن فعیل صفت مشبہ ہے۔ یعنی بالکل صحیح صحیح اندازے، پیمانے اور قانون متعین کرنیوالا۔ اور اب یہاں ۳/۱۶۵ میں چونکہ جنگ اُحد کی شکست کا ذکر کرکے صحابہؓ پر واضح کیا گیا ہے کہ یہ شکست تمہارے اپنے ہی کچھ افراد کی سستی اور غلطی کی بدولت آئی ہے اور اس خبر کے بعد لایا گیا ہے جملہ إِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔ اسلئے بالوضاحت ثابت ہوا کہ اس جملہ کا معنی اسکے سوا نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ فتح و شکست سمیت ہر چیز کے صحیح صحیح اندازے پیمانے اور قانون مقرر کرنیوالا ہے۔ اسلئے فتح و شکست اللہ تعالیٰ کے معینہ قوانین کے مطابق آتی ہے۔ جنگ بدر میں جب تمہارے اپنے اعمال اللہ کے فتح کے قانون کے مطابق تھے کہ تم نے خود انتہائی ثابت قدمی اور پامردی کا مظاہرہ کیا تھا تو فتح ہوئی تھی۔ لیکن جب اس جنگ اُحد میں تمہارے اپنے بعض افراد نے سستی اور کمزوری دکھائی ہے، اسلئے شکست ہوگئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے قوانین میں ہرگز ہرگز لچک موجود نہیں۔ یہ تو صحابہ رضی اللہ عنہم جیسے برگزیدہ افراد کا لحاظ بھی نہیں کرتا۔

• چنانچہ سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں تکرارِ تاکید کے طور پر پھر اسی چیز کا اعادہ کیا ہے کہ جنگ کے دن تمہیں تکلیف اللہ کے قانون کے مطابق پہنچی تھی۔

وَمَآ اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ
اور جو پہنچا تمہیں جس دن کہ ملیں دو فوجیں پس تھا مطابق قانون

اللّٰهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۙ ۱۶۶
اللہ کے اور تاکہ ظاہر کرے مومنوں کو

اور جو مصیبت تمہیں اُس دن پہنچی تھی جس دن دو فوجیں آمنے سامنے ہوئیں۔ پس وہ اللہ کے قانون کے مطابق[علہ] پہنچی تھی۔ اور (جنگ اسلئے فائدہ مند ہوئی) تاکہ اللہ تعالیٰ مومنوں کو ظاہر کرے[علہ] (اور منافق نمایاں ہو جائیں)۔

• علہ اِذن یعنی قانون کی وضاحت اللہ تعالیٰ نے ۲/۱۰۲ میں کر دی ہے تفصیل و تشریح کیلئے ملاحظہ فرمائیں دیا پہ کا صفحہ ۵۵

• علہ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ کے الفاظ پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ جنگ اُحد میں شامل صحابی سب مومن تھے اُن میں کوئی ایک بھی منافق نہیں تھا۔ کیونکہ سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں وضاحتاً بتا دیا گیا ہے کہ منافق تو جنگ اُحد میں مطلقاً شریک ہی نہیں ہوئے تھے۔

وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا ۚ ۖ وَقِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا
اور تاکہ ظاہر کرے انکو کہ نفاق کیا۔ اور کہا گیا واسطے انکے آؤ

قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا ۭ قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ
لڑو بیچ راہ اللہ کے اور دفاع کرو۔ کہا اگر ہم جانتے

اور تاکہ (اللہ تعالیٰ) اُن لوگوں کو بھی ظاہر کرے جنہوں نے نفاق کیا (یعنی جو منافق تھے)، حالانکہ انہیں کہا گیا کہ آؤ اللہ کی راہ میں (اللہ کے دشمنوں کیساتھ) لڑائی کرو۔ اور (جبکہ دشمن نے جارحانہ حملہ کر دیا ہے تو) تم مدافعانہ جنگ کرو۔ تو

قِتَالًا لَّاتَّبَعْنٰكُمْ ؕ هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ
لڑنا تو پیروی کرتے تمہاری وہ تھے واسطے کفر کے اُس دن زیادہ قریب اُن میں سے
لِلْاِيْمَانِ ۚ يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ
واسطے ایمان کے وہ کہتے ہیں ساتھ مونہوں اپنوں کے وہ کچھ جو نہیں بیچ
قُلُوْبِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ ۚ ۱۶۷
دلوں انکے کے اور ہے اللہ خوب جاننے والا ساتھ اُسکے جو وہ چھپاتے ہیں

اُنہوں نے کہا کہ اگر ہم لڑنا جانتے (یعنی اگر فن حرب سے واقف ہوتے) تو ضرور ضرور ہم تمہاری پیروی کرتے (یعنی لڑنے کیلئے گھروں سے نکلتے) اُن میں سے بعض اُس دن ایمان کی نسبت کفر کے بہت زیادہ قریب تھے۔ یہ (منافق) مُنہ سے وہ کچھ کہتے ہیں جو اُنکے اذہان میں نہیں ہوتا۔ (وہ مُنہ سے کچھ کہتے ہیں اور ذہنوں میں کچھ اور ہوتا ہے)۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو کچھ وہ چھپاتے ہیں۔

● اس سے اگلی آیت مجیدہ میں منافقوں کا ایک نشان یہ بتایا گیا ہے کہ وہ اللہ کی راہ میں مارے جانیوالوں کے متعلق ذیل کا بُرا تاثر دیتے ہیں:۔

اَلَّذِيْنَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوْا لَوْ اَطَاعُوْنَا
اُنہوں نے کہا متعلق بھائیوں اپنوں کے اور خود بیٹھے رہے اگر اطاعت کرتے ہماری
مَا قُتِلُوْا ؕ قُلْ فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ اِنْ
نہ قتل ہوتے۔ کہہ پھر تم دُور کرو اپنے نفسوں سے موت کو۔ اگر
كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۞ ۱۶۸
ہو تم سچے

(یہ منافق) وہ لوگ ہیں جو خود تو گھروں میں بیٹھے رہے! اور اپنے اُن بھائیوں کے متعلق (جو جنگ میں شریک ہوئے اور اللہ کی راہ میں مارے گئے) یہ کہا کہ اگر وہ ہمارا کہا مانتے (ہماری طرح گھروں سے نہ نکلتے اور جنگ میں شریک نہ ہوتے) تو مارے نہ جاتے۔ (اے رسُولؐ!) کہدیجیئے کہ تم اگر اپنے قول میں سچے ہو تو مُوت کو اپنی جانوں سے ٹال کر دکھاؤ۔ (مُوت تو ہر کسی پر آکر رہیگی پھر مرنے سے ڈرنے کا کیا مطلب)۔

● ربطِ کلام کے مطابق اگلی آیت مجیدہ میں حکم دیا گیا ہے کہ جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جائیں اُنکے متعلق گمان تک نہ کرو کہ وہ طبعی مُوت مرگئے ہیں۔ بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں زندہ ہیں۔ اُنکے پسماندگان کی لبسر اوقات کیلئے جسطرح مقتولین فی سبیل اللہ کی زندگی میں وظائف دیئے جاتے تھے اُسیطرح اُنکے بعد بھی دیئے جائینگے۔ اگرچہ اُنکے بچے یتیم ہو چکے ہیں اور بیویاں بیوہ نیز اگرچہ مقتولین کا ترکہ بھی اُنکے وارثوں میں تقسیم ہو جائیگا بیوگان سے نکاح بھی کیا جاسکیگا، لیکن مقتولین فی سبیل اللہ، اللہ تعالیٰ کی میزان میں زندہ شمار ہونگے۔ اُنکا وظیفہ اُن کے پسماندگان کو باقاعدہ اور مسلسل ملتا رہیگا۔ پس اِسی نہج سے سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں مقتولین فی سبیل اللہ کو مُردہ گمان کرنے سے بھی منع کر دیا گیا ہے:۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ
اور نہ تم گمان کرو انہیں جو قتل ہوئے بیچ راہ اللہ کے مُردے
بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۞ ۱۶۹
بلکہ ہیں زندہ۔ نزدیک اپنے رب کے رزق دیئے جاتے۔

اور اُن لوگوں کو جو اللہ کی راہ میں مارے گئے تھے مُردے گمان بھی نہ کرو (کہ وہ بھی طبعی موت مرگئے ہیں)۔ بلکہ (اپنی جان قربان کرکے قوموں کو زندہ کرنیوالے مُردے نہیں) اللہ کے نزدیک (قوموں کو) زندگی دینے والے ہوتے ہیں۔ وہ رزق دیئے جائینگے (اگلی زندگی میں)

فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ
خوش ہونیوالے ساتھ اُسکے جو دیگا اُنہیں اللہ فضل اپنے سے اور خوشخبری دیتے ہیں
بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا خَوْفٌ
اُنہیں جو نہیں ملے ساتھ اُنکے پیچھے اُن کے۔ کہ نہیں خوف
عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۱۷۰
اوپر اُن کے اور نہ وہ غم کھائینگے۔

وہ خوش ہونیوالے ہیں اُس پر جو دیگا اُنہیں اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اور وہ اپنے اُن لوگوں کو جو اُنہیں اُنکے پیچھے سے نہیں ملے۔ (یعنی جو اُنکے پیچھے زندہ رہے۔ اپنی جان نچھاور کرکے) اُنہیں (بزبانِ حال) خوشخبری دیتے ہیں کہ نہ اُن پر داب دشمن کے حملے کا) خوف ہے اور نہ وہ (اپنے کئے ہُوئے اعمال پر) غم کھائینگے۔

مقتولین فی سبیل اللہ

● ۱ مقتولین فی سبیل اللہ کا مسئلہ انتہائی نازک مسئلہ ہے کہ دھڑ تن سے جُدا ہے۔ دفن کفن کی تیاریاں ہیں۔ بچے یتیم اور بیوی بیوہ ہو چکی ہے۔ مقتول فی سبیل اللہ کا ترکہ بھی یقیناً تقسیم ہو جائے گا۔ بیوی عدت گزار کر نکاح کر سکتی ہے۔ اُن پر مُردوں سے متعلقہ پورے مسائل کا نفاذ ہو چکا۔ مگر حکم ہوتا ہے کہ مقتول فی سبیل اللہ کو مُردہ گمان بھی نہ کرو۔ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ بلکہ وہ اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا یہ حقیقی زندگی ہے یا مجازاً زندہ منوایا گیا ہے؟ اِن سوالوں کا جواب بالکل سیدھا سا ہے کہ مقتولین فی سبیل اللہ قتل ہونے کے باوجود اگر فی الواقعہ زندہ ہوں تو کسی غیر کی کیا مجال ہے کہ اُنکی زندگی میں اُنکی بیوی سے نکاح پڑ نکاح کر سکے۔ کس کی مجال کہ اُنکے زندہ ہوتے ہُوئے اُنکے بچوں کو یتیم قرار دے اور اُنکا ترکہ تقسیم کرکے اپنا حصّہ لے جائے۔ لہذا جب یہ سب کچھ ہوتا چلا آتا ہے۔ تو صاف ظاہر ہے کہ مقتولین فی سبیل اللہ کو احتراماً مُردہ کہنے اور گمان کرنے سے روک دیا گیا ہے۔ جیسے کہ ایک بہت دُور کی مثال کیساتھ سمجھا جا سکتا ہے کہ ایک بکرا طبعی موت مر جاتا ہے۔ اُسے کھلے بندوں کہا جا سکتا ہے کہ یہ مُردہ ہے مر گیا ہے۔ لیکن اِسکے مقابلے پر ایک بکرا اللہ کے نام کیساتھ ذبح ہو کر نوعِ انسانی کو غذائی فائدہ پہنچاتا ہے۔ اُسے نہ مُردہ کہا جا سکتا ہے اور نہ گمان ہی کیا جا سکتا ہے کہ یہ مر گیا ہے۔ بالفاظِ دیگر جسطرح مذبوحہ بکرے کو نہ مُردہ کہا جاتا ہے اور نہ مُردہ گمان ہی کیا جا سکتا ہے۔ اُسیطرح مقتولین فی سبیل اللہ کو، جو نوعِ انسانی کے چھنے ہُوئے حقوقِ ربوبیت دِلانے کیلئے جان قربان کرکے پُوری قوم کو دشمن کے شر سے بچاتے اور اُسے عزت کی زندگی دیتے ہیں، اُنہیں بھی نہ مُردہ کہنے کی اجازت ہے نہ گمان کرنے کی۔

● ۲ يُرْزَقُوْنَ فعل مضارع سے عام تراجم میں یہ مفہوم اخذ کیا گیا ہے کہ مقتول فی سبیل اللہ زندہ ہیں اور وہ رزق بھی دیئے جاتے ہیں لیکن اِسطرح پھر وہی سوال سامنے آجاتا ہے کہ اگر مقتولین فی سبیل اللہ کھاتے پیتے اور زندہ ہیں تو اُنکی بیویوں کیساتھ نکاح پر نکاح کیوں کیا جاتا ہے۔ کیونکہ کوئی بھی نکاح یا تو طلاق کیساتھ ٹوٹتا ہے اور یا موت کیساتھ۔ واضح رہے کہ خود آیت مجیدہ کے اندر اَلَّذِيْنَ قُتِلُوْا کے الفاظ میں وضاحتاً بتا دیا گیا ہے کہ اُن پر موت وارد ہو چکی ہے۔ قتل ہو چکے ہیں۔ فوت ہو چکے ہیں۔ لیکن چونکہ وہ اللہ کی راہ میں مارے گئے ہیں اِسلئے اُنہیں طبعی مُردے نہ کہو، اور نہ گمان کرو۔ اب رہا يُرْزَقُوْنَ کا سوال۔ اِسکا فیصلہ ۲۲/۵۸ میں دیا گیا ہے:۔ وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا ۖ = اور جو لوگ اللہ کی راہ میں ہجرت کریں پھر وہ قتل کئے جائیں یا راستے کی تکلیفوں کی تاب نہ لا کر مر جائیں اُنہیں اللہ تعالیٰ اچھا رزق دیگا (قیامت کی زندگی میں)۔

• دیکھئے! یہاں یُرْزَقُوْنَ میں لامِ تاکید اور نُون مشدّدہ لاکر فیصلہ دیدیا گیا ہے کہ مقتولین فی سبیل اللہ کو رزق، دیا جارہا نہیں بلکہ دیا جائیگا اُسوقت جب اُنہیں دوبارہ زندہ کیا جائیگا، قیامت کی دوسری زندگی میں۔

• ۳۳ اَتٰهُمُ اللّٰهُ میں اٰتٰی ماضی مضارع کا فائدہ دیتی ہے۔ جیسے وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ۳۰/۲۵ قَالَ ماضی مضارع کا فائدہ دیتی ہے کہ قیامت کو آنحضور کہینگے کہ اے میرے رب، میری قوم نے اِس قرآن کو اِسطرح پکڑا ہُوا تھا جیسے چھوڑا ہُوا ہوتا ہے۔

• ۳۴ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ کے الفاظ میں یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ کی راہ میں جان دینے والوں کے بعد جو لوگ پیچھے رہے، اللہ کی راہ میں جان دینے والے اُنہیں یہ بشارت دینگے کہ اُنکی جان نثاری کا ثمر اُنہیں یعنی اُن پیچھے رہنے والوں کو یہ ملیگا جو اُن سے ملحق نہیں ہُوئے کہ نہ اُن پر خوف ہوگا نہ حُزن۔ جو لوگ جنگ میں قتل فی سبیل اللہ سے بچ گئے۔ اِنہی پیچھے رہنے والوں کیلئے مزید بشارت کی خبر سلسلۂ درس کی اگلی ملحقہ آیت مجیدہ میں بالفاظِ ذیل دیگئی ہے:۔

يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ[1] مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ[2] وَّ وہ خوشخبری دیتے ہیں نعمت اللہ کی سے اور فضل سے اور اَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۱۷۱ بیشک اللہ تعالیٰ نہیں ضائع کرتا اجر مومنوں کا	وہ (اللہ کی راہ میں قتل ہونیوالے بزبانِ حال) خوشخبری دیتے ہیں اللہ کی نعمت (آزاد حکومت[۳۵]) کی یعنی اللہ کے فضل کی حقیقت یہ ہے کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ مومنوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔

اللہ کی نعمت اور فضل بمعنی آزاد حکومت

• ۳۵ نعمت اور فضل کا ایک معنی قرآن کریم میں ثابت ہے آزاد حکومت۔ جیسے کہ سورہ بقرہ میں بنی اسرائیل کو مخاطب کرکے کہا گیا ہے:۔ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۲/۴۷ = اے بنی اسرائیل! میری نعمت کو یاد کرو جو میں نے تم پر انعام فرمایا تھا۔ یہ کہ میں نے تم کو فرعون کی غلامی سے آزاد کرکے اور تمہیں آزاد حکومت عطا فرماکر تمہیں لوگوں پر فضیلت دی۔ دیکھئے۔ اِس ایک ہی آیت میں نعمت اور فضل کے الفاظ لاکر اِن کا معنی بتادیا گیا ہے آزاد حکومت۔ اور عطاءِ فضل کی وضاحت کرتے ہوئے آلِ فرعون کے متعلق کہا گیا ہے:۔ فَاَخْرَجْنٰهُمْ مِّنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۙ وَّكُنُوْزٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ۙ كَذٰلِكَ ۭ وَاَوْرَثْنٰهَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۵۷ تا ۲۶/۵۹ = پس اُن (آلِ فرعون) کو نکالدیا ہمنے باغوں، چشموں، خزانوں اور نفیس محلات سے۔ ایسا ہی ہُوا۔ اور ہمنے اِن سب کا وارث بنادیا بنی اسرائیل کو۔ نیز ۷/۱۳۷ + ۲۵-۲۸/۲۶ بھی دیکھئے۔ سلسلۂ درس کی اگلی آیت میں جنگِ احد کے زخم خوردہ صحابہ کے متعلق ارشاد ہُوا ہے:۔

اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ جن لوگوں نے حکم مانا اللہ کا بذریعہ اسکے رسول کے پیچھے اسکے	(صحابہ میں سے) اُن لوگوں کیلئے جنہوں نے (غزوۂ احد میں) زخم کھانے کے بعد اللہ کے رسول کے ذریعہ اللہ کا حکم مانا۔ اُن

مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۛؕ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ
جو پہنچا انہیں زخم۔ واسطے اُن کے جو احسان کریں اُن میں سے

وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۚ ۱۷۲
اور بچیں اجر ہے بہت بڑا

میں سے اُن لوگوں کیلئے جنہوں نے توازن قائم کیا اور اللہ تعالیٰ کی مخالفت سے بچتے رہے (اللہ تعالیٰ کے ہاں) بہت بڑا اجر ہے۔ (یعنی دنیا کی سرفرازی اور اُخروی جنت اُنکا حصہ ہے)۔

● اِس سے اگلی آیت مجیدہ میں اُنہی صحابہ کے متعلق خبر دیگئی ہے کہ اُنہیں جنگ سے پہلے لوگوں نے یہ کہکر خوفزدہ کیا تھا کہ تمہارے مقابلے کیلئے بہت بڑی فوج جمع ہوئی ہے۔ ڈر جاؤ اور مقابلے کیلئے مت نکلو۔ لیکن خوفزدہ ہونے کی بجائے اِس خبر سے اُنکا ایمان اور بڑھ گیا ہے۔

اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ
یہ وہ لوگ ہیں کہ کہا واسطے اُنکے لوگوں نے بیشک لوگ بلاشبہ

جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا ۖ وَّقَالُوْا
جمع ہوئے واسطے تمہارے پس ڈرو اُن سے پس زیادہ کیا اُنہیں ایمان میں اور کہا

حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ۝ ۱۷۳
کافی ہے ہمیں اللہ اور وہ ہے بہتر کارساز

یہ وہ (مومن صحابہ) ہیں کہ (جنگ سے پہلے) لوگوں نے اُنہیں کہا کہ بلاشبہ بہت سے لوگ (تمہارے ساتھ جنگ کرنے کیلئے) جمع ہو چکے ہیں پس تم اُن سے ڈر جاؤ۔ لیکن (اِس خبر نے) اُنہیں ایمان میں اور زیادہ کر دیا۔ اور اُنہوں نے (جذبۂ ایمانی کیساتھ) کہا کہ ہمارے لئے اللہ ہی کافی ہے (جو اپنے قانون کے مطابق مدد کرتا ہے) اور وہی (اپنے قانون کے مطابق ہمارا) کارساز ہے ۱۷۳۔

کافر فتح قائم نہ رکھ سکے

● اِس سے اگلی آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ اگرچہ اِس جنگ میں کافروں نے مومنوں کو بہت تکلیف پہنچائی تھی، اور ایک مرتبہ مسلمانوں کی فتح شکست میں بدل گئی تھی۔ لیکن کفار اپنی فتح کو قائم نہ رکھ سکے، دراصل وہ حواس باختہ ہو چکے تھے۔ کہ اپنا مال و متاع میدان میں چھوڑ کر چلے گئے۔ اُنکا وہ مال، غنیمت کے طور پر مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ اور مسلمان اُس مال کیساتھ لدے پھدے واپس گھروں کو لوٹے۔ حتیٰ کہ حصولِ مالِ غنیمت میں اُنہیں مطلقاً کوئی تکلیف نہ ہوئی۔

فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ
پھر وہ لوٹے ساتھ نعمت اللہ کی کے اور فضل کے۔ نہ

يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ۙ وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ
پہنچی اُنہیں کوئی تکلیف۔ اور پیروی کی اُنہوں نے رضا اللہ کی اور بیشک اللہ

ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ ۱۷۴
صاحب فضل بڑے کا

پھر وہ (صحابہ) اللہ کی نعمت اور اُسکے فضل (یعنی مالِ غنیمت) کیساتھ واپس لوٹے۔ اُنہیں (حصولِ غنیمت میں) کوئی تکلیف نہ پہنچی۔ اُنہوں نے رضاءِ الٰہی کی پیروی کی۔ (یعنی قانونِ خداوندی کے مطابق مالِ غنیمت حاصل اور تقسیم کیا)۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل والا ہے۔

● اِس سے اگلی آیت مجیدہ میں مومنوں کو خبردار کیا گیا ہے کہ وہ شیطان صفت آدمی جس نے صحابہ کو کافروں کی جمعیت سے خوفزدہ کرنے کی کوشش کی تھی۔ وہ اپنے دوستوں (منافقوں) کو ڈراتا ہے مومنوں کو نہیں۔ چنانچہ حکم دیا گیا ہے کہ اگر تم مومن ہو تو اُس سے نہ ڈرنا۔

إِنَّمَا ذَٰلِكُمُ الشَّيْطَانُ يُخَوِّفُ أَوْلِيَاءَهُ
سوائے اسکے نہیں کہ یہ اللہ کا نافرمان ڈراتا ہے دوستوں اپنوں کو
فَلَا تَخَافُوهُمْ وَخَافُونِ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ۝ ۱۷۵
پس نہ ڈرو اُن سے بلکہ ڈرو مجھ سے اگر ہو تم مومن

سوائے اسکے اور کوئی بات نہیں یہ تمہیں ڈرانیوالا شیطان (یعنی اللہ تعالیٰ کا سرکش انسان) ڈراتا ہے صرف اپنے دوستوں (یعنی منافقوں) کو۔ پس اگر تم مومن ہو تو ایسے لوگوں سے نہ ڈرو۔ بلکہ مجھ سے (میری مخالفت سے) ڈرو۔

● اسکے بعد اگلی آیت مجیدہ میں خود آنحضور سلام علیہ کو تسلّی دیگئی ہے کہ جو لوگ ایمان کی بجائے کفر کی طرف دوڑتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ یعنی اُنہیں آپکے مقابلے پر دُنیا میں بھی ذلت آمیز شکست نصیب ہوگی اور آخرت میں بھی وہ دردناک عذاب کے مستحق ہونگے:۔

وَلَا يَحْزُنكَ الَّذِينَ يُسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ ۚ
اور نہ غمگین کریں تجھے وہ لوگ جو جلدی کرتے ہیں بیچ کفر کے
إِنَّهُمْ لَن يَضُرُّوا اللَّهَ شَيْئًا ۗ يُرِيدُ اللَّهُ أَلَّا
بیشک وہ ہرگز نہ ضرر دینگے اللہ کو کچھ بھی۔ ارادہ کرتا ہے اللہ یہ کہ نہ
يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِي الْآخِرَةِ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ
ٹھہرائے واسطے اُنکے کوئی حصّہ بیچ آخری نتیجے کے اور ہے واسطے اُنکے عذاب
عَظِيمٌ ۝ ۱۷۶
بڑا

پس اے رسول!) وہ لوگ جو کفر کی طرف دوڑتے ہیں آپ کو غمگین نہ کریں۔ (یعنی آپ اُنکی کفر پسندی پر غمگین نہ ہوں) بیشک وہ اللہ تعالیٰ کو (یعنی اُسکے دین کو) کوئی بھی ضرر نہیں پہنچا سکینگے۔ (یعنی اُنکے اسلام اور اہل اسلام کے خلاف کئے گئے تمام منصوبے ناکام ہو جائینگے) اللہ تعالیٰ یہ ارادہ کرتا ہے کہ نہ ٹھہرائے اُنکے لئے کوئی حصّہ انجام کار میں۔ (یعنی آنحضور کیساتھ جو کفّار کی جنگ جاری ہے، اسکا انجام یہ ہو کہ اُنہیں شکست فاش ہو اور اُنکی طاقت کا پوری طرح خاتمہ ہو جائے) حقیقت یہ ہے اُنکے لئے (آخری نتیجہ شکست فاش) کا عذاب عظیم ہے۔

● اِس سے اگلی آیت مجیدہ میں تکرار تاکیدی کے طور پر آیت بالا ہی کے الفاظ دہرائے گئے ہیں۔ اور بانداز تائید ارشاد ہوا ہے:۔

إِنَّ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْإِيمَانِ لَن يَضُرُّوا
بیشک جو لوگ خریدیں کفر بدلے ایمان کے ہرگز نہ ضرر دینگے
اللَّهَ شَيْئًا ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ ۱۷۷
اللہ کو کچھ۔ اور واسطے اُن کے ہے عذاب دردناک

بیشک جو لوگ ایمان کے بدلے کفر خریدتے ہیں وہ ہرگز ہرگز اللہ تعالیٰ کو کوئی ضرر نہیں پہنچا سکینگے (یعنی انہیں آنحضور کے مقابلے پر انجام کار شکست فاش کا سامنا کرنا ہوگا) کیونکہ (قانون الٰہی کے مطابق انجام کار) اُنکے لئے دردناک عذاب ہے۔

● اگلی آیت مجیدہ میں اسی چیز کی تائید مزید کے طور پر شکست سے ماقبل کی مُہلتی مدت کے متعلق بھی بالفاظ ذیل وضاحت کر دیگئی ہے:۔

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّمَا نُمْلِي لَهُمْ
اور نہ گمان کریں وہ جو کفر کرتے ہیں بیشک یہ کہ ہم جو ڈھیل دیتے ہیں واسطے اُنکے

اور ضابطہ الٰہی کا انکار کرنیوالے یہ گمان نہ کریں کہ ہم جو انہیں ڈھیل دیتے ہیں تو یہ اُنکے لئے بہتر ہے۔ (ہرگز بہتر نہیں) سوائے اسکے

خَيْرٌ لِّأَنفُسِهِمْ ۚ إِنَّمَا نُمْلِي لَهُمْ لِيَزْدَادُوٓا

بہتر ہے واسطے اُنکے جانوں اُنکی کے سوائے اسکے نہیں کہ ہم ڈھیل دیتے ہیں واسطے اُن کے تاکہ وہ زیادتی کریں

إِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ۝ ۱۷۸

گناہوں میں۔ اور واسطے اُنکے ہے عذاب رسوا کرنیوالا

نہیں ہے کہ ہم انہیں اسلئے ڈھیل دیتے ہیں تاکہ (انہیں مزید غور و فکر کا موقع میسر آئے۔ پھر یا تو نافرمانیوں سے باز آجائیں اور یا) نافرمانیوں میں پوری طرح زیادتی کرلیں حقیقت یہ ہے کہ اُنکے لئے (شکست کا) رسواکُن عذاب ہے۔

زمانۂ رسالت میں منافق نِکھر کر الگ ہو چکے تھے

• اگلی آیتِ مجیدہ میں پھر واضح کیا گیا ہے کہ زمانۂ رسالت میں مومنوں سے منافق بالکل نکھار کر الگ کر دیئے گئے تھے۔ اور وہ اپنے کیفرِ کردار کو پہنچا بھی دیئے گئے تھے:۔

مَا كَانَ اللَّهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِينَ عَلَىٰ مَآ أَنتُمْ

نہیں ہے اللہ کہ چھوڑ دے مومنوں کو اُوپر اُس کے کہ جو تم

عَلَيْهِ حَتَّىٰ يَمِيزَ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ ۗ وَمَا كَانَ

اوپر اُسکے یہاں تک کہ متمیز کردے خبیث کو طیب سے۔ اور نہیں ہے

اللَّهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَجْتَبِي

اللہ کہ مطلع کرے تم کو اوپر غیب کے اور لیکن اللہ پسند کرتا ہے

مِن رُّسُلِهِ مَن يَشَآءُ ۖ فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ ۚ

رسولوں اپنے سے جسے چاہے۔ پس ایمان لاؤ ساتھ اللہ کے اور رسولوں اُسکے کے

وَإِن تُؤْمِنُوا وَتَتَّقُوا فَلَكُمْ أَجْرٌ عَظِيمٌ ۝ ۱۷۹

اور اگر تم ایمان لاؤ اور بچو تو واسطے تمہارے بدلہ ہے بڑا

اللہ تعالیٰ ایسا نہیں ہے کہ مومنوں کو اس حالت میں چھوڑ دے جس میں تم اب ہو (کہ مومن اور منافق غیر متمیز ہیں) یہاں تک کہ وہ ناپاک اور پاکیزہ (یعنی ایک ایک منافق اور ایک ایک مومن) کو نکھا کر الگ الگ کر دیگا۔ اور نہیں ہے اللہ ایسا کہ تمہیں غیب سے مطلع کرے اور لیکن اللہ تعالیٰ (اپنے قانونِ مشیت کے مطابق اپنے بندوں میں سے) جنہیں چاہتا ہے اپنے رسولوں کی حیثیت سے چن لیتا ہے۔ (اُن پر اپنی کتاب نازل کرتا ہے جسمیں اُنہیں غیب کی خبریں بتاتا ہے) پس چاہیئے کہ تم اللہ اور اُسکے رسولوں پر ایمان رکھو۔ اور اگر تم (اللہ اور اُسکے رسولوں پر) ایمان رکھو اور ضابطۂ الٰہی کی مخالفت سے بچو تو تمہارے لئے بہت بڑا اجر ہے۔

مسندِ خلافت پر منافقوں کے قبضے کا تصور تک افتریٰ محض ہے

• اس آیتِ مجیدہ کے مطابق جب منافقوں کو مومنوں سے نکھار کر رکھ دیا گیا تھا تو اسطرح وہ آیاتِ ذیل کے مطابق اپنے کیفرِ کردار کو پہنچ بھی چکے تھے اور جس مکتبِ فکر کی اساس اس تصور پر قائم ہے کہ آنحضورؐ کی وفات کے بعد مسندِ خلافت پر منافقوں نے قبضہ کر لیا تھا، مطلقاً باطل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ ۹/۷۳ + ۶۶/۹ میں ارشاد ہوا ہے۔ يَٰٓأَيُّهَا النَّبِيُّ جَٰهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَٰفِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ۚ وَمَأْوَىٰهُمْ جَهَنَّمُ ۖ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ۝ = اے نبی منافقوں اور کافروں کیساتھ جہاد کیجئے اور ان پر سختی کیجئے۔ اُنکا آخری مقام شکست ہے اور بُری جگہ ہے پھر جلنے کی یہ آئینِ سلسلۂ درس کی آیتِ زیرِ نظر کی تائید کرتی ہیں کہ منافق عیاں ہو چکے تھے، اسی لئے تو اُن پر پوری سختی کا حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنی زندگی ہی میں کیفرِ کردار کو پہنچ جائیں۔ انہیں جو سزا دیگئی اُسکا حکم سورہ احزاب کی آیتِ ذیل میں ملاحظہ فرمائیں۔

• لَّئِن لَّمْ يَنتَهِ الْمُنَٰفِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ وَالْمُرْجِفُونَ فِي الْمَدِينَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُونَكَ فِيهَآ إِلَّا قَلِيلًا ۝ مَّلْعُونِينَ ۖ أَيْنَمَا ثُقِفُوٓا أُخِذُوا وَقُتِّلُوا تَقْتِيلًا ۝ ۳۳/۶۰-۶۱ = اگر منافق یعنی جن کے

اذہان میں نفاق کی بیماری ہے، اور شہر میں غلط خبریں اُڑانیوالے باز نہ آئے تو ہم آپکو اُنکے پیچھے لگا دینگے۔ وہ اِس شہر میں آپکے پاس نہیں رہینگے مگر تھوڑا عرصہ ملعون ہو کر رہینگے۔ (لازم ہے کہ) جہاں کہیں پائے جائیں گرفتار کر لئے جائیں اور اِسطرح قتل کئے جائیں کہ اُنکی بوٹیاں اُڑا دی جائیں ۔ قُتِّلُوْا تَقْتِیْلًا کا معنیٰ اِسکے سوا نہیں کہ اُنکے پرخچے اُڑا دیئے جائیں۔ پس قرآن کریم کی رُو سے جب منافقوں کا اتنا بُرا انجام ہُوا تو ثابت ہُوا کہ خلافت پر اُنکے قابض ہونے کا تصوّر تک بھی مطلقاً افترٰی محض ہے۔ منافق چونکہ قیامِ ربوبیت میں خارج تھے اِسلئے اُنکی وضاحت کے بعد اگلی آیت مجیدہ میں بخل کرنیوالوں کو مخاطب کیا گیا ہے :-

وَلَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰھُمُ اللّٰہُ
اور نہ گمان کریں وہ لوگ جو بخل کرتے ہیں ساتھ اُسکے جو دیا انہیں اللہ نے
مِنْ فَضْلِہٖ ھُوَ خَیْرًا لَّھُمْ ؕ بَلْ ھُوَ شَرٌّ لَّھُمْ ؕ
فضل اپنے سے کہ وہ بہتر ہے واسطے اُنکے۔ بلکہ وہ بُرا ہے واسطے اُنکے
سَیُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِہٖ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ ؕ وَلِلّٰہِ
ضرور طوق کئے جائینگے جو بخل کیا ساتھ اُسکے دن قیامت کے اور ہے واسطے اللہ کے
مِیْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ
میراث آسمانوں کی اور زمین کی! اور اللہ ساتھ اُسکے جو تم عمل کرتے ہو
خَبِیْرٌ ۱۸۰ ع ۱۸ ۹
ہے باخبر

اور نہ گمان کریں وہ لوگ جو بخل کرتے ہیں اُس مال میں جو اللہ تعالیٰ نے اُنہیں (اپنے قانونِ مشیّت کے مطابق) اپنے فضل سے عطا فرمایا ہے، کہ وہ (اُنکا بخل کرنا، مال بچانا) اُنکے لئے بہتر ہے (ہرگز بہتر نہیں)، بلکہ وُہ اُنکے لئے بُرا ہے۔ قیامت کے دن ضرور ضرور وُہ مال، جو اُنہوں نے بخل کر کے جمع کیا اُنکے ساتھ طوق کئے جائینگے (یعنی قیامت کے دن، وہ مال اُنکے گلے کا ہار ہو کر باعثِ عذاب بن جائیگا) اور حقیقت یہ ہے کہ (مال تو اللہ کا ہے۔ اِنکا تو کچھ بھی نہیں کیونکہ) آسمانوں اور زمین کی میراث خالصۃً اللہ تعالیٰ کیلئے ہے۔ (اور اِس میراثِ الٰہی پر غاصبانہ قبضہ جمانے کیلئے) جو جو بھی عمل تم بجا لاتے ہو۔ اللہ تعالیٰ اُس سے پُوری طرح باخبر ہے۔

ہر چیز کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے

• علہ لِلّٰہِ مِیْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ میں جار مجرور مقدم نے حصر پیدا کر دیا ہے اور اہلِ علم سے مخفی نہیں کہ اِس حصر نے حضرتِ انسان کو میراث ارضی وسماوی کے حق سے خارج کر دیا ہے۔ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے سب کا سب اللہ تعالیٰ کی ملکیت و میراث ہے۔ نوعِ انسانی کے ہر فرد کا حق صرف ضروریاتِ زندگی ہیں۔ اِس امر کی وضاحت اللہ تعالیٰ نے ایک ہی جملہ کے دو مرتبہ تکرار کیساتھ بالفاظِ ذیل فرما رکھی ہے :-

• وَلَکُمْ فِی الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰی حِیْنٍ ۲/۳۶ + ۷/۲۴ = اور اے نوعِ انسانی زمین میں تمہارا حقِ ملکیت صرف یہ ہے کہ تمہیں اِس زمین میں آخری دم تک کیلئے رہنے کا مکان بھی (بلا کرایہ) میسّر ہو اور ضروریاتِ زندگی بھی تمہیں آخری دم تک پُوری طرح میسّر آتی رہیں ۔ نوعِ انسانی کے اِس حقِ ملکیت کی خبر پر ذیل کے سوالوں کا پیدا ہونا ناگزیر ہے کہ اگر نوعِ انسانی کا قرآنی حق صرف مکان اور ضروریاتِ زندگی ہے تو پھر قرآن کریم میں صدقات، خیرات، زکوٰۃ اور تقسیم وراثت کے مسائل کیوں بیان کئے گئے ہیں۔ اِسکا جواب مشاہدے کی رُو سے بالکل صاف ہے کہ قرآنی معاشرہ ایک دن، ایک ماہ یا ایک سال میں متشکل نہیں ہو سکتا۔ اِس میں برسوں لگ جاتے ہیں۔ اِسلئے قرآن کریم نے اِس مجبوری دور کیلئے نہ صرف اِسکے متعلقہ جملہ مسائل بیان کر دیئے ہیں بلکہ ہر گوشے سے متعلقہ

احکام بھی دیدیئے ہیں۔ المختصر؛ لِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۳/۱۸۰ کے الفاظ نے آسمانوں اور زمین کی ہر چیز کا مالک وارث اللہ تعالیٰ کو قرار دیا ہے اور وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ۲/۳۶ + ۷/۲۴ کے الفاظ نے نوعِ انسانی کے حق ملکیت کی وضاحت کردی ہے۔ اور غیر متوازن معاشرے کو متوازن کرنے کیلئے آئت بالا میں مال خرچ کرنے میں بخل کرنے سے منع کردیا گیا ہے:۔

کیا اللہ تعالیٰ محتاج ہے جو قرضہ مانگتا ہے؟

• غیر متوازن معاشرے کو متوازن کرنے، یعنی ضروریاتِ زندگی سے محروم افراد کو ضروریاتِ زندگی بہم پہنچانے کیلئے قرآن کریم میں اَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا کے الفاظ بتکرار لائے گئے ہیں۔ یہ ایک قرآنی اصطلاح ہے جس کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ کو کوئی ضرورت لاحق ہوگئی ہے اسلئے اُسے قرضہ دو۔ بلکہ معاشرہ کے محروم و محتاج افراد کی احتیاج رفع کرنے کیلئے جو مال خرچ کیا جاتا ہے قرآن کریم میں سے اللہ تعالیٰ کو قرض دینے کی اصطلاح میں بیان کیا گیا ہے۔ لیکن اَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا کے الفاظ سے زمانۂ رسالت کے یہودیوں نے یہ نظریہ قائم کیا کہ اللہ محتاج ہے اور ہم غنی ہیں۔ وہ ہم سے قرض مانگتا ہے:۔

لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ
بیشک سُن لی ہے اللہ نے بات اُن لوگوں کی، کہا بیشک اللہ ہے
فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ ۘ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا وَ
محتاج اور ہم ہیں دولتمند۔ ضرور لکھتے ہیں ہم جو وہ کہتے ہیں اور
قَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّنَقُوْلُ ذُوْقُوْا
مخالفت کرنا اُن کا نبیوں کی ناحق۔ اور ہم کہینگے چکھو
عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۱۸۱
عذاب جلانے والا

بیشک اللہ تعالیٰ نے اُن لوگوں کی یہ بات سُن لی ہے جو انہوں نے کہا کہ اللہ محتاج ہے اور ہم مالدار ہیں (کیونکہ وہ اَقْرِضُوا اللّٰهَ کے الفاظ میں ہم سے قرضہ مانگتا ہے)۔ ہم اُنکی یہ بات بھی ضرور ضرور لکھتے ہیں اور اُنکا نبیوں کی ناحق مخالفت کرنا بھی ضرور لکھتے ہیں۔ اُنکے اِن جرائم کی پاداش میں قیامت کو ہم اُن سے یہ کہینگے کہ آج اُس عذاب کا مزہ چکھو جو جلانے والا ہے۔ (یعنی قیامت کو اُنہیں آگ کے عذاب میں گرفتار کردیا جائیگا)۔

ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ
مذکورہ سزا ہے بسبب اُسکے جو آگے بھیجا تمہارے ہاتھوں نے۔ اور بیشک اللہ نہیں ہے
بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۚ ۱۸۲
ظلم کرنیوالا واسطے بندوں کے

(اور اُنہیں یہ بھی کہدیا جائیگا کہ) مذکورہ بالا سزا بدلہ ہے اُسکا جو تم نے آگے بھیجا (یعنی جو بُرے عمل تم دُنیا میں بجالائے یہ اُنکی سزا ہے) حقیقت یہ ہے کہ بیشک اللہ تعالیٰ (بلاوجہ عذاب کا فیصلہ دیکر) اپنے بندوں پر ظلم کرنیوالا نہیں ہے۔

• ملہ اہلِ قواعد نے لکھا ہے کہ مضارع پر سَ داخل ہو تو مستقبل قریب کا فائدہ دیتا ہے۔ لیکن قرآن کریم میں مضارع پر داخل ہونیوالا سَ مضارع حال تاکید کیلئے بھی آتا ہے۔ جیسے کہ اِس آئت میں بھی سَنَكْتُبُ کا یہ معنٰی غلط ہے کہ ہم عنقریب لکھینگے۔ کیونکہ اچھے برے اعمال تو ہر آن ساتھ کے ساتھ لکھے جاتے چلے جا رہے ہیں۔ سَ کی بحث کیلئے دیباچہ کا دیکھئے صفحہ ۹۴۔

• ۲۲ ذُوْقُوْا بھی ایک قرآنی اصطلاح ہے۔ جس کا لفظی معنیٰ ہے چکھو۔ اور اصطلاحی معنیٰ ہے عذاب میں مبتلا ہو جاؤ۔

• ۲۳ قرآن کریم میں جو آگ کے عذاب کی خبر دیگئی ہے۔ دنیا میں قومی سطح پر قوموں قوموں کی باہمی جنگ میں کسی قوم کا شکست کھا جانا آگ کا عذاب ہے جو ذہنوں کو جلاتا رہتا ہے۔ نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ الَّتِیْ تَطَّلِعُ عَلَی الْاَفْئِدَةِ ۱۰۴/۶-۷ یہ اللہ تعالیٰ کی متعین کردہ آگ ہے جو ذہنوں کو جلاتی ہے۔ اسکے علاوہ اُخروی زندگی میں بھی جنت و نار کی خبر دیگئی ہے۔ وہ یہ ہے کہ اہل جنّت کو اُن جنّتی کرّوں میں رکھا جائیگا جن میں پھلدار باغوں کی بہتات ہے، اُن میں بہتی نہروں (قدرتی دریاؤں) کے جال بچھے ہوئے ہیں۔ جہاں آب و ہوا معتدل، بہتے چشمے، لمبے سائے اور پھلوں کی کثرت ہے۔ اسکے برعکس اہل نار کو اُن گرم کرّوں میں دھکیل دیا جائیگا جہاں ایسی شدید گرمی ہے جو جلد کو جھلس کر رکھدے۔ سائے مفقود، پانی گرم جو آنتوں تک کو جلا دے۔ اور جن کرّوں کی پیداوار صرف کڑوی تھوہر ہے۔ اہل نار یعنی گرم کرّوں والوں کی کھانی کڑوی تھوہر اور گرم پانی ہوگا۔

سوختنی قربانی بہتان محض ہے

• اس سے اگلی آیت مجیدہ میں یہودیوں کے ایک اور بہتان کی خبر دیگئی ہے جو انہوں نے رسول اکرم پر ایمان لانے سے گریز اختیار کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ پر باندھ رکھا تھا۔ انہوں نے حضور سے یہ کہا کہ ہم سے اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ لیا ہوا ہے کہ ہم اُسوقت تک کسی رسول پر ایمان نہ لائیں جبتک وہ ایسی قربانی کرکے نہ دکھائے کہ اُسے آگ کھا جائے۔ یعنی وہ رسول قربانی کرے۔ اور آسمان سے آگ آئے اور قربانی کے مذبوحہ جانور کو کھا جائے۔

گذارش ہے کہ قرآن کریم میں کسی بھی نبی رسول کے متعلق یہ خبر نہیں دیگئی کہ اُس نے کوئی جانور ذبح کیا ہو اور آسمان سے آگ آئی ہو جو اُس ذبح کردہ جانور کو کھا گئی ہو۔ یہودیوں کے ہاں نبیوں کیطرف سے دیگئی قربانی کے مقبول و مردود کی یہ نشانی بتائی جاتی ہے کہ جو قربانی مقبول ہو اُسکی حالت یہ ہوتی ہے کہ آسمان سے آگ آتی ہے اور اُس مذبوحہ جانور کو کھا جاتی ہے اور جس مذبوحہ کیلئے نہ آسمان سے آگ آئے اور نہ اُسے جلا کر کھا جائے وہ نامقبول و مردود ہوتی ہے۔ لیکن واضح رہے کہ قرآن کریم میں ایسی قربانی کا تصور تک موجود نہیں۔ حج کے موقعہ پر جو حلال جانور ذبح کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ وہ آسمانی آگ کیساتھ جلا کر راکھ کرنے کیلئے نہیں بلکہ اُنکی غرض خود کھانا اور بھوکوں کو کھلانا بتائی گئی ہے۔

• وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِیْ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰی مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ۚ فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ ۲۲/۲۸ = اور چاہیئے کہ اجتماع حج میں شریک ہونیوالے حج کے معلومہ دنوں میں جگالی کرنیوالے چوپایوں کو اللہ کے نام کیساتھ ذبح کیا کریں (پھر ایمان والو!) اس میں سے تم خود بھی کھایا کرو اور بھوکے محتاجوں کو بھی کھلایا کرو۔

• اسکے برخلاف اللہ کے نام پر جانور ذبح کرنے کی یہ غرض قرآن بھر میں کہیں بھی مذکور نہیں کہ آسمان سے آگ آئے، اُسے وہ کھا جائے، اور بھوکے محتاجوں کے تنورِ شکم بھوک کی آگ میں بدستور جلتے رہیں۔ سوختنی قربانی کا جو ذکر موجودہ بائیبل میں درج ہے وہ بھی یہودیوں کی تحریف کا نتیجہ ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم نے اُنکے متعلق خبر دی ہے۔ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ۵/۱۳ = وہ کلام الٰہی میں تحریف کرکے اُسے اصل مفہوم سے ہٹا دیتے ہیں۔ جیسے کہ سوختنی قربانی کے شاخسانے سے مذبوحہ جانور کو خود کھانے اور بھوکوں کو کھلانے کے الٰہی مفہوم سے ہٹا کر نام نہاد آسمانی آگ کے کھا جانے کے مقام پر پہنچا دیا گیا ہے۔

موجودہ بائبل اصل تورات نہیں

• واضح رہے کہ جب کسی کتاب کا ترجمہ کرتے وقت اُسکا متن الگ کردیا جائے اور صرف ترجمہ ہی کو کتابی شکل دیدی جائے تو اسطرح اول تو اُسکے قاری کیلئے کوئی موقعہ باقی نہیں رہتا کہ اس امر کی پڑتال کرسکے کہ کیا ترجمہ اپنے متن اور اُسکے سیاق وسباق کے مطابق ہے یا نہیں۔ مزید برآں یہ کہ پھر جب مجرد ترجمے پر صدیاں گزر جائیں اور اُسکے متعدد ایڈیشن شائع ہوجائیں تو یہ صدیوں بعد کا مجرد ترجمہ اصل متن سے بالکل مختلف ہوجاتا ہے۔ کیونکہ اس صدیوں بلا متن چکر کاٹنے میں یکے بعد دیگرے متعدد مولفین کے ذاتی رجحانات کا دخل اور کاتبوں کے بشری تقاضوں کی بدولت کتابت کی غلطیوں سے بات کچھ کی کچھ بن جاتی ہے۔ قرآن کریم نے جہاں یہودیوں کو فَأْتُوا بِالتَّوْرَاةِ فَاتْلُوهَا کا چیلنج دیا ہے، یعنی جہاں یہ کہا ہے کہ توراۃ لاؤ اور اسے میرے سامنے پڑھو، وہاں اس امر کا اعلان ہے کہ اصل کتاب لاؤ جو تحریف سے محفوظ ہو۔ لیکن قرآن شاہد ہے کہ زمانہ رسالت محمدی میں بھی اصل تورات موجود نہیں تھی۔ کیونکہ قرآن کریم نے کہیں نہیں بتایا کہ وہ اس چیلنج کے جواب میں توراۃ لائے اور پڑھکر بتایا کہ اصل توراۃ کی رُو سے متنازعہ مسئلے اسطرح ہیں۔

• پس اس مُحرف توراۃ ہی کا مسئلہ ہے سوختنی قربانی کا جس اس جیتانی تصور کو انبیاء سلام علیہم کیطرف منسوب کرنے کے ساتھ ساتھ خود اللہ تعالیٰ پر بھی بہتان باندھا گیا ہے کہ اُس نے توراۃ میں یہودیوں سے وعدہ لے رکھا ہے کہ وہ صرف اُس نبی پر ایمان لائیں جو ایسی قربانی لاکر دکھائے جسے آگ کھا جائے۔ چنانچہ اگلی آئت مجیدہ میں اسی چیز کا ذکر کیا گیا ہے۔ لیکن یاد رہے کہ آئت مجیدہ اور اُسکا مفہوم پیش کرنے سے پہلے یہ بتانا ضروری ہے کہ اس آئت مجیدہ میں ایک جزا کی شرط محذوف ہے اور ایک شرط کی جزا حذف ہے آئت مجیدہ کے الفاظ آپکے سامنے آرہے ہیں۔ اُن میں فَلِمَ قَتَلْتُمُوهُمْ جزا ہے جس کی شرط محذوف ہے۔ اور اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ایک شرط ہے جس کی جزا مقدر ہے۔ (دلائل اپنے مقام پر آگے آرہے ہیں) پہلے آپ ذیل میں آئت مجیدہ معہ متقابل کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں۔ ترجمہ کے وہ الفاظ جو خطوط وحدانیوں کے اندر ہیں، اور جن پر خط کھینچ دیئے گئے ہیں وہ محذوفات کا ترجمہ ہیں۔ خطوط وحدانی ۱ کے الفاظ شرط محذوف کا اور خطوط وحدانی ۲ کے الفاظ جزا محذوف کا اردو ترجمہ ہیں۔ آیئے! اب آئت مجیدہ پورے غور کیساتھ ملاحظہ فرمائیں۔

اَلَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَآ اَلَّا نُؤْمِنَ

جو لوگ کہتے ہیں کہ بیشک اللہ نے عہد لیا ہے طرف ہماری کہ ہم نہ ایمان لائیں

لِرَسُوْلٍ حَتّٰى يَاْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ ؕ قُلْ

واسطے کسی رسول کے حتیٰ کہ وہ لائے ہمارے پاس ایک قربانی کہ کھا جائے اُسے آگ۔ کہہ

قَدْ جَآءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِىْ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالَّذِىْ

بیشک آئے تمہارے پاس رسول پہلے مجھ سے ساتھ دلائل کے اور ساتھ اسکے جو

قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۱۸۳

کہتے ہو تم پھر کیوں مخالفت کی تم نے اُنکی۔ اگر تم ہو سچے۔

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ بیشک ہم سے اللہ نے وعدہ لے رکھا ہے کہ ہم کسی رسول پر اُسوقت تک ایمان نہ لائیں جبتک وہ ہمارے پاس ایسی قربانی نہ لائے جسے آگ کھا جائے۔ (اے رسول! آپ انہیں کہہ دیجئیگا کہ (اگر ایسا ہی ہے کہ) بیشک تمہارے پاس مجھ سے پہلے رسول واضح دلائل اور وہ چیز بھی لائے تھے جو تم کہتے ہو۔ تو پھر تم نے رسولوں کی مخالفت کیوں کی تھی۔ اگر تم اپنے قول میں سچے ہو (تو اصل توراۃ لاؤ اور اپنا دعویٰ پڑھکر ثابت کرو کہ اللہ تعالیٰ نے تم سے مذکورہ وعدہ لے رکھا ہے)۔ (قتل کا لغوی معنی مخالفت کرنا بھی ہے)

آیت مجید ۳/۱۸۳ سے متعلقہ اہم نوٹ

• سوختنی قربانی کے جیبتاتی تصور کے متعلق آیت بالا پر بنظرِ تعمق غور فرمائیں:-

• آیت زیرِ بحث میں فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ کا جملہ جزا ہے۔ اسکی فا جزائیہ ہے اور اس جزا کی شرط قل کے بعد اِنْ كَانَ كَذَا محذوف ہے۔ اور تقدیرِ کلام یہ ہے:- قُلْ اِنْ كَانَ كَذَا قَدْ جَآءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِیْ بِالْبَیِّنٰتِ وَبِالَّذِیْ قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ۔ اور اسکا اُردو ترجمہ یہ ہے کہ کہدیجیئے اے رسول! اگر ایسا ہے کہ مجھ سے پہلے بیشک تمہارے پاس ایسے رسول آئے تھے، جو واضح دلائل کیساتھ ساتھ وہ سوختنی قربانی بھی لائے تھے جو تم کہتے ہو تو پھر تم ایسے رسولوں کی مخالفت کیوں کرتے تھے۔ بنی اسرائیل کی حضرت موسیٰ کی مخالفت ضرب المثل ہے۔ ہر بات پر اُن کے حکم کی مخالفت، کبھی تو یہ کہتے کہ اے موسیٰ ہمیں ایک بُت بنا دیجئے جس کی ہم پوجا کریں۔ اور جب آپ کتاب لکھوانے کیلئے طور پر گئے تو بچھڑے کی پوجا شروع کر دی۔

• المختصر: الفاظ بالا میں فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ کا جملہ فا جزائیہ سے شروع ہوتا ہے اور اسکی شرط محذوف ہے اِنْ كَانَ كَذَا۔ اور اسیطرح اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ کا جملہ شرطیہ ہے اور اسکی جزا محذوف ہے فَاْتُوْا بِكِتٰبِكُمْ فَاتْلُوْهَا، اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو اپنی غیر محرّف کتاب لاؤ اور پڑھکر ثابت کرو کہ تم سے اللہ نے مذکورہ وعدہ لے رکھا ہے۔

• اب رہا یہ سوال کہ کیا عربی ادب میں کسی شرط کی جزا اور کسی جزا کی شرط کا محذوف ہونا مسلّم ہے؟ جواباً عرض ہے کہ شرط کی جزا محذوف ہونا تو قرآنِ کریم میں عام ہے۔ جیسے کہ ۱۳/۳۱ کے جملہ شرطیہ وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُیِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ ... الخ کی یہ جزا محذوف تو مولوی اشرف علی صاحب، مولوی احمد علی صاحب، مولوی ثناء اللہ صاحب اور مولوی مقبول احمد صاحب سب نے تسلیم کی ہوئی ہے کہ اگر کوئی پڑھنے کی چیز ایسی ہوتی کہ اُسکے ساتھ پہاڑ چلائے جاسکتے، زمین کی مسافت قطع کیجا سکتی یا مُردوں سے باتیں کی جاسکتیں تو اس قرآن کیساتھ بھی ایسا کیا جاسکتا۔ اب رہا کسی جزا کی شرط کا محذوف ہونا تو اسکے لئے دیکھئے نحو کی مشہور کتاب مُغنی اللّبیب مطبوعہ مصر کا صفحہ ۱۷۴، جس پر حذف جملہ شرط کا الگ باب باندھکر جزا مذکور کی شرط محذوف کو تسلیم بھی کیا ہے۔ اور قرآنِ کریم سے اسکی مثالیں بھی پیش کی ہیں۔ ذیل میں صاحب مُغنی اللّبیب کی پیش کردہ قرآنی مثالوں میں سے صرف ایک مثال پر اکتفا کیا جاتا ہے:-

• وَالظّٰلِمُوْنَ مَا لَهُمْ مِّنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ ۴۲/۸ اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِیَآءَ ۚ فَاللّٰهُ هُوَ الْوَلِیُّ ۴۲/۹۔

اِن آیتوں کا لفظی ترجمہ یہ ہے:- اور جو ظالم ہیں اُنکا نہ کوئی کارساز ہے اور نہ مددگار ہے۔ ۴۲/۸ کیا اُنہوں نے اللہ کے سوا کوئی اور کارساز بنالئے ہیں، پس اللہ ہی (مع اُنکے سب کا) کارساز ہے۔

• دیکھئے اس لفظی ترجمہ کے مطابق آیت نمبر ۴۲/۸ اور ۴۲/۹ میں تضاد ثابت ہوتا ہے۔ کہ ۴۲/۸ میں کہا گیا ہے کہ ظالموں کا کوئی ولی نہیں۔ اور ۴۲/۹ میں کہا گیا کہ اُنکا بھی اللہ ولی ہے۔ فلہذا لازم آتا ہے کہ اس تضاد کو دُور کیا جائے۔ صاحب مغنی اللّبیب نے اس تضاد کو اسطرح دُور کیا ہے کہ خط کشیدہ جملہ فَاللّٰهُ هُوَ الْوَلِیُّ کی ابتدائی فا کو جزائیہ مانکر اسکی شرط محذوف ذیل کے خط کشیدہ الفاظ میں باندازِ ذیل نکالی ہے:- اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِیَآءَ ۚ اِنْ اَرَادُوْا اَوْلِیَآءَ بِالْحَقِّ فَاللّٰهُ هُوَ الْوَلِیُّ۔

اِسکا مفہوم یہ ہے :- کیا اِن ظالموں نے اللہ کے سوا کوئی کارساز بنا رکھے ہیں؟ یعنی انہیں اللہ کے سوا کوئی کارساز نہیں بنانا چاہیئے۔ اگر وہ اولیاءِ حق کا ارادہ کریں تو اللہ ہی ہے جو تمام لوگوں کا کارساز ہونے کی صورت میں اُنکا کارساز بھی وہی ہے۔

• دیکھیئے! جسطرح اگر آئت مجیدہ ۴۲/۹ میں جملہ شرطیہ محذوف نہ مانا جائے جسکی جزا فَاللّٰهُ هُوَ الْوَلِيُّ ہے تو آیاتِ مجیدہ ۴۲/۸ اور ۴۲/۹ کا تضاد رفع نہیں ہوتا۔ اسیطرح آئتِ زیرِ بحث ۳/۱۸۳ میں فَلِمَ قَتَلْتُمُوهُمْ جو فا سے شروع ہونیوالا جملہ جزائیہ ہے اگر اسکی شرط محذوف نہ مانی جائے تو اِس آئت کا اگلی آئت کیساتھ تضاد و تخالف ثابت ہوتا ہے۔ دیکھیئے آئتِ زیرِ بحث ۳/۱۸۳ میں جملہ شرطیہ محذوف نہ ماننے سے اسکا مفہوم یہ بنتا ہے :-

• اَلَّذِيْنَ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَاۤ اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى يَاْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُؕ قُلْ قَدْ جَآءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِيْ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالَّذِيْ قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۳/۱۸۳ = جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ بیشک ہم سے اللہ نے وعدہ لے رکھا ہے کہ ہم کسی رسول پر اُسوقت تک ایمان نہ لائیں جبتک کہ وہ ہمارے پاس ایسی قربانی نہ لائے جسے آگ کھا جائے اے رسول! کہدیجئیگا کہ بیشک مجھ سے پہلے رسول تمہارے پاس آیات بینات لیکر آئے اور وہ چیز بھی لیکر آئے جو تم کہتے ہو، یعنی سوختنی قربانی۔ تو پھر تم نے ایسے رسولوں کی مخالفت کیوں کی تھی۔

• اب غور طلب یہ چیز ہے کہ اس مفہوم میں تو رسول اکرم کی زبانِ اقدس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ سے پہلے رسول آیات بینات اور سوختنی قربانی دونوں چیزیں لائے تھے۔ لیکن اس سے اگلی آئت مجیدہ ۳/۱۸۴ میں کہا گیا ہے کہ نہ آنحضور اور نہ آپ سے پہلے کوئی نبی رسول واضح دلائل کے سوا سوختنی قربانی لائے تھے۔ بلکہ وہ تو صرف آیات بینات اور سورہ مجیدہ پر مشتمل صرف روشن کتاب لائے تھے۔ لہٰذا اِس تضاد کو رفع کرنا ضروری ہے۔

فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ
پس اگر آپکو جھٹلایا ہے تو بیشک جھٹلائے گئے رسول آپ سے پہلے
جَآءُوْ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ۱۸۴
جو لائے واضح آئتیں اور سورتیں یعنی ایک کتاب روشن۔

پس (اے رسول!) اگر اُنہوں نے (سوختنی قربانی کی آڑ میں) آپکو جھٹلا دیا ہے تو (غمگین نہ ہوئیگا) تحقیق آپ سے پہلے رسول بھی جھٹلائے گئے تھے۔ جو واضح آئتیں اور سورتیں یعنی (وہ سب) ایک ہی روشن کتاب ۳/۱۸۴ لیکر آئے تھے [۱]

• [۱] جَآءُوْ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ الگ الگ تین چیزیں نہیں ہیں۔ بلکہ یہ ایک ہی چیز ہے کتاب منیر۔ بیّنات آیات کی صفت ہے اِس سے مراد ہیں اللہ کی آئتیں۔ زُبُر کا معنٰی ہے ٹکڑے، حصّے۔ اِن سے مراد ہیں کتاب کی سورتیں اور والکتٰب المنیر سے ماقبل واوٗ تفسیر ہے۔ اور آئت مجیدہ کا معنٰی یہ ہے کہ سابقہ رسول بھی رسول اکرم کیطرح اللہ کی کتاب ہی لائے تھے جو سورتوں اور آئتوں پر مشتمل ہوتی تھی۔

• حقیقت یہ ہے کہ اگر سابقہ رسولوں کو کتاب منیر روشن کتاب کے سوا کوئی سوختنی قربانی دیگئی ہوتی تو آنحضور کو بھی دیجاتی۔ کیونکہ آپ بھی تو رسولوں میں سے ایک رسول تھے۔ يٰسٓ ۚ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ۙ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۳۶/۱تا۳ = اے سیّد! قرآن حکیم کی شہادت ہے کہ آپ رسولوں میں سے ایک رسول ہیں۔

• آیت بالا کے الفاظ فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ پر غور فرمائیں۔ یہودیوں نے صرف آنحضور ہی کو نہیں جھٹلایا بلکہ آپ سے پہلے بہت سے رسولوں کو بھی جھٹلایا تھا۔ اور جو وجہ آپکو جھٹلانے کی تھی آیت بالا کے الفاظ سے وہی وجہ پہلے رسولوں کو جھٹلانے کی ثابت ہے۔ کیونکہ اِن الفاظ کے بعد بالوضاحت بتا دیا گیا ہے کہ اے رسول! آپ سے پہلے جن رسولوں کو جھٹلایا گیا تھا وہ بھی تو ہماری آئیں سورتیں یعنی کتاب منیر ہی لیکر آئے تھے۔ اگر کتاب منیر کیساتھ سابقہ رسولوں کو سوختنی قربانی بھی دیگئی ہوتی تو آیت بالا ۳/۱۸۴ میں یہ آنا چاہیئے تھا۔ جَآءُوْ بِالْبَيِّنٰتِ وَالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ وَالْقُرْبَانِ تَاْكُلُهُ النَّارُ۔ لیکن برادرانِ عزیز! انبیاء سلام علیہم کو کتاب منیر کے سوا کسی نام نہاد سوختنی قربانی دیئے جانے کا نہ یہاں ذکر ہے اور نہ پورے قرآن بھر کسی جگہ پر اسکا معمولی سا اشارہ ہی موجود ہے۔ پس سوختنی قربانی کا شاخسانہ یہود کا خود افتری کردہ اور تحریف فی التوراۃ ہے۔

ایک ضروری سوال کا جواب

• اس سلسلے میں ایک سوال یہ بھی کیا جا سکتا ہے کہ آیت مجیدہ زیر بحث ۳/۱۸۳ میں اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ شرط مؤخر کی جزا مقدم موجود ہے فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ۔ یعنی جب یہاں شرط مؤخر کی موجود ہے تو شرط موجود کی جزا اور جزا موجود کی شرط محذوف نکالنا کسطرح صحیح ہو سکتا ہے؟ — جواباً عرض ہے کہ قرآن کریم کا ٹھوس دعوی ہے کہ اس میں تضاد و تخالف ہرگز نہیں ۴/۸۲۔ لیکن اگر مذکورہ شرط کی جزا محذوف اور مذکورہ جزا کی شرط محذوف نہ نکالی جائے تو اسطرح چونکہ آیت مجیدہ ۱۸۳ اور ۱۸۴ میں تضاد و تخالف ثابت ہے۔ اسلئے اِس تضاد کو دُور کرنے کیلئے ہر دو محذوفات نکالنے لازم بھی ہیں اور صحیح اور درست بھی۔

سوختنی قربانی کے متعلق ایک ضروری نوٹ

• واضح رہے کہ سوختنی قربانی کا تصور یکسر غیر قرآنی ہے۔ کیونکہ قربانی کی قبولیت کا یہ نشان کس قدر مضحکہ خیز ہے کہ بھوکے محتاج بھوک کے جہنم میں جلتے رہیں اور قربانی کے جانور کو آگ جلا کر راکھ کر دے۔ پھر یہ تصور ہر مقام پر فٹ نہیں بیٹھتا۔ کیونکہ لفظ قربان جو آیت زیر بحث ۳/۱۸۳ میں آیا ہے اسکا معنی کسی جانور کی قربانی ہے ہی نہیں۔ کیونکہ نہ تو آیت زیر بحث کے سیاق سباق میں کسی جانور کو ذبح کرنیکا اشارۃً تک موجود ہے اور نہ قرآن کریم میں کعبہ کی نیاز کے جانوروں کیلئے قرآن بھر میں کہیں قربان یا قربانی کا لفظ ہی آیا ہے۔ اسلامی مرکز یعنی خانہ کعبہ میں پہنچائے جانیوالے جانوروں کو قرآن کریم میں ہدی کے نام سے موسوم کیا گیا ہے نیز انہیں قلائد بھی کہا ہے ۵/۲

• قربان یا قربانی کا مطلق معنی ہے اللہ کے قریب ہونے کا ذریعہ۔ ادھر اللہ تعالی نے اپنے قریب ہونے کا ایک ہی نسخہ بتایا ہے وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ۹۶/۱۹ = اے رسول! ہمارے قانون کی پوری پوری اطاعت کر اور قریب ہو۔ دیکھا آپنے کہ قرآن کریم کی رُو سے اللہ تعالی کی فرمانبرداری کا ہر عمل ہی قربانی ہے۔

• بتایئے! اگر کسی آدمی کے پاس صرف دو روٹیاں ہوں جنہیں وہ خود نہ کھائے اور بھوکے محتاج کو کھلا دے تو کیا یہ قربانی نہیں۔ اور کیا اس عمل کی بدولت وہ اللہ کے قریب نہیں ہوا۔ اِسیطرح اگر کسی مومن کے جسم پر پیوند لگا لباس ہے لیکن جب اُسے نیا لباس میسر آتا ہے تو اُسے ایک ایسے آدمی کو پہنا دیتا ہے جس کے جسم پر پیوند لگا لباس بھی موجود نہیں۔ اور خود پیوند لگے لباس پر قناعت کر لیتا ہے تو کیا یہ قربانی نہیں۔ اور کیا اس عمل کی بدولت اُسے اللہ کی قربت نصیب نہیں ہوتی۔ اب رہا ان قربانیوں کی قبولیت اور عدم

قبولیت کا سوال؟ تو اس مقام پر قبولیت کا یہ معیار کس قدر مضحکہ خیز ہے کہ قربانیوں کی روٹیوں اور کپڑوں کو تو آسمان سے آگ آکر اور جلا کر راکھ کر دے اور بھوکے اور ننگے بیچارے منہ تکتے رہ جائیں۔ دیکھئے! سوختنی قربانی کا تصور کس طرح خود بخود غلط اور خود تراشیدہ ثابت ہوتا چلا جا رہا ہے۔

• سورہ مائدہ میں نوع آدم کے دو افراد کا قصہ درج ہے کہ دونوں نے اللہ تعالیٰ کی قربت حاصل کرنے کیلئے کچھ قربان کیا۔ قَرَّبَا قُرْبَانًا ۵/۲۷۔ قربانی کا قرآنی مفہوم آپ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ کے الفاظ میں دیکھ چکے ہیں "قوانین الٰہی کی اطاعت کرنا"۔ یعنی کوئی شخص جتنا زیادہ قوانین الٰہیہ کا مطیع ہوگا، اتنا زیادہ اللہ کے قریب ہوگا۔ تو اس طرح دونوں نے اطاعت الٰہی کا الگ الگ عمل کیا۔ لیکن ایک کا قبول ہوا، اور دوسرے کا قبول نہ ہوا۔ قرآن کریم کے اس مقام پر بھی قربانی کی قبولیت کا نشان آگ کا آنا اور کھا جانا نہیں بتایا گیا۔ اور نہ وہاں جانوروں کے ذبح کرنے کا ہی ذکر ہے کہ ایک کا جانور آگ کھا گئی اور دوسرے کا وہیں پڑا رہا۔ پھر سنیئے گا کہ قربانی نام ہے قوانین الٰہی کی اطاعت کا۔ اور قبولیت و عدم قبولیت کا نشان ہے اعمال کے ثمر کا میسر آنا یا نہ آنا۔

• یعنی جسے اسکے عمل کا ثمر میسر آیا اسکا عمل اللہ کے ہاں قبول ہوا اور جسے اپنے عمل کا ثمر میسر نہ آیا اسکا نامقبول ہوا۔ مثلاً دو بھائی الگ الگ اپنے اپنے کھیت میں گندم بوتے ہیں۔ وقت آرام اور بیج قربان کرتے۔ سحری کے وقت اٹھ کر کھیت میں جاتے اور ہل چلاتے ہیں۔ دو دو من گندم قربان کر کے مٹی میں ملا دیتے ہیں۔ ایک بھائی کو جیٹھ کے مہینے میں فصل کا مل میسر آتی ہے۔ اور دوسرے کو میسر نہیں آتی یا کم میسر آتی ہے۔ تو گویا ایک کی قربانی مقبول اور دوسرے کی نامقبول ہوئی۔ الفاظ قرآنیہ میں قبولیت کا نشان اتقا بتایا گیا ہے یعنی قوانین الٰہی کی مخالفت سے بچنا۔ آیت مجیدہ ۵/۲۷ کے الفاظ یہ ہیں:-

• وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ ابْنَيْ آدَمَ بِالْحَقِّ ۘ إِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ أَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْآخَرِ قَالَ لَأَقْتُلَنَّكَ ۖ قَالَ إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللَّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ ۵/۲۷ • اور اے رسول! انہیں پڑھ کر سنایئے دو بنی آدم کی سچی سچی خبر کہ جب ان دونوں نے اللہ کے قریب ہونے کیلئے الگ الگ عمل کئے تو ان دونوں میں سے ایک کا عمل قبول ہوا اور دوسرے کا قبول نہ ہوا۔ اس (دوسرے) نے کہا کہ میں تجھے قتل کر دونگا۔ (پہلے نے) کہا سوا اسکے نہیں کہ اللہ تعالیٰ انکے اعمال قبول کرتا ہے جو قوانین الٰہیہ کی مخالفت سے بچنے والے ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ جو کسان ہل چلانے کے بعد ناقص بیج بو دیگا، اسکی محنت و قربانی قبول نہیں کی جائیگی۔ حتیٰ کہ اگر بیج بھی اچھا بویا ہے۔ لیکن اگر بعد کے درمیانی مراحل میں کہیں بھی قوانین الٰہیہ سے غفلت برتیگا تو اسکی قربانی قبول نہیں ہوگی۔ اگر کھیتی کی حفاظت نہیں کی تو اسے مویشی برباد کر جائینگے یا چڑیاں چگ جائینگی۔ اور اگر بر وقت پانی نہیں دیا تو سورج کی تمازت سے پوری فصل جھلس کر راکھ ہو جائیگی۔ آیت مجیدہ ۵/۲۷ کیساتھ روایتی تفاسیر نے یہ چیستانی قصہ چسپاں کر رکھا ہے کہ بابا آدم کے ہاں روزانہ ایک لڑکا اور ایک لڑکی پیدا ہوا کرتی تھی۔ آپ ایک دن کے لڑکے کیساتھ دوسرے دن کی لڑکی کا نکاح کر دیتے تھے (معاذ اللہ! بہن بھائی کا نکاح)۔ ایک لڑکے کیساتھ پیدا ہونیوالی لڑکی زیادہ خوبصورت تھی اسلئے اس نے اصرار کیا کہ میں تو اپنے ساتھ پیدا ہونیوالی لڑکی سے شادی کرونگا۔ اس جھگڑے کو چکانے کیلئے حضرت آدمؑ نے کہا کہ تم دونوں قربانی کرو، جس کی قبول ہوئی وہ اس لڑکی سے شادی کریگا۔ ایک کی قبول ہوئی اس نے دوسرے کو قتل کر دیا۔ اور پھر بھائی کی لاش کو اٹھائے اٹھائے پھرتا رہا۔ ایک کوّے

نے قبر کھودنے کا طریقہ سکھایا اور اُس نے بھائی کی لاش کو دفن کیا۔ اِس حیاتی قصّے کی مکمل بحث اپنے مقام پر آیات مجیدہ ۲۷ تا ۳۱ / ۵ کی تفسیر میں آگے آئیگی انشاء اللہ!

رجوع الی المطلب • قربانی کی قرآنی تفصیل میں ہم دُور نکل گئے ہیں سلسلۂ درس آیت نمبر ۱۸۴ پر چل رہا ہے جسمیں وضاحت کر دیگئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نبی رسُولوں کی صداقت کا یہ نشان ہرگز نہیں تھا کہ وہ جانوروں کو ذبح کرکے اور جلا جلا کر دکھایا کریں بلکہ وہ سلسلۂ درس کی آیت زیرِ بحث کے الفاظ جَآءُ وْ بِالْبَیِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَالْکِتٰبِ الْمُنِیْرِ ۳ / ۱۸۴ کے مطابق ایک روشن کتاب لاتے تھے، جس کا ایک ایک حکم ہمیشہ ہمیشہ سے آفتاب و ماہتاب سے بڑھکر روشن چلا آرہا ہے۔ یہ تورات و انجیل کے بعد اب قرآن حکیم کی دفتین میں محفوظ کر دیا گیا ہے۔ اِس روشن کتاب میں قیامت کو اعمال کی باز پرس کو تکرار کثیر دہرایا گیا ہے۔ چنانچہ سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں مَوت کو یقینی قرار دینے کے ساتھ ساتھ قیامت کی عدالتِ عالیہ میں پورے پورے عدل کی خبر دیگئی ہے:-

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ۗ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ
ہر جان چکھنے والی ہے موت کو اور سوائے اسکے نہیں کہ تم پورا دیئے جاؤگے
اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۗ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ
اجر اپنے دن قیامت کے پھر جو شخص بچایا گیا آگ سے
وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ۗ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ
اور داخل کیا گیا جنت میں پس تحقیق وہ ہوا کامیاب اور نہیں ہے زندگی دُنیا کی
اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ۳ / ۱۸۵
مگر سامان دھوکے کا

(اے تمام لوگو! اچھی طرح سُن لو کہ یقیناً) ہر جان موت کا ذائقہ چکھنے والی ہے! اور یہ ایک یقینی امر ہے کہ تم سب (مرنے کے بعد) قیامت کے دن (زندہ کئے جاؤگے اور) اپنے عملوں کا پورا پورا بدلہ دیئے جاؤگے۔ پھر (اُس دن) جو کوئی (اپنے عملوں کی بدولت) آگ سے بچا لیا جائیگا اور جنت میں داخل کیا جائیگا۔ پس وہ اُس دن کامیاب ہوگا۔ حقیقت یہ ہے کہ اِس دُنیا کی زندگی (یعنی اجتماعیت کے خلاف انفرادی مفاد پرستی کی زندگی) نہیں ہے کچھ بھی مگر اِسکا سامان دھوکا اور فریب محض ہے۔

• ۱ دُنیا کا لفظ د۔ن۔و = دنو سے ہے جس کا بنیادی معنیٰ ہے نزدیک ہونا اسطرح اسکا معنیٰ ہے نزدیک ترین چیز۔ ادنیٰ کا مصدری معنیٰ ہے کسی چیز کو نزدیک لانا۔ ۳۳/۵۹ میں یُدْنِیْنَ عَلَیْهِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِهِنَّ میں یُدْنِیْنَ کا لفظ مادہ دنو سے ہے اور اِس جملے کا معنیٰ یہ ہے کہ عورتیں اپنی چادریں اپنے نزدیک کر لیا کریں یعنی اپنے اُوپر اوڑھ لیا کریں۔ ۳۰/۴ میں اَدْنَی الْاَرْضِ کا معنیٰ ہے قریب کی زمین۔ پس دُنیا کا معنیٰ جب قریب کی چیز ہوا تو حیٰوۃ الدّنیا کا معنیٰ ہوا قریب کی زندگی۔ اور اِس قریب کی زندگی حیٰوۃ الدّنیا کے مقابلے پر اللہ تعالیٰ نے آخرت کی زندگی کی کامیابی کو منزلِ مقصود قرار دیا ہے۔ حیٰوۃ الدّنیا ایک قرآنی اصطلاح ہے جسکا معنیٰ ہے ذاتی مفاد کیلئے پرائے حقوق کی پرواہ نہ کرتے ہوئے ناجائز طور پر متاعِ دُنیا جمع کرتے چلے جانا۔

• ۲ اِس دُنیا کی زندگی میں جو مال صرف اِسی زندگی کے مفاد کیلئے حاصل کیا جائے اُسے آیت بالا میں متاع الغُرور بتایا گیا ہے۔ کیونکہ ارض و سماوات کے خزانے پُوری نوعِ انسانی کا مساوی حق ہیں۔ اگر مساویانہ انداز کیساتھ صرف اپنا حق لیا جائے اور پرائے حق سے اجتناب کیا جائے تو یہی مال متاع الغُرور کی بجائے حسنہ بن جاتا ہے۔ جیسے کہ ارشاد باری ہے:-

• لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ۳۰/۱۶ ؛ واسطے اُن لوگوں کے۔ جو اس دُنیا میں توازن قائم کرتے ہیں، اس دُنیا میں بھی متاعِ دُنیا متوازن ہے۔ اور جو لوگ اجتماعیت سے الگ ہو کر انفرادی مفاد پرستی کیلئے متاع الدنیا حاصل کرتے ہیں، اُنکا وہ مال جو پرائے حقوق کی پرواہ نہ کرکے ذاتی مفاد کیلئے جمع کیا جائے متاع الغرور ہے۔ محض دھوکے کا سامان ہے۔ یہ چند روزہ زندگی تو خواب کیطرح گزر جائیگی مگر اللہ تعالیٰ کی عدالتِ عالیہ میں بُری طرح شرمسار ہونا پڑیگا۔

• سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں صحابہ رضی اللہ عنہم کو کہا گیا ہے کہ تمہیں تمہارے مالوں اور جانوں کے ذریعہ اُجاگر کیا جائیگا کہ تم کس قسم کے مال اکٹھے کرتے ہو اور کیا اپنی جانوں کو ذاتی مفاد پرستی کیلئے خرچ کرتے ہو یا نظامِ ربوبیت کے قیام کیلئے۔ ساتھ ہی بتا دیا گیا ہے کہ خبردار رہو، تمہیں نظامِ ربوبیت کے قیام کے ضمن میں اہلِ کتاب کیطرف سے بہت سے طعن طنوڑے اور بہت سخت سست سُننا پڑیگا:۔

لَتُبْلَوُنَّ فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۣ وَ
البتہ تم ظاہر کئے جاؤ گے بذریعہ مالوں اپنوں کے اور جانوں اپنی کے اور

لَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ
تم ضرور سنوگے اُن لوگوں سے کہ دیئے گئے ہیں کتاب پہلے تم سے

وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا ۭ وَاِنْ تَصْبِرُوْا
اور اُن لوگوں سے کہ شرک کیا طعنے بہت۔ اگر تم ثابت قدم رہو

وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۱۸۶
اور بچاؤ چاہو۔ تو بیشک یہ ہمت کے کاموں میں سے ہے۔

(ایمان والو!) تم ضرور ضرور اپنے مالوں اور جانوں کے ذریعہ ظاہر کئے جاؤ گے (کہ تم مال کسطرح حاصل کرتے ہو اور جانیں کس غرض کیلئے لڑاتے ہو) اور تم اُن لوگوں سے جو تم سے پہلے کتاب دیئے گئے تھے، اور اُن لوگوں سے بھی جو اللہ کے شریک ٹھہراتے ہیں، ضرور ضرور سُنوگے بہت زیادہ ایذا کی باتیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر تم (اپنی مہم کی انجام دہی کیلئے ٹھنڈے دماغ کیساتھ طعنے سُنتے ہوئے) ثابت قدم رہے اور اپنے بچاؤ کا سامان کرتے رہے تو بیشک یہ بڑا ہمت کا کام ہے (کامیابی یقیناً تمہارے قدم چومیگی)

• ۱ اِس آیت مجیدہ میں وَتَتَّقُوْا کے الفاظ میں دشمن سے بچنے کیلئے بچاؤ کے سامان مہیا کرنے کو مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ کہا گیا ہے جس پر عالمی مشاہدہ ہے کہ دُنیا میں کامیاب وہی قومیں ہیں جو بچاؤ کے زیادہ سے زیادہ سامان تیار کرتی ہیں۔

• اِس سے اگلی آیت مجیدہ میں اہلِ کتاب سے لیئے گئے اس وعدے کا ذکر کیا گیا ہے کہ وہ اللہ کی کتاب کے احکام کو لوگوں تک ضرور ضرور پہنچا دینگے اور اُسے ہرگز چھپا ئینگے نہیں۔ مگر اُنہوں نے اس وعدے کو یکسر بُھلا دیا۔ اور دُنیا کے حقیر مال کیلئے اللہ کے احکام میں ردّ و بدل کر دیا:۔

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ
اور جب لیا اللہ نے وعدہ اُن لوگوں سے جو دیئے گئے کتاب

لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ ۡ فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ
ضرور ظاہر کرینگے اُسے واسطے لوگوں کے اور نہ چھپائینگے اُسے پھر ڈالدیا اُسے پیچھے

اور وہ وقت قابلِ ذکر ہے جب اللہ تعالیٰ نے اُن لوگوں (کے عالموں) سے عہد لیا جو تم سے پہلے، کتاب دیئے گئے تھے۔ کہ تم ضرور اُسے لوگوں پر ظاہر کروگے اور اُسے چھپاؤ گے نہیں لیکن انہوں نے اس وعدہ کی مخالفت کرتے ہوئے اُس (کو اپنی پیٹھوں کے پیچھے پھینک دیا

ظُهُوْرِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ ۝ ۱۸۷

پیٹھوں اپنی کے اور خریدی بدلے اُسکے قیمت حقیر۔ بہت بُرا ہے جو وہ خریدتے ہیں

اور اُسکے بدلے حقیر قیمت[۳] وصول کی۔ (سرمایہ دار و حکام سے مل ملا کر عوام کے حقوقِ ربوبیت کی ناہمواری کو اللہ کے ذمہ لگایا) پس کتنی بُری اور حقیر قیمت ہے جو اُنہوں نے اللہ کے احکام کو چھپا کر حاصل کی ہے۔

• ۱ یہاں اگرچہ لفظ اُوْتُوا الْكِتٰبَ کے ہیں یعنی جنہیں کتاب دی گئی تھی۔ لیکن یہاں مُراد ہیں اہلِ کتاب کے عالم لوگ۔ کیونکہ کتاب کو نہ چھپانے بلکہ اُسے بیان کرنے کے جس عہدے کا ذکر کیا گیا ہے وہ عام لوگوں سے متعلق نہیں، بلکہ اہلِ کتاب کے علماء سے متعلق ہے کتاب کو بیان کرنا یا اُسکے احکام کو چھپا لینا علماء کا کام ہے۔ اہلِ کتاب کے علماء اہلِ کتاب کا ایک جزء ہیں بعض دفعہ ذکر کیا جاتا ہے کُل کا مگر مقصود ہوتی ہے کُل کی وہ جزء جس کے متعلق کچھ کہا گیا ہو۔

• ۲ یہاں لَتُبَيِّنُنَّهٗ کا معنیٰ چھپانے کی ضد ہے عیاں بے ظاہر کرنا۔

• ۳ ثمنِ قلیل کے الفاظ میں بتایا گیا ہے کہ اگر اللہ کے کسی حکم کو چھپانے کی قیمت ہفت اقلیم بھی حاصل کیجائے تو، اللہ تعالیٰ کی میزان میں حقیر ترین چیز ہے۔

• دُنیا کے اربابِ ثروت کا بہت پُرانا دستور ہے کہ اپنے مفاد کے تحفظ کیلئے علماء کو جاگیریں دیکر کتاب اللہ کے احکام میں تحریف کرواتے چلے آرہے ہیں، چنانچہ سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں بتایا گیا کہ یہ لوگ ہر لحظہ نگاہوں کے سامنے تو رکھتے ہیں اپنے ذاتی مفاد مگر ظاہر یہ کرتے ہیں کہ وہ سب کچھ عوام کی بھلائی کیلئے کر رہے ہیں۔ اور ساتھ جانتے ہیں کہ اگرچہ وہ عوام کی بھلائی کا کوئی کام نہ کریں۔ مگر اُنکی ہر جگہ تعریف کی جایا کرے ۔

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا[۱] وَّ يُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ ۱۸۸

نہ گمان کریں وہ لوگ جو خوش ہوتے ہیں ساتھ اُسکے جو کرتے ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ تعریف کئے جائیں ساتھ اُسکے جو نہیں کیا انہوں نے پس تو نہ گمان کر انہیں ساتھ بچنے کے عذاب سے۔ اور واسطے اُنکے ہے سزا دردناک۔

نہ گمان کریں وہ لوگ جو فخر کرتے ہیں اُن (کاموں) پر جو وہ کرتے ہیں[۱] (کہ گویا اللہ تعالیٰ اُنکی نیت کو نہیں جانتا) حالانکہ وہ یہ چاہتے ہیں کہ اُن کاموں کو بھی جو وہ نہیں کرتے (اُنکی طرف منسوب کر کے) اُنکی تعریف کی جائے۔ پس اے رسول آپ اُنکے متعلق یہ گمان نہ فرمائیں کہ وہ (ہمارے عذاب سے) بچ جائینگے حقیقت یہ ہے کہ اُنکے لئے (اُنکے جرائم کا بدلہ) دردناک سزا ہے۔

• ۱ لفظ اَتَوْا کا سہ حرفی مادہ (ا-ت-ی = اتی) ہے۔ یہ مادہ ذیل کے متعدد مختلف و متضاد معنوں میں استعمال ہوتا ہے جن میں ایک مصدری معنی کرنا بھی ہے۔ یہاں بِمَآ اَتَوْا کا معنیٰ ہے جو کیا انہوں نے۔ لیکن اَتَوْا فعل ماضی چونکہ فعل مضارع يَفْرَحُوْنَ کے ماتحت آیا ہے اسلئے مضارع کا فائدہ دیتا ہے اور اسکا معنیٰ ہے ۔ جو وہ کرتے ہیں۔ اس مادہ کے متعدد مختلف مصدری معنے یہ ہیں :۔

• آنا۔ اَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ ۹/۷۰۔ آئے اُنکے پاس رسول ۔ تَاْتِيْنَا اٰيَةً ۲/۱۱۸۔ آئے ہمارے پاس کوئی نشانی۔

• جانا۔ اَنِ ائْتِ الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۲۶/۱۰۔ کہ جا ظالم قوم کے پاس۔ فَاْتِيَا فِرْعَوْنَ ۲۶/۱۶ = جاؤ تم دونوں فرعون کے پاس۔

• **دینا** لَمَاۤ اٰتَیْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ ۳/۸۱ = جو دی میں نے تم کو کتاب۔

• **لانا۔** فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَیْنِ ۲/۲۶۵ = پس لایا وہ باغ اپنا پھل دگنا۔

• **کرنا۔** یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَةَ ۴/۱۵ = وہ عورتیں اگر کریں بےحیائی + وَالَّذٰنِ یَاْتِیٰنِهَا ۴/۱۶ = اور جو دو مرد کریں اس بےحیائی کو۔ واضح رہے کہ آیتِ بالا ۳/۱۸۸ میں لفظ اَتَوْا کا مصدری معنٰی ہے کرنا

آسمانوں اور زمین کا اصل حاکم اللہ تعالیٰ ہے

• قرآنِ حکیم کی مرکزی تعلیم یہ ہے کہ نوعِ انسانی اس امر کو ہر آن پوری طرح ذہن نشین کئے رہے کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے سب کا سب اللہ تعالیٰ کا ہے۔ ریاستی نظام کو صحیح رکھنے کیلئے جن لوگوں کو اقتدار میسر آتا ہے، وہ عوام کے حاکم نہیں ہوتے، بلکہ خادم ہوتے ہیں، جن کے کندھوں پر متوازن نظام کے قیام کی عظیم ذمہ داری کا بوجھ ڈالدیا گیا ہوتا ہے۔ قرآن کریم کی رُو سے مُلک کے پُورے رزق اور رزق کے تمام سرچشموں میں پُورے عوام متوازن انداز کیساتھ برابر کے حقدار ہیں۔ اسلئے لازم ہے کہ اربابِ اقتدار ریاست کو باپ دادا کی جاگیر سمجھ کر من مانیاں نہ کرتے پھریں۔ ایسا نہ ہو کہ عوام بیچارے ضروریاتِ زندگی سے محروم ہوں اور سربراہ و حکام عیش کوشیوں کو اپنا شعار بنائے ہُوئے ہوں۔ چنانچہ اگلی آیتِ مجیدہ میں یہی کہا گیا ہے کہ تم حاکم نہیں ہو حاکم تو صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى
اور واسطے اللہ کے ہے حکومت آسمانوں اور زمین کی۔ اور ہے اللہ اوپر
كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۱۸۹ؒ ع ۱۹
ہر چیز کے پیمانے مقرر کرنیوالا

اور صرف اللہ ہی کیلئے ہے حکومت آسمانوں کی اور زمین کی۔ (اس کی حکومت میں مطلقاً کوئی شریک نہیں) اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کے صحیح صحیح اندازے، پیمانے اور قوانین مقرر کرنیوالا ہے۔

آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے وہ سب کا سب صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے

• وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ میں وَلِلّٰهِ جار مجرور مقدم لے حصر پیدا کیا ہے اسلئے اسکا معنٰی لکھا گیا ہے:۔ اور صرف اللہ ہی کیلئے ہے حکومت آسمانوں اور زمین کی۔ یہ جملہ اسیطرح کے جار مجرور مقدم کے حصر کیساتھ قرآن کریم میں تکرارِ کثیر آیا ہے۔ اسیطرح ذیل کا جملہ بھی قرآن مجید میں جار مجرور مقدم کے حصر کے تکرارِ کثیر کیساتھ آیا ہے:۔ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ = آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے وہ سب کا سب صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے۔ لہٰذا اسطرح آسمانوں اور زمین کی کسی بھی چیز پر نوعِ انسانی کا حقِ ملکیت قرار دینا اور اُسے نوعِ انسانی کے مصرف سے الگ کرکے غریب عوام کا استحصال کرنا شرک ہے۔

• اللہ تعالیٰ نے اس تصوّر کو قارئینِ قرآن کے ذہنوں میں اس شدت کیساتھ بٹھانے کا اہتمام فرمایا ہے کہ سورہ نساء کی تین آیتوں ۱۲۶، ۱۳۱، اور ۱۳۲ کی باہم قریب اور قریب ترین آیاتِ مقدسہ میں چار مرتبہ کے پے در پے تکرار کیساتھ یہی جملہ لایا گیا ہے لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ = آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے وہ سب کا سب صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے۔ دیکھئے! یہ ہے آیتِ مجیدہ ۴/۱۲۶:۔

• وَلِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطًا ۴/۱۲۶ = اور حقیقت یہ ہے کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ

بھی ہے وہ سب کا سب صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے اور اللہ اوپر ہر چیز کے احاطہ کئے ہوئے ہے (یعنی اسکی ملکیت پر جو کوئی اپنا حقِّ ملکیت جما بیٹھے وہ اُسے اچھی طرح جانتا بھی ہے اور اُسکو اِس شرک کی پوری پوری سزا دینے کی طاقت رکھتا ہے)۔

● اِس سے آگے اِسی ضمن کی دُوسری قریبی آیت ذیل ہے ۴/۱۳۱۔ جو شروع بھی لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ سے ہوتی ہے اور ختم بھی ہوتی ہے اِسی جملے پر۔ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِيَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ ۭ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَنِيًّا حَمِيْدًا ۝ ۴/۱۳۱ = اور حقیقت یہ ہے کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے وہ سب کا سب صرف اور صرف اللہ کی ملکیت ہے۔ اور البتہ تحقیق ہم نے اُن لوگوں کو بھی یہی وصیّت کی ہے، جو تم سے پہلے کتاب دیئے گئے ہیں۔ اور تمہیں بھی یہی وصیّت کی ہے کہ (اللہ تعالیٰ کے حقِّ ملکیت میں شرک نہ کرنا) اور اگر تم اسکا انکار کردو تو (تمہارے انکار سے حقیقت نہیں بدل سکتی) پس (تیسری مرتبہ پھر سُن لو کہ) آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے، وہ سب کا سب صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے۔ اور اللہ تعالیٰ تو (ان چیزوں کی ضرورت سے) بے محتاج ہے اور بہت تعریفوں والا ہے۔ (آسمانوں اور زمین کی سب چیزیں اُس نے تمہارے مشترکہ استعمال کیلئے پیدا کی ہیں اُسے اِن چیزوں کی کوئی ضرورت نہیں ہے)۔

● واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ نے اِس بلیغ وضاحت پر بھی بس نہیں کی، بلکہ اِس سے اگلی آیت مجیدہ ۴/۱۳۲، جو اِس سے قریب ترین متصلاً اگلی آیت ہے، اِسے پھر اِسی جملے سے شروع کیا ہے :- وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ۝ ۴/۱۳۲ = اور (چوتھی مرتبہ پھر سُن لو کہ) حقیقت یہ ہے کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے وہ سب کا سب صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے۔ اور کافی ہے اللہ کارساز۔ (یعنی انسان کی صحیح کارسازی اللہ تعالیٰ کے معیّنہ اِسی اصول میں مُضمر ہے کہ آسمانوں اور زمین کی ہر چیز کا مالک صرف اللہ تعالیٰ کو تسلیم کیا جائے)۔

● ۲ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ کے جملے میں اللہ تعالیٰ نے اِس چیز کی وضاحت کر دی ہے کہ وہ خود ہی ہر چیز کے اندازے پیمانے اور قانون مقرر کرنیوالا ہے۔ اب اِس پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اٹل فیصلہ کر دیا ہے کہ آسمانوں اور زمین کی ہر چیز کا مالک صرف اور صرف وہ خود ہے تو پھر اِس زمین میں نوعِ انسانی کے حقِّ ملکیت کے متعلق اُس نے کیا اندازہ پیمانہ اور قاعدہ قانون متعین فرمایا ہے۔ اِس سوال کا جواب اللہ تعالیٰ نے ۲/۳۶ + ۷/۲۴ میں جار مجرور مقدّم کے حصر کیساتھ دیدیا ہوا ہے :- وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ۝ = (اے نوعِ انسانی!) زمین میں تمہارا حقِّ ملکیت صرف اور صرف یہ ہے کہ اِس میں تم سب کو بلا کرایہ مکان بھی میسّر ہو اور ضروریاتِ زندگی بھی سب کو زندگی کے آخری سانس تک متوازن اور مسلسل ملتی رہیں۔ دیکھئے لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ میں بھی جار مجرور مقدّم کا حصر ہے اور وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ میں بھی جار مجرور مقدّم کا حصر ہے۔ نیز دونوں جملوں کے ابتدائی الفاظ لِلّٰهِ اور لَكُمْ دونوں میں لامِ ملکیت کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے پوری کائنات اور انسان کا حقِّ ملکیت ہے زندگی کے آخری دم تک بلا کرایہ مکان اور متوازن ضروریاتِ زندگی۔ پس واضح رہے کہ اِن آیاتِ قرآنیہ کے مطابق کرّہ ارض سے اُسوقت تک فتنہ و فساد ختم نہیں ہو سکتا۔ جبتک کہ نوعِ انسانی اللہ تعالیٰ کے حقِّ ملکیت اور اپنے حقِّ ملکیت کی حدود کی نگہداشت نہ کرے، اور جبتک حقِّ ملکیت کے اِس شرک سے کنارہ کش نہ ہو جائے۔ چنانچہ سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ ۳/۱۹۰ میں عقلمندوں کا نشان بتایا گیا ہے۔ کہ وہ

مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ کی ہر ایک چیز کو صرف اللہ تعالیٰ کی ملکیت مانتے ہیں۔ اور اشیاءِ کائنات کو اپنی ملکیت قرار دینے کی بجائے، مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ کی تخلیق میں غور کرتے رہتے ہیں اور اس عظیم کارگاہِ حیات کے متعلق اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ اسکی ہر چیز اپنے اپنے مقام پر ٹھیک بھی ہے اور ضروری بھی ہے۔ خالقِ کائنات نے اس کی کوئی بھی چیز عبث اور بیکار ہرگز پیدا نہیں فرمائی:-

اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ
بیشک بیچ پیدائش آسمانوں اور زمین کے اور بیچ گھٹنے بڑھنے
الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ۱۹۰
رات اور دن کے البتہ نشانیاں ہیں واسطے عقلمندوں کے

بیشک آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں (کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں کس حکیمانہ انداز کیسا تھ پیدا فرمایا ہے) اور رات اور دن کے مسلسل گھٹتے اور بڑھتے رہنے میں بلاشبہ عقلمندوں کیلئے بہت سی نشانیاں ہیں۔ (جو ان پر غور کرتے ہیں)۔

● دیکھئے! آیت بالا میں آسمانوں اور زمین کی تخلیق پر تفکّر، اور رات اور دن کے مسلسل گھٹتے بڑھتے رہنے کے اسباب پر غور کرنا عقلمندوں کا نشان بتلایا گیا ہے۔ بالفاظِ دیگر عقلمند وہ ہیں جو غور کرتے ہیں کہ آسمانوں اور زمین کو کسطرح ٹھیک ٹھیک پیدا فرمایا ہے، نیز وہ اُن طبیعاتی اسباب پر غور کرتے ہیں جن کے ذریعہ رات اور دن کا تسلسل جاری ہے۔ ان الفاظ میں زمین کی محوری گردش پر غور کرنیکی دعوت دیگئی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے معیّنہ اور مقرر کردہ اُن اسباب پر غور کرنا جن کی بدولت دن اور رات الگ الگ دو حصّوں میں مسلسل تقسیم ہوتے چلے آرہے ہیں نیز اِخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ کے الفاظ میں زمین کی سالانہ گردش پر غور و فکر کی دعوت بھی موجود ہے جس کے مطابق دن رات مسلسل گھٹتے بڑھتے رہتے ہیں یعنی اُن قدرتی مخفی اسباب کو معلوم کرنے کی تاکید کیگئی ہے، جنہیں اللہ تعالیٰ نے ان امور یعنی دن رات کے گھٹنے بڑھنے کی اساس و بنیاد قرار دیا ہے۔

قرآن کریم اور علم طبیعات

● سورہ انبیاء اور سورہ یٰسٓ میں بتایا گیا ہے کہ جملہ اجرامِ فلکی فضا میں گھوم رہے ہیں:-

● وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۝ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ ۝ لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ۝ $\frac{۳۶}{۳۸ تا ۴۰}$ = اور جو سورج ہے، وہ اپنے اُس مدار پر محو گردش ہے جو اُسکے لئے مقرر کیا گیا ہے یہ غالب علم والے کیطرف سے معیّن کردہ اندازہ ہے۔ اور جو چاند ہے، اُسکے لئے ہم نے منزلیں مقرر کردی ہیں حتّٰی کہ وہ کھجور کی کُہنہ شاخ کی شکل میں لوٹ آتا ہے سورج کیلئے یہ لائق نہیں کہ وہ چاند کو پکڑ لے (ان دونوں کیلئے فضا میں الگ الگ راستے مقرر کئے گئے ہیں) اور نہ رات دن سے آگے نکل جانیوالی ہے حقیقت یہ ہے کہ جملہ اجرامِ فلکی فضا میں (الگ الگ اپنے اپنے مدار پر) گھوم رہے ہیں۔

روائتی تفاسیر اور علم طبیعات

زمین گائے کے سینگوں پر ہے۔ اور سمندر کا مدّوجزر اُسی گائے کے سانس سے پیدا ہوتا ہے۔

● یہ تو ہوا قرآنِ کریم کی رُو سے علمِ طبیعات کا آئینہ، کہ زمین سمیت جملہ اجرامِ فلکی اپنے اپنے مدار پر فضا میں محوِ گردش ہیں۔ لیکن اب روائتی تفاسیر کا علمِ طبیعات ملاحظہ فرمائیے کہ آنحضور سلام علیہ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے ذمہ یہ لگایا گیا ہے کہ زمین فضا میں محوِ گردش نہیں بلکہ ایک فرشتے کے ہاتھوں اور

ایک گائے کے سینگوں پر ٹکی ہوئی ہے۔ اِسوقت ہمارے سامنے مطبع مرتضوی دہلی کی مطبوعہ جامع التفاسیر کھُلی پڑی ہے، جس کے پارۂ تَبٰرَكَ الَّذِی کے صفحہ ۲۹۵ پر سُورہ نون کے پہلے حرفِ مقطعہ نٓ کی تفاسیر کے ضمن میں بحوالۂ تفاسیر بحر العلوم اور معالم التنزیل بروایتِ حضرت کعبؓ احبار یہ درج ہے کہ:۔

● "رُوایت کیا مفسّروں نے کہ حق تعالیٰ نے بعد پیدا کرنے زمین کے، ایک فرشتے کو زیر عرش حکم کیا تو (اُس نے) ساتوں زمینوں کے نیچے جاکر زمین کو اپنے دونوں ہاتھوں پر اُٹھایا۔ ایک ہاتھ اسکا مشرق میں ہے اور دُوسرا مغرب میں۔ لیکن اسکے قدموں کیلئے ٹھہرنے کی جگہ نہ تھی۔ حق تعالیٰ نے ایک گائے جنت سے بھیجی کہ چالیس ہزار سینگ اور چالیس ہزار پاؤں رکھتی ہے[۱]۔ اور جواہر سبز کہ دل اُسکا بمسافت پانچ سو برس کے ہے، جنت سے لگ کر درمیان کوہان اور کان اُس گائے کے رکھا گیا۔ اور قدم اُس فرشتے کے اُس پاؤں پر ٹھہرے۔ اور سینگ اُس گائے کے اطراف زمین سے باہر نکلے ہُوئے ہیں[۲]۔ اور نتھنے گائے کے دریا (سمندر) میں ہیں۔ ہر روز ایک بار دم لیتی ہے۔ مدِّ بحر یعنی پھیلنا دریا (سمندر) کا اُسکے دم لینے سے ہے۔ اور جب دم (سانس) اندر لے جاتی ہے، جزر بحر یعنی سمٹنا اُس (سمندر) کا اُس سے ہوتا ہے[۳]۔ (اِس سے آگے جامع التفاسیر کے زیرِ نظر اقتباس میں یہ لکھا ہے):۔

● اور چونکہ گائے کے پاؤں کیلئے جگہ ٹھہرنے کی نہ تھی۔ حق تعالیٰ نے صخرہ یعنی پتھر کا ٹکڑہ بقدر دل ساتوں آسمانوں اور ساتوں زمینوں کے پیدا کیا۔ اور اُس گائے کے پاؤں کے نیچے رکھا۔ اور اسکے پاؤں اُس پتھر پر ٹھہرے۔ اور صخرہ، کہ بیچ قول لقمان فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ کے مذکور ہے۔ وہ یہی صخرہ ہے[۴]۔ اور (اب) چونکہ صخرہ کے ٹھہرنے کی جگہ نہ تھی، حق تعالیٰ نے نون یعنی مچھلی بڑی پیدا کی اور اُس صخرہ کو اُسکی پیٹھ پر رکھا۔ اور تمام بدن مچھلی کا خالی ہے۔ اور وہ مچھلی دریا میں لپٹ ہوا پر اور ہوا قدرت الٰہی پر ہے بوجھ ساری دُنیا کا اور اُن چیزوں کا کہ دُنیا میں ہیں، دو حرف ہیں کتاب اللہ سے۔ فرمایا اُسکو جبّار یعنی کہا اللہ تعالیٰ نے کُن، یعنی ہو جا تو بس ہو گئی۔ کہا کعبؓ احبار نے کہ جس مچھلی کی پیٹھ پر زمین ہے، اُسکو وسوسہ دلایا ابلیس نے، کہا اُسکو کہ آیا جانتی ہے تُو کہ کیا تیری پیٹھ پر ہے لے بوٹھا ا۔ طرح بطرح کی اُمّتیں اور جانور اور درخت۔ کاش کہ جھڑ جھڑا کر پھینک دے تُو اُن کو اپنی پیٹھ سے تو اچھا ہے[۵]۔ (اس سے آگے لکھا ہے کہ):۔

● پس قصد کیا لیوثا نے اِس بات کے کرنے کا۔ پس بھیجا اللہ تعالیٰ نے ایک جانور کہ داخل ہُوا اُس مچھلی کے نتھنے میں۔ پس پہنچا وُہ اُس مچھلی کے دماغ تک۔ پس فریاد کی مچھلی نے اُس سے طرف اللہ تعالیٰ کے۔ پس حکم کیا اُس جانور کو نکلنے کا۔ پس نکلا وہ۔ کہا کعبؓ نے پس قسم ہے اُس ذات کی، کہ جان میری اسکے ہاتھ میں ہے۔ بلاشبہ وہ مچھلی دیکھتی ہے طرف اُس جانور کے اور وہ جانور اُس مچھلی کو دیکھ رہا ہے کہ اگر وُہ مچھلی کرے کچھ اِس میں سے یعنی جھڑ جھڑا دے مخلوق کے پھینکنے کیلئے۔ تو بیٹھ جاوے وہ اسکے نتھنے میں جیسے کہ پہلے تھا[۶]۔ بحر مثا" (یعنی بحوالۂ بحر العلوم معالم التنزیل حاشیہ تفسیر جامع التفاسیر[۷] شاہ عبد العزیز رحمت اللہ علیہ نے بھی یہ قصہ اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے"۔

(جامع التفاسیر کا اقتباس ختم ہُوا۔ اب ضمنی فٹ نوٹ ملاحظہ فرمائیں)

[۱] ● قرآن کہتا ہے كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ۲۱/۳۳ + ۳۶/۴۰ کہ زمین سمیت تمام اجرام فلکی فضا میں معلّق ہیں اور محوِ گردش ہیں۔

لیکن ملاحظہ فرمایا آپنے روائتی تفاسیر کا علم الافلاک کہ زمین ایک فرشتے کے ہاتھوں پر، اور ایک گائے کے سینگوں پر ٹکی ہوئی ہے۔

• ۲۲ پھر اُس گائے کے چالیس ہزار سینگ ہیں جو اطراف زمین سے باہر نکلے ہوئے بھی ہیں۔ افسوس ہے کہ جن لوگوں نے اسوقت زمین کا چپہ چپہ چھان مارا ہے اُنہیں زمین کے اطراف میں محولہ بالا چیستانی گائے کے چالیس ہزار سینگوں میں سے کوئی ایک سینگ بھی آجتک نہیں ملا۔

• ۲۳ نیز روائتی تفاسیر کا علم البحور یعنی سمندروں کا علم بھی آپنے ملاحظہ فرمالیا ہے کہ سمندر میں جو مدّ و جذر پیدا ہوتا ہے، الگ الگ اُس گائے کے سانس لینے سے پیدا ہوتا ہے۔ جب محولہ بالا گائے سانس باہر نکالتی ہے تو سمندر میں مدّ یعنی پھیلاؤ پیدا ہوتا ہے اور جب وہ اپنا سانس اندر لے جاتی ہے تو سمندر میں جذر یعنی سکیڑ پیدا ہوتا ہے۔ یہاں پہنچکر ہوسکتا ہے کہ آپ یہ سوال کریں کہ جب گائے نے بقولِ تفسیر بحر العلوم اور معالم التنزیل، زمین کو اُسکے سمندروں سمیت اپنے سینگوں پر اٹھایا ہوا ہے اور مشاہدہ یہ ہے کہ سمندر سطح زمین کے اوپر واقع ہیں۔ تو اسطرح محولہ گائے کے سانس کا زمین کے ہزاروں میل موٹے دَل میں سے گزر کر سطح زمین کے سمندروں تک پہنچنا ممکن ہی نہیں۔ تو پھر یہ امر کسطرح ممکن ہوسکتا ہے کہ مذکورہ بالا گائے کا سانس سمندر کے پانی پر اثر انداز ہو کر اُس میں مدّ و جذر پیدا کرسکے۔

• آپکے اِس سوال کا عجیب و غریب جواب بھی اقتباس بالا کے اندر موجود ہے کہ اگرچہ گائے نے زمین کو اپنے چالیس ہزار سینگوں پر اُٹھایا ہوا ہے، اور نیز اگرچہ سطح زمین پر کے سمندر گائے کے نتھنوں کی پہنچ سے مطلقاً باہر ہیں، لیکن وہ گائے ایسی عجیب الخلقت ہے کہ زمین گائے کے سینگوں پر ہے اور گائے کے نتھنے سطح زمین کے ہزاروں میل موٹے دَل کو پار کرکے سطح زمین پر کے سمندروں کے پانی کے اندر گھسے ہوئے ہیں۔ العجب ثم العجب! چنانچہ جب وہ گائے سانس باہر نکالتی ہے تو سمندروں میں مدّ آتی ہے اور جب وہ اپنا سانس اندر لے جاتی ہے تو سمندروں میں جذر پیدا ہوتی ہے۔ کیا مدّ و جذر کے اِس روائتی فارمولے کو کرۂ ارض کے ماہرین علم طبیعات قبول کرنے کو تیار ہوسکتے ہیں؟ نیز کیا یہی وہ چیستانی علم الطبیعات ہے جو حضرت کعبؓ احبار کی روائت سے آنحضور سلام علیہ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ العیاذ باللہ!

• ۲۴ صخرۃ کا معنی ہے کوئی پتھر۔ لیکن روائتی تفاسیر نے سورہ لقمان ۳۱/۱۶ میں مذکور حضرت لقمان نے بیٹے کو جو نصیحت فرمائی اور کہا تھا کہ:۔ یٰبُنَیَّ اِنَّهَآ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِیْ صَخْرَةٍ اَوْ فِی السَّمٰوٰتِ اَوْ فِی الْاَرْضِ یَاْتِ بِهَا اللّٰهُ ۳۱/۱۶ = اے میرے بیٹے اگر کوئی عمل رائی کے دانے کے برابر ہو اور وہ کسی پتھر میں بھی ہو (یعنی وہ کسی پتھر کی کھوہ کی انتہائی پوشیدگی میں کیا گیا ہو) یا وہ فضاؤں میں انتہائی مخفیانہ انداز سے کیا گیا ہو۔ یا زمین کے کسی مخفی مقام پر کیا گیا ہو تو پھر بھی اللہ تعالیٰ اُسے مکافات عمل کے دن حساب میں لے آئیگا۔ یہ ہے سورہ لقمان میں مذکور لفظ صخرہ کا قرآنی مفہوم۔ لیکن اقتباس بالا میں روائتی تفاسیر نے مذکورہ چیستانیات کے ساتھ ہی ۳۱/۱۶ سورہ لقمان میں مذکور لفظ صخرہ کا یہ چیستانی مفہوم پیش کردیا ہے کہ یہ وہی صخرہ ہے جو روائتی تفاسیر کی محولہ بالا چالیس ہزار پیروں اور چالیس ہزار سینگوں والی چیستانی گائے کے ٹھہرنے کیلئے پیدا کیا گیا تھا۔ وہ مذکورہ گائے کے چالیس ہزار پیروں کے نیچے ہے۔ غور فرمایا آپنے کہاں اِس مسئلہ کی تفسیر القرآن بالقرآن کہ زمین سمیت جملہ اجرام فلکی فضا میں محو گردش ہیں:۔ کُلٌّ فِیْ

فَلَکٍ یَّسْبَحُوْنَ ۲۱/۳۳ + ۳۶/۴۰۔ مگر روائتی تفاسیر کا کہنا ہے کہ زمین فضا میں محوِ گردش نہیں، بلکہ ایک فرشتے کے دو ہاتھوں اور ایک گائے کے چالیس ہزار سینگوں پر پڑی ہوئی ہے۔ اور وہ گائے اُسی صَخرہ پر اپنے چالیس ہزار پاؤں ٹکائے کھڑی ہے۔ جس کا ذکر ۳۱/۱۶ میں فَتَکُنْ فِیْ صَخْرَۃٍ میں ہے۔

• ۵ روائتی تفاسیر کا ابلیس بھی ایک خوب تر اور عجیب ترین مقرب ہے کہ وہ صَخرہ، جس پر اللہ تعالیٰ نے بقول روائتی تفاسیر اُس گائے کو کھڑا کیا ہوا ہے جس نے زمین کو اپنے چالیس ہزار سینگوں پر اُٹھا رکھا ہے، جب اُس صَخرہ کو لیوثا نامی روائتی مچھلی کی پشت پر رکھا تو جھٹ ابلیس آگیا اور لیوثا کو یہ کہکر ورغلانا شروع کر دیا کہ تیری پیٹھ پر تو سات زمینیں رکھدی گئی ہیں۔ تو ذرا اپنے جسم کو جھرجھرا اور اسے اپنی پیٹھ سے نیچے پھینک دے۔ یہاں پر سائل سوال کر سکتا ہے کہ بقولِ روایات ابلیس تو راندۂ درگاہ اُسوقت ہوا جب اُس نے حضرت آدم کو سجدہ نہ کیا۔ اِس سے پہلے تو وہ بقولِ روایات معلّم الملکوت تھا۔ تو اِسطرح جب ابھی نوعِ آدم پیدا ہی نہیں ہوئی تھی اور ابلیس ابھی معلّم الملکوت کے عہدہ ہی پر فائز تھا تو اُسوقت اُس نے اللہ تعالیٰ کی مخالفت کیوں کی؟ افسوس ہے کہ روائتی تفاسیر میں خود اپنے پیش کردہ تصوّرات کے سیاق وسباق میں بھی تطابق پیدا کرنے کی زحمت گوارا نہیں فرمائی گئی۔ اور ہم ہیں کہ سبحان اللہ سبحان اللہ کہکر ہر چیز کو تسلیم کرتے چلے آرہے ہیں۔

• ۶ اقتباس بالا میں مذکورہ زمین کے قیام کا عجیب وغریب اہتمام بتایا گیا ہے کہ زمین گائے کے سینگوں اور فرشتے کے دو ہاتھوں پر ہے۔ فرشتہ ایک یاقوت کے ٹکڑے پر کھڑا ہے جو جنت سے اُڑھاکر گائے کے کوہان اور کانوں کے درمیان رکھا ہوا ہے۔ اور گائے صَخرہ (چٹان) پر کھڑی ہے۔ اور صَخرہ لیوثا مچھلی کی پیٹھ پر دھرا ہوا ہے۔ جب ابلیس نے لیوثا کو ورغلایا تو اُس نے ارادہ کیا کہ جسم کو جھرجھرا کر زمین سمیت صَخرہ، گائے اور فرشتے کو نیچے پھینک دے، تو معًا اللہ تعالیٰ نے ایک جانور پیدا کیا جو مچھلی کے نتھنوں میں پہنچکر اُسکے لئے وجۂ عذاب بنا۔ مچھلی نے تنگ آکر اپنے ارادے سے توبہ کی تو اللہ تعالیٰ نے مذکورہ جانور کو نکلنے کا حکم دیا۔ مگر مچھلی کے سامنے بٹھا دیا تاکہ وہ جب بھی جھرجھرانے کا ارادہ کرے تو یہ اُسکے بھیجے میں گھس کر اسکا دماغ درست کردے۔ اور اب حالت یہ ہے کہ مچھلی اُس جانور کو دیکھ رہی ہے اور وہ جانور مچھلی کو دیکھ رہا ہے۔ برادرانِ عزیز! کُلٌّ فِیْ فَلَکٍ یَّسْبَحُوْنَ ۲۱/۳۳ + ۳۶/۴۰ کے مطابق قرآنی علم طبیعات تو یہ ہے کہ زمین سمیت سب کے سب اجرام فلکی فضا میں محوِ گردش ہیں۔ سب کے سب اپنے اپنے اُن مداروں پر چل رہے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اُنکے لئے الگ الگ مقرر کر رکھے ہیں۔ وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ۭ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۳۶/۳۸ ــــ لیکن غور فرمائیں کہ اِس نظامِ ربانی کے خلاف روائتی تفاسیر کے بتائے ہوئے اِس نظام سے معقول نظام اور کونسا ہو سکتا ہے کہ لیوثا مچھلی اور مذکورہ جانور آمنے سامنے پڑے ہیں، دونوں ایکدوسرے کو دیکھ رہے ہیں۔ اور مذکورہ جانور ہر آن اِس گھات میں ہے کہ اگر لیوثا ذرا بھی جھرجھرانے کا ارادہ کرے تو وہ اُسکے نتھنوں میں گھس کر زمین کو گرنے سے بچالے۔ یا للعجب ثم یا للعجب!

رجوع الی المطلب

• ہم نے سلسلۂ درس کو آئت مجیدہ ۱۹۰ پر چھوڑا تھا جسمیں عقلمندوں کا نشان بتایا گیا ہے کہ آسمانوں اور زمین کی تخلیق اور رات اور دن کے گھٹنے بڑھنے میں اُنکے لئے بہت سی نشانیاں ہیں۔ بالفاظِ دیگر سلسلۂ درس کی آئت مجیدہ زیر بحث ۳/۱۹۰ میں آسمانوں اور زمین کی تخلیق پر اور رات دن کے گھٹنے بڑھنے پر عقلمندوں کو غور کرنے کی دعوت دیگئی ہے۔ چنانچہ سلسلۂ درس کی اگلی آئت مجیدہ میں اِنہی کے متعلق بتایا گیا ہے کہ وہ صلوٰۃ موقّت کو کھڑے بیٹھے اور لیٹے ہر حالت میں

ادا کرنے اور آسمانوں اور زمین کی تخلیق پر غور کر کے ذیل کے صحیح نتیجے پر پہنچتے ہیں:۔

الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّ
وہ لوگ ذکر کرتے ہیں اللہ کا کھڑے اور بیٹھے اور

عَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ
اوپر کروٹوں اپنی کے اور وہ تفکر کرتے ہیں بیچ تخلیق آسمانوں کے

وَالْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ
اور زمین کے۔ رب ہمارے نہیں پیدا کیا تو نے یہ غلط پاک ہے تو

فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ ۱۹۱
پس بچا ہم کو سزا آگ سے

(یہ عقلمند) وہ لوگ ہیں جو اپنے اللہ (خالق کائنات) کا کھڑے بیٹھے اور لیٹے ذکر کرتے ہیں۔ (یعنی صلوٰۃ موقت بھی باقاعدہ ادا کرتے ہیں ۲/۲۳۹ علہ) اور وہ آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں تفکر یعنی غور بھی کرتے ہیں (اور غور و فکر کے صحیح نتیجے پر پہنچنے کے بعد بے اختیار پکار اٹھتے ہیں کہ) اے ہمارے نشوونما دینے والے تو نے یہ (یعنی اس کارخانۂ کائنات کی کوئی چیز بھی) غلط پیدا نہیں کی۔ (سب کچھ اپنے مقام پر صحیح اور فٹ ہے) پس (ہماری آرزو یہ ہے علہ کہ ہم ایسا نظام قائم کریں کہ) تو ہمیں (ناہموار معاشرہ کی) آگ کے عذاب سے بچالے۔

● علہ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ کا معنیٰ لکھا گیا ہے کہ وہ اللہ کا ذکر یعنی صلوٰۃ موقت ادا کرتے ہیں۔ ذکر بمعنی صلوٰۃ ۲/۲۳۹ سے ثابت ہے۔ حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ...... فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا ۚ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ ۲/۲۳۸-۲۳۹۔ دیکھئے ان آیات کریمہ کے تین جملے ہیں۔ پہلے جملے میں جس چیز کو صلوٰۃ کہا ہے۔ اسی چیز کو تیسرے جملے میں ذکر کہا گیا ہے۔ اور آیت مجیدہ کا مفہوم یہ ہے:۔ حفاظت کرو تمام صلوٰتوں کی خصوصاً درمیانی صلوٰۃ کی حفاظت کیا کرو...... پھر اگر تمہیں کوئی خوف لاحق ہو تو اللہ کا ذکر کر لیا کرو (یعنی دعاء صلوٰۃ ادا کر لیا کرو۔ اگر تم پیدل چل رہے ہو تو پیدل چلتے چلتے اور اگر سوار ہو تو سواری کی حالت میں۔ پھر جب تمہیں امن میسر آجائے تو اللہ کا ذکر (صلوٰۃ ادا) کیا کرو پورے آداب و شرائط کیساتھ جس طرح تمہیں اللہ نے تعلیم دی ہے۔

● علہ پیشتر ازیں اس امر کی وضاحت کیجا چکی ہے کہ دعا اپنے آپکو مطلوبہ چیز کے حصول کیلئے کائناتی قوانین پر عمل کرنے کی تحریک ہوتی ہے۔ اس آیت میں بھی آگ کے عذاب سے بچنے کے ان احکام ربانی پر عمل کرنے کی تحریک ہے جو اللہ تعالیٰ نے مقرر کر رکھے ہیں۔ آگ کا عذاب دنیا میں بھی آتا ہے اور آخرت میں بھی آئیگا۔ چنانچہ دنیا و آخرت دونوں مقامات کی آگ سے بچنے کیلئے یہ قرآنی دعا سورہ بقرہ میں سکھائی گئی ہے:۔

● رَبَّنَآ اٰتِنَا فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِى الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ ۲/۲۰۱۔ اے ہماری نشوونما کا سامان کرنیوالے! ہمیں دنیا میں بھی حسنہ (سامان نشوونما) عطا فرما۔ اور آخرت میں بھی حسنہ (سامان نشوونما) عطا فرمائیو۔ اور ہمیں دنیا اور آخرت کے آگ کے عذاب سے بچائیو۔ ان دعاؤں میں اپنے آپکو تحریک سکھائی گئی ہے کہ باہمی ہم نشوونما کا ایسا اجتماعی نظام کرینگے جس کی بدولت ہم دنیا میں بھی نشوونما کی محرومی کی آگ کے عذاب سے بچ جائیں اور آخرت کی محرومی کی آگ سے بھی محفوظ ہو جائیں۔

● سورہ ھمزہ میں ناہموار معاشرہ کو انتہائی کھلے انداز میں آگ کہا گیا ہے۔ اور اسے ایسی آگ بتایا گیا ہے جو پورے افرادِ معاشرہ

کے ذہنوں میں ہر آن بھڑکتی رہتی ہے :۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِۣ ۙ الَّذِىْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ ۙ يَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗۤ اَخْلَدَهٗ ۚ كَلَّا لَيُنْۢبَذَنَّ فِى الْحُطَمَةِ ۖ وَمَاۤ اَدْرٰىكَ مَا الْحُطَمَةُ ؕ نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ ۙ الَّتِىْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ ؕ اِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ ۙ فِىْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ؏ ۱۰۴/۱تا۹ = اللہ رحمان ورحیم کے نام کیساتھ پڑھیگا اے صاحب قرآن! تباہی ہے ہر اُس غیبت کرنیوالے طعنہ دینے والے کیلئے، جو مال جمع کرتا اور اُسے گن گن کر رکھتا ہے۔ اور وہ گمان کرتا ہے کہ اُسکا مال اُسے ہمیشہ رکھیگا۔ یوں نہیں (بلکہ) وہ ضرور حطمہ میں پھینکا جائیگا۔ اور کیا ہے وہ ذات جو آپکو بتاتی ہے کہ حطمہ کیا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی (مقرر کردہ ناہموار معاشرہ کی دھکتی ہوئی) آگ ہے، جو ذہنوں کو جلاتی ہے۔ بیشک وہ (ناہموار معاشرہ کے) تمام لوگوں کو گھیرے ہوئے ہے، بیچ اُنکے لمبے لمبے ارادوں کے۔

● ترجمہ کے خط کشیدہ الفاظ پر پوری طرح غور فرمائیں کہ یہ آگ وہ ہے جو ذہنوں کو جلاتی ہے جسم کو نہیں۔ اور اُن لوگوں کو گھیرے ہوئے ہے جو ہر آن لمبے لمبے ارادے لئے رکھتے ہیں۔ یہ ذہنوں کو جلانے والی آگ جو لمبے لمبے ارادوں میں پھنسے ہوئے لوگوں کے ہر آن ذہنوں کو جلاتی رہتی ہے، غیر متوازن معاشرہ ہی کی آگ ہے کہ ہر شخص مکان، کوٹھی، باغ، زمین اور بڑی بڑی جائیدادوں کے حصول کے لمبے لمبے ارادوں میں پھنسا ہوا ہے۔ اور ہر شخص اپنے سے زیادہ مال والے کو دیکھ کر جلتا رہتا ہے۔ اور یہ آگ جسم کو نہیں، ذہنوں کو جلاتی ہے تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ۔ سلسلۂ درس کی آیت زیر بحث ۱۹۱ میں عقلمندوں کا نشان بتایا گیا ہے کہ وہ کائنات کی تخلیق پر غور کرکے اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ اس کارگاہِ حیات کی کوئی چیز بھی بیکار پیدا نہیں کی گئی۔ ہر چیز اپنے مقام پر صحیح، فٹ اور ضروری ہے۔ کسی بھی چیز میں کوئی نقص موجود نہیں۔ اسی چیز کو سورۂ ملک میں بالفاظ ذیل بیان کیا گیا ہے :۔

● فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۙ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ ۚ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيْرٌ ۶۷/۳-۴ = اے مخاطب! پس تو اپنی نگاہِ بصیرت کو (کائنات کے طول و ارض کیطرف) پھیر۔ کیا تو اس میں کہیں بھی کوئی نقص پاتا ہے؟ پھر دوسری مرتبہ دوبارہ اپنی نگاہِ بصیرت کو پھیرلے۔ (مگر نتیجہ یہ ہوگا کہ کارخانۂ قدرت میں عیب تلاش کرنے کے ضمن میں) وہ تیری طرف ناکام اور تھکی ہاری لوٹ آئیگی۔ (کارگاہِ حیات کے کسی گوشے میں بھی اُسے اللہ کی تخلیق میں کوئی عیب دکھائی نہیں دیگا — بلکہ ہر چیز مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا کی جیتی جاگتی تصویر بن کر سامنے آئیگی۔

● واضح رہے کہ سلسلۂ درس کی آیت زیر نظر ۳/۱۹۱ میں جو دعائیہ الفاظ آئے ہیں۔ وہ فلسفۂ دعا کے مطابق اپنے آپکو عمل کی تحریک ہیں اور مفہوم یہ ہے کہ عقلمند لوگ یہ چاہتے ہیں کہ زمین میں ایسا معاشرہ قائم کیا جائے جسمیں سب لوگ عدم توازن کی آگ سے محفوظ ہوں۔ چنانچہ اگلی آیت مجیدہ میں عقلمندوں کی دعا کے باقی الفاظ باندازِ ذیل بیان کئے گئے ہیں۔ جن میں اپنے آپ کو عمل ہی کے ذریعہ حصولِ مدعا کی تحریک مضمر ہے :۔

(وہ عقلمند لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ) اے ہمارے نشوونما دینے والے بیشک جس قوم کو تونے (اُسکے اپنے عملوں کی بدولت ناہموار معاشرہ کی) آگ میں	رَبَّنَاۤ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَيْتَهٗ ؕ رب ہمارے بیشک تونے جسے داخل کیا آگ میں پس بیشک تونے رسوا کیا اُسے

وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ۝ ۱۹۲
اور نہیں واسطے ظالموں کے کوئی مددگار

داخل کیا۔ تو بیشک تو نے اُسے (اُنکی اپنی کرتوتوں ہی کی بدولت) ذلیل کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ ظالموں (یعنی غیر متوازن معاشرہ والوں) کا کوئی بھی مددگار نہیں ہے ۲۔

• ۱۔ واضح رہے کہ بندوں پر جو بھی ذلت و رسوائی اور تکلیف و مصیبت آتی ہے وہ اُنکے اپنے ہی ہاتھوں کی پیدا کردہ ہوتی ہے ؛۔ وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ۝ ۴۲/۳۰ = لوگو! تم پر جو بھی مصیبت آتی ہے وہ تمہارے اپنے ہی ہاتھوں کی پیدا کردہ ہوتی ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ تو تمہارے بہت سے قصور معاف کرتا رہتا ہے ۔۔ وہ ناہموار معاشرہ، خود انسانوں ہی کے ہاتھوں عالم وجود میں آتا ہے جسمیں سب لوگوں کے ذہن چلتے رہتے ہیں ۱/۴۔

• ۲۔ کسی بھی معاشرہ میں، عوام کے جملہ افراد کی مدد، خود معاشرہ میں تسلیم کئے گئے قوانین کے مطابق کیجاتی ہے لیکن ناہموار معاشرہ میں اوّل تو نوعِ انسانی کے جملہ افراد کے حقوقِ ربوبیت متوازن انداز کیساتھ تسلیم ہی نہیں کئے جاتے۔ پھر دوسرے یہ کہ ناہموار معاشرہ میں چونکہ ہر فرد انفرادی منفعت کوشی میں سرگرداں رہتا ہے اسلئے حقیقتاً کوئی بھی کسی کا مددگار نہیں ہوتا۔ ہر شخص اپنے فائدے کو دوسرے کے جائز حقوق تک پر ترجیح دیتا ہے۔ اسی لئے قرآنِ کریم میں ایک اجتماعی نظام کے قیام کا حکم دیا گیا ہے جسمیں انفرادیت کا تصور تک موجود نہ ہو۔ اور یہی ایک صورت ہے معاشرہ کے افراد کے ایک دوسرے کے مددگار بننے کی، کہ اجتماعی نظام میں ہر شخص دوسرے شخص کے معاون و مددگار کی حیثیت سے اپنا فرضِ منصبی ادا کرتا ہے۔

• سلسلۂ درس کی اگلی دو آیتوں میں ۳/۱۹۰ والے اُولی الالباب کی دُعا کے وہ باقی الفاظ بیان ہوئے جو رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سے شروع کرکے صلوٰۃِ موقّت میں پڑھے جائینگے۔

رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ
رب ہمارے تحقیق سنا ہمنے ایک پکارنیوالا پکارتا ہے واسطے ایمان کے یہ کہ

اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ۖ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَ
ایمان لاؤ ساتھ رب اپنے کے پس ہم ایمان لائے رب ہمارے ڈھانپ واسطے ہمارے قصور ہمارے اور

كَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ۝ ۱۹۳
دُور کر ہم سے بدحالیاں ہماری اور فوت کر تو ہمیں ساتھ نیکوں کے

(وہ عقلمند لوگ حضورِ الٰہی میں کہتے ہیں) اے رب ہمارے بلاشبہ ہم نے ایک پکارنے والے کی پکار کو، جو پکارتا ہے ایمان کیلئے۔ یہ کہ ایمان لاؤ اپنے نشوونما دینے والے پر (یعنی ربوبیتِ عامہ کی اساس پر نظامِ معاشرہ قائم کرو) پس ہم ایمان لائے ہیں۔ اے نشوونما دینے والے (ہماری آرزو یہ ہے کہ ہم ایسے عمل بجالائیں جن کی بدولت) تو ہمارے قصور ڈھانپ لے اور ہم سے ہماری بدحالیاں دُور کردے! اور ہمارا انجام نیک لوگوں کیساتھ کر

رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَ
رب ہمارے اور دے ہمیں جس کا وعدہ کیا تو نے ہم سے بذریعہ رسولوں اپنے کے اور

لَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۗ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ۝ ۱۹۴
نہ رسوا کر ہمیں دن قیامت کے بیشک تو نہیں خلاف کرتا وعدے کے

اے رب ہمارے (ہماری آرزو ہے کہ ہم ربوبیتِ عامہ کو شعار بنائیں) اور تو عطا کر ہمیں وہ (جنتِ ہموار معاشرہ ۲۰/۱۱۸-۱۱۹) جس کا تو نے ہم سے اپنے رسولوں کے ذریعہ وعدہ کیا ہے۔ اور تو ہمیں قیامت کے دن رسوا نہ کیجیو۔ بلاشبہ تو اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔

● ۱۹۲-۱۹۳ رَبَّنَا کے دُعائیہ الفاظ میں لفظ رب کا بنیادی معنی ہے ربوبیتِ عامہ، یعنی نشو و نما کے لحاظ سے نقطۂ آغاز سے شروع کر کے ربوبیت کے نقطۂ انجام تک پہنچانیوالا۔ نیز اس امر کی بھی ماقبل وضاحت کیجا چکی ہے کہ دُعا اپنے آپ کیلئے عمل کی تحریک ہوتی ہے۔ اسلئے رَبَّنَا کے بنیادی معنوں کے مطابق آیت مجیدہ کا یہی معنی صحیح ہو سکتا ہے کہ ہماری آرزو یہ ہے کہ ہم ربوبیتِ عامہ کو اپنا شعار بنائیں۔ اور تو ہمیں وہ جنت یعنی ہموار معاشرہ عطا کرے جسکا تو نے اپنے رسولوں کے ذریعہ ہم سے وعدہ کر رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا اوّلین وعدہ سورہ طٰہٰ میں مذکور ہے:۔ اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا تَعْرٰى ۝ وَاَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا وَلَا تَضْحٰى ۝ ۲۰/۱۱۸-۱۱۹ = (اے نوعِ آدم) بلاشبہ تیرے ایک ایک فرد کا پیدائشی حق ہے کہ تو اس جنت (ہموار معاشرہ) میں نہ بھوکا رہے نہ ننگا۔ نہ تو پیاسا رہے اور نہ (بے مکان ہو کر) تو دھوپ میں جلے۔

● ۱۹۴ "اور تو ہمیں قیامت کے دن رسوا نہ کیجیو" کے دُعائیہ الفاظ بھی اپنے آپکو عمل کی تحریک ہیں اور انکا مفہوم یہ ہے کہ:۔ بارِ الٰہا! ہماری آرزو یہ ہے کہ ہم ایسے عمل بجا لائیں، جنکی بدولت ہم قیامت کی رسوائی سے بچ جائیں۔ کیونکہ ہمارا ایمان ہے کہ تو اپنے وعدے کے خلاف ہرگز نہیں کرتا۔ جو لوگ رسوائی والے عمل بجا لاتے ہیں تو انہیں انکے اپنے اعمال ہی کی بدولت دُنیا میں بھی رسوا کرتا ہے اور قیامت کو بھی رسوا کریگا۔ اور تو رسوائی سے اُنہی لوگوں کو بچائیگا جو ایسے عملوں سے پرہیز کرتے ہیں جن کا نتیجہ تیرے قانون کے مطابق ذلت و رسوائی ہے۔ اور ۶/۳۴ + ۹/۱۱۵ + ۱۰/۶۴ + ۱۸/۲۷ کے مطابق تیرے قوانین ہرگز بدلنے والے نہیں۔

● اس سے اگلی آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ تخلیق کائنات میں تفکر کرنیوالوں اور مندرجہ بالا دعاؤں کے مطابق عمل کرنیوالوں کی دُعائیں اللہ تعالیٰ قبول کرتا ہے۔ سابقہ صفحات میں وضاحت کیجا چکی ہے کہ قبولیتِ دُعا کا مظہر نشان یہ ہے کہ جو بھی عمل کیا جائے اسکا مثبت نتیجہ شکل مشہود سامنے آجائے۔ چنانچہ اگلی آیت میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی ہجرت اور قتال فی سبیل اللہ کے عمل کا مثبت نتیجہ بھی بیان کر دیا گیا ہے کہ انہیں بہتی نہروں والی جنتیں یعنی ایسا ہموار معاشرہ عطا کرنے کا وعدہ کیا جا رہا ہے، جسمیں ضروریاتِ زندگی بہتی نہروں کی مانند ہر فردِ معاشرہ کو متوازن انداز کیساتھ میسر ہونگی:۔

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّىْ لَاۤ اُضِيْعُ عَمَلَ
پھر قبول کرتا ہے واسطے انکے رب انکا بیشک میں نہیں ضائع کرتا عمل
عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى ۚ بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ ۚ
عمل کرنیوالے کا تم میں سے، مذکر ہو یا مونث۔ بعض تمہارے ہیں بعض سے
فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَ
پھر جنہوں نے ہجرت کی اور وہ نکالے گئے گھروں اپنے سے اور
اُوْذُوْا فِىْ سَبِيْلِىْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ
وہ ایذا دیئے گئے بیچ راہ میری کے اور قتل کیا اور قتل ہوئے ضرور دور کرونگا

پھر (دعا کیساتھ عمل کرنیوالوں کی) دعا قبول کرتا ہے انکا پروردگار (اور کہتا ہے کہ) بیشک میں نہیں ضائع کرتا کسی بھی عمل کرنیوالے کا کوئی بھی عمل تم میں سے خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔ (حقیقت یہ ہے کہ) تم سب مرد اور عورتیں آپسمیں ایکدوسرے کا حصّہ ہو۔ پھر (تم میں سے جن لوگوں نے اللہ کے دین ۱۰۲/۹۱ ربوبیتِ عامہ کے قیام کیلئے) ہجرت کی، یعنی وہ اپنے گھروں سے نکالے گئے۔ اور انہیں میری راہ (قیام ربوبیتِ عامہ) میں تکلیفیں دی گئیں۔ (ان پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا گیا پھر ان پر جارحانہ حملے کئے گئے اسلئے) انہوں نے دشمنوں کو قتل بھی کیا اور خود

عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ
اُن سے بدحالیاں اُنکی اور ضرور داخل کرونگا انہیں باغوں میں بہتی ہیں
مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ
نیچے سے اُنکے نہریں - بدلہ ہے طرف سے اللہ کے
وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ۝ ۱۹۵
اور اللہ - طرف سے اُسکی ہے اچھا بدلہ

قتل بھی ہوئے[۲]۔ میں ضرور ضرور اُنکی بدحالیاں[۳] دُور کر دُونگا۔ اور ضرور ضرور اُنہیں ایسے باغوں (متوازن معاشرہ) میں داخل کرونگا جنکی سطح میں نہریں بہتی ہونگی (ضروریاتِ زندگی ہر فردِ معاشرہ کو بہتی نہروں کیطرح مسلسل و متوازن میسر آئینگی)۔ یہ بدلہ ہوگا اللہ کیطرف سے (خود اُنکے اپنے اعمال کا)[۴] حقیقت یہ ہے کہ اللہ وہ ہے جس کے پاس (اُنکی راہ میں تکلیفیں برداشت کرنیکا) اچھا بدلہ ہے[۵]۔

[۱] • صحابہ رضی اللہ عنہم کو جب اللہ کی راہ، یعنی قیامِ نظامِ ربوبیت میں بے پناہ تکلیفیں دی گئیں، حتیٰ کہ اُن پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا گیا تو اُنہیں ہجرت کرنا پڑی، یعنی اُن پر جینا مشکل کر کے اُنکے گھروں سے نکالدیا گیا۔ آنحضور[۳] کیساتھ بھی یہی سلوک ہوا۔ آپ کیلئے ذیل کے تین فیصلے کئے گئے :- وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ ؕ - اور وہ وقت قابلِ ذکر ہے جب (اے رسول!) آپکے متعلق نظامِ ربوبیت کے منکرین نے یہ تجویز کی کہ یا تو آپکو عمر قید کیا جائے۔ یا آپکو قتل کر دیا جائے اور یا (آپ پر عرصۂ حیات تنگ کر کے) آپکو نکالدیا جائے۔

[۲] • لیکن جب آنحضور اور صحابہ رضی اللہ عنہم ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچ گئے تو پھر وہاں بھی منکرینِ ربوبیت نے انہیں چین نہ لینے دیا۔ بلکہ پے در پے جارحانہ حملے کرتے رہے ۳۰/۸ + ۳/۱۶۵ + ۳۳/۱۰۔ اسلئے آنحضور اور صحابہ کو مدافعانہ جنگیں لڑنا پڑیں۔ جن میں صحابہ نے دشمنوں کو قتل بھی کیا اور خود قتل بھی ہوتے رہے۔

[۳] • لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ کا معنی لکھا گیا ہے کہ میں اُنکی بدحالیاں دُور کر دُونگا۔ لفظ سَيِّاٰت کا سہ حرفی مادہ ہے س۔و۔ء سوء۔ جس کا بنیادی معنی ہے بُرا، خراب، بد رنگی، بدحالی۔ ۱۳/۲۵ میں سُوْٓءُ الدَّارِ کے الفاظ آئے ہیں بمعنی بُرا گھر - بُرا گھر وہ ہوتا ہے جسمیں ضروریاتِ زندگی میسر نہ آئیں، جسمیں خوشحالی کی بجائے بدحالی کا دَور دَورہ ہو۔ اب آیئے لفظ لَاُكَفِّرَنَّ کیطرف جس کا الگ معنی لکھا گیا ہے۔ ضرور میں دُور کر دونگا۔ اس لفظ کا سہ حرفی مادہ ہے ک۔ف۔ر= کفر، جس کا بنیادی معنی ہے ڈھانپنا، دُور کرنا۔ انکار کرنا۔ آیت بالا میں اسکا معنی ہے دُور کرنا۔ المختصر! آیت بالا میں انسانی معاشرہ کی بدحالیوں کو دُور کرنے کا ایک ہی نسخہ بتایا گیا ہے کہ متوازن بدوش جنتی معاشرہ قائم کیا جائے جسمیں ضروریاتِ زندگی بہتی نہروں کیطرح میسر آتی ہوں۔

• روائتی تفاسیر و تراجم میں جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ سے صرف اُخروی جنت مراد لی جاتی ہے۔ حالانکہ اِس سے دُنیوی متوازن معاشرہ بھی مراد ہے۔ سورہ مائدہ میں بنی اسرائیل کے متعلق بتایا گیا ہے :- وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۚ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا ۭ وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّىْ مَعَكُمْ ۭ لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ۝ ۱۲/۵ = اور البتہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے ایک پکا عہد لیا۔ اور اُن میں (انتظامی سہولت کیلئے) بارہ منتظم مقرر کئے۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بیشک میں تمہارے ساتھ

ہوں۔ اگر تم نے اجتماعی نظام قائم کیا اور معاشرہ کے دُبلوں کو فربہی دی اور میرے رسولوں (موسیٰؑ و ہارونؑ) پر ایمان لائے اور انکی مدد کی اور (محروموں محتاجوں کی مدد کیلئے) اللہ تعالیٰ کو اچھا قرضہ دیا تو میں ضرور ضرور تمہاری بدحالیاں دُور کردونگا۔ اور تمہیں ایسے باغوں میں داخل کرونگا جن کی سطح میں نہریں بہتی ہونگی (یعنی تمہیں ضروریاتِ زندگی سے معمور بہتی نہروں والا متوازن معاشرہ عطا کردونگا) پھر جو کوئی بہتی نہروں والے باغات (متوازن معاشرہ) میسّر آنے کے بعد کفرانِ نعمت کریگا (یعنی ذاتی مفاد پرستی کی طرف جھکیگا۔ پس بلاشبہ وہ دُور کی گمراہی میں گمراہ ہوجائیگا۔

• دیکھئے! اس آیت مجیدہ میں فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ کے الفاظ میں کھُل کر بتا دیا گیا ہے کہ یہاں جن بہتی نہروں والے باغوں کا ذکر کیا گیا ہے یہ اُس مقام سے متعلق ہیں جہاں ان باغوں کے میسّر آنے کے بعد کفر کرنے کا موقعہ موجود ہوگا اور وہ مقام ہے دُنیا کا کہ یہاں متوازن معاشرہ (بہتی نہروں والے باغات) میسّر آنے کے بعد کفر کیا جاسکتا ہے۔ اُخروی جنت میں تو فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ کا کوئی موقعہ نہیں ہوگا کہ وہاں کوئی شخص انفرادی مفاد پرستی کے جُرم کا ارتکاب کرسکے۔ وہاں تو ہر طرف سلامًا سلامًا کی گونج اُٹھ رہی ہوگی۔ پس ثابت ہُوا کہ آیاتِ بالا ۳/۱۵ اور ۳/۱۹۵ میں جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ایک قرآنی اصطلاح ہے جو دنیا کے متوازن معاشرہ کیلئے بھی آتی ہے۔

• وہ ہموار معاشرہ جسے قرآنی اصطلاح میں جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ کہا گیا ہے، انسان کے اپنے اعمال کا بدلہ ہے۔ ثواب کہتے ہیں کسی عمل کے بدلے کو۔ مثلاً اگر آپ روزانہ صبح کو سیر کرتے ہیں تو اس عمل کا ثواب یہ ہے کہ آپ کی صحت اچھی رہیگی۔ آیتِ بالا میں ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ نتیجہ بتایا گیا ہے صحابہ رضی اللہ عنہم کے اپنے مذکورہ بالا اعمال، ہجرت و قتال فی سبیل اللہ کا۔ ثواب کا سہ حرفی مادہ ہے ث۔و۔ب = ثوب، جسکا بنیادی معنٰی ہے لَوٹ آنا۔ ثَابَ بمعنی عَادَ۔ ثَابَ الْمَرِيْضُ کا معنٰی ہے بیمار کی صحت لوٹ آئی۔ اب جسطرح صحت کا لوٹنا علاج، پرہیز اور سیر وغیرہ اعمال کا نتیجہ ہوتا ہے اسیطرح آیتِ بالا میں جنتی معاشرہ، صحابہ کرامؓ کے طویل اور صبر آزما مصائب برداشت کرتے ہُوئے مسلسل عمل کرتے چلے جانے کے بدلے کی خوشخبری دیگئی ہے۔ نیز صحابہ رضی اللہ عنہم کے متعلق سورہ حج میں بھی بتایا گیا ہے:۔

• اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰي نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ۝ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ۭ ...... ۝ اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ ۲۲/۳۹-۴۱ = ان لوگوں کو جن پر جارحانہ حملوں کے ذریعہ جنگ ٹھونسی گئی ہے، لڑنے کی اجازت اسلئے دیگئی ہے کہ اُن پر (حملہ کرکے) ظلم کیا گیا ہے۔ اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ اُنکی مدد کیلئے صحیح صحیح پیمانے مقرر کرنیوالا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں ناحق اُنکے گھروں سے نکالا گیا ہے، صرف اس تصور پر کہ اُنہوں نے یہ کہا کہ ہمارا نشوونما دینے والا اللہ ہے (ہم نظامِ ربوبیت قائم کرینگے)۔...
یہ وہ لوگ ہیں کہ جب ہم اُنہیں زمین میں اقتدار عطا فرمائینگے تو وہ صلوٰۃ (یعنی اجتماعی نظام) قائم کرینگے اور معاشرہ کے دُبلوں کو فربہی دینگے اور قرآنی اوامر کا حکم کرینگے اور قرآنی ممنوعات سے منع کرینگے۔ دیکھئے اس آیت مجیدہ میں اَقَامُوا الصَّلٰوةَ کا یہ معنٰی ہرگز نہیں کہ وہ نماز قائم کرینگے۔ کیونکہ صحابہ رضی اللہ عنہم نماز کے تو شروع ہی سے پابند تھے۔ تو اسطرح سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر وہ اور کونسی صلوٰۃ تھی جو صحابہؓ نے اپنے دورِ خلافت میں قائم کی۔ اسکا جواب اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ کے اتصال میں دیا گیا ہے کہ وہ ایسا اجتماعی نظامِ ربوبیت قائم کرینگے جسمیں معاشرہ کے ہر دُبلے کو فربہی دینگے۔ لفظ صلوٰۃ کے سہ حرفی مادہ ص۔ل۔و کا بنیادی معنٰی ہے

ایکدوسرے کے ساتھ ساتھ چلنا۔ گھڑدوڑ میں اگلے گھوڑے کے ساتھ ساتھ پیچھے آنیوالے گھوڑے کو مصلّی کہتے ہیں۔ اور لفظ زکوٰۃ کے سہ حرفی مادہ ز۔ر۔ک۔ و کا بنیادی معنٰی ہے دُبلے کو فربہی دینا۔

●۵ سلسلۂ درس کی زیر بحث آیت مجیدہ ۳/۱۹۵ کو شروع کیا گیا ہے فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ سے کہ مذکورہ دُعائیں کرنیوالوں کی دُعائیں اُنکا رب قبول کرتا ہے اور ساتھ ہی کہدیا گیا ہے لَا أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنكُمْ کہ میں تم میں سے کسی عمل کرنیوالے کے عمل ضائع نہیں کرونگا۔ اور آیت مجیدہ کے آخر میں اعلان کردیا ہے وَاللَّهُ عِندَهُ حُسْنُ الثَّوَابِ۔ اور اللہ ہی وہ ہے کہ اُسکے پاس عملوں کا اچھا بدلہ ہے۔ پس آیت مجیدہ کے ابتدائی اور انتہائی الفاظ کے اتصال سے کھُل کر ثابت ہوچکا کہ نری دُعائیں، اعمال کا نتیجہ فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ کی مستحق نہیں، بلکہ دُعاؤں کے مطابق عمل کرنے سے عملوں کا بہتر نتیجہ قبولیت دُعا کا مظہر ہوتا ہے۔ فلہٰذا صرف دُعائیں کرتے رہنا، نیز علماء و مشائخ سے دُعائیں کرواتے رہنا اور باہم ملکر اونچی آواز میں آمین کہتے رہنا، غرض دُعا نہیں۔ بلکہ دُعا حصولِ مُدعا کیلئے مسلسل عمل کرتے چلے جانے کی اپنے آپکو تحریک محض ہے۔ واضح رہے کہ اسلام ایک انقلابی تحریک ہے، یہ کوئی جمودی نتیجہ ہرگز نہیں۔

تحریک کی کامیابی سے ماقبل کے دَور سے متعلقہ ہدایات

● سلسلۂ درس کی اگلی آیات کریمات میں آنحضور سلام علیہ اور آپکے بعد قیامت کی ہر فعال جماعت کے متحرک فرد کو مخاطب کرکے اس امر کی تاکید کیگئی ہے کہ انقلابی تحریک کی کامیابی سے ماقبل منکرینِ ربوبیت کی دُنیوی شان و شوکت تمہیں کہیں دھوکے میں نہ ڈالدے کہ تحریکِ ربوبیت ناکام رہیگی۔ بلکہ چندروزہ فائدوں کے بعد مخالفینِ ربوبیت کیلئے شکست کا عذاب لازم ہے۔ وہ دُنیا کے قلیل فائدے کے لئے شکست کے جہنم میں دھکیلے جائینگے جو بہت بُرا ٹھکانہ ہے۔

لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي
نہ دھوکا دے تجھے چلنا پھرنا ان لوگوں کا کہ انکار کیا، بیچ

الْبِلَادِ ۱۹۶
شہروں کے

(اے رسُول!) جن لوگوں نے ضابطۂ ربوبیت کا انکار کیا ہے اُنکا شہروں میں (آخری فتح تک کے وقفے میں شان و شوکت کیساتھ) چلنا پھرنا آپکو دھوکے میں نہ ڈالدے۔ (وہ بالضرور شکست یاب اور ناکام و نامراد ہونگے)۔

مَتَاعٌ قَلِيلٌ ثُمَّ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ
فائدہ بہت تھوڑا۔ پھر ٹھکانہ اُنکا ہے شکست کا جہنم

(ان منکرینِ ربوبیت کیلئے چندروزہ) تھوڑا سا فائدہ ہے۔ پھر اُنکا (بدلہ) مقامِ شکست[۱] کا جہنم ہے۔ اور حقیقتاً یہ ہے کہ وہ بہت بُرا ٹھکانہ ہے۔

وَبِئْسَ الْمِهَادُ ۱۹۷
اور وہ بُرا ٹھکانہ ہے

●۱ جہنم بمعنی شکست ۳/۱۲ میں صفونہ پر گزرچکا ہے۔

مومنین ربوبیت کیلئے تکرار تاکیدی کے طور پر متوازن معاشرہ کے بہتی نہروں والے باغات کی خوشخبری

● ربوبیت عامہ کے منکروں کے بُرے انجام کی خبر دینے کے بعد اگلی آیت مجیدہ میں مومنینِ ربوبیت کیلئے تکرار تاکیدی کے طور پر دوبارہ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ یعنی ضروریاتِ زندگی سے معمور

متوازن معاشرے کی خوشخبری دیگئی ہے ۔

لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ
لیکن جو لوگ بچے مخالفت سے رب اپنے کی، ہیں واسطے اُنکے

جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ[۲]
باغات چلتی ہیں نیچے سے اُنکے نہریں۔ ہمیشہ رہنے والے ہیں

فِيْهَا نُزُلًا[۳] مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ
اُن میں ۔ مہمانی ہے طرف سے اللہ کی ۔ اور جو ہے پاس اللہ کے وہ بہتر ہے

لِّلْاَبْرَارِ ۱۹۸
واسطے نیکوکاروں کے

لیکن (منکرینِ ربوبیت کے برعکس) جو لوگ اپنے رب کی مخالفت سے بچ گئے ہیں (یعنی اللہ تعالیٰ کے ضابطۂ ربوبیت کو تسلیم کرلیا ہے)[۱]۔ اُنکے لئے باغات ہیں جن کی سطح میں نہریں بہتی ہیں (یعنی ضروریاتِ زندگی کیساتھ بہتی نہروں والا متوازن معاشرہ میسر آئیگا)۔ وہ اُن میں ہمیشہ (تازیست) رہنے والے ہیں[۲]۔ (یہ متوازن معاشرہ) اُنکے لئے اللہ کیطرف سے مہمانی ہے[۳]۔ اور حقیقت یہ ہے کہ جو کچھ اللہ کے پاس ہے (یعنی ربوبیتِ عامہ) وہ بہتر ہے اُن لوگوں کیلئے جو (پورے معاشرے کیلئے) کشاد اور فراخی کے طلبگار ہیں[۴]۔

● علہ اَلَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ کا معنیٰ لکھا گیا ہے ۔ وہ لوگ جو اپنے رب کی مخالفت سے بچ گئے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کے ضابطۂ ربوبیت کو تسلیم کرلیا ہے ۔ اِتّقَا کا بنیادی معنیٰ ہے بچنا ۔ اسلئے اِتّقاءِ رب کا لفظی معنیٰ تو ہے رب سے بچنا ۔ لیکن لفظ رب کے بنیادی معنوں کی رُو سے رب سے بچنے کا صحیح مفہوم ہے رب تعالیٰ کے قانونِ ربوبیتِ عامہ کی مخالفت سے بچنا ۔ اور اس اِتّقَا کا نتیجہ بتایا گیا ہے ضروریاتِ زندگی کیساتھ بہتی ہوئی نہروں والا متوازن معاشرہ میسر آنا ۔ پس عام تراجم میں جو اتَّقُوْا رَبَّكُمْ کا یہ معنیٰ لیا گیا ہے کہ ۔ اپنے رب سے ڈرو اُسکا مفہوم یہ ہے کہ اپنے رب کے نازل کردہ نظامِ ربوبیت کی مخالفت کی سزا سے ڈر جاؤ ، جو ایسے غیر متوازن معاشرے کی صورت میں مسلط کی جاتی ہے کہ جسمیں ہر شخص خواہ وہ مالدار ہو یا غریب ، اپنے اپنے مقام پر پریشانی ، عدمِ اطمینان اور باہمی حسد و بغض کی اُس آگ میں جل رہا ہوتا ہے جو سب کے ذہنوں میں بھڑکتی رہتی ہے [۲/۱۰۲]۔

● علہ اس آیت مجیدہ میں خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اصحابہ رضی اللہ عنہم کیلئے آیا ہے جس کا یہ معنیٰ ہے کہ وہ تازیست متوازن معاشرہ کی بہتی نہروں والے معاشرہ میں رہینگے ۔ نیز پیچھے [۲/۲۲] کے حوالے سے بھی ثابت کیا گیا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو جب خلافتِ ارضی ملی تو اُنہوں نے ایسا اجتماعی نظام قائم کیا جسمیں ہر دبلے کو فربہی دیگئی یعنی معاشرہ کے ہر فرد کو اُسکے قدموں پر کھڑا کر دیا گیا ۔ ان آیاتِ قرآنیہ کی روشنی میں کھل کر ثابت ہوتا ہے کہ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا کے مطابق صحابہ رضی اللہ عنہم کے دورِ اقتدار میں ایسا وقت ہرگز نہیں آیا جب صحابہ کرام دُنیا کے مال کیلئے آپسمیں دست و گریبان ہو گئے ہوں ۔ اور معاشرہ کا توازن یعنی جنتی انداز ، بگڑ کر پھر سے عدمِ توازن یعنی جہنمی انداز پر آگیا ہو ۔ ان آیاتِ قرآنیہ کے مطابق ثابت ہوتا ہے کہ مسلمانوں میں غیر متوازن معاشرہ یقیناً صحابہ کے دورِ خلافت کے بعد کی پیداوار ہے اور تاریخ کے اوراق میں جو صحابہ کے متعلق باہمی جنگ و جدال کا تصور دیا گیا ہے ۔ وہ افترائے محض ہے ۔ اہلِ اسلام کیلئے قرآنی خبریں اور ناموسِ صحابہ ، تاریخ کے غیر یقینی مندرجات سے زیادہ عزیز ہونی چاہیئے ۔

● علہ نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ کا معنیٰ لکھا گیا ہے اللہ تعالیٰ کیطرف سے مہمانی ۔ حقیقت کی رُو سے تو اللہ تعالیٰ نے بھری زمین میں جتنی بھی نعمتیں پیدا فرمائی ہیں وہ سب کی سب کرہ ارض کے اس مہمان نوعِ آدم ہی کیلئے پیدا کی ہیں ۔ بالفاظِ دیگر پورا

کرۂ ارض اس مہمانِ ارضی کی مہمانی کیلئے اللہ تعالیٰ کیطرف سے بچھا ہوا دسترخوان ہے۔ لیکن اس مہمانِ ارضی نے دوسرے مہمانوں کا حق مارنے کیلئے اللہ تعالیٰ کے بچھے ہوئے دسترخوان کی نعمتوں پر نہ صرف غاصبانہ قبضہ جمانا شروع کر رکھا ہے بلکہ اسی بچھے ہوئے دسترخوان کو خون آلود بھی کرتا چلا آرہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ مہمانی ربوبیتِ عامہ پر ایمان لانیوالوں کا حق قرار دیا ہے۔ غاصبوں کا نہیں قرار دیا۔

ابرار کی تعریف غاصب لوگ ابرار کی صف میں شمار نہیں ہوتے۔ لفظ ابرار کا سہ حرفی مادہ ب۔ر۔ر = بِرّ ہے۔ ۲/۱۷۷ میں اس مادہ کی تعریف یوں بیان ہوئی ہے:۔ لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ۭ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ۭ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ○ ۲/۱۷۷ یہی نیکی نہیں کہ تم صلوٰۃ موقت (نماز) کی ادائیگی کے وقت (اگر تم بیت اللہ شریف سے مغرب کیطرف ہو تو) اپنے منہ مشرق کیطرف کرتے ہو یا (اگر تم بیت اللہ شریف کے مشرق کیطرف ہو تو) منہ مغرب کیطرف کرتے ہو۔ بلکہ بِرّ یہ ہے کہ جو اللہ، قیامت، ملائکہ، کتاب اور نبیوں پر ایمان لایا اور اپنا مال اللہ تعالیٰ کی محبت میں اپنے محرومِ ربوبیت قریبیوں کو دیا، بے سہارا لوگوں کو دیا، جن کا کاروبار ساکن ہو جائے انہیں دیا، اور مسافروں کو دیا اور عام محتاجوں کو دیا اور لوگوں کی گردنیں آزاد کرانے میں خرچ کیا یعنی اجتماعی نظام قائم کیا اور معاشرہ کے دبلوں کو فربہی دی اور جو اپنے وعدوں کو جب وہ وعدہ کرلیں تو پورا کرتے ہیں۔ اور وہ ثابت قدم رہنے والے ہیں مصائب اور تکالیف میں خصوصاً ثابت قدم رہنے والے ہیں دشمن سے لڑائی کے وقت یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے ایمان کی عملی تصدیق پیش کی اور یہی لوگ ہر قسم کے خطرات سے بچنے والے ہیں۔

● غور فرمائیں کہ آیتِ بالا میں ابرار کی تعریف بیان کیگئی ہے پس سلسلۂ درس کی آیتِ مجیدہ زیرِ نظر میں جو کہا گیا ہے نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ متوازن معاشرہ، اللہ تعالیٰ کیطرف سے متوازن مہمانی ہے۔ نیز جو فرمایا ہے وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ تو آیتِ بالا ۲/۱۷۷ کے مطابق اللہ تعالیٰ کی مہمانی اور اللہ کیطرف سے بہترین متوازن معاشرہ ابرار کا حق ہے، یعنی اُن لوگوں کا، جو عقیدہ کے لحاظ سے:۔

۱ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہوں کہ اس کائنات کا حقِ ملکیت صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔ انکا حق صرف ضروریاتِ زندگی ہیں۔

۲ قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہوں کہ اس دنیا کی زندگی کے اعمال کیلئے حضورِ الٰہی میں ضرور ضرور جوابدہ ہونا ہے۔

۳ ملائکہ یعنی اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ کائناتی قوتوں پر ایمان رکھتے ہوں کہ یہ سب انکی خدمت کیلئے پیدا کیگئی ہیں۔ ان میں سے کسی کو معبود نہیں بنانا۔ بلکہ انہیں مسخر کرکے اُن سے خدمت لینی ہے۔

۴ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب پر ایمان رکھتے ہیں کہ نوعِ انسانی کے جملہ مصائب کا حل صرف اس کتاب میں ہے۔

۵ اللہ تعالیٰ کے جملہ نبیوں پر ایمان رکھتے ہوں کہ باریتعالیٰ نے اپنی کتاب ہمیشہ، صرف اور صرف انکے ذریعہ پہنچائی ہے۔ اور اپنے نبیوں رسولوں کے علاوہ کسی اور کو اپنا پیغام ہرگز ہرگز نہیں دیا۔

۶ پھر وہ ان عقائدِ کاملہ کے ساتھ ساتھ اللہ کی محبت میں مال خرچ کرتے ہوں محرومِ ربوبیت قریبیوں پر، بے سہارا لوگوں پر، اُن پر جن کا کاروبار ساکن ہو جائے، مسافروں پر، عام محتاجوں پر اور اُن پر جن کی گردن غلامی کی صورت میں کسی کے پنجے میں پھنسی ہوئی ہو اور

یا قرضے کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی ہو۔

۶ نیز وہ لوگ صلوٰۃ موقت کے ذریعہ ایسا اجتماعی نظام قائم کریں جسمیں ہر دیلے کو فربہی دیں۔

۸ جب کسی سے وعدہ کریں تو اُسے اسطرح پُورا کریں کہ جان جائے مگر وعدہ خلافی نہ ہونے پائے۔

۹ نیز وہ متوازن معاشرہ کے قیام کی راہ میں آنیوالے جملہ مصائب اور تکالیف کا عزم و استقلال کیساتھ مقابلہ کریں خصوصًا جب دشمن کیساتھ جنگ چھڑ جائے تو پوری ثابت قدمی کیساتھ پوری کی پوری قوم بلا انتشار مقابلے پر سیسہ پلائی دیوار بنکر ڈٹ جائے۔

• اِن نو اوصاف والے لوگ قرآنِ کریم کی میزان میں ہیں **ابرار** ۔ اور ایسے ہی لوگ متوازن معاشرہ یعنی اللہ تعالیٰ کی متوازن مہمانی کے حقدار ہیں۔

رجُوع الی المطلب

• سلسلۂ درس کی آیت بالا ۳/۱۹۸ میں ابرار یعنی متوازن معاشرہ قائم کرنے کی تڑپ رکھنے والے حضرات کی عملی کوشش کا ثمر اللہ تعالیٰ کی متوازن مہمانی کی خوشخبری دینے کے بعد اگلی آیت مجیدہ میں اہلِ کتاب کے اُن قلیل افراد کی بھی خبر دیدیگئی ہے جو زمانہ رسالتِ محمدی میں سابقہ انبیاء کے اصل دین سے واقف بھی تھے اور اُس پر قائم بھی تھے لیکن چونکہ متوازن معاشرہ قائم کرنا قلیل و ضعیف افراد کے بس کا روگ نہیں ہوا سلئے وہ بیچارے بھی اکثریت کے غیر متوازن قوانین کی چکی میں پستے چلے جارہے تھے چنانچہ اُنکے متعلق ارشاد ہوا ہے :۔

وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ
اور بیشک بیچ اہل کتاب کے البتہ وہ گروہ ہے جو ایمان لاتے ساتھ اللہ کے

وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ خٰشِعِيْنَ
اور اُسکے جو نازل ہوا طرف تمہاری اور جو نازل ہوا طرف اُن کی۔ عاجزی کرنیوالے

لِلّٰهِ ۙ لَا يَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ
واسطے اللہ کے نہیں لیتے بدلے آیتوں اللہ کے مول تھوڑا یہی لوگ ہیں کہ

لَھُمْ اَجْرُھُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ
ہے واسطے اُنکے بدلہ اُن کا نزدیک رب اُن کے۔ بیشک ہے اللہ

سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝ ۱۹۹
جلد کرنے والا حساب کا

اور بلاشبہ اہلِ کتاب میں ایک جماعت ایسی بھی ہے جو ایمان لاتے ہیں اللہ پر اور اُس (عظیم الشان کتاب) پر بھی ایمان لاتے ہیں جو (اے صحابہؓ) تمہاری طرف نازل ہوئی ہے اور اُس (عظیم الشان کتاب) پر بھی ایمان لاتے ہیں جو اُنکی طرف نازل ہوئی۔ وہ اللہ تعالیٰ کے حضور عاجزی کرنیوالے ہیں (یعنی صلوٰۃ موقت بھی ادا کرتے ہیں (۳/۱۱۳) اور اُس میں کئے گئے وعدہ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ پر بھی عمل کرتے ہیں اسطرح) وہ اللہ کی آیتوں کو دُنیا کے حقیر مال کے عوض بیچتے نہیں۔ یہی لوگ ہیں کہ اُنکے لئے اُنکے رب کے ہاں اُنکے عملوں کا اچھا بدلہ ہے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ جلد حساب کرنے والا ہے۔ (یعنی ہر انسان کے اچھے اور بُرے عملوں کا اچھا یا بُرا حساب اُسکے اعمالنامے میں فورًا محفوظ کرلیتا ہے) عـــه

اہلِ کتاب سب ایک سے نہیں ہیں

• عـــه آیت بالا میں اہلِ کتاب کے جس نیکوکار گروہ کی خبر دیگئی اُسی کے متعلق پیچھے آیت مجیدہ نمبر ۳/۱۱۳ میں گزر چکا ہے :۔

• لَيْسُوْا سَوَاۗءً ۭ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَاۗىِٕمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَاۗءَ الَّيْلِ وَھُمْ يَسْجُدُوْنَ ۳/۱۱۳

سب ایک سے نہیں ہیں۔ اہل کتاب میں ایک جماعت ایسی بھی ہے جو اللہ کے دین پر قائم ہے۔ وہ رات کی ابتدائی گھڑیوں میں (صلوٰۃ موقّت میں) اللہ تعالیٰ کی آیتیں پڑھتے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کی پوری پوری فرمانبرداری کرنیوالے ہیں۔ (یعنی صلوٰۃ موقّت میں کئے گئے وعدہ اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ کے مطابق فرمانبرداری بھی صرف اللہ تعالیٰ کی کرتے ہیں۔ اور مدد مُرادیں بھی صرف اللہ تعالیٰ سے مانگتے ہیں یعنی غیراللہ سے ہرگز ہرگز مُرادیں نہیں مانگتے ــ اہل کتاب کے اسی گروہ کے متعلق سورہ مائدہ میں بھی بالفاظ ذیل خبر دیگئی ہے:۔ *

• وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ۚ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ۝ وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ ۙ وَنَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ ۝ فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ ۸۴ تا ۸۵/۵ ۔ اور جس وقت وہ سنتے ہیں (قرآن مجید کو) جو رسُول کیطرف نازل ہُوا ہے تو (اے رسُول!) آپ دیکھتے ہیں اُنکی آنکھوں کو کہ آنسوؤں کیساتھ بہ رہی ہوتی ہیں۔ یہ اسلئے کہ اُنہوں نے حق کو پہچان لیا ہے *۔ وہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم (تیرے قرآن اور تیرے رسُول پر) ایمان لائے ہیں۔ تو ہمیں (اسکے) گواہوں میں لکھ لے۔ اور کیا ہے (رکاوٹ) ہمارے لئے کہ ہم اس حق (قرآن) پر ایمان نہ لائیں جو ہمارے پاس آگیا ہے۔ حالانکہ ہم (پہلے ہی سے) یہ طمع رکھتے ہیں کہ ہمیں ہمارا نشوو نما دینے والا اُس قوم میں داخل کرے جو صالحین ہیں (یعنی جو معاشرہ کی اصلاح کرنیوالے ہیں)۔ پس اللہ تعالیٰ نے اُنکے کہنے کے مطابق (اُنکے عملوں کا) بدلہ دیا کہ (اُنہیں داخل کیا) ایسے باغوں میں کہ جن کی سطح میں نہریں بہتی ہیں۔ (یعنی اُنہیں صحابہ صالحین میں داخل کیا۔ اور اُنہیں ایسا متوازن معاشرہ عطا فرمایا جو آنحضورؐ اور آپکے صحابہ صالحین نے قائم کیا جسمیں ضروریاتِ زندگی ہر فردِ معاشرہ کو بہتی نہروں کی صورت میں متوازن انداز کیساتھ بافراط میسّر آتی تھیں

• * یہاں پر مِمَّا عَرَفُوْا کے الفاظ انتہائی غور طلب ہیں۔ کیونکہ یہاں مفہوم یہ ہے کہ اہل کتاب قرآن مجید پر اسلئے فوراً ایمان لے آئے کیونکہ اُنہوں نے اسے پہچان لیا تھا۔ اب پہچانا اُس چیز کو جاتا ہے جسے پہلے دیکھا ہُوا ہو یا کوئی کلام ہو تو اُسے اگر پہلے سُنا ہُوا ہو تو فوراً پہچان لیا جاتا ہے۔ تو اسطرح یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ قرآن کریم کو اُنکے لئے اسکے نزول سے پہلے ہی کی جانی ہوئی چیز کسطرح کہا جا سکتا ہے؟ اسکا جواب باریتعالیٰ نے سورۂ شوریٰ میں دیدیا ہے کہ جملہ انبیاءؑ کیطرف جو الگ الگ کتابیں نازل کیگئی تھیں اور یہ قرآن مجید بھی جو آنحضورؐ کیطرف نازل کیا گیا ہے۔ اِن سب میں ایک ہی دین، ایک ہی شریعت اور ایک ہی تعلیم نازل فرمائی گئی تھی۔ فرق صرف زبانوں کا تھا کہ الگ الگ انبیاءؑ کی الگ الگ کتابیں جس جس قوم کیطرف نازل کیگئی تھیں اُس اُس قوم کی زبان میں نازل ہُوئی تھیں۔ پس سورۂ شوریٰ کی آیتِ ذیل میں دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ کیطرف سے صرف یک ہی دین اور ایک ہی شریعت نازل ہُوئی تھی۔ الگ الگ نبیوں کی الگ الگ شریعتیں نہیں تھیں:۔

• شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى ۱۳/۴۲ ۔ (ایمان والو) تمہارے لئے اللہ نے دین کی وہی شرع کردی ہے جس کی وصیّت اُس نے نوحؑ کو کی تھی۔ اور یہ وُہی دین معہ شریع ہے جو (اے رسُول) ہم نے آپکی طرف وحی فرمایا ہے۔ اور یہ وہی دین معہ شرع ہے جسکی وصیّت ہم نے ابراہیمؑ کو کی تھی، اور یہ وُہی

دین مشروع ہے جسکی وصیت ہم نے موسیٰ کو کی تھی اور عیسیٰ کو کی تھی ۔ اس آیت کریمہ کے مطابق یہ عمومی نظریہ مطلقاً غلط ثابت ہوتا ہے جو کہا جاتا ہے کہ ہر نبی کو الگ الگ شریعت دی گئی تھی۔ یا یہ کہ آنحضورؐ کی شریعت سابقہ انبیاء کی شریعتوں سے الگ ہے۔ مثلاً حضرت آدمؑ کی شریعت میں بہن بھائی کا نکاح جائز و حلال تھا ، اور باقی شریعتوں میں حرام۔ سابقہ شریعتوں میں بیک وقت دو سگی بہنوں سے نکاح حلال تھا مگر شریعت محمدی میں حرام ہے یہ جملہ تصورات آیت بالا $\frac{42}{13}$ کے مطابق مطلقاً غلط ہیں۔ کیونکہ $\frac{42}{13}$ کے ارشاد خداوندی کے مطابق جملہ انبیاء کا ایک ہی دین اور ایک ہی شریعت تھی۔ نیز :۔

● سورہ شعراء میں ارشاد ہوا :۔ وَإِنَّهُ لَفِي زُبُرِ الْأَوَّلِينَ ○ $\frac{26}{196}$ = بیشک سابقہ کتابوں میں بھی یہ قرآن کریم ہی موجود تھا۔ یعنی جو دین مشروع قرآن مجید میں ہے وہی دین مشروع سابقہ کتابوں میں تھا۔

قرآن مجید کے غیر اللہ شارع اللہ کے شریک ہیں

● نیز واضح رہے کہ قرآن کریم کا شارع صرف اور صرف خود اللہ تعالیٰ ہے سورہ شوریٰ ہی میں قرآن کریم کی غیر الٰہی شرع کو بالفاظ ذیل شرک بتایا گیا ہے :۔

● أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ شَرَعُوا لَهُم مِّنَ الدِّينِ مَا لَمْ يَأْذَن بِهِ اللَّهُ ۚ وَلَوْلَا كَلِمَةُ الْفَصْلِ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ $\frac{42}{21}$ = کیا انہوں نے اللہ کے شریک ٹھہرائے ہیں جو انکے لئے دین کی شرع کرتے ہیں جس کی اللہ نے ہرگز اجازت نہیں دی۔ اور اگر (قیامت کی علامت) کا فیصلہ نہ کر دیا گیا ہوتا تو (انکا جرم اتنا سنگین ہے کہ) انکا فیصلہ فوراً کر دیا جاتا۔ اسوقت اہل کتاب کے جس مومن گروہ کا ذکر چل رہا ہے اسکی خبر سورہ قصص میں بھی بالفاظ ذیل دی گئی ہے :۔

● الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ مِن قَبْلِهِ هُم بِهِ يُؤْمِنُونَ ○ وَإِذَا يُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ قَالُوا آمَنَّا بِهِ إِنَّهُ الْحَقُّ مِن رَّبِّنَا إِنَّا كُنَّا مِن قَبْلِهِ مُسْلِمِينَ ○ $\frac{28}{52.53}$ = وہ لوگ جنہیں ہم نے اس (قرآن) سے پہلے کتاب دی تھی وہ اس پر ایمان لاتے ہیں۔ اور جب وہ (قرآن) ان پر پڑھا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے۔ بیشک یہ ایک سچی کتاب ہے جو ہمارے نشو و نما دینے والے کی طرف سے نازل ہوئی ہے۔ بیشک ہم تو اسکے (نزول) سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار ہیں — زمانۂ نزول قرآن کا اہل کتاب کا مذکورہ بالا گروہ وہ تھا جو سابقہ انبیاء کی صحیح تعلیم ربوبیت عامہ کا نہ صرف واقف ہی تھا۔ بلکہ متوازن نظام ربوبیت کے قیام کا متمنی بھی تھا۔ چنانچہ اہل کتاب کی یہ جماعت قرآن سنتے ہی فوراً ایمان لائی۔ متوازن معاشرہ کے قیام میں ممد و معاون ہوئی اور پھر آنحضورؐ اور صحابہؓ کے قائم کردہ اس متوازن نظام کے فیوض و برکات سے مستفیض ہوئی جبکہ ضروریات زندگی معاشرے میں نہروں کیطرح بہ رہی تھیں۔

● (نوٹ) یہاں آیت مجیدہ $\frac{3}{199}$ کا ضمنی نوٹ ۱ ختم ہوا ہے۔ اب ضمنی نوٹ ۲ ملاحظہ فرمائیں :۔

کیا یہ ٹھیک ہے کہ جو مر گیا اسکی قیامت ہو گئی؟

● ۲ سَرِيعُ الْحِسَابِ $\frac{3}{199}$ اور هُوَ أَسْرَعُ الْحَاسِبِينَ $\frac{6}{62}$ کے حوالے سے اہل اسلام میں ایک مفہوم یہ پیدا ہو چکا ہے کہ جو مر گیا اسکی قیامت ہو گئی یعنی اللہ تعالیٰ سَرِيعُ الْحِسَابِ اور أَسْرَعُ الْحَاسِبِينَ ہے، وہ ہر مرنیوالے سے موت کے فوراً بعد حساب لے لیتا ہے اور اسی وقت جزا سزا کا حکم سنا دیا جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر اس نظریے کو قبول کر لیا جائے تو مکافات عمل کے گوشے میں کوئی فرق نہیں آتا جزا سزا کے عقیدے پر مطلقاً کوئی زد نہیں پڑتی یعنی نیکو کاروں کو نیک کاموں کی نیک جزا اور بدکاروں کو برے کاموں کی بری سزا کا نظریہ

بالکل اپنے مقام پر قائم رہتا ہے۔ لیکن چونکہ قرآن کریم کی متعدد آیات کریمات موت کے فوراً بعد حساب کی مخالفت کرتی ہیں، اسلئے اس نظریہ کو زیر بحث لانا ضروری ہوگیا ہے۔ فلہذا بغور ملاحظہ فرمائیں:-

• حقیقت یہ ہے کہ قرآن کریم مکافات عمل کیلئے اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہونے کے ایک اجتماعی دن کا تصور پیش کرتا ہے۔ جسے اس نے قیامت کے نام سے موسوم کیا ہے۔ سورۂ مومنون میں ماں کے پیٹ سے پیدا ہونے کے بعد کی منزلوں کے متعلق ارشاد ہوا ہے:-

• ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ ۝ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ ۝ ۱۶-۱۵/۲۳ = پھر تم (پیدا ہونے کے بعد کی منزلیں طے کرنے کے بعد) مرجاتے ہو۔ اور پھر (مرنے کے بعد) تم قیامت کو اٹھائے جاؤ گے۔ اسیطرح سورۂ عبس میں ارشاد ہوا ہے:

• مِنْ اَيِّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ ۝ مِنْ نُّطْفَةٍ ؕ خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ ۝ ثُمَّ السَّبِيْلَ يَسَّرَهٗ ۝ ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ ۝ ثُمَّ اِذَا شَآءَ اَنْشَرَهٗ ۝ ۱۸تا۲۲/۸۰ = انسان کو اللہ کس چیز سے پیدا کرتا ہے۔ نطفہ سے۔ اسے پیدا کرتا اور اسکا صحیح اندازہ کرتا ہے۔ پھر اسکے (پیدا ہونے کی راہ) آسان کر دیتا ہے۔ پھر پیدا کرنے کے بعد کی منزلوں میں سے گزارنے کے بعد اسے موت دیتا ہے پھر اسے گڑھے میں (قبر میں) ڈلواتا ہے۔ پھر جب اپنے قانون مشیت کیمطابق چاہیگا نوع انسانی کو زندہ کریگا۔

• اس پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ ثُمَّ اِذَا شَآءَ اَنْشَرَهٗ میں اِذَا سے کونسا وقت مراد ہے؟ کیا موت کیساتھ ہی دوبارہ زندہ کرلیا جاتا ہے؟ یا اس میں کوئی وقفہ موجود ہے۔ آیت بالا ۲۱ میں موت کے بعد فَاَقْبَرَهٗ کے الفاظ میں قبر کے لمبے عرصے کی خبر دیگئی ہے اور ۱۶/۲۳ میں زندہ کئے جانے کے وقت کو ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ کے الفاظ میں قیامت کا دن یا قیامت کا وقفہ کہا ہے۔ قیامت کا لفظ قیام سے متعلق ہے۔ یعنی وہ دن جب مرنے کے بعد پھر قیام ہوگا، یعنی جب مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرکے، اٹھا کر کھڑا کر دیا جائیگا۔

• جو مرگیا اسکی قیامت ہوگئی، یعنی اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ اور سَرِيْعُ الْحِسَابِ ہونے سے مرنیوالے سے مرنے کے بعد فوراً حساب لے لیا کے نظریہ کے مطابق امر واقعہ اسطرح سامنے آتا ہے کہ جب ایک اچھے بھلے نوجوان کے دل کی حرکت بند ہو جاتی اور وہ مرجاتا ہے تو اسکی اڑھائی من کی لاش ابھی قبر میں صحیح سالم پڑی ہوئی ہوتی ہے مگر اسکا حساب کتاب ہو جاتا اور اسے جزا سزا کیلئے جنت یا جہنم میں بھیج دیا جاتا ہے لیکن قرآن کریم کی متعدد آیات یہ کہتی ہیں کہ قیامت یعنی زندہ کرکے کھڑا کئے جانے کا دن اسوقت آئیگا، جب پرانے مُردوں کی ہڈیاں بھی گل سڑ کر ریزہ ریزہ ہو چکی ہونگی:-

۱ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا هَلْ نَدُلُّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ يُّنَبِّئُكُمْ اِذَا مُزِّقْتُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ۙ اِنَّكُمْ لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ۝ اَفْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَمْ بِهٖ جِنَّةٌ ؕ ۷-۸/۳۴ = اور ضابطۂ ربوبیت کے منکر آپس میں ایکدوسرے کو کہتے ہیں کہ کیا تمہیں ہم ایک ایسے شخص کی خبر دیں جو یہ کہتا ہے کہ جب تم مرجاؤ گے اور تمہاری ہڈیاں گل سڑ کر ریزہ ریزہ ہو جائینگی تو تم نئے سرے سے پیدا کرلئے جاؤ گے۔ یا تو اس نے اللہ کے ذمہ اس بات کا افترٰی باندھا ہے اور یا اسکا دماغ چل گیا ہے۔ (سورہ مومنون میں ہے):-

۲ قَالُوْٓا ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ۝ ۸۲/۲۳ = کافر کہتے ہیں کیا جب ہم مرجائینگے اور گل سڑ کر مٹی اور ہڈیاں ہو جائینگے تو کیا اسوقت ہم (اعمال کی جوابدہی کیلئے دوبارہ پیدا کرکے) اٹھائے جائینگے؟ (سورہ صٰفّٰت میں ہے):-

۳ وَقَالُوٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۚ ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ۙ اَوَ اٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ۚ قُلْ نَعَمْ وَاَنْتُمْ دَاخِرُوْنَ ۚ $\frac{۳۷}{۱۵ \text{ تا } ۱۸}$ ۔ اور (ضابطۂ ربوبیت قرآن کریم کے منکر) کہتے ہیں کہ یہ تو کھلا جھوٹ ہے، کیا جب ہم مر جائینگے اور مٹی اور ہڈیاں ہو جائینگے تو کیا ہم بھی (اعمال کی جوابدہی کیلئے دوبارہ زندہ کرکے) کھڑے کرلئے جائینگے۔ اور ہمارے پہلے آباؤ اجداد بھی اُٹھا لئے جائینگے۔ اے رسول آپ اُن سے کہدیجئیگا کہ ہاں (تم بھی اور تمہارے پہلے آباؤ اجداد بھی زندہ کرکے حاضر کرلئے جاؤگے) اور تم ضرور ذلیل ہونیوالے ہو۔ (اسیطرح سورہ بنی اسرائیل میں ہے):-

۴ وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ۞ قُلْ كُوْنُوْا حِجَارَةً اَوْ حَدِيْدًا ۙ اَوْ خَلْقًا مِّمَّا يَكْبُرُ فِيْ صُدُوْرِكُمْ ۚ فَسَيَقُوْلُوْنَ مَنْ يُّعِيْدُنَا ۞ قُلِ الَّذِيْ فَطَرَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ $\frac{۱۷}{۴۹ \text{ تا } ۵۱}$ ۔ اور (ضابطۂ ربوبیت کے منکر) کہتے ہیں، کیا جب ہم (مر جائینگے اور) گل سڑ کر ہڈیاں اور ریزہ ریزہ ہو جائینگے تو کیا دوبارہ نئی تخلیق میں پیدا کرکے کھڑے کرلئے جائینگے۔ (اے رسول!) آپ کہدیجئیگا کہ (ہڈیاں اور ریزہ ریزہ ہونا تو کوئی بات نہیں) اگر تم پتھر یا لوہا بھی ہو جاؤ، یا اس سے بھی کوئی بڑی سخت تخلیق میں چلے جاؤ جو تمہارے ذہن میں ہو (تو پھر بھی اعمال کی جوابدہی کیلئے زندہ کرلئے جاؤگے) پھر اس پر وہ یہ کہینگے کہ ہمیں کون دوبارہ زندہ کریگا۔ تو آپ کہدیجئیگا کہ وہی دوبارہ زندہ کریگا جس نے تمہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا ہے۔

- اس سلسلے کی مزید آیات پیش کرنے سے پہلے $\frac{۲۰}{۵۵}$ کی تائیدی آیت مجیدہ ملاحظہ فرمائیں:-
- مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى ۞ $\frac{۲۰}{۵۵}$ ۔ ہم نے تمہیں زمین میں سے پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا اور اس زمین ہی میں تمہیں لوٹا دیتے ہیں۔ اور اس زمین میں سے ہی تمہیں ہم دوبارہ نکال لینگے۔ اس تائیدی آیت کے بعد عنوان زیر بحث کی پانچویں اور آخری آیات کریمات ملاحظہ فرمائیں۔ سورہ واقعہ میں منکرین ضابطۂ ربوبیت کے متعلق ارشاد ہوا ہے کہ قیامت کے دار الجزا میں انہیں گرم ہوا اور گرم پانی اور دھوئیں کے گرم سائے کی سزا دیجائیگی۔ کیوں؟ اسلئے کہ:-

۵ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُتْرَفِيْنَ ۞ وَكَانُوْا يُصِرُّوْنَ عَلَى الْحِنْثِ الْعَظِيْمِ ۚ وَكَانُوْا يَقُوْلُوْنَ ۙ اَئِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ۙ اَوَ اٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ۞ قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ ۙ لَمَجْمُوْعُوْنَ ۙ اِلٰى مِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ۞ $\frac{۵۶}{۴۵ \text{ تا } ۵۰}$ ۔ بیشک وہ اس سے پہلے مُترف (یعنی عوام کا استحصال کرنیوالے، دوسروں کی کمائیاں کھانیوالے) تھے۔ اور وہ بڑے گناہ (شرک حق ملکیت) پر اصرار کیا کرتے تھے۔ اور وہ یہ کہا کرتے تھے کہ کیا جب ہم مر جائینگے اور مٹی اور ہڈیاں ہو جائینگے تو کیا پھر ہم (دوبارہ زندہ کرکے) کھڑے کردیئے جائینگے۔ (اے رسول!) آپ اپنے زمانے کے ایسا کہنے والے لوگوں کو، کہدیجئیگا کہ بیشک پہلے اور پچھلے سب لوگ، معلوم کرتے گئے دن (قیامت کو) ضرور ضرور جمع کئے جانیوالے ہیں۔

نتیجہ صریح

- پس مندرجہ بالا کثیر تکراری آیات کریمات سے ثابت ہوا کہ یہ نظریہ کہ جب بھی کوئی شخص مرتا ہے تو اللہ تعالیٰ جو سَرِیْعُ الْحِسَاب اور اَسْرَعُ الْحٰسِبِیْن ہے فوراً اسکا حساب لے لیتا اور جزا و سزا کا حکم سُنا کر جنت اور جہنم میں بھجوا دیتا ہے، از رُوئے قرآن کریم غلط ہے۔ کیونکہ آیات بالا میں تکرار کثیر بتا دیا گیا ہے کہ جب انسان مرجاتا ہے اور لوگ اپنے اپنے طریقے سے اسکی تجہیز و تکفین کردیتے ہیں۔ تو پھر اُسے قیامت کے معلوم دن کو زندہ کرکے اُٹھایا جائیگا، خواہ اسوقت اُس پر کتنا زیادہ وقت بھی کیوں نہ گزر چکا ہو۔

کہ وہ مٹی اور ہڈیاں ہو چکا ہو۔ فلہذا سَرِیْعُ الْحِسَابِ اور اَسْرَعُ الْحٰسِبِیْنَ کا وہ معنی صحیح ہے جو آیت زیر بحث ۳/۱۹۹ کے متن کے سامنے لکھا گیا ہے کہ "اللہ تعالیٰ جلد حساب کرنے والا ہے یعنی وہ ہر انسان کے اچھے اور بُرے اعمال کا اچھا اور بُرا حساب اُسکے اعمالنامے میں فوراً محفوظ کر دیتا ہے۔"

علّیین اچھے لوگوں کے اور سجّین بُرے لوگوں کے اعمالناموں کے نام ہیں

● اوپر چونکہ اعمالناموں کا ذکر چل گیا ہے، اسلئے اعمالنامے کے متعلق بھی قرآنی تحقیق پیش خدمت ہے۔ انسان جو بھی اچھا یا بُرا عمل کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کی کائناتی قوتیں اسکے ذہن میں لکھتی چلی جاتی ہیں۔ یہ وہ کتاب ہے جسے ہر ان پڑھ بھی ہر آن بخوبی پڑھ لیتا ہے۔ سورہ بنی اسرٓئیل میں ارشاد ہُوا ہے:۔ وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ ۚ وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا ۝ اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ۚ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا ۝ ۱۷/۱۳ تا ۱۴ = اور ہر انسان کیلئے ہم نے اُسکے اعمالنامے کو اُسکی گردن میں باندھ دیا ہے۔ (جب بھی وہ ذرا گردن جھکا کر دیکھتا ہے تو فوراً اُسکا اعمالنامہ اُسکے سامنے آجاتا ہے) قیامت کے دن ہم اُسکا اعمالنامہ کھُلی کتاب کی صورت میں اُسکے سامنے کر دینگے۔ (اور کہا جائیگا) اپنا اعمالنامہ خود پڑھ لے۔ (یہ) آج کے دن تیرے لئے حساب کی رُو سے کافی ہے۔

● سُورہ کہف میں اعمالنامے کے متعلق درج ہے کہ جب قیامت کو مجرم اپنا اعمالنامہ پڑھینگے تو کہینگے:۔ وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰىهَا ۚ وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ۗ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ۝ ۱۸/۴۹ = اور وہ کہینگے کہ افسوس ہے ہم پر کہ یہ کیسا اعمالنامہ ہے کہ اس نے کوئی بڑا یا چھوٹا عمل نہیں چھوڑا، مگر سب کو محفوظ کر لیا ہے۔ اور جو بھی اُنہوں نے کیا سب کو (لکھا ہُوا) حاضر پائینگے۔ اور تیرا رب کسی ایک پر بھی ظلم نہیں کریگا۔

● سورہ مطففین میں ارشاد ہُوا ہے:۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ ۝ وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ ۝ اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ ۝ لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝ يَّوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْفُجَّارِ لَفِيْ سِجِّيْنٍ ۝ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سِجِّيْنٌ ۝ كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ۝ ۸۳/۱ تا ۹ = اللہ رحمان و رحیم کے نام سے پڑھینگا (اے رسُول!) تباہی ہے کم تولنے والوں کیلئے۔ وہ لوگ کہ جب لوگوں سے ناپ کر لیتے ہیں تو پورا لیتے ہیں اور جب ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو کم دیتے ہیں۔ کیا اُنہوں نے یقین نہیں کیا کہ بلاشبہ وہ مرنے کے بعد (اعمال کی جوابدہی کیلئے) ایک بڑے دن کو اُٹھا کھڑے کئے جائینگے جس دن لوگ عالمین کی نشوونما کرنیوالے کے حضور (اعمال کی جوابدہی کیلئے) کھڑے ہونگے۔ ایسا نہیں ہونا چاہیئے (کہ جب ناپ تول کر لو، تو پورا لو اور جب دو تو کم دو۔ سب لوگوں کے اعمال اُنکے اعمالناموں میں لکھے جاتے ہیں) بیشک فجّار (یعنی کم تولنے والوں سمیت ہر قسم کی نافرمانی کرنیوالوں) کا اعمالنامہ سجّین میں ہے۔ اور (اے رسُول!) کیا ہے وہ ذات جو آپکو واقف کرتی ہے کہ سجّین کیا ہے۔ وہ ایک کتاب ہے جسمیں (نافرمانوں کے اعمال لکھے جاتے ہیں) — اس سے آگے علّیین کے متعلق ارشاد ہُوا ہے:۔

● كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْاَبْرَارِ لَفِيْ عِلِّيِّيْنَ ۝ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا عِلِّيُّوْنَ ۝ كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ۝ ۸۳/۱۸ تا ۲۰ = ایسا نہیں ہونا چاہیئے کہ (تم ناپ تول میں لو پورا، اور دو کم) بیشک ابرار (یعنی ناپ تول میں پورا لینے اور پورا دینے والوں) کا اعمالنامہ علّیین میں ہے۔ اور (اے رسُول!) کیا ہے وہ ذات جو آپکو واقف کرتی ہے کہ علّیون کیا ہے۔ وہ ایک کتاب ہے جسمیں (ابرار پورا تولنے والوں سمیت ہر قسم کا نیک کام کرنے والوں کے اعمال لکھے جاتے ہیں)۔

• المختصر! قرآن کریم میں علیین اور سجین کہاگیاہے ابرار اور فجار کے الگ الگ اعمالناموں کی کتابوں کو۔ جو کتاب مرقوم کے الفاظ سے عیاں ہے۔ مگر اہل روایات کے ہاں علیین وہ اعلیٰ مقام بتایا جاتا ہے جہاں مرنے کے بعد نیک لوگوں کی روحیں رکھی جاتی ہیں۔ اور سجین وہ بُرا مقام بتایا جاتا ہے، جہاں مرنے کے بعد بُرے لوگوں کی روحیں پھینکی جاتی ہیں۔ بالفاظ دیگر روایات کے مطابق علیین اور سجین اچھے بُرے اعمالناموں کی کتابیں نہیں، بلکہ الگ الگ اچھی بُری روحوں کے ٹھہرانے کی جگہیں ہیں۔ معاذ اللہ!

سورہ آل عمران کا ملخص

• سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ، سورہ آل عمران کی آخری آیت مجیدہ ہے جسمیں ربوبیت عامہ کے متوازن نظام کے قیام کے تصور کو انتہائی اختصار کیساتھ اور انتہائی بلیغ انداز میں، کوزے میں سمندر کی مثال کے طور پر سمیٹ کر رکھ دیا گیا ہے:۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا[1] اصْبِرُوا[2] وَصَابِرُوا[3] وَرَابِطُوا[4]
اے لوگو جو ایمان لائے ہو ثابت قدم رہو اور ثابت قدم رکھو اور مربوط ہو جاؤ

وَاتَّقُوا اللَّهَ[5] لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ[6] ﴿۲۰۰﴾ ع
اور ڈرو اللہ سے تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ

اے وہ لوگو! جو ضابطۂ ربوبیت پر ایمان لائے (اور اسطرح امن عالم کے ضامن ہوئے ہو[1]، نظام ربوبیت کے قیام کی راہ میں پیش آنیوالے مصائب کے مقابلے پر، خود بھی ثابت قدم رہو[2] اور دوسروں کو بھی ثابت قدم رکھو[3]۔ اور آپس کا رابطہ ہمیشہ قائم رکھو[4]۔ اور اللہ تعالیٰ کی مخالفت سے بچو[5] تاکہ تم (نظام ربوبیت کے قیام میں) کامیاب ہو جاؤ[6]۔

• [1] لفظ اٰمَنُوا کا سہ حرفی مادہ ا م ن ۔ ء م ن ہے جس کا بنیادی معنی امن ضد فساد ہے۔ اور کسی حقیقت کو مان لینے سے چونکہ فساد مٹ جاتا اور امن قائم ہو جاتا ہے۔ اسلئے اسکا معنی ماننا بھی لیا جاتا ہے۔ اسلئے یَا أَیُّهَا الَّذِینَ اٰمَنُوا کا معنی لکھا گیا ہے:۔ اے وہ لوگو! جو ضابطۂ ربوبیت عامہ پر ایمان لائے ہو۔ اور اس حقیقت کو مانکر امن عالم کے ضامن بنے ہو۔ واضح رہے کہ امن عالم اسوقت تک ہرگز قائم نہیں ہو سکتا جبتک ربوبیت عامہ پر سب سے پہلے ایمان نہ لایا جائے۔ اور پھر اُس پر عملدرآمد نہ کیا جائے کہ نوع انسانی کے ہر فرد کو متوازن انداز کیساتھ ضروریات زندگی میسر آ رہی ہوں۔

• [2] صبر کا معنی ہے منزل مقصود تک پہنچنے کی راہ میں جو مصائب حائل ہوں اُنکا مقابلہ کرنے کیلئے ثابت قدم ہو جائیں۔ لفظ صبر کی قرآنی تحقیق کیلئے دیکھئے دیباچہ کا صفحہ ۵۲۔

• [3] صَابِرُوا فعل امر متعدی ہے، جسکا مصدری معنی ہے دوسروں کو ثابت قدم رکھنا۔

• [4] رَابِطُوا بھی فعل امر متعدی ہے مادہ ر ب ط ۔ ربط سے۔ اسکا بنیادی مصدری معنی ہے آپس میں اسطرح گتھ جانا۔ جیسے کہ مکئی کے بھٹے پر مکئی کے دانے آپس میں ایکدوسرے کے اندر گھسے ہوئے ہوتے ہیں۔ مکئی کا ہر دانہ درحقیقت گول شکل کا ہوتا ہے۔ لیکن اُنکے آپس میں ایکدوسرے کیساتھ گتھ جانے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ گول دانے آپس کے دباؤ کیساتھ چوکور ہو جاتے ہیں۔ پس رَابِطُوا کے حکم میں مسلمانوں کو آپس میں اسطرح مربوط ہو کر رہنے کا حکم دیا گیا ہے کہ اُنکے اندر داخلی انتشار کا گذر تک نہ ہو اور دشمن کے مقابلے پر اُنکے باہمی ربط کی عملی شکل یہ ہو کہ ہمیشہ سیسہ پلائی دیوار بن کر رہیں۔

• [5] اِتَّقُوا اللهَ کا صحیح مقامی مفہوم یہ ہے کہ مندرجہ بالا احکام بجا کر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے تباہ کن نتیجے سے بچ جاؤ۔

قومی عروج کا قرآنی نسخہ

• ۱۹ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ کے الفاظ میں فلاح و کامیابی کو اتقاء کیساتھ مشروط کیا گیا ہے۔ اور اتقا کے مقامی شرائط عین ماقبل بیان کردیئے گئے ہیں کہ اسلامی معاشرہ کا ہر فرد خود بھی اپنے دشمنوں یعنی نظامِ ربوبیت کے منکروں کے مقابلے پر ثابت قدم رہے اور دوسروں کو بھی ثابت قدم رکھے۔ نیز آپس کا ربط و ضبط کبھی بھی ضائع نہ ہونے پائے۔ یعنی داخلی طور پر انتشار و اختلاف کا نام و نشان تک موجود نہ ہو اور دشمن کے مقابلے پر پوری قوم ہر آن سیسہ پلائی دیوار بنکر رہے۔ پس واضح رہے کہ یہی اِتَّقُوا اللّٰہ کے فعل امر کی تعمیلی صورت۔ اور یہی ہے قوموں کے عروج کا وہ مجرب نسخہ کہ اس پر اگر کافر بھی عمل کرے تو کامیابی اُسکے قدم چومتی ہے۔ فتح و نصرت ہمیشہ اُسکے ہمرکاب رہتی ہے۔ نوعِ انسانی کی تاریخ اور کرۂ ارض پر بسنے والی موجودہ قومیں لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ کے قرآنی نسخے کے عملی نتیجے پر گواہ ہیں کہ ہر وہ قوم کامیاب و کامران ہے جسکا ایک ایک فرد:۔

۱ اِصْبِرُوْا کے قرآنی حکم کے مطابق خود بھی ثابت قدم رہے۔ اور

۲ صَابِرُوْا کے ارشادِ الٰہی کے مطابق دوسروں کو بھی ثابت قدم رکھے۔ نیز

۳ رَابِطُوْا کے ارشادِ ربانی کے مطابق اُس قوم کے ربطِ باہمی کی عملی صورت یہ ہو کہ اُس میں داخلی انتشار کا تصور تک موجود نہ ہو، اور وہ دشمن کے مقابلے پر سیسہ پلائی دیوار بنی رہے۔

ایک ضروری نوٹ

• تفسیر زیرِ نظر میں قرآنِ کریم کی مرکزی تعلیم ربوبیتِ عالمین کے تصور کو ہر مقام پر قائم رکھا گیا ہے۔ پہلی جلد کے شروع میں جو دیباچہ شائع کیا گیا ہے اسمیں اس امر کی وضاحت کردی گئی ہے کہ قرآن کریم کی تعلیم کا مرکزی نقطہ ربوبیتِ عالمین ہے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ کی مقدس کتاب اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۱ کے الفاظ میں اللہ تعالیٰ کی ربوبیتِ عالمین ہی کے تصور سے شروع ہوتی ہے اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۱۱۴ کے الفاظ میں ربوبیتِ ناس یعنی نوعِ انسانی کی ربوبیت کے تصور ہی پر ختم ہوتی ہے بالفاظِ دیگر پورا قرآن کریم ربوبیتِ عالمین اور ربوبیتِ ناس کی دو قوسوں میں گھرا ہوا ہے۔ اسکی ابتدا بھی ربوبیت ہے اور اسکی انتہا بھی ربوبیت ہے۔ نیز یہ عظیم الشان اور لاریب کتاب کسی بھی مقام پر ربوبیتِ عالمین کے اُس تصور سے کبھی بھی جدا نہیں ہوتی، جسے یہ اپنے قاری کے ذہن میں اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۱ کے الفاظ کے ذریعہ اپنے اولین سبق ہی میں پوری طرح جاگزیں کردیتی ہے کہ:۔

سب اچھی تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو پورے عالمین کا ربّ ہے

رَبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ ۙ وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ ۝ ۲۳ / ۹۷-۹۸

(لِلّٰہِ الْحَمْد کہ بعونہٖ تعالیٰ سورہ آل عمران کی تفسیر القرآن بالقرآن ختم شد)

• سورہ نسآء قرآن مجید کی چوتھی سورت ہے۔ یہ ۱۷۶ آیات کریمات پر مشتمل ہے۔

• چونکہ اس میں عورتوں سے متعلقہ متعدد مسائل پر تفصیلی بحث درج ہے۔ اسلئے اس کا نام سورۂ نسآء ہے (یعنی عورتوں کی سورت)۔ چنانچہ اس میں بتایا گیا ہے کہ:۔

• عورت کا مقام کیا ہے؟
• عورت وراثت میں کس حصے کی وارث ہے؟
• کون کونسی عورتیں نکاح کیلئے حرام ہیں؟
• عورتوں کیساتھ نکاح کی شرائط کیا ہیں؟
• نکاح کے بعد عورت کے مرد پر کیا حقوق ہیں؟
• عورت پر مرد کے کیا حقوق ہیں؟
• ایک سے زائد عورتوں سے کن حالات میں نکاح جائز ہے؟
• نکاح کے بعد اگر میاں بیوی کے مزاج میں اختلاف پایا جائے تو ان میں موافقت پیدا کرنے کیلئے کون سے وسائل اختیار کئے جانے چاہئیں۔ علیٰ ہذا القیاس، چونکہ اس سورت میں عائلی زندگی کے متعلق عورتوں کے بیشتر مسائل کا صحیح صحیح حل پیش کیا گیا ہے۔ اسلئے اس سورت نے سورۂ نسآء نام پایا ہے۔

• اس سورت مجیدہ میں وراثت کے مسائل کی بھی پوری تفصیل درج ہے۔ یاد رہے کہ مسئلۂ وراثت کا بھی عورت کے مسائل کیساتھ ذیل کا مخصوص تعلق ہے۔ کرۂ ارض کی بیشتر قومیں ایسی ہیں جنہوں نے عورتوں (لڑکیوں) کو حقِ وراثت سے مطلقاً محروم کر رکھا ہے سورہ نسآء میں انہیں نہ صرف حقِ وراثت ہی عطا کیا گیا، بلکہ ان کیلئے متوفی کے پسماندگان میں عورتوں کی ہر ممکن صورت کیلئے انکے حصص کا تعین کر کے اس ظلم کا انسداد کر دیا گیا ہے جو اس گوشے میں ان پر ہوتا چلا آ رہا تھا۔

• عورت کی زندگی میں چونکہ یہ امر بھی ناممکنات میں سے نہیں ہے کہ اسکا شوہر طبعی موت مر جائے یا میدانِ جنگ میں نقدِ جان کا ہدیہ حضورِ الٰہی میں پیش کر کے بیوی اور بچوں کو یتیم چھوڑ جائے اسلئے اس مسئلہ پر بھی اسی سورت مجیدہ میں روشنی ڈالی گئی ہے کہ بیواؤں اور یتیموں کے مسئلے کا صحیح حل کیا ہے۔ یہ عنوان بھی عورتوں ہی سے متعلق ہے۔ المختصر! سورہ نسآء کا مرکزی نقطہ عورت ہے، جس کے گرد اس سورۃ مجیدہ کے تمام عنوان چکر لگاتے ہیں۔ چنانچہ:۔

• اس سورت مجیدہ کے ابتدائی الفاظ میں عورت کے مقام کی وضاحت کیگئی کہ یہ مرد کا سو فیصدی صحیح ساتھی ہے۔ عورت اور مرد ایک ہی سکے کے دو رُخ ہیں۔ ایک ہی درخت کی دو شاخیں اور ایک ہی جسم کے دو بازو ہیں۔ یہ دونوں نوعیں ایک ہی جرثومۂ حیات کی پیداوار

ہیں، جسمیں اللہ تعالیٰ نے ایسی خاصیت ودیعت فرمارکھی ہے کہ یہ ایک ہی جرثومہ ہے جس سے یا لڑکا پیدا ہوتا ہے یا لڑکی۔ اور یہ انداز پیدائش ایسا ہے کہ ابتدائے آفرینش میں اُسوقت بھی یہی تھا جب نوعِ انسانی کو پہلی مرتبہ زمین سے پیدا کیا گیا تھا[۱]۔ اور اُسکے بعد جب انسان نطفے سے پیدا ہونے شروع ہوئے تو پھر بھی آجتک وہی انداز موجود ہے تاکہ ایک ہی جرثومۂ حیات ہے جسمیں مذکر بننے کی صلاحیت بھی موجود ہے اور مؤنث بننے کی خاصیت بھی محفوظ ہے[۲]۔

[۱] سورہ نساء کو شروع کرنے سے پہلے ذہن میں تازہ کریں کہ آیاتِ ذیل کے مطابق نوعِ آدم ابتداءً زمین میں سے پیدا کیگئی تھی :-

• مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَ فِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَ مِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى ۲۰/۵۵ ہمنے تمہیں زمین سے پیدا کیا تھا۔ اور اسی میں تمہیں لوٹا دیتے ہیں اور اسی میں سے تمہیں دوبارہ نکال لینگے۔

• هُوَ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَ اسْتَعْمَرَكُمْ فِيْهَا ۱۱/۶۱ ۔ اُس اللہ نے تمہیں زمین سے پیدا کیا اور اسی میں آباد کر دیا۔

• وَ اللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا ۷۱/۱۷ ۔ اور اللہ نے تمہیں زمین سے پیدا کیا ہے ٹھیک ٹھیک پیدا کرنا۔ اس آیت مجیدہ میں نوعِ انسانی کی اولین پیدائش کیلئے نباتاً کے موزوں ترین الفاظ، نباتات کیساتھ ذیل کی مشابہت کیلئے لائے گئے ہیں۔ واضح رہے کہ جسطرح نباتات کا بیج (جرثومۂ حیات) مٹی کے اندر پرورش پاکر پیدا ہوتا ہے اُسیطرح نوعِ آدم کی ابتدائی تخلیق اُن بشری جرثوموں، زمین (مٹی) ہی میں سے ہوئی تھی، جن میں خدا تعالیٰ نے مذکر و مؤنث دونوں صنفیں بننے کی صلاحیت رکھی ہوئی تھی۔ یہی خاصیت نطفہ کے جرثومہ ہائے حیات میں موجود ہے کہ ایک ہی جرثومہ ہے جس سے لڑکا بھی بنتا ہے اور لڑکی بھی بنتی ہے۔

[۲] جرثومۂ حیات میں مذکر و مؤنث دونوں صنفوں کے مشترکہ خواص کی بین دلیل یہ ہے کہ داڑھی اور مونچھیں جو خالصتہً مردوں کا حصہ ہیں، بہ بعض عورتوں میں بھی پائی جاتی ہیں۔ اسکے علاوہ مردوں میں سے ہر ایک کے سینے پر عورتوں جیسی چھاتیوں کے دو نشانوں کی موجودگی بھی، جو خالصتہً عورتوں کا حصہ ہیں، جرثومۂ حیات میں مذکر مؤنث کے دونوں خواص کی خبر دیتے ہیں۔ المختصر! قرآن کریم نے اس امر کی خبر دی ہے کہ مرد اور عورت ایک ہی جرثومہ کی پیداوار ہیں۔ دونوں واجب التکریم ہیں، عورت، مرد کی نسبت نہ ناقص ہے نہ حقیر و ذلیل۔ عورت کو حقیر جاننا ظلم عظیم ہے۔ رحم مادر میں ایک ہی جرثومہ کی جونسی صنف پرورش کے لحاظ سے غالب آتی ہے۔ اُس صنف کا بچہ پیدا ہوتا ہے لیکن بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ بچے کی پیدائش یعنی وضع حمل تک کسی صنف کا غلبہ نہیں ہو پاتا۔ اور بچہ نہ لڑکا ہوتا ہے نہ لڑکی، اُسے عُرفِ عام میں زنخہ کہا جاتا ہے۔ لیکن زنخوں کی بھی حالت یہ ہوتی ہے کہ بعض کی صنفی نشوونما لڑکا بنتے بنتے رکی ہوئی ہوتی ہے اور بعض کی لڑکی بنتے بنتے ناتمام رہ گئی ہوتی ہے۔ سورہ نساء کو اللہ تعالیٰ نے اسی عنوان سے شروع فرمایا ہے کہ مرد اور عورت دونوں ایک ہی جرثومہ سے پیدا کیے گئے ہیں۔ اور جرثومۂ حیات ہی کو نفسِ واحدہ کہا ہے :-

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
ساتھ نام اللہ رحمٰن رحیم

(اے صاحبِ قرآن! پڑھیگا اس سورت مجیدہ کو بھی) نعمتیں[۱] عطا کرنیوالے اور محنت کا پورا بدلہ دینے والے[۱] اللہ کے نام کیساتھ۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ
اے نوعِ انسانی! بچو رب اپنے (کی ربوبیت کی مخالفت) سے جس نے

اے نوعِ انسانی! اپنے رب (کی ربوبیت کی مخالفت) سے بچو۔ جو وہ عظیم الشان ذات ہے جس نے

خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا

پیدا کیا تم کو حقیقت ایک سے اور پیدا کیا اُس میں جوڑا اُس کا

وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً ۚ وَاتَّقُوا

اور پھیلائے دونوں سے مرد بہت سے اور عورتیں اور بچو (مخالفت)

اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ ۚ إِنَّ

اللہ سے ۔ جو وہ ہے کہ سوال کرتے ہو ساتھ اُسکے اور بچو (مخالفت) قرابت سے بیشک

اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا ﴿۱﴾

اللہ ہے اوپر تمہارے خبر رکھنے والا

پیدا کیا تم کو ایک ہی جنس[۳] (جوہر ارضی سے ۲۳/۱۲) ۔ اور اُسی جوہر ارضی (جرثومۂ حیات) میں اُسکا جوڑا (مذکر اور مؤنث) پیدا کیا ۔ اور ان دونوں صنفوں (مذکر اور مؤنث)[۳] میں سے بہت سے مرد اور بہت سی عورتیں (پیدا کر کے زمین میں) پھیلا دیئے ۔ اور ڈرو اللہ (کے احکام کی مخالفت) سے ۔ جو وہ عظیم الشان ذات ہے کہ آپس میں سوال کرتے ہو اُسکے (نام کے) ساتھ ۔ اور بچو (مخالفت) قرابت سے ۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ تم سب کے سب کی پوری پوری خبر رکھنے[۳] والا ہے۔

● ۱-۲ یہ پوری کائنات جو نوعِ انسانی کیلئے مفت کی نعمتوں سے بھری پڑی ہے ہوا پانی مٹی آگ، سورج چاند ستارے، دریا پہاڑ اور ان کے مخفی خزانے، نیز خودرو پھل اور اجناس سب کی سب نعمتیں جو مفت عطا کی گئی ہیں یہ اللہ تعالیٰ کی صفت رحمان کے ماتحت مل رہی ہیں۔ رحمان رب العالمین ہے جو ہر چیز کی نشوونما کو نقطۂ آغاز سے شروع کر کے نقطۂ تکمیل تک پہنچانیوالا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفت رحمانیت کی عطا یہ نعمتیں جو ہمارے نقطۂ آغاز ہی سے بلا محنت مل چلی آرہی ہیں نوعِ انسانی کو جب اس دنیا میں پیدا کیا گیا تو یہ اس نوع کا نقطۂ آغاز تھا۔ چنانچہ اسکے گرد ہر چہار طرف مفت کی نعمتیں بکھری پڑی تھیں قسم قسم کے خودرو پھل کھانے کیلئے۔ بہتے چشموں کا پانی پینے کیلئے، پہاڑوں کی غاریں اور درختوں کے سائے رہنے کیلئے۔ اسطرح جب نوعِ انسانی آگے بڑھی اور اُس نے مفت کی نعمت مٹی سے گھر بنانے شروع کئے، زمین کو پھاڑ کر اس میں فصلیں اگانی شروع کیں اور قسم قسم کے باغات لگائے یعنی اللہ تعالیٰ کی مفت نعمتوں میں اپنی محنت شامل کر دی تو اللہ تعالیٰ نے غاروں کی بجائے خوبصورت گھر اور خودرو پھلوں کی بجائے انواع و اقسام کے لذیذ ترین پیوندی پھل اور قسم قسم کی اجناس کے ڈھیر عطا فرمائے۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی صفت رحیم کے مطابق میسر آرہا ہے ۔ اور آتا رہیگا۔

● اسیطرح جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو یہ اُسکی دنیوی زندگی کا نقطۂ آغاز ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی صفت ربوبیتِ عالمین کے مطابق اُسکی پیدائش سے پہلے ہی اُسکی ربوبیت کے نقطۂ آغاز کے طور پر اُسکی ماں کی چھاتی پر دودھ کی دو نہریں بہا دیتا ہے۔ یہ مفت کی نعمت بھی اللہ تعالیٰ کی صفت رحمانیت کے مطابق میسر آتی ہے۔ حتیٰ کہ جب ابھی دودھ کی یہ دو نہریں زوروں چل رہی ہوتی ہیں کہ بچے کے دانت اُگنا شروع ہو جاتے ہیں۔ اُدھر دودھ کی نہریں خشک ہوتی ہیں اور ادھر بچے کا منہ دانتوں سے بھر چکا ہوتا ہے تاکہ اب جو اُسے ٹھوس غذا ملنے والی ہے وہ اُسے بآسانی چبانے کے قابل ہو جائے۔ نوعِ انسانی اپنے ابتدائی دورِ آفرینش میں جبتک محنت کرنے کے قابل نہیں ہو پائی تھی، ہر فردِ انسانی کو اُسکے نقطۂ آغاز سے لیکر نقطۂ انجام تک ربوبیت کے مفت سامان میسر تھے۔ اور جب سے اس نے اللہ کی مفت نعمتوں میں اپنی محنت شامل کر دی ہے اللہ تعالیٰ اپنی صفت رحیمیت کے مطابق ہر مقام پر اسکی محنت کا پورا ثمر عطا کرتا چلا آرہا ہے یعنی یہ جتنی زیادہ سے زیادہ ریسرچ کیلئے دماغی محنت، اور ریسرچ کو عملی جامہ پہنانے کیلئے جسمانی کوشش کرتا چلا جا رہا ہے اللہ اسکی محنت کا زیادہ سے زیادہ ثمر عطا کرتا چلا آرہا ہے ۔ اور عطا کرتا چلا جائیگا۔

• ۳ نفسٍ وَّاحِدَۃٍ کے صفت موصوف میں تنوین تعریف جنس کی آئی ہے۔

• ۴ اب چونکہ نَفْسٍ وَّاحِدَۃٍ سے مراد وہ جرثومۂ حیات ہے جسمیں مذکر اور مؤنث دونوں صنفوں کے خواص موجود ہیں۔ اور جس سے پہلی مرتبہ زمین میں سے بہت سے مرد اور بہت سی عورتیں پیدا کی گئی تھیں۔ اسلئے مِنْھُمَا تثنیہ سے مراد جنس جوڑا ہے۔ روایات کا بتایا ہُوا وہ ایک جوڑا نہیں ہے، جس کی مؤنث معاذ اللہ معاذ اللہ بقولِ روایات اپنے شوہر سے روزانہ دو بچے حاصل بھی کرتی تھی اور روزانہ دو بچوں کے وضع حمل کے فرائض بھی ادا کرتی تھی۔ العیاذ باللہ!

• ۵ رَقِیْبًا مادہ ر۔ق۔ب۔ رقب سے ہے جس کا معنی گردن بھی ہے اور گردن میں رسّی ڈالنا بھی ہے۔ حفاظت و نگہداشت کرنا بھی ہے۔ اب چونکہ کسی چیز کی حفاظت کرنیوالے کا اُس چیز سے پُورا پُورا باخبر ہونا لازمی ہے۔ اسلئے رقیب کے معنے باخبر کے بھی ہیں! اور اللہ تعالیٰ کیلئے یہی معنے فِٹ آتے ہیں۔ جیسے کہ ۵/۱۱۶-۱۱۷ میں آیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ قیامت کو حضرت مسیحؑ سے پوچھیگا کہ کیا تُونے اپنی قوم کو کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کیساتھ دو الٰہ اور بنالو۔ تو وہ کہینگے کہ یارِ الٰہا! تُو شرک سے پاک ہے۔ مجھے یہ لائق نہیں تھا کہ میں وہ بات کہتا جس کا مجھے حق نہیں۔۔۔ جبتک میں ان میں موجود رہا اُسوقت تک میں اُن پر گواہ تھا، لیکن فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۵/۱۱۷۔ پھر جب تُونے مجھے فوت کر دیا تو تُو اُن سے باخبر تھا۔ (کہ اُنہوں نے کب مجھے اور میری ماں کو تیرے ساتھ دو الٰہ اور ٹھہرالئے تھے) کیونکہ تو ہر چیز پر گواہ ہے۔

عورت کا مقام

• سورہ نسآء کی آیت اوّل زیرِ نظر میں مرد عورت کو ایک ہی جرثومۂ حیات کی پیداوار بتا کر اس امر کی وضاحت کر دیگئی ہے کہ اصل و بنیاد کے لحاظ سے عورت مرد بالکل ایک ہیں۔ ان میں سر مُو فرق نہیں۔ دونوں ایک ہی سطح کے واجب التکریم ہیں ۱۷/۷۰۔ عورت کی صنف، مرد کی نسبت گھٹیا یا ناقص ہرگز نہیں سورہ بنی اسرائیل میں یہی ارشاد ہُوا ہے:۔

• وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ ۱۷/۷۰ اور بیشک ہمنے (عورت مرد) نوعِ آدم (کی دونوں صنفوں) کو واجب التکریم قرار دیا ہے۔ پس یاد رہے کہ معاشرہ میں عورت کو حقیر جاننا، اُسے صرف روٹی کپڑے کی ملازمہ قرار دینا، اُسکے مساوی انسانی حقوق سے انکار کرنا اُسے لونڈی بنانا اور بھیڑ بکری کیطرح بیچنا اور خریدنا وغیرہ تمام تصورات یکسر غیر قرآنی اور خدا تعالیٰ کی مخالفت پر مبنی ہیں۔ قرآن کریم نے عورت کو مرد کا متوازن و باوقار شریکِ کار ٹھہرایا ہے۔

• سورہ نسآء کی دوسری آیت مجیدہ میں سب سے پہلے عورتوں کے اُس گوشے سے بحث کیگئی ہے جو اِن کی زندگی کا انتہائی گھناؤنا اور دُکھ دہ حصہ ہے ۔۔۔ وہ ہے اِن کا بیوہ ہو کر بے سہارا ہو جانا۔ اور اُنکے یتیم بچوں کا ان بے سہارا عورتوں کیساتھ دربدر ٹھوکریں کھاتے پھرنا اس المناک حالت کی پریشانیوں کو وہی عورتیں جانتی ہیں جو خدانخواستہ مذکورہ حالات سے دوچار ہو جاتی ہیں۔

مومن اور جہاد کا چولی دامن کا ساتھ ہے

• نیز مومن مردوں کی زندگی میں کسی بھی وقت پر اُنہیں میدانِ جہاد میں پہنچکر حضورِ الٰہی میں نقدِ جان کا نذرانہ پیش کرنا از بس لازمی ہے یعنی مومن کی شان یہ ہے کہ وہ دینِ حق کی خاطر، اللہ کی راہ میں جان دینے کیلئے ہر آن تیار رہتا ہے۔ جُونہی کسی مخالف طاقت نے اسلامی سلطنت کیطرف بُری نگاہ سے دیکھا۔ یا کسی علاقے کی کسی مومن جماعت، فردیا ضعیف کمزور مرد عورتوں اور بچوں پر دستِ تظلم دراز کیا۔ تو اسلامی ریاست میدانِ

جہاد میں کودپڑی ہے۔ اب ظاہر ہے کہ میدانِ جنگ میں قتل کرنا اور قتل ہونا دونوں صورتیں ممکن ہیں ۹/۱۱۱۔ اسلئے سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر ایسا وقت آجائے کہ سینکڑوں اور ہزاروں کی تعداد میں مومن مرد میدانِ جنگ میں شہید ہوجائیں۔ اور سینکڑوں ہزاروں کی تعداد میں عورتیں بیوہ اور بچے یتیم ہوجائیں تو اس صورت حال سے کسطرح نپٹا جاسکیگا، جبکہ معاشرہ کا ہر بالغ مرد شادی شدہ ہو۔ اور اِدھر سینکڑوں کی تعداد میں نوجوان عورتیں بے خاوند ہوچکی ہوں۔ انہیں معاشرہ میں کھپانے کا طریقہ کیا ہوگا نیز ہزاروں یتیم بچوں کے مستقبل کے سنوارنے کی کیا صورت ہوگی؟ یتیموں کے متعلق یہ ایک مسلّمہ امر ہے کہ اُنکی دو صورتیں ہوسکتی ہیں:۔

● ۱ پہلی یہ کہ اُنکے والد اُنکے لئے کچھ مال متاع اور نقدی وغیرہ چھوڑ گئے ہوں۔ تو اس صورت میں ظاہر ہے کہ جبتک وہ بالغ ہو کر سوجھ بوجھ کو نہ پہنچ جائیں۔ اُسوقت تک اُنکے مال کی حفاظت اور اُنکے وقفہ قبل بلوغ کے اخراجات کا صحیح صحیح انتظام کرنا ضروری ہے۔ اس سلسلے میں سب سے ضروری امر یہ ہے کہ جس فرد کو یتیموں اور اُنکے مال متاع اور نقد و جنس کا ذگارڈین) سرپرست بنایا جائے وہ پوری دیانتداری کیساتھ مال کی حفاظت اور یتیموں کی پرورش کرے۔ اس ضمن کی ہدایات آیت نمبر ۲۔۵۔۶ میں آرہی ہیں۔

● ۲ دوسرے نمبر پر یتیموں کی حالت یہ ہوسکتی ہے کہ اُنکے والد کوئی مال متاع اور نقدی وغیرہ نہیں چھوڑ گئے۔ اُنکی پرورش الگ الگ اُن افراد کے ذمہ آتی ہے جو الگ الگ اُنکی ماؤں کیساتھ نکاح کریں۔ اِس ضمن کی ہدایات آگے آیت نمبر ۳، ۴ میں آرہی ہیں، بالترتیب بغور ملاحظہ فرمائیں:۔

وَاٰتُوا الۡيَتٰمٰٓى اَمۡوَالَهُمۡ وَلَا تَتَبَدَّلُوا
اور دیدو یتیموں کو مال اُن کے اور نہ تبدیل کرنا

الۡخَبِيۡثَ بِالطَّيِّبِ وَلَا تَاۡكُلُوۡۤا اَمۡوَالَهُمۡ اِلٰٓى
(اپنا) بُرا مال ساتھ اچھے مال اُنکے اور نہ کھاؤ مال اُن کے ساتھ

اَمۡوَالِكُمۡؕ اِنَّهٗ كَانَ حُوۡبًا كَبِيۡرًا‏ ۲
مالوں اپنوں کے۔ بیشک یہ گناہ ہے بڑا

اور (اے ایمان والو! جب تمہارے پاس یتیموں کے مال امانت رکھے جائیں)، تو جب وہ سوجھ بوجھ کو پہنچ جائیں تو تم اُنکے مال اُنہیں واپس دیدیا کرو۔ اور نہ تبدیل کرنا اپنی ناقص چیزوں کو اُنکی عمدہ چیزوں کے ساتھ۔ اور نہ کھا جانا اپنے مالوں کیساتھ ملاکر اُن کے مالوں کو بیشک وہ (یتیموں کے مالوں کو تبدیل کرلینا، یا اُنکے مالوں کو اپنے مالوں کیساتھ ملاکر کھا جانا) بہت بڑا گناہ ہے۔

بیوہ عورتیں بھی یتیموں ہی کی فہرست میں شامل ہیں

● اِس سے آگے آیت نمبر ۳ کو سامنے لانے سے پہلے یہ بتانا ضروری ہے کہ عربی زبان میں یتیم کا عملی معنی ہے بےسہارا ہوجانا۔ اسطرح جن بچوں کے باپ مرجائیں کیونکہ وہ بےسہارا ہوجاتے ہیں۔ اسلئے اُنہیں یتیم کہا جاتا ہے۔ اِسیطرح جن عورتوں کے خاوند مرجائیں چونکہ وہ بھی بےسہارا ہوجاتی ہیں۔ اسلئے اُنہیں بھی یتیم ہی کہا جاتا ہے۔ چنانچہ اگلی آیت نمبر ۳ میں بیوہ عورتوں کو یتیم عورتوں کے نام سے معاشرہ میں کھپانے اور اُنہیں اُنکا ازدواجی حق دلانے کیلئے ایک ہنگامی قانون بتایا گیا ہے۔ یعنی ایسی حالت میں کہ جب معاشرہ میں کسی حادثہ، جنگ جہاد یا کسی وبا کی بدولت بیوہ عورتوں کی تعداد اِس حد کو پہنچ جائے کہ جبتک ایک مرد ایک سے زائد عورتوں سے نکاح نہ کرے، اُسوقت تک اُن یتیم (یعنی بےسہارا بیوہ) عورتوں کو اُنکا ازدواجی حق میسر نہ آسکتا ہو، تو ایک وقت پر ایک سے زائد نکاح کرنے کی اجازت نہیں، بلکہ حکم دیا گیا ہے کہ چار چار تک نکاح کرکے یتیم (یعنی بےسہارا بیوہ) عورتوں کو اُنکا ازدواجی حق دلایا جائے۔ چنانچہ ایسے ہی ہنگامی حالات کے متعلق

یتیموں کے مالوں کو سنبھالنے اور جب وہ سوجھ بوجھ کو پہنچ جائیں تو واپس کر دینے کا حکم دینے کے بعد، اس حقیقت کے مطابق کہ بچوں کے یتیم ہونے کیساتھ ہی انکی مائیں، عورتیں بھی تو بیوہ (یتیم بے سہارہ) ہو جاتی ہیں، انکا سہارا بننے اور انکا ازدواجی حق دلانے کیلئے اگلی آیت نمبر ۳ میں ارشاد ہوا ہے :۔

وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰی فَانْکِحُوْا
اور اگر خوف کرو تم کہ نہ انصاف کرو گے یتیم عورتوں میں تو نکاح کرو
مَا طَابَ لَکُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰی وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ
جو پسند کریں تمہیں عورتوں میں سے دو دو ۔ اور تین تین ۔ اور چار چار
فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَکَتْ
پھر اگر خوف کرو تم کہ نہ عدل کرو گے تو ایک (خاندانی عورت) یا جسکے مالک ہوئے
اَیْمَانُکُمْ ؕ ذٰلِکَ اَدْنٰۤی اَلَّا تَعُوْلُوْا ؕ ۳
دائیں ہاتھ تمہارے یہ اسلئے ہے تاکہ تم عائلی عدم توازن سے بچو

اور اگر (تمہارے معاشرہ کی یہ حالت ہو کہ تمہارا کوئی مرد غیر شادی شدہ نہیں اور) تمہیں خوف ہو کہ یتیم (بیوہ عورتوں کا ازدواجی حق دیکر انکے بارے میں) توازن قائم نہیں کر سکتے تو (بیوہ) عورتوں میں سے جو تمہیں پسند کریں [۱۹/۴] دو دو تین تین یا چار چار تک نکاح کیا کرو۔ (تاکہ وہ معاشرہ میں سما جائیں اور انہیں انکا جنسی حق بھی مل جائے) پھر اگر تمہیں خوف ہو کہ ایک سے زائد بیویوں میں عدل نہ کرو گے تو ایک ہی بیوی ہو (خاندانی)، یا (ایک مفتوحہ قوم کی) جو تمہارے دائیں ہاتھ کے یمن سے ایمان لائی ہوں۔ یہ (بیوہ یتیم عورتوں کے جنسی حقوق مہیا کرنے کیلئے ایک سے زائد نکاح کا ہنگامی حکم) اس امر کے قریب ہے کہ تم عائلی عدم توازن سے بچے رہو۔

• علہ فَانْکِحُوْا مَا طَابَ لَکُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰی وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ میں ما موصولہ ہے۔ اور طَابَ کے فعل میں ھُوَ، لیکن یہاں ھُنَّ ضمیر مستتر ہے کیونکہ ھُنَّ ضمیر مستتر مبیّن ہے اور مِنَ النِّسَآءِ بصیغہ جمع مؤنث اسکا بیان ہے مُبیّن اور بیان بلکہ فعل طَابَ کا فاعل ہے اور جمع مؤنث کیلئے فعل مذکر کا استعمال قرآن کریم میں موجود ہے۔ جیسے قَالَ نِسْوَةٌ فِی الْمَدِیْنَةِ [۳۰/۱۲] ۔ پس طَابَ لَکُمْ مِّنَ النِّسَآءِ جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا ما موصولہ کا۔ صلہ اور موصول ملکر ہوا مبدل منہ، جس کا بدل ہے مَثْنٰی وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۔ اسلئے بدل اور مبدل منہ ملکر فَانْکِحُوْا کی ضمیر مستتر (انتم) کا مفعول ہے۔ نیز مَثْنٰی وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ میں واؤ جمع کی نہیں بلکہ معنی اَوْ ہیں یعنی نکاح کرو ان یتیم عورتوں کیساتھ جو تمہیں پسند کریں دو دو۔ یا تین تین۔ یا چار چار۔ اسکے برعکس اسکا دو دو اور تین تین اور چار چار معنی لینا غلط ہے۔ کیونکہ یہ ۲+۳+۴=۹ بن جاتی ہیں۔

• واضح رہے کہ اس آیت مجیدہ میں پسند کا حق عورتوں کو دیا گیا ہے۔ تاکہ وہ ایک سے زائد بیویوں کی صورت میں غور کر لیں کہ کیا وہ چار تک کی صورت میں متحد رہکر ایک مرد کے نکاح میں امن و صلح کیساتھ وقت گزار سکینگی یا نہیں۔

برادران عزیز! مندرجہ بالا آیت مجیدہ ہی وہ آیت ہے جس سے فقہوں نے ہنگامی کی بجائے عام حالات میں چار تک بیویوں کی اجازت کا جواز اخذ کر رکھا ہے۔ حالانکہ فَانْکِحُوْا حکم ہے، اجازت نہیں۔ اور حکم بھی فا جزائیہ کیساتھ مشروط ہے، غیر مشروط نہیں۔ جبکسی معاشرے میں ایسے حالات پیدا ہو جائیں کہ کسی بھی وجہ سے عورتوں کی تعداد مردوں سے بڑھ جائے تو انہیں انکا جنسی حق مہیا کرنے کیلئے ایک سے زائد نکاح کا مشروط حکم دیدیا گیا ہے۔ تاکہ معاشرہ ہر قسم کی خواہشات سے محفوظ رہ سکے۔

• **یاد رہے کہ:۔** "اِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْيَتٰمٰى" شرط ہے اور "فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ" اسکی جزا ہے جبتک شرط قائم نہ ہو مشروط قائم نہیں ہو سکتا۔ (فَاتَ الشَّرْطُ فَاتَ الْمَشْرُوْطُ)۔ اسلئے اس آیت مجیدہ سے یتیم (بیوہ بے سہارا) عورتوں کیساتھ عدم انصاف کی شرط قائم ہوئے بغیر یعنی ہنگامی حالات کے سوا عام حالات میں ایک سے زائد بیوی کا جواز اخذ کرنا بھی عربی ادب کا خون کرنے کے مصداق ہے۔ اور فَانْكِحُوْا کے حکم کو اسکی فا جوابیہ سے الگ کرکے اسے عام حالات میں ایک سے زائد بیوی کی اجازت قرار دینا بھی ظلم عظیم ہے۔ اجازت کیلئے قرآن حکیم میں اُذِنَ کا لفظ بھی موجود ہے [۲۲/۳۹] اور لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ [۲/۱۹۸] کے الفاظ بھی آئے ہیں یعنی فلاں کام کی تمہیں اجازت ہے، یا کوئی حرج نہیں کہ فلاں کام تم اسطرح کرلیا کرو۔

• المختصر: آیت بالا میں ہنگامی حالات کیلئے ایک سے زائد نکاح کا مشروط ہنگامی حکم دیا گیا ہے۔ عام حالات میں صرف ایک بیوی کی اجازت ہے جو آیت بالا کے لفظ **فَوَاحِدَةً** سے عیاں ہے۔ کہ جبتک معاشرہ کے حالات پر مذکورہ بالا ہنگامی حالات وارد نہ ہوں اسوقت تک ایک مرد کیلئے یا تو صرف ایک خاندانی بیوی کی اجازت ہے۔ اور یا مفتوحہ قوم کی ایک منکوحہ عورت کی۔

مَا مَلَكَتْ اَيْمَان سے لونڈیوں کا جواز خلافِ قرآن ہے

• مَا مَلَكَتْ يَمِيْن یا مَا مَلَكَتْ اَيْمَان کے الفاظ ایک قرآنی اصطلاح ہیں، جن سے لونڈی غلام کے جواز کی غلط دلیل پکڑی جاتی ہے۔ واضح رہے کہ لونڈی غلام کا تصور قرآن کریم کے شدید خلاف ہے۔ معاشرہ میں لونڈی غلام کی درآمد کے صرف دو راستے ہیں، پہلا یہ کہ بدقماش قسم کے لوگ گلیوں اور محلوں سے بچے اغوا کرکے لیجاتے اور انہیں بڑے بردہ فروشوں کے ہاتھ بیچ دیتے ہیں یا اسطرح جن ملکوں میں لونڈی غلام کی خرید و فروخت ہوتی ہے، یہ لڑکے اور لڑکیاں وہاں کے بازاروں میں بھیڑ بکری کیطرح بکتے رہتے ہیں۔ اسیطرح افریقہ کے بعض پسماندہ علاقوں سے بھی بچے حاصل کرکے بیچے جاتے ہیں جو لونڈی غلام کہلاتے ہیں۔ قرآن حکیم نے **وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ** [۱۷/۷۰] کے الفاظ میں پوری نوع آدم کو واجب التکریم ٹھہرا کر نوع انسانی کی خرید و فروخت کے تصور تک کو توہین آدمیت قرار دیدیا ہے۔

• اسیطرح معاشرہ میں لونڈی غلام کی درآمد کا دوسرا راستہ ہے جنگی قیدیوں کو لونڈی اور غلام بنانے کا۔ لیکن قرآن کریم نے اس راستے کو بھی ذیل کے حکم کیساتھ بند کردیا ہے۔ فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ حَتّٰٓى اِذَآ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا ذٰلِكَ [۴۷/۴] ۔ پس (اے ایمان والو) جب تم کافروں کے بالمقابل آؤ تو انکی گردنیں مارو۔ اسطرح جب تم انہیں شکست دیدو۔ تو انہیں سختی کیساتھ قید کرلو۔ پھر اسکے بعد ان قیدیوں کو یا تو احسان کرکے چھوڑ دینا ہے اور یا فدیہ لیکر رہا کردینا ہے حتیٰ کہ جنگ ختم ہو جائے۔ جنگی قیدیوں کیلئے بس یہی حکم ہے۔

• یہ ہے برادران عزیز! جنگی قیدیوں کے متعلق احساناً یا فدیۃً صرف اور صرف رہا ہی کردینے کا خداوندی حکم۔ تو اسطرح معاشرہ میں لونڈی غلام کی درآمد کے دونوں راستے اللہ تعالیٰ نے بند کردیئے ہوئے ہیں۔ اور وہ لونڈی غلام جو نزول قرآن سے ماقبل لوگوں کے ہاں موجود تھے۔ انہیں آزاد کرنے کو اللہ تعالیٰ نے باندازِ ذیل مشروط النقاء ٹھہرا دیا ہے۔

آنحضور نوعِ انسانی کی گردن سے ہر قسم کی غلامی کے پٹے اُتارنے کیلئے مبعوث ہوئے تھے

• نزول قرآن سے پہلے نوعِ انسانی کے گلے میں جتوں استھانوں علماء مشائخ

اور غلامی کے دیگر جتنے بھی پھندے پڑے ہوئے تھے۔ آنحضور کو ہر قسم کی غلامی کی زنجیریں کاٹنے کیلئے بھیجا گیا تھا۔

• وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ۷/۱۵۷ = اور وہ (نبی اُمّی) نوعِ انسانی کے تمام بوجھ و زنجیریں اُتارتا ہے جو ان پر پڑی ہوئی ہیں۔ پھر سورہ بقرہ میں ارشاد ہوا ہے:۔

• لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ ۚ ..... اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ۖ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۞ ۲/۱۷۷

(مفہوم) بھلائی یہ نہیں ہے کہ تم اپنے منہ مشرق کیطرف کرتے ہو یا مغرب کیطرف۔ ولیکن بھلائی یہ ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی ہستی کا اقرار کریں۔ جزا سزا کے دن، اللہ کے ملائکہ، اور انکے نبیوں اور کتابوں پر ایمان لائیں۔ اور اللہ کی محبت میں اپنا مال قریبیوں، یتیموں، مسکینوں، درماندہ مسافروں اور غلاموں کے آزاد کرانے میں خرچ کریں۔۔۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے ایمان کی عملی تصدیق پیش کی اور یہی لوگ متقی ہیں۔

رسول اکرم سے بڑھکر بڑا متقی کون ہو سکتا ہے

• آیت بالا میں متقی کی تعریف میں ایک شق بیان ہوئی ہے غلاموں کو آزاد کرانا (یہاں خبر بمعنی انشاء کے انداز میں غلاموں کو آزاد کرنیکا حکم دیا گیا ہے)۔ اب یہ ایک مسلم حقیقت ہے کہ حضور مدنی سرکار اوّل نمبر کے متقی تھے۔ اور آپ کی آخری زندگی میں آنحضور کو اتنا مال دیدیا گیا تھا کہ آپکو غنی کر دیا گیا تھا:۔ وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰى ۞ ۹۳/۸ = اور اللہ نے آپکو معاشرہ کی ربوبیت عامہ کے بوجھ تلے دبا ہوا پایا پھر آپکو غنی کر دیا (بے نیاز کر دیا)۔ پس ان آیات کریمات کی روشنی میں رسول عربی جیسے عظیم المرتبت متقی اور غنی کی قلمرو میں کیا ممکن ہے کہ کوئی لونڈی یا غلام رہ گیا ہو جسے آپ نے انکے مالک سے خرید کر آزاد نہ کر دیا ہو؟ بالفاظِ دیگر آنحضور کی مملکت کے آخری دور میں آپ کی قلمرو میں کوئی لونڈی غلام موجود نہیں تھا۔ قرآنی شرطِ اتقاء کے مطابق لونڈی غلام کا وجود حکماً ممنوع قرار دیدیا گیا تھا۔

• لیکن افسوس ہے کہ آنحضور اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے دور کے بعد مسلمانوں میں پھر لونڈی غلام کا جواز مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُ کے قرآنی الفاظ سے اخذ کیا گیا جس کے متعلق پیچھے بتایا جا چکا ہے کہ یہ ایک قرآنی اصطلاح ہے۔ اسکے قرآنی مفہوم تین ہیں، جو بعد میں پیش کئے جائینگے۔ پہلے ہم لونڈی غلام کے مسئلہ کے متعلق یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ مغربی ممالک میں صرف انسانی سطح پر غور کرنے کے بعد یہ فیصلہ کیا گیا کہ انسان، انسان کا غلام نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ ۱۸۳۵ء میں ولیم چہارم نے قلمروِ برطانیہ میں غلامی اور غلاموں کی خرید و فروخت کو خلافِ قانون قرار دیدیا۔ جو آجتک برطانوی آئین میں خلافِ قانون چلی آرہی ہے۔ ۱۸۶۳ء میں ابراہام لنکن نے امریکہ میں غلاموں کی آزادی کیلئے تحریک شروع کی اور ۱۸۶۵ء میں غلامی اور غلاموں کی خرید و فروخت امریکہ میں بھی خلافِ قانون قرار دیدی گئی۔ اور پھر ابراہام کی تحریک آزادی غلاماں کی سو سالہ سالگرہ پر ۱۶ اگست ۱۹۶۳ء کو آزادیٔ غلاماں کے یادگاری ٹکٹ جاری کئے گئے۔ جن پر کٹی ہوئی زنجیر کی فوٹو دیگئی تھی اور کٹی ہوئی زنجیر کے نیچے انگریزی کے جلی لفظ میں لکھا ہوا تھا "اعلانِ آزادی ۱۸۶۳ء"۔

مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ کے تین قرآنی مفہوم

• قرآن کریم میں اس قرآنی اصطلاح کے تین قرآنی مفہوم آئے ہیں۔ پہلے ان الفاظ کا لفظی

معنی ملاحظہ فرمائیں :- مَلَکَتْ کا لفظ عربی گرامر میں صیغہ واحد مونث غائب فعل ماضی معروف ہے۔ جس کا معنی ہے "مالک ہوئی" : کون مالک ہوئی ؟ اَیْمَانُکُمْ - تمہارے داہنے ہاتھ - مونث فعل کیلئے مذکر فاعل اسلئے آیا ہے کہ عربی گرامر میں صیغہ جمع مذکر کیلئے فعل واحد مونث بھی آتا ہے۔ جیسے قَالَتِ الْیَهُوْدُ ۲/۱۱۳ میں جمع مذکر کیلئے قَالَتْ فعل واحد مونث آیا ہے۔ آیت زیر بحث میں اَیْمَانُکُمْ چونکہ جمع مذکر کا صیغہ ہے اسلئے اسکے لئے مَلَکَتْ فعل واحد مونث آیا ہے۔ پس مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ کا معنی ہوا :- وہ چیز جس کے مالک ہوئے تمہارے داہنے ہاتھ -

اب اس اصطلاح کے تین قرآنی معنے ملاحظہ فرمائیں :-

۱- پہلے نمبر پر یہ اصطلاح اُن مردوں عورتوں کیلئے آئی ہے جو زمانۂ نزولِ قرآن سے قبل مسلمانوں نے خریدے ہوئے تھے یعنی وہ اُنکے مملوک تھے اور وہ سابقہ معاشرہ میں لونڈی غلام کی حیثیت سے رہ رہے تھے۔ اِن میں سے جن عورتوں کیساتھ قبل اسلام سے مسلمانوں کے جنسی تعلقات قائم تھے قرآن کریم نے اُنہیں توڑا نہیں۔ (کیونکہ اکثر صاحب اولاد ہو چکی ہوئی تھیں) اُن میں سے جو بے نکاح تھیں اُنکے نکاح کروائے (کیونکہ نکاح کے بغیر بیوی نہیں ہو سکتی)۔ اور اُنہیں بیوی کے حقوق عطا فرمائے ثبوت کیلئے اسی آیت مجیدہ ۴/۳ کے وہ الفاظ ملاحظہ فرمائیں جنہیں ہنگامی حالات کی بدولت ایک سے زائد چار تک نکاح کرنے کا حکم دیا گیا۔ اور اُسکے بعد ارشاد ہوا ہے : فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَۃً اَوْ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ ۴/۳ پھر اگر تمہیں خطرہ ہو کہ تم ایک سے زائد بیویوں میں انصاف نہ کرو گے تو پھر ایک ہی خاندانی بیوی رکھو اور یا وہ عورت کہ اُسکے مالک ہوئے تمہارے داہنے ہاتھ۔

● دیکھئے : آزاد خاندانی عورت اور مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُ کے درمیان واؤ نہیں اَوْ آیا ہے۔ یعنی یا ایک آزاد عورت یا ایک مملوکہ یعنی زمانۂ کفر کی خریدی ہوئی عورت۔ (اسلام کی حالت میں کسی لونڈی کو خریدنے کا نہیں، بلکہ خرید کر آزاد کرنیکا حکم ہے ۹/۶۰)۔ آیت مجیدہ ۴/۲۳ میں آزاد اور غلام عورت کو جمع کرنا بھی منع ہے۔ لیکن جو زمانۂ قبل اسلام میں جمع ہو چکی تھیں، اُنکی معافی دیدی گئی۔ جیسے کہ قرآن کریم کی رُو سے ایک سے زائد نکاح کے ہنگامی حکم کی تعمیل میں دو سگی بہنوں کو جمع نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن اگر زمانۂ جہالت سے کسی کے ہاں دو سگی بہنیں موجود تھیں تو اُنکے لئے معافی دیدی گئی تھی۔ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ۴/۲۳ -

● یاد رہے کہ قرآن کریم میں متعدد مقامات پر ازدواج کیساتھ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ کے الفاظ آئے ہیں۔ مگر ہر جگہ اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُهُمْ آیا ہے، یعنی بیوی یا مملوکہ عورت۔ اِس سے ثابت ہے کہ بیوی ایک ہی ہوگی خواہ آزاد خاندانی ہو یا مملوکہ، قرآن بھر میں صرف ایک جگہ پر اَزْوَاجِهِمْ وَ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُهُمْ آیا ہے :- قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِىْٓ اَزْوَاجِهِمْ وَ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُهُمْ ۳۳/۵۰ ، بیشک ہم نے ظاہر کر دیا ہے، جو کچھ ہم نے (اُن مومنوں) پر اُنکی بیویوں اور مملوکہ عورتوں کے متعلق فرض کیا ہے --- یہاں اَوْ کی بجائے واؤ اِسلئے آئی ہے کہ یہاں سابقہ معاشرہ کی اُن مملوکہ عورتوں کو بیویوں کیساتھ رکھنے کی اجازت عیاں ہے جو مسلمانوں کے گھر میں زمانۂ جہالت کے وقت سے موجود تھیں۔

● لیکن یاد رہے کہ زمانۂ نزولِ قرآن سے پہلے آزاد بیوی اور مملوکہ عورت کے حقوق مساوی نہیں تھے۔ مملوکہ کو بیوی کا مقام حاصل نہیں تھا قرآن کریم نے سابقہ مملوکہ عورتوں کو بیوی کا مساوی مقام عطا فرمایا۔ جیسے کہ اُوپر عرض کیا جا چکا ہے کہ ۴/۳ میں فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَۃً اَوْ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ کے الفاظ میں فَوَاحِدَۃً، آزاد بیوی اور مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ مملوکہ عورت کو ایک سطح پر رکھا

گیا ہے کہ یا ایک آزاد بیوی ہو یا ایک مملوکہ بیوی۔ یہ ہے، مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ کا ایک مفہوم، یعنی وہ مملوکہ عورتیں جو زمانۂ جہالت میں خریدی گئی تھیں اور اُن کے ساتھ مالکوں کے جنسی تعلقات قائم تھے۔ قرآن کریم نے اُنہیں منکوحہ بھی بنایا اور بیوی کا درجہ بھی عطا کیا۔ اور اس سے آگے :۔

۲۔ دوسرے نمبر پر مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُ سے قرآن کریم نے وہ عورتیں مرادلی ہیں جو غیر مسلم معاشرہ سے مسلمان ہو کر اور ہجرت کرکے مسلمانوں کے پاس آ جائیں۔ اِس مفہوم کو اچھی طرح سمجھنے کیلئے ۴/۲۳-۲۴ پر غور فرمائیں، جہاں حرام عورتوں کی فہرست بیان کرتے ہوئے ارشاد ہوا ہے کہ تمہارے لئے تمہاری ماؤں، بیٹیوں، بہنوں، پھوپھیوں، خالاؤں، بھتیجیوں، بھانجیوں، دودھ ماؤں، دودھ بہنوں، ساسوں۔ جن منکوحہ عورتوں سے خلوت ہوئی اُن کی گود کی لڑکیوں سگے بیٹوں کی بیویوں سے نکاح کرنا اور ہنگامی حالات کے حکم ۴/۳ کے مطابق ایک سے زائد عورتوں کیساتھ نکاح کرتے ہوئے بیک وقت دو سگی بہنوں کا ایک شخص کے نکاح میں جمع کرنا حرام کر دیا گیا ہے۔ لیکن جو پہلے ہو چکا سو ہو چکا ۴/۲۳۔ نیز نکاح والی عورتوں سے نکاح کرنا بھی حرام ہے لیکن نکاح والی اُن عورتوں سے نکاح جائز ہے جو مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ہوں:۔ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۴/۲۴ = اور نکاح والی اُن عورتوں سے نکاح جائز ہے جو مسلمان ہو کر تمہارے پاس آ جائیں ـــ یہ وہ عورتیں ہیں جو کافر معاشرہ میں خاوند رکھتی ہوں۔ لیکن مسلمان ہو جائیں اور ہجرت کرکے مسلم معاشرہ میں آ جائیں۔ زمانۂ رسالت میں جو ایسی عورتیں آنحضورؐ کی خدمت میں پہنچی تھیں اُنکے متعلق حکم دیدیا گیا تھا:۔

• يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ ۚ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ ؕ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ ؕ وَاٰتُوْهُمْ مَّآ اَنْفَقُوْا ۶۰/۱۰ = اے ایمان والو! جب ایمان کی دعویدار مہاجرہ عورتیں کافر معاشرہ سے ہجرت کرکے تمہارے پاس آئیں تو تم اُن کا امتحان کر لیا کرو (کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ جاسوسہ بن کر آئی ہوں) اللہ تو اُنکے ایمان کو جانتا ہے۔ (تم بھی اچھی طرح جانچ کر لو) پھر اگر تم اُنہیں مومنہ پاؤ تو اُنہیں کفار کیطرف نہ لوٹانا۔ یہ مومنہ عورتیں کافر شوہروں کیلئے حلال نہیں۔ اور نہ وہ اِنکے لئے حلال ہیں۔ اور اِنکے شوہروں نے جو کچھ اُن پر خرچ کیا ہو وہ اُنہیں دیدیا کرو۔[1]

• [1] لین دین کے معاملے میں قرآن کریم کی پالیسی بڑی محتاط ہے۔ کسی کا حق ضائع نہیں کرتا۔ چنانچہ مومنہ عورتوں کے کافر شوہروں نے اُن سے نکاح کرتے وقت جو کچھ خرچ کیا ہو، اُنکا وہ حق اُنہیں واپس دلاتا ہے۔ اِسیطرح ۶۰/۱۰ ہی کے اگلے الفاظ میں کہا گیا ہے کہ اگر کوئی مومنہ عورت کافر ہو کر کافروں کے پاس چلی جائے تو تم نے جو کچھ اُس پر خرچ کیا ہو وہ تمہارا حق ہے لے لیا کرو۔ نیز قرآن کریم نے تو زمانۂ جہالت میں خریدے ہوئے غلاموں کے نام نہاد مالکوں کا حق بھی تسلیم کیا ہے کہ غلام آزاد کرائے جانے چاہئیں انکے مالکوں کو اُنکی خرچ کی ہوئی قیمت ادا کرکے۔

• **المختصر** مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُ کی دوسری قسم میں وہ عورتیں جو کافر معاشرہ میں کافر خاوند رکھتی ہوں لیکن وہ، مسلمان ہو کر یا مسلمان ہونے کیلئے مسلم معاشرہ میں آ جائیں۔ مروّجہ فقہوں میں، مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُ سے جو بلا نکاح جنسی تعلقات قائم کرنے کا تصور دیا گیا ہے، وہ نہ صرف یہ کہ غلط ہے، بلکہ اُس سے اسلام اور قرآن کی عصمت داغدار ہوتی ہے۔

۳۔ تیسرے نمبر پر مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ سے قرآن کریم نے وہ ملازم مراد لئے ہیں جو مالکوں کے کام کاج میں تو اُنکے شریک ہوتے ہیں، لیکن سرمایہ دارانہ معاشرہ میں اُنہیں برابر کا نفع نہیں دیا جاتا۔ ارشاد باری ہے :۔ وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِى الرِّزْقِ ۚ فَمَا الَّذِيْنَ

فُضِّلُوْا بِرَآدِّيْ رِزْقِهِمْ عَلٰى مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ ۭ اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ۱۶/۷۱ ۔ اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے بعض کو (اپنی منشاء کے خلاف) بعض پر رزق میں فضل پایا ہے[1]۔ پھر جو لوگ (غلط نظام کی بدولت) افضل پائے گئے ہیں۔ وہ اپنے رزق کو اپنے مَا مَلَكَتْ ایمان (ملازموں) کیطرف لوٹانیوالے نہیں۔ حالانکہ وہ اس رزق میں برابر کے حصہ دار ہیں۔ پھر کیا یہ (اللہ کے رزق کے غاصب) اللہ کی نعمت پر (اللہ کے رزق کی غلط تقسیم کیلئے) جھگڑتے ہیں؟

• ملہ فَضَّلَ باب تفعیل سے ہے، جس کے خاصہ وجدان کے مطابق وَاللّٰهُ فَضَّلَ کا معنی ہے:۔ "اور اللہ نے افضل پایا ہے"۔ افضلیت کا حق نہیں دیا۔ اگر اللہ تعالیٰ کے متعلق یہ تصور صحیح تسلیم کیا جائے کہ اُس نے بعض کو زیادہ رزق خود دیا ہے اور بعض کو ضروریات زندگی سے خود محروم کیا ہے تو وہ رب العالمین نہیں رہتا۔ کیونکہ ناہموار غیر متوازن رزق کی ابلیسی تقسیم کا مشاہدہ یہ ہے کہ بعض لوگوں کے کتوں کو دودھ بالائی میسر آتی ہے اور بعض کے بیمار بچوں کو دودھ کا جائز حق نہیں ملتا۔ بلکہ وہ بلا دوا ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرتے ہوئے پائے جاتے ہیں۔ ان چیزوں کا فاعل اللہ تعالیٰ اسلئے نہیں تسلیم کیا جا سکتا، کیونکہ وہ بلا امتیاز سب کا رب، رب العالمین ہے۔ پھر جو لوگ رزق میں افضل پائے جاتے ہیں، انکی اکثریت اُن لوگوں پر مشتمل ہے جو دھوکا فریب رشوت ملاوٹ بلیک ذخیرہ اندوزی اور چور بازاری کے ذریعہ مال اکٹھا کرکے رزق میں افضلیت حاصل کرتے ہیں اور یہ سب کام اللہ تعالیٰ کی انتہائی نافرمانی پر مبنی ہیں۔

• مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُ کی اس قسم کی خبر آیت ذیل میں بھی مفہوم بالا ہی کے الفاظ میں دیگئی ہے:۔

• ضَرَبَ لَكُمْ مَّثَلًا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ ۭ هَلْ لَّكُمْ مِّنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ شُرَكَآءَ فِيْ مَا رَزَقْنٰكُمْ فَاَنْتُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ تَخَافُوْنَهُمْ كَخِيْفَتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۭ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۳۰/۲۸ ۔ (لوگو!) اللہ تعالیٰ تمہارے لئے تمہارا آپس کا حال بیان کرتا ہے۔ کیا تم اپنے ملازموں کو اُس رزق میں برابر کے حصہ دار بناتے ہو؟ جو ہم تمہیں عطا کرتے ہیں (ہرگز نہیں بناتے ہو) پس حقیقت یہ ہے کہ تم اس رزق میں برابر کے حصہ دار ہو۔ تم اپنے ملازموں (کی برابری سے) اُسیطرح ڈرتے ہو، جسطرح تم (سرمایہ دار آپس کی برابری) سے ڈرتے ہو۔ اسی طرح ہم عقلمندوں کیلئے اپنی آیتیں کھول کھول کر بیان کرتے ہیں۔

• ملہ هَلْ لَّكُمْ مِّنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ شُرَكَآءَ فِيْ مَا رَزَقْنٰكُمْ، استفہام انکاری ہے، جسمیں حصر استفہامی کے ساتھ ملازموں کے حق مارنے والے کہا گیا ہے انکے نام نہاد مالکوں کو۔ یہ رزق کی ناہمواری اور ملازموں کے حقوق کا غصب و نہب اللہ تعالیٰ کا فعل ہرگز نہیں بلکہ یہ سرمایہ داروں کا فعل ہے۔ آیات بالا ۱۶/۷۱ اور ۳۰/۲۸ کا مضمون واحد ہے۔

• المختصر ان ہر دو آیتوں میں مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ سے وہ لوگ مراد ہیں جو کام میں تو سرمایہ دار کے ساتھ برابر کے شریک ہوتے ہیں۔ مگر وہ انہیں کام کے ماحصل میں شریک نہیں گردانتے۔ انہیں نوکر اور ملازم شمار کرتے ہیں۔ اور محنت کا ثمر خود کھاتے رہتے ہیں۔ اور انہیں صرف اتنا دیتے ہیں کہ وہ انکے کل کے استحصال کیلئے زندہ رہ سکیں۔

• یہ ہیں تین مفہوم قرآن کریم کی رُو سے مَا مَلَكَتْ اَيْمَان کے۔ ان تینوں مفاہیم میں داہنے ہاتھ کے مالک ہونے کا تصور موجود ہے۔ پہلے مفہوم میں مملوکہ لونڈیاں اور غلام چونکہ خریدے جاتے تھے اسلئے انہیں مَا مَلَكَتْ اَيْمَان کہا گیا ہے۔ دوسرے نمبر پر غیر مسلم معاشرہ سے آئی ہوئی مہاجرہ عورتیں چونکہ ہجرت کرکے اپنے آپکو مسلمانوں کے اَیدی، ہاتھوں، قبضے میں دے دیتی ہیں۔ اپنے ولی وارثوں کو پیچھے چھوڑ کر مسلمانوں کو اپنا ولی وارث

قرار دیتی ہیں اسلئے انہیں مَا مَلَکَتْ اَیْمَان کہا گیا ہے۔ اور تیسرے نمبر پر کاروباری ملازم چونکہ ناہموار معاشرہ کی مجبوریوں کی بدولت اپنے آپکو نام نہاد مالکوں کے ہاتھوں میں دیدیتے ہیں اسلئے انہیں بھی مَا مَلَکَتْ اَیْمَان کہا گیا ہے۔ اب آگے بڑھنے سے پہلے وہ آئت مجیدہ ملاحظہ فرمائیں جس سے اسلام میں لونڈیوں کا نہ صرف دائمی جواز اخذ کیا جاتا ہے۔ بلکہ یہ تصور بھی دیا جاتا ہے کہ خود آنحضور کے گھر میں بھی دو لونڈیاں موجود تھیں اور آپکو مزید لونڈیوں سے متمتع ہونے کی اجازت بھی دیدی گئی تھی العیاذ باللہ۔ آئت مجیدہ یہ ہے :-

• لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنْۢ بَعْدُ وَلَآ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ اِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ رَّقِيْبًا ۝ ۳۳/۵۲ ــــ اس آئت مجیدہ کا روائتی ترجمہ یہ ہے :- نہیں حلال واسطے آپکے اسکے بعد کوئی عورت! اور نہ یہ کہ آپ انکے ساتھ دوسری عورتیں تبدیل کریں اگرچہ آپکو انکا حُسن کتنا بھلا لگتا ہو۔ سوائے آپکی مملوکہ عورتوں کے۔ (یعنی آپکی مملوکہ عورتیں ان عورتوں کے سوا آپکے لئے حلال ہیں)۔

• پس اسطرح اس آئت مجیدہ سے یہ تصور اخذ کیا گیا ہے کہ آنحضور کو بیویوں کے بدلنے سے تو منع کر دیا گیا تھا۔ لیکن مزید لونڈیوں کی اجازت دیدی گئی تھی۔ اور اسی آئت مجیدہ سے اُمت کیلئے لاتعداد لونڈیاں رکھنے کی اجازت اخذ کی گئی ہے۔ العیاذ باللہ! لیکن واضح رہے کہ جب قرآن حکیم نے اسلامی معاشرہ میں لونڈی غلام کی درآمد کے تمام دروازے ہی بند کر دیئے ہیں ۴/۴۷ + ۴/۲۔ اور خود آنحضور نے اپنی قلمرو کے سب لونڈی غلاموں کو آزاد کر کے قرآنی ریاست سے لونڈی غلام کا وجود ہی ختم کر دیا تھا ۲/۱۷۷ + ۹۳/۸۔ تو پھر نئی لونڈیاں لانے کا تصور تک بھی کسطرح پیدا ہو سکتا ہے۔ اس سے وضاحتاً ثابت ہوا کہ آئت مجیدہ ۳۳/۵۲ کا روائتی ترجمہ غلط ہے جسمیں یہ تصور دیا گیا ہے کہ آنحضور کو بیویاں بدلنے سے تو منع کر دیا گیا تھا لیکن معاذ اللہ لونڈیوں کی عام اجازت دیدی گئی تھی۔

• اب آیئے آئت مجیدہ کے صحیح مفہوم کیطرف! یہ ہے آئت مجیدہ معہ صحیح قرآنی مفہوم :-

• لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنْۢ بَعْدُ وَلَآ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ **اِلَّا** مَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ رَّقِيْبًا ۝ ۳۳/۵۲ :- (اے نبیؐ!) آپکے لئے ان (آپکی موجودہ بیویوں) کے سوا کوئی عورت حلال نہیں۔ اور نہ آپکے لئے یہ حلال ہے کہ آپ ان کو دوسری عورتوں کیساتھ تبدیل کریں (یعنی آپ ان میں سے کسی کو طلاق دیکر بھی نئی بیوی نہیں لاسکتے) اگرچہ آپ کو دوسری عورتوں کا حسن سلیقہ کتنا ہی اچھا لگتا ہو۔ **اور** خصوصاً آپکے لئے مَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ بھی حلال نہیں (یعنی وہ عورتیں بھی حلال نہیں جو غیر مسلم معاشرہ سے آکر اپنے آپکو آپکی ولائت میں دیدیں)۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز سے پوری طرح باخبر ہے۔

• آئت مجیدہ کے متن میں **اِلَّا** اور ترجمہ میں اِلَّا کے معنی **اور** کے الفاظ جلی قلم کیساتھ آپکی خصوصی توجہ کیلئے لکھے گئے ہیں۔ روائتی تراجم میں اِلَّا استثنائیہ تسلیم کر کے آنحضور کیلئے، اور پھر آپکے ذریعہ پوری اُمت کیلئے لاتعداد لونڈیوں کا جواز اخذ کیا گیا ہے لونڈی غلام کا تصور چونکہ قرآن کریم کی مرکزی تعلیم احترام انسانیت ۱۷/۷۰ کے بھی خلاف ہے۔ اور آنحضور کے اُس عظیم انسانیت نواز عمل، جسے آپنے اپنی قلمرو کے تمام لونڈی غلام آزاد کر کے انجام دیا تھا، کے بھی خلاف ہے، اسلئے ہم نے **اِلَّا** کو **عاطفہ** تسلیم کر کے یہ معنی لکھا ہے :- **اور** خصوصاً آپ کیلئے مَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ بھی حلال نہیں (یعنی وہ عورتیں بھی حلال نہیں جو غیر مسلم معاشرہ سے آکر اپنے آپکو آپکی ولائت میں دیدیں)۔

● اب آیئے حرف اِلَّا کیطرف کہ ہم نے اسے کس قرآنی سند کے مطابق عاطفہ قرار دیا ہے۔ قرآن مجید میں اِلَّا پانچ معنوں میں آیا ہے۔

۱۔ استثنیٰ کیلئے۔ فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ۴۷/۱۹ = پس جانے رہ کہ کوئی اِلٰہ نہیں ہے موجود سوائے اللہ کے۔

۲۔ استغراق کیلئے۔ اِنْ كُلٌّ اِلَّا كَذَّبَ الرُّسُلَ ۳۸/۱۴۔ کوئی قوم ایسی نہ تھی جس نے رسولوں کو نہ جھٹلایا ہو۔

۳۔ اِنْ لَا کے معنوں میں۔ اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ ۹/۴۰۔ اگر تم نے اُسکی مدد نہ کی تو اللہ اسکی مدد کر چکا ہے۔

۴۔ تاکید کیلئے۔ سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓى ۝ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ۸۷/۶۔ اے نبی! بیشک ہم آپکو پڑھاتے ہیں، پھر آپ بھولتے نہیں۔ یقیناً اللہ نے یہی چاہا ہے کہ آپ بالکل نہ بھولیں۔ یہاں اِلَّا تاکید کیلئے آیا ہے۔ اگر یہاں استثنائیہ لیا جائے تو یہ مفہوم بنتا ہے کہ آپ قرآن کریم کا اُتنا حصہ بھول جاتے ہیں جتنا اللہ چاہتا ہے۔ اسطرح چونکہ آنحضورؐ میں نسیان تسلیم کرنا پڑتا۔ اور سلسلۂ نبوت و رسالت ہی بے اعتبار ہو کر رہ جاتا ہے، اسلئے یہاں استثنائیہ معنیٰ مطلقاً غلط ہے۔ اور صحیح معنیٰ اِلَّا تاکیدیہ کا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چاہا ہی یہ ہے کہ آپ ہرگز ہرگز نہ بھولیں۔ نیز اس آیت مجیدہ ۳۳/۵۲ میں بھی تاکید کیلئے آیا ہے۔ اسکی تفصیل دیباچہ کے عنوان نمبر ۱۳/۵ میں ملاحظہ فرمائیں۔

۵۔ عطف کیلئے، یعنی اور کے معنوں میں۔ اِنِّیْ لَا یَخَافُ لَدَیَّ الْمُرْسَلُوْنَ ۝ اِلَّا مَنْ ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًا بَعْدَ سُوْٓءٍ ۲۷/۱۰-۱۱ = بیشک میں وہ ہوں کہ میری طرف سے بھیجے ہوئے (مرسل) ڈرا نہیں کرتے۔ اور نہ میرا وہ بندہ ڈرتا ہے جو کبھی زیادتی کر بیٹھے اور بعد میں قرآنی اعمالِ صالحہ کیساتھ برائی کو نیکی میں بدل لے۔ یہاں اِلَّا عاطفہ ہے۔ اگر عاطفہ نہ مانا جائے تو آیت مجیدہ کا یہ مفہوم بنتا ہے کہ اللہ کے مُرسل تو نہیں ڈرتے جو ظلم نہیں کرتے۔ مگر جو ظلم کرتے اور ظلم کے بعد برائیوں کو نیکیوں کیساتھ بدلتے ہیں وہ ضرور ڈرتے ہیں۔ دیکھئے! یہاں اِلَّا کو عاطفہ تسلیم کئے بغیر انبیاء علیہم السلام کی عصمت محفوظ نہیں رہتی۔

● پس جسطرح ۲۷/۱۱ میں اِلَّا عاطفہ ہے۔ اُسیطرح ۳۳/۵۲ میں اِلَّا عاطفہ ہے اور آنحضورؐ پر واضح کیا گیا ہے کہ آپکے لئے وہی بیویاں حلال ہیں جن کے مہر آپ ادا کر چکے ہوئے ہیں ۳۳/۵۰ (یعنی جن سے آپ نکاح کر چکے ہوئے ہیں) انکے سوا کوئی عورت نکاح کیلئے حلال نہیں۔ اور نہ آپ ان میں سے کسی بیوی کو طلاق دیکر کسی اور عورت کیساتھ بدل ہی سکتے ہیں۔ اور نہ ہی آپ کیلئے مَا مَلَكَتْ یَمِیْنُكَ نکاح کیلئے حلال ہیں، جو کافر معاشرہ میں سے مومن ہو کر آپ کی ولایت میں آ چکی ہوں۔

● مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ کی اس طویل تفسیر القرآن بالقرآن کے بعد اب آیئے اصل سلسلۂ درس کیطرف۔ پیچھے صفحہ ۱۸۱

رجوع الی المطلب

پر سورہ نسآء زیر بحث کی آیت نمبر ۳ کی تفسیر میں، آپ دیکھ چکے ہیں کہ ہنگامی حالات میں یتیم (بے سہارا) عورتوں کیساتھ ایک سے زائد نکاح کر کے اُنہیں جزوِ معاشرہ بنانے کا حکم دیا گیا ہے۔ اگلی آیت نمبر ۴ میں اس خطرے کا سدِباب کر دیا ہے کہ مبادا لوگ یتیم (بیوہ بے سہارا) عورتوں سے نکاح کرتے وقت یہ خیال نہ کریں کہ ان کا وارث کون ہے جو زرِ مہر کی ادائیگی کا سوال اُٹھائے گا؟ کہیں ان سے بلا مہر نکاح کرنا نہ شروع کر دیں۔ یا ان کا مہر مقرر کرنے کے بعد اُس کی ادائیگی ضروری نہ سمجھیں۔ اور یا اسے بوجھ خیال کریں۔ اس لئے ارشاد ہوا ہے:۔

وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ؕ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ اور دو عورتوں کو مہر انکے خوشی خوشی۔ پھر اگر وہ خوشی سے واسطے تمہارے	اور (ایمان والو!) ان عورتوں (سے نکاح کرتے وقت) اُنہیں اُنکے مہر خوشی خوشی ادا کیا کرو (کیونکہ عورتوں کا مہر تحفہ ہے چٹی نہیں) پھر اگر وہ اُس

عَنْ شَیْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِیْٓــًٔا مَّرِیْٓــًٔا ۝۴
چھوڑ دیں کچھ اُس میں سے خود، تو کھاؤ مزیدار خوشگوار

میں سے کچھ اپنی خوشی کیساتھ خود چھوڑ دیں تو اُسے (دونوں ملکر) کھاؤ مزیدار اور خوشگواری کیساتھ۔

• اِس سے اگلی دو آیات کریمات میں پھر متوفّی حضرات کے یتیم بچوں کیطرف رُخ کرکے اُن کے متعلق ذیل کی اہم ہدایات بالفاظ ذیل جاری کیگئی ہیں:۔

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِیْ جَعَلَ
اور نہ دیا کرو (یتیم) بیوقوفوں کو اپنے وہ مال جن کا ٹھہرایا
اللّٰهُ لَكُمْ قِیٰمًا وَّارْزُقُوْهُمْ فِیْهَا وَاكْسُوْهُمْ وَ
اللہ نے تمہیں امین اور کھلاؤ اُنہیں اُس میں سے اور پہناؤ اُنہیں اور
قُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝۵
کہو اُنہیں بات جانی پہچانی

اور (ایمان والو!) اپنے وہ مال جن کا اللہ تعالیٰ نے تمہیں امین ٹھہرایا ہے (یعنی یتیم بچوں کے مال جو تمہارے پاس امانت ہیں وہ) بے سمجھ یتیموں کے حوالے نہ کرنا۔ اور اُن میں سے اُنہیں تم کھانا بھی کھلاتے رہو۔ اور اُن میں سے اُنہیں کپڑے بھی پہناتے رہو۔ اور دیا در رکھنا کہ اُن سے ہمیشہ معروف (یعنی نصیحت آمیز، اصلاحی اور تعمیری) گفتگو کرتے رہنا۔

وَابْتَلُوا الْیَتٰمٰی حَتّٰۤی اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ
اور آزماتے رہو یتیموں کو حتیٰ کہ وہ پہنچ جائیں (عمر) نکاح کو
فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْۤا اِلَیْهِمْ
پھر اگر پاؤ تم اُن میں سوجھ بوجھ تو واپس کر دو طرف اُن کی
اَمْوَالَهُمْ ۚ وَلَا تَاْكُلُوْهَاۤ اِسْرَافًا وَّبِدَارًا
مال اُنکے۔ اور نہ کھاؤ اُنہیں فضول خرچی کرتے ہوئے اور جلدی کے ساتھ
اَنْ یَّكْبَرُوْا ؕ .....
کہ وہ بڑے نہ ہو جائیں

اور تم اُن یتیموں کی (جن کے مال تمہارے پاس امانت پڑے ہیں)، آزمائش کرتے رہنا کہ کیا اِن میں سوجھ بوجھ آگئی ہے یا نہیں حتّٰی کہ وہ نکاح کی عمر کو پہنچ جائیں۔ پھر اگر تم (مسلسل آزمائش کے ذریعہ) اُن میں عقل کی پختگی (مال کو سنبھالنے کی قابلیت) پاؤ تو اُنکے مال اُنہیں لوٹا دیا کرو۔ اور تم (یتیموں کے مال کے امین و مختار ہونے کی حیثیت میں) اُنکے مالوں کو (اُنکے بالغ ہونے تک) کھا نہ جانا فضول خرچی کرتے ہوئے اور جلدی سے کہ وہ بڑے (بالغ) نہ ہو جائیں (یعنی اُنکے بالغ ہونے سے پہلے ہی فضول خرچی کیساتھ اُنکے مال ختم نہ کر دینا)۔

• آیت مجیدہ کے اِس حصّے میں یتیم کے مال کے امین و مختار کو ہدایت کیگئی ہے کہ وہ فضول خرچی کرکے یتیم کے بالغ ہونے تک یعنی اُسوقت سے پہلے پہلے کہ وہ اپنے مال کا حساب مانگنے کے قابل ہو جائے ختم نہ کر دینا۔ کہیں اُنکے بالغ ہونے پر یہ نہ کہنا کہ تم اپنا مال کھا چکے ہو۔ اور اسطرح اُسے بالغ ہونے سے پہلے ہی قلاش بنا کر نہ رکھ دینا۔ اِسی امین و مختار کے متعلق آیت مجیدہ کے اگلے حصّے میں مزید ہدایات بالفاظ ذیل جاری کیگئی ہیں:۔

وَمَنْ كَانَ غَنِیًّا فَلْیَسْتَعْفِفْ ۚ وَمَنْ كَانَ
اور جو کوئی ہو غنی پس چاہیے کہ وہ معاف کر دے۔ اور جو کوئی ہو
فَقِیْرًا فَلْیَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ فَاِذَا دَفَعْتُمْ
محتاج پس چاہیے کہ وہ کھائے مناسب۔ اور جب واپس دو تم

اور جو (مختار و امین) بے محتاج ہو تو چاہیے کہ وہ یتیم کے مال کی دیکھ بھال مفت کرے۔ کوئی معاوضہ نہ لے۔ اور جو (مختار و امین) محتاج ہو تو چاہیے کہ کھائے مناسب طریقے کیساتھ۔ (یعنی اُسکی اُس محنت کا معاوضہ مقرر کر دیا جائے جو وہ یتیم کے مال کی دیکھ بھال

اِلَیۡهِمۡ اَمۡوَالَهُمۡ فَاَشۡهِدُوۡا عَلَیۡهِمۡ ؕ وَ
اُن کو مال اُن کے تو گواہ کر لیا کرو اُن پر (دو) گواہ ۲/۲۸۲ اور
کَفٰی بِاللّٰهِ حَسِیۡبًا ۶
کافی ہے اللہ حساب لینے والا

کرتا ہے) اور جب تم اُنکے مال اُنکی طرف لوٹاؤ تو اُن پر (دو گواہ ۲/۲۸۲) حاضر کرلیا کرو۔ (اور اُسے لکھ لیا کرو ۲/۲۸۲ تاکہ بعد میں کوئی جھگڑا پیدا نہ ہونے پائے) حقیقت یہ ہے کہ (اگر تم دنیا میں حساب نہ چکاؤ تو قیامت کو) حساب لینے کیلئے اللہ کافی ہے۔

مسئلہ وراثت کی تمہید

• اُوپر آپ دیکھ چکے ہیں کہ سورہ نسآء کی آیت نمبر ۲ سے ۶ تک اُن یتیم (بیوہ بے سہارا عورتوں) اور اُن یتیم بے سہارا بچوں کے مسائل بیان کئے گئے ہیں، جو کسی شخص کے فوت ہو جانے پر بیک وقت یتیم ہو جاتے ہیں عورتیں ہو جاتی ہیں یتیم بیوہ بے سہارا، اور اولاد رہ جاتی ہے یتیم کمزور بے سہارا۔ چنانچہ آیت نمبر ۲ میں متوفی کے چھوڑے ہوئے یتیموں کے مال کے متعلق اُس مال کے مختار (گارڈین) کو کہا گیا ہے کہ اپنے ناقص مال کیساتھ اُنکے عمدہ مال کو تبدیل نہ کر لینا۔ اور اپنے مالوں کیساتھ ملاکر یتیموں کے مالوں کو کھا نہ جانا۔ نیز آیت نمبر ۵۔۶ میں اُنہی کو ہدایت کیگئی ہے کہ یتیموں کے مال اُنہیں اُسوقت لوٹانا، جب اُن میں عقل کی پختگی پیدا ہو چکی ہو۔ اور وہ مال کو سنبھالنے کے قابل ہو چکے ہوں۔ اِسطرح اُن کی اُس وقت تک آزمائش کرتے رہیں جبتک کہ وہ نکاح کی عمر کو نہ پہنچ جائیں۔

• اب چونکہ متوفی کے مالِ راثت کا ذکر آگیا ہے۔ اِس لئے اگلی آیات کریمات میں تقسیم وراثت کے تمہیدی مسائل بیان ہوئے ہیں:۔

لِلرِّجَالِ نَصِیۡبٌ مِّمَّا تَرَکَ الۡوَالِدٰنِ وَ
واسطے مردوں کے ہے حصہ اُس میں سے جو چھوڑ جائیں والدین اور
الۡاَقۡرَبُوۡنَ ۪ وَ لِلنِّسَآءِ نَصِیۡبٌ مِّمَّا تَرَکَ
قریبی۔ اور واسطے عورتوں کے ہے حصہ اُس میں سے جو چھوڑ جائیں
الۡوَالِدٰنِ وَ الۡاَقۡرَبُوۡنَ مِمَّا قَلَّ مِنۡهُ اَوۡ کَثُرَ ؕ
والدین اور قریبی۔ اُس میں سے کہ تھوڑا ہو یا زیادہ
نَصِیۡبًا مَّفۡرُوۡضًا ۷
حصہ مقررہ

(یاد رکھو کہ) والدین اور قریبی جو مال چھوڑ جائیں، اُسمیں مردوں کیلئے بھی (اللہ تعالیٰ کا مقرر کردہ) حصہ ہے نیز والدین اور قریبی جو مال چھوڑ جائیں۔ اُس میں عورتوں کیلئے بھی (اللہ تعالیٰ کا مقرر کردہ) حصّہ ہے۔ اُس چھوڑے ہوئے مال میں سے خواہ اُسکی مقدار قلیل ہو یا کثیر (یعنی وہ مال خواہ کم ہو یا زیادہ اُسمیں مردوں اور عورتوں دونوں صنفوں کو اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ حصّے کا حق ہے (یعنی مال متروکہ کے مرد بھی وارث ہیں اور عورتیں بھی وارث ہیں)

• آیت بالا میں عورتوں کیساتھ کیگئی سابقہ معاشروں کی ایک اور بے انصافی کا انسداد بھی کر دیا گیا ہے کہ حقِ وراثت کے لحاظ سے عورتیں (بیٹیاں) بھی مردوں (بیٹوں) کیساتھ برابر کی شریک ہیں۔ سابقہ قوانین میں بیٹیوں کو والدین اور قریبیوں کے مال متروکہ میں حقِ وراثت سے محروم کر دیا گیا تھا۔

• نیز قرآن کریم ہر مقام پر معاشرہ کے محتاجوں پر نگاہ رکھتا ہے۔ اِسلئے جبتک معاشرہ قرآنی خطوط پر متشکل نہ ہو جائے اُسوقت تک کیلئے متوفی کے اُن قریبیوں کے متعلق، جن کا ترکہ میں حقِ وراثت موجود نہیں، نیز معاشرہ کے تمام محتاجوں کے متعلق ارشاد ہوا ہے:۔

وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى وَ

اور جب حاضر ہوں تقسیم کے وقت (متوفی) کے قریبی اور

الْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنُ فَارْزُقُوْهُمْ

بے سہارا افراد اور وہ جن کے کاروبار بند ہو چکے ہوں ۔ تو دیا کرو انہیں

مِّنْهُ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۸

اُس میں سے اور کہا کرو اُنہیں بات مناسب

اور جب تقسیم وراثت کے موقع پر (متوفی کے محتاج) قریبی آجائیں (جن کا مال متروکہ میں کوئی حصہ مقرر نہیں ہے) اور یا بے سہارا اور وہ معذور لوگ آجائیں جو کاروبار کے قابل نہیں یا جن کے کاروبار ساکن ہو گئے ہوں[1] ۔ تو اس مال میں سے اُنہیں بھی کچھ دیدیا کرو ۔ اور (اُنہیں جھڑکنا مت) بلکہ اُن سے معروف گفتگو کیا کرو (جس سے اُنکی خودداری مجروح نہ ہونے پائے) ۔

• [1] مسکین کا لفظ مادہ س ۔ ک ۔ ن وسکن سے ہے ۔ جس کا بنیادی معنی ہے ساکن ہو جانا ۔ رُک جانا یعنی جو لوگ معاشرہ میں کسی بھی وجہ سے ساکن ہو گئے ہوں ، جن کا کاروبار رُک گیا ہو وہ مسکین ہیں ۔ معذور اور دائم المریض وغیرہ جو کام کاج کے قابل نہیں ہوتے سب مساکین کی فہرست میں شامل ہیں ۔ اگلی آیت مجیدہ میں وراثت کا مال تقسیم کرنے والوں کو ہدایت کیگئی ہے کہ وہ انصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں ۔ اور ڈریں اِس امر سے کہ ہو سکتا ہے ، وہ بھی مرتے وقت اپنے پیچھے ، کچھ کم عمر اور کمزور بچے چھوڑ کر جا رہے ہوں :-

وَلْيَخْشَ الَّذِيْنَ لَوْ تَرَكُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ

اور چاہیئے کہ ڈریں یہ لوگ کہ اگر چھوڑ جائیں پیچھے اپنے

ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا خَافُوْا عَلَيْهِمْ فَلْيَتَّقُوا

بچے کمزور ۔ خوف کریں اُن کا ۔ پس چاہیئے کہ ڈریں

اللّٰهَ وَلْيَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۹

اللہ سے اور چاہیئے کہ کہیں سیدھی بات

اور چاہیئے کہ (مال متروکہ تقسیم کرنیوالے اِس امر سے) ڈریں کہ اگر یہ خود (مرتے وقت) اپنے پیچھے کمزور اولاد چھوڑ جائیں ، جن کے متعلق اُنہیں خوف ہو کہ (اُنکے بعد اُنکے حقوق پامال نہیں ہونے جائیں) ۔ تو چاہیئے کہ وہ (کسی تقسیم وراثت میں) خود اللہ سے ڈریں اور چاہیئے کہ (کسی بھی فریق کیطرف نہ جھکیں) ، بالکل انصاف کی بات کیا کریں ۔

• اس سے اگلی آیت مجیدہ میں ربط کلام کے مطابق اعلان کیا گیا ہے کہ جو لوگ یتیموں کا مال کھاتے ہیں وہ پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں :-

اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا

بیشک جو لوگ کھاتے ہیں مال یتیموں کا ناجائز طریقہ سے

اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ؕ وَسَيَصْلَوْنَ

سوائے اسکے نہیں کہ وہ کھاتے ہیں بیچ پیٹوں اپنوں کے آگ اور وہ ضرور داخل ہونگے

سَعِيْرًا ۱۰

آگ میں

ع ۱۲

بیشک جو لوگ یتیموں کے مال ناجائز طریقوں سے کھاتے ہیں[1] ۔ سوائے اِسکے نہیں ہے کہ وہ اپنے پیٹوں میں آگ کھاتے ہیں[1] اور وہ ضرور ضرور داخل ہونگے (دُنیا میں نفس لوّامہ کی ملامت کی) آگ میں ۔ (اور دُوسری زندگی میں ضرور ضرور داخل ہونگے جہنم کی آگ میں) ۔

• [1] یتیموں کے مال کے متعلق آیت نمبر ۶ میں گزر چکا ہے کہ اگر اُسکی دیکھ بھال کرنیوالا محتاج ہے تو وہ اُس میں سے اپنا حقِ خدمت

لے سکتا ہے۔ یہ ہے قرآن کریم کی رُو سے جائز طریقہ کہ یتیم کے مال کی حفاظت کی جائے۔ اور اگر اُسکا کوئی کاروبار ہے تو اُسے چلانے کے معاوضہ کے سوا یتیموں کا مال کھا لینے کے تمام طریقے ظُلمًا کی زد میں آتے ہیں۔

• ۱۰ یَاْكُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا کے الفاظ میں نار کا مجازی معنیٰ مقصود ہے۔ یہ فی الحقیقت آگ کے انگارے نہیں ہوتے اس طرح قرآن کریم میں متعدد مقامات پر نار کا لفظ مجاز کے طور پر استعمال ہُوا ہے۔ مثلاً كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ ۵/۶۴ جب لوگ لڑائی کیلئے آگ دہکاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اُسے بُجھا دیتا ہے۔ المختصر: نار کا لفظ قرآن مجید میں مجازی طور پر بھی متعدد مقامات پر استعمال ہُوا ہے۔ تفسیر القرآن بالقرآن کے ضمن میں ۴/۱۰ + ۵/۶۴ کو مثال مان کر لفظ نار کے حقیقی اور مجازی استعمال پر بنظرِ غائر توجہ دینا ضروری ہے۔

نوٹ • سلسلۂ درس کی اگلی دو آیتوں ۱۱-۱۲ میں حقتعالیٰ نے وراثت کے مسائل بیان فرمائے ہیں۔ اور صرف دو آیتوں میں اُن تمام حالتوں سے متعلقہ وراثتی مسائل کا حل دیدیا گیا ہے جو متوفی کے پسماندگان کی ممکن ہوسکتی ہیں مثلاً:-

۱۔ اگر متوفی کی اولاد صرف ایک بیٹا اور دو بیٹیاں ہوں تو پھر اندازِ تقسیم کیا ہوگا۔ ایک بیٹا اور دو سے زائد بیٹیاں ہوں یا ایک بیٹا اور ایک بیٹی ہو تو پھر تقسیم کے الگ الگ کیا طریقے اختیار کئے جائینگے۔ نیز اگر ایک بیٹا اور بہت سے بیٹیاں ہوں یا بہت سے بیٹے اور بہت سی بیٹیاں ہوں پھر کیا طریق کار ہوگا؟

۲۔ اگر متوفی کی اولاد کیساتھ اُسکے ماں باپ بھی موجود ہوں تو اُنہیں کیا ملیگا۔ اگر اولاد نہیں اور ماں باپ ہیں تو پھر اندازِ تقسیم کیا ہوگا؟

۳۔ متوفی مرد کی بیوہ کو کیا ملیگا؟۔ اگر اولاد ہے تو پھر کیا اور اگر نہیں ہے تو پھر کیا؟ اور اسیطرح اگر متوفیہ کی اولاد ہے تو اُسکا شوہر کتنا حصہ پائیگا۔ اور اگر اولاد نہیں ہے تو پھر کتنے حصے کا حقدار ہوگا؟

۴۔ اگر متوفی کے ماں باپ نہیں ہیں۔ اولاد اور بہن بھائی ہیں تو پھر اندازِ تقسیم کیا ہوگا۔ اور اگر نہ ماں باپ ہیں نہ اولاد بلکہ صرف بہن بھائی ہیں تو پھر ترکہ تقسیم کرنے کا کیا طریقہ اختیار کیا جائیگا؟۔ المختصر اللہ تعالیٰ نے متوفی کے پسماندگان کی ہر ممکن صُورت کیلئے تقسیمِ وراثت کا حل صرف دو آیتوں ۴/۱۱-۱۲ میں سمیٹ کر رکھدیا ہے۔ جن کی تفسیر القرآن بالقرآن کیلئے پہلے مسئلۂ وراثت کے پانچ قرآنی اصول ملاحظہ فرمائیں۔ تاکہ مسئلۂ وراثت کا ہر گوشہ اچھی طرح ذہن نشین ہوتا چلا جائے۔ یہ پانچوں اصول مسئلۂ وراثت کی دو آیتوں ۴/۱۱-۱۲ ہی سے اخذ کئے گئے ہیں۔ قرآنِ حکیم کا اندازِ بیان ایسا معجزانہ ہے کہ مسئلہ زیر بحث کی مختلف شقیں اور اصول ایک ساتھ بیان کرتا چلا جاتا ہے۔ اِن اصولوں کے ثبوت ۴/۱۱-۱۲ کی تفسیر میں خودبخود نکھر نکھر اور اُبھر اُبھر کر سامنے آتے چلے جائینگے۔

پہلا اصول

• حقِ وراثت والدین، اولاد اور اخوت کو حاصل ہے۔ زوجین کا تعلق محض عہدی ہے۔

• مسئلۂ وراثت کو سمجھنے کا پہلا قرآنی اصول یہ ہے کہ حقِ وراثت پانیوالے صرف متوفی کے والدین اور اقرب ہیں ہے۔ اقرب مشتمل ہیں صُلبی اولاد اور سگے بہن بھائیوں پر۔

۱۔ والدین یعنی ماں باپ میں دادا، دادی، پردادا، پردادی وغیرہ اُوپر تک سب۔ اور ماں، نانی، پرنانی وغیرہ سب اُوپر تک

شامل ہیں۔ اگر باپ موجود نہ ہو تو اُسکی جگہ پر اگر دادا دادی موجود ہیں وہ آجاتے ہیں۔ اور اگر دادی دادا کی جگہ پردادا پردادی موجود ہوں، تو وہ وارث ٹھہرتے ہیں۔ اور اسیطرح اگر ماں موجود نہ ہو تو اُسکی جگہ، نانا نانی، اور اگر وہ نہ ہوں تو اُنکی جگہ پرنانا پرنانی لے لیتے ہیں۔ والدین کے بعد باری آتی ہے اقرب کی جنہیں اللہ تعالیٰ نے مشتمل کیا ہے **اولاد اور اخوت پر۔**

۲۔ اولاد مشتمل ہے بیٹے اور بیٹی پر۔ بیٹے میں پوتا پرپوتا اور پوتی پرپوتی سب شامل ہیں۔ اور بیٹی میں دوہتا پردوہتا۔ اور دوہتی پردوہتی وغیرہ سب شامل ہیں۔ اگر بیٹا مرگیا ہو تو اُسکی جگہ پر پوتے پوتیاں آجاتی ہیں۔ اور اگر پوتے پوتیاں نہ ہوں تو اُنکی جگہ پرپوتے پرپوتیاں لے لیتی ہیں۔ اور اسیطرح اگر بیٹی مرگئی ہو تو اُسکی جگہ پر دوہتے دوہتیاں آجاتی ہیں۔ اور اگر دوہتے دوہتیاں نہ ہوں تو اُن کا مقام پردوہتے پردوہتیاں لے لیتی ہیں۔

۳۔ اخوت مشتمل ہے بھائی اور بہن پر۔ اگر بھائی نہ ہو تو اُسکی جگہ پر اُسکی اولاد آجاتی ہے بھتیجے بھتیجیاں۔ وہ نہ ہوں تو پربھتیجے اور پربھتیجیاں وغیرہ۔ اور اگر بہن نہ ہو تو اُسکی جگہ لے لیتے ہیں بھانجے بھانجیاں۔ اگر وہ نہ ہوں تو اُنکی اولاد میں سے نیچے کیطرف جس درجے پر کوئی موجود ہو اپنے سے اُوپر والے کی جگہ پر آجاتا ہے۔

• تو اسیطرح تقسیم وراثت کے ضمن میں مندرجہ بالا ضمنی اصول ہمیشہ قائم رہیگا کہ حقِ وراثت پانیوالوں میں سے اگر کوئی فرد فوت ہوچکا ہو، خواہ وہ اُوپر کیطرف کا ہو یعنی والدین میں سے کوئی ایک یا دونوں، اور خواہ نیچے کیطرف کا ہو کوئی بیٹا یا بیٹی، اور خواہ دائیں بائیں کی جانب کا ہو کوئی بھائی یا بہن، تو اُوپر والوں کی جگہ، بتدریج اُوپر والے لینے چلے جائینگے۔ اور نیچے والوں کی جگہ پر بتدریج نیچے والے آتے چلے جائینگے اور دائیں بائیں والوں کی جگہ پر بتدریج اُنکی اولادیں آتی چلی جائینگی۔ پس یاد رکھیئے کہ اس ضمنی اصول کو **اصولِ قائم مقامی** کہا جاتا ہے جو بلے سے ثابت ہے کہ اگر متوفی کا کوئی اقرب فوت ہوچکا ہُوا ہو تو اُس سلسلے کا دُوسرا فرد جو اُسکا قائم مقام ہوتا ہے، وہ متوفی کا اقرب ہو جاتا ہے۔ اور قرآن کریم اقرب ہی کو وراثت میں حصّہ دیتا ہے۔

۴۔ زوجین۔ والدین اور اقرب اولاد اور بھائی بہن تو ہوئے نسبی رشتہ دار۔ اب آیئے اُس رشتہ داری کیطرف جو ایک وقتی عہد یعنی عہدِ نکاح کے ذریعہ قائم ہوتی اور طلاق کے ذریعہ ٹوٹ جاتی ہے۔ وہ ہے رشتہ زوجین۔ یعنی میاں بیوی کا رشتہ۔ قرآن کریم نے متوفی اور متوفیہ کے ترکہ میں فریقِ ثانی کا حصّہ مقرر کردیا ہے۔ اگر کسی متوفی شوہر کی ایک سے زائد بیویاں ہوں تو وہ اُس مقررہ حصّہ میں برابر کی شریک ہوتی ہیں نیز زوجین کے ضمن میں اصولِ قائم مقامی داخل نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ میاں بیوی کا رشتہ نسبی نہیں محض عہدی ہے۔

۲۔ دُوسرا اصول

• **حقِ وراثت پانیوالوں کے دو حصّے ہیں:۔ وارث اور ذو الفروض۔**

• متوفی کے ترکہ میں سے حقِ وراثت پانیوالے چار گروہ ہیں، والدین[۱]، اولاد[۲]، اخوت[۳] اور زوجین[۴] میں سے زوجین چونکہ نسبی رشتہ دار نہیں۔ بلکہ صرف عہدی ہیں۔ اسلئے قرآن کریم نے میاں اور بیوی کیلئے فریقِ ثانی کے ترکہ میں سے مخصوص حصّے مقرر کردیئے ہیں جو تقسیم وراثت کی کسی بھی صورت میں تبدیل نہیں ہوتے اور تقسیم وراثت کی ہر صورت میں زوجین کے حصّے ذوالفروض کے حقوق کیساتھ مشترکہ طور پر نکالے جاتے ہیں۔

• باقی تین گروہوں میں سے والدین، اولاد اور اخوت کی مختلف ممکن صورتوں کے مطابق قرآن حکیم نے انہیں دو حصوں میں تقسیم کیا ہے

وارث اور ذو الفروض ۔ یعنی متوفی کے پسماندگان کی مختلف ممکن صورتوں میں ان میں سے صرف ایک گروہ وارث ٹھہرتا ہے، اور صرف ایک ذو الفروض ہوتا ہے۔ مثلاً اولاد اور والدین ہوں تو اولاد وارث اور والدین ذو الفروض ہوتے ہیں۔ اولاد اور اخوت ہو تو اولاد وارث اور اخوت ذو الفروض ہوتی ہے۔ ذو الفروض کے حصے زوجین کیساتھ مشترکہ طور پر نکالے جاتے ہیں اور باقی ترکہ وارث گروہ میں قرآن کریم کے معینہ حصص کے مطابق تقسیم ہو جاتا ہے۔ نیز جس مقام پر اللہ تعالیٰ نے ذو الفروض گروہ کا ذکر کیا ہو، اور وارث گروہ کا ذکر نہ کیا ہو تو وہاں پر وارث گروہ کی موجودگی یقینی ہے۔ **وارث گروہ** کی پہچان یہ بتائی گئی ہے کہ اس گروہ کے مذکر کا حصہ مونث کے حصے سے دگنا ہوتا ہے۔ یعنی وارث گروہ کے مذکر و مونث کے حصوں میں ۲ : ۱ کی نسبت ہوتی ہے۔ اور **ذو الفروض** گروہ کی پہچان قرآن کریم کی بتائی ہوئی یہ ہے کہ اسکے مذکر اور مونث کے حصے باہم برابر ہوتے ہیں۔

● وارث گروہ کے مذکر بھی وارث ہیں اور عددی مونث کے سوا مونث بھی وارث ہیں

۳۔ تیسرا اصول ● تیسرا اصول یہ ہے کہ وارث گروہ کے مذکر اور مونث کا حق وراثت مساوی ہوتا ہے۔ فرق صرف حصۂ وراثت میں ہے حق وراثت میں نہیں۔ یعنی جہاں وارث گروہ کے ملے جلے مذکر مونث کی جماعت موجود ہو تو پوری جماعت وارث ہوتی ہے۔ اگر ایک یا دو یا دو سے زائد مذکر ہوں تو الگ الگ صورتوں میں مذکر وارث ہوتے ہیں۔ اگر ایک یا دو یا دو سے زائد مونث ہوں تو مونثیں وارث ہوتی ہیں۔ مثلاً اگر متوفی کے وارثوں میں صرف ایک بیٹا، دو بیٹے، یا بہت سے بیٹے ہیں تو الگ الگ صورتوں میں صرف ایک بیٹا، صرف دو بیٹے اور صرف بہت سے بیٹے بھی وارث ہیں۔ اور اگر متوفی کے بعد وارث گروہ اولاد میں صرف ایک بیٹی، صرف دو بیٹیاں، یا صرف بہت سی بیٹیاں ہوں تو الگ الگ صورتوں میں صرف ایک بیٹی بھی وارث ہے، صرف دو بیٹیاں بھی وارث ہیں اور صرف بہت سی بیٹیاں بھی وارث ہیں۔ اسیطرح جس مقام پر بہن بھائی وارث ہوں تو اگر ملے جلے بہن بھائیوں کی جماعت ہو تو جماعت وارث ہوتی ہے۔ اگر ایک بھائی ہو تو اکیلا وارث ہوتا ہے۔ اگر دو یا دو سے زائد صرف بھائی ہوں تو الگ الگ وہ وارث ہوتے ہیں۔ اگر بہنوں کی جماعت ہو تو جماعت وارث ہوتی ہے، اگر اکیلی بہن ہو تو اکیلی وارث ہوتی ہے۔ اگر دو یا دو سے زائد بہنیں ہوں تو الگ الگ وہ وارث ہوتی ہیں لیکن :-

● واضح رہے کہ جہاں والدین وارث ہوں۔ وہاں اگر متوفی کا والد اور والدہ دونوں موجود ہوں تو دونوں وارث ہوتے ہیں اور برابر برابر حصہ پاتے ہیں۔ اکیلا والد موجود ہو تو وارث ہوتا ہے لیکن اگر باپ نہ ہو اور اکیلی ماں ہو تو چونکہ وہ عددی مونث ہے۔ یعنی وارث مذکر کیساتھ اسکا صرف عددی رشتہ ہے اسلئے جب وہ اکیلی ہو تو قرآن کریم نے اُسے ذو الفروض قرار دیا ہے۔ اس مسئلہ کی تفصیلی بحث آیت مجیدہ ۴/۱۱ کے حصہ نمبر ۶ میں آگے آرہی ہے۔

● نیز واضح رہے کہ جس صورت میں متوفی کے بعد صرف ایک کے سوا کوئی دوسرا حقدار فرد موجود ہی نہ ہو تو، کلالہ بے اولاد کی بہن کے سوا سارے مال کا حقدار وہی ہوگا، خواہ وہ مذکر ہو یا مونث۔ یعنی متوفی کا بیٹا ہو یا بیٹی، باپ ہو یا ماں۔ بہن ہو یا بھائی۔ نیز جہاں ذکر تو ہو ایک فرد کی موجودگی کا، لیکن اگر اُسے سارے ترکہ کی بجائے کسی حصے کا مالک ٹھہرایا گیا ہو تو وہاں پر دوسرے حقدار کی موجودگی یقینی ہوگی۔ وراثت کے قرآنی اصولوں کے مطابق معمولی سا غور کرنے پر دوسرا حقدار نکھر کر سامنے آجاتا ہے۔

۴۔ چوتھا اصول ● **متوفی کی اوّلین وارث اولاد ہے۔ اولاد نہ ہو تو والدین یا اکیلا والد وارث ہے اولادؔ**

والدین یا اکیلا والد نہ ہو تو اخوت وارث ہے۔

• چوتھا اصول یہ ہے کہ:-

اگر متوفّی کے پسماندگان میں اولاد موجود ہے تو اُسکی موجودگی میں نہ اخوت وارث ہوتی ہے نہ والدین۔ بالفاظِ دیگر متوفّی کی اوّلین وارث اولاد ہے۔ اولاد نہ ہو تو ماں باپ دونوں وارث ہوتے ہیں۔ اکیلا باپ ہو تو وارث ہوتا ہے۔ لیکن اگر اکیلی ماں ہو تو چونکہ اسکا تعلق ساتھی حقدار مذکّر کیساتھ عصری سے نسبی نہیں، اسلئے وارث نہیں ہوتی۔ بلکہ اس صورت میں قرآن کریم نے اُسے ۱/۶ حصّے کی ذو الفروض قرار دیا ہے۔ اس مسئلہ کی وضاحت سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ ۴/۱۱ کے حصّہ نمبر ۴ میں آگے آرہی ہے۔ اولاد نہ ہو تو والدین کی موجودگی میں بہن بھائیوں کو کچھ نہیں ملتا۔ البتہ باپ نہ ہونے کی صورت میں اکیلی ماں ہو تو بہن بھائی وارث ہوتے ہیں۔ اور ماں ۱/۶ حصّے کی ذو الفروض ہوتی ہے۔

• اولاد کی موجودگی میں اولاد وارث اور ماں باپ ذو الفروض ہوتے ہیں، مگر جہاں اولاد کی موجودگی میں ماں باپ نہ ہوں اور اخوت موجود ہو تو اولاد وارث اور بہن بھائی ذو الفروض ہوتے ہیں۔ یہ صورت کلالہ با اولاد کی ہے ۴/۱۲۔

• اور جس صورت میں متوفی کی نہ اولاد ہو نہ والدین ـــ اور صرف اخوت ہو تو قرآن کریم نے متوفی کی اس صورت کو بھی کلالہ ہی کہا ہے (یعنی کلالہ بے اولاد)۔ متوفی کے پسماندگان کی اس حالت کی وضاحت سورہ نسآء کی آخری آیت مجیدہ نمبر ۱۷۶ میں آئی ہے کلالہ بے اولاد کی صورت میں قرآن کریم نے ہر مقام پر مذکّر کا حصّہ مؤنّث سے دُگنا قرار دیا ہے۔ یہانتک کہ اگر کسی صورت میں دو بہن بھائی کلالہ موجود ہیں۔ تو اُن میں سے اگر بہن مرجائے تو بھائی اُسکے سارے ترکہ کا وارث ہوتا ہے اور اگر بھائی مرجائے تو بہن کو ترکہ کا نصف ملتا ہے۔ چونکہ آیت مجیدہ ۴/۱۷۶ میں اخوت وارث ہے۔ اسلئے اس حالت یعنی کلالہ بے اولاد کی صورت میں بہن بھائیوں کے حصّوں میں ہر مقام پر ایک اور دو کی نسبت قائم رکھی گئی ہے۔

پانچواں اصول ۵ **• تقسیمِ وراثت کے وقت سب سے پہلے متوفی کی وصیت اور قرضہ ادا کیا جائیگا۔**

• قرآن کریم کی رُو سے تقسیمِ وراثت کا پانچواں اصول یہ ہے کہ سب سے پہلے متوفی کی وصیت اور قرضہ ادا کیا جائیگا۔ اور اسکے بعد جو مال باقی بچے اُس میں سے بیک وقت زوجین کے پسماندہ فرد، اور ذوالفروض کے حصّے ادا کرکے باقی مال وارث گروہ کے مذکّر مؤنّث میں دو ایک کی نسبت سے تقسیم ہو جائیگا۔ اکیلا مذکّر سارا مال پائیگا۔ دو یا دو سے زائد مذکّروں میں مساوی تقسیم ہوگا۔ عصری مؤنّث کے سوا، اکیلی مؤنّث ہو تو سارا مال وُہ پائیگی۔ دو یا دو سے زائد مؤنّثیں ہوں تو باقی مال کو وُہ آپس میں برابر برابر تقسیم کرینگی۔

• برادرانِ عزیز! یہ ہیں تقسیمِ وراثت کے پانچ بنیادی قرآنی اصول جن کی وضاحت اُنہی آیات کریمات ۴/۱۱، ۴/۱۲ میں موجود ہے جن میں متوفی کے پسماندگان کی جملہ مختلف صورتوں کا اندازِ تقسیم بھی بتا دیا گیا ہے۔

رجوع الی المطلب
ایک ضروری نوٹ

• ابتدائے مضمون میں مسئلۂ وراثت کی ابتدائی آیات کریمات ۴/۷ تا ۴/۱۰ کا مفہوم درج کیا جا چکا ہے۔ اس سے آگے بالترتیب آیات مجیدہ ۴/۱۱ و ۴/۱۲ زیرِ بحث ہیں۔ کیونکہ اِن آیات مقدّسات کے الگ الگ حصّے الگ الگ مسئلۂ وراثت کی الگ الگ شقوں کی وضاحت پر مشتمل ہیں، اسلئے ہر حصّے کے شروع میں نمبر دیدیئے گئے ہیں۔ قارئین کرام

ان نمبروں کو ذہن میں محفوظ رکھیں، تاکہ آگے چلکر جہاں جہاں ان میں سے کسی نمبر کا حوالہ دیاگیا ہو، اُس آیت مجیدہ کے متعلقہ حصّے کو آپ سامنے لا سکیں۔ دیکھئے: یہ ہے ۴/۱۱ کا حصہ نمبر۱؛ جسمیں پہلے اصول کی اس شق کی وضاحت کیگئی ہے کہ جب کوئی گروہ وارث ہو تو مذکر کا حصّہ مونث سے دُگنا ہوتا ہے:۔

(۴/۱۱ حصہ نمبر۱) يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ ۖ
وصیت کرتا ہے تمہیں اللہ بیچ اولاد تمہاری کے
لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ ۚ......
ذکر کا حصہ ہے مانند حصّے دو مونثوں کے

(ایمان والو!) اللہ تعالیٰ تمیں تمہاری اولاد کے متعلق حکم دیتا ہے کہ (جب تم میں سے کوئی فوت ہوجائے تو اُسکے ترکہ میں اُس کی اولاد کے) ایک مذکر کا حصّہ دو مونثوں کے حصّے کے برابر ہے۔

• یہ آیت مجیدہ بیک وقت دو فائدے دیتی ہے۔ پہلا یہ کہ اس سے ثابت ہے کہ اگر متوفی کی اولاد میں بیٹے بیٹیاں ملے جُلے ہوں تو اُن میں مالِ وراثت دو ایک کی نسبت سے تقسیم ہوگا۔

• اور دُوسرا فائدہ یہ ہے کہ اگر متوفی کی اولاد ایک بیٹا اور دو بیٹیاں ہوں تو بیٹے کا حصّہ دونوں بیٹیوں کے برابر ہوگا۔ یہ تو ہوئی متوفی کی اولاد کی اِس صورت کی وضاحت کہ جب اولاد میں صرف ایک بیٹا اور دو بیٹیاں ہوں، آیت مجیدہ کے اگلے حصّے میں اولاد کی اُس حالت کی وضاحت درج ہے کہ اگر ایک بیٹا اور دو سے زائد بیٹیاں ہوں تو پھر تقسیم وراثت کی کیا صورت ہوگی؟

ایک بیٹا اور متعدد بیٹیاں

• واضح رہے کہ یہ مسئلہ وراثت کا اہم ترین اور نازک ترین گوشہ ہے، کیونکہ مشاہدات کی رُو سے یہ بھی ممکن ہے کہ متوفی کی اولاد ایک بیٹا اور دس بیس بیٹیاں ہوں۔ ایک بیٹا اور سات آٹھ نو بیٹیاں تو عام پائی جاتی ہیں۔ تو اسطرح ایک بیٹا اور بیس بیٹیوں کی صورت میں اکیلے بیٹے کو وراثت کا صرف گیارہواں حصہ ملتا ہے۔ یعنی اگر گیارہ ہزار روپیہ ترکہ ہو تو بیٹے کو صرف ایک ہزار ملیگا۔ اور باقی دس ہزار بیس بیٹیاں لے جائینگی۔ اگر ایک بیٹا اور بارہ بیٹیاں ہوں تو اکیلا بیٹا ساتواں حصہ پاتا ہے، یعنی سات ہزار میں سے ایک ہزار۔

• فلہٰذا اسی چیز کے انسداد کیلئے خدا تعالیٰ نے آیت مجیدہ زیرِ نظر ۴/۱۱ کے اگلے حصّہ نمبر۲ میں اکیلے بیٹے کیلئے وراثت کا ایک تہائی حصّہ محفوظ کر دیا ہے اور دو تہائی حصّہ اُن سب بیٹیوں کو دیدیا ہے جو دو سے زائد در جنوں کی تعداد میں بھی کیوں نہ ہوں۔ پس، ایک بیٹا اور دو بیٹیوں کی صورت میں اندازِ تقسیم کے بعد اگلی آیت مجیدہ میں یہ بتایا جا رہا ہے کہ اگر متوفی کا ایک بیٹا اور دو سے زائد بیٹیاں ہوں تو:۔

(۴/۱۱ حصہ نمبر۲) فَإِن كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ
پھر اگر ہوں عورتیں زائد دو سے
فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۖ......
تو واسطے اُنکے ہیں دو تہائیاں اُسکی جو متوفی نے چھوڑا

پھر اگر وہ (متوفی کے پسماندگان میں ایک بیٹے کیساتھ) دو سے زائد عورتیں (بیٹیاں) ہوں تو اُن سب کیلئے (اُس ترکہ میں سے) جو متوفی چھوڑ جائے دو تہائی حصہ ہے۔ (ایک تہائی حصہ اکیلے بیٹے کا ہے)۔

• غور فرمائیگا! کہ "فَوْقَ اثْنَتَيْنِ" کے الفاظ لاکر، دو سے زائد بیٹیوں کے متعلق احکام بیان کرنے سے صاف عیاں ہے

کہ آیت مجیدہ کے حصہ نمبر ۱ میں ایک بیٹا اور دو بیٹیوں کے متعلق احکام دیئے گئے ہیں ۔ اور آیت مجیدہ کے اِس مندرجہ بالا حصہ نمبر ۲ میں ایک بیٹا اور دو سے زائد بیٹیوں کے متعلق وضاحت کیگئی ہے ۔ کیونکہ فَوْقَ اثْنَتَيْنِ کے الفاظ نے دو بیٹیوں کو آیت مجیدہ کے حصہ نمبر ۲ کے زمرہ سے خارج کر دیا ہے ۔ نیز یہ بھی تسلیم نہیں کیا جا سکتا کہ قرآن کریم میں فَوْق کا لفظ بلا وجہ لایا گیا ہو ۔ اور نہ ہی فَوْقَ اثْنَتَيْنِ کا معنی عربی قواعد کی رُو سے دو یا دو سے زائد بیٹیاں صحیح تسلیم کیا جا سکتا ہے

● حقیقت یہ ہے کہ ۴ؑ کے حصہ نمبر ۱ میں ایک بیٹا اور دو بیٹیوں کے متعلق وضاحت کرنے کے بعد ۴ؑ کے مندرجہ بالا حصہ نمبر ۲ میں ایک بیٹا اور دو سے زائد بیٹیوں سے متعلقہ احکام دیئے گئے ہیں ۔ اور اِسکے بعد ۴ؑ کے حصہ نمبر ۳ مندرجہ ذیل میں متوفی کی اولاد کی اِس حالت کی وضاحت کیگئی ہے کہ اگر ایک بیٹا اور صرف ایک بیٹی ہو تو اِس صورت میں اُسے دو تہائی کے نصف حصہ سے زائد نہیں ملیگا ۔

(۴ؑ حصہ نمبر ۳) وَاِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا [ملہ] النِّصْفُ [مثہ] ......

اور اگر ہو بیٹی ایک تو واسطے اُس کے ہے دو تہائی کا نصف (ایک تہائی)

اور اگر (متوفی کی اولاد میں ایک بیٹا اور صرف) ایک بیٹی ہو تو اُس کا حصہ (دو بیٹیوں کے حصے دو تہائی کا) نصف ہے ۔ (ایک تہائی)

● مثہ یہاں اَلنِّصْف کا الف لام عوض مضاف الیہ ہے ثُلُثَيْنِ ۔ اور تقدیر کلام ہے فَلَهَا نِصْفُ الثُّلُثَيْنِ یعنی ایک بیٹے کے ساتھ ایک بیٹی ہو تو اسکا حصہ دو بیٹیوں کے حصہ مذکورہ بالا ثُلُثَيْنِ ۔ دو تہائی کا نصف ہے ایک تہائی ۔

● ملہ آیت مجیدہ ۴ؑ کے حصہ نمبر ۲ میں فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ کا معنی عام تفسیروں میں یہ لیا گیا ہے کہ یہاں اُس حالت کا ذکر ہے کہ جب متوفی کے پسماندگان میں دو یا دو سے زائد صرف بیٹیاں ہوں تو اُنہیں دو تہائی حصہ ملیگا اور باقی ایک تہائی متوفی کے دُور کے رشتہ دار لے جائیںگے اور اِس آیت مجیدہ ۴ؑ کے حصہ نمبر ۳ کے الفاظ وَاِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ کا معنی عام تفسیروں میں یہ لیا گیا ہے کہ یہاں اُس حالت کا ذکر ہے کہ جب متوفی کی صرف ایک بیٹی ہو تو اُسے نصف ترکہ دیا جائیگا اور باقی نصف حصہ متوفی کے دُور کے رشتہ دار لینگے ۔ حصہ نمبر ۲ و ۳ کے یہ مفہوم تین وجوں سے غلط ہیں :۔

● پہلی یہ کہ فَوْقَ اثْنَتَيْنِ کا دو یا دو سے زائد معنی مُراد لینا عربی ادب کا خون کرنے کے مصداق ہے ۔ اور

● دوسری یہ کہ آیت مجیدہ ۴ؑ کے مطابق اگر اولاد مِلے جُلے بیٹے بیٹیاں ہوں تو تب بھی وارث ہوتے ہیں، صرف ایک بیٹا یا ایک سے زائد صرف بیٹے ہوں تب بھی وُہ وارث ہوتے ہیں نیز اگر صرف ایک بیٹی ہو تو تب بھی وُہ وارث ہوتی ہے اور اگر دو یا دو سے زائد صرف بیٹیاں ہوں تو تب بھی وُہ وارث ہوتی ہیں ۔ حقِ وراثت کے ضمن میں بیٹوں اور بیٹیوں میں فرق کرنا، یعنی جب اولاد صرف ایک بیٹی اور دو یا دو سے زائد بیٹیاں ہوں تو اُنہیں وارث کی بجائے ذوالفروض قرار دینا آیت مجیدہ ۴ؑ کی مخالفت ہے ۔ کیونکہ قرآن کریم نے بیٹوں بیٹیوں کے حقِ وراثت میں فرق نہیں بتایا، حصہ وراثت میں فرق بتایا ہے، کہ جب مِلے جُلے بیٹے اور بیٹیاں ہوں تو بیٹے کا حصہ بیٹی کے حصے سے دُگنا ہو گا ۔ اِسکے برعکس جب اولاد صرف ایک بیٹی یا ایک سے زائد صرف بیٹیاں ہوں تو وہ اُسیطرح

وارث ہوتی ہیں جسطرح جب اولاد صرف ایک بیٹا یا ایک سے زائد صرف بیٹے ہوں تو وہ وارث ہوتے ہیں، کیونکہ اولاد کے زمرے میں جسطرح بیٹا اور بیٹے شامل ہیں اُسیطرح بیٹی اور بیٹیاں بھی شامل ہیں۔ جیسے کہ باری تعالیٰ نے یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ فِیْٓ اَوْلَادِکُمْ لِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ کے الفاظ میں وضاحت فرمادی ہے کہ بیٹے اور بیٹیاں دونوں صنفیں اولاد ہیں۔

● نیز یاد رہے کہ دو یا دو سے زائد بیٹوں کی صورت میں وصیت اور قرضہ کی ادائیگی اور بیک وقت زوجین اور ذوالفروض کے حصّے نکالکر باقی سارے مال کے وارث بیٹے ٹھہرتے ہیں اور وہ باقی سارا مال اُن میں مساوی تقسیم ہوتا ہے۔ اِسیطرح اگر دو یا دو سے زائد صرف بیٹیاں ہوں تو اِس صورت میں بھی مذکورہ بالا حصّے نکالکر باقی سارے مال کی وارث بیٹیاں ہونگی اور اُن میں وہ باقی سارا مال مساوی تقسیم کیا جائیگا۔ اور اسیطرح، جیسے کہ اکیلے ایک بیٹے کی صورت میں مذکورہ بالا حصّے نکالکر باقی سارے مال کا وارث اکیلا بیٹا ہوتا ہے۔ اُسیطرح اکیلی بیٹی ہونے کی صورت میں مذکورہ حصّے نکالکر باقی سارے مال کی وارث اکیلی بیٹی ہوگی۔

● تیسری وجہ اکیلی، دو یا دو سے زائد بیٹیوں کو حقِ وراثت سے محروم کرنے کے نظریہ کے غلط ہونے کی یہ ہے کہ اِسکی رو سے جب ترکہ تقسیم کیا جاتا ہے تو مالِ وراثت کبھی بڑھ جاتا ہے اور کبھی گھٹ جاتا ہے۔ اور اسطرح اِس نظریے کی بدولت غیر مسلموں کو یہ کہنے کا موقعہ میسر آتا ہے کہ "قرآن کے خدا کو معاذ اللہ چوتھی جماعت کے طالب علم جتنا بھی حساب نہیں آتا"۔ کیوں؟ ۔ اِسلئے کہ بیٹی اور بیٹیوں کو حقِ وراثت سے محروم کرنیوالے نظریہ کے مطابق حالت یہ ہوتی ہے کہ اگر اولاد صرف ایک لڑکی ہے۔ ماں باپ بھی ہیں اور بیوی بھی ہے تو اس صورت میں ترکہ کا $\frac{1}{24}$ حصّہ فالتو بچ جاتا ہے دیکھئے حساب:-

کل ترکہ = ۱　　بیٹی کا روائتی حِصّہ = $\frac{1}{2}$　　ماں باپ کا حِصّہ = $\frac{1}{3}$　　بیوی کا حصّہ = $\frac{1}{8}$

اِن سب کو حِصّے دیکر۔ کل ترکہ $1-\frac{1}{2}-\frac{1}{3}-\frac{1}{8}=\frac{24-12-8-3}{24}=\frac{1}{24}$ یعنی ← $\frac{1}{24}$ بچ رہا۔

● اور اسیطرح دو یا دو سے زائد بیٹیوں کی صورت میں جب میراث تقسیم کی جائے تو $\frac{1}{8}$ حِصّہ گھٹ جاتا ہے دیکھئے حساب:-

کل ترکہ = ۱　　دو یا دو سے زائد بیٹیوں کا روائتی حِصّہ = $\frac{2}{3}$　　ماں باپ کا حصہ = $\frac{1}{3}$　　بیوی کا حِصّہ = $\frac{1}{8}$

اِن سب کو حِصّے دینے میں:- $1-\frac{2}{3}-\frac{1}{3}-\frac{1}{8}=\frac{24-16-8-3}{24}=-\frac{3}{24}=-\frac{1}{8}$ یعنی ← $\frac{1}{8}$ گھٹ گیا۔

● اور اگر عورت متوفیہ کی وراثت تقسیم کی جارہی ہو تو ایک بیٹی کی صورت میں $\frac{1}{12}$ گھٹ جاتا ہے، دیکھئے حساب:-

کل ترکہ = ۱　　بیٹی کا روائتی حِصّہ = $\frac{1}{2}$　　ماں باپ کا حِصّہ = $\frac{1}{3}$　　شوہر کا حِصّہ = $\frac{1}{4}$

ان سب کو حِصّے دینے میں:- $1-\frac{1}{2}-\frac{1}{3}-\frac{1}{4}=\frac{12-6-4-3}{12}=-\frac{1}{12}$ یعنی ← $\frac{1}{12}$ گھٹ گیا

● اور اسیطرح متوفیہ کی تقسیمِ وراثت کے وقت دو یا دو سے زائد بیٹیوں کی صورت میں $\frac{1}{4}$ حِصّہ گھٹ جاتا ہے دیکھئے حساب:-

ترکہ = ۱　　دو یا دو سے زائد بیٹیوں کا روائتی حِصّہ = $\frac{2}{3}$　　والدین کا حِصّہ $\frac{1}{3}$　　شوہر کا حِصّہ = $\frac{1}{4}$

اِن سب کو حِصّے دینے میں:- $1-\frac{2}{3}-\frac{1}{3}-\frac{1}{4}=\frac{12-8-4-3}{12}=-\frac{3}{12}=-\frac{1}{4}$ یعنی ← $\frac{1}{4}$ گھٹ گیا

فلسفۂ عول کا یہ نظریہ ہی مطلقاً غلط ہے، جس کی رُو سے۔

• کبھی تو مالِ وراثت بچ رہتا ہے اور کبھی گھٹ جاتا ہے! اور اس کمی بیشی کی رُو سے کہیں تو وُرثاء کو قرآن کریم کے مقرر کردہ حصّے سے کم ملتا ہے۔ اور کہیں زیادہ۔ حالانکہ چوتھی جماعت کا طالب علم بھی جانتا ہے کہ اگر کسی مقدار کے صحیح حصّے کئے جائیں تو وہ مقدار پوری تقسیم ہو جاتی ہے۔ نہ بچ رہتی ہے نہ گھٹ جاتی ہے۔

• حقیقت یہ ہے کہ ایک بیٹی اور دو یا دو سے زائد بیٹیوں کی صورت میں انہیں حقِ وراثت سے محروم کر کے مخصوص حصّوں کا ذوالفروض بنا دینا ہی وہ بنیادی غلطی ہے جو مندرجہ بالا غلط صورتیں پیدا کرتی ہے۔ حالانکہ بڑی موٹی سی بات ہے کہ جب بیٹے اور بیٹیاں دونوں صنفیں اولاد میں شامل ہیں تو خواہ وہ ملے جُلے بیٹے اور بیٹیاں ہوں تو بھی وارث ہیں۔ صرف ایک بیٹا یا ایک بیٹی ہو تو بھی وہ الگ الگ وارث ہیں۔ اور اسیطرح اگر دو یا دو سے زائد بیٹیاں ہوں تو بھی وہ الگ الگ وارث ہیں۔ اور تقسیم کے وقت وصیت اور قرضہ کی ادائیگی اور بیک وقت زوجین و ذوالفروض کے حصّے نکالکر ایک بیٹی ہو تو وہ پُورے ترکہ کی وارث ہے۔ دو یا دو سے زائد بیٹیاں ہوں تو وہ بھی پُورے باقی مال کی وارث ہیں۔

اولاد وارث اور ماں باپ ذوالفروض

• آیت مجیدہ زیرِ نظر ۱۱ کے اگلے حصّہ نمبر ۴ میں ماں باپ کے حصّے بنائے گئے ہیں! اور ساتھ ہی پیچھے بیان کردہ مسئلۂ وراثت کے پہلے اصول کی اس شق کی وضاحت بھی کر دی گئی ہے کہ جب کوئی گروہ ذوالفروض ہو تو اُسکے مذکر و مونث کے حصّے باہم برابر ہوتے ہیں۔ نیز اس میں پانچویں اصول کی وضاحت بھی موجود ہے کہ ترکہ میں سے ذوالفروض کے حصّے، وراثت کے وارثوں میں تقسیم کرنے سے پہلے نکالے جائیں گے۔ اور ساتھ ہی اس حصّہ نمبر ۴ میں چھٹے اصول کا ثبوت بھی موجود ہے کہ اولاد کی موجودگی میں اگر والدین بھی موجود ہوں تو وہ وارث نہیں ہوتے۔ بلکہ ذوالفروض ہوتے ہیں اور اُنکے مذکر و مونث کے حصّے برابر ہوتے ہیں۔

(۱۱ حصہ نمبر ۴) وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا اور واسطے والدین اُسکے کے واسطے ہر ایک کے دونوں میں سے السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِنْ كَانَ لَهُ وَلَدٌ .... چھٹا چھٹا اُس میں سے جو باقی بچے، اگر ہو واسطے اُسکے اولاد	اور اُس (متوفی) کے والدین میں سے ہر ایک کیلئے چھٹا چھٹا حصّہ ہے اُس مال کا جو وصیت اور قرضہ کی ادائیگی کے بعد متوفی نے چھوڑا ہو۔ بشرطیکہ اُس کی اولاد ہو۔

• آیت مجیدہ کے اس حصّہ میں مِمَّا تَرَكَ کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ والدین کا چھٹا چھٹا حصّہ ترکہ میں سے دیا جائیگا۔ اور یہ اسی صورت میں ممکن ہو سکتا ہے کہ وارثوں یعنی اولاد میں ترکہ بعد میں تقسیم کیا جائیگا۔ پہلے والدین (یعنی ذوالفروض) کے مقررہ حصّے ادا کئے جائینگے۔ (مسئلۂ وراثت کے ضمن میں مِمَّا تَرَكَ ایک قرآنی اصطلاح ہے جس کی وضاحت آگے آ رہی ہے)۔

اولاد نہ ہو تو والدین وارث ہوتے ہیں

• آیت مجیدہ ۱۱ کے اگلے حصہ نمبر ۵ میں پانچویں اصول کی اس شق کا ثبوت ہے کہ اگر متوفی کی اولاد نہ ہو تو پھر والدین وارث ٹھہرتے ہیں۔ نیز اس حصّے میں پہلے اصول کی اس شق کی وضاحت بھی موجود ہے کہ جب بھی گروہ (والدین) اولاد کی موجودگی میں ذوالفروض تھا تو حصّہ نمبر ۴ میں مذکر و مونث

(ماں اور باپ) کے حصے باہم برابر تھے لیکن اولاد کی عدم موجودگی میں جب یہی گروہ (والدین) وارث ٹھہرا تو اب مذکر مونث کے حصے برابر نہیں رہے۔ بلکہ اب وارث ہونے کی بدولت (مذکر) باپ کا حصہ (مونث) ماں کے حصے سے دُگنا ہو گیا ہے:۔

(۵ حصہ نمبر ۵) فَإِن لَّمْ يَكُن لَّهُ وَلَدٌ
پھر اگر نہ ہو واسطے اسکے اولاد
وَّوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ ....
اور وارث ہوں اسکے والدین اسکے تو ہے واسطے ماں اسکی کے ایک تہائی

پھر اگر متوفی کی اولاد نہ ہو اور (اس صورت میں) اسکے وارث اسکے والدین ہوں تو اُس (متوفی) کی ماں کیلئے (مال ترک کا) ایک تہائی حصہ ہے (اور باپ کیلئے دو تہائی)

دیکھئیگا! ان الفاظ میں کسطرح وارث اور ذوالفروض کا قرآنی کلیہ سورج کیطرح عیاں ہے کہ آئت مجیدہ کے حصہ نمبر ۴ میں جب اولاد موجود تھی تو والدین ذوالفروض تھے۔ یعنی اُنکے حصے مقرر تھے اور مذکر مونث کا حصہ باہم برابر تھا چھٹا چھٹا۔ لیکن آئت مجیدہ ۱۱ کے اس حصہ نمبر ۵ میں جب متوفی کی اولاد موجود نہیں تو والدین وارث ٹھہرے ہیں اور اصول وراثت کے مطابق مذکر کا حصہ مونث سے دُگنا ہو گیا ہے۔

● علہ یہاں وَرِثَهُ أَبَوَاهُ کے الفاظ سے عیاں ہے کہ حصہ ماقبل میں جہاں والدین کیساتھ اولاد موجود تھی وہاں اولاد وارث تھی۔ اور یہاں اولاد کی عدم موجودگی میں والدین وارث ہیں پس اس حقیقت حال کے مطابق ۱۱ حصہ نمبر ۵ کی تقدیر کلام یہ ہے:۔

● فَإِن لَّمْ يَكُن (وَارِثًا) لَّهُ وَلَدٌ وَّوَرِثَهُ أَبَوَاهُ (فَإِن وَّرِثَهُ أَبَوَاهُ) فَ(ثَابِتٌ) لِأُمِّهِ الثُّلُثُ۔

واضح رہے کہ:۔ اس جملہ کے الفاظ، فَإِن لَّمْ يَكُن لَّهُ وَلَدٌ میں لَمْ يَكُن، کان فعل ناقص سے فعل ماضی منفی بلَم ہے جو مضارع يَكُنْ پر لَمْ داخل ہونے سے بنا ہے۔ وَلَدٌ مرفوع فعل ناقص کا اسم ہے۔ مگر اسکی خبر منصوب وَارِثًا محذوف ہے۔ جو وَرِثَهُ أَبَوَاهُ کے الفاظ کے مطابق نکھر کر عیاں ہو رہی ہے۔ اب اس جملہ کی ترکیب نحوی ملاحظہ فرمائیں:۔

فَا عاطفہ ۔ إِن شرطیہ ۔ لَمْ يَكُن، فعل ناقص ۔ (وَارِثًا) فعل ناقص لم یکن کی خبر محذوف ۔ لَهُ جار مجرور ۔ وَلَدٌ فعل ناقص لم یکن کا اسم

شرط

وَ حالیہ ۔ وَرِثَهُ أَبَوَاهُ، جملہ فعلیہ خبریہ ۔ (فَإِن وَّرِثَهُ أَبَوَاهُ) میں شرط محذوف ۔ فَ(ثَابِتٌ) لِأُمِّهِ الثُّلُثُ

جزا

● پس شرط جزا مل کر جملہ شرطیہ برنبائے عطف فا فعل يُوصِي کا مفعول پنجم ہوا۔

(نوٹ) واضح رہے، چونکہ مندرجہ بالا جملہ ۱۱ کے پہلے چاروں حصوں میں يُوصِي کے الگ الگ چار مفعول گزر چکے ہیں۔

اِسلئے یہ پانچواں مفعول ہے۔ ۴/۱۱ کے سابقہ چاروں حصوں کی ترکیب نحوی اپنے مقام پر آگے آ رہی ہے۔ جہاں اِس پوری آیت مجیدہ کی ترکیب نحوی پیش کی جائیگی یہاں حِصہ نمبر ۵ کی ترکیب الگ پیش کرنے کی غرض یہ ہے کہ قارئین کرام پر عیاں ہو جائے کہ فعل ناقص لَمْ یَکُنْ کی خبر وارِثًا محذوف ہے جسکا اظہار لازمی ہے کیونکہ پورے جملہ ۴/۱۱ حصہ نمبر ۳ میں فعل ناقص لَمْ یَکُنْ کی خبر ظاہر مذکور نہیں۔

باپ کی عدم موجودگی میں اگر ماں کیساتھ بہن بھائی ہوں تو بہن بھائی وارث اور ماں ذوالفرض ہوتی ہے

• آیت مجیدہ ۴/۱۱ کے اِس سے اگلے حصہ نمبر ۶ میں متوفی کے پسماندگان کی اِس صورت کی وضاحت درج ہے کہ اگر باپ فوت ہو چکا ہو اور دادا دادی پڑدادا پردادی میں سے بھی کوئی نہ ہو۔ متوفی کی صرف ماں اور بہن بھائی ہوں تو اُسوقت بہن بھائی وارث ہوتے ہیں اور ماں ۱/۶ حصہ کی ذوالفرض ہوتی ہے۔ یہاں پہنچکر اِس سوال کا پیدا ہونا لازم ہے کہ جب پچھلی شق میں اولاد کی عدم موجودگی میں وَرِثَهٗ اَبَوٰهُ کے الفاظ میں باپ اور ماں دونوں کو وارث ٹھہرایا گیا ہے کہ اگر ماں اور باپ دونوں ہوں تو دونوں وارث ہیں اور اُن میں ضمنی تقسیم دو ایک کی نسبت سے ہوگی، دو تہائیاں باپ کی اور ایک تہائی ماں کی۔ لیکن اگر باپ نہیں ہے، اکیلی ماں اور اُسکے ساتھ متوفی کے بہن بھائی ہیں تو ایسی صورت میں ماں کا چھٹا حِصہ کیوں؟ - اُسے اسلئے ذوالفرض ٹھہرایا گیا ہے کہ وہ جس مذکر کیساتھ اُسکے حِصّے کا نصف حِصہ پاتی ہے، اُسکے ساتھ اُس کا عہدی تعلق ہے، نسبی نہیں۔ اور عہدی رشتہ داری کے متعلق آگے ۴/۱۲ میں وضاحت آ رہی ہے کہ وہ ہمیشہ ایکدوسرے کے ذوالفرض ہوتے ہیں وارث نہیں ہوتے چنانچہ اولاد کی عدم موجودگی میں جب باپ بھی نہ ہو۔ بلکہ اکیلی ماں اور بہن بھائی ہوں تو ارشاد ہوتا ہے:-

(۴/۱۱ حصہ نمبر ۶)

فَاِنْ كَانَ لَهٗٓ اِخْوَةٌ
پھر اگر ہوں واسطے اُسکے بہن بھائی

فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْ بِهَآ
تو واسطے ماں اُسکی کے چھٹا حِصہ ہے بعد وصیت کے جو وصیت کیگئی ہو ساتھ اُسکے

اَوْ دَيْنٍ ؕ
یا بعد قرضہ کے

پھر (ایسی صورت میں کہ جب متوفی کی اولاد نہیں ہے) اگر اُسکے بہن بھائی ہیں (اور اکیلی ماں موجود ہے) تو متوفی کی ماں کا چھٹا حِصہ ہے۔ (یعنی وہ چھٹے حِصے کی ذوالفرض ہے اور بہن بھائی وارث ہیں۔ باقی بہن بھائیوں کو ملیگا)۔ یہ تقسیم متوفی کی کیگئی وصیت کی ادائیگی کے بعد عمل میں آئیگی۔ یا اگر قرضہ ہو تو قرضہ کی ادائیگی کے بعد (دونوں چیزیں ہوں تو دونوں کی ادائیگی کے بعد)

• واضح رہے کہ آیت مجیدہ ۴/۱۱ کا مذکورہ بالا حِصہ نمبر ۶ بھی مسئلۂ وراثت کا ایک انتہائی اہم گوشہ ہے جسمیں سابقہ تفاسیر نے مختلف نظریات پیش کئے ہیں لیکن حقیقت الفاظ کے پردوں سے پھوٹ پھوٹ کر عیاں ہو رہی ہے۔ کہ جب یہاں پر ماں کا چھٹا حِصہ مقرر کر کے اُسے ذوالفرض قرار دیدیا گیا ہے تو ظاہر ہے کہ یہاں ماں اکیلی ہے۔ باپ موجود نہیں۔ اور ماں کو اُسکے شوہر کی عدم موجودگی میں ذوالفرض اسلئے ٹھہرایا گیا ہے کہ اُسکا اپنے ساتھی مذکر کیساتھ نسبی رشتہ نہیں بلکہ عہدی ہے۔

متوفیوں کے اصل وارث یا تو اُنکے باپ ہیں اور یا اُنکے بیٹے ہیں

• آیت زیر بحث ۴/۱۱ کے ساتویں اور آخری حِصے میں اکیلی ماں کے عدم وارث ہونے یعنی شوہر کی عدم موجودگی میں ذوالفرض ٹھہرنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے کہ مرنیوالوں کے اصل وارث یا تو ماں باپ ہیں اور یا بیٹے ہیں۔ ماؤں کا تعلق چونکہ اپنے ساتھی

اصل وارث مذکروں کیساتھ عہدی ہے، یعنی میاں بیوی کا، اسلئے جب وہ اکیلی ہوں تو ½ حصے کی ذوالفروض ہوتی ہیں لیکن بیٹیوں کا تعلق چونکہ اپنے ماتحتی اصل وارث مذکروں کیساتھ نسبی ہے، یعنی بہن بھائیوں کا۔ اسلئے وہ اکیلی بھی ہوں تو نہیں وارث ٹھہرایا گیا ہے۔ نیز آیت مجیدہ 11/4 کے آخری حصہ ذیل میں اس عمومی تصور کو بھی باندازِ مخصوص باطل ٹھہرایا گیا ہے کہ نفع صرف بیٹوں سے پہنچتا ہے بیٹیوں سے نہیں۔ اسی تصور کے ماتحت زمانہ قبل نزولِ قرآن کے معاشروں نے بیٹیوں کو والدین کے ترکہ سے محروم قرار دے رکھا تھا۔ یہ صرف قرآن کریم ہے جس نے بیٹیوں کو حقِ وراثت دلایا اور کہدیا کہ تم نہیں جانتے کہ تمہارے باپوں اور بیٹوں میں سے نفع کے لحاظ سے تمہارے لئے کون اقرب ہے۔

(11/4 حصہ نمبر ۷) اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ لَا
باپ تمہارے اور بیٹے تمہارے نہیں
تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ۭ
جانتے تم کون ہے اُن میں سے زیادہ قریب واسطے تمہارے نفع کی رو سے
فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا
مقررہ حصے ہیں طرف اللہ سے۔ بیشک اللہ ہے بڑھکر علم والا
حَكِيْمًا ۝ 11
حکمت والا

(حقیقت یہی ہے کہ) تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے (تمہارے اقرب ہیں یعنی اصل وارث یہی ہیں لیکن) تم نہیں جانتے کہ اُن میں نفع کے لحاظ سے تمہارے لئے اقرب کون ہے۔ (ممکن ہے کہ تمہیں بیٹیوں کی بجائے بیٹیوں سے نفع حاصل ہو۔ اسلئے یاد رکھو کہ مندرجہ بالا سب حصے) اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ ہیں۔ (یہ سب حصے علم و حکمت کے مطابق ہیں۔ کیونکہ انہیں متعین کرنیوالا) اللہ تعالیٰ صاحب علم و حکمت ہے۔ (بہت بڑھکر جاننے والا اور بہت بڑھکر حکمت والا ہے)۔

● آیت مجیدہ 11/4 ختم ہوئی۔ اسکے سات حصوں میں سے پہلے چھ حصوں میں جیسے کہ آپ دیکھ چکے ہیں مسئلہ وراثت کی چھ شقیں بیان کی گئی ہیں اور ساتویں آخری حصے میں متوفی کے اصل ورثا دیئے گئے ہیں مرنیوالوں کے باپ یا بیٹے جن سے نفع کی امید کیجاتی ہے لیکن ہوسکتا ہے کہ باپ ترکہ کی بجائے قرضہ چھوڑ جائے اور بیٹے فائدہ کی بجائے نقصان پہنچا رہے ہوں۔ اور برے وقت یا بڑھاپے میں بیٹی خدمت گزار ثابت ہو۔ چنانچہ آیت مجیدہ 11/4 کے آخری جملہ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا کے الفاظ میں وضاحت کردی گئی ہے کہ آیت زیر بحث کے چھ حصوں میں ورثاء اور ذوالفروض کے جو الگ الگ حصے مقرر کئے گئے ہیں سو فیصدی علم و حکمت کی اساس پر قائم ہیں۔

● اب آگے بڑھنے سے پیشتر پوری آیت مجیدہ 11/4 کے وراثت سے متعلقہ چھ جملوں کی ترکیب نحوی ملاحظہ فرمائیں تاکہ

ترکیب نحوی محذوفات نکھر کر سامنے آجائیں:۔ جملہ اوّل:۔ يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ ۤ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۚ کی تقدیرِ کلام یہ ہے:۔

جملہ فعلیہ مُفَسَّر — تفسیر

● يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ (اِذَا مَاتَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ اَيُّهَا الْمُؤْمِنُوْنَ) مِيْرَاثٌ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۔
مبتدا موخر — خبر مقدم محذوف

● پس مبتدا معہ خبر جملہ اسمیہ تفسیریہ ہوکر فعل يُوْصِيْ کا مفعول اوّل ہوا۔

• جملہ دوم :۔ فَإِن كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ؕ کی تقدیر کلام یہ ہے :۔

جملہ اسمیہ شرط ۔ جملہ اسمیہ جزا

• فَإِن كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ (وارثاتٌ مَعَ الذَّكَرِ لِلْمَذْكُورِ) ۔ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ

عطف ۔ خبر کُنَّ مقدم ۔ اسم کُنَّ محذوف ۔ خبر مقدم ۔ مبتدا مؤخر

• پس شرط معہ جزا جملہ شرطیہ ہو کر، بربنائے عطف فا، فعل یُوْصِی کا مفعول دوم ہوا۔

• جملہ سوم :۔ وَإِن كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ؕ کی تقدیر کلام یہ ہے :۔

جملہ اسمیہ شرط ۔ جملہ اسمیہ جزا

• وَإِن كَانَتْ (وَارِثَةً) وَاحِدَةً (مَعَ الذَّكَرِ) فَ (ثَابِتٌ) لَهَا النِّصْفُ (حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ)

عطف ۔ کانت کا اسم محذوف ۔ کانت کی خبر ۔ جزائیہ ۔ خبر مقدم محذوف ۔ مضاف ۔ مضاف الیہ محذوف

• پس، شرط جزا مل کر جملہ شرطیہ ہو کر بربنائے عطف واؤ فعل یُوْصِی کا مفعول سوم ہوا۔

• جملہ چہارم :۔ وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِن كَانَ لَهُ وَلَدٌ ؕ کی تقدیر کلام یہ ہے :۔

جملہ جزا مقدم ۔ جملہ شرط مؤخر

• وَ لِأَبَوَيْهِ (ثَابِتٌ) لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِن كَانَ (وَارِثًا) لَهُ وَلَدٌ

عطف ۔ خبر مقدم محذوف ۔ مبتدا مؤخر ۔ شرطیہ فعل ناقص ۔ کان کی خبر ۔ کان کا اسم

• پس شرط معہ جزا، جملہ شرطیہ ہو کر، بربنائے عطف واؤ، فعل یُوْصِی کا مفعول چہارم ہوا۔

• جملہ پنجم :۔ فَإِن لَّمْ يَكُن لَّهُ وَلَدٌ وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ ؕ کی تقدیر کلام یہ ہے :۔

• فَ إِن لَّمْ يَكُن (وَارِثًا) لَّهُ وَلَدٌ وَ وَرِثَهُ أَبَوَاهُ (فَإِن وَرِثَهُ أَبَوَاهُ) فَ (ثَابِتٌ) لِأُمِّهِ الثُّلُثُ

عطف ۔ یَکُن کی خبر محذوف ۔ یَکُن کا اسم ۔ حالیہ ۔ جملہ فعلیہ خبریہ ۔ شرط محذوف ۔ جزائیہ ۔ خبر محذوف ۔ مبتدا مؤخر

• پس شرط معہ جزا جملہ شرطیہ ہو کر، بربنائے عطف فا، فعل یُوْصِی کا مفعول پنجم ہوا۔

• جملہ ششم :۔ فَإِن كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ ، کی تقدیر کلام یہ ہے :۔

شرط ۔ جزا

• فَ إِنْ كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ (وَارِثًا) فَ (ثَابِتٌ) لِأُمِّهِ السُّدُسُ (مِمَّا تَرَكَ)

عطف ۔ شرطیہ ۔ فعل ناقص ۔ کان کا اسم ۔ کان کی خبر محذوف ۔ جزائیہ ۔ خبر محذوف مقدم ۔ مبتدا مؤخر

• پس شرط معہ جزا جملہ شرطیہ ہو کر، بربنائے عطف فا، فعل یُوْصِی کا مفعول ششم ہوا۔

بیوی اور شوہر کے حصے

• اس سے اگلی آیت مجیدہ پہلے کے چھ حصے ہیں، جن میں الگ الگ شوہر اور بیوی کے حصوں اور

کلالہ یا اولاد کی وراثت کی طرزِ تقسیم کی وضاحت کیگئی ہے۔ اِن چھ حصّوں کے شروع میں بھی الگ الگ نمبر لگا دیئے گئے ہیں تاکہ آپ غور فرمائیں:۔

(۱/۱۲ حصہ نمبر۱) وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ
اور واسطے تمہارے ہے نصف اسکا جو چھوڑ گئیں بیبیاں

اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ ج ......
تمہاری اگر نہ ہو واسطے اُنکے اولاد

اور (اے بیویوں کے خاوندو!) جو مال تمہاری بیویاں چھوڑ جائیں۔ اُس میں تمہارا حصّہ مال متروکہ کا نصف ہے بشرطیکہ اُنکی کوئی اولاد نہ ہو۔

(۱/۱۲ حصہ نمبر۲) فَاِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ
پھر اگر ہو واسطے اُنکے اولاد تو ہے واسطے تمہارے

الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْنَ
چوتھا حصّہ اسکا جو وہ چھوڑ جائیں بعد وصیّت کے جو انہوں نے کی ہو

بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ط......
ساتھ اُسکے یا قرضہ ہو

پھر اگر (ایسی صورت ہو کہ تم میں سے) اُنکی اولاد ہے تو پھر اُس مال میں سے جو وہ چھوڑ جائیں تمہارا حصّہ ایک چوتھائی ہے اُس وصیّت (کی ادائیگی) کے بعد جو انہوں نے کی ہو۔
(اور یا (اگر اُنکا کوئی قرضہ ہو تو اُس) قرضہ کی ادائیگی کے بعد (باقی مال میں سے تمہارے حصّے نکالے جائینگے)۔

● یہ تو ہوا متوفیہ بیوی کے مال متروکہ میں سے اُسکے شوہر کا حصّہ۔ آیتِ زیرِ نظر کے تیسرے حصّے میں متوفی شوہر کے مال میں اُسکی بیوی کا حصّہ بتایا گیا ہے:۔

(۱/۱۲ حصہ نمبر۳) وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ
اور واسطے اُنکے چوتھائی ہے اسمیں سے جو تم چھوڑ جاؤ

اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ ج ......
اگر نہ ہو واسطے تمہارے اولاد

اور اُن (تمہاری بیویوں) کے لئے ایک چوتھائی حصّہ ہے اُس مال میں سے جو تم چھوڑ جاؤ۔
بشرطیکہ نہ ہو تمہاری اولاد (کسی بھی بیوی میں سے)۔

(۱/۱۲ حصہ نمبر۴) فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ
پھر اگر ہو واسطے تمہارے اولاد تو ہے واسطے اُنکے

الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ
آٹھواں حصہ اُس سے جو تم نے چھوڑا۔ بعد وصیّت کے جو تم وصیّت کرو

بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ط......
ساتھ اُسکے یا قرضہ ہو۔

پھر اگر تمہاری اولاد ہو (کسی بھی بیوی سے)، تو تمہاری بیویوں کیلئے آٹھواں حصّہ ہے اُس مال سے جو تم مرنے کے بعد چھوڑ جاؤ۔ (لیکن یہ حصّہ نکالا جائیگا) اُس وصیّت کے بعد جو تم نے کی ہو۔ یا اگر قرضہ ہے تو اُسکی ادائیگی کے بعد۔ (اور اگر وصیّت اور قرضہ دونوں ہوں تو دونوں کی ادائیگی کے بعد)۔

مَا تَرَكَ کی بحث اور وراثت کی ترتیبِ تقسیم

● غور فرمائیگا کہ آیت مجیدہ ۱/۱۲ کے مندرجہ بالا چار حصّوں میں مَا تَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ، مِمَّا تَرَكْنَ، مِمَّا تَرَكْتُمْ اور مِمَّا تَرَكْتُمْ ایک

ہی آئت مجیدہ میں چار مرتبہ کے تکرار کیساتھ آیا ہے۔ اور یہ چاروں مقامات بیوی اور شوہر یعنی عہدی رشتہ داروں کے حصوں کی وضاحت سے متعلق ہیں۔ اور ان چار حصوں میں مِنۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ اور دو مرتبہ تُوْصُوْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ کے الفاظ آئے ہیں جن میں پیچھے بیان کئے گئے مسئلہ وراثت کے پانچویں اصول کی وضاحت موجود ہے کہ تقسیم وراثت کے وقت سب سے پہلے متوفیٰ اور متوفیہ کی وصیت اور قرضہ ادا کیا جائیگا اور اسکے بعد جو کچھ باقی بچے اُس میں سے عہدی رشتہ داروں یعنی میاں یا بیوی کا حصہ نکالا جائیگا۔

● لیکن پیچھے آئت مجیدہ ۴/۱۱ حصہ نمبر ۲ میں ذوالفروض کے حصے بتاتے ہوئے بھی مِمَّا تَرَكَ آیا ہے۔ اور حصہ ۵ میں لایا گیا ہے: مِنۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ۔ یعنی ذوالفروض ماں باپ کا چھٹا چھٹا حصہ، یا اکیلی ماں ہو تو اُسکا چھٹا حصہ اُس وصیت کی ادائیگی کے بعد نکالا جائیگا جو متوفیٰ نے کی ہو۔ نیز اگر متوفیٰ کا قرضہ ہو یا دونوں چیزیں ہوں تو دونوں کی ادائیگی کے بعد ان کے یعنی ذوالفروض کے حصے نکالے جائینگے۔ اب چونکہ زوجین کے حصوں اور ذوالفروض کے حصوں دونوں پر وصیت اور قرضہ کی ادائیگی کی قید موجود ہے اسلئے ثابت ہوا کہ وصیت اور قرضہ کی ادائیگی کے بعد زوجین اور ذوالفروض کے حصے بیک وقت نکالے جائیں گے۔

● پس ثابت ہوا کہ ۴/۱۱ حصہ نمبر ۲ میں جہاں وُرثا کے حصے بیان کرتے ہوئے مَا تَرَكَ کے الفاظ آئے ہیں، وہاں مَا تَرَكَ سے وہ مال مراد ہے جو وصیت اور قرضہ ادا کرنے کے بعد زوجین اور ذوالفروض کے حصے ادا کر چکنے کے بعد باقی بچے۔ یہ ہے وراثت کا قرآنی طریقہ تقسیم کہ پہلے وصیت اور قرضہ ادا کیا جائے گا۔ اُسکے بعد زوجین اور ذوالفروض کے حصے نکالے جائینگے اور باقی مال وُرثا میں قرآن کے متعینہ حصوں کے مطابق تقسیم کر دیا جائیگا۔ یعنی:-

● وصیت اور قرضہ کی ادائیگی بھی ہو جائیگی، زوجین ^{۲}، ذوالفروض ^{۳} اور وارث ^{۴} سب قرآن کریم کے متعین کردہ اپنے صحیح حصے بھی پا لینگے۔ اور تقسیم وراثت کی کسی بھی صورت میں کسی بھی مقام پر یہ نہیں ہوگا کہ کہیں تو مال متروکہ گھٹ جائے یا کہیں تقسیم ختم ہو چکنے کے بعد کچھ مال فالتو بچ رہے۔ اور پھر ایسا کرنا پڑے کہ الجبرا در حساب نکالکر بیٹھ جائیں اور مال وراثت میں حصے پانے والوں کے حصوں کی نسبتیں نکالیں۔ اور ان نسبتوں کے مطابق یا تو انہیں اُنکے اُن حصوں سے جو اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمائے ہیں کچھ زیادہ دیں، یا کچھ کم۔ اور اسطرح غیر مسلموں کیلئے یہ کہنے کا موقعہ بہم پہنچائیں کہ مسلمانوں کے خدا کو چوتھی جماعت کے طالب علم جتنا بھی حساب نہیں آتا۔ کیونکہ کسی مقدار کی صحیح تقسیم وہی ہوتی ہے جسمیں نہ کچھ باقی بچے اور نہ کچھ گھٹ جائے۔

کلالہ کی بحث

● آئت مجیدہ ۴/۱۲ کے اگلے حصہ نمبر ۵ میں کلالہ کی تقسیم وراثت کا ذکر ہے۔

● کلالہ کے ضمن میں عمومی نظریہ یہ ہے کہ کلالہ صرف اُسے کہتے ہیں جس کی نہ اولاد ہو نہ والدین۔ صرف بہن بھائی ہوں۔ واضح رہے کہ اس نظریہ کی بدولت کلالہ سے متعلقہ دو آیات مجیدہ ۴/۱۲ اور ۴/۱۷۶ میں عجیب و غریب تضاد پیدا ہوتا ہے جو آگے مذکور ہے۔ حالانکہ قرآن کریم میں تضاد و تخالف کا شائبہ تک موجود نہیں۔ لَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ۴/۸۲ = اگر قرآن غیر اللہ کیطرف سے ہوتا تو اس میں لوگ تھوڑا نہیں بلکہ بہت سا اختلاف موجود پاتے۔

کلالہ کی دو قسمیں ہیں۔ با اولاد اور بے اولاد

• گذارش ہے کہ قرآن کریم میں متوفی کلالہ کی تقسیم وراثت کا ذکر دو جگہ پر آیا ہے ۴/۱۲ میں اور ۴/۱۷۶ میں۔ اور دونوں جگہ پر طرزِ تقسیم ایک دوسری سے بالکل مختلف ہے پس کلالہ سے متعلق دو الگ الگ اندازِ تقسیم کی قرآنی خبر ہی اس امر کی شاہد عادل ہے کہ کلالہ کی دو قسمیں ہیں ایک نہیں۔

آئت مجیدہ ۴/۱۲ اور ۴/۱۷۶ کا فرق

• کلالہ کی الگ الگ دو قسموں کو ذہن نشین کرنے کیلئے ہر دو آیات کریمات کا مفہوم بغور ملاحظہ فرمائیں لیکن سورۃ مجیدہ کے درس کے تسلسل کے مطابق پہلے آئت مجیدہ ۴/۱۲ کے وہ بقیہ حصے پیش کرنا ضروری ہیں، جن میں ایک قسم کے کلالہ کی تقسیم میراث کا ذکر آچکا ہے اور ۴/۱۷۶ اپنے مقام پر آگے آ رہی ہے۔

کلالہ کی قرآنی تعریف

• پیشتر ازیں عرض کیا گیا ہے کہ کلالہ کے متعلق عمومی نظریہ یہ ہے کہ کلالہ اُسے کہتے ہیں جس کی نہ اولاد ہو نہ والدین، بلکہ صرف بہن بھائی ہوں۔ تو اسطرح قرآنی اصولِ وراثت "وارث اور ذوالفروض" کے مطابق ظاہر ہے کہ جہاں متوفی کے اصل وارث یعنی والدین اور اولاد دونوں موجود نہ ہوں تو وہاں پر لامحالہ اُسکے بہن بھائی وارث ہوتے ہیں۔ کیونکہ اولاد اور والدین کے بعد اقرب گروہ بہن بھائیوں کا ہے۔ مگر واضح رہے کہ آئت مجیدہ ۴/۱۲ کے حصہ نمبر ۵ میں (جو آگے آ رہا ہے) کلالہ کی جس قسم کا ذکر ہے چونکہ اُس میں بہن بھائی مذکر مونث کا حصہ برابر ہے اسلئے معلوم ہوا کہ وہاں بہن بھائی ذوالفروض ہیں۔ وہاں اصل وارث گروہ اولاد یا والدین میں سے اولاد موجود ہے۔ جیسے کہ اگلے صفحہ پر دیکھئے ۴/۱۲ کے حصہ نمبر ۵ کی ترکیب نحوی سے کھل کر ثابت ہو رہا ہے۔

• کلالہ کی دوسری قسم کا ذکر ۴/۱۷۶ میں ہے جہاں بہن بھائی وارث ہیں کیونکہ وہاں وارث کی قرآنی شرط کے مطابق بھائی کا حصہ بہن سے دُگنا ہے۔ فلہذا متوفی کلالہ کی قرآنی تعریف یہ ہے کہ کبھی تو اسکے بہن بھائی وارث ہوتے ہیں یعنی نہ اسکے ماں باپ موجود ہوتے ہیں نہ اولاد۔ اور کبھی اُسکے بہن بھائی ذوالفروض ہوتے ہیں۔ وہاں متوفی کے اصل وارثوں میں سے صرف اولاد ہوتی ہے والدین موجود نہیں ہوتے۔ اب آپ وہ آئت مجیدہ ملاحظہ فرمائیں جسمیں متوفی کلالہ کے بہن بھائی ذوالفروض ہیں۔ اور وارث گروہوں میں سے اولاد موجود ہے۔

(۴/۱۲ حصہ نمبر ۵) وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلٰلَةً
اور اگر ہو متوفی مرد وارث کیا گیا، کلالہ

أَوِ امْرَأَةٌ وَّلَهٗٓ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ
یا وہ عورت ہو۔ اور ہو واسطے اسکے بھائی یا بہن تو ہے واسطے ہر ایک کے

مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۚ فَإِنْ كَانُوٓا أَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ
اُن دونوں کے چھٹا چھٹا۔ پھر اگر ہوں وہ زیادہ اس سے

فَهُمْ شُرَكَآءُ فِي الثُّلُثِ ......
تو وہ ہیں سب شریک بیچ ایک تہائی کے

اگر متوفی کلالہ مرد ہو کہ (اسکے مرنے پر) اُسکا وارث بنایا جاتا ہے (اُسکی اولاد کو) یا وہ کلالہ عورت ہو (با اولاد) اور اُس کا ایک بھائی یا ایک بہن ہو تو اُن دونوں میں سے ہر ایک کیلئے (متوفی یا متوفیہ کلالہ کے ترکہ سے) چھٹا چھٹا حصہ ہے پھر اگر وہ (یعنی اُسکے بہن بھائی) اِس سے زیادہ تعداد میں ہوں تو پھر وہ سب کے سب (متوفی مرد یا متوفیہ عورت کے ترکہ کی) ایک تہائی میں برابر کے حصہ دار ہیں۔

• اِس آئت مجیدہ میں یُورَثُ کا لفظ انتہائی غور طلب ہے :-

● علہ یُوْرَثُ صیغہ واحد مذکر غائب فعل مضارع مجہول یعنی مالم یُسَمَّ فَاعِلُہٗ متعدی بدو مفعول ہے ۔ ایک مفعول تو ہے خود کلالہ جس پر وارث کیئے جانے کا فعل وارد ہوتا ہے ۔ اور دوسرا مفعول ہے اُسکی اولاد، جسے اُسکا وارث بنایا جارہا ہے ۔ یُوْرَثُ کا لفظی معنی ہے :۔ وہ وارث کیا جاتا ہے یعنی کلالہ مرد یا عورت مرجائے تو اُسکے وارث گروہ کے افراد اُسکی میراث میں سے اپنا اپنا حصہ پاتے ہیں ۔ دیکھیئے یُوْرَثُ کے لفظ میں متوفی کلالہ کے ورثاء کی موجودگی کی خبر دیگئی ہے ۔ بہن بھائیوں کے حصے باہم برابر بتا کر اعلان کر دیا ہے کہ یہاں کلالہ کے بہن بھائی وارث نہیں بلکہ ذوالفروض ہیں ۔ اب ۴/۱۲ کے حصہ نمبر ۵ متعلقہ مسئلہ کلالہ با اولاد کی ترکیب نحوی مع تقدیر کلام بغور ملاحظہ فرمائیں :۔

وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ اَوِ امْرَاَةٌ كَلٰلَةً يُّوْرَثُ (اَوْلَادَهٗ) وَ(مَوْجُوْدٌ) لَهٗ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ

وَ = عطف ترتیب

اِنْ = حرف شرط

كَانَ = ⟵ فعل ناقص کان

رَجُلٌ اَوِ امْرَاَةٌ = معطوف معطوف علیہ مل کر ہوا ... موصوف

كَلٰلَةً = ⟵ خبر کان

يُوْرَثُ = [فعل مجہول متعدی بدو مفعول میں مستتر ضمیر مفعولی فعل مالم یسم فاعلہ کا] مفعول اول ... صفت

اَوْلَادَهٗ = مرکب اضافی، فعل مالم یسم فاعلہ کا مفعول ثانی محذوف

ذوالحال ... اسم کان

وَ = حالیہ

مَوْجُوْدٌ = ... خبر محذوف

لَهٗ = جار مجرور متعلق خبر ... ہوا حال

اَخٌ اَوْ اُخْتٌ = معطوف معطوف علیہ ملکر ہوئے مبتدا موخر

ف = فاجزائیہ

ثَابِتٌ = ⟵ خبر محذوف

لِ = ⟵ جار

كُلِّ وَاحِدٍ = مرکب اضافی مجرور | جار مجرور متعلق خبر

مِنْهُمَا = ——— جار مجرور متعلق خبر

السُّدُسُ = ⟵ مبتدا موخر

ہو کر بوجہ فاجزائیہ ہوا جزا ... شرط

● قارئین کرام ! آیت مجیدہ متعلقہ کلالہ با اولاد کی ترکیب نحوی پر گہرا غور فرمایئے اور دیکھیئے کہ یہاں کس طرح متوفی کا وارث

گروہ اولاد نکھر کر عیاں ہو رہا ہے جس پہ قرآن کریم کی خود آیت زیر نظر بھی شاہد عادل ہے اور مسئلہ وراثت کے تتمہ کی حامل آیت مجیدہ ۴/۱۷۶ بھی کھلا گواہ ہے۔

● آیت زیر نظر کے وہ الفاظ شاہد ہیں جن میں بہن بھائیوں کی موجودگی کی خبر کے بعد مذکر مونث یعنی بہن بھائیوں کا حصہ باہم برابر بتایا گیا ہے جو ذو الفروض کا نشان ہے۔ اور یہ امر بھی مسلّم ہے کہ متوفی کے ترکہ پانیوالوں میں سے کوئی گروہ ذوالفروض اُسوقت ہی ہو سکتا ہے جب کوئی وارث گروہ موجود ہو۔ اب یہاں چونکہ متوفی کلالہ کی ایک قسم کے ترکہ کی طرزِ تقسیم بتائی گئی ہے اور دوسری قسم ۴/۱۷۶ میں مذکور ہے۔ جہاں کلالہ کی دوسری قسم کی وضاحت اِن لفظوں میں درج ہے :۔ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ ۚ إِنِ امْرُؤٌ هَلَكَ لَيْسَ لَهُ وَلَدٌ ۴/۱۷۶ ؛ کہہ دیجئیگا اے رسول ! کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ایسے کلالہ کے متعلق فتویٰ دیتا ہے کہ اگر مرد (کلالہ اس حالت میں) مر جائے کہ اُس کی اولاد نہ ہو۔

● پس ۴/۱۷۶ کے الفاظ لَيْسَ لَهُ وَلَدٌ سے بصورت نصف النہار ثابت ہوتا ہے کہ ۴/۱۷۶ میں کلالہ بے اولاد کے ترکہ کا طریق تقسیم بتایا گیا ہے۔ اور آیت مجیدہ ۴/۱۲ میں کلالہ با اولاد کے ترکہ کے طرزِ تقسیم کی وضاحت فرمائی گئی ہے۔ فلہذا ترکیب نحوی اور خود قرآن کریم کی تصریف آیات، دونوں کے دلائل قاطعہ سے ثابت ہوا کہ کلالہ کی جس قسم کا ذکر ۴/۱۲ میں ہے وہ کلالہ با اولاد ہے۔ اُس کی اولاد وارث ہے اور بہن بھائی ذوالفروض ہیں کیونکہ ۴/۱۲ میں مذکر مونث بہن بھائیوں کا حصہ باہم برابر برابر بتایا گیا ہے۔ نیز یہ امر بھی بالکل واضح ہے کہ یہاں پر وارث گروہ ماں باپ ہرگز موجود نہیں۔ کیونکہ ماں باپ کی موجودگی میں بہن بھائیوں کو قرآن کریم کی رُو سے کچھ نہیں ملتا۔ مگر یہاں چونکہ بہن بھائیوں کو حصہ دیا گیا ہے۔ اِسلئے یہاں پر وارث گروہ ماں باپ کی موجودگی کا تصور تک نہیں کیا جاسکتا۔ بلکہ متوفی کے پسماندگان میں جو وارث گروہ موجود ہے وہ ماں باپ نہیں اولاد ہے۔ آیت مجیدہ کے اگلے حصہ میں وصیت اور قرضہ کا تکرار تاکیدی لایا گیا ہے :۔

(۴/۱۲ حصہ نمبر ۶) مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصَىٰ بِهَا
پیچھے وصیت کے جو وصیت کی اُنہوں نے ساتھ اُسکے۔

أَوْ دَيْنٍ غَيْرَ مُضَارٍّ ۚ ......
یا قرضہ۔ نہ ضرر دیا گیا ہو۔

(بہن بھائی ذوالفروض کے حصے متوفی کلالہ کے ترکہ سے، متوفی کی اُس وصیت جو اُس نے کی ہو۔ اور قرضہ کی ادائیگی کے بعد (اسطرح) نکالے جائیں کہ (وراثت میں سے حصہ پانے والے کسی فرد یا گروہ کو) کوئی نقصان نہ پہنچایا جائے۔[ملہ]

● ملہ غَيْرَ مُضَارٍّ کے الفاظ میں تاکید کر دی گئی ہے کہ تقسیم وراثت کے سلسلے میں کسی فرد یا گروہ کو کوئی نقصان نہیں پہنچانا چاہیئے۔ واضح رہے کہ غَيْرَ مُضَارٍّ میں سرفہرست ہے وصیت کا انسداد، کہ اگر متوفی نے غلط وصیت کی ہو یعنی کسی ایسے فرد کو کچھ مال دلایا گیا ہو جو اُسکا حقدار نہیں تو ۲/۱۸۲ کے مطابق وصیت کو صحیح کر لیا کرو :۔ فَمَنْ خَافَ مِن مُّوصٍ جَنَفًا أَوْ إِثْمًا فَأَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ۲/۱۸۲ ؛ پھر جو کوئی وصیت کرنیوالے کے متعلق (ناجائز) طرفداری یعنی گناہ کا خوف کرے۔ تو اگر وہ فریقین کے درمیان صلح کرادے تو اُس پر کوئی گناہ نہیں —— پس اگر وصیت میں کسی کی طرفداری کی گئی ہو تو اُسکی اصلاح کرانا ضروری ہے۔ تاکہ غَيْرَ مُضَارٍّ کے قرآنی حکم کے مطابق کسی گروہ کو کوئی نقصان نہ پہنچنے پائے۔

مِنۡ بَعۡدِ وَصِيَّةٍ يُّوۡصِىۡ بِهَاۤ اَوۡ دَيۡنٍ کا تکرار انتہائی غور طلب ہے

• ۴/۱۲ کے حصہ نمبر ۲ پر بنظر تعمق غور فرمائیں۔ یہاں پھر وصیت اور قرضہ کی ادائیگی کے بعد بہن بھائیوں یعنی ذوالفروض کے حصے نکالنے کا حکم دیا گیا ہے لیکن ۴/۱۲ حصہ ۲-۴ میں زوجین کے حصے وصیت اور قرضہ کی ادائیگی کے بعد نکالنے کا حکم ہے۔ پس ثابت ہوا کہ وصیت اور قرضہ کی ادائیگی کے بعد زوجین اور ذوالفروض کے حصے بیک وقت نکالے جائینگے۔ اور باقی مال وارث گروہ میں خداوندی ہدایات کے مطابق تقسیم کیا جائیگا۔ اسی کے ضمن میں ماترک کی بحث صفحہ ۲۰۳ پر بیان کر دیگئی ہے۔

ایک مرتبہ پھر غور فرمائیں

• واضح رہے کہ ۴/۱۲ کے حصہ نمبر ۵، جس میں کلالہ کی ایک قسم کی تقسیم وراثت کا طریق بتایا گیا ہے، اگر وہاں یہ تسلیم کیا جائے جو اکثر مفسرین کا خیال ہے کہ یہاں متوفی کلالہ کی اولاد موجود نہیں۔ ماں باپ اور بہن بھائی ہیں تو یہ صورت تو پیچھے ۴/۱۱ کے حصہ نمبر ۵ میں گزر چکی ہے کہ اولاد کی عدم موجودگی میں وارث ماں باپ ہوتے ہیں۔ اور بہن بھائیوں کو کچھ نہیں ملتا۔ ایک تہائی ماں لیتی ہے اور دو تہائیاں باپ۔ تو اسطرح ثابت ہوا کہ یہاں ۴/۱۲ حصہ نمبر ۵ میں بہن بھائیوں کے ساتھ وارث گروہ ماں باپ ہرگز نہیں بلکہ اولاد ہے اور بہن بھائی ذوالفروض ہو کر مذکر مونث برابر حصہ پا رہے ہیں۔ اس مسئلہ کو ایک اور انداز سے بھی بآسانی سمجھا جا سکتا ہے۔ وہ یہ کہ جہاں متوفی کی اولاد اور ماں باپ ہوں، وہاں اولاد وارث اور ماں باپ مذکر مونث برابر برابر ۱/۶، ۱/۶ کے ذوالفروض ہوتے ہیں۔ اور جہاں متوفی کی اولاد اور بہن بھائی ہوں وہاں اولاد وارث اور بہن بھائی مذکر مونث برابر برابر ۱/۶، ۱/۶ کے ذوالفروض ہوتے ہیں۔ بالفاظ دیگر ماں باپ کی عدم موجودگی میں انہی کا چھٹا چھٹا حصہ بہن بھائیوں کی طرف منتقل ہوتا ہے۔ جیسے کہ ذیل کے مشترک جملہ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنۡهُمَا السُّدُسُ سے بالوضاحت ثابت ہوتا ہے۔ لہٰذا ذیل میں اولاد کے ساتھ الگ الگ والدین اور بہن بھائیوں کی موجودگی کے متعلق ان کے ایک ہی حصص کے خداوندی فیصلے کا تقابل ملاحظہ فرمائیں:-

• جب اولاد اور ماں باپ ہوں تو اولاد وارث ہوتی ہے اور ماں باپ کو ماترک کا چھٹا چھٹا حصہ ملتا ہے } :- وَلِاَبَوَيۡهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنۡهُمَا السُّدُسُ (۴/۱۱ حصہ نمبر ۴)

اور :-

• جب اولاد اور بہن بھائی ہوں تو اولاد وارث ہوتی ہے اور بہن بھائی کو ماترک کا چھٹا چھٹا حصہ ملتا ہے } :- وَلَهٗۤ اَخٌ اَوۡ اُخۡتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنۡهُمَا السُّدُسُ (۴/۱۲ حصہ نمبر ۵)

دیکھا آپنے!

• لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنۡهُمَا السُّدُسُ کے الفاظ نے کسطرح حقیقت کے چہرہ سے نقاب الٹ کر رکھدی ہے کہ جب اولاد اور ماں باپ ہوں تو اولاد وارث ہوتی ہے اور ماں باپ ذوالفروض کی حیثیت سے چھٹا چھٹا مساوی حصہ پاتے ہیں۔ اور جب اولاد اور بہن بھائی ہوں تو وہاں بھی اولاد وارث ہوتی ہے اور بہن بھائیوں کو ذوالفروض کی حیثیت سے ماں باپ والا ہی چھٹا چھٹا حصہ منتقل ہوتا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ یہاں ماں باپ ہرگز موجود نہیں ہیں۔

• نیز ۴/۱۲ حصہ نمبر ۵ میں یہ بھی بتا دیا ہے کہ اگر متوفی کلالہ کے بہن بھائی ایک سے زائد ہوں تو وہ سب کے سب

۱/۶ + ۱/۶ یعنی چھٹے چھٹے کے مجموعہ ایک تہائی میں برابر کے شریک ہونگے :- فَاِنْ كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَآءُ فِي الثُّلُثِ (۴/۱۲ حصہ نمبر ۵)

المختصر! • مندرجہ بالا تصریحات سے ثابت ہوا کہ آیت مجیدہ ۴/۱۲ کے حصہ نمبر ۵ میں اولاد اور بہن بھائی ہیں۔ اولاد وارث ہے۔ اور متوفی کے بہن بھائی ذوالفروض ہو کر چھٹا چھٹا حصہ پاتے ہیں۔ پس یہ نظریہ مطلقاً غلط ہے کہ ۴/۱۲ کے مذکورہ حصے میں بہن بھائیوں کیساتھ والدین ہیں۔

دُور دراز کے رشتہ دار • واضح رہے کہ تقسیم وراثت کے سلسلے میں **وارث** اور **ذَوالفروض** کے بنیادی قرآنی فیصلے کے خلاف، جو مفکر حضرات متوفی کے پسماندگان کی ہر صورت میں نہ وارث گروہ کا تعین کرتے ہیں اور نہ بالترتیب وصیت اور قرضہ کی ادائگی، نہ باقی میں سے زوجین اور ذوالفروض کے حصص اور نہ پھر باقی کو وارثوں میں تقسیم کرنے کے قائل ہیں۔ وہ ایسی صورتوں میں جہاں صرف ذوالفروض کے حصے بیان ہوئے ہیں۔ انکے حصے نکالکر باقی ترکہ کیلئے متوفی کے دُور دراز کے نسلی رشتہ داروں کو کھینچ لاتے ہیں، اور باقی مال انکا حق قرار دیتے ہیں۔

• اب آپ ہی فیصلہ فرمائیں مذکورہ بالا صورت ۴/۱۲ حصہ نمبر ۵ میں اگر اصل وارث گروہ، جو یہاں پر اولاد ہے، سامنے نہ لایا جائے اور صرف بہن بھائیوں کو ایک تہائی دینے کے بعد باقی دو تہائیاں متوفی کے اُن رشتہ داروں کو دیدی جائیں، جو کہیں دسویں بارھویں پشت میں جا ملتے ہیں تو یہ کہاں کا انصاف ہوگا کہ سگے بہن بھائی تو ایک تہائی حصہ پائیں اور دسویں پشت والا، خواہ وہ اکیلا ہی ہو، دو تہائیاں لے جائے۔ جیسے کہ ۴/۱۲ حصہ نمبر ۵ کے متعلق بعض مفسرین کا خیال ہے۔ العجب ثم العجب

اخیافی بہن بھائی • نیز یہاں پر یہ تسلیم کرنا بھی، جیسے کہ بعض مفسرین کا خیال ہے کہ یہاں پر ایک تہائی حصہ اخیافی بہن بھائیوں کو دیا گیا ہے، (جو متوفی کی والدہ کے دوسرے شوہر سے ہوں)، اسلئے غلط ہے کیونکہ ارشاد باری ہے، متوفی کے ترکہ کا حق وراثت اقرباء اور والدین کو حاصل ہے۔ اسلئے کسی غیر باپ کے بیٹے بیٹیاں کسی بھی مقام پر کس طرح اقرب ہو سکتے ہیں جن کی نسل ہی متوفی کی نسل سے مختلف ہو؟

کلالہ کی بحث کا خلاصہ • آیت مجیدہ ۴/۱۲ حصہ نمبر ۵ کا خلاصۂ بحث یہ ہے :- اس آیت مجیدہ میں متوفی کے پسماندگان کی اُس صورت کا ذکر ہے کہ اُن میں اولاد اور بہن بھائی ہیں۔ اولاد وارث ہے۔ اور بہن بھائی ذوالفروض ہیں۔ بہن بھائی اکیلے اکیلے ہوں تو مَا تَرَكَ کا چھٹا چھٹا حصہ پاتے ہیں۔ اگر دو سے زائد ہوں تو سب ایک تہائی میں برابر کے شریک ہوتے ہیں۔ چونکہ پسماندگان کی اِس صورت کے لحاظ سے بھی قرآن کریم نے متوفی کو **کلالہ** کہا ہے اور آیت مجیدہ ۴/۱۷۶ میں بھی جہاں متوفی کے صرف بہن بھائی ہیں، نہ اولاد ہے نہ ماں باپ، پسماندگان کی اِس صورت میں بھی قرآن کریم نے متوفی کو **کلالہ** ہی کہا ہے۔ اِسلئے ثابت ہوا کہ قرآن کریم کی

رُو سے کلالہ کی دو قسمیں ہیں:۔ **کلالہ با اولاد اور کلالہ بے اولاد**

• کلالہ با اولاد کی وضاحت ، ۴/۱۲ حصہ نمبرہ کے ضمن میں بیان ہو چکی ہے۔ اسلئے وصیت اور قرضہ کی ادائیگی کے بعد زوجین اور ذوالفروض کے حصے مشترک نکالے جائینگے۔ بہن بھائیوں کو ایک تہائی ملیگا۔ اور باقی ترکہ اولاد میں اُسکی ہر موجودہ صورت کی رُو سے قرآنی ہدایات کے مطابق تقسیم ہوگا۔ یعنی :۔ اگر اولاد اکیلا بیٹا ہے تو باقی سارا مال وہ پائیگا۔ اور اگر اکیلی بیٹی ہے تو باقی سارا مال وہ پائیگی۔

• اگر دو یا دو سے زائد بیٹے ہیں تو باقی سارا مال بیٹوں میں مساوی تقسیم ہوگا۔ اور اگر دو یا دو سے زائد بیٹیاں ہیں تو باقی سارا مال بیٹیوں میں مساوی تقسیم ہوگا۔

• اگر ایک بیٹا اور ایک بیٹی ہو یا ایک بیٹا اور دو بیٹیاں ہوں تو بیٹے کا حصہ بیٹی کے حصے سے دوگنا ہوگا۔

• لیکن اگر متوفی کا ایک بیٹا اور دو سے بیٹیاں زائد ہوں تو بیٹیاں خواہ درجنوں بھی کیوں نہ ہوں، وہ سب دو تہائی میں برابر کی شریک ہونگی اور ایک تہائی اکیلا بیٹا ہر حالت میں ضرور پائیگا۔ تقسیم وراثت کی یہ وہ صورتیں ہیں جن کے متعلق اگلی آیت مجیدہ میں ارشاد ہوا ہے:۔

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۭ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ
مذکورہ بالا حدیں ہیں اللہ کی۔ اور جو کوئی طاعت کرے اللہ اور اُسکے رسول کی

يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ
داخل کریگا اُسے باغوں میں بہتی ہیں نیچے اُن کے نہریں

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۴/۱۳
ہمیشہ رہنے والے اُن میں۔ اور مذکورہ بالا کامیابی ہے بڑی

(ایمان والو!) مذکورہ بالا حدیں اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ ہیں پس جو قوم اِن کی حفاظت کریگی، اللہ اور اُسکے رسول کی اطاعت کریگی۔ اُسے اللہ تعالیٰ (دُنیا و آخرت میں ہموار جنتی معاشرہ یعنی) ایسے باغات میں داخل کریگا، جن کی سطح میں نہریں بہتی ہیں۔ وہ اُن میں ہمیشہ رہنے والے ہونگے۔ اور مذکورہ بالا باغات میں داخلہ ہی تو بڑی کامیابی ہے۔

• جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ایک قرآنی اصطلاح ہے جس کی وضاحت ۲۰/۱۱۸-۱۱۹ میں جنت کی تعریف کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے اِس طرح بیان کی ہے کہ:۔ اے نوعِ آدم جنت وہ ہے جسمیں نہ تُو بھوکا پیاسا ننگا، نہ بے مکان ہو کر دھوپ میں جلے۔ یعنی جنت وہ ہے جسمیں ضروریات زندگی کی نہریں بہتی ہوں۔ دنیا میں جب قرآنی معاشرہ قائم ہو تو مذکورہ اصطلاح اُس پر بھی صادق آتی ہے اور اُخروی جنت پر بھی جسمیں بھوک ننگ اور بے مکان ہونے کا تصور تک نہیں کیا جا سکتا۔

نظریۂ سرمایہ داری پر ضربِ عظیم • قرآن کریم کا مرکزی مسئلہ ربوبیتِ عالمینی ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۱/۱ یعنی وہ ایک ایسا معاشرہ قائم کرنے کی تاکید کرتا ہے جسمیں کوئی فردِ انسانی ضروریاتِ زندگی سے محروم نہ پایا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنی معاشرہ کی آخری حد بتائی ہے ساری فاضلہ دولت بیت المال میں جمع کرا دینا:۔

• وَيَسْــَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ڛ قُلِ الْعَفْوَ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ۙ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۭ ۲/۲۱۹-۲۲۰ = اور (اے رسول!) لوگ آپ سے پوچھتے کہ وہ کتنا مال خرچ کریں۔ آپ اُن سے کہدیں کہ ضرورت سے

زائد سارے کا سارا۔ اللہ تعالیٰ اسیطرح اپنی آیتوں کو تمہارے لئے کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم دنیا اور آخرت کے متعلق تفکر کرو (اور اس صحیح نتیجے پر پہنچو کہ ہموار و متوازن معاشرہ کے قیام کے بغیر) نہ دنیا میں حقیقی امن قائم ہو سکتا ہے نہ آخرت کی کامیابی ممکن ہے۔

• پس ۲/۲۱۹ کے مطابق ضرورت سے زائد مال جمع کرنا قرآنی معاشرہ کے خلاف ہے۔ سورہ توبہ میں ارشاد ہوا ہے:۔ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۹/۳۴ = اور جو لوگ خزانہ کرتے ہیں سونے اور چاندی کا اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے۔ آپ انہیں دردناک عذاب کی خبر دیدیں۔

• ان آیاتِ قرآنیہ سے کھل کر ثابت ہوا کہ تقسیمِ وراثت کا مسئلہ عبوری دور کا ہے۔ جو لوگ عبوری دور میں تقسیمِ وراثت کے قرآنی احکام پر عمل کرنے کیلئے تیار نہ ہوں وہ جنتی معاشرہ کے قیام کیلئے **العفو** ۲/۲۱۹ کے مطابق پوری فاضل دولت کی قربانی کب کر سکینگے۔ آیتِ بالا ۴/۱۳ زیرِ نظر میں اسی چیز کی خبر دیگئی ہے کہ پھلوں سے لدے ہوئے باغوں اور بہتی نہروں والے معاشرہ میں وہی لوگ داخل ہو سکینگے جو تقسیمِ وراثت کی قرآنی حدوں کی حفاظت کرینگے۔

• تقسیمِ وراثت کے مسائل میں آپ دیکھ چکے ہیں کہ قرآن کریم نے کسطرح متوفی کے مال کو ٹکڑے ٹکڑے کرکے نظریۂ سرمایہ داری پر ضرب عظیم لگائی ہے۔ اس زندگی میں جہاں متوفی اپنے سگے بھائیوں سے اپنی جس مالیت اور بینک بیلنس کو چھپا چھپا کر رکھتا تھا۔ انہی میں بہن بھائیوں کا حصہ مقرر کر دیا ہے۔ وہی مال جسے حقیقی ماں باپ سے مخفی رکھا ہوا تھا۔ اولاد نہ ہونے کی صورت میں سارے مال کا وارث ماں باپ کو ٹھہرا دیا ہے۔ اور اگر اولاد موجود بھی ہو تو پھر بھی ماں باپ کو ایک تہائی مال کا حقدار قرار دیا ہے۔

• المختصر! مال کی ناجائز محبت سے علیحدگی کا سبق مسئلہ وراثت کا بنیادی نقطہ ہے۔ جیسے کہ وراثت کا مال حقداروں سے چھین کر کھا جانیوالوں کے متعلق ارشاد ہوا ہے:۔ وَتَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّا ۙ وَّتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ۸۹/۱۹-۲۰ = اور تم مال کی ناجائز محبت میں اسطرح پھنسے ہو۔ کہ وراثت کا مال بھی سارے کا سارا خود کھا جاتے ہو۔ سلسلۂ درس کی اگلی آیت ۴/۱۴ میں انہی لوگوں کے متعلق ارشاد ہوا ہے:۔

وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ
اور جو کوئی نافرمانی کرے اللہ اور اسکے رسول کی اور توڑے حدیں اسکی

يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا ۪ وَلَهٗ عَذَابٌ
وہ داخل کریگا اسے آگ میں ہمیشہ رہنے والا اس میں اور واسطے اسکے عذاب ہے

مُّهِيْنٌ ۴/۱۴ ع ۲/۱۴
رسوا کرنے والا

اور جو قوم اللہ کے احکام کی نافرمانی کرے جو اس نے اپنے رسول کے ذریعہ بھیجے ہیں۔ اور وہ اللہ کی مذکورہ حدوں کو توڑے تو اللہ تعالیٰ (اسکے بدلے) اسے جہنمی معاشرہ (آگ) میں داخل کریگا وہ اس میں ہمیشہ رہیگی۔ اور اسکے لئے (اسکی سرکشیوں کے بدلے) رسواکن عذاب ہے۔

مسئلہ وراثت کے اصول اور سرٹیفکیٹ کی طرز پر تقسیم ایک نظر میں

• قرآن کریم نے وارث اور ذوالفروض کے نظریہ کو مسئلہ وراثت کی بنیاد قرار دیا ہے اور بالترتیب اولاد، والدین اور اخوت کو وارث ٹھہرایا ہے

متوفی کی اولین وارث اولاد ہے، جو کبھی بھی ذوالفروض نہیں ہوتی۔ والدین اور اخوت کہیں وارث ہوتے ہیں اور کہیں ذوالفروض ٹھہرتے ہیں ۴/۱۱، ۱۲، ۱۷۶ ۔ (۴/۱۷۶ کی وضاحت اپنے مقام پر آگے آرہی ہے)۔

۲ زوجین میں سے کسی کو بھی وارث نہیں ٹھہرایا۔ بلکہ ہر مقام پر اُنکے ایک ہی مقررہ حصّے بتا دیئے ہیں ۴/۱۲ ۔

۳ وصیت اور قرضہ تقسیمِ وراثت کی ہر صورت میں سب سے پہلے متوفی کی وصیت اور قرضہ ادا کیا جائیگا۔ اُسکے بعد جو مال باقی بچے اُس میں سے بیک وقت زوجین اور ذوالفروض کے حصّے نکالکر باقی مال وارث گروہ میں قرآنی ہدایات کے مطابق تقسیم کیا جائیگا ۴/۱۱-۱۲ ۔ یہ ہے قرآنی اندازِ تقسیم جس میں کسی بھی سٹیج پر نہ کبھی مال گھٹ جاتا ہے اور نہ کبھی فالتو بچ رہتا ہے۔ اور نہ غیر مسلموں کو یہ کہنے کا موقعہ ملتا ہے کہ "قرآن کے خدا کو، جو تھی جماعت کے طالب علم جتنا بھی حساب نہیں آتا"

۴ اولاد ہر مقام پہ وارث ہوتی ہے۔ اگر متوفی کے والدین موجود ہوں تو اولاد کی موجودگی میں وہ ذوالفروض ہوتے ہیں اور چھٹا چھٹا حصّہ پاتے ہیں ۴/۱۱ ۔ اگر اولاد بیٹوں بیٹیوں پر مشتمل ہو تو ایک بیٹے کا حصّہ دو بیٹیوں کے برابر ہوتا ہے ۴/۱۱ ۔

۵ اگر صرف ایک بیٹا یا صرف ایک بیٹی ہو تو وہ الگ الگ صورتوں میں مالِ متروکہ میں سے وصیت اور قرضہ کی ادائیگی کے بعد بیک وقت زوجین اور ذوالفروض کے حصّے ادا کرکے باقی سارے مال کے وارث ہوتے ہیں ۴/۱۱ بیٹے اور بیٹی کے حقِ وراثت میں کوئی فرق نہیں یعنی اگر اکیلا بیٹا ہو تو سارے مال کا وہ وارث ہوتا ہے اور اگر اکیلی بیٹی ہو تو سارے مال کی وہ وارث ہوتی ہے۔

۶ اگر دو یا دو سے زائد صرف بیٹے ہوں، نیز اگر دو یا دو سے زائد صرف بیٹیاں ہوں تو وہ الگ الگ صورتوں میں وصیت اور قرضہ کی ادائیگی کے بعد بیک وقت زوجین اور ذوالفروض کے حصّے ادا کرنے کے بعد پورے باقی مال کے وارث ہوتے ہیں ۴/۱۱ ۔

۷ اگر اولاد ایک بیٹا اور ایک بیٹی ہو تو بیٹے کا حصّہ بیٹی سے دُگنا ہوگا ۴/۱۱ ۔

۸ اگر اولاد ایک بیٹا اور دو بیٹیاں ہوں تو بیٹے کا حصّہ دونوں بیٹیوں کے برابر ہوگا ۴/۱۱ ۔

۹ اگر اولاد ایک بیٹا اور دو سے زائد بیٹیاں ہوں تو تمام بیٹیوں کو خواہ وہ درجنوں بھی کیوں نہ ہوں وصیت اور قرضہ کی ادائیگی کے بعد اور بیک وقت زوجین اور ذوالفروض کے حصّے ادا کرنے کے بعد باقی مال کا دو تہائی حصّہ اُنہیں ملیگا اور ایک تہائی حصّہ ہر حال میں اکیلا بیٹا پائیگا۔ ۴/۱۱

۱۰ والدین، اولاد کی موجودگی میں ذوالفروض ہوتے ہیں۔ ہر ایک کو چھٹا چھٹا حصّہ ملتا ہے۔ اگر ماں اور باپ دونوں موجود ہوں تو دونوں اپنا چھٹا چھٹا حصّہ پاتے ہیں۔ اگر اُن میں سے کوئی ایک اکیلا ہو تو وہ صرف اپنا چھٹا حصّہ پاتا ہے ۴/۱۱ ۔

۱۱ اگر اولاد نہ ہو تو والدین وارث ہوتے ہیں۔ اور بالترتیب وصیت و قرضہ اور زوجین کے حصّے نکالکر باقی مال آپس میں ۲:۱ کی نسبت سے تقسیم کرتے ہیں۔ باپ دو تہائیاں لیتا ہے اور ماں کو ایک تہائی ملتا ہے ۴/۱۱ اولاد کی عدم موجودگی کی بدولت جب ماں باپ وارث ہوں تو بہن بھائیوں کو کچھ نہیں ملتا پورا مال ماں باپ لیتے ہیں۔ ایک تہائی ماں اور دو تہائیاں باپ۔ ۴/۱۱ حصّہ نمبرہ ۔ واضح رہے کہ جہاں ماں باپ دونوں موجود ہوں وہاں بہن بھائیوں کا حصّہ ماں باپ کے حصّے میں موجود ہوتا ہے۔ مگر اُنہیں ملتا اُس وقت ہے جب ماں یا باپ فوت ہوں تو اُسکے بعد۔

• ۱۲ لیکن اگر اکیلی ماں ہو تو وہ چھٹے حصے کی ذوالفروض ہوتی ہے اور بہن بھائی وصیت اور قرضہ کی ادائیگی کے بعد بیک وقت زوجین اور ذوالفروض کے حصے ادا کرکے باقی پورے مال کے وارث ہونگے جسے وارث گروہ کے اصول کے مطابق مذکر مؤنث میں دو ایک کی نسبت سے تقسیم کرینگے۔ اکیلا بھائی یا اکیلی بہن ہو تو سارا مال الگ الگ وہ لینگے۔ اور اگر ایک سے زائد صرف بہنیں یا صرف بھائی ہوں تو وہ الگ الگ سارا مال مساوی تقسیم کرینگے۔

• ۱۳ زوجین کا رشتہ چونکہ عہدی ہے۔ اسلئے وہ کبھی بھی وارث نہیں ٹھہرتے۔ ہر سٹیج کیلئے انکے ایک ہی حصے مقرر ہیں ۴/۱۲۔

• ۱۴ متوفی شوہر کی اگر اولاد ہو تو بیوی کا حصہ، وصیت اور قرضہ کی ادائیگی کے بعد آٹھواں ہے۔ اگر اولاد نہ ہو تو چوتھا ۴/۱۲۔

• ۱۵ متوفیہ بیوی کی اگر اولاد ہو تو شوہر کا حصہ وصیت اور قرضہ کی ادائیگی کے بعد چوتھا ہے۔ اگر اولاد نہ ہو تو نصف ۴/۱۲۔

• ۱۶ کلالہ مرد عورت کی قرآن مجید نے دو قسمیں بتائی ہیں کلالہ با اولاد۔ اور کلالہ بے اولاد

• ۱۷ کلالہ با اولاد خواہ مرد ہو یا عورت، اگر اسکا صرف ایک بھائی یا ایک بہن ہو تو وہ چھٹا چھٹا حصہ پاتے ہیں۔ اکیلا بھائی ہو تو چھٹا حصہ پاتا ہے۔ اکیلی بہن ہو تو چھٹا حصہ پاتی ہے۔ اگر ایک سے زائد بھائی، یا ایک سے زائد بہنیں یا ملے جلے بھائی بہنیں ہوں تو وہ سب ہر حالت میں ایک تہائی میں برابر کے شریک ہوتے ہیں ۴/۱۲

• ۱۸ کلالہ بے اولاد اگر صرف دو سگے بہن بھائی ہوں تو اگر بہن مرجائے تو بھائی اسکے سارے مال کا وارث ہوتا ہے۔ اور اگر بھائی مرجائے تو بہن اسکے نصف ترکہ کی وارث ٹھہرتی ہے۔ اگر متوفی مرد یا متوفیہ عورت کلالہ بے اولاد کی دو بہنیں ہوں تو انہیں دو تہائی ملتا ہے لیکن اگر ملے جلے بہت سے بہن بھائی ہوں تو بھائی کا حصہ بہن سے دگنا ہوتا ہے۔ (کلالہ بے اولاد کی تفصیل ۴/۱۷۶ میں اپنے مقام پر آگئی ہے)

• قائم مقام کے قرآنی نظریہ کے مطابق جسکی وضاحت صفحہ ۱۹۲ پر گزر چکی ہے اگر متوفی کی اولاد نہ ہو اور اولاد کی اولاد موجود ہو تو وہ اپنے والدین کے مقام پر آجاتی ہے۔ اسیطرح اگر ماں باپ نہ ہوں دادا دادی اور نانی نانا موجود ہوں تو وہ اپنے بیٹے بیٹی کا مقام لے لیتے ہیں اسیطرح اگر بہن بھائی نہ ہوں تو بھتیجے بھتیجیاں اور بھانجے بھانجیاں اپنے باپ یا ماں کی جگہ پر آجاتے ہیں۔ بس۔

یتیم پوتے کا مسئلہ

• یتیم پوتے پوتیاں اور یتیم دوہتے دوہتیاں اپنے باپ اور اپنی ماں کے مقام پر آجاتے ہیں اگر متوفی کا کوئی بیٹا یا بیٹی اسکی زندگی میں فوت ہو چکا ہو تو انکی اولاد یعنی یتیم پوتے پوتیاں اور یتیم دوہتے دوہتیاں قرآن کریم کی رو سے محروم الارث نہیں بلکہ یتیم بھتیجے بھتیجیاں اور یتیم بھانجے بھانجیاں بھی اپنے ماں یا باپ کے قائم مقام ہوکر اپنے ماں باپ کا حصہ پاتے ہیں۔ اگر باپ کی زندگی میں فوت ہونیوالے بیٹے کی اولاد، اور بہن بھائی کی زندگی میں فوت ہونیوالے بہن بھائیوں کی اولاد تعداد میں ایک سے زائد بہن بھائی ہوں تو بالترتیب اپنے متوفی دادا دادی اور متوفی چچا پھوپھی کی وراثت میں سے اپنے باپ یا ماں کے حصے کو آپس میں قرآنی کلیہ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ کے مطابق مذکر مؤنث دو ایک کی نسبت سے تقسیم کرینگے۔ واضح رہے کہ یتیم پوتے پوتیوں، اور یتیم دوہتے دوہتیوں، نیز یتیم بھتیجے بھتیجیوں اور یتیم بھانجے بھانجیوں کا مسئلہ کوئی پیچیدہ نہیں مسئلہ وراثت سے متعلقہ پیچھے بیان کئے گئے جن مقامات پر متوفی کے بیٹے بیٹیاں، یا بہن بھائی اسکے ترکہ سے حصہ پاتے ہیں اگر ان مقامات پر کوئی بیٹا، بیٹی، بھائی یا بہن متوفی کی زندگی میں مرچکا ہو تو انکی اولاد اپنے اپنے باپ اور ماں کی قائم مقام ہوکر اپنے اپنے باپ اور ماں کا حصہ پائیگی۔ اور بس۔

رجوع الی المطلب

• مسئلۂ وراثت کی تفصیل سورہ نساء زیر بحث کی آئت نمبر ۱۱ تا ۱۴ میں آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ اب پھر آئیے سلسلۂ درس کیطرف۔ جیسا کہ سورہ نساء کی ابتداء میں بتایا جا چکا ہے کہ اس سورت مجیدہ نے نساء نام اسلئے پایا ہے کہ اس میں عورتوں سے متعلقہ ہر گوشے کے مسائل کی وضاحت درج ہے۔ اور اس میں عورتوں کے تمام کھوئے ہوئے حقوق بحال کر دیئے گئے ہیں۔ مسئلۂ وراثت میں آپ دیکھ چکے ہیں کہ عورتوں کو مردوں کیساتھ برابر کا حق وراثت عطا کیا گیا ہے۔ فرق صرف حصۂ وراثت میں ہے۔ اب سلسلۂ درس کی اگلی آیات کریمات میں جنسیات سے متعلقہ عورتوں مردوں کے اہم گوشے کی وضاحت کیگئی ہے اور مستورات کے ایک مخفی قبیح فعل کو حرام قرار دیا گیا ہے:۔

عورتوں کی عورتوں کیساتھ جنسی تسکین

• جنسی تسکین کیلئے بعض شریر عورتیں کسی آلے کیساتھ مذکر و مونث کیطرح آپس میں باہم جنسی فعل کی کوشش شروع کر دیتی ہیں۔ قرآن کہتا ہے کہ ایسی عورتیں خطرناک اور قابل سزا ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ظاہری صورت میں عورتوں عورتوں کا باہم خلوت میں بیٹھنا، بغلگیر ہونا اور آپس میں لپٹ جانا کوئی معیوب معلوم نہیں ہوتا۔ لیکن اگر ایسے ہو کہ ان خلوتگاہوں میں عورتوں عورتوں کی باہمدگر میلونشینی، بغلگیری اور لپٹ جھپٹ وغیرہ مذکر مونث جیسی حرکات پر مشتمل جنسی تسکین کے حصول کی صورت اختیار کر جائے تو یہ سب حرکات فواحشات کے زمرہ میں آجاتی ہیں۔ قرآن کہتا ہے کہ ایسی عورتوں کو علیحدہ علیحدہ انکے اپنے اپنے گھروں میں نظر بند کر دو۔ تاکہ یہ بدطینت عورتیں، شریف زادیوں اور عصمت مآب خواتین میں مذکورہ بالا بےحیائی پھیلانے کا موجب نہ بنیں اور معاشرہ فواحشات آلودہ ہو کر رہ جائے۔ چنانچہ سلسلۂ درس کی اگلی آئت مجیدہ ۱۵؎ میں ارشاد ہوا ہے:۔

وَالّٰتِیْ یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِكُمْ

اور جو عورتیں لائیں بےحیائی۔ میں سے عورتوں تمہاری کے

فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَیْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا

تو گواہ بنا کرو اوپر ان کے چار اپنے میں سے پھر اگر وہ گواہی دیں

فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِی الْبُیُوْتِ حَتّٰی یَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ

تو روک دیا کرو انہیں بیچ گھروں انکے یہانتک کہ پورا کرے انہیں موت

اَوْ یَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِیْلًا ﴿۱۵﴾

یا بنائے اللہ واسطے انکے کوئی سبیل

اور (ایمان والو) تمہاری عورتوں میں سے جو عورتیں باہمدگر بےحیائی کا ارتکاب کریں۔ تو (اُن کے اس فعل پر) اپنے ہی (مرد عورتوں میں سے) چار گواہوں کی گواہی لیا کرو۔ پھر اگر چار گواہ گواہی دیدیں، تو ایسی عورتوں کو اُن کے گھروں میں الگ الگ نظر بند کر دیا کرو۔ یہانتک کہ انہیں (یعنی اُن بدطینت عورتوں کو اس نظر بندی ہی میں) موت آجائے اور یا اللہ تعالیٰ اُنکی رہائی کی کوئی اور سبیل بنا دے (یعنی وہ توبہ کریں اور ان کے نکاح ہو جائیں)۔

مردوں مردوں کا باہمدگر جنسی تسکین کے حصول کی کوشش کرنا

• اوپر عورتوں عورتوں کے باہمدگر جنسی تسکین کے حصول کی سزا بیان کیگئی ہے۔ در عین ربط کے مطابق اگلی آئت مجیدہ میں اُن مردوں مردوں کے باہمدگر جنسی تسکین کے حصول کی سزا بیان ہو رہی ہے، جو باہمدگر اس فعل کا ارتکاب کرتے ہیں جو فطری طور پر صرف منکوحہ عورتوں کیساتھ کرنے کی اجازت ہے:۔

وَالَّذٰنِ يَاْتِيٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا ۚ فَاِنْ
اور جو دو مرد لائیں دونو نسے تم میں سے۔ تو سزا دو دونکو پھر اگر
تَابَا وَاَصْلَحَا فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ
دونوں توبہ کریں اور اصلاح کریں تو اعراض کرو اُن سے۔ بیشک اللہ ہے
تَوَّابًا رَّحِيْمًا ۝ ۱۶
معاف کرنیوالا مہربان

اور تمہارے مردوں میں سے جو نسے دو مرد باہم اس فعل (غیر فطری جنسی تسکین) کے مرتکب ہوں۔ تو انہیں قرآنی سزا دیا کرو۔ (سو سو کوڑے لگاؤ ۲۴/۲) پھر اُن پر کڑی نگاہ رکھو) اگر وہ توبہ کرکے دونوں اپنی اصلاح کریں (یعنی نیک چلنی کا عملی ثبوت پیش کریں)، تو پھر اُن سے اعراض کرنا (یعنی پھر اُنکی نگرانی چھوڑ دینا)۔ بیشک اللہ تعالیٰ (توبہ اور اصلاح کرنیوالوں کو) معاف کرنیوالا مہربان ہے۔

قرآنی اسلوب بیان

● قرآنِ کریم کا اسلوب بیان یہ ہے کہ جب کسی چیز کا ذکر آجائے تو پھر ہی اُسکے ضروری متعلقات کی وضاحت بھی کر دیتا ہے۔ چنانچہ اس آیت مجیدہ میں چونکہ توبہ کا ذکر آیا ہے۔ اسلئے اگلی آیت مجیدہ میں اس امر کی توضیح کر دیگئی ہے کہ توبہ کا قرآنی قانون صرف اُن لوگوں کیلئے ہے جو بھول کر خطا کریں۔ اُنکے لئے نہیں جو گناہ کے عادی ہو کر مسلسل گناہ کرتے رہیں:۔

اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ
سوائے اسکے نہیں کہ توبہ اوپر اللہ کے واسطے اُن لوگوں کے ہے جو عمل کریں
السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ
بُرا ساتھ نادانی کے پھر توبہ کریں قریب سے
فَاُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ
تو وہ ہیں کہ رجوع برحمت ہوتا ہے اللہ اوپر اُنکے۔ اور ہے اللہ
عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝ ۱۷
بڑھکر علم والا اور حکمت والا

(ایمان والو! سن لو کہ) بیشک بیشک اللہ تعالیٰ پر اُن لوگوں کی توبہ کا قبول کرنا لازم آتا ہے، جو نادانی کیسبب بُرا عمل کر بیٹھیں پھر وہ جلدی ہی لوٹ آئیں (یعنی بُرے عمل سے رُک جائیں۔ اور اپنی اصلاح کرلیں)۔
پس یہی لوگ وہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ اُن پر رجوع برحمت ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ (نے اس فیصلے سمیت تمام فیصلے علم و حکمت کی بناپر کر رکھے ہیں۔ کیونکہ وہ) بہت بڑھکر علم رکھنے والا اور صاحب حکمت ہے

● واضح رہے کہ لفظ توبہ کی لغوی تحقیق آگے چل کر اپنے مقام پر پیش کی جارہی ہے۔ پہلے سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ پیش کیجاتی ہے۔ جس میں اُسی مضمون کو منفی صورت میں پیش کیا گیا ہے، جو آیت بالا میں مثبت انداز میں پیش ہوا ہے، دیکھئے ارشادِ باری:۔

وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ۚ
اور نہیں ہے توبہ واسطے اُن لوگوں کے کہ عمل کریں بُرے
حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّىْ تُبْتُ الْـٰٔنَ
یہانتک کہ جب حاضر ہو کسی کے اُنکے پر موت۔ کہے بیشک میں توبہ کرتا ہوں اب

اور اُن لوگوں کیلئے توبہ نہیں ہے (یعنی اُن لوگوں کی توبہ اللہ کے ہاں قبول نہیں جو مسلسل) بُرے عمل کرتے رہیں یہانتک کہ (اسی حالت میں) اُن میں سے کسی پر موت آجائے۔ تو اُسوقت کہے کہ میں اب توبہ کرتا ہوں (اب گناہوں سے کنارہ کش ہوتا ہوں)

بَعْدِہٖ وَاَصْلَحَ فَاَنَّہٗ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ ۶/۵۴ ۔ شان یہ ہے کہ تم میں سے جو کوئی بُرا عمل کرے نادانی سے (جان بوجھ کر نہیں) پھر وہ توبہ کرے (لوٹ آئے) اور اپنی اصلاح کرلے تو اسکے لیے اللہ تعالیٰ معاف کرنیوالا مہربان ہے۔

• تَابَ اِلَیْہِ کا معنی ہے وُہ اُسکی طرف لوٹ آیا۔ اور تَابَ عَلَیْہِ کا معنی ہے وہ اُسکی طرف رجوع برحمت ہُوا۔ جیسے کہ ۲/۵۴ میں فَتُوْبُوْا اِلٰی بَارِئِکُمْ کا معنی ہے کہ لوٹ آؤ اپنے پروردگار (کے نازل کردہ ضابطۂ حیات) کیطرف۔ اور ۵۴/۲ میں یَتُوْبُ اللہُ عَلَیْہِمْ کا معنی پیچھے گزر چکا ہے :۔ اللہ تعالیٰ اُن پر رجُوع برحمت فرمائیگا۔ واضح رہے کہ فعل تَابَ یَتُوْبُ کا صلہ اِلٰی بندوں کیلئے آتا ہے۔ توبہ کرنے کیلئے یعنی بُرے اعمال سے ہٹ کر اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ ضابطۂ حیات کیطرف لوٹ آنے کیلئے۔ اور اِسکا صلہ عَلٰی اللہ تعالیٰ کیلئے آتا ہے، اُسکے نازل کردہ ضابطے کیطرف لوٹ آنیوالے بندوں پر رجوع برحمت ہونے کیلئے۔

• نیز ہر تقاضائے وقت کے مطابق ناسازگار حالات کا مقابلہ کرتے ہوئے ضابطۂ الٰہی پر عمل کرنیوالوں پر اللہ تعالیٰ کے رجوع برحمت فرمانے کیلئے بھی تَابَ یَتُوْبُ کا صلہ عَلٰی آتا ہے۔ جیسے کہ جب آنحضورؐ اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے انتہائی ناسازگار حالات کا مقابلہ کرتے ہُوئے عین تقاضائے وقت کے مطابق ہجرت فرمائی، مکّی صحابہؓ نے انتہائی تنگی کے وقت میں آنحضورؐ کی اِتّباع کی اور مدنی صحابیوں نے مہاجرین کی مدد کی تو اُسوقت کیلئے سورہ توبہ میں ارشاد ہُوا ہے :۔

• لَقَدْ تَّابَ اللہُ عَلَی النَّبِیِّ وَالْمُھٰجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْہُ فِیْ سَاعَۃِ الْعُسْرَۃِ مِنْۢ بَعْدِ مَا کَادَ یَزِیْغُ قُلُوْبُ فَرِیْقٍ مِّنْھُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَیْھِمْ ؕ اِنَّہٗ بِھِمْ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ۝ ۹/۱۱۷ ۔ البتہ تحقیق رجوع برحمت ہُوا ہے اللہ اوپر اپنے نبیؐ کے اور اُوپر مہاجرین و انصار کے، جنہوں نے نبیؐ کی اتباع کی تنگی کے زمانے میں پیچھے اِسکے کہ اُنکے ایک فریق کے ذہن قریب تھا کہ پھر جائیں۔ پس اللہ اُن سب پر رجوع برحمت ہُوا۔ بیشک وہ اُن سب پر (لیعنی نبیؐ۔ مہاجرینؓ اور انصارؓ کے مذکورہ بالا عظیم کردار کی بدولت) شفقت کرنیوالا مہربان ہے۔

نگاہِ بازگشت

• سورت مجیدہ زیر بحث النسآء کی ابتدائی آیات کریمات میں آپ دیکھ چکے ہیں کہ یہ سُورت اپنے نام کے مطابق عورتوں سے متعلقہ احکام کی حامل ہے۔ چنانچہ آیت نمبر ۱ میں عورت اور مرد کو ایک ہی جرثومۂ حیات کی پیدائش بتا کر اُس نظریئے کا بطلان کر دیا گیا ہے جو عورت کو حقیر قرار دیتا ہے۔ اور اعلان کر دیا ہے کہ عورت مرد دونوں یکساں طور پر واجب التکریم ہیں نیز یہ بھی ابتداء ہی میں بتایا جا چکا ہے کہ عورت کی زندگی کا انتہائی گھناؤنا گوشہ وہ ہے جب اِسکا خاوند فوت ہو جاتا ہے، جس سے وہ بھی بیوہ بے سہارا یتیم ہو جاتی ہے اور اُسکے بچے بھی بے سہارا یتیم ہو جاتے ہیں۔ اِسلئے آیت نمبر ۲۔۵۔۶ میں یتیموں سے متعلقہ جملہ مسائل کی وضاحت کر دی گئی ہے۔ اور خود بیوہ بے سہارا یتیم عورتوں کو اُنکا حق زوجیت دلانے کیلئے اُن ہنگامی حالات میں جب کبھی جنگ وبا یا کسی بھی وجہ سے یتیم بیوہ بے سہارا عورتوں کی تعداد مردوں کی تعداد سے بڑھ جائے تو ایک سے زائد دو دو یا تین تین یا چار چار تک نکاح کرکے بیوہ بے سہارا یتیم عورتوں کو معاشرہ میں کھپانے کا حکم آیت نمبر ۳۔۴ میں دیدیا گیا ہے۔ اور ساتھ ہی مردوں کی وفات کی بدولت پیدا ہونیوالے بیوہ بے سہارا یتیم عورتوں اور بے سہارا یتیم بچوں کے مسائل بیان کرنے کے بعد عین ربط کے مطابق آیت نمبر ۷ تا ۱۴ میں مرنیوالوں کے چھوڑے ہوئے مال کے وارثوں، ذوالفروض اور زوجین کی ہر ممکن صورت کی طرز تقسیم کی وضاحت فرما دی ہے

• اسکے بعد پھر عورتوں ہی کے مسائل میں سے ایک مسئلہ ہے عورتوں کا عورتوں سے جنسی تسکین حاصل کرنا۔ اس سے متعلقہ حکم آئت نمبر ۱۵ میں دینے کے بعد، اسی ربط کے مطابق مردوں کے مردوں سے جنسی تسکین حاصل کرنے سے متعلقہ حکم آئت نمبر ۱۶ میں نازل کر دیا ہے۔ اور ان گناہوں کے ذکر کے بعد عین ربط کے مطابق مسئلہ توبہ کی حقیقت آئت نمبر ۱۷-۱۸ میں نمایاں کر دی گئی ہے۔ اور اسکے بعد اگلی آئت مجیدہ نمبر ۱۹ میں پھر عورتوں ہی سے متعلقہ باقی مسائل کیطرف رُخ کرتے ہوئے اس امر کی وضاحت فرمائی ہے کہ ہونیوالی بیوی کی رضامندی نکاح سے قبل حاصل کرنا ضروری ہے۔ جسطرح مردوں کو پسند کا حق حاصل ہے۔ اسیطرح عورتوں کو بھی پسند کا حق دیا گیا ہے چنانچہ نکاح کے طلبگار مومنوں کو حکم ہوا ہے:-

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ
اے ایمان کے دعویدارو! نہیں ہے حلال واسطے تمہارے یہ کہ

تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا ؕ وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا
وارث ہو عورتوں کے جبراً۔ اور نہ روکو انہیں تاکہ لے لو

بِبَعْضِ مَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ
کچھ حصہ اس سے جو دیا ہے تم نے انہیں سوائے اسکے کہ وہ لائیں بیحیائی

مُّبَيِّنَةٍ ۚ وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فَاِنْ
ظاہر۔ اور مل کر رہو ان سے ساتھ معروف طریقے کے۔ پھر اگر

كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّ
تم کراہت کرو ان سے تو ہوسکتا ہے کہ تم کراہت کرو اس چیز سے حالانکہ

يَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا ۝ ۱۹
ٹھہرائی ہو اللہ نے بیچ اسکے بھلائی بڑی

اے ایمان کا دعوی کرنیوالو! (یعنی امن کے ضامن بننے والو!) تمہارے لئے یہ حلال نہیں ہے کہ تم عورتوں (کی رضامندی کے بغیر) بجبرو اکراہ ان سے نکاح کرو۔ اور (یہ بھی تمہارے لئے حلال نہیں کہ انہیں جبراً روک رکھو) مت روکو انہیں تاکہ تم نے جو مال انہیں دیا ہے (انہیں روک کر) اس میں سے کچھ لے لو۔ سوائے اسکے کہ اگر وہ کھلی بیحیائی کی مرتکب ہوں۔ (اس صورت میں انہیں دیا ہوا مال تم واپس لے سکتے ہو اور حکم دیا جاتا ہے کہ) تم انکے (یعنی اپنی بیویوں کے) ساتھ معروف طریقے سے رہو سہو۔ پھر اگر تم ان سے کراہت کرو۔ تو ہوسکتا ہے کہ تم ایک ایسی چیز سے کراہت کرو، کہ اس میں اللہ تعالی نے (تمہارے لئے) بہت زیادہ بھلائی رکھی ہو۔ (یعنی اس سے تمہیں اولاد میسر آئے جو افزائش نسل کا موجب بھی ہو اور بڑھاپے میں خدمت بھی کرے)۔

ایک مرد کی صرف ایک بیوی

• اس سے اگلی آئت مجیدہ میں ارشاد ہوا ہے کہ پھر اگر تم نے کراہت کرتے ہوئے بیوی کو طلاق دیکر کسی دوسری عورت کے ساتھ بدلنا ہی ہو تو جو مال تم نے سابقہ بیوی کو دیا ہے اگر وہ کوئی خزانہ بھی ہو تو واپس نہ لینا:-

وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ ۙ
اور اگر ارادہ کرو تم تبدیل کرنیکا بیوی اور کو جگہ بیوی پہلی کے

وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ
حالانکہ دیا ہو تم نے کسی ایک کو ان میں سے خزانہ۔ تو نہ لینا اس میں سے

اور اگر (یہ حالت ہو کر) تم اپنی سابقہ بیوی کی جگہ کوئی اور بیوی تبدیل کرنے کا ارادہ کرو۔ حالانکہ ان میں سے کسی کو تم نے (یعنی اسکے شوہر نے اسے اگر) کوئی خزانہ بھی دیا ہو تو اس میں سے کچھ بھی واپس نہ لینا۔

شَيْـًٔا اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّ اِثْمًا مُّبِيْنًا ۲۰

کچھ بھی۔ کیا تم لوگے اُسے ساتھ بہتان اور گناہ ظاہر کے

کیا تم وہ مال لوگے بیوی پر بدکاری کا بہتان باندھنے کا ظاہر گناہ کرکے؟ (ہرگز ایسا نہ کرنا۔ تم تو امن کے ضامن ہونے کے دعویدار ہو۔ حالانکہ یہ اقدام امن پر نہیں بلکہ فساد پر مبنی ہے)۔[1]

• [1] آیتِ بالا میں مومنوں کو مخاطب کرکے اَتَاْخُذُوْنَهٗ کے استفہام انکاری کیساتھ کہا گیا ہے کہ کیا تم بیویوں پر بدکاری کا الزام لگا کر اپنا دیا ہُوا مال واپس لوگے؟۔ ایسا نہ کرنا۔ تم تو ایمان کے دعویدار ہو یعنی دنیا بھر کے امن کے ضامن ہو۔ حالانکہ اس سے بڑھ کر اور فساد کیا ہو سکتا ہے کہ تم اپنی بیوی کو طلاق تو دو محض کراہت کی بدولت۔ اور اس پر بہتان لگا کر اسکی آئندہ کی ساری زندگی داغدار کرکے رکھدو۔ نیز اس آیت میں استبدالِ زوج کے الفاظ سے یہ بھی بصورت نصف النہار عیاں ہے کہ عام حالات میں بیوی تبدیل تو کیجا سکتی ہے لیکن ایک سے زائد بیویاں بیک وقت نکاح میں نہیں رکھی جاسکتیں۔ پچھے آیت مجیدہ ۳ میں چار تک کا حکم ہنگامی حالات کے لئے دیا گیا ہے عام حالات کیلئے نہیں۔

• اس سے اگلی آیت مجیدہ میں بیوی پر بہتان باندھکر ظلم کیساتھ مال حاصل نہ کرنے کے لئے نکاح کا میثاق غلیظ، پکا عہد یاد کرایا گیا ہے۔

وَكَيْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى

اور کیسے تم لوگے اُسے حالانکہ بیشک پایا فیض بعض تمہارے نے طرف

بَعْضٍ وَّ اَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ۲۱

بعض سے اور لیا بیویوں نے تم سے عہد پکا۔

اور کس طرح تم لوگے (اپنا دیا ہُوا مال واپس اپنی بیویوں سے) جبکہ حالت یہ ہے کہ فیض حاصل کیا ہے تم نے آپس میں۔ (یعنی تم باہم جنسی تعلقات قائم کرچکے ہو۔ اور ایمان کے دعویدار (نکاح کے وقت) تمہاری بیویوں نے تم سے اپنے انہی حقوق کا پختہ عہد لیا تھا۔

حرام عورتوں کی قرآنی فہرست

• اس سے اگلی تین آیات کریمات میں اُن عورتوں کی فہرست درج کردی گئی ہے جن سے نکاح کرنا از روئے قرآن کریم حرام ہے۔ چنانچہ سر فہرست لایا گیا ہے سوتیلی ماں، یعنی باپ کی منکوحہ عورت کو۔

وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ

اور نہ نکاح کرنا جس سے نکاح کیا باپوں تمہاروں نے تم میں سے عورتوں کے

اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّ مَقْتًا ؕ

مگر جو گزر چکا ہے۔ بے شک وہ ہے بےحیائی اور مکروہ

وَسَآءَ سَبِيْلًا ۲۲ ع ۳ / ۱۴

اور بُری ہے راہ

اور نہ نکاح کرنا اُن عورتوں سے جن کے ساتھ تمہارے باپوں نے نکاح کیا۔ مگر جو ایسے نکاح (تم نزولِ قرآن سے پہلے زمانۂ جہالت میں) کرچکے ہو (اُن پر کوئی گرفت نہیں کی جاتی)،[1] بیشک وہ بے حیائی اور مکروہ کام ہے۔ اور بہت بُری راہ ہے۔

• [1] اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ کے الفاظ سے ثابت ہوتا ہے کہ زمانہ قبل نزولِ قرآن میں عربوں میں باپ کی منکوحہ یعنی سوتیلی ماں سے نکاح کرنے کا رواج تھا۔ زمانۂ جہالت میں کئے گئے ایسے نکاحوں کو اسلئے بحال رکھا گیا ہے کہ اس قسم کی ایسی عورتیں جن سے نکاح

اور اُسکے بعد اولاد کا سلسلہ جاری ہو چکا ہو، اُنہیں طلاق دلوانا چونکہ مزید خرابیوں کا موجب ہو سکتا تھا، اسلئے اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ کے الفاظ میں ایسی تمام خرابیوں کی روک تھام کردیگئی ہے۔

● اِس سے اگلی آئت مجیدہ میں سوتیلی ماؤں کے سوا باقی حرام عورتوں کی مفصل فہرست بالفاظِ ذیل پیش کیگئی ہے جو نہائی قابلِ توجہ ہے:۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ
حرام کیگئی ہیں اوپر تمہارے مائیں تمہاری اور بیٹیاں تمہاری اور بہنیں تمہاری

وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ وَبَنٰتُ الْاَخِ وَبَنٰتُ الْاُخْتِ
اور پھوپھیاں تمہاری اور خالائیں تمہاری اور بیٹیاں بھائی کی اور بیٹیاں بہن کی

وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ
اور مائیں تمہاری جنہوں نے دودھ پلایا تم کو اور بہنیں تمہاری دودھ شریک

وَاُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ
اور مائیں بیویوں تمہاری کی اور لڑکیاں پالی ہوئی تمہاری جو ہوں بیچ گود تمہاری کے

مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا
اُن بیویوں تمہاری سے کہ داخل ہوئے تم ساتھ اُنکے۔ پھر اگر نہیں ہوئے

دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِ
داخل تم ساتھ اُنکے پھر نہیں حرج اُوپر تمہارے اور بیویاں بیٹوں

كُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ
تمہاروں کی جو ہیں سے تمہاری پشت کے اور یہ کہ تم جمع کرو درمیان

الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا
دو بہنوں کے۔ مگر جو گزر چکا۔ بیشک اللہ ہے بچاؤ دینے والا

رَّحِيْمًا ۲۳
مہربان

حرام کیگئی ہیں تم پر تمہاری مائیں (دادیاں نانیاں سب اُوپر کی)[1] تمہاری بیٹیاں (پوتیاں نواسیاں پر پوتیاں پرنواسیاں وغیرہ سب نیچے کی)[2] اور تمہاری بہنیں اور تمہاری پھوپھیاں اور تمہاری خالائیں اور تمہارے بھائیوں کی بیٹیاں (پوتیاں پرپوتیاں نواسیاں سب نیچے کی)[3] اور تمہاری بہنوں کی بیٹیاں (بھانجیاں پربھانجیاں سب نیچے کی) اور تمہاری مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا ہو۔ (اور اُنکی مائیں دادیاں نانیاں وغیرہ)[4]۔ اور تمہاری دودھ شریک بہنیں (اور اُنکی بیٹیاں پوتیاں نواسیاں وغیرہ)[5] اور تمہاری بیویوں کی مائیں (دادیاں نانیاں وغیرہ سب اوپر کی)[6] اور تمہاری وہ بیویاں جن سے تم نے خلوت کی ہو اُنکی سابقہ شوہر سے گود کی بیٹیاں کہ تم نے اُنہیں پالا ہے۔ (اُن بیٹوں کی بیٹیاں پوتیاں نواسیاں وغیرہ سب نیچے کی)[7] پھر اگر تم نے نکاح کے بعد خلوت نہیں کی تو منکوحہ غیر مدخولہ بیوی کی بیٹی تم پر حرام نہیں۔ اور حرام کیگئی ہیں تم پر بیویاں تمہارے اُن بیٹوں کی جو تمہارے صلب سے ہوں۔ اور تم پر یہ بھی حرام کیا گیا ہے کہ تم ہمگامی حالات میں بیک وقت ایک سے زائد نکاح کرتے وقت دو سگی بہنوں کو جمع کرو)۔ مگر جو گزر چکا۔ (جنہیں تم زمانۂ جہالت میں جمع کر چکے ہو اُس پر کوئی گرفت نہیں[8])۔ بیشک اللہ تعالیٰ بچاؤ عطا[9] فرمانیوالا اور بہت بڑھکر رحم فرمانیوالا ہے۔

● [1] اُمَّهٰتُكُمْ میں مائیں دادیاں نانیاں پر دادیاں پرنانیاں وغیرہ سب شامل ہیں اور سب حرام ہیں۔ اور یہ انتہائی عام فہم مسئلہ کسی دلیل کا محتاج نہیں کہ دادی یعنی باپ کی ماں اور نانی یعنی ماں کی ماں بھی بدرجۂ اولیٰ مائیں ہیں نیز پردادی یعنی دادے کی ماں اور پرنانی یعنی نانی کی ماں بھی بدرجۂ اولیٰ مائیں ہیں۔ اور ان سب اوپر والی ماؤں سے نکاح کرنا حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ کے حکم خداوندی کے مطابق منع ہے۔ جو لوگ قرآن کریم کو ناکافی ثابت کرنے کیلئے اِس پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ یہ تو دادی پردادی

کی حُرمت بیان نہیں کرتا۔ انہیں اِس عام فہم مسئلہ ہی پر غور کرنا چاہیئے کہ کیا دادی، یعنی باپ کی ماں، ماں نہیں ہے؟ العجب!

• ۲۳ اِسی طرح بَنٰتُکُمْ کے الفاظ میں بیٹیاں، پوتیاں پرپوتیاں نواسیاں پرنواسیاں نیچے کی سب شامل ہیں اور یہ سب حرام ہیں اور یہ انتہائی عام مسئلہ بھی کسی دلیل کا محتاج نہیں کہ پوتیاں پرپوتیاں وغیرہ نیچے کی سب بیٹیاں ہی تو ہیں اور حرام ہیں۔ جو لوگ قرآن کریم کو نامکمل ثابت کرنے کیلئے اِس پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ یہ پوتی پرپوتی کی حُرمت بیان نہیں کرتا۔ اُنہیں اِس انتہائی عام فہم مسئلہ پر غور کرنا چاہیئے کہ کیا بیٹے کی بیٹی اور بیٹی کی بیٹی بیٹی نہیں ہے؟ العجب!

• ۲۳ یہی صورت ہے بَنٰتُ الْاَخِ کی کہ اس میں بھتیجیاں اور پربھتیجیاں وغیرہ نیچے کی سب شامل ہیں اور سب حرام ہیں۔

• ۲۳ نیز بَنٰتُ الْاُخْتِ میں بھانجیاں اور اُنکی بیٹیاں پربھانجیاں وغیرہ نیچے کی سب شامل اور سب حرام ہیں۔

• ۲۳ اُمَّھٰتُکُمُ الّٰتِیْٓ اَرْضَعْنَکُمْ کے الفاظ میں جب دودھ مائیں حرام ہیں تو عام فہم اصولِ بالا کے مطابق دودھ ماؤں کی اوپر کی سب مائیں بھی حرام ہیں۔ کیونکہ سب نے بالترتیب اپنی اپنی ماں کا دودھ پیا ہے۔ اور دودھ کا اشتراک اُوپر تک موجود ہے۔

• ۲۳ اَخَوٰتُکُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ کے الفاظ میں جب دودھ بہن حرام کردیگئی ہے تو صاف ظاہر ہے کہ دودھ بہن کی بیٹی پوتی بھی حرام ہے۔ کیونکہ اُن سب کی اصل یہ دودھ ماں ہے اور وہ سب اسی اصل کی فرع ہیں۔ اسیطرح:۔

• ۲۳ جب اُمَّھٰتُ نِسَآئِکُمْ کے الفاظ میں ساسیں یعنی بیویوں کی مائیں حرام قرار دیدیگئی ہیں تو ظاہر ہے کہ اُنکی مائیں اور نانیاں دادیاں اُوپر کی سب حرام ہیں جسطرح ساسیں مائیں ہیں اسیطرح وہ سب مائیں ہیں۔

• ۲۳ رَبَآئِبُکُمْ میں جب منکوحہ مدخولہ بیویوں کی سابقہ شوہر کی بیٹیاں حرام کردیگئی ہیں تو مندرجہ بالا عام فہم مسئلہ کے مطابق اُنکی بیٹیاں پوتیاں اور نواسیاں وغیرہ نیچے کی سب حرام ہیں۔

• ۲۳ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ سے جو یہ مفہوم لیا جاتا ہے کہ سابقہ شریعتوں میں ہنگامی حالات کے بغیر عام حالات میں بھی ایک سے زائد نکاح کرنے کی اجازت تھی۔ یہ مطلقاً غلط ہے کیونکہ آنحضورؐ کو جو دین اور شریعت دیگئی تھی وہی سابقہ انبیاء کو دیگئی تھی:۔

• شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى ۴۲/۱۳ = ایمان والو! اللہ نے تمہارے لئے اُسی دین کی شرع فرمائی ہے جس کا حکم نوحؑ کو دیا تھا۔ اور اے رسُول! یہ اُسی دین کی شرع ہے جو ہم نے آپکی طرف وحی کیا ہے۔ اور یہ اُسی دین کی شرع ہے جس کا حکم ہم نے ابراہیمؑ موسٰیؑ اور عیسٰیؑ کو دیا تھا — نیز فرمایا ہے:۔

• لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۱۰/۶۴ = اللہ تعالٰی کے کلمات، دین، شریعت کیلئے بدلنا ہے ہی نہیں۔

• لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۶/۱۱۵ = اللہ تعالٰی کے کلمات، دین، شریعت کو کوئی بدلنے والا ہے ہی نہیں۔

• مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ وَمَآ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۵۰/۲۹ = میری طرف سے بات، دین، شریعت بدلی نہیں جاتی اور نہ میں اپنی بات، دین، شریعت کو بدلکر اپنے بندوں پر ظلم کرنیوالا ہوں۔

دین کا شارع صرف اللہ تعالٰی ہے

• آگے بڑھنے سے پہلے یہ چیز بھی ذہن نشین فرمالیجیئگا کہ یہ جو کہا جاتا ہے کہ الگ الگ نبیوں کی الگ الگ شریعتیں تھیں اور نبیوں کو دین کا شارع کہا جاتا ہے۔ یہ نظریہ قرآن کریم کی رُو سے

نہ صرف یہ کہ غلط ہے۔ بلکہ اسے اللہ تعالیٰ نے شرک قرار دیا ہے۔ سورہ شوریٰ میں ارشاد ہوا ہے:۔

• اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ ؕ وَلَوْلَا كَلِمَةُ الْفَصْلِ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ؕ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۲۱/۴۲ ؛ کیا ان لوگوں نے اللہ کے شریک ٹھہرائے ہیں جو اُن کیلئے دین کی شرع کرتے ہیں۔ جس کی اللہ تعالیٰ نے اجازت نہیں دی۔ اور (غیر اللہ کو دین کا شارع ٹھہرانا وہ ظلم عظیم ہے کہ) اگر فیصلے کا دن مقرر نہ کر دیا ہوتا تو اُنکے درمیان یہاں ہی فیصلہ کر دیا جاتا۔ حقیقت یہ ہے کہ ظالموں (یعنی دین اللہ کے غیر اللہ شارع ٹھہرانیوالوں) کیلئے دردناک عذاب ہے۔

• پس آیاتِ بالا کی رُو سے سابقہ انبیاء کو دیگئی شریعتیں ہوں قرآنی شریعتیں ہوں کسی بھی شریعت میں دو بہنوں سے بیک وقت نکاح کی اجازت نہیں تھی۔ یہاں جو منع کیا گیا ہے، یہ ہنگامی حالات میں ایک سے زائد نکاح کے وقت کیلئے ہے۔ اور اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ میں اس امر کی خبر دیگئی ہے کہ عرب میں نزولِ قرآن سے پہلے بیک وقت ایک سے زائد عورتوں سے نکاح کرنا بھی اُنکا معاشرتی رواج تھا اور بیک وقت دو سگی بہنوں کو جمع کرنا بھی اُنکے معمولات میں داخل تھا۔ اور یہ بالکل اُسیطرح ہے جسطرح پیچھے آیت نمبر ۲۲/۴ میں بتایا گیا ہے کہ اہلِ عرب نزولِ قرآن سے پہلے باپ کی منکوحہ مدخولہ یعنی سوتیلی ماں سے بھی نکاح کر لیا کرتے تھے جسطرح یہ چیز کسی سابقہ شریعت کی نہیں تھی، اسیطرح ایک سے زائد نکاح اور دو سگی بہنوں کا اجتماع بھی کسی الٰہی شریعت کے مطابق نہیں تھا۔

• سوتیلی ماں اور دو سگی بہنوں کے قبل نزول کے نکاحوں کو قرآنِ کریم نے الگ الگ ۲۲/۴ میں اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ کیساتھ اسلئے ناقابلِ گرفت قرار دیا ہے کہ اگر اُنہیں طلاقیں دلوادی جاتیں تو ایک نئی مصیبت کا سامنا کرنا پڑتا۔ کیونکہ اُنکے ہاں اولاد کا سلسلہ اور چھوٹے چھوٹے بچوں کی موجودگی اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ہی کی متقاضی تھی۔

• ثمہ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا کے الفاظ میں اسی اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ کیطرف توجہ دلائی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ چونکہ ہر آنے والے مصائب سے حفاظت اور بچاؤ عطا فرمانیوالا ہے۔ اِسلئے اُس نے اِن چھوٹے چھوٹے بچوں کی ماؤں کو اُنکے سابقہ حال پر رکھ کر اُنہیں ایک نئی مصیبت سے بچا لیا ہے۔

نکاح والی عورت بھی نکاح کیلئے حرام ہے

• آیتِ بالا زیرِ بحث ۲۳/۴ میں اُن عورتوں کی مکمل فہرست دیدیگئی ہے جن کیساتھ نکاح کرنا حرام ہے۔ اِنکے سوا جن عورتوں کیساتھ نکاح کی اجازت دیگئی ہے۔ اگلی آیت مجیدہ میں ساتھ ہی، اُنہی کے متعلق واضح کر دیا گیا ہے کہ اِن حلال عورتوں میں سے جو نکاح والیاں ہوں، وہ بھی ایک مخصوص استثنے کیساتھ حرام ہیں:۔

وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ

اور نکاح والیاں میں سے عورتوں کے سوائے اُن کے جو مالک ہوئے

اَيْمَانُكُمْ ۚ كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ۚ

دائیں ہاتھ تمہارے۔ لکھا ہوا ہے اللہ کا اوپر تمہارے

اور حلال عورتوں میں سے تم پر (وہ عورتیں بھی حرام ہیں) جو نکاح والیاں ہوں۔ سوائے کو مسلّمہ بیاہی ہوئی عورتوں کے (جو مسلمان ہو کر تمہارے داہنے ہاتھ یعنی تمہارے قبضہ میں آجائیں۔ (تم اُنکا امتحان کر لو ۱۰/۶۰۔ اور اِسطرح اُنکا ازدواجی حق مہیا کرنا اسلامی معاشرہ کے ذمہ ہوجائے)۔ یہ اللہ تعالیٰ نے تم پر فرض کر دیا ہے۔

• ۱۔ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ کی مکمل بحث پیچھے ۵ کی تفسیر القرآن بالقرآن میں گزر چکی ہے۔ ذہن میں دوبارہ تازہ فرمالیں صفحہ ۱۸۱ پر۔

متعہ حرام ہے

• نکاح کی غرض مستی جھاڑنا نہیں۔ بلکہ:۔ افزائشِ نسل اور عمر بھر کیلئے ایکدوسرے کی زندگی کا ساتھی بنکر رہنا ہے۔ چنانچہ آیت مجیدہ کے اگلے الفاظ میں ارشاد ہوا ہے ؛۔

وَاُحِلَّ لَکُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِکُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا
اور حلال کیگئی ہیں واسطے تمہارے سوائے مذکورہ بالا کے۔ یہ کہ طلب کرو تم
بِاَمْوَالِکُمْ مُّحْصِنِیْنَ غَیْرَ مُسٰفِحِیْنَ ؕ فَمَا
ساتھ مالوں اپنوں کے۔ قیدِ نکاح میں رہنے والے نہ پانی بہانیوالے۔ پھر جو
اسْتَمْتَعْتُمْ بِہٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ
فائدہ اٹھاؤ تم ساتھ اسکے ان سے تو دے دو انہیں مہر ان کا
فَرِیْضَةً ؕ وَلَا جُنَاحَ عَلَیْکُمْ فِیْمَا تَرٰضَیْتُمْ بِہٖ مِنْۢ بَعْدِ
مقرر کیا ہوا اور نہیں حرج تم پر بیچ اسکے کہ تم راضی ہوئے ساتھ اسکے پیچھے
الْفَرِیْضَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ کَانَ عَلِیْمًا حَکِیْمًا ۲۴
مقرر کرنے مہر کے۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہے بڑھکر علم والا حکمت والا

اور مذکورہ بالا عورتوں کے سوا باقی تمام عورتیں تمہارے لئے حلال کیگئی ہیں۔ (شرط) یہ ہے کہ تم اُن سے نکاح کی طلب اپنے مال کیساتھ کرو۔ اور غرض نکاح، عمر بھر قیدِ نکاح میں رہنا ہو۔ صرف پانی بہانا نہ ہو (یعنی صرف وقتی طور پر جنسی تسکین غرض نکاح نہ ہو) پھر اُن عورتوں میں سے جن سے نکاح کا فائدہ اٹھاؤ تو انکے مہر جو مقرر کئے گئے ہوں، انہیں بوقتِ نکاح بروقت دیدیا کرو! اور اس امر میں تم پر کوئی ہرج نہیں کہ مہر مقرر ہو چکنے کے بعد کسی امر پر تم آپس میں راضی ہو جاؤ (یعنی کچھ رقم تمہاری بیویاں تمہیں اپنی خوشی سے واپس کر دیں) بیشک اللہ تعالیٰ بڑھکر جاننے والا اور حکمت والا ہے۔ (یعنی اُسکے مذکورہ بالا جملہ احکام علم و حکمت کی اساس پر قائم ہیں۔

• ۱۔ فِیْمَا تَرٰضَیْتُمْ بِہٖ مِنْۢ بَعْدِ الْفَرِیْضَةِ کے الفاظ ہیں، جو فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِہٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِیْضَةً کے بعد آئے ہیں، اور جن میں باہمی رضامندی کیساتھ مقررہ زرِ مہر میں سے کچھ واپس لے لینے کو جائز قرار دیا گیا ہے۔ اِس سے بھی فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ کا معنیٰ دائمی نکاح ثابت ہے۔ کوئی نام نہاد میعادی نکاح (متعہ نامی) ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ جو عورت ایکدن کیلئے نکاح کرتی اور زرِ مہر حاصل کرتی ہے۔ اور جس لے اگلے دن قیدِ نکاح سے خودبخود آزاد ہو جانا ہے، اُسے اپنے ایک دن کے شوہر کیساتھ خاک محبت ہوگی کہ وہ اپنے مقررہ مہر میں سے ایک دن کے خاوند کو کچھ دیدے۔

• واضح رہے کہ مسلمانوں کا ایک گروہ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِہٖ مِنْهُنَّ کے الفاظ سے متعہ کے نام نہاد نکاح کا جواز اخذ کرتا ہے حالانکہ یہاں مندرجہ بالا دلیل کی رُو سے بھی کسی میعادی نکاح کا تصور تک نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ ایک دن کی بیوی، ایک دن کے شوہر کو اپنے مقررہ مہر میں سے چھوٹی کوڑی بھی واپس کرنے کیلئے تیار نہیں ہو سکتی۔ نیز واضح رہے کہ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ کی الگ بحث اپنے مقام پر آگے آرہی ہے۔ کہ اِن لفظوں میں متعہ کا جواز اخذ کرنا ہر لحاظ سے غلط ہے۔

متعہ کا مروجہ مفہوم

• مروجہ اسلامیات میں متعہ کی تعریف یہ بیان کیگئی ہے کہ یہ ایک میعادی نکاح ہے؛ جو میعاد ختم ہونے پر بلا طلاق خودبخود ٹوٹ جاتا ہے۔ مثلاً ایک سال کا نکاح، چھ ماہ کا نکاح، ایک ماہ، ایک ہفتہ یا ایک دن کا نکاح

معاذ اللہ استغفر اللہ! مسلمانوں کا ایک گروہ کہتا ہے کہ اوائلِ اسلام میں اِس قسم کے نکاح کی اجازت تھی، جو زمانۂ رسالت ہی میں موقوف ہو گئی تھی۔ مگر دُوسرا گروہ یہ کہتا ہے کہ موقوف نہیں ہوئی تھی ـــ واضح رہے کہ میعادی نکاح کا نظریہ آیتِ بالا کے مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ کے الفاظ کی سَو فیصدی ضِد ہے۔ کیونکہ اسلام میں ایک سیکنڈ کیلئے بھی کسی بھی متعینہ مدت کیلئے کئے گئے کسی میعادی نکاح کا تصوّر تک نہیں کیا جاتا۔ دیکھئے اللہ تعالیٰ نے کسطرح نظریۂ مُتعہ کا ابطال کر رکھا ہے؟

• مُحْصِنِيْنَ کا لفظ مادہ ح-ص-ن حصن سے صیغہ جمع مذکر اسم فاعل ہے۔ حصن کہتے ہیں قلعے کو۔ اور مُحْصِنِين اسمِ فاعل کا معنٰی ہے خود بھی قلعۂ نکاح میں قلعہ بند ہونیوالے اور بیویوں کو بھی نکاح کے قلعہ میں قلعہ بند رکھنے والے اور اِس آیت سے اگلی آیت ۴/۲۵ میں منکوحہ عورتوں پر مُحْصَنٰتٍ بصیغہ اسم مفعول قید لگا دی گئی ہے کہ وہ قلعہ بند رکھی جانیوالی ہوں۔ اس سے صرف دائمی نکاح مراد ہے کیونکہ ساتھ ہی غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ کی شرط لگا دیگئی ہے کہ صرف وقتی مستی جھاڑنے والیاں نہ ہوں ـــ پس قرآنِ کریم کی بیان کردہ، نکاح کی مذکورہ بالا حدود و قیود کے مطابق یہ تصوّر کسی طرح بھی صحیح تسلیم نہیں کیا جا سکتا، کہ مومن مرد عورتیں ایک دن کیلئے میاں بیوی بنیں، جو کھلے بندوں وقتی طور پر مستی جھاڑنے کے سوا اور کچھ نہیں۔ کیونکہ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ اور مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ کی قرآنی شرط کے مطابق کسی جوڑے کے نکاح کی زنجیریں یا تو طلاق کیساتھ ٹوٹ سکتی ہیں اور یا شوہر کی فوتیدگی کے بعد عدّت گزار کر بیوہ کے کسی دوسرے آدمی کے ساتھ نکاح کر لینے کے بعد ٹوٹ سکتی ہیں۔

نکاح اور مسافحت کا فرق

• آیت بالا میں آپ دیکھ چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نکاح کو حصن اور شوہروں کو مُحْصِنِيْنَ قرار دینے کے بعد اُن پر غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ کی شرط بھی عائد کر دی ہے۔ اور یہی شرط اگلی آیت مجید ۴/۲۵ میں بیویوں کو مُحْصَنٰتٍ قرار دیکر اُن پر بھی غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ کی شرط لگا دی ہے ـــ مُسٰفِحِيْنَ اور مُسٰفِحٰتٍ کے الفاظ، مادہ س۔ف۔ح۔ سفح سے الگ الگ اسم فاعل صیغہ جمع مذکر، اور اسم فاعل جمع مونث ہیں۔ اور سفح کا بنیادی معنٰی ہے بہا دینا۔ ضائع کر دینا اسطرح غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ کا معنٰی یہ ہے کہ نکاح کرنیوالے مرد مُحْصِن بنکر رہیں، محض مادۂ تولید کے بہانے والے نہ ہوں یعنی شرط یہ لگائی ہے کہ نکاح کی غرض صرف مستی جھاڑنا نہیں، بلکہ قلعۂ نکاح میں مُحْصِن، قلعہ بند ہو کر رہنا اور افزائش نسل ہے۔ اسکے برعکس ایک دن، ایک ہفتے یا ایک مہینے کے نکاح کی غرض مستی جھاڑنے کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتی۔ اِسلئے مُتعہ نکاح کے ضمن میں ہرگز نہیں آسکتا۔ کیونکہ ایسے تنگ زمان فعل کی غرض صرف مادۂ تولید کا بہانا ہی ہو سکتی ہے، افزائش نسل ہرگز نہیں۔

• پس قرآن کریم کے الفاظ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ اور مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ کے مطابق ثابت ہُوا کہ قرآن کریم کی رُو سے مُتعہ سَو فیصد ی حرام ہے۔ اور اِسے نکاح کے نام سے موسوم کرنا سو فیصدی غلط ہے۔ نیز مُتعہ کے جواز سے متعلقہ وہ تمام روایتیں بھی غلط ہیں جو حضور رسولِ اکرم سیّدنا محمد و احمد عربی سلامٌ علیہ کیطرف منسوب کیگئی ہیں۔ اللہ بچائے توہینِ رسالت کے اِس جُرمِ عظیم سے۔

مُتعہ کے جواز کی کوشش روایات کی سند سے

• مُتعہ کے مسئلہ کو مسلمانوں کا ایک گروہ تو قرآن کریم سے ثابت کرنے کی ناکام کوشش کرتا ہے۔ اور ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ متعہ کو رسول اکرم نے اپنی زندگی میں چار مرتبہ حلال ٹھہرایا اور چار مرتبہ حرام ٹھہرایا تھا۔ انکا کہنا ہے کہ آنحضرتؐ کے چوتھی مرتبہ حرام ٹھہرانے کے باوجود کچھ صحابہؓ اور صحابیاتؓ پھر

بھی متعہ کرتے رہے۔ حتیٰ کہ حضرت ابوبکرؓ کے زمانۂ خلافت میں بھی بدستور متعہ ہوتا رہا۔ بالآخر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں اسکی حرمت کا برسرِ منبر اعلان فرمایا۔ لیکن پھر بھی بعض صحابہؓ اور صحابیاتؓ اس پر بدستور عامل رہے۔ حتیٰ کہ تابعین میں بھی متعہ بعض کے ہاں بدستور جاری رہا۔ چنانچہ:۔

● ذیل میں موطا امام مالکؒ کا حوالہ پیشِ خدمت ہے۔ جسمیں خود آنحضورؐ سیدنا محمد و احمد عربیؐ کی زبانِ فیض ترجمان سے متعہ کی چار مرتبہ کی حلت و حرمت کا تصور پیش کیا گیا ہے۔ موطا امام مالکؒ مترجم مطبوعہ آرام باغ کراچی کے صفحہ ۵۰۴، سطر ۱ تا ۱۰ پر بالتفصیل درج ہے:۔

"ائمہ اربعہ اور جمہور کے نزدیک متعہ ناجائز ہے۔ اوائلِ اسلام میں متعہ درست تھا۔ پھر خیبر کے روز حرام ہوا۔ پھر عمرۂ قضا میں درست ہوا۔ پھر فتحِ مکہ کے دن حرام ہوا۔ پھر جنگِ اوطاس میں درست ہوا۔ پھر حرام ہوا۔ پھر جنگِ تبوک میں درست ہوا۔ پھر حجۃ الوداع میں حرام ہوا۔ اس بار بار کی حلت و حرمت سے لوگوں کو شبہ باقی رہا۔ بعض لوگ متعہ کرتے تھے بعض نہیں کرتے تھے۔ یہانتک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی۔ اور حضرت ابوبکرؓ کی خلافت میں بھی ایسا ہی رہا۔ اسکے بعد حضرت عمرؓ نے اسکی حرمت برسرِ منبر بیان کی تب سے لوگوں نے متعہ کرنا چھوڑ دیا۔ مگر بعض صحابہؓ اسکے جواز کے قائل رہے۔ جیسے جابرؓ بن عبداللہ، عبداللہ بن مسعود، ابوسعید، معاویہ، اسماء بنت ابوبکر، عبداللہ بن عباسؓ، عمرو بن حویرث اور سلمہ بن الاکوع اور ایک جماعت تابعین میں سے بھی متعہ کے جواز کی قائل ہوئی ہے۔"

● یہ موطا امام مالکؒ کا اقتباس ہے۔ کیا سمجھے آپ؟ متعہ حلال ہے یا حرام؟ آج حلال، کل حرام۔ پرسوں حلال، اترسوں حرام پھر حلال پھر حرام۔ یہ اللہ کا دین ہے یا مذاق؟ اور کیا اسلام میں عورت کا کوئی مقام ہے یا یہ صرف ایک کھلونا ہے۔ پھر اگر رسولؐ متقول کی سند سے بفرضِ محال مذکورہ بالا ناقابلِ قبول تصور ایک سیکنڈ کیلئے صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے کہ آپؐ نے معاذاللہ متعہ کو چار مرتبہ حلال اور چار مرتبہ حرام قرار دیا تھا۔ حالانکہ حضورؐ اللہ کے رسولؐ تھے آپ کو نہ اللہ کے کسی حلال کو حرام کرنے کا حق حاصل تھا اور نہ اللہ کے کسی حرام کو حلال ٹھہرانے کا۔ لیکن پھر بھی اقتباس بالا کے مطابق یہ تو ماننا ہی پڑیگا کہ آخری مرتبہ متعہ حرام ہوا تھا، حلال نہیں ہوا تھا۔ لیکن بقولِ اقتباس پھر بھی بعض صحابہؓ متعہ پر عامل رہے۔ اور حضرت ابوبکرؓ کے زمانۂ خلافت میں بھی ایسا ہی ہوتا رہا۔ آخر کار جب حضرت عمرؓ نے اپنے دورِ خلافت میں متعہ کی حرمت برسرِ منبر بیان فرمائی تو اقتباس بالا کے مطابق پھر بھی بہت سے جلیل القدر صحابیؓ اور صحابیاتؓ متعہ کرتے رہے اور تابعین میں بھی متعہ ہوتا رہا۔

● نیز مذکورہ بالا موطا امام مالکؒ کے صفحہ ۵۰۴ کی سطر اول پر لکھا ہے کہ ائمہ اربعہ اور جمہور کے نزدیک متعہ ناجائز یعنی حرام ہے! اور اسی صفحہ کی سطر ۹ پر درج ہے کہ "متعہ کرنیوالے پر بالاتفاق (ائمہ) زنا کی حد لازم نہیں آتی۔ حضرت عمرؓ نے ڈرانے کیواسطے یہ کہا، تاکہ لوگ متعہ سے باز رہیں"۔ اب بتایئے متعہ حرام ہوا یا حلال؟ اور حضرت عمرؓ کی پوزیشن کیا ثابت ہوئی جن کے یہ ذمہ لگایا گیا ہے کہ آپ نے محض ڈرانے کیلئے متعہ کو حرام ٹھہرا دیا تھا۔ العیاذ باللہ!

برادرانِ عزیز! متعہ کی حقیقت وہی ہے جو آیت مجیدہ زیرِ بحث ۴/۲۴ کے الفاظ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ سے ظاہر ہے۔ متعہ حرام ہے ہرگز حلال نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے مقدس رسولؐ نے کبھی ایک سیکنڈ کیلئے بھی متعہ کو حلال نہیں قرار دیا تھا۔ کتبِ روایات کا وہ مواد جس سے

ناموسِ رسُول، ناموسِ صحابہ وصحابیات داغدار ہوتی ہے وہ ہرگز صحیح نہیں ہیں۔

مُتعہ کے جواز کی کوشش قرآنِ کریم سے

• سطورِ بالا میں آپ اہلِ اسلام کے ایک گروہ کا نظریہ ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ مُتعہ، بسندِ رسُول مقبول چار مرتبہ حلال ہُوا اور چار مرتبہ حرام ٹھہرایا گیا۔ حجتہ الوداع میں آخری مرتبہ حرام ٹھہرانے کے باوجود ائمہ اربعہ کے ہاں اس حرام جنسی فعل کی کوئی سزا نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ نے محض ڈرانے کیلئے اسکی برسرِ منبر حُرمت بیان کی تھی۔ اب آیئے اُس گروہ کے دلائل کیطرف جو ایک دن، دو دن، ایک ہفتہ اور ایک مہینہ، ایک سال کے میعادی نکاح کا ثبوت قرآنِ کریم سے پیش کرتا ہے۔ سید مقبول احمد صاحب کی مترجم حمائل شریف کے صفحہ ۱۲۹ پر فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً ۚ کا معنیٰ لکھا ہے۔ پھر ان میں سے جن سے تم متعہ کرو تو مقرر کیا ہُوا مہر انکو دیدو۔

• پس فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ کے قرآنی الفاظ سے یہ مفہوم اخذ کیا گیا ہے کہ ان الفاظ میں ایک دن، دو دن، ایک ہفتہ، ایک مہینہ، چھ ماہ، ایک سال وغیرہ کے میعادی نکاح کی اجازت دیگئی ہے۔ اس پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب ماقبل دائمی نکاح کا حکم دیا گیا ہے۔ اور اُس پر مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ کی قید لگا کر میعادی نکاح سے مطلقاً روک دیا گیا ہے تو پھر کسطرح باور کیا جا سکتا ہے کہ ان الفاظ میں متعہ نامی کسی میعادی نکاح کے متعلق حکم دیا گیا ہے کہ اُسکا مہر بروقت ادا کر دیا کرو۔

اِسْتَمْتَعْتُمْ کی صرفی تحقیق

• واضح رہے کہ جس لفظ سے متعہ یعنی میعادی نکاح کا جواز اخذ کیا جاتا ہے۔ وہ ہے :۔ اِسْتَمْتَعْتُمْ۔ اس میں فعل اِسْتَمْتَعَ باب استفعال سے ہے۔ جس کا ایک معنٰی طلب ماخذ ہے۔ اور یہاں ماخذ ہے متع یعنی فائدہ اُٹھانا۔ اور چونکہ سیاقِ کلام میں مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ کی شرط سے مشروط صرف دائمی نکاح کا ذکر ہے۔ اسلئے فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ کا معنیٰ اظہر من الشمس ہے کہ :۔

• پھر مذکورہ بالا حلال عورتوں میں سے جن سے تم دائمی نکاح کے فائدے کی طلب کرو تو انکے مہر، بوقتِ نکاح، بروقت ادا کر دیا کرو۔ غور طلب امر یہ ہے کہ نہ قواعدِ عرب کی رُو سے یہاں کسی میعادی نکاح کا جواز ثابت ہوتا ہے اور نہ سیاقِ کلام سے۔ تو پھر خدا جانے اسلام جیسے ارفع واعلیٰ دین میں میعادی نکاح جیسا ادنیٰ ترین نظریہ کسطرح داخل کر دیا گیا ہے۔

مُتعہ کا مہر

• پس فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً سے نکاح کا مہر مراد ہے۔ اور فریضۃً میں اس امر کی خبر موجود ہے کہ مہر ہر مقام پر ہونیوالے شوہر کی حیثیت کے مطابق مقرر کیا جائیگا۔ اور نکاح سے ماقبل اسکا تعین ہو چکا ہونا ضروری ہے۔ پس کہا گیا ہے کہ ہونیوالی بیوی کا جو مہر مقرر ہو چکا ہے وہ نکاح کے وقت پورے کا پورا ادا کر دیا کرو۔ ان لفظوں میں مہر نصف معجّل ونصف غیر معجّل کے مروجہ انداز کا ابطال کیا گیا ہے۔ لیکن فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً کو اگر مُتعہ کے مہر پر چسپاں کیا جائے تو ذیل کا منظر سامنے آتا ہے کہ :۔

• مُتعہ کا میعادی نکاح اگر ایک دن کیلئے ہو گا تو ظاہر ہے کہ اُسکا مہر ایک ہفتہ کے مُتعہ کے مہر سے کم ہو گا۔ اور اسیطرح ایک ہفتہ کے متعہ کا مہر ایک مہینے کے متعہ سے کم۔ تو اب غور طلب یہ امر ہے کہ ایسے نکاحوں کو جن میں مہر کی کمی بیشی شوہر کی حیثیت پر موقوف نہ ہو: بلکہ وقفۂ نکاح کی کمی بیشی کے مطابق عورت کے مہر کی مقدار گھٹتی بڑھتی چلی جائے، کوئی باغیرت باپ یا بھائی اپنی بیٹیوں اور بہنوں

کیلئے ایسے مہر برداشت کرسکتا ہے ؟ اور کم وبیش وقفۂ نکاح کے مطابق گھٹنے بڑھنے والا کم وبیش نام نہاد مہر، مہر کہلا سکتا ہے ؟ فَقَدَّبَّرُوْا

رجوع الی المطلب

• مہر کی ادائیگی کو بروقت لازم قرار دینے کے بعد سلسلۂ درس کی اگلی آیتِ مجیدہ میں ارشاد ہوا ہے کہ جو افراد ملکی مومنہ عورتوں کا مہر ادا کرنے کی طاقت نہیں رکھتے وہ کافر معاشرہ سے آئی ہوئی نومسلمہ عورتوں سے نکاح کریں جن کا مہر انکی حسبِ حیثیت مقرر ہوسکے ۔

وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ

اور جو کوئی نہیں طاقت رکھتا تم میں سے یہ کہ وہ نکاح کرے

الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ

خاندانی عورتوں مومنہ عورتوں سے پھر جو ملک ہوئے داہنے ہاتھ تمہارے

مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ

میں سے لازمہ عورتوں مومنہ سے ۔ اور اللہ جانتا ہے ساتھ ایمان تمہارے کے

بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ ۚ فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ

بعض تمہارے میں سے بعض کے ہیں پھر نکاح کرو ان سے ساتھ اجازت اہل انکے

وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ

اور دو انکو مہر انکے ساتھ طریقے چلے ہوئے کے ۔ قیدِ نکاح میں رہنے والیاں

غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ۚ ....

نہ پانی بہانے والیاں اور نہ پکڑنے والیاں چھپے یار

اور جو کوئی تم میں سے اس چیز کی طاقت نہ رکھتا ہو کہ وہ نکاح کرے،

خاندانی مومنہ عورتوں سے ۔ تو وہ کافر معاشرہ سے آئی ہوئی نومسلمہ[1] خواتین ، تمہاری مومنہ ملازمہ عورتوں سے (جن کے ایمان کا امتحان تم لازم رکھکر کر چکے ہو ۔) نکاح کرلیں حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ایمان کو اچھی طرح جانتا ہے ۔ (نومسلم مرد عورتوں سمیت) تم سب ایکدوسرے میں سے ہو (یعنی ایمان کی رُو سے تم سب برابر ہو) پھر تم کافر معاشرہ سے آئی ہوئی نومسلمہ عورتوں کیساتھ انکے وارثوں[2] کی اجازت کیساتھ نکاح کرنا (چھپا نکاح LOVE MARRIAGE (لَو میرج) نہ کرنا ۔ اور انکے مہر معروف طریقے کے مطابق (نکاح کے وقت بروقت[3]) ادا کرنا ۔ (شرط یہ ہے کہ) وہ نکاح دوام میں رکھی جانیوالیاں ہوں ۔ نہ صرف ذقتی مستی جھاڑنیوالیاں اور نہ چھپے یار پکڑنیوالیاں ہوں ۔

• [1] مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ کی بحث پیچھے آیت نمبر ۲۴ میں گزر چکی ہے صفحہ ۱۸۱ پر ۔

• [2] فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ کے الفاظ میں چھپے نکاح یعنی وارثوں کی اجازت کے بغیر کی جانیوالی شادی (لَو میرج) ہر حال میں مطلقاً حرام قرار دیدی گئی ہے ۔ غیر معاشرہ سے آئی ہوئی نومسلمہ عورتوں کا اوّلین وارث مرکزِ ملت ہے ۔ اور دُوسرے نمبر پر مسلم معاشرہ کے وہ افراد انکے اہل وارث ہیں جنہیں مرکزِ ملت انکے گارڈین ولی وارث مقرر کرے ۔

• [3] وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ کے الفاظ میں نومسلمہ خواتین کا حقِ مہر خاندانی مسلمہ خواتین کیساتھ برابر قرار دیا ہے ۔ باقی رہا مہر کی مقدار کا تعین ؟ وہ ہر مقام پر نکاح کے طلبگار مرد کی دست کے مطابق کم وبیش ہوگا ، خواہ ہونیوالی بیوی خاندانی مومنہ عورت ہو یا نومسلمہ خاتون ۔

نومسلمہ خاتون کیلئے نصف سزا

• اُوپر چونکہ آیتِ مجیدہ کے آخری الفاظ میں چھپی آشنائی سے منع کر دیا گیا ہے اسلئے ربطِ کلام کے مطابق اگلے الفاظ میں غیر مسلم معاشرہ سے آئی ہوئی نومسلمہ خواتین کیلئے اگر وہ

بیحیائی کی مرتکب ہوں تو اُنکے لئے خاندانی عورت کی نسبت نصف سزا مقرر کیگئی ہے ۔ یعنی سو کوڑوں کی بجائے نومسلمہ عورت کو پچاس کوڑے :۔

فَاِذَآ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ
پھر جب وہ نکاح کرلیں تو پھر اگر آئیں ساتھ بے حیائی کے
فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ ۚ
تو اوپر اُنکے ہے آدھی سزا جو اوپر خاندانی عورت کے ہیں سے عذاب کے
ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ ۚ وَاَنْ تَصْبِرُوْا
وہ ہے واسطے اُسکے جو ڈرے بیحیائی سے تم میں سے ۔ اور یہ کہ تم صبر کرو تو
خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۲۵ ع ۱
بہتر ہے واسطے تمہارے ۔ اور اللہ ہے بچانیوالا مہربان

پھر جب وہ (نومسلمہ خواتین) نکاح کرلیں ۔ پھر اگر وہ بیحیائی لائیں (یعنی بدکاری کا ارتکاب کریں)
تو اُنکے لئے اُس سزا سے ۔ نصف سزا مقرر کیجاتی ہے جو خاندانی شادی شدہ عورتوں کیلئے مقرر ہے ۔
مذکورہ بالا حکم (کہ) غیر مسلم معاشرہ سے آئی ہوئی نومسلمہ خاتون سے نکاح کرنے کا حکم تم میں سے اُسکے لئے ہے جو (خاندانی عورت سے نکاح کی طاقت نہیں رکھتا اور) جنسی بے راہ روی سے ڈرتا ہے ۔ اور یہ کہ تم صبر کرو تو تمہارے لئے بہتر ہے ۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر خطر سے بچانیوالا مہربان ہے ۔

بدکاری کی سزا

• له فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ کے الفاظ میں مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ کیلئے اُس سزا سے نصف سزا مقرر کیگئی ہے جو مُحْصَنٰت یعنی خاندانی عورتوں کیلئے قرآن کریم میں مذکور ہے ۔ سورہ نور میں بدکاری کی سزا سو سو کوڑہ مقرر ہے :۔ اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ۲۴/۲ = بدکار مرد عورت دونوں کو الگ الگ سو سو کوڑے اسطرح لگاؤ کہ ضرب مضروب کی جلد پر اثر کرے ۔ جَلْدَةٍ، مادہ ج۔ل۔د = جلد سے ہے ۔ اسلئے جَلْدَةٍ سے مراد وہ ضرب ہے جو نہ اتنی نرم ہو کہ جلد پر اثر انداز ہی نہ ہو ۔ اور نہ اتنی شدید ہو کہ جلد کو پھاڑ کر گوشت میں زخم کردے ۔

• پس ثابت ہوا کہ نومسلمہ شادی شدہ عورت اگر بدکاری کی مرتکب ہو تو اُسکی سزا پچاس کوڑے ہے ۔

کتبِ روایات کی بوالعجبی

• قرآن کریم نے بدکار مرد عورت خواہ شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ ، دونوں کی سزا الگ الگ سو سو کوڑے مقرر کی ہے ۲۴/۲ ۔ لیکن کتبِ روایات کہتی ہیں کہ کوڑوں کی سزا صرف غیر شادی شدہ بدکار مرد عورت کیلئے ہے ۔ اُنکا کہنا ہے کہ شادی شدہ بدکار مرد عورت کی سزا سنگسار کرنا ہے ۔ واضح رہے کہ قرآن کریم کے طول و عرض میں بدکاری کی سزا سنگساری کہیں مذکور نہیں ۔ سنگساری کی سزا کا شاخسانہ کتبِ روایات کا خود تراشیدہ ہے ۔ جسکی دلیل یہ ہے کہ زیر آئت مجیدہ ۴/۲۵ میں شادی شدہ نومسلمہ عورت کی سزا خاندانی مسلمہ عورت کی سزا کا نصف بتائی گئی ہے ۔ تو اب اگر بقولِ روایات شادی شدہ خاندانی عورت کی سزا سنگساری تسلیم کی جائے تو نومسلمہ شادی شدہ عورت کی سزا نصف سنگساری کا پیمانہ کونسا ہوگا ؟ جس سے ناپ کر نصف سزا دی جاسکے ۔

• لیکن اب چونکہ عملی صورت میں نصف سنگساری احاطۂ امکان ہی سے باہر ہے ، اسلئے ثابت ہوا کہ یہ ناممکن العمل حکم حکم خداوندی ہرگز نہیں ہوسکتا ۔ بلکہ کتبِ روایات کی گوناگوں بوالعجبیوں میں سے ایک بوالعجبی ہے ۔

آئتِ رجم

• نیز کتبِ روایات کی جرأتِ بیباک ملاحظہ ہو کہ نصف سنگساری کا ناممکن العمل حکم ذاتِ باری کیطرف منسوب

کر رکھا ہے ۔ تجرید بخاری شائع کردہ ملک دین محمد لاہور کے صفحہ ۱۰۴ پر حضرت عمرؓ سے روایت ہے :۔ "یقیناً اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کیساتھ مبعوث فرمایا ۔ اور ان پر اپنی کتاب نازل فرمائی ۔ اسی نازل شدہ میں آیت رجم بھی ہے" ۔ لیکن روایت کے برعکس مشاہدہ کی حالت یہ ہے کہ قرآن کریم میں آیت رجم یعنی ایسی کوئی آیت موجود ہی نہیں جس میں یہ حکم دیا گیا ہو کہ شادی شدہ بدکاروں کو سنگسار کیا کرو ۔ تو اس سے ثابت ہوا کہ قرآن کریم میں آیہ رجم نام کی کوئی آیت نازل نہیں ہوئی تھی ۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی حفاظت کا ذمہ خود لے رکھا ہے :۔ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝ ۱۵/۹ = بیشک اپنے نصیحت نامہ قرآن کریم کو ہم نے نازل کیا ہے اور ہم ہی اسکی حفاظت کرنیوالے ہیں ۔ اگر مانا جائے کہ قرآن میں آیہ رجم نازل ہوئی تھی تو اللہ تعالیٰ کا وعدہ حفاظت قرآن جھوٹا ثابت ہوتا ہے ۔ العیاذ باللہ !

● ۴۲ وَاَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ کے الفاظ میں ایک عظیم معاشرتی مسئلہ کیلئے مشورہ دیا گیا ہے کہ کافر معاشرہ سے آئی ہوئی نومسلمہ مومنین اگرچہ نکاح کیلئے حلال ہیں ، لیکن انکے ساتھ نکاح کرنے سے پرہیز بہتر ہے ۔ انکا نکاح کافر معاشرہ سے آئے ہوئے نومسلم مردوں کیساتھ کیا جانا صحیح ہے ۔ یاد رہے کہ میاں بیوی کے باہمی نباہ کے سلسلے میں طرز تمدن اور طریقۂ بود و باش کی ہم آہنگی نہایت ضروری ہے ، بعض دفعات یہی اختلاف میاں بیوی کے باہمی نباہ کی راہ میں سنگِ گراں بن جاتا ہے ۔ اسلئے کہا گیا ہے :۔ وَاَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اور یہ کہ تم صبر کرو ، انتظار کرو کہ تمہیں تمہاری زندگی کا ایسا ساتھی میسر آجائے جس کی طرزِ بود و باش کی ہم آہنگی فریقین کی ازدواجی زندگی میں خوشگواریوں کا موجب ہو سکے تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے ۔

● واضح رہے کہ کافر معاشرہ سے آئی ہوئی نومسلمہ عورتوں سے اگر بدکرداری کا ارتکاب سرزد ہو تو ان کی نصف سزا بھی اسلئے مقرر کیگئی ہے کہ ان پر اس کافر معاشرہ کا اثر موجود ہوتا ہے جسمیں بیحیائی کو بیحیائی سمجھا ہی نہیں جاتا ۔ جیسے کہ فی زمانہ عیسائی قوموں میں جنسی بے راہ روی کو جسے فریقین باہمی رضامندی سے اختیار کریں جرم نہیں سمجھا جاتا ۔

● آیاتِ بالا میں بیان کیئے گئے عائلی قوانین کے متعلق اگلی آیتوں میں ارشاد ہوا ہے کہ سابقہ اُمتوں پر بھی یہی قوانین نازل کئے گئے تھے :۔

يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ
ارادہ کرتا ہے اللہ کہ بیان کرے واسطے تمہارے اور رہنمائی کرے تمہاری طریقے

الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَيَتُوْبَ عَلَيْكُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ
ان لوگوں کے جو ہوئے پہلے تم سے اور رجوع برحمت ہو تم پر اور ہے اللہ بڑھکر جاننے والا

حَكِيْمٌ ۝ ۲۶
حکمت والا

(مذکورہ بالا قوانین کی وضاحت کے ذریعہ) اللہ تعالیٰ ارادہ کرتا ہے کہ وہ تم پر ان مومنوں کے طور طریقے واضح کرے جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں ۔ اور انہی طور طریقوں کی راہنمائی کرے ۔ اور اسطرح وہ (اپنے رحمت بھرے قوانین کیساتھ) تم پر رجوع برحمت ہو ۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بہت بڑھکر جاننے والا اور حکمت والا ہے ۔

● سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ کے الفاظ میں اس امر کی وضاحت کر دیگئی ہے کہ ماقبل بیان کئے گئے عائلی قوانین جن میں حرام عورتوں کی فہرست بھی شامل ہے ، یہ وہی ہیں جو سابقہ اُمتوں پر نازل کئے گئے تھے ۔ یعنی جسطرح مذکورہ بالا حرمت قرآن کریم میں حرام

ہیں ۔اسیطرح سابقہ منزل من اللہ کتابوں میں بھی حرام تھیں جسطرح سوتیلی ماں سے نکاح کرنا ہنگامی حالات میں دو بہنوں کا ایک نکاح میں جمع کرنا اور بہن بھائی کا نکاح قرآنِ کریم میں حرام ہے اسیطرح سابقہ منزل من اللہ کتابوں میں بھی حرام تھا۔ دو بہنوں کا اجتماع اور بھائی بہن کا نکاح سابقہ منزلی کتابوں کیطرف منسوب محض اور اُن پر بہتانِ عظیم ہے۔

ایک ضروری نوٹ

• یہاں تک آپ دیکھ چکے ہیں کہ آیت نمبر ۱۹ سے لیکر ۲۴ تک حرام عورتوں کی فہرست اور نکاح کے ضمن میں ضروری ہدایات دینے کے بعد آیت نمبر ۲۶ میں اعلان کر دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ یہ ہے کہ تمہیں اُن لوگوں کے راستوں کی راہنمائی فرمائے جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں۔ اس سے آگے آیت نمبر ۲۷ تا ۳۱ میں جملہ معترضہ کے طور پر انسانی ضیف الاعتقادی کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے ارادے کے مقابلے پر عوام کو گمراہ کر کے اُنکے مال کھانیوالوں کے ارادوں کی خبر دیگئی ہے۔ اور ساتھ ہی تجارت کے پردے میں عوام کے اقتصادی قاتلوں کو بھی اُجاگر کیا گیا ہے۔ اور ۲۷ تا ۳۱ کے بعد آیت نمبر ۳۲ میں پھر میاں بیوی کے مسائل کیطرف رجوع فرمایا ہے۔ اِس نوٹ کو ذہن میں رکھیں اور سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے ارادہ اور اپنی خواہشوں کی اتباع کرنیوالوں کے ارادہ کا قرآنی تقابل ملاحظہ فرمائیں۔

• وَاللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْكُمْ ۗ وَيُرِيْدُ
اور اللہ ارادہ کرتا ہے کہ رجوع برحمت ہو اوپر تمہارے اور ارادہ کرتے ہیں

الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ اَنْ تَمِيْلُوْا مَيْلًا
وہ لوگ جو اتباع کرتے ہیں خواہشوں کی، کہ تم جھک جاؤ جھک جانا

عَظِيْمًا ۝ ۲۷
بڑا

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ ارادہ کرتا ہے کہ وہ اپنے رحمت بھرے قانون کیساتھ) تم پر رجوع برحمت ہو۔ لیکن وہ لوگ جو (محض) اپنی خواہشوں کی اتباع کرتے ہیں وہ یہ ارادہ کرتے ہیں کہ تم (ضابطۂ خداوندی سے ہٹ کر غیر اللہ قوانین) کی طرف جھک جاؤ، بہت بڑا جھک جانا۔ (یعنی وہ چاہتے ہیں کہ تم پوری طرح غیر قرآنی قوانین کے دائرے میں محدود ہو جاؤ)

• اس سے اگلی آیت مجیدہ میں اللہ تعالیٰ کے ارادے کا تکرار تاکیدی کیساتھ مخصوص متبادل الفاظ میں ذکر کیا گیا ہے، اور ساتھ ہی نوعِ انسانی کے عوام کی ضیف الاعتقادی کی خبر دیگئی ہے کہ خواہشات کی پیروی کرنیوالے اِنکی ضیف الاعتقادی سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے اِنکا استحصال کرتے اور اُن پر بوجھ بنے رہتے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ یہ ہے کہ وہ عوام پر سے اِن کے تمام بوجھ اُتار دے۔

يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ ۚ وَخُلِقَ
ارادہ کرتا ہے اللہ کہ ہلکا کر دے تم سے۔ اور پیدا کیا گیا ہے

الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا ۝ ۲۸ ۔
انسان کمزور

اللہ تعالیٰ ارادہ کرتا ہے کہ (اپنے نازل کردہ وحی کے قانون کیساتھ) تم سے بوجھ ہلکے کرے لیکن انسان ضیف پیدا کیا گیا ہے (یعنی وحی الٰہی سے دُور رہکر ضیف الاعتقادی میں مبتلا ہو جاتا ہے اور خواہشات کی پیروی کرنیوالوں کے بوجھ نیچے اور مسلّط کئے رہتا ہے)

• علہ انسان جو فضاؤں اور خلاؤں کو مسخر کر کے چاند تک جا پہنچا ہے۔ جس نے کائنات کی مہیب قوتوں پر قابو پایا اور پایا جا رہا ہے یہ انسان جسمانی اور ذہنی لحاظ سے کمزور نہیں۔ صرف اعتقادی کمزوری کا شکار ہو جاتا ہے۔ کہیں سورج چاند ستاروں کی پوجا کرتا ہوا

پایا جاتا ہے، اور کہیں گائے اور سانپ کو دیوتا مانتے ہوتے ہے۔ اور اسیطرح اپنی خواہشوں کی اتباع کرنیوالوں کے جنگل میں گرفتار ہوکر یہ توانہیں اپنے اُوپر بوجھ بنائے ہوتے ہے۔ اور وہ اِن سے نذریں وصول کرتے چلے جاتے ہیں۔

خواہشات کی پیروی کرنیوالے کون ہیں؟ وہ لوگ جو لوگوں پر بوجھ بنے ہوتے ہیں

● یہاں پہنچکر سوال پیدا ہوتا ہے کہ خواہشات کی پیروی کرنیوالے کون ہیں؟ اِس سوال کا جواب خود آئت مجیدہ کے اندر موجود ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں پر بوجھ بنے ہوتے ہیں۔ لوگوں کی ضعیف الاعتقادی سے فائدہ اُٹھاکر اُنکا مال کھاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ عوام پر سے اُنکے بوجھ اُتار نے کا ارادہ کرتا ہے۔ یہ پیر قسم کے لوگ ہیں۔ جو عوام کے مال ناجائز طریقوں سے کھاتے ہیں۔ تعویذ، گنڈے، دم، جھو وغیرہ کے ذریعہ یہ تصور دیکر کہ اپنی کھیتی، جنس اور مویشی میں سے ہمارا مقررہ حصہ ہمیں دیتے رہو، تو تمہاری کھیتیوں، مویشیوں اور جنسوں میں برکت ہوگی۔ چنانچہ ضعیف لوگ (یعنی ضعیف الاعتقاد لوگ) اُنہیں ہر چیز سے حصہ ادا کرتے ہوئے اُنہیں اپنے اُوپر بوجھ بنائے رہتے ہیں۔ چنانچہ اگلی آئت مجیدہ میں ہر طریقے سے ناجائز مال کھانے سے منع کیا گیا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ
اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو نہ کھاؤ، اپنے مالوں کو

بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ
آپس میں ساتھ جھوٹ کے، سوائے اسکے کہ ہو تجارت ساتھ رضامندی کے

مِّنْكُمْ ۗ وَلَا تَقْتُلُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ
بیچ تمہارے۔ اور نہ قتل کرو اپنے لوگوں کو۔ بیشک اللہ ہے

بِكُمْ رَحِيْمًا ۲۹
ساتھ تمہارے مہربان

اے ایمان والو! آپس میں ایکدوسرے کے مال ناجائز طریقوں (رشوت بلیک دھاندلی، سود اور فریق ثانی کی ذہنی مجبوری سے فائدہ اٹھانے) کے ذریعہ نہ کھایا کرو۔ سوائے ایسی تجارت کے جس پر تم میں سے (بائع اور مشتری دونوں کسی مجبوری کے بغیر) راضی ہوں اور دیا درہے کہ تجارت کے پردے میں) اپنے فرد کو قتل نہ کرنا۔ بیشک اللہ تعالیٰ (جائز نفع کی اجازت کیساتھ بائع اور مشتری دونوں پر) رحمت کرنیوالا مہربان ہے۔

قتل مجازی

● ملہ آئتِ بالا میں ناجائز طریقوں سے مال کھانے کو فریق ثانی کا قتل قرار دیا گیا ہے۔ جو بطور مجاز اقتصادی قتل کی خبر دے رہا ہے۔ اب ذرا غور فرمائیں کہ لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ" کے جملے میں کسطرح ہر قسم کے ناجائز طریقوں سے مال خوری حرام قرار دیدی گئی ہے۔ خواہ وہ رشوت ہو یا بلیک، ذخیرہ اندوزی ہو یا ملاوٹ، اور یا مشتری کی ذہنی مجبوری سے ناجائز فائدہ اُٹھانا یعنی ادھار کے خریدار کو اُسکی ضرورت کی چیزیں مہنگے بھاؤ دینا وغیرہ سب باطل کی فہرست میں شامل ہیں کیونکہ ان ظلموں کی زد، جن افراد پر پڑتی ہے وہ یقیناً اقتصادی طور پر قتل ہو رہے ہوتے ہیں۔ نیز دیکھئے! کہ اِس اقتصادی قتل کی مختلف ممکن شقوں میں سے باری تعالیٰ نے بطور خصوص اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ کے الفاظ میں رضامندانہ تجارت کی اجازت دینے کے بعد، کسطرح ساتھ ہی تجارت کے ذریعہ خریدار کے اقتصادی قتل سے منع کر رکھا ہے۔ وَلَا تَقْتُلُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ اور خصوصاً تجارت کے پردے میں ناجائز نفع خوری کیساتھ، آپس میں ایکدوسرے کو قتل نہ کرتے رہنا۔

تجارتی منافع

• مقامِ افسوس ہے کہ سابقہ تفسیروں نے "اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ" کے الفاظ سے صدیوں سے یہ تصور دے رکھا ہے کہ ! دس بارہ روپے میں خریدی ہوئی چیز بائع اور مشتری کی باہمی رضامندی کیساتھ بیس روپیہ، پچاس روپیہ بلکہ سَو دو سَو روپے میں بھی فروخت کی جائے تو جائز اور حلال ہے۔ ۲ اور اسیطرح اگر سَو دو سَو روپے کی قیمت کی کوئی چیز اگر باہمی رضامندی کیساتھ پچیس روپیہ میں خرید لی جائے تو درست ہے یعنی:۔

! سرمایہ دار لوگ جو مئی جون کے مہینوں میں لاکھوں من گندم بیس پچیس روپیہ فی من خرید کر اُسے چھپا لیتے ہیں۔ وہ اسطرح دسمبر جنوری تک مصنوعی قحط پیدا کرکے اگر اُسے پچاس ساٹھ روپیہ فی من فروخت کریں تو جائز اور حلال ہے یعنی قحط زدہ لوگ بخوشی خاطر پچاس ساٹھ روپے من آٹا خرید رہے ہوتے ہیں۔ العیاذ باللہ!

۲ اور اسیطرح اگر کوئی مسافر کسی وجہ سے دوران سفر بے خرچ ہو جائے، اُسکے پاس دو اڑھائی سَو روپے کی گھڑی ہو۔ اگر وہ اپنی وقتی مجبوری کی بدولت اُسے بیچنا چاہے تو اُس دو اڑھائی سَو روپے کی چیز کو تیس پینتیس روپیہ میں خرید لینا بھی حلال ہے۔ کیونکہ گھڑی کا مالک اپنی رضامندی سے دو اڑھائی سَو روپے کی چیز بیس پچیس روپے میں بیچ رہا ہوتا ہے۔ معاذ اللہ

عوام کا اقتصادی قتل

• برادرانِ عزیز! بائع یا مشتری کسی بھی فریق کی مجبوری سے فائدہ اُٹھا کر بیس پچیس روپیہ من کی خریدی ہوئی گندم پچاس ساٹھ روپیہ فی من بیچنا بھی حرام ہے۔ یہ غریب عوام کا اقتصادی قتل ہے وہ بچارے اپنی وقتی مجبوری کے ماتحت بیس پچیس روپے من کی گندم چالیس پچاس روپے من خرید رہے ہوتے ہیں، برضا و رغبت ہرگز نہیں۔ نیز کسی بے خرچ مسافر کی دو اڑھائی سو روپے کی گھڑی تیس چالیس روپے میں خریدنا بھی حرام ہے۔ وہ بچارہ بھی اپنی وقتی مجبوری کے ماتحت اپنی عزت و آن کو بچانے کیلئے اِس اقتصادی قتل کو قبول کر رہا ہوتا ہے، برضا و رغبت ہرگز نہیں۔

• ایسی خرید و فروخت جس پر کوئی فریق اپنی وقتی مجبوری کی بدولت رضامند ہو رہا ہو، وہ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ کے ضمن میں ہرگز نہیں آسکتی۔ بلکہ ایسی خرید و فروخت کو آیتِ مجیدہ زیرِ بحث ۲۹ میں بے لوث رضامندانہ تجارت کی اجازت دینے کے بعد اللہ تعالیٰ نے "وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ" کے الفاظ میں ایکدوسرے کا اقتصادی قتل قرار دیا ہے۔

• فلہٰذا قرآن کریم کی رُو سے ایسی بیع و شری مطلقاً حرام ہے۔ حکومت کا فرض ہے کہ عام چیزوں کے علاوہ اُن چیزوں کا نرخ بھی مقرر کرے جن کا ذخیرہ کیا جا سکتا ہے۔ اسکے برعکس جو حکومت سرمایہ داروں کو لامحدود نفع اندوزی کی کھلی چھٹی دیدے۔ وہ حکومت بھی عوام کی اقتصادی قاتل ہے۔ اور اگر سرمایہ دار، حکومت کے مقررہ نرخوں سے زائد قیمتیں وصول کریں تو وہ بھی عوام کا خون چوسنے اور اُنکے اقتصادی قتل کے مجرم ہیں۔

نظامِ سرمایہ داری

• سرمایہ دارانہ نظام میں من مانی نفع اندوزی کی بنیاد ہی اِس چیز پر قائم ہوتی ہے کہ عوام کو وقتی مجبوریوں میں مبتلا کر دیا جائے یعنی سرمایہ دار لوگ پہلے تو اپنے سرمایہ کے زور سے تجارتی مال کے ذخیرے خود خرید کر بلاک کر لیتے ہیں اور پھر جب مال کے ضرورتمند ان سے خریدنے آتے ہیں تو ایک ایک روپیہ کے دس دس بیس بیس بنائے جاتے ہیں۔ اور اسطرح جب خریدار بچارے اپنی مجبوری کے باعث سرمایہ دار کو مُنہ مانگے دام دینے پر رضامند نہیں بلکہ مجبور ہو جاتے ہیں تو سرمایہ دار سمجھ لیتے

ہیں کہ "اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ" کی قرآنی شرط ہی ہے۔ حالانکہ ایسی ہی سرمایہ دارانہ چالوں کیساتھ غریب عوام کی جیبیں کاٹنے والوں کو آیتِ بالا میں عوام کے **اقتصادی قاتل** قرار دیا گیا ہے۔ نیز سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں واضح کیا گیا ہے کہ اِس انتباہ کے باوجود جو لوگ ایسی خونی یعنی اقتصادی قتل پر مبنی تجارت سے باز نہیں آئینگے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے قانون کے مطابق آگ کی سزا کے مستوجب ہونگے۔

وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَّظُلْمًا

اور جو کوئی فعل کریگا مذکورہ بالا سرکشی اور ظلم کے ساتھ

فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ نَارًا ۚ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى

پس ہم ڈالینگے اُسے آگ میں۔ اور ہے مذکورہ کام اُوپر

اللّٰهِ يَسِيْرًا ۝ ۳۰

اللہ کے آسان

اور (یا درکھو کہ) جو کوئی مذکورہ بالا فعل کا مرتکب ہوگا جو سرکشی اور ظلم ہے۔
تو ہم ضرور ضرور اُسے آگ (یعنی ناہموار معاشرہ کے جہنم میں داخل کرینگے)۔ اور ایسا کرنا اللہ تعالیٰ کیلئے (کوئی مشکل نہیں بلکہ بالکل) آسان ہے۔

• ملہ قرآن مجید میں نار کا لفظ حقیقی اور مجازی دونوں صورتوں میں استعمال ہوا ہے۔ سورہ مائدہ میں نار بمعنی جنگ بیان ہوا ہے كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ ۵/۶۴ = لوگ جب جنگ کی نار (آگ) دھکاتے ہیں۔ سورہ نسآء میں یتیموں کے مال کو نار کہا گیا ہے۔ اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ۴/۱۰ = بیشک جو لوگ یتیموں کا مال کھاتے ہیں۔ جو ظلم ہے۔ سوائے اسکے نہیں کہ وہ اپنے پیٹوں میں نار (آگ) کھاتے ہیں۔ نیز قرآن کریم میں لفظ نار، جنّت کی ضد بھی بیان ہوا ہے۔

• لَا يَسْتَوِيْٓ اَصْحٰبُ النَّارِ وَاَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۭ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَاۗىِٕزُوْنَ ۝ ۵۹/۲۰
= اصحاب نار اور اصحٰب جنّت باہم برابر نہیں ہیں۔ (اللہ تعالیٰ کے ہاں) اصحٰب جنّت کامیاب ہونیوالے ہیں۔

• اِسطرح جب ثابت ہوچکا کہ نار کا معنیٰ جنّت کی ضد ہے۔ تو اب جنّت، جس کا معنیٰ باغ ہے۔ اُسکا ایک مخصوص معنیٰ ایسا نظام ایسا معاشرہ بھی ہے جسمیں نہ کوئی بھوکا ہو نہ ننگا، نہ بے علاج ہو، نہ بے مکان:۔ اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا تَعْرٰى ۙ وَاَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا وَلَا تَضْحٰى ۝ ۲۰/۱۱۸-۱۱۹ = اَے نوعِ آدم! تیرا حق ہے کہ نہ تو اِس (جنّت) میں بھوکا رہے نہ ننگا، نہ تو اِس میں پیاسا رہے، (یعنی نہ بے علاج ہو)[1] اور نہ تو دھوپ میں جلے (یعنی بے مکان بھی نہ ہو)[2]۔

• ملہ لَا تَظْمَؤُا میں علاج کی پیاس کا ذکر ہے۔ کیونکہ پیاس کا تو بھوک کے رفع کیساتھ ساتھ ہی رفع ہونا لازم ملزوم ہے جب کسی مہمان کو کھانا کھلایا جائے تو پانی، کھانے کیساتھ ہی دیدیا جاتا ہے۔ چونکہ انسان کی بنیادی ضرورتوں میں خوراک لباس علاج اور مکان برابر کی اہمیت کے حامل ہیں، اِسلئے لَا تَظْمَؤُا کے الفاظ میں جنّت کی تعریف میں خوراک اور لباس کے بعد علاج کی اہمیت اُجاگر کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ جنّت وہ ہے جسمیں کوئی دوا کا پیاسا، یعنی بے علاج بھی نہ ہو۔

• ملہ وَلَا تَضْحٰى کا لفظی معنی یہ ہے کہ جنّت وہ ہے جسمیں تُو دھوپ میں بھی نہ جلے۔ اب مکان ہی وہ چیز ہے جو خاندانوں کو دائمی طور پر دھوپ میں جلنے سے بچا سکتا ہے ۔۔ پس جب جنّت وہ ہے جسمیں نہ انسان بھوکا ہو نہ پیاسا۔ نہ بے علاج ہو نہ بے

مکان تو اسکی ضد نار کا معنیٰ کھل کر عیاں ہو چکا، وہ مقام یعنی وہ معاشرہ جسمیں پوری انسانیت کیلئے بھوک ننگ بیماری سے بچانے اور بیکسی کے بلا کرایہ اپنے مکان کا انتظام نہ ہو۔ بالفاظِ دیگر نار اُس جہنمی معاشرہ کو کہا گیا ہے جس میں اکثریت بھوک ننگ بے علاجی اور بے مکانی کی گوناگوں بدحالیوں کی آگ میں جھلس رہی ہو۔ چنانچہ سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں تجارت کے پردے میں باہمی قتل مجازی کو گناہ کبیرہ بتانے کے بعد اعلان کیا گیا ہے کہ اگر تم تجارت کے ذریعہ ایکدوسرے کے اقتصادی قتل سے باز آجاؤ تو ہم تمہاری بدحالیاں دُور کر کے تمہیں باعزت معاشرہ میں داخل کر دینگے :۔

اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ
اگر تم باز رہو اس کبیرہ گناہ سے کہ تم روکے گئے ہو اُس سے
نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا
ہم دُور کر دینگے تم سے بدحالیاں تمہاری اور ہم داخل کرینگے تم کو جگہ
كَرِيْمًا ۳۱
عزت والی

اگر تم اُس گناہ کبیرہ (تجارت کے پردے میں ایکدوسرے کے اقتصادی قتل) سے باز آجاؤ جس سے تم منع کئے گئے ہو تو ہم تم سب کی بدحالیاں دُور کر دینگے (یعنی ضرورت کی ہر چیز خوراک لباس علاج اور رہائش سب کو باقاعدہ میسر آنی شروع ہو جائیگی) اور ہم تمہیں عزت کے مقام (باعزت جنتی معاشرہ) میں داخل کر دینگے۔

میاں بیوی کی الگ الگ باہمی فضیلت

• جیسا کہ صفحہ ۲۳۰ پر دیئے گئے ایک ضروری نوٹ میں لکھا جا چکا ہے کہ آیت نمبر ۲۷ سے ۳۱ تک میں جملہ معترضہ کے طور پر چند ضروری ہدایات دیگئی ہیں۔ اور اگلی آیت مجیدہ میں پھر میاں بیوی کے باہمی تعلقات کے ایک اہم گوشے کی طرف رُخ کیا گیا ہے۔ جس کا ربط آیات مجیدہ ۱۹ تا ۲۵ کیساتھ ہے۔ جن میں حرام عورتوں کی فہرست، شرائط نکاح کی وضاحت معہ حرمت مُتعہ، اور ہونیوالی بیویوں کے زرِمہر کی بروقت ادائیگی کے تاکیدی حکم کے علاوہ میاں بیوی کے متعلق اذیت سے مسائل کی تصریح کیگئی ہے۔ اسی کے ضمن میں زوجین کی ازدواجی زندگی کا ایک اہم گوشہ ہے "میاں بیوی کی الگ الگ باہمی فضیلت"۔ افسوس ہے کہ مذاہب عالم میں شوہر کو بیوی کا حاکم اور بیوی کو شوہر کی محض خادمہ کا درجہ دیا گیا ہے۔ لیکن قرآن کریم وہ عظیم الشان عادل کتاب ہے جس نے ہر دو اصناف کو واجب التکریم قرار دیا اور دونوں کے متعلق اعلان کر رکھا ہے :۔

• وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ ۱۷/۷۰ اور بیشک ہم نے نوعِ آدم کے مرد عورت دونوں کو یکساں واجب التکریم قرار دیا ہے فلہذا قرآن کریم کی رُو سے اس چیز کا تصور تک نہیں کیا جا سکتا کہ عورت کوئی گھٹیا صنف ہے اور مرد بڑھیا۔ بلکہ ضابطۂ خداوندی نے جیسے کہ آپ پیچھے $\frac{۴}{۲۴-۲۵}$ میں دیکھ چکے ہیں نکاح کے وقت خصوصیت کیساتھ عورت کی عزت افزائی کے طور پر میاں بیوی کا باہمی تناسب اسطرح قائم کیا ہے :۔

شوہر + زرِمہر = بیوی $\frac{۴}{۲۴-۲۵}$

• چنانچہ سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ کے الفاظ انتہائی غور طلب ہیں جن سے ایک عظیم غلطی کھائی گئی ہے۔ جن میں میاں بیوی دونوں کو تاکید کیگئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایکدوسرے پر جو الگ الگ فضیلت عطا فرمائی ہے، فریقین میں سے کسی جانب سے بھی اس کی خلاف ورزی نہ کی جائے :۔

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ
اور نہ تمنا کرو جو فضل کیا اللہ نے ساتھ اُسکے بعض تمہارے کو
عَلٰى بَعْضٍ ؕ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ؕ
اوپر بعض کے واسطے مردوں کے حصہ ہے اُس سے جو وہ کمائیں
وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ؕ وَاسْئَلُوا اللّٰهَ
اور واسطے عورتوں کے حصہ ہے اُس سے جو وہ کمائیں۔ اور مانگو اللہ سے
مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَیْءٍ
میں سے فضل اُسکے۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہے ساتھ ہر چیز کے
عَلِيْمًا ۳۲
خوب جاننے والا

اور تم (دونوں میاں بیوی) آپس میں اُس تفضیل (کو پامال کرنے) کی تمنا نہ کرنا، جو اللہ نے تمہیں ایکدوسرے پر الگ الگ عطا فرمائی ہے[1]۔ (نیز حقوقِ ملکیت میں میاں بیوی باہم مساوی ہیں۔ بیوی بھی اپنی حدود میں رہکر کمائی کر سکتی ہے) جو کچھ مرد کمائے وہ اُسکی ملکیت ہے اور جو کچھ عورت کمائے وہ اُسکی ملکیت ہے۔ تم دونوں اللہ تعالیٰ سے اُسکا فضل مانگتے رہو[2]۔ (یعنی تم دونوں اپنے اندر زیادہ سے زیادہ اکتسابی صلاحیتیں پیدا کرتے چلے جاؤ) بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔ (یعنی وہ دونوں صنفوں کی مضمر صلاحیتوں کو خوب اچھی طرح جانتا ہے، کیونکہ اُن صلاحیتوں کو اللہ نے خود پیدا فرمایا ہے)۔[3]

اِس آیتِ مجیدہ سے حقوقِ ربوبیت کے خلاف عوام کو افیون پلانے کا کام لیا گیا ہے

• [1] اِس آیتِ مجیدہ کے الفاظ وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ سے سابقہ تفاسیر نے یہ مفہوم اخذ کیا ہے کہ اِس میں یہ کہا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص مالدار ہے تو یہ اُس پر اللہ کا فضل ہے تم اُس فضل کی تمنا نہ کرنا جو تم سے الگ اللہ نے اُس پر کیا ہے۔ اور اِسطرح بھوکے ننگے عوام کو اِس آیتِ مجیدہ کے الفاظ کی افیون پلادیگئی ہے کہ وہ اپنی بھوک ننگ کو اللہ کی دین سمجھیں اور اُسی میں حال مست رہیں۔ حالانکہ حقوقِ ربوبیت کے لحاظ سے کسی فردِ انسانی کو کسی بھی فردِ انسانی پر کوئی تفضیل نہیں دی گئی جیسے کہ ارشادِ باری ہے:۔

• وَلَكُمْ فِی الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ۝ ۲/۳۶ + ۷/۲۴ = اے نوعِ انسانی! تم سب کا اِس زمین میں زندگی کے آخری دم تک کیلئے حقِ مستقر بھی مسلّم ہے اور حقِ متاع بھی مسلّم ہے یعنی تمہارے ایک ایک فرد کو زندگی کے آخری دم تک کیلئے مکان بھی بلا کرایہ میسر آنا چاہیئے اور ضروریاتِ زندگی بھی آخری دم تک کیلئے ـــــ بدستور ـــــ اور ـــــ مسلسل میسر آتی رہنی چاہئیں۔ نوعِ انسانی کے یہ بنیادی حقوق اسلامی حکومت کے ذمّہ ہیں کہ وہ ایسا متوازن نظام قائم کرے کہ ریاست کا کوئی فرد بھی نہ متوازن خوراک سے محروم ہو نہ مناسب علاج سے، نہ موسم کے مطابق لباس کا محتاج ہو اور نہ ہی بے مکان ہو۔

• فرعون جو اپنے زمانے میں ایک عظیم ریاست کا بادشاہ تھا اُس نے اپنے عوام کے ایک حصّے کو اُسکے حقوقِ ربوبیت سے محروم کر رکھا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اُسے فسادی (غاصب) قرار دیا ہے:۔ اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِی الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا يَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ ...... اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ۲۸/۴ بیشک فرعون نے زمین میں سرکشی کی یعنی اپنے عوام کو گروہوں میں تقسیم کر دیا ایک گروہ کو (اُسکے حقوقِ ربوبیت غصب کر کے) کمزور کر دیا ـــــ بیشک وہ فسادیوں میں سے تھا۔

• افسوس ہے کہ سلسلۂ درس کی آیت زیر بحث ۴/۳۲ سے سابقہ تفاسیر نے بھوکے ننگے عوام کے مقابلے پر رزق میں ظالموں اور فسادیوں کی فضیلت کو اللہ کا فضل قرار دیا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اسے ۲۸/۷۹ میں ظالم زمانہ زرداروں بادشاہِ وقت کی سرکشی اور طغیانی بتایا ہے۔ نیز سابقہ تفاسیر نے آیت مجیدہ ۴/۳۲ سے یہ تصور دیا ہے کہ اگر کسی شخص کو رزق میں صاحبِ فضیلت دیکھو تو تم اسکی فضیلت کی تمنا نہ کرنا۔ حالانکہ فرعون اور اسکی قوم کو جو بنی اسرائیل کے مقابلے پر رزق میں فضیلت حاصل تھی، اللہ تعالیٰ نے حضرات موسیٰ و ہارون اپنے دو نبی بھیجکر فرعون اور اسکی قوم کی فضیلت کے خلاف نہ صرف یہ کہ خود تمنا دلوائی، بلکہ خود مہم چلوا کر فرعون کو اسکے لشکروں سمیت غرق کر دیا اور اسکی فضیلت حکومت اور رزق کی فراوانی کا وارث بنی اسرائیل کو بنایا۔ فَاَغْرَقْنٰهُمْ فِی الْیَمِّ...... وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِیْنَ كَانُوْا یُسْتَضْعَفُوْنَ ۷/۱۳۶-۱۳۷ ۔ پس ہم نے انہیں سمندر میں غرق کر دیا اور اس قوم کو انکی حکومت کا وارث بنایا جو (انہی یعنی فرعونی حکومت کے ہاتھوں) کمزور کر دیئے گئے تھے۔ بالفاظِ دیگر قرآنی حقیقت یہ ہے کہ کسی کو حقوقِ ربوبیت سے محروم حکومت کرتی ہے اللہ نہیں کرتا۔ اسلامی حکومت کا فرض ہے کہ ایسا متوازن نظام قائم کرے جس میں کوئی بھی فردِ انسانی اپنے حقوقِ ربوبیت سے محروم نہ ہونے پائے۔

• پھر سابقہ تفاسیر نے کسی صاحبِ فضل کے فضل کی تمنا تک کرنے سے روک دیا ہے۔ حالانکہ قرآنِ حکیم نے انتھک محنت اور کوشش کی تاکید کرتے ہوئے فیصلہ دیدیا ہے :- وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی ۵۳/۳۹ ۔ اور حقیقت یہ ہے کہ انسان کیلئے وہی کچھ ہے جتنی کہ وہ کوشش کرتا ہے۔ المختصر آیت مجیدہ ۴/۳۲ غریبوں کیلئے بطور افیون نازل نہیں کیگئی۔ بلکہ اس میں اسکے اپنے سیاقِ کلام اور خود آیت مجیدہ کے داخلی الفاظ کے مطابق میاں بیوی کی باہمی فضیلت جو دونوں کو الگ الگ ایکدوسرے پر عطا کیگئی ہے، اسکی پامالی اور خلاف ورزی سے منع کیا گیا ہے۔ جیسے کہ لِلرِّجَالِ نَصِیْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ؕ وَلِلنِّسَآءِ نَصِیْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ، ان الفاظ میں میاں بیوی کی الگ الگ صلاحیتوں کی خبر دیگئی ہے کہ اللہ کے فضل کے حصول کیلئے دونوں میں اکتسابی صلاحیتیں موجود ہیں۔ عورت بھی بہترین ڈاکٹر بن سکتی ہے۔ بہترین فلاسفر بن سکتی ہے۔ بہترین دستکارہ اور بہترین ڈیزائنر بننے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ پس کہا گیا ہے کہ فریقین کی مضمر صلاحیتوں کو اجاگر ہونے دو، پامال نہ کر دینا۔

• ۲ وَاسْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ کے الفاظ میں یہ نہیں کہا گیا کہ تم اللہ کے فضل کیلئے اللہ تعالیٰ سے صرف سوال کرتے رہو، دعائیں مانگتے رہو۔ بلکہ جیسے کہ دعا اپنے آپکو حصولِ مدعا کی تحریک ہوتی ہے، یہ کہا گیا ہے کہ تم الگ الگ اپنے اندر زیادہ سے زیادہ اکتسابی صلاحیتیں پیدا کرتے چلے جاؤ۔

• ۳ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا صرف ایمان لانے ہی کیلئے نہیں کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔ بلکہ سیاقِ کلام کے مطابق اسکا مفہوم یہ ہے کہ جس اللہ نے مردوں اور عورتوں کے اندر جو جو الگ مضمر صلاحیتیں موجود کر دی ہوئی ہیں وہ انہیں خوب خوب جانتا ہے۔ اور تمہیں اس حقیقت سے آگاہ کرتے ہوئے نصیحت کرتا ہے کہ فریقین میں سے کسی ایک کو کبھی نہ ادنیٰ خیال کرو اور نہ مضمر صلاحیتوں سے عاری۔ واضح رہے کہ مذکر یا مونث اگر اسے اسکی مضمر صلاحیتوں کے مطابق ترقی کے مواقع مہیا کئے جائیں تو وہی فرد جسے نکما اور فضول سمجھ لیا گیا ہو وہی معاشرہ میں ستارہ بنکر چمک اٹھتا ہے۔

ایک سچا واقعہ • ایک بالکل ناخواندہ عورت جسے خاوند نے جاہل اور احمق قرار دے رکھا تھا۔ اسی نے شوہر سے آزاد

ہوکر پڑھنا شروع کیا اور چند ہی برسوں میں ڈسپنسر بنی اور بالآخر ترقی کرتے کرتے ایم-بی-بی-ایس ڈاکٹر بن کر پاکستان کے ایک سرکاری زنانہ ہسپتال کی انچارج ہوئی۔ یہ ہمارا چشم دید واقعہ ہے۔

مالِ وراثت میں بھی مرد عورت دونوں کے حقوق محفوظ ہیں

• چونکہ سلسلۂ درس کی آیتِ زیرِ بحث ۴/۳۲ میں مرد عورت کے الگ الگ حقوقِ ملکیت کی وضاحت کی گئی ہے لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوا ۖ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ = جو مرد کمائیں اُس میں اُنکا حصّہ ہے اور جو عورتیں کمائیں اُس میں اُنکا حصّہ ہے۔ اسلیئے اگلی آیتِ مجیدہ ۴/۳۳ میں فریقین کے اُن وراثتی حقوق کا بھی ضمناً ذکر کر دیا گیا ہے جو آیتِ مجیدہ ۴/۱۱-۱۲ میں پیچھے گزر چکے ہیں کہ والدین اور اقرباء کے مالِ متروکہ میں مرد عورت دونوں کے حصّے مقرر کیئے جا چکے ہیں اور خود میاں بیوی کے چھوڑے ہوئے مال میں اُنکا الگ الگ حصّہ مقرر ہے:-

وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ
اور واسطے ہر ایک کے ٹھہرائے ہم نے وارث اُس سے جو چھوڑیں ماں باپ
وَالْأَقْرَبُونَ ۚ وَالَّذِينَ عَقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ
اور قریبی - اور وہ جن سے عقد باندھیں دائیں ہاتھ تمہارے
فَآتُوهُمْ نَصِيبَهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ
پس دو اُن کو حصّے اُن کے۔ بیشک اللہ ہے اوپر ہر چیز کے
شَهِيدًا ۳۳ ع ۵/۲
گواہ

اور ہم نے (مرد عورت سب کے حقوقِ وراثت محفوظ کرکے) ہر ایک کے وارث مقرر کر دیئے ہیں اُس سے جو والدین و قریبی چھوڑ جائیں۔ اور وہ افراد جن سے تم آپس میں عقدی رشتے قائم کرتے ہو۔ پس اُنہیں (ایکدوسرے کے مالِ متروکہ میں سے) اُنکے حصّے دیا کرو۔ (اس پر تم عمل کرو یا نہ کرو۔ وہ اللہ اسے خوب جانتا ہے، کیونکہ) بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خود (عینی) گواہ ہے۔

میاں بیوی کے فرائض کی تقسیمِ کار

• اس سے اگلی آیتِ مجیدہ میں شوہر کے فرائض مقرر کیئے گئے ہیں کہ بیوی کی ضروریاتِ زندگی کا ضامن وہ ہے۔ کیونکہ بیوی بیشتر وقت کیلئے فطری طور پر معذور ہو کر رہ جاتی ہے۔ ماہواری عارضے کے علاوہ حمل، وضعِ حمل اور رضاعت وغیرہ اسکے فطری عوارض میں شامل ہیں۔ اجرائے نسل کے ضمن میں مرد پر عورت کو کتنی فضیلت ہے کہ اسکے بغیر اجرائے نسل بالکل ناممکن ہے۔ نیز بچہ کی پیدائش کے بعد رضاعت وغیرہ کے فرائض بھی شوہر ادا نہیں کر سکتا۔ اولاد کی اوّلین تربیت گاہ آغوشِ مادر ہے، فلہذا تقسیمِ کار کے لحاظ سے گھر کی سلطنت کے داخلی فرائض بیوی کے ذمہ ہیں وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ ۳۳/۳۳ = تم اپنے گھروں میں قرار و سکون اختیار کرو۔ اور گھر یلو سلطنت کے خارجی فرائض کا ذمہ دار شوہر ہے۔ چنانچہ اگلی آیتِ مجیدہ میں ارشاد ہوا ہے:-

اَلرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ
مرد قائم کرنے والے ہیں عورتوں کو کیونکہ فضیلت دی

مرد (شوہر اپنی بیویوں) عورتوں کو کھڑا کرنیوالے (سہارا دینے والے) ہیں، اس سبب سے کہ اللہ تعالیٰ نے (میاں بیوی دونوں)

اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ
اللہ نے بعض اُنکے کو اوپر بعض کے اور کیونکہ مردوں نے خرچ کیا مالوں اپنوں سے

فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ
پس نیک عورتیں ہیں فرض شناس حفاظت کرنیوالیاں علیحدگی میں کیونکہ حفاظت کی

اللّٰهُ ۭ وَالّٰتِيْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ
اللہ نے۔ اور وہ عورتیں کہ خوف کرو تم اُنکی فرض فراموشی کا تو سمجھاؤ اُن کو

وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ ۚ
اور الگ کردو اُن کو بیچ بستروں کے اور بیان کرو اُن سے وجہ اس کی

فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ۭ اِنَّ
پھر اگر کہا مانیں تمہارا تو نہ تلاش کرنا خلاف اُنکے کوئی راستہ بیشک

اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا ۳۴ؕ
اللہ ہے بلند شان عظمت والا

کو ایک دوسرے پر الگ الگ فضیلت عطا فرمائی ہے[۲] (اور (مردوں کی فضیلت) اسلئے ہے کہ وہ (عورتوں پر) اپنے مالوں میں سے مال خرچ کرتے ہیں پھر (عورتوں کو یہ فضیلت ہے کہ) نیکو کار عورتیں فرض شناس[۳]، (خاوندوں کی) عدم موجودگی[۴] میں (اُنکے مالوں اور اپنی عصمت کی) حفاظت کرنیوالیاں ہیں کیونکہ اللہ نے اُنہیں حفاظت کی صلاحیت عطا کی ہے اور وہ عورتیں جن سے تمہیں اُنکی فرض فراموشی[۵] کا خوف لاحق ہو جائے تو اُنہیں نصیحت کرو۔ (اگر نہ مانیں) تو (احتجاج کے طور پر) اُنہیں اپنے بستروں سے الگ کردو[۶] اور اُن سے (اس علیحدگی کی) وجہ بیان کرو[۷]۔

پھر اگر وہ تمہارا کہا مانیں (یعنی تمہاری نصیحت اور احتجاج کے اثر سے فرض فراموشی ترک کردیں[۸]) تو پھر اُن کے خلاف کوئی راہ تلاش نہ کرنا[۹]۔ بیشک اللہ تعالیٰ (جو ایسے حکمت بھرے محکم نازل کرتا ہے) بہت بلند شان اور بڑی عظمت والا ہے۔

[۱] • اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ کا معنی سابقہ تفاسیر نے لکھا ہے:۔ مرد عورتوں پر حاکم ہیں، اور اسی تصور کے تحت اگلے الفاظ وَاضْرِبُوْهُنَّ سے اُنہیں مارنے پیٹنے کا جواز حاصل کر رکھا ہے۔ حالانکہ یہاں وَاضْرِبُوْهُنَّ کا معنی اُنہیں مارنا نہیں بلکہ اُن سے بستر الگ کرنے کی وجہ بیان کرنا ہے۔ جسکی تفصیل ضمنی نوٹ ۷ میں آگے آرہی ہے۔ پس قَوّٰمُوْنَ کا معنی حاکم ہرگز نہیں بلکہ لفظ قَوّٰمُوْنَ قوّام کی جمع ہے، جسکا سہ حرفی مادہ ہے ق۔ و۔م = قوم۔ اِسکی ماضی ہے قَامَ بمعنی وہ کھڑا ہُوا۔ اس سے اسم فاعل ہے قَائِمٌ = کھڑا ہونیوالا۔ اور قائم سے اسم مبالغہ ہے قوّام بمعنی بہت بڑھکر کھڑا ہونیوالا یعنی اپنے ساتھ دوسروں کو بھی کھڑا کرنے والا۔ قَامَ بمعنی اعتدال بھی ہے۔ اسکے مطابق قوّام کا معنی ہے بڑھکر اعتدال قائم کرنیوالا۔ فلهذا اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ کا معنی ہُوا، مرد عورتوں کو سہارا دینے والے ہیں۔ متوازن رکھنے والے ہیں۔ اور صنفی لحاظ سے بھی یہی معنی صحیح اور فٹ آتا ہے۔ کیونکہ عورت ہر مہینے میں آٹھ دس دن کیلئے ماہواری عارضہ میں مبتلا رہتی ہے۔ اور پھر ایام حمل۔ وضع حمل اور ایام نفاس وغیرہ ایسے عوارض ہیں جو عورتوں کی صنف کیساتھ لازم ملزوم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان دنوں میں عورتوں کو لازمی طور پر سہارے کی ضرورت لاحق ہوتی ہے۔

[۲] • فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ کے الفاظ سے بصورتِ نصف النہار عیاں ہے کہ الگ الگ انداز کیساتھ اللہ تعالیٰ نے مردوں اور عورتوں کو ایکدوسرے پر فضیلت عطا فرمائی ہوئی ہے۔ قرآن مجید کے ان الفاظ کے مطابق بھی مردوں کے عورتوں پر حاکم ہونے کا نظریہ سو فیصدی غلط ہے۔ کیونکہ ان الفاظ میں کھل کر عیاں کر دیا گیا ہے کہ مرد عورتوں پر حاکم نہیں بلکہ اپنے

اپنے اپنے دائرہ میں دونوں کو ایک دوسرے پر فضیلت دیگئی ہے۔ بالفاظِ دیگر دونوں ہی ایکدوسرے سے افضل ہیں۔ اور واضح رہے کہ یہی معنے وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ اٰدَمَ ١٧/٧٠ کے تقاضوں کو پورا کرتے ہیں جسمیں اعلان کیا گیا ہے کہ پوری نوعِ آدم یعنی مردوں اور عورتوں سب کو واجب التکریم ٹھہرایا گیا ہے۔ ان میں سے کوئی بھی ایکدوسرے کا محکوم نہیں۔

• ۳۔ قٰنِتٰتٌ کا معنی لکھا گیا ہے فرض شناس بیویاں۔ اس لفظ کا سہ حرفی مادہ ہے ق۔ ن۔ ت = قنت جس کا بنیادی معنیٰ ہے فرضِ منصبی اور فرضِ منصبی ادا کرنا۔ اُس فرض کی ادائیگی میں لگے رہنا جو اُس پر اُسکے خالق کی طرف سے فرض کیا گیا ہو۔ چنانچہ سورہ بقرہ میں ارشاد ہوا ہے :۔ بَلْ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ٥ ٢/١١٦ = بلکہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے سب کا سب اُس (اللہ ہی) کی ملکیت ہے۔ (آسمانوں اور زمین کی) ہر چیز اُسی کی فرمانبردار ہے یعنی ہر چیز اپنے اپنے فرض منصبی کی ادائیگی میں مصروفِ عمل ہے۔

• ۴۔ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ کا معنی لکھا گیا ہے، خاوند کی عدم موجودگی میں اُسکے مال اور اپنی عصمت (جو خاوند کی امانت ہے) کی حفاظت کرنیوالیاں ہیں۔ عورت کی جبلت میں پاکبازی اور امانتداری کے جوہر کی فراوانی رکھدیگئی ہے۔ مشاہدہ گواہ ہے کہ غریب ترین شوہر تک کی امانت بنکر زندگی گزار دینا اسکا شعار ہے۔ خصوصاً شوہر کے غیب یعنی اسکی عدم موجودگی میں پاکبازی کا مرقع ثابت ہونا اسکی فطرت ہے۔ لفظ غیب حاضر کی ضد ہے۔ واضح رہے کہ عورتوں کی اسی مخصوص صفت کو اُجاگر کرکے اسے فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ پر بطور دلیل لایا گیا ہے کہ صرف مرد ہی کو عورتوں پر فضیلت حاصل نہیں، بلکہ عورتوں کو بھی مردوں پر فضیلت حاصل ہے جن عورتوں میں حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ کی مخالفت پائی جاتی ہے وہاں خدا تعالیٰ کا کوئی باغی عنصر اثر انداز ہو چکا ہوتا ہے۔

• ۵۔ نُشُوْزَهُنَّ کا معنی لکھا گیا ہے "اُنکی فرض فراموشی"۔ مروجہ تفاسیر و تراجم میں اسکا معنی لیا گیا ہے خاوند کی نافرمانی۔ یہ اُسی غلطی کا نتیجہ ہے جو خاوند کو عورت کا حاکم ٹھہرانے میں کیگئی ہے۔ حالانکہ آگے چلکر ٤/١٢٨ میں یہی لفظ نشوز مردوں کیلئے بھی آیا ہے :۔ وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوْزًا = یعنی اگر بیوی کو اپنے خاوند سے نشوز کا خوف لاحق ہو جائے ــــ اسطرح اگر نُشُوْزَهُنَّ کا معنی عورتوں کیطرف سے خاوندوں کی نافرمانی کرنا مانا جائے تو ٤/١٢٨ میں نُشُوْزًا کا معنی مردوں کیطرف سے عورتوں کی نافرمانی کرنا ماننا پڑیگا۔ نیز اگر اس سے عورت پر مرد کی حاکمیت کا تصور اخذ کیا جائے تو مرد پر عورت کی حاکمیت بھی تسلیم پڑتی ہے فلہذا حقیقت یہ ہے کہ لفظ نشوز کا سہ حرفی مادہ ن۔ ش۔ ز = نشز ہے۔ جس کا بنیادی معنی ہے کسی چیز کا اپنی جگہ سے ہٹ جانا۔ اور جب یہ لفظ میاں یا بیوی پر بولا جائے تو اسکا معنی صاف ہے فرض ناشناسی کے ذریعہ اپنے مقام سے ہٹ جانا یعنی اپنے فرضِ منصبی میں کوتاہی کرنا۔

• ۶۔ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ کے الفاظ، ترتیب کے لحاظ سے فَعِظُوْهُنَّ کے بعد آئے ہیں، یعنی پہلے انہیں نصیحت کرو کہ اپنے فرائضِ منصبی میں کوتاہی کرنے سے باز آجائیں۔ لیکن اگر اُن پر زبانی نصیحت کا کوئی اثر نہ ہو تو احتجاج کے طور پر انہیں خوابگاہوں سے الگ کر دو تاکہ یہ عملی اقدام اُن پر اثر انداز ہو سکے۔

• ۷۔ وَاضْرِبُوْهُنَّ کے الفاظ، ترتیب کے لحاظ سے وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ کے بعد آئے ہیں کہ تم انہیں بستروں سے الگ

کرنے کے بعد ساتھ ہی اُن پر اس اقدام کی وجہ بیان کرو کہ ایسا کیوں کیا گیا ہے تاکہ تمہارا یہ اقدام اثر انداز اور کامیاب ہو جائے مادہ ضرب کا مصدری معنٰی بیان کرنا بھی ہے، جیسے کہ سورہ حج میں آیا ہے:۔ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ۲۲/۷۳ = ایک مثال بیان کی جاتی ہے اُسے کان کھول کر سنو ـــــ افسوس ہے کہ سابقہ تفسیروں نے وَاضْرِبُوْهُنَّ کا معنٰی لیا ہے کہ انہیں مارو پیٹو۔ یہ اُسی بنیادی غلطی کا نتیجہ ہے جو اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ سے مردوں کو عورتوں کا حاکم ٹھہرانے میں کی گئی ہے۔ اور وَاضْرِبُوْهُنَّ پر ذیل کا ایک عجیب و غریب شانِ نزول بھی چسپاں کیا گیا ہے۔ اسوقت تفسیر حسینی ہمارے سامنے کھلی پڑی ہے، جس کے صفحہ ۹۷ پر لکھا ہے:۔

• (اردو ترجمہ) حبیبہ زوجہ سعد بن ربیعہ یا جمیلہ زوجہ ثابت قیس نے شوہر کی نافرمانی کی۔ اور شوہر نے اُسکے منہ پر تھپڑ مارا۔ وہ اپنے باپ کے پاس شکایت لیگئی۔ باپ بیٹی کو لیکر حضور رسالت میں حاضر ہوا اور شکایت کی۔ آنحضرتؐ نے حکم دیا کہ قصاص لیا جائے۔ لیکن باپ بیٹی نے طلبِ قصاص کی غرض سے ابھی مسجد کے دروازہ کیطرف رُخ کیا ہی تھا کہ جبریلؑ آیت مجیدہ اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ لیکر آئے، کہ مرد عورتوں پر مسلط ہیں اور اُنکی معیشت کے ذمہ دار ہیں۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے باپ بیٹی کو آواز دی اور کہا کہ میں نے کچھ اور چاہا تھا اور اللہ نے کچھ اور چاہا ہے" ـــــ واضح رہے کہ جو چیز آنحضورؐ کیطرف خلافِ قرآن منسوب ہو، وہ آنحضورؐ کا عمل ہرگز نہیں ہو سکتا۔

• ۳۸ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ کا معنٰی یہ نہیں ہے کہ اگر وہ تمہاری حاکمیت تسلیم کرلیں۔ بلکہ اسکا معنٰی سیاقِ کلام کے مطابق یہ ہے کہ جب وہ تمہاری نصیحت یا بستر سے علیحدگی کے احتجاج کی بدولت تمہارا کہا مان لیں یعنی فرض فراموشی کو چھوڑ کر فرض شناس ہو جائیں۔ تو:۔

• ۳۹ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا = پھر اُنکے خلاف کسی بھی قسم کی کوئی راہ تلاش نہ کرنا۔ لیکن اگر مذکورہ بالا طریقے سے میاں بیوی از خود پُرسکون زندگی کی راہ تلاش نہ کر سکیں تو سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں فریقین کا جھگڑا نپٹانے کیلئے ذیل کا طریقہ بتایا گیا ہے:۔

وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا
اور اگر خوف کرو تم شقاوت کا بیچ دونوں کے تو مقرر کرو ایک ثالث
مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ يُّرِيْدَآ
میں سے اہلِ شوہر کے اور ایک ثالث میں سے اہلِ بیوی کے۔ اگر ارادہ کریں دونوں
اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ
اصلاح کا تو موافقت پیدا کریگا اللہ بیچ دونوں کے۔ بیشک اللہ ہے
عَلِيْمًا خَبِيْرًا ۳۵
خوب جاننے والا با خبر

اور (قرآنی معاشرہ کے اِس گوشہ کے عاملو!) اگر تمہیں اِس بات کا خوف لاحق ہو جائے کہ کسی جوڑے (میاں بیوی) میں شقاوت[۱] پھوٹ پڑی ہے تو ایک ثالث مقرر[۲] کرو خاوند کے خاندان سے اور ایک ثالث مقرر کرو بیوی کے خاندان سے۔ اگر وہ ثالث دونوں ارادہ کرینگے[۳] اصلاح کا تو اللہ تعالیٰ اُن دونوں (میاں بیوی) میں موافقت پیدا کردیگا۔ بیشک اللہ تعالیٰ بڑھکر جاننے والا باخبر ہے۔ (وہ اُنکی نیتوں کو جانتا ہے کہ کیا وہ فی الواقعہ صلح کرانا چاہتے ہیں یا اُنکے ارادے ہی ٹھیک نہیں[۴])۔

• ملہ شقاق کا سہ حرفی مادہ ش۔ق۔ق یعنی شقق ہے جسکا بنیادی معنٰی ہے پھٹ جانا۔ الگ الگ ہو جانا۔ دشمنی پیدا ہونا۔ آیتِ بالا میں کہا گیا ہے کہ اگر کسی میاں بیوی کے درمیان پھوٹ اور باہمی علیحدگی کا خوف پیدا ہو جائے تو دونوں کے خاندانوں سے الگ الگ دو ثالث مقرر کرلو جو اُنکی صلح کرادیں۔

• ملہ۲۔۳ حَکَمًا کا معنٰی یہاں پر حاکم نہیں، بلکہ خود آیتِ مجیدہ کے اگلے الفاظ اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا کے مطابق ثالث اور مصلح ہے جو اُن دونوں کی الگ الگ شکایات سنکر اُن میں صلح کرادیں۔ چنانچہ کہا گیا ہے کہ اگر دونوں ثالث نیک نیت اور حقیقی طور پر صلح کُن اور صلح جُو ہونگے، تو اللہ تعالیٰ متنازعہ جوڑے میں باہمی موافقت پیدا کردیگا۔ اور بصورتِ دیگر اگر ثالث خود مصلح نہیں ہونگے تو وہ خود ہی صلح اور اصلاح کے جملہ امکانات ختم کرکے رکھدینگے۔

• ملہ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا کے الفاظ میں اِس امر کی خبر دیگئی ہے کہ اگر ثالث دونوں، یا اُن میں سے کوئی ایک بظاہر صلح جوئی کا مظاہرہ کرتا اور بباطن صلح کی راہ میں خود درروڑہ بنا ہُوا ہو، تو الگ الگ اکیلے یا دونوں کو جان لینا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ اُنکی اِس منافقت سے بھی باخبر ہے، اُنہیں ایسے اقدام سے باز رہنا چاہیئے۔

قرآن کریم کی بنیادی تعلیم

• واضح رہے کہ اِس سے آگے سلسلۂ درس کی اگلی آیتوں میں ایک طویل جملہ معترضہ لایا گیا ہے جو آیت نمبر ۱۲۷ تک پھیلا ہُوا ہے۔ اور عنوانِ بالا جسمیں عورت کیطرف سے نشوز یعنی فرض فراموشی کے خطرے کا حل بتایا گیا ہے۔ آیت نمبر ۱۲۸ میں پھر اسی عنوان کیطرف رُخ کرکے مرد کیطرف سے نشوز یعنی فرض فراموشی کا حل واضح فرمایا ہے۔ اِس طویل جملہ معترضہ کو اللہ تعالیٰ نے اسلام کی بنیادی تعلیم، خالص اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اور معاشرہ کے اصلاحی احکام کیساتھ باندازِ ذیل شروع کیا ہے:-

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّ
اور حکم مانو اللہ کا اور نہ شریک لاؤ ساتھ اُسکے کسی چیز کو اور

بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَ
ساتھ والدین کے احسان کرنا اور ساتھ صاحب قرابت کے اور بے سہارا اور

الْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ
وہ جن کا کاروبار ساکن ہو جائے اور ہمسایہ قریبی اور ہمسایہ اجنبی

وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ
اور ہمسایہ دُور کا اور بنیاد راستے کا۔ اور مالک ہوئے داہنے ہاتھ تمہارے

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا ۳۶
بیشک اللہ نہیں پسند کرتا اُسے جو ہے اِترانے والے فخر کرنیوالا

اور (ایمان والو!) اکیلے اللہ کی فرمانبرداری کرو۔ اور اُسکے ساتھ کسی بھی چیز (زندہ یا مُردہ انسان کسی جانور، کسی قبر یا مزار کسی بُت یا استھان) کو شریک نہ ٹھہرانا۔ اور نیک سلوک کرنا اپنے ماں باپ کیساتھ، اور اپنے قرابتداروں کیساتھ اور بے سہارا لوگوں کیساتھ اور اُنکے ساتھ جن کا کاروبار (کسی بھی وجہ سے) ساکن ہو جائے۔ اور ہمسایہ قرابتدار کیساتھ اور ہمسایہ اجنبی کیساتھ۔ اور ہمسائے دُور کیساتھ۔ اور مسافر کیساتھ اور اپنے ملازموں کیساتھ (سب کیساتھ حُسنِ سلوک کیا کرنا)۔

بیشک اللہ تعالیٰ شیخی خوروں اور فخر کرنیوالوں کو پسند نہیں کرتا، (جو مذکورہ بالا افراد کے حقوق دبانے پر فخر کرتے ہیں)۔

الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ وَیَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ
جو لوگ بخل کرتے ہیں اور حکم دیتے ہیں لوگوں کو ساتھ بخل کے
وَیَكْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَاَعْتَدْنَا
اور چھپا لیتے ہیں جو دیا انہیں اللہ نے، میں سے فضل اپنے کے۔ اور تیار کیا ہم نے
لِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابًا مُّهِیْنًا ۚ ۳۷
واسطے منکروں کے عذاب ذلیل کرنیوالا

یہ وہ لوگ ہیں جو خود بھی بخل کرتے ہیں (یعنی معاشرہ کے حاجتمندوں پر مال خرچ نہیں کرتے) اور دوسرے لوگوں کو بھی بخل کرنیکا حکم دیتے ہیں (کہ معاشرہ کے حاجتمندوں پر مال خرچ نہ کرو) اور (خود ذخیرہ اندوزی کرکے) چھپا لیتے ہیں وہ مال جو اللہ نے انہیں اپنے کائناتی خزانوں سے عطا کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم نے (اپنے ضابطے کا) انکار کرنیوالوں کیلئے ذلیل کرنیوالے عذاب کا فیصلہ تیار کر رکھا ہے۔

• ۱ یَكْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ میں یَكْتُمُوْنَ مادہ ک۔ت۔م کتم سے ہے۔ جسکا معنی ہے چھپا لینا۔ سیاق کلام کے مطابق جہاں آیت نمبر ۲۹ میں ایسی تجارت سے منع کیا گیا ہے جس سے عوام کا اقتصادی قتل ہو رہا ہو، یہاں کتم کا معنی ذخیرہ اندوزی بھی ہو سکتا ہے جس کے ذریعہ عوام کی ضرورت کی چیزیں چھپا لی جاتی ہیں تاکہ اس مصنوعی قحط کے ذریعہ عوام سے منہ مانگے دام وصول کرکے انکا اقتصادی قتل کیا جائے۔

• ۲ مِنْ فَضْلِهٖ سے مراد اللہ تعالیٰ کے وہ خزانے ہیں جو اس نے اپنی کائنات میں پھیلا دیئے ہیں۔ سرمایہ دار اللہ کے فضل کو ذخیرہ اندوزی کیساتھ روک لیتے اور عوام سے چھپا کر، ہر ضرورت کی چیز کا مصنوعی قحط پیدا کرکے تجارت کے پردے میں عوام کا اقتصادی قتل جاری رکھتے ہیں۔

• ۳ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابًا مُّهِیْنًا۔ رسوا کن عذاب انکے لئے ہے جو ضابطۂ الٰہی کا انکار کرنیوالے ہیں۔ ذلت عزت کی ضد ہے۔ مشاہدہ گواہ ہے کہ وہ قومیں جو اپنے ہی معاشرہ میں اقتصادی قتل کی اساس پر قائم کردہ تجارت کے ذریعہ خود اپنے افراد کی مہذب ڈکیتی میں مصروف ہوتی ہیں۔ انکا مطمحِ نظر صرف حصولِ زر ہوتا ہے۔ ایسی قوموں کو اقوامِ عالم کی برادری میں انتہائی ذلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ جب وہ بیرونی ممالک کیساتھ بھی تجارتی لین دین کرتے ہیں تو تجارتی مال میں ملاوٹ کرتے اور مقررہ معیار سے گرا ہوا مال سپلائی کرکے خود اپنے آپ کو اور اپنے ملک کو اقوامِ عالم میں ذلیل کر دیتے ہیں۔ حتیٰ کہ دشمن ممالک تو پہلے ہی دشمن ہوتے اور انہیں ذلت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ لیکن تجارتی بددیانتی کی بدولت پوری قوم دوست ممالک کی نگاہوں سے بھی اشکِ ندامت بنکر گر جاتی اور خداوندی فیصلے کے مطابق رسوا کن عذاب میں مبتلا ہو جاتی ہے۔

دکھاوے کیلئے مال خرچ کرنیوالوں کا اللہ اور آخرت پر ایمان نہیں ہے

• آیت بالا میں معاشرہ کے مہذب ڈاکوؤں اور بخل کے ذریعہ حاجتمندوں پر مال خرچ نہ کرنیوالوں کے ذکر کے بعد اگلی آیتوں میں ان لوگوں کا ذکر ہے جو کچھ نہ کچھ خرچ تو کرتے ہیں۔ مگر صرف نمود و نمائش کیلئے اور چاہتے ہیں کہ ہر طرف انکی سخاوت کا چرچا ہو۔ ایسے لوگوں کو اللہ اور قیامت کا منکر قرار دیا گیا ہے۔

وَالَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا
اور جو لوگ خرچ کرتے ہیں مال اپنے دکھانے لوگوں کو اور نہیں

اور جو لوگ اپنے مالوں کو لوگوں کو دکھانے کیلئے خرچ کرتے ہیں (اللہ کے ہاں انکی کوئی قیمت نہیں) حقیقت یہ ہے کہ وہ لوگ

يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ وَمَنْ يَّكُنِ
ایمان رکھتے ساتھ اللہ کے اور نہ ساتھ دن آخرت کے اور جو کوئی کہ ہو
الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا فَسَآءَ قَرِيْنًا ۳۸
شیطان واسطے اُسکے ساتھی پس بُرا ہے وہ ساتھی کی رُو سے

نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ آخرت کے دن پر جسمیں اعمال کا موازنہ کیا جائیگا ہے، اُنکا موازنۂ اعمال ہلکا ہوگا) حقیقت یہ ہے کہ (ایسے لوگوں کا ساتھی شیطان ہوتا ہے) اور جسکا ساتھی شیطان ہو، وہ (شیطان) رفاقت کی رُو سے بہت ہی بُرا ہے۔

● اللہ تعالیٰ کا ہر باغی شخص شیطان ہے جو اللہ کی راہ میں غریبوں کی بھلائی کیلئے مال خرچ کرنے سے منع کرتا ہے۔ چنانچہ اگلی آیت میں ارشاد ہوا ہے:۔

وَمَاذَا عَلَيْهِمْ لَوْ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ
اور کیا والا ہے اوپر اُنکے اگر ایمان لائیں ساتھ اللہ کے اور دن آخرت کے
وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ بِهِمْ
اور خرچ کریں اُس سے جو رزق دیا اُنہیں اللہ نے اور ہے اللہ ساتھ اُنکے
عَلِيْمًا ۳۹
جاننے والا

اس میں اُنکا کیا ہرج ہے اگر وہ اللہ پر اور آخرت (یعنی نتیجے) کے دن پر بھی ایمان لائیں (کیونکہ اللہ اور آخرت تو ناقابلِ انکار حقائق ہیں) نیز اللہ کے دیئے ہوئے مال میں سے (اُسکی راہ میں معاشرہ کے حاجتمندوں پر) خرچ کریں۔ (اور نمود و نمائش کے طلبگار نہ ہوں) حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن کے ہر عمل کو خُوب خُوب جاننے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا ● اس سے اگلی آیت مجیدہ میں اس عوامی غلط عقیدے کا بطلان کیا گیا ہے کہ سب کچھ تو اللہ تعالیٰ خود کرتا ہے۔ مومن کو اللہ تعالیٰ نے خود مومن بنایا ہے اور کافر کو اللہ تعالیٰ نے کافر و بخیل وغیرہ خود بنایا ہے۔ اس غیر قرآنی اور باطل عقیدے کے مطابق ظاہر ہے کہ اگر اللہ نے کسی شخص کو کافر بخیل اور جہنمی خود بنایا ہو تو یہ اُس پر بہت بڑا ظلم ہے۔ مگر ارشادِ باری ہے:۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَاِنْ
بیشک اللہ ظلم نہیں کرتا مقدار ذرہ کے اور اگر
تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا
ہو نیکی، تو زیادہ کرتا ہے اُسے اور دیتا ہے میں سے طرف اپنی کے بدلہ
عَظِيْمًا ۴۰
بڑا

بیشک اللہ تعالیٰ (وہ ہے کہ) وہ کسی پر ذرہ بھر بھی ظلم نہیں کرتا (لیکن لوگ اپنے آپ پر خود ظلم کرتے ہیں ۴۴/۱۰) بلکہ اگر لوگوں کا کوئی نیک عمل ہو تو اللہ تعالیٰ (اُسے اپنی طرف سے) بڑھا دیتا ہے ۶/۱۶۰۔ اور اپنی طرف سے اُسکا بہت بڑا بدلہ عطا فرماتا ہے۔

قیامت کے دن ہر اُمت پر اُنہی میں سے گواہ لایا جائیگا ● اس سے اگلی آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ ہر اُمت صرف قانونِ خداوندی پر عمل کرنے کی مکلف قرار دیگئی ہے۔ قیامت کے دن ہر زمانے کے نیک لوگ اُس زمانے کے لوگوں پر بطور گواہ لائے جائینگے۔ اور ہر نبی اپنے زمانے کے نیک لوگوں پر گواہ ہوگا کہ اللہ کا پیغام اُسکی مخلوق تک پہنچ چکا تھا چنانچہ ارشاد ہوا ہے:۔

فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّ
پھر کیا حال ہوگا جب لائینگے ہم ہیں سے ہر اُمت کے ایک گواہ اور

جِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا ۱۴
لائینگے ہم ساتھ تیرے اِن پر گواہ

پھر (قیامت کے دن) جب ہم ہر اُمت میں سے (اُس زمانہ کا) گواہ لائینگے۔ اور (اے رسول!) آپکو ہم (ان آپکے زمانے کے لوگوں) پر گواہ لائینگے۔ (کہ اللہ تعالیٰ کا پیغام یعنی نازل کردہ ضابطۂ حیات سب لوگوں تک پہنچ چکا تھا)۔

اُس دن کوئی بات چھپ نہ سکیگی

• اِس سے اگلی آیت مجیدہ میں اعلان کر دیا گیا ہے کہ قیامت کے دن لوگ اپنی نافرمانیوں پر افسوس تو کرینگے لیکن اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز چھپا نہیں سکینگے۔ ملاحظہ فرمائیں ارشاد باری:-

يَوْمَئِذٍ يَّوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَعَصَوُا الرَّسُوْلَ[۱]
اُسدن چاہینگے وہ جنہوں نے انکار کیا اور نافرمانی کی رسول کی

لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْاَرْضُ[۲] وَلَا[۳] يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ
کاش برابر ہو جائے ساتھ اُنکے زمین اور نہ چھپائینگے وہ اللہ سے

حَدِيْثًا[۴] ۴۲ ع
کوئی بات

اُس (قیامت کے) دن وہ لوگ جنہوں نے انکار کیا، یعنی اُس ضابطے کی نافرمانی کی جو اللہ نے اپنے رسول کے ذریعہ نازل فرمایا ہے[۱]۔ وہ آرزو کرینگے کہ کاش اُن پر زمین برابر ہو جائے (یعنی وہ زمین میں غرق ہو جائیں اور اُنکے اُوپر زمین باہم ملکر برابر ہو جائے)[۲] کیونکہ[۳] وہ اُسدن اللہ تعالیٰ سے کوئی بھی چیز چھپا نہیں سکینگے۔ (سب کچھ کھل کر عیاں ہو جائیگا)[۴]۔

• ۱ الرسول کا معنی بشری رسول بھی ہے اور وہ تنزیلی کتاب بھی، جو اللہ تعالیٰ کیطرف سے اُنکے بشری رسول ہی کے ذریعہ نازل کیگئی ہوتی ہے۔ بشری رسول کی نافرمانی اللہ کی کتاب کی نافرمانی ہی ہوتی ہے۔ کیونکہ اللہ کا رسول اللہ تعالیٰ کی کتاب کا سو فیصدی متبع ہوتا ہے۔ جیسے کہ خود آنحضورؐ کا اعلان قرآن کریم میں موجود ہے:- اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ۶/۵۰ + ۱۰/۱۵ + ۴۶/۹۔ سوائے اسکے نہیں کہ میں صرف اور صرف اُس ضابطے کا متبع ہوں جو میری طرف وحی کیا جاتا ہے۔

• ۲ تُسَوّٰى بِهِمُ الْاَرْضُ کا معنی صاف ہے کہ قیامت کی ناکامی پر ضابطۂ الٰہی کے نافرمان آرزو کرینگے کہ وہ زمین میں غرق ہو جائیں اور اُنکے غرق ہونے کے بعد زمین اُن پر برابر ہو جائے۔ تاکہ اُسدن ناکامی کی ندامت سے بچ جائیں۔ لیکن ایسی آرزوئیں اُسدن ہرگز پوری نہیں ہو سکینگی۔ عمل کا وقت آج ہی میسر ہے۔ جو کوئی چاہے توشۂ آخرت آج تیار کر سکتا ہے۔

• ۳ واؤ بمعنی کیونکہ کیلئے دیکھئے دیباچہ کا صفحہ ۸

• ۴ قیامت کے دن کسی بات یا کسی عمل کا چھپ سکنا صرف محال ہی نہیں بلکہ مکمل طور پر ناممکن ہے جس ذاتِ باری نے اِس دنیا میں ہر آواز کو محفوظ کرنے کیلئے ٹیپ ریکارڈ کا سامان اِس کائنات میں تہیا کر رکھا ہے۔ اور ہر انسان کے ہر عمل کو فلم کی صورت میں محفوظ کرنے کیلئے ٹیلیویژن کے پورے اسباب اِس کائنات میں تہیا کر دیئے ہوئے ہیں، کیا قیامت کو ایسا ہونا ناممکن ہے کہ جو کچھ کسی نے کیا ہو عدالتِ خداوندی میں اُسکے اپنے ہاتھ اور پیروں کے ٹیپ سے سب کچھ اُسے سنوا دیا جائے۔ جیسے کہ سورہ یٰسین میں آیا ہے:- اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَآ اَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۰ ۳۶/۶۵ اُس

دن ہم اُنکے مُونہوں پر مُہر کر دینگے اور ہم سے کلام کرینگے اُنکے ہاتھ اور گواہی دینگے اُنکے پیر، جو کچھ کہ وہ کسب کیا کرتے تھے۔ اور اسی طرح جو جو عمل کوئی شخص دُنیا کی زندگی میں بجالایا ہو، وہ سب کچھ اُسکے دیکھتے دیکھتے اُسکی نظروں کے سامنے ٹیلیویژن فلم کی صورت میں حاضر کر دیا جائیگا۔

صلوٰۃِ موقّت معاشرہ کی اِصلاح کا نقطۂ آغاز ہے

• آیاتِ مجیدہ مذکورہ بالا میں معاشرہ کے اقتصادی اور عائلی گوشوں کے اصلاحی قوانین کی وضاحت کے بعد اس سے اگلی آیت مجیدہ میں بتایا جارہا ہے کہ قرآنی معاشرہ کے قیام و استحکام کے لئے صلوٰۃِ موقّت کو (جسے عرف عام میں نماز کہا جاتا ہے) بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ واضح رہے کہ صلوٰۃِ موقّت ہی وہ چیز ہے کہ اگر اسے معاشرہ کی اصل و بنیاد قرار دیا جائے۔ اور صلوٰۃِ موقّت (نماز) کی غرض و غائت قرآنی معاشرہ کا قیام و استحکام ہو تو نہ صرف یہ کہ معاشرہ ہی قرآنی خطوط پر تشکل ہو جاتا ہے، بلکہ صلوٰۃ (نماز) پر وارد کیا گیا آئے دِن کا یہ اعتراض بھی رفع ہو جاتا ہے کہ نماز ایک عمل بیکار ہے جس کا کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوتا حقیقت یہ ہے کہ جسطرح سابقہ اُمتوں کے متعلق خبر دیگئی ہے کیا اُن میں ایسے ناخلف پیدا ہوئے، فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ :۔

• کہ جنہوں نے اصل مقصدِ صلوٰۃ کو ضائع کر کے اپنی اپنی خواہشوں کی پیروی شروع کر دی:۔ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ ۱۹/۵۹۔ اِن آیات کریمات سے ثابت ہوتا ہے کہ صلوٰۃِ موقّت کی غرض و غائت لوگوں کی ذاتی خواہشوں کی ضد ہے لوگ چاہتے ہیں کہ ہر جائز اور ناجائز طریقے سے مال حاصل کیا جائے۔ مگر صلوٰۃ اس سے منع کرتی ہے۔ حضرت شعیبؑ نے جب قوم کو ذخیرہ اندوزی اور تول میں ڈنڈی مار کر روپیہ اکٹھا کرنے سے منع کیا تو قوم نے کہا:۔

• قَالُوْا يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِيْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا ۱۱/۸۷ ۔ قوم نے کہا اے شعیبؑ کیا تیری صلوٰۃ تجھے یہ حکم دیتی ہے کہ ہم اُنکی فرمانبرداری چھوڑ دیں جن کے ہمارے آباؤ اجداد کیا کرتے تھے اور ہم وہ انداز بھی چھوڑ دیں جو ہم اپنے مالوں (کے کمانے اور خرچ کرنے) میں اختیار کئے ہُوئے ہیں۔

• دیکھا آپنے! کہ صلوٰۃ (نماز) کا تعلق ایمانیات اور معاشرہ کے ہر گوشہ کیساتھ برابر کا قائم ہے۔ بالفاظِ دیگر صلوٰۃ (نماز) ایک عظیم اجتماعی نظام کا نقطۂ آغاز ہے جس کے مومن کہلانیوالے عوام، ایمان و اعمال ہر دو کے لحاظ سے ایک ہی نقطۂ نگاہ کے حامل ہوتے ہیں۔ کوئی فرد یہ کہہ کر کہ فلاں عقیدہ چونکہ ہمارے آباؤ اجداد کا ہے، اسلئے یہ صحیح ہے۔ نہ عقیدہ کے لحاظ سے کتاب خداوندی کی مخالفت کر سکتا ہے، اور نہ مال کمالے اور نہ اُسے خرچ کرنے کے ضمن میں من مانے انداز اختیار کر سکتا ہے۔ بلکہ صلوٰۃِ موقّت کے اُس اجتماعی نظام میں جو مسجد کے اندر اللہ کے حضور سجدہ ریز ہونے سے شروع ہوتا ہے، کوئی شخص ذخیرہ اندوزی، ملاوٹ اور دوسرے فریب کارانہ ہتھکنڈوں کیساتھ ایسا تجارتی انداز اختیار نہیں کر سکتا جس سے عوام کا اقتصادی قتل واقع ہو۔ اور نہ کوئی شخص اپنے کمائے ہوئے مال میں سے اللہ کے حق زکوٰۃ و صدقات کی ادائیگی سے انکار کر سکتا ہے قرآنی معاشرہ خدمتِ خلق کے جذبہ پر قائم ہوتا ہے جسمیں نہ کوئی بھوکا ہوتا ہے نہ ننگا نہ بے مکان ہوتا ہے نہ بے علاج ۲۰/۱۱۸-۱۱۹ اور ۱۱/۸۷ کے مطابق اس نظامِ صلوٰۃ میں، حضرت شعیبؑ کی صلوٰۃ ہر ہر فرد پر پابندی عائد کرتی ہے کہ خالص قرآنی عقیدہ اپنایا جائیگا

اور ہر ذریعہ معاش میں خواہ وہ تجارت ہو یا زراعت، صنعت ہو یا ملازمت، مزدوری ہو یا دستکاری، ہر مقام پر، وہ خالص قرآنی انداز اختیار کرنا ہوگا جس میں عوام کے اقتصادی قتل کا شائبہ تک نہ پایا جائے۔ بلکہ ہر شخص دوسرے کو فائدہ پہنچا رہا ہو اور ہر طرف سے سلامًا سلامًا کی عملی گونج اٹھ رہی ہو۔

• اوپر بتایا جا چکا ہے کہ اس قرآنی نظام کا نقطۂ آغاز ہے صلوٰۃِ موقّت، جو ظاہری اور باطنی طہارت کیساتھ اجتماعی طور پر مسجد میں اور انفرادی طور پر ہر جگہ ادا کیجا سکتی ہے۔ سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں صلوٰۃِ موقّت سے متعلقہ چند ضروری ہدایات بالفاظ ذیل نازل کیگئی ہیں:-

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَ ^ش
اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو نہ قریب جانا صلوٰۃ کے اور

اَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَلَا جُنُبًا
ہو تم بے خبر حتیٰ کہ تم جانو جو تم کہتے ہو اور نہ بحالت جُنب

اِلَّا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا ۭ وَاِنْ كُنْتُمْ
سوائے عبور کرنیوالے راستہ کے۔ حتیٰ کہ تم غسل کر لو۔ اور اگر ہو تم

مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰي سَفَرٍ اَوْ جَاۗءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ
بیمار یا اوپر سفر کے یا آئے کوئی ایک میں سے تمہارے۔ میں سے

الْغَاۗىِٕطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَاۗءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَاۗءً
جائے ضرورکے یا تم ہم آغوش ہوئے عورتوں سے پھر نہ پایا تم نے پانی

فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ
تو ارادہ کرو مٹی پاک کا پھر پونچھ لیا کرو ساتھ مونہوں اپنوں

وَاَيْدِيْكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا ۝ ۴۳
اور ہاتھوں اپنوں۔ بیشک ہے اللہ درگزر کرنیوالا بچانیوالا

ایمان والو! جب (تم صلوٰۃِ موقّت اور معاشرہ کے باہمی تعلق سے) بے خبر ہو تو اسوقت تک صلوٰۃِ موقّت (نماز) کے قریب نہ جانا جتبک کہ (جو کہتے ہو اُسے) عملًا ظاہر نہ کرو۔ ^ت (یعنی جو کچھ اللہ کے حضور حاضر ہو کر کہہ رہے ہو اُسکے مطابق تمہاری ذمہ داریاں کیا ہیں) اور نہ جنابت کی حالت میں صلوٰۃ کے قریب جانا جتبک کہ غسلِ جنابت نہ کر لو سوائے اِسکے کہ تم سفر میں ہو۔ اور اگر تم بیمار ہو (کہ پانی مضر ہے) اور یا تم سفر میں ہو۔ اور یا یہ کہ تم میں سے کوئی شخص قضاءِ حاجت سے فارغ ہو کر آئے، اور یا تم نے عورتوں سے ہم آغوشی کی ہو۔ پھر تم اگر (ایسے مقام پر ہو، یا ایسے حالات میں ہو کہ تم غسل اور طہارت کیلئے) پانی نہ پاؤ۔
تو (ان حالات میں نماز کیلئے (۵ﷺ) وضو کرنے کی بجائے اور غسل جنابت کی بجائے تیمم کر لیا کرو (یعنی) پاک مٹی کیساتھ نجاست صاف کر لیا کرو۔ پھر اسکے بعد اپنے مونہوں اور ہاتھوں کو (کپڑے کیساتھ) پونچھ لیا کرو۔ بیشک اللہ مجبوریوں میں درگزر کرنیوالا اور مضرات سے بچانیوالا ہے۔ • سُکارٰی کی بحث آگے رہی ہے۔

• ^ت تَعْلَمُوْا کا سہ حرفی مادہ ع-ل-م = علم ہے، جسکا بنیادی معنی جاننا بھی ہے اور ظاہر کرنا بھی۔ قرآن مجید میں علم بمعنی ظاہر کرنا ۳/۱۴۲ اور ۹/۱۶ میں آیا ہے :- اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ ۳/۱۴۲ ۔ کیا تم نے گمان کر لیا ہے کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ ابھی اللہ نے تم میں سے اُن کو ظاہر نہیں کیا جو جہاد کرتے ہیں اور نہ انہیں ظاہر کیا ہے جو ثابت قدم ہیں۔

• دیکھئے چونکہ یہاں "اللہ نے ابھی جانا نہیں" معنی لگ ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ تو ہر چیز کو از خود اچھی طرح جانتا ہے۔

اِسلئے یہاں لَمَّا یَعۡلَمِ اللّٰہُ کا صحیح معنی ہے، ابھی اللہ نے ظاہر نہیں کیا۔

صلوٰۃ (نماز) اصلاحی پروگرام کا اقرار نامہ ہے

• ثمہ اللہ رب العزت کو معلوم تھا کہ سابقہ اُمتوں کیطرح مسلمان بھی نماز کی ادائیگی کو صرف حصولِ ثواب کا ذریعہ ٹھہرا کر اسکے اصل مقصد، اصلاحِ معاشرہ کو نظر انداز کر دینگے۔ اِسلئے اُس نے زمانۂ رسالت کے مسلمانوں یعنی صحابہ ہی کو آیتِ بالا کے پہلے مخاطب ٹھہرا کر واضح کر رکھا ہے کہ اُسوقت تک نماز کے قریب نہ جانا جبتک تم یہ نہ جانو کہ اللہ تعالیٰ سے کیا کہہ رہے ہو اور خود اپنے کہے کے مطابق کیا کیا ذمہ داریاں خود اپنے ذمہ لے رہے ہو۔ مثلاً نماز میں اقرار کیا جاتا ہے اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ۱/۱ = سب اچھی تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں جو عالمین کا رب ہے۔ اِس اقرار کے مطابق ہم ربوبیت عالمین کے خلاف کوئی کام نہیں کر سکتے۔

• نیز ہم اقرار کرتے ہیں:۔ اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ ۱/۴ = ہم تیری ہی فرمانبرداری کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔ اِس اقرار کے مطابق نہ ہم ذخیرہ اندوزی کر سکتے ہیں نہ گراں فروشی، کیونکہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی نافرمانیاں ہیں۔ نہ اِس اقرار کے مطابق ہم کسی غیر اللہ سے خواہ وہ کتنا ہی نیک آدمی ہو، غائبانہ مدد مانگ سکتے ہیں۔ پس لَا تَقۡرَبُوا الصَّلٰوۃَ وَ اَنۡتُمۡ سُکٰرٰی حَتّٰی تَعۡلَمُوۡا مَا تَقُوۡلُوۡنَ کا مفہوم یہ ہے کہ جبتک تم صلوٰۃ میں کئے گئے وعدوں کی ذمہ داریوں کو نہیں جانتے کہ انہیں نبانا ہے، اُسوقت تک نماز کے قریب نہ جانا۔ صلوٰۃ (نماز) محض نام نہاد ثواب کے حصول کا ذریعہ نہیں، بلکہ اصلاحی پروگرام کا اقرار نامہ ہے۔

سُکٰرٰی کا لغوی مفہوم

• سُکٰرٰی جمع ہے سُکۡرَانٌ اور سَکۡرَانَۃٌ کی۔ اِسکا سہ حرفی مادہ س۔ ک۔ ر = سکر ہے جسکا بنیادی معنی ہے عقل پر پردہ ڈالدینا یعنی ایسی بے خبری جو خبر ہوتے ہوئے عقل پر کسی خارجی اثر کی بدولت مسلط ہو جائے۔ مثلاً:۔

۱ کسی نشہ آور چیز کے خارجی اثر سے ایک اچھا بھلا سمجھدار اور باخبر آدمی، بے سمجھ اور بے خبر ہو کر رہ جاتا ہے۔ اُسے اتنی بھی خبر نہیں رہتی کہ کیا بک رہا ہے۔ کس سے مخاطب ہے۔ ماں باپ اُستاد تک کی عزت و حرمت اور ماں بہن تک کی عصمت سے بے خبر ہو جاتا ہے۔ ایسی نشہ آور چیزوں کی خبر قرآنِ کریم نے بالفاظ ذیل دی ہے:۔ وَ مِنۡ ثَمَرٰتِ النَّخِیۡلِ وَ الۡاَعۡنَابِ تَتَّخِذُوۡنَ مِنۡہُ سَکَرًا وَّ رِزۡقًا حَسَنًا ۱۶/۶۷ = اور تم کھجور اور انگور کے میووں سے نشہ آور مشروب بھی بناتے ہو اور انہیں رزق حسن کے طور پر بھی استعمال کرتے ہو۔

۲ دوسرے نمبر پر کسی شدید جسمانی تکلیف کے خارجی اثر سے جو بے ہوشی چھا جاتی ہے، اُسے بھی سکر کہا جاتا ہے۔ قرآن کریم میں نزع کے وقت کی بیہوشی کو جو نزع کی تکلیف کی بدولت وارد ہوتی ہے سَکۡرَۃُ الۡمَوۡتِ کہا گیا ہے ۵۰/۱۹

۳ تیسرے نمبر پر کسی اچانک شدید مصیبت کے وقت جب انسان کے اَوسان خطا ہو جاتے ہیں، قرآن کریم نے ایسی حالت کو بھی سکاری کی حالت کہا ہے۔ قیامت کی حاضری کے وقت جب لوگوں پر شدید پریشانی کا عالم ہوگا اُسوقت کے متعلق سورہ حج میں ارشاد ہوا: وَ تَرَی النَّاسَ سُکٰرٰی وَ مَا ہُمۡ بِسُکٰرٰی وَ لٰکِنَّ عَذَابَ اللّٰہِ شَدِیۡدٌ ۲۲/۲ = اور اے رسول! تو اُسوقت لوگوں کو مدہوش دیکھیگا اور وہ مدہوش نہیں ہونگے۔ ولیکن اللہ کا عذاب بہت سخت ہے (جس کی بدولت اُنکے اَوسان خطا ہو چکے ہونگے)۔

۴ چوتھے نمبر پر ایسی حالت میں کہ جس وقت انسان پر شہوانی جذبات کا غلبہ ہو جاتا، اور وہ فعل بد کے ارتکاب پر آمادہ ہو کر شرفِ انسانی تک سے بیخبر ہو چکتا ہے۔ قرآن کریم نے ایسی حالت کو بھی سُکر ہی کے لفظ سے بیان کیا ہے۔ چنانچہ حضرت لوطؑ کے پاس جب انکے مہمان آئے تو انکی قوم، حضرت کے مہمانوں سے خلاف فطرتی فعل کی غرض سے آ دھمکی تو اس قوم کی اس حالت کو بھی اللہ تعالٰی نے سُکر ہی کہا ہے۔ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝ ۱۵/۷۲ = بیشک وہ اپنے شہوانی جذبات کی مستی میں مدہوش تھے۔

اب غور فرمائیں

• آیاتِ بالا کی روشنی میں بالصراحت ثابت ہوا کہ سُکر اور سُکٰرٰی کا معنٰی صرف شراب یا کسی اور نشہ آور چیز کی مستی اور بیہوشی ہی نہیں، بلکہ اِسکا معنٰی ہر وہ مستی، بیہوشی اور بیخبری ہے، جو کسی خارجی چیز کے استعمال، کسی شدید جسمانی تکلیف۔ کسی شدید ذہنی کوفت اور کسی شدید جذبے کی بدولت پیدا ہوتی ہے۔

• نیز آیتِ سُکر زیر بحث ۴/۴۳ کے سیاق و سباق سے بصورت نصف النہار عیاں ہے کہ اس سے ماقبل بھی اصلاح معاشرہ کا تذکرہ ہے اور اسکے مابعد بھی آپ دیکھینگے کہ قانونِ الٰہی کی اطاعت کی تاکید کیگئی ہے۔ تو اسطرح چونکہ درمیان میں شراب کو وقتی طور پر حلال ٹھہرا کر، جیسا کہ کتب روایات میں آیا ہے کہ یہ آیت اُسوقت نازل ہوئی جب ابھی شراب حرام نہیں کیگئی تھی، نشہ شراب میں بدمستوں کو اجتناب صلوٰۃ کا ایسا حکم دینا جس کا شراب کی مستی میں بدمست افراد کو یاد رہنا بھی ممکن نہیں، شانِ باری کے صرف بعید ہی نہیں۔ بلکہ قرآن کریم کے ربط کو بھی مجروح کرنے کا موجب ہے۔ فلہذا اس آیت مجیدہ میں لفظ سُکٰرٰی کو نشہ شراب سے متعلق ٹھہرانا بھی غلط ہے اور اس آیت پر چسپاں کیا گیا یہ شانِ نزول بھی غلط بلکہ اللہ تعالٰی اور صحابہ کرام پر بہتان محض ہے کہ کسی دعوت میں صحابہؓ نے شراب نوشی کے بعد نشہ کی حالت میں معاذاللہ معاذاللہ ایک دوسرے پر دعوت کی پس خوردہ ہڈیاں اُچھالیں اور نماز میں جب نشہ کی حالت میں غلط قرآن خوانی کے مرتکب ہوتے تو اللہ تعالٰی نے شراب سے نہیں بلکہ نشہ شراب میں نماز کے نزدیک آنے سے روک دیا۔ اگر یہ شانِ نزول صحیح ہے تو اللہ تعالٰی نے شراب کو کیوں نہ حرام کر دیا؟

• برادرانِ عزیز! شراب شیطانی فعل ہے ۵/۹۰، جسے اللہ تعالٰی کی شریعت میں ابتدائے آفرینش سے لیکر آجتک کبھی ایک سیکنڈ کیلئے بھی حلال نہیں ٹھہرایا گیا۔ اور نہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے متعلق یہ تصور صحیح تسلیم کیا جاسکتا ہے کہ اُنہوں نے دائرۂ اسلام میں داخل ہونے کے بعد کبھی بھی شرابنوشی کی تھی، نشہ کی حالت میں ایکدوسرے پر ہڈیاں اچھالی تھیں یا وہ غلط قرآن خوانی جیسے جُرمِ عظیم کے مرتکب ہوئے تھے۔

اذکارِ صلوٰۃ کے معنے جاننا

• لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ کا ایک معنٰی یہ بھی لیا جاتا ہے کہ جبتک نمازی اذکارِ صلوٰۃ کے معنے نہ جانتا ہو، اُسوقت تک نماز کے قریب نہ جائے گذارش ہے کہ اذکارِ صلوٰۃ کے معنے جاننا تو نہایت ضروری امر ہے۔ لیکن آیتِ بالا سے یہ مفہوم اخذ نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ اس آیت کے اوّلین مخاطب صحابہ رضی اللہ عنہم تھے جن کی مادری زبان ہی عربی تھی۔ اسلئے وہ اذکارِ صلوٰۃ کے معنوں کو تو خوب خوب جانتے تھے لہذا اُنہیں یہ حکم دینا مطلقاً غلط ہے کہ اُسوقت تک نماز کے قریب نہ آنا جبتک اذکارِ نماز کے معنے نہ یاد کر لو۔

اجتماعاتِ صلوٰۃ کی غرض

• اللہ تعالٰی نے اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ۴/۱۰۳ کے الفاظ

میں ہر مومن پر صلوٰۃ موقّت فرض کر دی ہے اور نماز با جماعت کی تاکید یہاں تک فرمائی ہے کہ اگر تم میدانِ جنگ میں بھی ہو اور نماز باجماعت ادا کرنا ممکن نہ ہو مگر خطرہ ہے کہ دشمن نماز کی حالت میں حملہ کر دے تو آدھے آدھے ہو کر باجماعت نماز ادا کیا کرو۔ نماز کے وقتوں کا تعیّن بھی ذاتِ باری نے خود کر دیا ہے فجر۔ دلوک اور عشا ۱۱/۱۱۴ + ۷۸/۱۷۔ اور ظہر و عشا کے کاروباری وقتوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے فجر کی نماز کو خصوصیت کیساتھ مل کر ادا کرنے کی تاکید کی گئی ہے ۷۸/۱۷۔ کیونکہ فجر کے وقت ہر شخص عموماً گھر پر موجود ہوتا ہے اور اپنے حلقے کی مسجد کے اجتماع صلوٰۃ الفجر میں بآسانی شامل ہو سکتا ہے۔ لہذا روزانہ صلوٰۃ فجر کے اجتماع میں اُس حلقہ کے کسی بھی فرد کی رُکی ہوئی ضرورت کو جملہ افراد مل کر پُورا کر سکتے ہیں۔ یہ ہے اجتماعاتِ صلوٰۃ کی غرض، جس سے روزِ روشن کیطرح عیاں ہے کہ صلوٰۃ کی ادائیگی کی غرض کوئی نام نہاد حصولِ ثواب نہیں۔ بلکہ یہ رفاہِ عامہ کیلئے مومنوں کا ایک بنیادی اجتماع ہے۔ اور ہموار متوازن معاشرہ کے قیام و استحکام کا نقطۂ آغاز ہے۔ اور جب صلوٰۃ موقّت کی اساس پر ایسا متوازن معاشرہ قائم ہو جائے جسمیں کسی کی ضرورت صرف فجر کی نماز تک رُکی رہ سکتی ہو تو پھر ہر طرف ثواب ہی ثواب بکھرا پڑا ہوگا۔ ثواب کا لفظی معنٰی ہے فائدہ۔ ثَوَابَ الدُّنْیَا ــــ ثَوَابِ الْاٰخِرَۃِ ۳/۱۴۸ کے قرآنی الفاظ کے مطابق ثواب صرف قیامت کیساتھ وابستہ نہیں۔ قرآن کریم نے ایسے اعمال کا حکم دے رکھا ہے، جن کا ثواب (فائدہ) دنیا میں بھی ملتا ہے اور آخرت میں بھی ملیگا۔

زمانۂ رسالت کے اہلِ کتاب

• آیتِ بالا میں صلوٰۃ موقّت کی حقیقت عیاں کرنے اور طہارت سے متعلقہ مسائل کی وضاحت کے بعد اگلی آیت مجیدہ میں رُوئے سخن زمانۂ رسالت کے اہلِ کتاب کیطرف کیا گیا ہے جنہیں قرآن سے پہلے کتاب دی گئی تھی۔

اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ اُوْتُوْا نَصِیْبًا مِّنَ
کیا نہیں غور کیا تو نے طرف اُن لوگوں کے کہ دیئے گئے حصہ میں سے
الْکِتٰبِ یَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَۃَ وَیُرِیْدُوْنَ اَنْ
کتاب کے۔ وہ خریدتے ہیں گمراہی اور ارادہ کرتے ہیں کہ
تَضِلُّوا السَّبِیْلَ ۝ ۴۴
تم بھی بھٹک جاؤ راہ سے

(اے رسُول!) کیا آپنے اُن لوگوں پر غور نہیں کیا (یعنی آپکو اُن لوگوں پر غور کرنا چاہیئے) جو دیئے گئے ہیں حصہ ہماری کتاب (توراۃ، انجیل وغیرہ۔ اُنکی حالت یہ ہے کہ) وہ گمراہی خریدتے ہیں۔ اور ارادہ کرتے ہیں کہ (ایمان والو!) تم بھی سب (اُن کا کہا مان کر اُن کیطرح) سیدھے راستے سے گمراہ ہو جاؤ۔

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِاَعْدَآئِکُمْ ؕ وَکَفٰی بِاللّٰہِ
اور اللہ خوب جانتا ہے ساتھ دشمنوں تمہاروں کے! اور کافی ہے اللہ
وَلِیًّا ۫ وَّکَفٰی بِاللّٰہِ نَصِیْرًا ۝ ۴۵
کارساز اور کافی ہے اللہ مددگار

اور (ایمان والو! جان لو کہ یہ اہلِ کتاب تمہارے دشمن ہیں) اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کو اچھی طرح جانتا ہے۔ اور (تم اُن سے کسی بھی بھلائی کی امید نہ رکھنا) اللہ تعالیٰ کافی ہے تمہارا کارساز بھی اور کافی ہے تمہارا مددگار بھی۔

• اُوپر والی دو آیتوں میں چونکہ اہلِ کتاب کی دشمنی کا ذکر آیا ہے۔ اسلئے ساتھ ہی اگلی آیت مجیدہ میں زمانۂ رسالت کے یہودیوں کی اُس مخصوص گستاخی کا ذکر کر دیا گیا ہے۔ جو وہ حضورِ رسالتمآب میں کیا کرتے تھے۔ وہ قرآن مجید سننے کے بعد فوراً نافرمانی کا اعلان

کر دیتے، اور جب آنحضورؐ کو مخاطب کرتے تو زبانوں کو پیچ دیکر راعنا کے لفظ بمعنی ہماری رعایت کیجئے، کو آنحضورؐ کی تحقیر کیلئے رَاعِیْنَا کہا کرتے تھے بمعنی ہمارا گڈریا۔ العیاذ باللہ۔ سورہ بقرہ آئت نمبر ۱۰۴ میں بھی یہ عنوان گزر چکا ہے، جس میں مومنوں کو کہا گیا ہے کہ تم رَاعِنَا مت کہا کرو، تاکہ زبان کے پیچ کا احتمال ہی ختم ہو جائے۔ تم آنحضورؐ کو اُنْظُرْنَا کہا کرو بمعنی ہماری طرف بھی نظر عنائت فرمایئے تفصیل کیلئے تفسیر القرآن بالقرآن جلد اوّل میں آئت مجیدہ ۲/۱۰۴ ملاحظہ فرمائیں سلسلۂ درس کی آئت ذیل میں اِس عنوان کو باندازِ ذیل بیان کیا گیا ہے :-

مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ
میں سے اُن لوگوں کے جو یہودی ہوئے بدل دیتے ہیں کلام کو سے

مَّوَاضِعِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ
مقام اُسکے، اور کہتے ہیں سُنا ہمنے اور نہ مانا ہم نے اور سُن

غَيْرَ مُسْمَعٍ وَّرَاعِنَا لَيًّۢا بِاَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا
نہ سُنایا گیا، اور (کہتے ہیں) راعنا پیچ دیکر ساتھ زبانوں اپنی کے اور طعن

فِی الدِّيْنِ ۭ وَلَوْ اَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا
بیچ دین کے۔ اور اگر بیشک وہ کہتے سُنا ہمنے اور اطاعت کی ہم نے

وَاسْمَعْ وَانْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَقْوَمَ ۙ
اور سُنیئے اور دیکھئے ہمیں البتہ ہوتا اچھا واسطے اُن کے اور بہت درست۔

وَلٰكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ
ولیکن بیزار ہوا اُن سے اللہ بوجہ کفر اُنکے۔ پس نہیں وہ ایمان لاتے

اِلَّا قَلِيْلًا ۝ ۴۶
مگر تھوڑا

(اہلِ کتاب میں سے) وہ لوگ جو یہودی کہلاتے ہیں اُن میں سے بعض ایسے ہیں جو اللہ کے کلام کو (شرارت کیساتھ) بدل ڈالتے ہیں اُسکے اصل مقام سے۔ اور (رسُولِ مقبول سے مخاطب ہو کر) کہتے ہیں کہ ہمنے (آپکا پیغام) سُن لیا ہے اور نافرمانی کی ہے۔ اور کہتے ہیں کہ تُو سُن (ہماری بات)۔ نہ ہو تُو سُنایا گیا۔ اور کہتے ہیں (آنحضورؐ کو) رَاعِنَا اپنی زبانوں کے پیچ کیساتھ۔ اور طعن دیتے ہیں (آپ کو) دین میں۔ اور اگر ایسا ہوتا کہ وہ (سُنا ہمنے اور نافرمانی کی ہم نے کی بجائے یہ) کہتے کہ سُنا ہمنے اور اطاعت کی ہمنے۔ اور کہتے کہ آپ سُنیئے اور ہماری طرف نظر (کرم) فرمایئے۔ تو یہ اُن کے لئے اچھا ہوتا اور بڑھکر درست ہوتا۔

ولیکن چونکہ انہوں نے کفر کیا، (اسلئے) اللہ تعالیٰ اُنکے کفر کی بدولت اُن سے بیزار ہو گیا۔ پس (ایسے گستاخ لوگ) نہیں ایمان لاتے مگر بہت تھوڑا۔ (یعنی جس مسئلے کی اُنکے مفاد پر زد نہیں پڑتی اُسے مانتے ہیں اور باقی سب کا انکار کر دیتے ہیں)۔

● اِس سے اگلی آئت مجیدہ میں اہلِ کتاب کو براہِ راست مخاطب کر کے اُنکے بزرگوں کی کرتوتیں بھی یاد دلائی گئی ہیں اور نصائح بھی کیگئی ہیں :-

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا
اے وہ لوگو! جو دیئے گئے ہو کتاب ایمان لاؤ ساتھ اُسکے جو

نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ
اُتارا ہمنے سچا کرنیوالا واسطے اُسکے جو ہے پاس تمہارے پہلے اسکے کہ ہم مٹا دیں

اے وہ لوگو! جو (قرآن سے پہلے) کتاب دیئے گئے ہو۔ (جس طرح تم سابقہ کُتب پر ایمان لائے ہو اُسیطرح) اس کتاب پر بھی ایمان لاؤ جو ہم نے نازل فرمائی ہے۔ تصدیق کرنیوالی ہے اُس (غیر محرف کتب کی) جو تمہارے پاس تھی۔ اُس وقت سے پہلے (ایمان

وُجُوْهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰۤى اَدْبَارِهَاۤ اَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا
چہرے۔ پھر ہم لوٹا دیں اُنہیں اُن کی پیٹھوں کی طرف یا بیزار ہوں ہم اُن سے جیسے
لَعَنَّاۤ اَصْحٰبَ السَّبْتِ ؕ وَ كَانَ اَمْرُ اللّٰهِ
بیزار ہوئے ہم والوں دن آرام کے۔ اور ہے حکم اللہ کا
مَفْعُوْلًا ۝ ۴/۷
کیا ہوا۔ ہوا

(ان) جب ہم تمہارے وجیہ افراد (سرداروں) کو ذلیل کر دیں ؎۳۔ پھر ہم اُنہیں (شکست دیکر) اُلٹے پاؤں لوٹا دیں۔ اور اُن سے ہم اُسیطرح بیزار ہو جائیں جسطرح ہم (تمہارے اسلاف) یوم سبت کے سلسلے میں نافرمانی کرنیوالوں سے بیزار ہو گئے تھے ۲/۶۵۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ کا حکم نافذ ہوا ہوا ہی ہے۔ (یعنی اللہ تعالیٰ کا معین سرقانون انسانی اعمال کا نتیجہ برآمد کرکے ہی رہتا ہے)

• ؎۱ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ کا معنیٰ یُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ کے مطابق یہ ہے کہ قرآن کریم اُس غیر محرف کتاب کی تصدیق کرتا جو تمہارے پاس تھی جسمیں تم نے من مانی تحریف کر لی ہے۔ اِس پر موجودہ تورات شاہد ہے کہ یہ محرف ہے۔ اصلی نہیں ہے۔

• ؎۲ وُجُوْهًا کا سہ حرفی مادہ و۔ج۔ہ = وجہ ہے۔ اِسکا لفظی معنیٰ ہے چہرہ۔ اور مجازی معنے ہیں، عزت والا یا وجاہت فرد۔ سردار۔ یہاں وُجُوْهًا سے مراد اہل کتاب کے وہ سردار ہیں جو اپنی قوم کو قرآن کریم کیطرف آنے نہیں دیتے تھے۔ اُنہی کے متعلق سورہ آل عمران میں خبر دیگئی ہے کہ وہ قوم کو کہتے تھے کہ اس قرآن پر دن کے پہلے حصے میں ایمان لایا کرو اور پچھلے حصے میں انکار کر دیا کرو تاکہ جو لوگ اِس پر ایمان لائے ہیں وہ بھی لوٹ آئیں :- وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِیْۤ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَ اكْفُرُوْۤا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ۝ ۳/۷۲

• ؎۳ نَطْمِسَ کا سہ حرفی مادہ ط۔م۔س = طمس ہے۔ جسکا معنیٰ ہے ہلاک کرنا۔ ذلیل کرنا۔ نابینا کر دینا۔ نابینا آدمی کو طَمِیس کہتے ہیں۔ یہ مادہ لازم اور متعدی دونوں صورتوں میں مستعمل ہے۔ اِسکا ایک معنیٰ دفع دور ہونا بھی ہے۔ جیسے کہ لَا اَدْرِیْ اَیْنَ طَمَسَ کا معنیٰ ہے ہم میں نہیں جانتا کہ وہ کہاں دفع ہو گیا ہے۔

• ؎۴ یہاں اَوْ کا معنیٰ اور ہے۔ جیسے کہ ۲/۲۳۶ میں آیا ہے :- لَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِیْضَةً ۚۖ وَّ مَتِّعُوْهُنَّ ۚ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَ عَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ ۚ ۲/۲۳۶۔ کوئی حرج نہیں تم پر اگر تم بیویوں کو مس کرنے سے پہلے طلاق دو اور تم نے اُنکا مہر مقرر نہ کیا ہو۔ تو اُنہیں کچھ مال دیدو۔ زیادہ وسعت والے پر اُسکی وسعت کے مطابق فرض ہے۔ اور کم وسعت والے پر اُسکی وسعت کے مطابق فرض ہے۔ دیکھئے یہاں اَوْ کا معنیٰ یا لگ نہیں سکتا کہ تم مس سے پہلے طلاق دو، یا تم نے مہر نہ باندھا ہو، یہاں یا کا کوئی مقام نہیں۔

شرک معاف نہیں ہوگا

• سلسلۂ درس کی آیاتِ بالا میں چونکہ اہل کتاب کے سرداروں کے شرک کا تذکرہ آیا ہے کہ وہ اپنی خواہشوں کے مطابق اللہ کے کلام میں تحریف کر لیتے تھے، اِسطرح اللہ کے احکام میں اپنی خواہشات کو شامل کرنا شرک فی الحکم ہے۔ اور شرک خواہ کسی بھی قسم کا ہو، شرک فی الذات، شرک فی الصفات، شرک فی الحکم، اگلی آیت مجیدہ میں اعلان کیا گیا ہے کہ معاف نہیں ہوگا :-

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ
بیشک اللہ نہیں معاف کرتا کہ شرک کیا جائے ساتھ اُسکے اور
يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّشْرِكْ
معاف کرتا ہے جو ہو سوا اُسکے واسطے اُسکے جو خود چاہے اور جو شرک کرتا ہے
بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰٓى إِثْمًا عَظِيْمًا ۝ ۴۸
ساتھ اللہ کے پس بیشک اُس نے افترٰی کیا گناہ بڑا

بیشک اللہ تعالیٰ نہیں معاف کرتا یہ کہ شرک کیا جائے ساتھ اُسکے (اُسکی ذات صفات یا حکم میں ۱/۲۶ شرک بہت بڑا ظلم ہے ۱۳/۱۳) اور وہ معاف کرتا ہے سوائے اُسکے اس شخص کیلئے جو (توبہ کرکے اور آئندہ کیلئے اپنی اصلاح کرکے) خود چاہتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جو کوئی اللہ تعالیٰ کیساتھ شرک کرتا ہے تو بیشک وہ اللہ تعالیٰ کے ذمہ افترٰی باندھکر بہت بڑے گناہ کا مرتکب ہوتا ہے۔

۱ • اِسکا ایک موزوں مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا کہ اُسکے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا جائے سوائے اسکے کہ کوئی شخص کسی اور کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائے یا خود شراکت کرے جیسے کہ حضرت موسیٰ نے حضرت ہارون کے متعلق دعا کی تھی۔ أَشْرِكْهُ فِيْٓ أَمْرِيْ ۲۰/۳۲ ۔ اُسے میری مہم میں شریک کر۔

۲ • لِمَنْ يَّشَآءُ میں يَشَآءُ کا فاعل اللہ تعالیٰ نہیں کہ وہ کوئی بے اصول ہستی ہے جسے چاہتا ہے معاف کر دیتا ہے جسے نہیں چاہتا اُسے معاف نہیں کرتا۔ بلکہ اِسکا فاعل وہ ہے جو فرد شرک کرتا ہے۔ اب اگر وہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ توبہ کے قانون کے مطابق توبہ اور اصلاح کیساتھ اللہ تعالیٰ سے معافی کا طلبگار ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُسے معاف کر دیتا ہے۔ اور جو کوئی توبہ اور اصلاح نہیں کرتا، اللہ تعالیٰ اُسے ہرگز معاف نہیں کرتا۔

شرک کیوں ظلم عظیم ہے؟ • سورہ حج میں مشرک کے متعلق ارشاد ہوا ہے کہ جس نے اللہ کیساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا، اُسکی حالت یہ ہے کہ انسانیت کے بلند ترین مقام سے حیوانیت کے پست ترین مقام میں جا گرا۔

• وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ ۳۱/۲۲ = اور جو اللہ کیساتھ شرک کرتا ہے اُسکی مثال ایسی ہے کہ وہ آسمان سے گرتا ہے۔ پھر اُسے پرندے اُچک کرلے جاتے ہیں۔ یا ہوا اُسے کسی دُور جگہ میں پھینک دیتی ہے۔

• واضح رہے کہ مشرک کی حالت یہ ہوتی ہے کہ کبھی وہ سورج چاند ستاروں کو دیوتا مانتا ہے۔ کبھی گائے کی پوجا کرتا اور کبھی کسی گھوڑے کو زیور پہنا کر اُس سے مرادیں مانگتا ہوا پایا جاتا ہے۔ حالانکہ ارشادِ خداوندی ہے کہ کائنات کی ہر ایک چیز اِس انسان کی خدمت کیلئے پیدا کیگئی ہے :- وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ ۱۳/۴۵ ۔ اور (اے نوعِ انسانی!) آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے وہ سب کا سب تمہارے لئے مسخر کر دیا گیا ہے۔ سورج چاند ستارے گائے گھوڑا وغیرہ سب سے تم نے الگ الگ کام لینے ہیں۔ نہ کہ اُنہیں اپنا کارساز و حاجت روا مان کر اُنکی پوجا شروع کر دینی ہے۔ جس نے ایسا کیا وہ انسانیت کے بلند ترین مقام سے گر کر حیوانیت کے پست ترین مقام پر آگیا۔ اب اُسے خونخوار پرندے اُچک کرلئے جا رہے ہوتے، اور پیری مریدی کے پردے میں اُسکا گوشت نوچ نوچ کر کھا رہے ہوتے ہیں۔

• ایسا شخص ایک اللہ کی چوکھٹ چھوڑ کر، آستانوں، مزاروں اور درگاہوں وغیرہ کی غیر اللہ چوکھٹوں پر سرِ نیاز جھکا رہا ہوتا ہے

اور نتیجہ یہ کہ خواہ اسکے اپنے بچوں کو پیٹ بھر کھانا میسر نہ ہو، مگر اُسے آستانہ کی نیازوں، ششماہیوں اور سالانہ عُرسوں کے بوجھ تلے پستے ہی رہنا ہوتا ہے۔ نیز اگرچہ مُشرک ہزاروں لاکھوں روپوں کے خرچ سے بزعمِ خویش بڑے بڑے اعمالِ صالح بجا لا رہا ہوتا ہے۔ لیکن اُسکے عقیدۂ شرک کی بدولت اللہ تعالیٰ کے ہاں اُنکی کوئی قدر و قیمت نہیں ہوتی۔ اور نہ ہی قیامت کے دار البقاء میں ان اعمال کا کوئی اجر میسر آسکیگا۔

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں اُنہی لوگوں کا ذکر کیا گیا ہے جو یہ سمجھ کر کہ اُنکے مشائخ اُنکا تزکیہ کر کے اُنہیں پاک کر دیتے ہیں، اپنے آپکو اور اپنے مشائخ کو پاکیزہ ٹھہراتے ہیں لیکن ارشادِ باری یہ ہے کہ خود کو پاکیزہ کہنا پاکیزگی کی سند نہیں۔ بلکہ پاکیزہ وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ پاکیزہ ٹھہرائے۔ یہود و نصاریٰ کے موجودہ علماء و مشائخ کی مانند، زمانۂ رسالت کے یہود و نصاریٰ بھی اپنے آپکو پاکیزہ ٹھہراتے تھے۔ چنانچہ ارشاد ہوا ہے:۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۚ
کیا نہیں غور کیا تو نے طرف اُنکے جو پاکیزہ ٹھہراتے ہیں اپنے آپکو

بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ وَلَا يُظْلَمُوْنَ
بلکہ اللہ پاکیزہ ٹھہراتا ہے اُسے جو خود چاہتا ہے اور نہیں ظلم کئے جائینگے

فَتِيْلًا ۝ ۴۹
دھاگہ بھر

(اے رسول!) کیا آپنے اُن لوگوں پر غور نہیں کیا جو اپنے آپکو پاکیزہ ٹھہراتے ہیں (یعنی آپکو اُن پر غور کرنا چاہیئے کہ یہ شرک کی غلاظتوں میں غرق پاکیزہ ہرگز نہیں ہیں) بلکہ اللہ تعالیٰ اُنہیں پاکیزہ ٹھہراتا ہے جو خود درغیر اللہ کی غلاظتوں سے پاک ہونا چاہتے ہیں! درحقیقت یہ ہے کہ (اللہ کیطرف سے پاک ناپاک ٹھہرانے میں) اُن پر ذرہ بھر بھی ظلم نہیں کیا جائیگا۔

● اِس سے اگلی آیت میں ہے کہ یہود و نصاریٰ کے مشائخ نے اپنے آپکو پاکیزہ ٹھہرانے کی سند ذاتِ باری کیطرف منسوب کر کے اللہ تعالیٰ پر افترٰی باندھا ہوا تھا:۔

اُنْظُرْ كَيْفَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ۭ
غور کر کسطرح بہتان باندھتے ہیں اُوپر اللہ کے جھوٹ

وَكَفٰى بِهٖٓ اِثْمًا مُّبِيْنًا ۝ ۵۰ ع
اور کافی ہے ساتھ اُسکے گناہ ظاہر

(نیز) غور فرمایئے کہ یہ اللہ کی سند کیسا تھ اپنے آپکو پاکیزہ ٹھہرانیوالے کسطرح اللہ پر جھوٹ کا بہتان باندھتے ہیں (کہ اللہ ہی نے بزرگوں کو اپنی خدائی اور بے پرواہی سے حصّہ دیا ہے) حقیقت یہ ہے کہ (اللہ کے ہاں اُنکی ناپاکیزگی کیلئے) اُنکا یہ ظاہر گناہ ہی کافی ہے۔

● اِس سے اگلی آیت مجیدہ میں اہلِ کتاب کے ایسے ہی بہتانات کی خبر دیگئی ہے جو اُنہوں نے اللہ کے ذمہ لگا کر باطل پیشواؤں کو خدائی اختیارات سونپ رکھے تھے:۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ
کیا نہیں غور کیا تو نے طرف اُن لوگوں کی جو دیئے گئے حصّہ میں کتاب سے

يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَيَقُوْلُوْنَ
ایمان لاتے ہیں ساتھ باطل پیشواؤں یعنی حدود شکنوں کے اور کہتے ہیں

(نیز) کیا آپنے اُن لوگوں پر غور نہیں کیا جنہیں کتاب سے حصّہ دیا گیا ہے (تورات انجیل۔ آپ کو اُن پر غور کرنا چاہیئے کہ) وہ ایمان لاتے ہیں اپنے باطل پیشواؤں یعنی اُن پر جو اللہ تعالیٰ کی معین کردہ حدیں توڑنیوالے ہیں۔ اور وہ اُن لوگوں کے متعلق جنہوں نے

لِلَّذِیْنَ كَفَرُوْا هٰۤؤُلَآءِ اَهْدٰی مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سَبِیْلًا ۝۵۱

متعلق اُنکے جو کافر ہُوئے، یہ ہیں زیادہ ہدایت یافتہ اُن سے جو ایمان لائے ہیں راہ کی رُو سے

ضابطۂ خداوندی کا انکار کیا ہے، یہ کہتے ہیں کہ یہ لوگ اُن سے جو ایمان لائے ہیں، سیدھے راستے کی رُو سے زیادہ ہدایت یافتہ ہیں۔

• ملہ جبت کا معنی ہے بزرگوں کے بت نیز وہ چیز جس میں کوئی بھلائی نہ ہو۔ اس کا معنی سحر یعنی دھوکا بھی ہے۔ اب چونکہ اہل کتاب بت پرست تو تھے نہیں۔ اسلئے یہاں جبت سے مُراد وہ باطل پیشوا ہیں جو اسلاف کی بزرگی کے سہارے عوام کے پیشوا بنے ہُوئے تھے۔ جو بالکل سحر یعنی سراپا دھوکا ہی دھوکا تھے کہ وہ لوگوں کی مُرادیں پُوری کر سکتے ہیں یا لوگوں کو پاک کر سکتے ہیں۔ نیز وہ اس لحاظ سے بھی جبت تھے کہ اُن میں مطلقاً کوئی بھلائی نہیں تھی۔ بلکہ اُلٹے، وہ اپنے مُریدوں پر بوجھ بنے ہُوئے تھے۔

• ملہ یہ واؤ تفسیری ہے یعنی یعنی۔ تفصیل کیلئے تفسیر القرآن بالقرآن جلد اوّل کیساتھ منسلکہ دیباچہ کا صفحہ ۵۶ ملاحظہ فرمائیں۔

• ملہ طاغوت کا لفظ سہ حرفی مادہ ط۔غ۔ و۔ طغو سے ہے جس کا معنی ہے سرکشی کرنا۔ حدود سے تجاوز کرنا۔ حدود شکنی کرنا۔ اب چونکہ یہودیوں کے باطل پیشوا اللہ تعالیٰ کی حدّوں کو توڑ کر عوام کا بھائی اور عوامی خدمتگار بننے کی بجائے اُلٹے اُن پر بوجھ بنے ہُوئے تھے اسلئے اُنہیں طاغوت حدود شکن باطل پیشوا کہا گیا ہے۔ اور سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں اِن حدود شکنوں سے بیزاری کا اعلان کیا گیا ہے:۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ؕ وَ مَنْ یَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِیْرًا ۝۵۲

یہی وہ لوگ ہیں کہ بیزار ہُوا اُن سے اللہ۔ اور جس سے بیزار ہُوا اللہ پھر نہیں پائیگا تو واسطے اُسکے کوئی مددگار

یہی (اللہ تعالیٰ کی حدّیں توڑنیوالے) ہیں وہ لوگ، کہ اللہ اُن سے بیزار ہُوا۔ اور جو کوئی ایسا ہو کہ بیزار ہو گیا اُس سے اللہ۔ تو پھر (اے رسُول قیامت کی عدالتِ عالیہ میں) تُو اُسکے لئے ہرگز کوئی مددگار نہیں پائیگا۔

• اِس سے اگلی آیت مجیدہ میں یہودیوں کی تنگ نظری نمایاں کیگئی ہے کہ اگر انہیں حکومت میسّر آجائے تو یہودیوں کے سوا کسی کو بنیادی حقوق تک نہ دیں:۔

اَمْ لَهُمْ نَصِیْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَاِذًا لَّا یُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَقِیْرًا ۝۵۳

کیا واسطے اُنکے حصّہ ہے بیچ حکومت کے پھر اُسوقت نہ دیں ۔ لوگوں کو تل بھر بھی

(نیز غور فرمائیے!) کیا (اسوقت) ان (یہودیوں) کو حکومت میں سے کوئی حصّہ میسّر ہے؟ (ہرگز نہیں) پھر جب ایسا ہو تو یہ (اپنی قوم یہود کے سوا باقی) لوگوں کا (کوئی بنیادی حق) تل بھر بھی نہیں دینگے۔

• اِس سے اگلی آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ بنی اسرائیل (یہودی) اِس چیز پر حسد کرتے ہیں کہ بنی اسمٰعیلؑ کو کتاب اور حکومت کیوں دیگئی ہے۔ حالانکہ اِس سے پیشتر اِن کے بزرگوں بنی اسحٰقؑ کو کتاب بھی دیگئی تھی اور اُنہیں میں سے داؤدؑ سلیمانؑ کو حکومت بھی دیگئی تھی:۔

اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى مَآ اٰتٰهُمُ
کیا وہ حسد کرتے ہیں لوگوں کا اوپر اُسکے جو عطا کیا اُنہیں
اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ
اللہ نے، بیچ سے فضل اپنے۔ پس تحقیق دی ہمنے آل ابراہیم کو
الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا ۵۴
کتاب و حکمت اور دی ہم نے اُن کو سلطنت بڑی

کیا یہ (بنی اسرائیل یہودی)، لوگوں (یعنی بنی اسماعیل) کا حسد کرتے ہیں (اُس کتاب اور سلطنت) پر جو اللہ نے دی انہیں اپنے فضل سے۔ پس بیشک (اس سے پہلے) ہم نے آل ابراہیم (بنی اسحاق) کو کو دی تھی، کتاب بھی اور حکمت بھی۔ اور ہمنے انہیں (یعنی اُنہی کے افراد داؤد، سلیمان اور ذو القرنین) کو ایک عظیم سلطنت بھی عطا فرمائی تھی ؎۱

● ؎۱ سابقہ انبیاء میں سے بہت سے نبیوں نے باقاعدہ حکومت الٰہیہ قائم کی تھی۔ جیسے کہ حضرت نوحؑ نے طوفان اُترنے کے بعد جو اپنے کشتی والے افراد پر مشتمل بستی بسائی وُہ یقیناً حکومت الٰہیہ کی بنیادوں پر قائم تھی۔ اور حضرات ہودؑ اور صالحؑ کی قوموں کی تباہی کے بعد جو نظام ان حضرات نے قائم کیا، یقیناً وہ بھی حکومت الٰہیہ کا مظہر تھا۔ اسیطرح حضرات موسیٰؑ، داؤدؑ، سلیمانؑ اور ذو القرنین جو آل ابراہیمؑ سے تھے اُنکی قائم کردہ سلطنتوں میں بھی اقتدار اعلیٰ اللہ کی کتاب ہی کو حاصل تھا۔ اسیطرح بنی اسرائیل کو حضرت موسیٰؑ کی مساعی جمیلہ کی بدولت جو حکومت میسر آئی، اُسے تو یہودیوں نے اپنی بداعمالیوں کی بدولت ضائع کر دیا۔ اور جب اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیحؑ کے بعد سلسلۂ نبوت بنی اسحاق کی بجائے بنی اسماعیل کے فرد محترم رسول عربیؐ کی طرف منتقل فرمایا۔ اور جب ایک طویل جدوجہد کے بعد آنحضورؐ نے قرآنی حکومت قائم فرمائی تو یہودیوں نے حسد کرنا شروع کر دیا کہ بنی اسحاق کی بجائے بنی اسماعیل کو نبوت و حکومت کیوں عطا کیگئی ہے۔ چنانچہ سابقہ آیت میں یہودیوں کے حسد اور اس خبر کے بعد کہ اس سے پہلے آل ابراہیمؑ میں سے بنی اسحاق کو نبوت و حکومت عطا کیگئی تھی، اگلی آیت میں بتایا گیا ہے کہ اُنہی میں سے یعنی آل ابراہیم کی شاخ آل اسحاق میں بعض لوگ آنحضورؐ اور قرآن کریم پر ایمان لے آئے ہیں اور بعض رُک گئے ہیں:۔

فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ
پھر بیچ سے اُنکے ہیں جو ایمان لائے ساتھ اُسکے اور بیچ اُنکے ہیں جو
صَدَّ عَنْهُ ۚ وَكَفٰى بِجَهَنَّمَ سَعِيْرًا ۵۵
رُک گئے اس سے، اور کافی ہے شکست جلانے کی رُو سے

پھر اُن (آل ابراہیم و آل اسحٰق، یہودیوں) میں سے وہ بھی ہیں جو اس (قرآن) کیساتھ ایمان لائے ہیں اور اُن میں سے وہ بھی ہیں جو اس سے رُک گئے ہیں۔ (انکار کر دیا ہے) اور (انکار کرنیوالوں) کیلئے جلانے کی رُو سے شکست کی آگ کافی ہے ؎۱۔

● ؎۱ لفظ جہنم کا سہ حرفی مادہ بعض لغتوں میں ج۔ ھ۔ م = جہم ہے جس کا معنی ہے تیوری چڑھانا۔ بُرا منہ بنانا۔ اب چونکہ ماقبل آیات کریمات میں یہودیوں کے حسد کا ذکر کیا گیا ہے، اور حسد سے بغض و عداوت کا اجراء ہوتا ہے۔ اسلئے ظاہر ہے کہ یہاں یہودیوں کی شکست کی خبر دیگئی ہے، جسکا لازمی نتیجہ تیوری چڑھانا، بُرا منہ بنانا اور جل بھن کر راکھ ہو جانا ہے۔ جیسے کہ سورہ احزاب میں اہل کتاب کی شکست فاش کی خبر دیگئی ہے:۔ وَاَنْزَلَ الَّذِيْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ صَيَاصِيْهِمْ وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ وَتَاْسِرُوْنَ فَرِيْقًا ۝ ۳۳/۲۶ = اور جن اہل کتاب (یہودیوں) نے تمہارے دشمنوں کی مدد کی۔ اللہ نے انہیں اُن کے پہاڑی قلعوں سے اُتار لیا اور اُنکے ذہنوں میں تمہارا رعب ڈالدیا۔ بعض کو تم نے قتل کر دیا اور بعض کو قید کر لیا۔ بعض لغتوں نے جہنم کا

لفظ عبرانی کے الفاظ جی صنوم کا مرکب بتایا ہے جو علاقہ فلسطین میں ایک وادی ہے، جہاں قدیم زمانہ میں بتوں کے سامنے انسانی قربانی آگ میں جلائی جاتی تھی۔ اسطرح جہنم کا معنی وہ مقام ہوا جہاں انسانیت جل رہی ہو۔ قرآن کریم نے جہنم کا لفظ قید خانے کے طور پر استعمال کیا ہے:۔ وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ حَصِيْرًا ؁ ۱۷/۸ اور ہم نے جہنم کو (یعنی جہنمی معاشرہ کو، جسمیں انسانیت جل رہی ہوتی ہے) ایک قید خانہ پایا ہے۔ یہ تو ہوئے لفظ جہنم کے مختلف قرآنی معنے جن میں جلنے جھلسنے کا تصور دیا گیا ہے۔ مگر:۔

● آیت بالا ۴/۵۵ میں مراد وہ شکست فاش ہے جو مذکورہ بالا آیت مجیدہ ۳۳/۲۶ کے مطابق یہودیوں کو آنحضورؐ اور صحابہؓ کے ہاتھوں نصیب ہوئی جسمیں انہیں اپنے پہاڑی قلعے چھوڑ کر صحابہؓ کے بالمقابل آنا پڑا۔ اور انکے افراد قتل بھی ہوئے اور قید بھی ہوئے۔ اور اُن کی پوری کی پوری طاقت ختم ہوگئی۔ جہنم بمعنی شکست ۳/۱۲ کی تفسیر میں پیچھے گزر چکا ہے۔

● اس سے اگلی آیت مجیدہ میں اُن تمام لوگوں کی شکست کی خبر دیگئی ہے، جو آنحضورؐ کی زندگی میں ضابطۂ خداوندی کا انکار کرنیوالے تھے:۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا سَوْفَ بیشک جو لوگ انکار کریں ساتھ آیتوں ہماری کے ضرور	بیشک جو لوگ ہماری آیتوں کا انکار کریں ضرور ہم جلائینگے انہیں شکست کی آگ میں۔[۱] جب ختم[۲] ہوجائینگی قوتیں[۳] اُن کی تو،
نُصْلِيْهِمْ نَارًا ۭ كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُھُمْ ہم جلائینگے انہیں آگ میں۔ جب گل جائینگی جلدیں اُن کی،	
بَدَّلْنٰھُمْ جُلُوْدًا غَيْرَھَا لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ ۭ بدل دینگے ہم انہیں جلد کی رُو سے سوائے اسکے تاکہ چکھیں عذاب،	بدل دینگے ہم اُن کو قوت کے لحاظ سے بجائے سابقہ قوتوں کے۔ تاکہ وہ (ہر بار شکست) کے عذاب کا مزہ چکھیں۔ (تاآنکہ اِس غالب حکمت کیساتھ اُن کی پوری فوجی طاقت ختم ہوجائے)
اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ؀ ۵۶ الربع بیشک اللہ ہے غالب حکمت والا	بیشک اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے۔

● [۱] یہاں نار کا معنی حقیقی آگ نہیں جسطرح كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ ۵/۶۴ میں جنگ کو آگ کہا گیا ہے اسطرح سیاقِ کلام کے مطابق جنگ میں یہودیوں کے شکست کھا جانے کو بھی آگ کا عذاب کہا گیا ہے۔

● [۲] نَضِجَتْ کا لفظ مادہ ن-ض-ج = نضج سے ہے جس کا بنیادی معنی ہے گل جانا۔ سڑ جانا۔ ختم ہو جانا۔

● [۳] جُلُوْدُ جِلد کی جمع ہے جو مادہ ج-ل-د = جلد سے ہے۔ جسکے بنیادی معنے ہیں کھال، جِلد، قوت۔ جَلُدَ ماضی کا معنی ہے وہ صاحب قوت ہُوا۔ اسطرح كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُھُمْ کا معنی ہے کہ جب انکی سابقہ جمع کی ہوئی فوجی قوتیں ختم ہوجائینگی تو بَدَّلْنٰھُمْ جُلُوْدًا تو ہم پلٹینگے انہیں بدلے ہوئے قوت کے لحاظ سے غَيْرَھَا، سابقہ قوتوں کی بجائے یعنی وہ ایک مرتبہ شکست کھانے کے بعد پھر نئی قوت پیدا کرکے مقابلے پر آئینگے اور ہر بار شکست کی آگ کا عذاب چکھینگے۔ تاآنکہ انکی جُلُود، تمام قوتیں پوری طرح ختم ہوجائینگی اور وہ شکست فاش کے عذاب کا مزہ چکھ لینگے۔

● یہ تو ہوگا اہل کتاب کے اُن لوگوں کا انجام جو ضابطۂ الٰہی کا انکار کرکے بالمقابل بنینگے۔ اِس سے اگلی آیت مجیدہ میں

اہل کتاب کے اُن لوگوں کا ذکر ہے جو ایمان لاکر مومنوں کی جماعت میں شامل ہو جائینگے ۲۸/۵۷ ۔ وہ جنتی معاشرہ کی خوشگواریوں میں ہونگے :-

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

اور جو لوگ ایمان لائیں اور عمل کریں اصلاح والے

سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ

ضرور ہم داخل کرینگے اُنکو باغوں میں چلتی ہونگی جن کے نیچے اُنکے نہریں

خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ لَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۡ

رہنے والے بیچ اُنکے ہمیشہ واسطے اُنکے بیچ اُنکے ساتھی ہونگے پاکیزہ

وَّنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيْلًا ۵۷

اور ہم داخل کرینگے اُنکو سایوں گھنے میں

اور (اہل کتاب میں سے) جو لوگ ضابطۂ الٰہی پر ایمان لائینگے اور اصلاح والے عمل کیا کرینگے۔ ہم ضرور اُنہیں (جنتی معاشرہ) ایسے سدا بہار باغوں میں داخل کرینگے، (جن کے خشک ہونے کا خطرہ ہی نہ ہوگا) اُنکی سطح میں نہریں بہتی ہونگی۔ (اس میں ہمیشہ رہنے والے ہونگے (اُس معاشرہ کا دفاع اتنا مضبوط کہ کوئی دشمن اُنہیں گھروں سے نکال نہ سکیگا) اُس میں اُنکے ساتھی سب پاکیزہ ہونگے۔ (سب ذاتی مفاد کی غلاظت سے پاک ہونگے) اور ہم اُنہیں گھنے سایوں میں داخل کرینگے۔ (جہاں کوئی جسمانی اور ذہنی جلن ہوگی)

کوئی نااہل و رشوت خور عامل اور جج عوام پر مسلط نہ کیا جائے

• یہ ہے قرآنی معاشرہ کی تعریف پیچھے متعدد مقامات پر جنت کی تعریف ۲۰/۱۱۸-۱۱۹ کے حوالے سے گزر چکی ہے کہ جنت وہ ہے جس میں کوئی بھوکا ہو نہ ننگا، نہ کوئی بے علاج ہو نہ بے مکان۔ اس سے اگلی آیت مجیدہ میں ایسی جنت (قرآنی معاشرہ) سے متعلق ایک ضروری حکم دیا گیا ہے کہ عوام پر نہ کوئی نااہل رشوت خور سرکاری کارندہ اور نہ رشوت خور قاضی (جج) مسلط کیا جائے :-

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ

بیشک اللہ حکم دیتا ہے تمہیں کہ دیا کرو امانتیں

اِلٰٓى اَهْلِهَا ۙ وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ

طرف اہل اُن کے، اور جب تم کوئی فیصلہ کرو درمیان لوگوں کے

اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ

یہ کہ تم فیصلہ کرو ساتھ عدل کے بیشک اللہ اچھی نصیحت کرتا ہے تمکو

بِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًۢا بَصِيْرًا ۵۸

ساتھ اُسکے بیشک اللہ ہے سننے والا دیکھنے والا

(ایمان والو!) بیشک اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں (اگر وہ مال ہے تو مال کے) مالکوں کو دو۔ (اور اگر وہ ملازمتیں یا عہدے یعنی قومی امانتیں ہیں) تو اُنکے اہل افراد کو دیا کرو۔ (نااہل عمّال کو عوام پر مسلط نہ کرنا[۱]) اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلے کرو تو عدل کیساتھ فیصلے کرنا[۲]۔ بیشک اللہ تعالیٰ تمہیں اچھی نصیحت کرتا ہے[۳] (تاکہ تمہارا معاشرہ عدم توازن سے بچا رہے) بیشک اللہ تعالیٰ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔ (یعنی جو کچھ تم علیحدگی میں کہتے ہو اُسے سنتا ہے اور جو تم عمل کرتے ہو اُسے دیکھتا ہے)۔

• ۱-۲-۳ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا اور تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ کے ربط و وصل سے ثابت ہے کہ نااہل عمّال اور نااہل ججوں قاضیوں کے تقرر سے منع کیا گیا ہے اور اسے ایک عمدہ نصیحت کا نام دیا گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ قانون کی حاکمیت وہاں ہی قائم ہوتی ہے جہاں حکومت کے عمّال اور قاضی رشوت سے پاک اور اپنے اپنے عہدے کے اہل ہوں۔

قرآنی حکومت کی اطاعت ہر فرد معاشرہ پر بارشادِ الٰہی فرض ہے۔

• اسطرح قرآنی ریاست کے قیام کے سلسلے میں نااہل عمال اور نا اہل قاضیوں سے بچنے کی تاکید کے بعد اگلی آیت مجیدہ میں قرآنی حکومت کی اطاعت اسطرح فرض کیگئی ہے، کہ جو حکومت رسولِ اکرم نے قرآنی اساس پر قائم فرمائی تھی۔ اُسکی اطاعت اَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ کے حکم میں فرض کیگئی ہے۔ اِس جملے کا لفظی معنیٰ ہے "اللہ کی اطاعت کرو اور اُسکے رسول کی اطاعت کرو"۔ لیکن واضح رہے کہ ان معنوں کے مطابق الگ الگ دو حکم ماننے پڑتے ہیں یعنی اللہ کا حکم الگ ثابت ہوتا ہے اور رسول کا حکم الگ۔ حالانکہ دو حاکم اور دو حکم ماننا قرآن کریم کی محکم آیات کے خلاف ہے:۔

• اِنِ الۡحُکۡمُ اِلَّا لِلّٰہِ ۶/۵۷ ۔ ۱۲/۴۰ ۔ ۱۲/۶۷ میں نفی اثبات کے حصر اور سہ گانہ تکرار تاکیدی کیساتھ کہا گیا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی اور حاکم ہے ہی نہیں۔ نیز فرمایا:۔

• لَا یُشۡرِکُ فِیۡ حُکۡمِہٖۤ اَحَدًا ۱۸/۲۶ = اللہ تعالیٰ اپنے حکم میں کسی ایک کو بھی شریک نہیں کرتا۔ ان محکم آیات کریمات کے مطابق جملہ اَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ کا یہ ترجمہ مطلقاً غلط ہے کہ اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو اُسکے رسول کی۔ بلکہ اِس جملے میں جلی لکھی گئی واؤ کا معنیٰ ہے **بذریعہ**۔ جیسے کہ:۔

• بَرَآءَۃٌ مِّنَ اللّٰہِ وَ رَسُوۡلِہٖۤ اِلَی الَّذِیۡنَ عٰہَدۡتُّمۡ مِّنَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ ؕ فَسِیۡحُوۡا فِی الۡاَرۡضِ اَرۡبَعَۃَ اَشۡہُرٍ ۹/۱-۲، فَاِذَا انۡسَلَخَ الۡاَشۡہُرُ الۡحُرُمُ فَاقۡتُلُوا الۡمُشۡرِکِیۡنَ حَیۡثُ وَجَدۡتُّمُوۡہُمۡ وَ خُذُوۡہُمۡ وَ احۡصُرُوۡہُمۡ وَ اقۡعُدُوۡا لَہُمۡ کُلَّ مَرۡصَدٍ ۹/۵ = بیزاری ہے اللہ کی **بذریعہ** اپنے رسول کے اُن لوگوں سے جن کیساتھ تم نے مشرکوں میں سے عہد کیا تھا۔ (اور اعلان و فیصلہ ہے اللہ کا بذریعہ اپنے رسول کے کہ اے مشرکو!) تم زمین میں چار مہینے حرمت والے چل پھر لو ۹/۱-۲ پھر جب (چار) مہینے حرمت والے گزر جائیں تو اے مومنو! ان وعدہ شکن مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کرو۔ اور گرفتار کرلو۔ اور انہیں گھیرلو۔ اور اُنکی گھات میں ہر جگہ بیٹھو۔ اِن آیات کریمات میں مُشرکوں کو اللہ اور رسول کیطرف سے الگ الگ دو مہلتیں نہیں دی گئیں۔ بلکہ چار مہینے کی ایک ہی مہلت ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے ذریعہ دی تھی۔ اسیطرح آیت ذیل میں بھی جلی لکھی ہوئی واؤ بمعنی بذریعہ آئی ہے:۔

• وَ اَذَانٌ مِّنَ اللّٰہِ وَ رَسُوۡلِہٖۤ اِلَی النَّاسِ یَوۡمَ الۡحَجِّ الۡاَکۡبَرِ اَنَّ اللّٰہَ بَرِیۡٓءٌ مِّنَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ ۬ۙ وَ رَسُوۡلُہٗ ۹/۳ = اعلان ہے اللہ کا اپنے رسول کے **ذریعہ** حج اکبر کے دن کہ بیشک اللہ اپنے رسول کے ذریعہ مشرکوں سے بیزاری کا اعلان کرتا ہے دیکھئے! اِس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ نے مشرکوں سے بیزاری کا اعلان اپنے رسول کے ذریعہ کروایا ہے۔ جیسے کہ اظہر من الشمس ہے کہ یہ اللہ اور رسول کے دو اعلان نہیں تھے، بلکہ ایک ہی اعلان تھا، جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے ذریعہ کروایا تھا کہ اللہ مُشرکوں سے بیزار ہے۔ اور اُسکا رسول بھی چونکہ اللہ کا پُورا پُورا فرمانبردار ہے اِسلئے وہ بھی بحکم باری مُشرکوں سے بیزار ہے۔

• فلہذا جملہ اَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ سے نہ الگ الگ دو حاکم مراد ہیں، ورنہ الگ الگ دو حکم مقصود ہیں۔ بلکہ مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو جو اُس نے اپنے رسول کے ذریعہ تم پر فرض کی! اسی چیز کو آیت ذیل میں نمایاں کیا گیا ہے

• مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۔ ۸۰/۴ = جس نے اللہ کے رسول کی اطاعت کی اُس نے اللہ ہی کی اطاعت کی۔ کیونکہ اللہ نے اپنی اطاعت اپنے رسول ہی کے ذریعہ کرنے کا حکم دیا ہے۔ یعنی جو ضابطہ اللہ کا رسول لایا ہے تم اُس سے سرِمُو تجاوز نہ کرنا۔ رسول کا معنی ہے پیغام لانیوالا۔ پیغام کے بغیر رسول نہیں ہو سکتا۔ نیز اگر پیغام لانیوالا، پیغام سے الگ ہو جائے تو رسول نہیں رہتا۔ یہ مسئلہ چونکہ شرک اور وحدت سے متعلق ہے۔ اسلئے اِسکا ذہن نشین کرنا بیحد ضروری ہے۔

• واضح رہے کہ رسولِ مقبول نے احکامِ الٰہیہ کے نفاذ کیلئے ایک باقاعدہ نظامِ مملکت قائم کر رکھا تھا۔ اِسلئے اگلی آئت مجیدہ میں جملہ اطیعوا اللہ واطیعوا الرَّسُوْلَ سے مراد آنحضور کا قائم کردہ وہ مرکزی نظام ہے جسمیں اقتدارِ اعلیٰ اللہ تعالیٰ کا تسلیم کیا گیا ہے، اور اولی الامر سے مراد ہیں سلطنت کے طول و عرض میں آنحضور (یعنی مرکزی اتھارٹی) کے قائم کردہ سرکاری عامل کارندے۔

• بہتر ہے کہ اگلی آئت مجیدہ پوری نقل کر کے اُسکا صحیح مقامی مفہوم واضح ہو جائے۔

اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ کیلئے ضمیر تثنیہ کی بجائے ضمیر واحد کا وُرود

مزید تسلی کیلئے قرآن کریم کے وہ مقام پیش کئے جاتے ہیں جہاں جملہ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ کے بعد ضمیر واحد لا کر اللہ تعالیٰ نے خود فیصلہ دیدیا ہے کہ اس جملے سے اللہ اور رسول کی الگ الگ دو اطاعتیں مراد نہیں بلکہ اطاعت صرف ایک۔ اکیلے اللہ تعالیٰ کی ہے:-

• اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ ۲۰/۸ = اُسکے بھیجے ہوئے رسول کے ذریعہ اکیلے اللہ کی اطاعت کرو اور اِس اکیلی اطاعت سے مُنہ نہ موڑنا۔ دیکھا آپنے! اگر اللہ اور رسول کی الگ الگ دو اطاعتیں ہوتیں تو یہاں ضمیر واحد وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ کی بجائے وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُمَا ضمیر تثنیہ آنی چاہیئے تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے ضمیر واحد لا کر فیصلہ کر دیا ہے کہ اطاعت اور حکم صرف ایک اللہ تعالیٰ کا ہے جسکا نفاذ اللہ نے اپنے رسول کے ذریعہ فرمایا ہے۔ نیز ملاحظہ فرمائیں کہ مزید متعدد مقامات پر تثنیہ کی بجائے ضمیر واحد لائی گئی ہے:-

• سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗ ۵۹/۹ — دیکھئے! یہاں بھی اللہ اور رسول کیلئے "فَضْلِهٖ" میں ضمیر واحد آئی ہے:- ۸
• اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ۷۴/۹ — " " " " " " " "فَضْلِهٖ" " " " " :- ۸
• وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ ۶۲/۹ — " " " " " " " " "يُرْضُوْهُ" " " " :- ۸

• واضح رہے کہ اِن تمام مقامات پر "اللہ اور رسول" کے الفاظ ایک قرآنی اِصطلاح کے طور پر آئے ہیں، اور اِس سے مراد اُس نظام کی مرکزی اتھارٹی ہے جو خود رسول اکرم نے، اللہ تعالیٰ کے اقتدارِ اعلیٰ کی بنیادوں پر قائم فرمایا تھا۔ اب ملاحظہ فرمائیں اگلی آئت مجیدہ، جسمیں اللہ اور رسول کی اصطلاح قرآنی نظام کی مرکزی اتھارٹی کیلئے آئی ہے۔ اور اولی الامر سے مراد مرکز کیطرف سے متعین کردہ عمال ہیں:-

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا
اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو
الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ
رسول کی اور صاحب امر کی جو تم میں سے تمہارے، پھر اگر تنازعہ کرو تم

اے وہ لوگو! جو (ہمارے نازل کردہ ضابطہ پر) ایمان لائے ہو اطاعت کرو اللہ کی بذریعہ اطاعت کرنے اُسکے رسول کے۔ اور اطاعت کرو (اُنکی جو) تم میں سے (تمہارے درمیان مرکز کیطرف سے) صاحب امر مقرر کئے گئے ہوں۔ پھر اگر تم (مرکز کے متعینہ اصحاب امر

فِیۡ شَیۡءٍ فَرُدُّوۡهُ اِلَی اللّٰهِ وَالرَّسُوۡلِ اِنۡ
بیچ کسی چیز کے تو لوٹا دو اسے طرف اللہ اور رسول کے اگر
كُنۡتُمۡ تُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ ؕ ذٰ لِكَ
ہو تم ایمان رکھتے ساتھ اللہ اور دن پچھلے کے۔ یہ ہے
خَيۡرٌ وَّاَحۡسَنُ تَاۡوِيۡلًا ۵۹ ع
اچھا اور متوازن لوٹانے کی رُو سے

سرکاری عاملوں سے کسی معاملہ میں تنازعہ کرو (یعنی اگر تمہیں عاملوں یا قاضیوں کا کوئی فیصلہ نا منظور ہو) تو اس متنازعہ معاملے کو لوٹا دو اللہ و رسول کیطرف (یعنی اُس مرکز کیطرف جو اللہ نے خود اپنے رسول کے ذریعہ قائم کیا ہے) بشرطیکہ تم ایمان رکھتے ہو اللہ اور دن پچھلے پر۔ یہ (اولی الامر کے تنازعوں کو مرکز کیطرف لوٹا کر، مرکز میں اپیل کر کے مرکز سے فیصلے کرانا) متنازعہ معاملوں کو لوٹانے کی رُو سے بہتر بھی ہے اور متوازن بھی ہے۔

• عله اُولِی الۡاَمۡرِ مِنۡكُمۡ کے الفاظ سے ثابت ہے سرکاری کارندے اور قاضی جج وغیرہ عوام میں سے ہی مقرر کئے جائینگے۔ یعنی جو عوام کے اپنے افراد اور عوام کے ہمدرد ہوں۔ عوام پر کسی اجنبی کو مسلط نہیں کیا جائیگا جسے عوام سے ہمدردی ہی نہ ہو۔

• عله فَاِنۡ تَنَازَعۡتُمۡ میں اُن تنازعوں کا تذکرہ ہے، جو مرکز کیطرف سے مقرر کردہ عمّال کے خلاف عوام کو پیدا ہوں۔ خواہ وہ عدلیہ، انتظامیہ، بجلی، پانی، زراعت، صنعت، ریل ڈاک وغیرہ کسی بھی محکمہ کے خلاف پیدا ہوں، انکے ازالہ کیلئے مرکز ہی کیطرف رجوع کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ واضح رہے کہ اس آیت سے پہلی آیت نمبر ۵۸ میں اَنۡ تُؤَدُّوا الۡاَمٰنٰتِ اِلٰۤى اَهۡلِهَا" وَاِذَا حَكَمۡتُمۡ بَيۡنَ النَّاسِ اَنۡ تَحۡكُمُوۡا بِالۡعَدۡلِ کے الفاظ میں مرکزی اتھارٹی کو تاکید کیگئی ہے کہ نہ کوئی رشوت خور نااہل عامل عوام پر مسلط ہونے پائے اور نہ کوئی رشوت خور نااہل جج اور قاضی عدلیہ میں متعین کیا جائے۔ اور۔

• اس تاکید کے بعد آیت بالا نمبر ۵۹ میں عوام کا یہ حق محفوظ کر دیا گیا ہے کہ جہاں کہیں اور جب بھی عوام کو سرکاری عاملوں اور قاضیوں کے خلاف کوئی شکایت پیدا ہو تو وہ مرکزی اتھارٹی کیطرف رجوع کر سکتے ہیں۔ اور مرکزی اتھارٹی کو ہر کسی کی ہر قسم کی شکایت سُننے، ہر شکایت کا ازالہ کرنے اور اُسکا صحیح فیصلہ دینے کا پابند کر دیا گیا ہے۔ واضح رہے کہ اس قرآنی مرکز کی آولین مرکزی اتھارٹی آنحضور رسولِ مقبول اللہ تعالیٰ کے پاکیزہ نبی تھے۔ اور آپکے بعد آپکے مقدس جانشین آپکے بعد دیگر مرکزی اتھارٹی کے اعلیٰ منصب پر فائز رہے۔

زمانۂ رسالت کے منافقین کی روش

• سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں منافقینِ عہدِ رسالت کی روش بتائی گئی ہے کہ قرآن کریم پر ایمان کے دعویدار ہونے کے باوجود اپنے مقدمات کا فیصلہ ملت کی مرکزی اتھارٹی قرآنی ریاست کے آولین صدر و سربراہ حضور رحمتِ عالم، رسولِ اکرم کی بجائے زمانۂ جہالت کے مانے ہوئے باطل پیشواؤں کی طرف لے جانتے تھے۔

اَلَمۡ تَرَ اِلَى الَّذِيۡنَ يَزۡعُمُوۡنَ اَنَّهُمۡ
کیا نہیں تو نے غور کیا طرف اُن لوگوں کے جو خیال کرتے ہیں کہ تحقیق وہ
اٰمَنُوۡا بِمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡكَ وَمَاۤ اُنۡزِلَ مِنۡ
ایمان لائے ساتھ اُسکے جو نازل ہوا طرف تیری اور جو نازل ہوا پہلے سے

(اے رسول!) کیا آپنے غور نہیں کیا اُن لوگوں کیطرف جو بزعم خویش دعویدار ہیں اسکے کہ بیشک وہ ایمان لائے ہیں ساتھ اُسکے جو آپ پر نازل ہوا ہے (یعنی قرآن مجید) اور ایمان لائے ہیں ساتھ اُسکے جو آپ سے پہلے نازل ہوا ہے (یعنی توراۃ انجیل

قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ
پہلے تیرے، ارادہ کرتے ہیں کہ فیصلے چاہیں طرف سے باطل پیشوا کے

وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ ؕ وَيُرِيْدُ
حالانکہ بیشک وہ حکم دیئے گئے کہ انکار کریں ساتھ اسکے اور ارادہ کرتا ہے

الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا ۶۰
باطل پیشوا کہ گمراہ کر دے انہیں گمراہی دور کی

وغیرہ) وہ ارادہ کرتے ہیں (اس چیز کا) کہ (اپنے مقدموں کے فیصلے ملت کی مرکزی اتھارٹی یعنی آپ سے کرنے کی بجائے) باطل پیشوا سے فیصلے چاہیں۔ حالانکہ بلاشبہ وہ حکم دیئے گئے ہیں کہ وہ اُس (باطل پیشوا) کا انکار کر دیں۔ اور وہ اللہ کا باغی (باطل پیشوا) یہ ارادہ کرتا ہے کہ اُنہیں (یعنی بزعم خویش ایمان کے دعویداروں کو) دُور کی گمراہی میں گمراہ کر دے۔

• علہ شیطان کا معنی پ۱ میں آیا ہے حجروں میں خلوت نشین باطل پیشوا:۔ وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ ۔ اور جب وہ اپنے شیطانوں کی خلوتگاہوں میں جاتے ہیں۔

• اِس سے اگلی آیات کریمات میں انہی بزعم خویش ایمان کے دعویدار منافقوں کے متعلق مزید وضاحت بالفاظ ذیل کیگئی ہے:۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ
اور جب کہا جائے واسطے انکے آؤ طرف اسکے جو نازل کیا

اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ
اللہ نے اور طرف رسول کے دیکھتا ہے تو منافقوں کو وہ رُکتے ہیں

عَنْكَ صُدُوْدًا ۚ ۶۱
طرف سے تیری رُک جانا

اور (اے رسول!) جب اُنہیں کہا جاتا ہے کہ (اپنے مقدمات کے فیصلوں کیلئے اُس ضابطے کیطرف آؤ جو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے یعنی (اُسے عملاً نافذ کرنیوالے) رسول کیطرف آؤ۔ تو آپ دیکھتے ہیں کہ وہ (اپنے فیصلے کی طرف آنے سے یعنی) آپ سے رُک جاتے ہیں پوری طرح رُک جانا۔ (مقدمے طاغوت کیطرف لے جاتے ہیں)۔

فَكَيْفَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌۢ بِمَا
پھر کیا حال ہو جب پہنچے اُنکو کوئی مصیبت ساتھ اُسکے جو

قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ثُمَّ جَآءُوْكَ يَحْلِفُوْنَ ۖ بِاللّٰهِ
آگے بھیجا ہاتھوں اُنکے نے پھر آئیں تیرے پاس قسم کھائیں ساتھ اللہ کے

اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّآ اِحْسَانًا وَّتَوْفِيْقًا ۶۲
نہیں ارادہ کیا ہم نے مگر توازن اور موافقت کا

پھر اُنکا کیا حال ہو جب طاغوت کے غلط فیصلے کی بدولت اُن پر کوئی مصیبت آجاتی ہے۔ جو اُنکے اپنے ہاتھوں کی لائی ہوئی ہو (کیونکہ اے رسول یہ یا آپکی بجائے طاغوت سے فیصلے خود کرانے جاتے ہیں)۔ اُسکے بعد اللہ کی قسمیں کھاتے ہوئے آپکے پاس آئینگے کہ ہم نے (طاغوت سے فیصلہ کرانے میں یہ) ارادہ کیا تھا کہ آپس میں توازن اور میل ملاپ قائم رہے۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَعْلَمُ اللّٰهُ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۚ
یہ وہ لوگ ہیں کہ جانتا ہے اللہ جو ہے بیچ ذہنوں اُن کے

فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُلْ لَّهُمْ
اور اعراض کر طرف سے اُنکی اور نصیحت کر اُنکو اور کہہ واسطے اُن کے

(اے رسول!) یہ وہ لوگ ہیں جو سمجھتے ہیں کہ اُنکی خلوتوں کو کوئی نہیں جانتا) اللہ تعالیٰ اُنکے ذہنی مخفیات کو بھی جانتا ہے) آپ ان سے اعراض فرمائیں (یعنی منافقوں کو منہ نہ لگائیں)[1] اور اُنہیں تنبیہ کریں۔ اور (اِس سلسلے میں) اُنہیں اُن کے اپنے اَ…

فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ[۳] قَوْلًاۢ بَلِیْغًا ۝ ۶۳

بیچ انکے افراد کے بات پہنچنے والی

میں (یعنی انکی قوم میں) اُن سے قطعی بات کہدیں (کہ وہ مومن جماعت کے فرد نہیں ہیں)۔

• علہ اَعْرِضْ مادہ ع۔ ر۔ ض = عرض سے فعل امر ہے۔ اعراض کا معنی ہے منہ موڑنا۔ منہ نہ لگانا۔

• علہ عِظْ مادہ و۔ ع۔ ظ = وعظ سے فعل امر ہے۔ اسکا بنیادی معنی زجر، توبیخ اور تنبیہ ہے (بحوالہ مفردات امام راغب)

• علہ اَنْفُسِهِمْ۔ نفس کی جمع ہے۔ یہاں جس کا معنی ایک فرد ہے۔ اَنْفُسٌ جمع کا معنی ہے بہت سے افراد۔ اور اَنْفُسِهِمْ کا معنی ہے انکے بہت سے افراد یعنی انکی قوم۔

• قَوْلًاۢ بَلِیْغًا کا معنی ہے ایسی بات جو ٹھکانے پر پہنچ جائے قطعی اور آخری بات۔ دوٹوک بات۔

باہمی جھگڑوں کے فوراً بعد حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا کرو

• اس سے اگلی آیت مجیدہ میں پہلے رفعت شان رسالت کی وضاحت کیگئی ہے۔ اور اسکے بعد ساتھ ہی بتادیا گیا ہے کہ آپس کے جھگڑوں کے جو تباہ کن نتائج برآمد ہوتے ہیں اُن سے محفوظ رہنے کا ایک ہی ذریعہ ہے کہ لوگ جب ایک دوسرے پر زیادتی کر بیٹھیں تو اللہ کے رسول کو اپنا حَکَم مانتے ہوئے اُن سے فیصلہ کرائیں۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِیُطَاعَ

اور نہیں بھیجا ہم نے کوئی رسول مگر تاکہ وہ اطاعت کیا جائے

بِاِذْنِ اللّٰهِ[۱] وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ[۲]

ساتھ حکم اللہ کے۔ اور اگر بیشک وہ جب زیادتی کریں لوگوں اپنوں پر

جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا[۳] اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ[۴]

آئیں طرف تیری پھر بچاؤ چاہیں اللہ سے اور بچاؤ چاہے واسطے انکے

الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا ۝ ۶۴

رسول البتہ پائینگے اللہ کو معاف کرنے والا مہربان

اور (حقیقت یہ ہے کہ) نہیں بھیجا تھا ہمنے کوئی بھی رسول (لوگوں کیطرف) مگر اسلئے کہ اللہ کے قانون[۱] کے مطابق اسکی اطاعت کی جائے۔ اسلئے اے رسول! لازم ہے کہ لوگ آپکی اطاعت میں اپنے جھگڑے آپکے پاس لایا کریں) اور اگر ایسا ہو کہ لوگ جب آپسمیں ایکدوسرے[۲] پر زیادتی کریں تو (جن پر زیادتی ہوئی ہو) وہ (دادرسی کیلئے) آپکے پاس آئیں۔ اور اللہ (کے قانون[۳]) سے بچاؤ طلب کریں۔ اور رسول (اللہ کے قانون کے مطابق حقدار کی حق رسی کرکے) انکے لئے بچاؤ طلب کرتے[۴]۔ تو لوگ اللہ کو معاف کرنیوالا مہربان پائینگے[۵]

• علہ اِذن بمعنی اللہ کا قانون۔ دیکھئے دیباچہ منسلکہ تفسیر القرآن بالقرآن جلد اول کا صفحہ ۵۵۔

• علہ اَنْفُسٌ نفس کی جمع ہے جسکا معنی ہے ایک آدمی اور انفس کا معنی ہے آدمی بصیغہ جمع۔ اور اَنْفُسَهُمْ کا معنی ہے انکے اپنے، آپس کے آدمی۔ اور اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ کا معنی ہے۔ جب وہ آپسمیں اپنے آدمیوں پر زیادتی کریں۔

• علہ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ کا لفظی معنی ہے وہ اللہ سے بچاؤ طلب کریں۔ اور چونکہ اللہ تعالیٰ اپنے قانون کے مطابق بچاؤ عطا کرتا ہے اور اسکے خلاف کبھی بھی نہیں کرتا۔ اسلئے اسکا صحیح معنی ہے اللہ کے قانون سے بچاؤ طلب کریں۔ پس فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ کا یہ معنی غلط ہے کہ وہ لوگ رسول کے پاس آکر تسبیح لیکر بیٹھ جائیں اور اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّیْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْهِ

کا ورد شروع کر دیں۔

• ع۶۴ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ کا رسول بحیثیتِ مُطاع (حکم) فریقین کے تنازعہ کا صحیح صحیح فیصلہ کر کے انکے لیے بچاؤ طلب کرے۔ اس جملے کا بھی یہ معنٰی ہرگز نہیں ہے کہ اُدھر جن پر زیادتی ہُوئی ہے۔ ایک طرف وہ رسول کے پاس آکر تسبیح بیکر بیٹھے ہوئے اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ کا ورد کر رہے ہوں اور دُوسری طرف خود رسول مقبول اُنکے لئے استغفار کا وظیفہ شروع کر دیں۔ بلکہ جیسے کہ استغفار مادہ غفر سے ہے جس کا معنٰی ہے بچاؤ، حفاظت۔ اِسلئے استغفار کا معنٰی ہے بچاؤ طلب کرنا۔ جو اُن لوگوں کو جن پر زیادتی ہُوئی ہو۔ اِسکے سوا میسّر نہیں آسکتا کہ وہ دادرسی کیلئے اللہ کے رسول کے پاس اپنا مقدمہ لا کر اللہ کے قانون کے مطابق اُس ضرر اور نقصان سے بچنے کیلئے جو اُن پر زیادتی کر کے مسلّط کر دیا گیا ہے، حفاظت اور بچاؤ طلب کریں۔ اور جب اللہ کا رسول اُن کا حق اُنہیں دلا دیگا تو بلاشبہ وہ اُس نقصان کے ضرر سے بچ جائینگے جو اُن پر باہمی زیادتی کے ذریعہ فریقِ مقابل نے ٹھونس دیا ہو۔

• ع۶۴ لَوَجَدُوا اللّٰہَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا کا مفہوم اپنے سیاقِ کلام کے مطابق صاف ہے کہ جب قرآنی حکومت اللہ کے قانون کے مطابق زیادتی کرنیوالے کو سزا دیدے۔ یا جو چیز اُس نے فریقِ ثانی کی غصب کی ہو، وہ اُس سے اُسکے حقدار کو واپس دلا دے تو اسکے بعد اللہ تعالیٰ مجرم اور ظالم کا جُرم معاف کرتا ہے۔ اس سے پہلے نہیں۔

• واضح رہے کہ اگر کوئی شخص کسی آدمی کا حق چھین لے۔ یعنی اگر وہ کسی کے سَو روپے دبا کر بیٹھ جائے اور اللہ تعالیٰ سے استغفار کرنا شروع کر دے۔ اور خواہ وہ ساری ساری رات استغفار پڑھتا رہے، تو اُسکا جُرم اللہ تعالیٰ کیطرف سے ہرگز معاف نہیں ہوسکتا۔ اور اسیطرح اگر ایسے شخص کیلئے اللہ کے رسول سیدنا محمد واحمد عربی بھی استغفار کرتے رہے ہوں تو پھر بھی اُسکا جُرم اللہ کیطرف سے معاف نہیں ہوسکتا۔ جبتک کہ وہ مال جو اُس نے فریقِ ثانی کا غصب کیا ہے، اُسے واپس نہ کیا جائے۔ چنانچہ آیتِ صدر میں باہمی ظلم زیادتیوں کا ایک ہی حل بتایا گیا ہے کہ جس پر زیادتی ہُوئی ہو، وہ اللہ کے رسول کے پاس آئے۔ اور اللہ کے قانون کے مطابق دادرسی کا طالب ہو۔ اللہ کا رسول قانونِ خداوندی کے مطابق ظالم کو بھی بُلالے۔ اور الگ الگ اُنکے بیان سُنکر حقدار کو اُسکا حق دِلا دے تو اُسکے بعد ہوگا اللہ معاف کرنے والا مہربان۔ نیز اُس مجرم پر اس جُرم کے ضمن میں دنیا کے علاوہ قیامت کی عدالتِ عالیہ میں بھی کوئی بوجھ باقی نہیں ہوگا۔

طاغوتوں کی عدالتیں

• پیچھے آیت نمبر ۶۰ میں واضح کیا جا چکا ہے۔ کہ آنحضور کی مدنی زندگی کے ابتدائی ایام میں بھی لوگوں کے باطل پیشواؤں کی عدالتیں موجود تھیں۔ بعض لوگ اُن سے من مانے فیصلے کرانے کیلئے اپنے مقدمے اُنکے پاس لے جایا کرتے تھے۔ قرآن کریم نے اُنہیں منافق قرار دیا ہے۔ چنانچہ سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ ع۶۵ میں صحابہؓ کیلئے ایمان کا مستقل نشان ہی یہ قرار دیا ہے کہ جبتک وہ اپنے مقدمات کا عدالتِ نبوی سے فیصلہ نہ کرائیں۔ اور آپکے فیصلوں کو بصمیمِ قلب قبول نہ کریں اُسوقت تک مومن نہیں ہوسکتے:۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ
شہادت ہے رب تیرے کی نہ ایمان لائینگے حتیٰ کہ حاکم کریں آپکو

پس (اے رسول) آپکے نشوونما دینے والے کی شہادت ہے کہ یہ (طاغوت سے فیصلے کرانیوالے منافق) اُسوقت تک ایمان نہیں

فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ
بیچ اُسکے جو جھگڑا کریں آپس میں - پھر نہ پائیں بیچ ذہنوں اپنوں کے
حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝ ۶۵
کوئی تنگی بیچ اُسکے جو فیصلہ کریں آپ اور مانیں پورا پورا ماننا

لائینگے جبتک کہ جن معاملوں میں آپس میں جھگڑا کرتے ہیں ان میں آپ کو حاکم تسلیم نہ کریں۔ پھر جو فیصلہ آپ کریں اُس سے اپنے ذہنوں میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں۔ اور اُسے اسطرح تسلیم کریں جو تسلیم کرنے کا حق ہے۔

مرکزی اتھارٹی کی اپیل کوئی نہیں

• پیچھے آیت نمبر ۵۹ میں آپ دیکھ چکے ہیں کہ اگر مرکز کی طرف سے متعین کردہ قاضیوں یعنی ججوں کے فیصلوں کیساتھ کسی فریق کو اختلاف ہو تو اس اختلاف و تنازعہ کو اللہ و رسول کیطرف لوٹانے کا حکم دیا گیا ہے۔ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ۴/۵۹ (مفہوم پیچھے گزر چکا ہے)۔ یعنی ماتحت قاضیوں (ججوں) کے فیصلوں کی اپیل تو آنحضور کی مرکزی عدالت میں ہو سکتی تھی۔ لیکن جو فیصلہ آپ کریں، آپکے فیصلے کی کوئی اپیل نہیں تھی۔ يُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا کے الفاظ سے مرکزی اتھارٹی کے اختیارات کی وضاحت کر دی گئی ہے۔ اور اس مرکزی اتھارٹی کی قطعی اطاعت کیلئے اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ کی مخصوص قرآنی اصطلاح لائی گئی ہے۔ یعنی آنحضور کے قرآنی مرکز کی بلا چون و چرا اطاعت کرو، اُسکے فیصلوں کو اسطرح تسلیم کرنا جو تسلیم کرنے کا حق ہے۔ اور ظاہر ہے کہ آنحضرت کے بعد آپکے مقدس جانشین رضی اللہ عنہم مرکزی اور آخری اتھارٹی تھے۔ اور اسیطرح جب بھی اور جہاں کہیں بھی خلافت علیٰ منہاج النبوۃ قائم ہو جسمیں حکومت کا حق اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ قانون کے نفاذ کے ذریعہ خالص اللہ تعالیٰ کا تسلیم کیا گیا ہو۔ اُسکا صدر و سربراہ آخری اتھارٹی ہوگی ماتحت قاضیوں (ججوں) کے فیصلوں کی اپیل تو ہو سکیگی مگر اُسکے فیصلوں کی اپیل ہرگز نہیں ہو سکیگی۔

منافقوں کی ایک اور پہچان

• پچھلی آیات کریمات میں منافقوں کی ایک پہچان گزر چکی ہے کہ وہ اپنے جھگڑوں کے مقدمے آنحضور کی عدالت میں لانے کی بجائے طاغوتوں یعنی اپنے باطل پیشواؤں کے پاس لے جاتے ہیں ۴/۵۹ تا ۶۵۔ اگلی آیت مجیدہ میں منافقوں کی ایک اور پہچان بتائی گئی ہے کہ جب انہیں اُنکی قوم سے لڑنے کا حکم دیا جائے یا ہجرت کرنے کا حکم دیا جائے تو نہ اُن سے لڑینگے اور نہ ہجرت کرینگے۔

وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ
اور اگر یہ کہ ہم فرض کریں اوپر اُنکے کہ لڑو آدمیوں اپنوں سے
اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ مَّا فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِيْلٌ
یا نکلو بیچ سے گھروں اپنوں کے - نہ کریں اُسے - مگر تھوڑے
مِّنْهُمْ ۭ وَلَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ
میں سے اُنکے۔ اور اگر بیشک وہ کریں جو نصیحت کئے جائیں ساتھ اُسکے
لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَشَدَّ تَثْبِيْتًا ۝ ۶۶
البتہ ہوا اچھا واسطے اُنکے اور سخت از روئے ثبات کے

اور اگر یہ کہ ہم اُن پر فرض کر دیں کہ اپنے آدمیوں (یعنی اُن) کیساتھ لڑو (جو مسلمانوں کے دشمن ہیں) یا اُن پر فرض کریں کہ تم (اللہ کی راہ میں) اپنے گھروں سے نکلو۔ تو اُن میں سے تھوڑے سے افراد کے سوا ایسا ہرگز نہیں کرینگے۔ (نہ اپنوں سے لڑینگے اور نہ گھروں سے نکلینگے) حقیقت یہ ہے کہ اگر وہ لوگ وہ کام کریں جسکی وہ نصیحت کئے جاتے ہیں تو اُنکے لئے اچھا بھی ہے۔ اور ثابت قدمی کے لحاظ سے بہت سخت بھی ہے۔ (یعنی عملی دشمنوں کا ڈٹ کر مقابلہ کرنے کیلئے بہت سخت اقدام ہے)

وَّاِذًا لَّاٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ لَّدُنَّآ اَجْرًا عَظِيْمًا ۶۷
اور اُسوقت البتہ دیں ہم اُن کو طرف سے اپنی بدلہ بڑا

اور اُسوقت ہم اُن (یعنی مسلمانوں کے دشمنوں سے اپنے دفاع میں سے لڑنیوالوں اور گھروں سے نکلنے والوں) کو اپنی طرف سے بڑا اجر عطا فرمائیں۔

وَّلَهَدَيْنٰهُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۶۸
اور البتہ ہدایت دیں ہم اُن کو راستے سیدھے کی

اور ہم انہیں سیدھے راستے کی رہنمائی کئے رکھیں (یعنی انہیں سیدھی راہ پر گامزن رکھیں)۔

• اِس سے اگلی آیت مجیدہ میں پھر اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ کی قرآنی اصطلاح استعمال ہوئی ہے پیچھے صفحات ۲۵۹ پر ۳/۳۲، ۸/۱، ۲۰/۸۰ اور ۶۲/۹ کے حوالوں سے وضاحت کردیگئی ہے کہ اللہ اور رسول کیلئے تثنیہ کی بجائے ضمیر واحد کا آنا اس امر کی کھلی دلیل ہے کہ یہ ایک اصطلاح ہے جس سے دو نہیں بلکہ ایک چیز مراد ہے۔ نیز سیاق و سباق کلام بھی اس امر کی شاہد ہے کہ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ سے اُس واحد نظام کی اطاعت مراد ہے جو رسول اکرم نے اپنی زندگی میں اکیلے رب تعالیٰ کے اقدار اعلیٰ کی بنیادوں پر قائم فرمایا تھا۔ مذکورہ بالا اصطلاح کی رو سے اللہ اور رسول کی صحیح اطاعت وہ ہے جو اکلوتے مرکزی قرآنی نظام کے تحت کی جائے۔ اسی اطاعت کے متعلق ارشاد ہوا ہے:۔

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ
اور جو کوئی اطاعت کرے اللہ اور رسول کی پس وہ لوگ ہیں ساتھ
الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَ
اُن لوگوں کے انعام کیا اللہ نے اوپر انکے، جن سے نبیوں کے اور
الصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ
سچوں کے اور نگرانوں اور اصلاح کرنیوالوں کے اور بہتر ہیں
اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ۶۹ ع ۹
وہ لوگ رفاقت کی رو سے

اور جو لوگ (اکیلے اللہ کے اقدار اعلیٰ کی بنیادوں پر رسول اکرم کے قائم کردہ نظام کی اطاعت کے ذریعہ) اللہ اور رسول کی اطاعت کرتے ہیں۔ تو وہ ساتھ ہوتے ہیں اُن لوگوں کے جن پر اللہ نے انعام فرمایا کہ وہ نبیوں میں سے ہیں (یعنی وہ جماعت انبیاء ہے) اور جو صدیقین (یعنی سچے) بھی ہیں۔ اور جو شہدآء (یعنی معاشرہ کے نگراں) بھی ہیں۔ اور صالحین (یعنی اصلاح کرنیوالے بھی ہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ وہ (نبیوں کی جماعت جو سچے، معاشرہ کے نگران اور مصلح بھی ہیں) رفاقت کے لحاظ سے بہتر ہیں۔

اکتسابی نبوت کا تصور غیر قرآنی ہے

• آگے بڑھنے سے پہلے یہ بتانا ضروری ہے کہ اس آیت مجیدہ سے بعض لوگ ۳۳/۴۰ کے اس خداوندی فیصلے کے خلاف کہ رسول عربی کے بعد نبیوں کی آمد ہمیشہ ہمیشہ کیلئے بند کردیگئی ہے۔ یہ تصور اخذ کرتے ہیں کہ اللہ اور رسول کی اطاعت سے ہر شخص جسطرح صالح بھی ہوسکتا ہے۔ شہید بھی ہوسکتا ہے، صدیق بھی ہوسکتا ہے، اُسیطرح نبی بھی بن سکتا ہے۔ حالانکہ یہاں انبیاء سلام علیہم کی صفات بیان کیگئی ہیں کہ وہ نبی ہونے کے ساتھ ساتھ صدیق بھی ہوتے ہیں شہید بھی ہوتے ہیں اور صالح بھی ہوتے ہیں۔ اِسکی مثال یوں سمجھئے کہ ایک نبی بحیثیت انسان، انسانیت کے بلند مقام پر ہوتے ہوئے خصائص مخصوصہ کے لحاظ سے صدیق تو بھی ہوتا تھا۔ شہید، معاشرہ کا نگران بھی ہوتا تھا، اور صالح، معاشرہ کی اصلاح

کرنیوالا، یعنی مصلح بھی ہوتا تھا۔

• چنانچہ آیت مجیدہ زیرِ نظر ۴/۶۹ میں بتایا گیا ہے کہ رسولِ اکرم سلامٌ علیہ کے قائم کردہ مرکزی نظام کی اطاعت کرنیوالوں کو اللہ تعالیٰ کے انعام یافتہ افراد یعنی انبیاء کی معیت حاصل ہوگی۔ نبیوں کے باقی تینوں مراتب ذیل میں بالترتیب ملاحظہ فرمائیں:۔

• ۱ نبی خود صدیق بھی تھے، واضح رہے کہ ہر نبی کی یہ شان تھی کہ ضابطۂ خداوندی کو عملاً سچ کر دکھایا تھا۔ جیسے کہ حضرت ابراہیم کے متعلق ارشاد ہوا ہے:۔ اِنَّہٗ کَانَ صِدِّیْقًا نَّبِیًّا ۱۹/۴۱ = بیشک وہ صدیق بھی تھے اور نبی بھی تھے۔

• ۲ نبی خود شہید بھی تھے، یعنی معاشرہ کے نگران اور نمونہ۔ جیسے کہ خود رسولِ اکرم کے متعلق ارشاد ہوا ہے:۔ وَیَکُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْکُمْ شَہِیْدًا ۲/۱۴۳ = اور اے صحابہ! تمہارا نگران اور نمونہ ہمارا رسول ہو۔

• ۳ نبی خود صالح بھی تھے یعنی معاشرہ کی اصلاح کرنیوالے۔ جیسے کہ حضرت یحییٰ کے متعلق ارشاد ہوا ہے:۔ سَیِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِیًّا مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ ۳/۳۹ وہ سید، قوانینِ خداوندی کی حدود میں محصور، نبی اور صالحین میں سے ہوگا۔ اب چونکہ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِہٖ ۲/۲۸۵ کے مطابق سب کے سب نبی رسول فضیلت کے ایک ہی مقام کے حامل تھے۔ اسلئے جو صفت ایک بھی نبی کی بیان ہوئی ہے وہ سب کے سب نبیوں کی ہے۔ فلہذا تمام نبی، نبی ہونے کیساتھ ساتھ صدیق بھی تھے، شہید بھی تھے، اور صالح بھی تھے اور آیت زیرِ نظر ۴/۶۹ کے مطابق انبیاء کا قائم کردہ نظام اکیلے رب تعالیٰ کے اقتدارِ اعلیٰ کی اساس پر قائم ہوتا تھا جس میں کسی جانب جھکاؤ نہیں پایا جاتا تھا یعنی اسطرح انبیاء سلامٌ علیہم ہموار و متوازن نظام کے قیام کے ذریعہ رب تعالیٰ کے اقتدارِ اعلیٰ کو معاشرہ میں عملاً سچ کر دکھاتے تھے۔ جیسے کہ رسولِ عربی نے قرآنی ریاست کے صدر و سربراہ ہونے کے باوجود، عوام ہی کے ایک فرد کیطرح زندگی بسر فرمائی تھی۔ نہ آپکا مکان عوام سے الگ کوئی بنگلہ تھا۔ نہ آپکا لباس عوام سے جدا تھا۔ نہ خوراک عوام سے مختلف تھی اور نہ آپکا علاج عوام سے مخصوص ہوتا تھا۔ یہ ہے انبیاء کی شانِ صدیقیت۔

• اسکے بعد باری آتی ہے انبیاء کی شانِ شہادت و صالحیت کی۔ یہ مقدس جماعت خود معاشرہ کی نگران اور عوام کیلئے نمونہ بھی ہوتی تھی یہی ہیں نگران و نمونہ، دو معنے لفظ شہید کے۔ اور شبانہ روز معاشرہ کی اصلاح میں سرگرمِ عمل رہنا بھی اُن کا شیوہ تھا۔ اِس آیت مجیدہ میں صدیقین، شہدآء، اور صالحین تینوں الفاظ نبیین کی صفت واقع ہوئے ہیں۔ نبیین کی ابتداء میں مِنْ حرف جار بیانیہ ہے۔ اور مذکورہ صفات سے ماقبل واؤ کا تکرار برائے جمع صفات آیا ہے۔ پس اِس آیت سے حصولِ نبوت کا نظریہ قائم کرنا مطلقاً باطل ہے۔ جسکی دلیل آیت میں آمدہ لفظ مَعَ ہے، کہ اُس نظام کی اطاعت کرنیوالوں کو، جو اللہ تعالیٰ کے اقتدارِ اعلیٰ کی اساس پر اللہ کے رسول نے قائم فرمایا تھا، نبیوں کی معیت میسر آتی ہے نہ کہ نبوت۔

• سورہ فتح میں مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ ۴۸/۲۹ کے مطابق اصحابِ رسول کو آنحضور کی معیت حاصل تھی نہ کہ نبوت۔ اسیطرح سورہ آل عمران میں انبیاء سابقین کے صحابہ کے متعلق آیا ہے: قٰتَلَ مَعَہٗ رِبِّیُّوْنَ کَثِیْرٌ ۳/۱۴۶۔ اس آیت مجیدہ کے مطابق انبیاء کے دوش بدوش لڑنیوالے صحابہ کو اُنکی معیت حاصل تھی، نبی نہیں بن جاتے تھے۔

• علاوہ ازیں کسی ایک شخصیت میں متعدد صفات کے اظہار کیلئے متعدد بار واؤ کا تکرار بطور حرف جمع آتا ہے۔ جیسے کہ

اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِيْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِيْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ ..... ۳۳/۳۵ کا مطلب یہ نہیں کہ مسلم اور ہیں اور مومن اور ہیں۔ صابر اور ہیں اور روزہ رکھنے والے اور ہیں۔ بلکہ یہ سب الفاظ صرف مسلمین و مسلمات کی تعریف میں آئے ہیں۔ اسیطرح آیت زیر بحث ۶۹ میں صدیقین، شہداء اور صالحین کے الفاظ نبیوں کی تعریف میں آئے ہیں۔ انبیاء کے قائم کردہ متوازن نظام کی اطاعت کرنیوالے نبی نہیں بن سکتے۔ انہیں نبیوں کی معیت حاصل ہوتی ہے، جس کے متعلق ارشاد ہوا ہے:-

ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ ۚ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا ۝ ۷۰ ع

مذکورہ بالا ہے فضل طرف سے اللہ کے اور کافی ہے اللہ بڑھکر جاننے والا

مذکورہ بالا (انبیاء) کی معیت جو صدیق، شہید و صالح بھی تھے) اللہ تعالیٰ کا مخصوص فضل ہے۔ (جس سے ہموار و متوازن معاشرہ میسر آتا ہے)۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی کافی ہے جو بڑھکر جاننے والا ہے۔ (معاشرتی مشکلات کا حل وہی بتا سکتا ہے)۔

• اس سے اگلی آیت مجیدہ میں جماعت مومنین کو مخاطب کرکے ارشاد ہوا ہے کہ مذکورہ نظام کے قیام و بقا کیلئے

دفاع دفاعی نظام قائم رکھنا:-

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِ انْفِرُوْا جَمِيْعًا ۝ ۷۱

اے وہ لوگو۔ جو ایمان لائے ہو پکڑو بچاؤ اپنے پھر تم نکلو دستوں کی صورت یا نکلو اکٹھے

اے ایمان والو! (دشمن کے دفاع کیلئے) اپنے بچاؤ کے سامان ہمیشہ تیار رکھو پھر (جب دشمن تمہیں للکارے تو اُسکے مقابلے کیلئے) تم نکلا کرو۔ خواہ جتھہ بند دستوں کی صورت میں یا اجتماعی فوج کی صورت میں۔

• ساتھ ہی اگلی آیت مجیدہ میں خبردار کر دیا گیا ہے:- کہ ان بزدل موقع پرست منافقوں سے ہوشیار رہنا جو خود تمہارے اندر موجود ہیں:-

وَاِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَّيُبَطِّئَنَّ ۚ فَاِنْ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالَ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيَّ اِذْ لَمْ اَكُنْ مَّعَهُمْ شَهِيْدًا ۝ ۷۲

اور بیشک ہیں سے تمہارے البتہ وہ ہے جو جی چراتا ہے پھر اگر پہنچے تم کو مصیبت۔ کہیگا بیشک انعام کیا اللہ نے اوپر میرے جبکہ تھا میں ساتھ اُن کے حاضر

اور (ایمان والو! یقیناً تم میں ایک گروہ ایسا بھی ہے جو (جہاد سے) جی چراتا ہے۔ پھر اگر تمہیں (جنگ میں) کوئی تکلیف پہنچے۔ تو یہ کہیگا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر انعام فرمایا ہے کہ میں (میدان جنگ میں) اُن (مومنوں) کے ساتھ حاضر نہیں تھا۔

وَلَئِنْ اَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللّٰهِ لَيَقُوْلَنَّ

اور البتہ اگر پہنچے تم کو فضل طرف سے اللہ کے البتہ ضرور کہیگا

اور البتہ اگر (ایمان والو! جنگ میں) تمہیں اللہ کا فضل ملے (یعنی اگر تمہیں مال غنیمت میسر آئے) اللہ کیطرف سے تو (پھر

كَاَنْ لَّمْ تَكُنْۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهٗ مَوَدَّةٌ يّٰلَيْتَنِيْ
گویا کہ نہیں ہے درمیان تمہارے اور درمیان اسکے کوئی دوستی۔ اے افسوس

كُنْتُ مَعَهُمْ فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴿۷۳﴾
ہوتا میں ساتھ اُنکے تو کامیاب ہوتا کامیابی بڑی

جب اُسے مال غنیمت سے حصہ نہیں ملیگا تو) وہ ضرور یہ کہیگا، کہ گویا ایسا ہے جیسے کہ تمہارے اور اُسکے درمیان کوئی دوستی موجود نہیں ہے۔ کاش کہ میں بھی اُن (مومنوں) کیساتھ ہوتا تو میں بھی (مالِ غنیمت پاکر) بڑی کامیابی حاصل کرتا۔

● اِس سے اگلی آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتال وہ لوگ کریں جنہوں نے دُنیا کو آخرت کے بدلے بیچ دیا ہے :۔

فَلْيُقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يَشْرُوْنَ
پس چاہیئے لڑیں بیچ راہ اللہ کے وہ لوگ جو بیچتے ہیں

الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ۭ وَمَنْ يُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ
حیاتی دنیا کو بدلے آخرت کے۔ اور جو کوئی لڑے بیچ راہ

اللّٰهِ فَيُقْتَلْ اَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا
اللہ کے پھر جو قتل ہو جائے یا غالب آئے تو ضرور ہم دینگے اُسے بدلہ

عَظِيْمًا ﴿۷۴﴾
بڑا

پس چاہیئے کہ اللہ کی راہ میں وہ لوگ (قتال) جنگ کریں جو اپنی دُنیوی زندگی کو (اللہ کے ہاتھ) اُخروی زندگی کے بدلے بیچ دیتے ہیں ۹/۱۱۱۔ اور جو کوئی (اِس سودے کے ماتحت) اللہ کی راہ میں جنگ کرے، تو پھر (خواہ) وہ قتل ہو جائے یا دشمن پر غالب آجائے، ہم اُسے (دونوں صورتوں میں) اجرِ عظیم عطا فرما ئینگے۔ (مومن مجاہدوں میں سے اللہ کے ہاں مقتول فی سبیل اللہ اور فاتح مجاہد دونوں ہی اجرِ عظیم کے مستحق ہیں)۔

● ۳-۱۲-۱ اِس آیت مجیدہ میں مومنوں کیلئے نتیجہ جنگ کی دو صورتیں بیان کیگئی ہیں کہ یا تو وہ لڑاتے لڑتے جان تک دیدیتے ہیں اور یا دشمن پر غالب آتے اور دشمن کو شکست فاش دیکر کامیاب ہوتے ہیں۔ اسکے علاوہ مومنوں کیلئے تیسری صورت دشمن سے شکست کھا جانا، قرآن بھر میں کہیں بھی مذکور نہیں۔

جارحانہ جنگ

● آیاتِ بالا میں دفاعی جنگ کے تاکیدی حکم کے بعد اگلی آیت مجیدہ میں مومنوں کو کہا گیا ہے کہ اگر کسی علاقے میں کچھ لوگ ظالم حاکم کے ظلم سے تنگ آکر میرے حضور فریاد کر رہے ہوں تو اُنکی مدد کو پہنچنا تمہارا فرض ہے :۔

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ
اور کیا ہے واسطے تمہارے نہ تم لڑو گے بیچ راہ اللہ کے

وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاۗءِ وَالْوِلْدَانِ
اور کمزور کئے گئے ہیں میں سے مردوں اور عورتوں اور بچوں کے

الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ
وہ لوگ جو یہ کہتے ہیں رب ہمارے نکال ہم کو میں سے اِس بستی

اور (ایمان والو!) تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اُس وقت پر اللہ کی راہ میں نہ لڑوگے۔ جبکہ حالت یہ ہو کہ کمزور کئے گئے مرد، اور عورتیں اور بچے (ظالم حاکم کے ظلم سے تنگ آچکے ہوں۔ اور فریاد کے طور پر) وہ لوگ یہ کہہ رہے ہوں کہ اے ہمارے نشوونما دینے والے اِس ظالموں کی بستی سے ہمیں نکال لے (کہ) سکے بسنے والے

الظَّالِمِ اَهۡلُهَا ۚ وَاجۡعَلۡ لَّنَا مِنۡ لَّدُنۡكَ

ظالم ہیں رہنے والے اسکے، اور ٹھہرا واسطے ہمارے طرف سے اپنی

وَلِيًّا ۚۙ وَّاجۡعَلۡ لَّنَا مِنۡ لَّدُنۡكَ نَصِيۡرًا ؕ‏ ۷۵

دوست اور ٹھہرا واسطے ہمارے طرف سے اپنی مددگار

نے ہمیں ظلم کی چکی میں پیس ڈالا ہے)۔ اور اے ہمارے پروردگار ہمارے لئے اپنی طرف سے کوئی دوست ٹھہرا۔ اور ہمارے لئے اپنی طرف سے کوئی مددگار ٹھہرا۔

الٰہی پروگرام اور مومنوں کا فریضہ

• اس آیت مجیدہ سے صراحتاً ثابت ہوتا ہے کہ خداوندی پروگراموں کی تکمیل مومنوں کا فریضہ ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہوا کہ جب ظالم بستی کے مظلوم اور کمزور افراد مجھے پکار رہے ہوں کہ رَبَّنَا اَخۡرِجۡنَا مِنۡ هٰذِهِ الۡقَرۡيَةِ الظَّالِمِ اَهۡلُهَا ۔ اے ہمارے پروردگار! ہمیں اس ظالم بستی سے تو نکال۔ تو اس وقت ہوتا یہ ہے کہ باری تعالیٰ جو مظلوموں کی غائبانہ مدد کرنے پر سو فیصدی قادر ہے، آیت بالا کے الفاظ میں مومنوں کو حکم دیتا ہے کہ تم انکی مدد کیلئے میدانِ قتال میں اترو۔ اسیطرح یاد رکھنا چاہیئے کہ جو جو خداوندی پروگرام نوعِ انسانی کی ضروریاتِ زندگی سے تعلق قرآن کریم میں مذکور ہے، انکی تکمیل مومنوں کے ہاتھوں سے ہوگی خصوصاً باری تعالیٰ کا وعدۂ ربوبیت عامہ بھی اسلامی حکومت کے ہاتھوں تکمیل پذیر ہوگا۔ جہاں کہیں قحط نمودار ہوتا ہے وہ انسانوں کا اپنا لایا ہوا ہوتا ہے اور اسکا دفاع بھی انسانی ہاتھوں ہی سے ہوتا ہے۔ قرآنی ضابطے کے مطابق اسلامی حکومت پورے کے پورے عوام کی پوری کی پوری ضروریاتِ زندگی کی ضامن ہے۔ چنانچہ فی زمانہ اس مسئلہ کو عوام خوب اچھی طرح سمجھ چکے ہیں کہ قحط پڑ جائے تو مسجد میں جاکر اللہ سے نہیں کہتے کہ یا اللہ! آسمان سے دانے برسا۔ بلکہ حکام وقت کا دروازہ کھٹکھٹاتے ہیں کہ گندم گندم، آٹا آٹا۔ پھر گندم اور آٹا مہیا کرنا حکومت پر فرض ہو جاتا ہے۔ خواہ اسے اپنے قیمتی زرِ مبادلہ کیساتھ غیر ممالک سے درآمد کرنا پڑے۔

اللہ اور طاغوت کی جنگ

• واضح رہے کہ سلسلۂ درس کی:۔ اگلی آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ مظلوموں کی مدد کیلئے قتال کرنیوالے اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں۔ اور مظلوموں کو بدستور مظلوم رکھنے کی خاطر جنگ کرنیوالے طاغوت کی راہ میں لڑتے ہیں۔ بالفاظ دیگر مظلوموں کی مدد کیلئے لڑنا قتال فی سبیل اللہ ہے:۔

اَلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا يُقَاتِلُوۡنَ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ ۚ

جو لوگ ایمان لائے وہ لڑتے ہیں بیچ راہ اللہ کے

وَالَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا يُقَاتِلُوۡنَ فِىۡ سَبِيۡلِ الطَّاغُوۡتِ

اور جن لوگوں نے انکار کیا، وہ لڑتے ہیں بیچ راہ ظالم حاکم کے

فَقَاتِلُوۡۤا اَوۡلِيَآءَ الشَّيۡطٰنِ ۚ اِنَّ كَيۡدَ الشَّيۡطٰنِ

پس لڑو تم دوستوں شیطان سے۔ بیشک تجویز شیطان کی

جو لوگ (مظلوموں کی مدد کے مذکورہ بالا حکم پر) ایمان لائے ہیں وہ (ظالم حاکم کے خلاف) اللہ کی راہ میں جنگ کرتے ہیں۔ اور جن لوگوں نے (ضابطۂ ربوبیت کا) انکار کیا وہ (مومنوں کے خلاف طاغوت یعنی) ظالم حاکم کی راہ میں جنگ کرتے ہیں۔ پس اے ایمان والو! شیطان کے دوستوں یعنی ظالم حاکم کی فوج سے ڈٹ کر لڑو۔ (فتح تمہاری ہی ہوگی)۔ بیشک ظالم حاکم کی تجویز

كَانَ ضَعِيفًا ۷۶ ع ۱۰
ہے کمزور

(جو حقوقِ ربوبیت کے غصب کی بنیاد پر قائم ہے، اُس میں فتحیابی کہاں ؟ وہ) کمزور ہے۔

● اِس سے اگلی آیت مجیدہ میں زمانہ رسالت کے اُن لوگوں کا ذکر ہے، جنہیں قرآنی معاشرہ کے قیام کیلئے کہا گیا، روزمرہ کے خرچ سے بچا کر، اِس نظام کے قیام اور کمزوروں کی مدد کیلئے مال دیا کرو۔ تو وہ اِس حکم پر تو عمل کرتے رہے۔ لیکن جب اِس نظام کے دُشمنوں سے جنگ کرنے کا وقت آیا، اور اُن پر قتال فرض کر دیا گیا تو اُن میں سے بعض لوگ ایسے بھی تھے، جو دُشمنوں سے ڈرنے لگے۔ اور کہا کہ اے ہمارے پروردگار! تُونے ہم پر قتال (جنگ کرنا) کیوں فرض کر دیا ہے۔ دیکھئے ارشادِ باری :-

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ قِيلَ لَهُمْ
کیا نہیں تُونے غور کیا طرف اُن لوگوں کے، کہا گیا واسطے اُنکے

كُفُّوٓا أَيْدِيَكُمْ وَأَقِيمُوا الصَّلَوٰةَ وَءَاتُوا
روکو ہاتھ اپنے اور قائم کرو اجتماعی نظام اور دو

الزَّكَوٰةَ ۚ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ إِذَا فَرِيقٌ
نشوونما۔ پھر جب فرض کیا گیا اوپر اُنکے لڑنا اُسوقت ایک گروہ،

مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللَّهِ أَوْ أَشَدَّ
میں سے اُنکے ڈرنے لگا لوگوں سے مانند ڈرنے اللہ کے۔ بلکہ سخت

خَشْيَةً ۚ وَقَالُوا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ ۚ
ڈرنا اور کہا اے رب ہمارے کیوں فرض کیا تُونے اوپر ہمارے لڑنا

لَوْلَآ أَخَّرْتَنَآ إِلَىٰٓ أَجَلٍ قَرِيبٍ ۗ قُلْ مَتَٰعُ
کیوں نہ مہلت دی تُونے ہمیں طرف مدت نزدیک کے۔ کہہ سامان

الدُّنْيَا قَلِيلٌ وَالْءَاخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقَىٰ
دنیا کا تھوڑا سا ہے۔ اور انجام اچھا ہے واسطے اُسکے جو بچنا چاہے

وَلَا تُظْلَمُونَ فَتِيلًا ۷۷
اور نہ تم ظلم کئے جاؤ گے دھاگہ بھر

(اے رسُول!) کیا آپنے اُن لوگوں کے حالات پر غور نہیں کیا، (یعنی آپکو اُن پر غور کرنا چاہیئے کہ) جن سے کہا گیا کہ اپنے ہاتھ روک لو (کفایت شعاری کے ذریعہ قرآنی نظام کیلئے مال پس انداز کرو) اور صلوٰۃ (موقت کے اجتماعات میں پابندی کیساتھ آیا کرو) اور اپنے مالوں سے کمزوروں کی نشوونما کیلئے حصہ دیا کرو۔ (تو وہ ایسا کرتے رہے)۔ پھر جب (منکرینِ ربوبیت کیساتھ لڑنے کا وقت آیا اور) اُن پر لڑائی فرض کر دیگئی تو اُن میں سے ایک گروہ ایسا تھا جو لوگوں سے (دشمنوں سے) اِسطرح ڈرتا تھا جیسے اللہ سے ڈرنا چاہیئے بلکہ اُس سے سخت ڈرنا۔ اور اُنہوں نے کہا کہ اے ہمارے پروردگار تُونے ہم پر لڑنا کیوں فرض کر دیا ہے ہمیں قریب کی تھوڑی سی مدت کیلئے مُہلت کیوں نہیں دی (تاکہ ہم کچھ اور فائدہ اُٹھائیں۔ اے رسُول! اُنہیں) کہہ دیجیئے کہ دُنیا کا سامان (خواہ کتنا ہی زیادہ ہو آخرت کے مقابلے پر) تھوڑا ہے۔ اور بہتر انجام اُس کیلئے ہے جو (ضابطۂ الٰہی کی فرمانبرداری کے ذریعہ) خود بچنا چاہتا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ (آخرت کی عدالتِ عالیہ میں) تم دھاگا بھر (یعنی معمولی سا) ظلم بھی نہیں کئے جاؤ گے۔

موت ایک دن آکر رہیگی

● اِس سے اگلی آیت میں اُن لوگوں کو مخاطب کیا گیا ہے جو میدانِ جنگ میں جانے سے اسلئے ڈرتے ہیں کہ کہیں قتل نہ ہو جائیں۔ اُن پر واضح کیا گیا ہے کہ تم موت سے ڈرتے ہو حالانکہ اُس نے تو آکر ہی رہنا ہے :-

اَیْنَ مَا تَكُوْنُوْا یُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ
جہاں کہیں ہوگے تم پائیگی تم کو موت ـ اور اگرچہ ہو تم

فِیْ بُرُوْجٍ مُّشَیَّدَةٍ ؕ وَاِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ یَّقُوْلُوْا
بیچ قلعوں مضبوط کے ـ اور اگر پہنچے اُن کو بھلائی تو کہتے ہیں

هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَیِّئَةٌ یَّقُوْلُوْا
یہ ہے طرف سے نزدیک اللہ سے ـ اور اگر پہنچے اُنکو بُرائی، کہتے ہیں

هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ ؕ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ
یہ ہے طرف سے نزدیک تیرے سے ـ کہہ سب طرف سے نزدیک اللہ سے

فَمَالِ هٰۤؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا یَكَادُوْنَ یَفْقَهُوْنَ
پھر کیا ہے واسطے اِن قوم کے نہیں قریب آتے کہ وہ سمجھیں

حَدِیْثًا ۞ ۷۸
بات

(نیز آپ اُن سے کہہ دیجئیگا کہ تم موت سے ڈرتے ہو ـ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ) تم جہاں کہیں بھی ہو ـ اور اگرچہ تم مضبوط قلعوں میں بھی ہو، تو موت تمہیں ضرور پالیگی ـ اور (اُنکی حالت یہ ہے کہ) اگر اُنہیں کوئی بھلائی پہنچے تو کہتے ہیں کہ یہ اللہ کیطرف سے (آئی) ہے اور اگر اُنہیں کوئی تکلیف پہنچے تو کہتے ہیں کہ (اے رسُول) یہ آپکی طرف سے (آئی) ہے ـ (یعنی یہ آپکی غلط تدبیری کا نتیجہ ہے) آپ کہہ دیجئیگا کہ (حقیقت یہ ہے کہ) بھلائیاں اور تکلیفیں سب اللہ کی طرف سے (یعنی اُسکے قانون کے مطابق آتی) ہیں پھر اِس قوم کو کیا ہوگیا ہے کہ وہ (اِس صریح، واضح، غیر مبہم اور موٹی سی) بات پر بھی تفقہ کرنے (اور سمجھنے) کے قریب تک نہیں آتے (کہ بھلائی اور بُرائی سب اللہ تعالیٰ کے غیر متبدل قوانین کے مطابق آتی ہیں)۔

بھلائی اور بُرائی اللہ تعالیٰ کے قوانین کے مطابق آتی ہے

• علہ اِس آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ منافقوں کو جو بھلائی پہنچتی ہے اُسے تو اللہ کی طرف منسوب کرتے ہیں ـ اور جو اُنہیں تکلیف پہنچتی ہے، اُسکے متعلق کہتے ہیں کہ اے رسُول! آپ کیطرف سے آئی ہے "هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ" لیکن ارشادِ ربانی ہے "قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ" کہہ دیجئیگا کہ کامرانیاں اور ناکامیاں سب اللہ کیطرف سے آتی ہیں ـ واضح رہے کہ یہ وہ آیت مجیدہ ہے جس سے یہ غلط نظریہ قائم کیا گیا ہے کہ اگر کسی نے کنوئیں سے بچ کر محفوظ راستہ اختیار کرکے اپنے آپکو اُس میں گرنے سے بچا لیا تو یہ بھلائی بھی اللہ کیطرف سے اُسکی تقدیر میں لکھی تھی ـ اور اگر وہ بے احتیاطی سے کنوئیں میں گر کر دونوں ٹانگیں توڑ لیتا ہے تو یہ بُرائی بھی اللہ کیطرف سے اُسکی تقدیر میں پہلے ہی سے لکھی تھی لیکن واضح رہے کہ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ کا یہ مفہوم صحیح نہیں ـ بلکہ اسکا صحیح مفہوم وہ ہے جو اوپر عربی متن کے بالمقابل خط کشیدہ الفاظ میں کہا گیا ہے ـ کہ بھلائیاں اور تکلیفیں سب اللہ کیطرف سے اُسکے قانون کے مطابق آتی ہیں ـ

• فرض کیجئے کہ سرِ راہ ایک کنواں ہے ـ جو شخص اُس سے بچکر راستہ اختیار کرتا ہے اُسے حفظ و امن کی جو بھلائی میسر آتی ہے ـ وہ بھی اللہ کے قانون کے مطابق ہوتی ہے کہ اُسکا جسم کنوئیں کے خلا کی زد میں نہیں آیا ـ اور اسکے برعکس بے احتیاطی کی بدولت یا جان بُوجھکر کنوئیں میں گرنے والے کو جو تکلیف پہنچتی ہے، وہ بھی اللہ تعالیٰ کے قانون کے مطابق پہنچتی ہے ـ کہ اُسکا جسم چونکہ کنوئیں کے خلا کی زد میں آگیا ـ اسلئے اُسکا گرنا بھی لازمی امر تھا ـ اور اسکے بعد سر یا ٹانگوں پر ضرب میں آنا بھی ضروری تھا ـ لیکن بعض دفعہ یہ بھی ہوتا ہے کہ کنوئیں میں یا چھت سے زمین پر گرنے والا بال بال بچ جاتا ہے ـ تو یہ صورت بھی اللہ تعالیٰ کے قانون کے مطابق ہی عمل میں آتی ہے کہ گرنے والا کسی ایسے مخصوص زاویئے پر گرتا ہے کہ اُسے خراش تک نہیں آتی یا کوئی چیز وقتی بچاؤ کی موجب بن

جاتی ہے، جس کا ہمیں علم نہیں ہوتا۔

● فلہذا کُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ کا صحیح قرآنی مفہوم یہ ہے کہ ہر بھلائی اور ہر برائی اللہ تعالیٰ کے قوانینِ مشیت کے مطابق ہی آتی ہے مختلف موقعوں پر جس طرح کے مختلف قوانینِ خداوندی کیساتھ سابقہ پڑتا ہے، اسی طرح کے مختلف اچھے یا برے نتائج برآمد ہوتے رہتے ہیں۔ لوگ جس چیز کو قسمت اور تقدیر کہکر پہلے سے لکھی ہوئی تصور کرتے ہیں، وہ پہلے سے لکھی ہوئی نہیں ہوتی۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے محکم و اٹل قوانین، اور عصری واقعات کے امتزاج کا نتیجہ بنکر ہر آن لکھی جا رہی ہوتی ہے۔

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں قوانینِ مشیت کی محکمیت پر دلیل قاطع کے انداز میں رسول اکرم سلام علیہ کو مخاطب کرکے ارشاد ہوتا ہے کہ خود آپکو بھی جو بھلائی یا برائی پہنچتی ہے وہ بھی قوانینِ مشیت کے مطابق ہی پہنچتی ہے۔ کیونکہ قوانینِ مشیت کسی کی رعائت نہیں کرتے۔ اور آپ کو اللہ تعالیٰ نے اپنا پیغام پہنچانے والا بناکر بھیجا ہے، قوانینِ مشیت میں شریک نہیں بنایا:۔

مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ز
جو پہنچے آپکو میں سے بھلائی کے، پس طرف سے اللہ کے ہے
وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ ط وَ
اور جو پہنچے آپکو میں سے برائی کے، پس طرف سے جان تیری کے ہے! اور
اَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا ط وَكَفٰى بِاللّٰهِ
بھیجا ہم نے آپکو واسطے لوگوں کے۔ اور کافی ہے اللہ
شَهِيْدًا ○ ۷۹
گواہ

(اے رسول) خود آپکو بھی جو بھلائی پہنچتی ہے وہ بھی اللہ کی طرف سے (یعنی قوانینِ مشیت کے مطابق) پہنچتی ہے۔ (وہ ان کاموں کا نتیجہ ہوتا ہے جو قوانینِ الٰہی سے ہم آہنگ ہوتے ہیں) اور آپکو جو تکلیف پہنچتی ہے (وہ بھی قوانینِ مشیت کے مطابق پہنچتی ہے) آپکی طرف سے کسی تدبیری کمزوری کا نتیجہ ہوتا ہے۔ (ہمارا قانون آپکی رعائت بھی نہیں کرتا۔ کیونکہ) ہمنے آپکو لوگوں کیطرف پیغام رساں بناکر بھیجا ہے۔ (آپکو قوانینِ مشیت میں دخیل نہیں بنایا) اور اس حقیقت پر اللہ کافی گواہ ہے۔

● ؏ یہ با زائدہ ہے۔ اسلئے اسکا معنی نہیں لکھا گیا۔

● اس آیت مجیدہ میں قوانینِ مشیت کی محکمیت اور آنحضورؐ کی بشری حیثیت (۱۸:۱۱۰) کا اعلان کیا گیا ہے۔ لیکن حضورؐ کی رسولی حیثیت یہ ہے کہ آپ احکام خداوندی کی تبلیغ میں سو فیصدی امین اور قرآن کریم کے فرمانبردار تھے۔ پیغام الٰہی میں مطلقاً کمی بیشی نہیں فرماتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ سلسلۂ درس کی اگلی عین متصلہ آیت میں ارشاد ہوا ہے کہ رسول کی اطاعت اللہ ہی کی اطاعت ہے:۔

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ
جو کوئی اطاعت کرتا ہے رسول کی پس بیشک اطاعت کرتا ہے
اللّٰهَ ج وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ
اللہ کی۔ اور جو کوئی منہ موڑے پس نہیں بھیجا آپ کو اوپر ان کے

(حقیقت یہ ہے کہ) جو کوئی اطاعت کرے اللہ کے رسول کی تو بیشک وہ اطاعت کرتا ہے اللہ کی۔ اور جس نے اللہ کے رسول کی اطاعت سے منہ موڑا۔ تو (اے رسول!) ہمنے آپ کو لوگوں پر داروغہ بناکر نہیں بھیجا۔ (کہ آپ لوگوں سے زبردستی

حَفِیْظًاؕ ۸۰
داروغہ

اطاعت کروائیں)۔

اطاعت صرف اللہ تعالیٰ کی ہے

● اعلانِ خداوندی ہے کہ حکم صرف اللہ تعالیٰ کا ہے :- اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ۶/۵۷ + ۱۲/۴۰-۶۷ نیز اعلان فرمایا ہے :- وَلَا يُشْرِكُ فِىْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا ۱۸/۲۶ ۔ اور اللہ کسی ایک کو بھی اپنے حکم میں شریک نہیں کرتا ۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اطاعت ہوتی ہے حکم کی پس اطاعت صرف اُسکی ہوگی، جس کا حکم ہوگا ۔ پس جبکہ اللہ کے سوا کسی کا حکم ہے ہی نہیں، تو اللہ کے سوا کسی کی اطاعت واجب ہی نہیں ۔ پس مُطاعِ حقیقی اللہ تعالیٰ ہے ۔ اور رسُولِ مقبول خود اللہ تعالیٰ کے مطیع تھے ۔ آپؐ چونکہ اللہ کے رسُول، یعنی اُسکا حکم پہنچانیوالے تھے! ور اتنے بڑے امین تھے کہ اللہ کے حکم میں اپنا کوئی حکم شریک ہی نہیں کرتے تھے ۱۸/۲۶ ۔ اِسلئے آیتِ بالا ۴/۸۰ میں آنحضورؐ کی اطاعت کو اللہ ہی کی اطاعت قرار دیکر، ایک طرف آنحضورؐ کی شانِ اطاعتِ خداوندی کی انتہا بیان کردی ہے اور دُوسری طرف وحدتِ حکم و اطاعت کی تائید فرمادی ہے ۔ نیز صفحہ ۲۵۹ پر ۸/۲۰ ۔ ۹/۵۹ ۔ ۹/۶۲ اور ۹/۷۴ کے حوالوں سے ثابت کیا جاچکا ہے کہ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ میں اللہ کی اطاعت بذریعہ رسُول کا حکم ہے ۔ نہ اللہ اور رسُول کے دو الگ الگ حکموں کا تصوّر دیا گیا ہے اور نہ اللہ اور رسُول کی دو الگ الگ اطاعتوں کا حکم دیا گیا ہے ۔ جیسے کہ محوّلہ بالا آیتوں میں اللہ اور رسُول کیلئے تثنیہ کی بجائے ضمیر واحد آئی ہے :- اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ ۸/۲۰ ۔ پس اللہ اور رسُول کی دو الگ الگ اطاعتوں کا تصوّر مطلقًا غیر قرآنی ہے ۔ آیتِ بالا ۴/۸۰ میں اسی چیز کا بطلان کرکے اطاعتِ واحدہ کا اعلان کیا گیا ہے کہ ہمارا رسُول خالص ہماری اطاعت کرتا ہے، اِسلئے جو کوئی رسُول کی اطاعت کرتا ہے وہ اللہ کی اطاعت کرتا ہے ۔ اطاعت صرف ایک ہے اللہ کی ۔ ایک سے زائد اطاعتوں کا از روئے قرآنِ حکیم تصوّر تک نہیں کیا جاسکتا ۔

منافق لوگ آنحضورؐ کے ارشاداتِ گرامی کے خلاف سازشیں کرتے

● سلسلۂ درس کی اگلی آیتِ مجیدہ میں زمانۂ رسالت کے اُن لوگوں کی خبر دیگئی ہے جو اپنے آپکو رسُولِ مقبول کا اطاعت گزار بتاتے تھے لیکن جب آنحضورؐ کی مجلسِ مبارک سے چلے جاتے تو اپنی مجلسوں میں آپکے ارشادات کے خلاف مشورے اور سازشیں کیا کرتے تھے ۔ تاکہ آنحضورؐ کا وقتی منصوبہ ناکام ہوجائے ۔ لیکن حکم ہوتا ہے کہ آپؐ اُنکی پرواہ نہ کریں اور اللہ کے قانون پر بھروسہ رکھیں :-

وَيَقُوْلُوْنَ طَاعَةٌ ؗ فَاِذَا بَرَزُوْا
اور وہ کہتے ہیں اطاعت کرنا ۔ پھر جب جاتے ہیں

مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ
طرف سے پاس سے آپکے مشورہ کرتا ہے ایک گروہ، میں سے اُنکے

اور وہ کہتے ہیں (یعنی دعوٰی کرتے ہیں کہ) وہ اطاعت گزار ہیں ۔ پھر جب آپکے پاس سے جاتے ہیں تو (اپنی مخصوص مجلسوں میں) اُن میں سے ایک گروہ ایسا ہے کہ وہ مشورہ کرتا ہے اُسکے خلاف جو آپنے فرمایا ہو ۔ (تاکہ آپکا وقتی منصوبہ ناکام

غَيْرَ الَّذِي تَقُولُ ۚ وَاللَّهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُونَ ۚ
خلاف اسکے جو آپ کہتے ہیں۔ اور اللہ لکھتا ہے جو وہ مشورہ کرتے ہیں

فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۚ وَ
پس اعراض کیجئے طرف سے انکی اور بھروسہ کیجئے اوپر اللہ کے اور

كَفَىٰ بِاللَّهِ وَكِيلًا ۝ ۸۱
کافی ہے اللہ کارساز

ہو جائے) حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ (انکے اعمالناموں میں) لکھتا ہے جو وہ سازشی مشورے کرتے ہیں۔
پس (اے رسول!) آپ انکی پرواہ نہ کریں۔ اور (اپنے منصوبوں کی تکمیل کیلئے) اللہ کے قانون پر بھروسہ کریں اور اللہ کا قانون کارسازی کے لحاظ سے کافی ہے۔

• علہ تَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ کا یہ عوامی مفہوم غیر قرآنی ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے قوانینِ فطرت سے بے اعتنائی برتیں اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھیں کہ وہ ہمارے کاموں کو اپنے خود متعین کردہ قوانین کے خلاف سنوار دیگا۔ واضح رہے کہ لفظ توکّل کا سہ حرفی مادہ و۔ک۔ل = وکل ہے، جس کا بنیادی معنٰی ہے بھروسہ کرنا۔ اب اگر کوئی شخص درخت کی ٹہنی پر اگلی طرف بیٹھ کر اُسے آری کیساتھ کاٹنا شروع کر دے۔ اور اللہ پر بھروسہ رکھے ہوئے ہو کہ، وہ اُسے گرنے سے بچا لیگا۔ تو ظاہر ہے کہ اُسکا یہ توکّل علی اللہ مطلقاً غلط ہے۔ یقیناً ٹہنی کے کٹنے کیساتھ ہی وہ بھی زمین پر آ گریگا۔ کیوں؟ اسلئے کہ جس اللہ پر وہ توکّل، بھروسہ کئے ہوئے تھا۔ اُسی کا متعینہ قانون یہ ہے کہ کوئی وزن دار چیز بغیر سہارے کے ٹھہر نہیں سکتی۔ چونکہ جس ٹہنی کے سہارے وہ خود ٹہنی پر ٹھہرا ہوا تھا۔ جب وہ سہارا ہی نہ رہا۔ زمین پر آ گرا تو وہ بھی اُسکے ساتھ ہی زمین پر آ گریگا۔ پس ثابت ہوا کہ توکّل علی اللہ کا معنٰی یہ ہے کہ ہر مقام پر اللہ تعالیٰ کے خود متعین کردہ قوانین کے مطابق عمل کیا جائے۔ اور اُسکے قوانین کی حکمیت پر بھروسہ کیا جائے کہ وہ کبھی بھی انسان کو دھوکا نہیں دیتے۔ واضح رہے کہ، انسان کی موجودہ مادی ترقی اللہ تعالیٰ کے قوانین کی حکمیت ہی کی مرہونِ منت ہے۔

تدبّر فی القرآن کی تاکید

• اس سے اگلی آیت مجیدہ میں حکم ہوتا ہے کہ کسی مسئلہ کی گرہ قرآن کریم میں تدبر کئے بغیر نہ باندھنا۔ اور قرآن کریم میں تدبر اسطرح کرنا کہ اس میں تضاد پیدا نہ ہونے پائے۔ چنانچہ ارشادِ گرامی ملاحظہ فرمائیں:۔

أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ ۚ وَلَوْ كَانَ مِنْ
کیا پھر نہیں تدبر کرتے قرآن میں۔ اور اگر ہوتا طرف سے

عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا ۝ ۸۲
پاس غیر اللہ کے تو پاتے بیچ اسکے اختلاف بڑا

لوگ (مسائل کے اختلاف کے فیصلے کیلئے) قرآن میں کیوں تدبر نہیں کرتے۔ (یعنی انہیں ضرور ضرور تدبر کرنا چاہیئے) حقیقت یہ ہے کہ اگر (قرآن مجید) غیر اللہ کیطرف سے ہوتا تو لوگ اس میں (تھوڑا نہیں بلکہ) بہت زیادہ اختلاف موجود پاتے۔

قرآن کریم میں اختلاف موجود نہیں

• اس آیت مجیدہ میں تدبر فی القرآن کی تاکید کیساتھ ساتھ اس امر کی تاکید بھی موجود ہے کہ ایسا تدبر نہ کرنا جس سے اسکی آیات کریمات میں تضاد و تخالف پیدا کر کے رکھ دو۔ چونکہ یہ اللہ کیطرف سے ہے اسلئے اس میں تضاد موجود نہیں ہے۔ سابقہ آیت میں جو توکّل علی اللہ کا حکم دیا گیا ہے سیاقِ کلام کے مطابق سب سے پہلے اس مسئلہ کا اختلاف دور کرنا ضروری ہے۔ کہ کیا صرف تَوَكَّلْتُ عَلَى اللَّهِ کہدینے سے

توکل علی اللہ کے تقاضے پُورے ہوجاتے ہیں، یا تکمیلِ مقصد کیلئے ہمیں خود کوشش کرنی ہوگی؟ اور پھر کوشش کے دوران کیا اللہ تعالیٰ کے قوانینِ فطرت کو نگاہ میں رکھنا ہوگا، یا اُنکی مخالفت کرنے سے توکل علی اللہ کے تقاضے پُورے ہوجائینگے؟

• منافقوں کیطرف سے آنحضورؐ کے دینی منصوبوں کے خلاف سازشی مشوروں کی ایک صُورت

افواہوں پر کان نہ دھرو اِس سے اگلی آیت مجیدہ میں یہ بتائی گئی ہے کہ وہ آنحضورؐ کے خلاف پھیلائی گئی افواہوں کو بلا تحقیق عام کرتے رہتے تھے:۔

وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ
اور جب آتے ہیں اُنکو کوئی خبر، میں سے امن کے، یا

الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ ۭ وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى
یا خوف کے مشہور کرتے ہیں ساتھ اُسکے اور اگر لوٹاتے اُسے طرف رسول کے اور طرف

اُولِي الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ
اصحابِ امر میں سے اپنے کے البتہ جانتے اُسے جو لوگ تحقیق کرتے ہیں اُسکی

مِنْهُمْ ۭ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ
میں سے اُنکے۔ اور اگر نہ ہو فضل اللہ کا اوپر تمہارے، اور رحمت اُسکی

لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ اِلَّا قَلِيْلًا ۸۳
البتہ اتباع کرتے تم افواہ اُڑانیوالے کی مگر تھوڑے

اور (منافقوں کی حالت یہ ہے کہ) جب اُنہیں کوئی خبر دشمن کیطرف سے امن یا خوف کی ملتی ہے تو اُسے (بلا تحقیق) مشہور کردیتے ہیں۔ (جس سے عوام میں امن کی خبر سے بے پرواہی اور خوف کی خبر سے دہشت پھیل جاتی ہے) اور اگر وہ اُس خبر کو اللہ کے رسول کیطرف لوٹائیں یا اپنے میں سے رسول کے مقرر کردہ عمال کیطرف لوٹائیں تو بیشک اُن میں سے وہ لوگ جو کھوج لگاتے ہیں[۲] وہ اُس خبر کی حقیقت کو جان لیں (تو اچھا ہو)۔ اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اُسکی رحمت نہ ہو (جیسے کہ تمہیں خبروں کی تحقیق کا حکم دیا گیا ہے)، تو تم بری خبر اُڑانیوالے شیطان کی اتباع کرکے نقصان اٹھا لیتے۔ مگر تھوڑے ہوتے جو اُس غلط خبر کے ضرر سے بچ جاتے۔

• [۱] اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ کی بحث پیچھے آیت نمبر ۵۹ کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔ کہ اِس سے وہ ماتحت عمال مراد ہیں جنہیں خود رسولِ مقبول نے عوام میں سے مقرر کر رکھا تھا۔ اور آپکے بعد جنہیں آپکے مقدس جانشین رضی اللہ عنہم متعین فرمایا کرتے تھے۔ دشمن امن یا خوف کی جھوٹی خبریں اُڑا کر عوام میں بے پرواہی اور دہشت پھیلانا چاہتا ہے۔ اِسکا یہ انسداد بتایا گیا ہے کہ عوام میں سے جو شخص کوئی خبر سُنے تو اُسے آگے نہ پھیلائے، بلکہ یا تو آنحضورؐ کے پاس لے جائے اور یا اپنے قریب کے اُس عامل کے پاس لے جائے جو خود مرکزِ ملت کی طرف سے مقرر کیا گیا ہو۔

• [۲] يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ سے مراد یہ ہے کہ ریاست کیطرف سے جو لوگ خبروں کی تصدیق کیلئے مقرر کئے گئے ہیں وہ اُس خبر کا کھوج لگا کر اور پُوری تحقیق کے بعد عوام میں پھیلائیں۔ تاکہ معاشرہ غلط خبر کے ضرر سے بچ رہے۔

• [۳] یہاں شیطان سے مراد ہے معاشرہ میں غلط خبر اُڑانیوالا۔ ویسے اِس لفظ کا سہ حرفی مادہ ہے ش۔ ط۔ ن = شطن۔ جسکا بنیادی معنی ہے، مخالفت کرنا، دُور ہونا۔ شَطَنَ کا معنی ہے وہ مخالف ہوگیا۔ شَطَنَ الدَّارُ کا معنی ہے گھر دُور ہوا۔ یہ لفظ عموماً اللہ تعالیٰ اور حق و صداقت سے دُوری کیلئے آتا ہے۔ جیسے کہ شَطَنَ الرَّجُلُ کا معنی ہے بَعُدَ عَنِ الْحَقِّ = آدمی حق و صداقت سے دُور ہوگیا۔ اِسطرح شیطان سے مراد وہ آدمی ہے جو حق و صداقت سے دُور ہوگیا۔ جھوٹی خبریں اُڑانیوالے کیلئے اسی نہج

سے شیطان کا لفظ لایا گیا ہے۔

● اِس سے اگلی آیت مجیدہ میں رسولِ اکرم کو مخاطب کر کے قتال کا حکم دیا گیا ہے، کہ دشمن کیطرف سے اڑائی ہوئی غلط خبروں کے انسداد کریں۔ اور دشمن کیساتھ لڑتے رہیں۔ آپ اپنی جان کے ذمّہ دار ہیں۔ مومنوں کو لڑائی کی ترغیب دیتے رہیں۔ فتح آپکے قدم چومیگی:۔

فَقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ۚ لَا تُکَلَّفُ
پس آپ لڑیئے بیچ راہ اللہ کے۔ نہیں مکلف آپ
اِلَّا نَفْسَکَ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِیْنَ ۚ عَسَی اللّٰہُ
مگر آپ کی اپنی جان اور تاکید کیجئے مومنوں کو۔ قریب ہے۔ اللہ
اَنْ یَّکُفَّ بَاْسَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا ۭ وَاللّٰہُ اَشَدُّ
کہ روک دے لڑائی اُن کی جو کافر ہوئے۔ اور ہے اللہ بہت سخت
بَاْسًا وَّاَشَدُّ تَنْکِیْلًا ۝ ۸۴
لڑائی کی رُو سے اور بہت سخت روکنے کی رُو سے

پس اے رسول! آپ مظلوموں کی مدد ۵/۲ اور ملکی دفاع ۲۲/۲۹ کیلئے) اللہ کی راہ میں لڑتے رہیں۔ نہیں ہیں مکلف سوئے اپنی جان کے۔ اور مومنوں کو (قتال فی سبیل اللہ کی) آپ تاکید کیجئے (یعنی انہیں فوجی ٹریننگ دیجئے) قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ روک دے اُن لوگوں کی لڑائی کو جنہوں نے ضابطۂ الٰہی کا انکار کیا ہے یعنی وہ ہتھیار ڈالدیں۔ حقیقت یہ ہے کہ، اللہ تعالیٰ بہت سخت ہے لڑائی کی رُو سے بھی۔ اور بہت سخت ہے روک دینے کی رُو سے بھی۔

● علہ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلَی الْقِتَالِ کا حکم آنحضور کے نام ۸/۶۵ میں بھی آیا ہے۔ حَرِّضْ کا سہ حرفی مادہ ح۔ ر۔ ض = حرض ہے۔ جسکا بنیادی معنٰی ترغیب دینا اور تاکید کرنا ہے۔ لیکن حَرِّضْ عَلَی الْقِتَالِ کے الفاظ سے عیاں ہوتا ہے کہ میدانِ جنگ میں لڑائی کرنے یعنی قتال کیلئے تاکید و ترغیب سے پہلے لازم ہے کہ جسے ترغیب دی جائے وہ فنونِ حرب میں تاک کیا جا چکا ہو۔ اِسلئے حَرِّضِ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلَی الْقِتَالِ کا معنٰی جب جنگ جاری نہ ہو، اُسوقت یہ ہے کہ جنگ کی تیاری کیلئے مومنوں کو فنونِ جنگ کی ٹریننگ دیتے رہیں۔ اور جب جنگ شروع ہو جائے، اُسوقت اِسکا معنٰی یہ ہے کہ مومنوں کو قتال کی ترغیب اور تاکید فرمائیں۔ یہ جنگ اور امن ہر وقت کیلئے ہے۔

جنگی تجاویز

● سیاقِ کلام کے ربط و وصل کے مطابق، جبکہ جنگ سے متعلقہ مسلسل عنوان چل رہا ہے اِسلئے سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں ارشاد ہوا ہے کہ جنگی تجاویز پیش کرنیوالوں کو، انتہائی غور و خوض کے بعد ہی پیش کرنی چاہئیں کیونکہ:۔

مَنْ یَّشْفَعْ شَفَاعَۃً حَسَنَۃً یَّکُنْ لَّہٗ
جو کوئی سفارش کرے سفارش اچھی، ہوگا واسطے اُسکے
نَصِیْبٌ مِّنْہَا ۚ وَمَنْ یَّشْفَعْ شَفَاعَۃً سَیِّئَۃً
حصہ، میں سے اُسکے۔ اور جو کوئی سفارش کرے سفارش بُری

جو شخص (جنگ کے دوران) کوئی اچھی سفارش کریگا۔ تو (اُسکے اچھے نتیجے میں) اُسکا بھی حصہ ہے۔ اور جو کوئی (جنگ کے دوران) بُری سفارش کریگا۔ تو اُسکے بُرے نتیجے کا بوجھ اُس پر بھی ہوگا۔ (کسی شخص کو یہ خیال نہیں کرنا چاہیئے کہ کسی بُری

يَكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا ۗ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ
ہو گا واسطے اُسکے بوجھ میں سے اُسکے۔ اور ہے اللہ اُوپر ہر چیز کے
مُّقِيْتًا ۝ ۸۵
پیمانے مقرر کرنیوالا

تجویز کے بُرے اثر سے وہ بچ جائیگا)۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کے پیمانے مقرر کرنیوالا (ہر چیز کیلئے قانون متعین کرنے والا) ہے۔

• جنگ اور امن دونوں زمانوں میں داخلی نظم و ضبط کا قیام انتہائی لازمی چیز ہے۔ اِسلئے چونکہ باہمی سلام و تحیۃ داخلی نظم و ضبط کی ایک ظاہری لازمی علامت ہے۔ اِسلئے سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں باہمی سلام کے آداب کی وضاحت کیگئی ہے:۔

وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ
اور جب دعا دیئے جاؤ تم ساتھ دعا کے تو دعا دو ساتھ اچھے طریقے
مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰي كُلِّ
سے اُسکے۔ یا لوٹا دو اُسی کو۔ بیشک اللہ ہے اوپر ہر
شَيْءٍ حَسِيْبًا ۝ ۸۶
چیز کے حساب لینے والا

اور (ایمان والو! باہمی تحیۃ کے آداب بھی سُن لو) جب تم کسی کیطرف سے نیک دعا کیسا تھ دُعا دیئے جاؤ (یعنی جب تمہیں کوئی سلام کرے) تو تم اُس سے بہتر الفاظ میں دعا دیا کرو اور یا وُہی الفاظ لوٹا دیا کرو۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز کا حساب لینے والا ہے۔ (یاد رکھو کہ دعا سلام تک کا بھی حساب لیا جائیگا)۔

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ لَيَجْمَعَنَّكُمْ
اللہ ہے۔ نہیں کوئی حاکم مگر وہی۔ البتہ وہ جمع کریگا تم کو
اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۭ وَمَنْ اَصْدَقُ
بیچ دن قیامت کے نہیں شک بیچ اُسکے۔ اور کون ہے بڑھکر سچا
مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا ۝ ۸۷ ع ۱۱ النصف
سے اللہ کے، بات کی رُو سے

(اے پوری نوعِ انسانی! بغور سُن لو کہ) اللہ ہی وہ ذات ہے کہ اُسکے سوا کوئی فرمانبرداری کے لائق نہیں ہے۔ وہ تم سب کو (تمہارے اعمال کی جزا ہی اور حساب کے لئے یکجا) قیامت کے دن (یعنی جس دن تم دوبارہ اُٹھائے جاؤ گے) ضرور جمع کریگا۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ سے بڑھکر بات کی رُو سے کون سچا ہے (کوئی بھی نہیں)۔

منافق جنگ نفاق نہ چھوڑیں اُسوقت تک اُنکی ہدایت ممکن نہیں

• واضح رہے کہ قرآن مجید میں منافقین کے مسئلہ کو بہت اہمیت دیگئی ہے۔ یہ اِسلئے کہ یہ لوگ مومنوں کی ترقی کی راہ میں سنگِ گراں بنے رہتے ہیں۔ اِسلئے مومنوں کی جماعت سے منافقوں کا اخراج انتہائی ضروری ہے۔ اگلی آیت مجیدہ میں اُنہی کے متعلق ارشاد ہُوا ہے:۔

فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ
پھر کیا ہے واسطے تمہارے بارے میں منافقوں کے دو گروہ ہو گئے ہو

پھر (ایمان والو!) تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم منافقوں کے بارے میں دو گروہ ہو گئے ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ

وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا ؕ

حالانکہ اللہ اُلٹ دیگا اُنکو۔ ساتھ اُسکے جو کسب کرتے ہیں وہ۔

اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَهْدُوْا مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ؕ

کیا تم ارادہ کرتے ہو کہ تم ہدایت دو اُسے جسے گمراہ ٹھہرایا اللہ نے

وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ۸۸

اور جسے گمراہ ٹھہرائے اللہ۔ تو ہرگز نہ پائیگا تو واسطے اُسکے راہ

اُنہیں (اُنکے منافقانہ عملوں کی بدولت) اُلٹ کو تہ و بالا کر دیگا۔
(اُنکے متعلق اچھی رائے رکھنے والو!) کیا تم یہ ارادہ کرتے ہو کہ اُنہیں راہِ راست پر لے آؤ گے، جنہیں اللہ تعالیٰ نے (اُنکی گمراہی کی بدولت) گمراہ ٹھہرا دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جسے (اُسکی گمراہی کی بدولت) اللہ گمراہ ٹھہرا دے اُس کی ہدایت کی کوئی راہ (اے رسول!) آپ بھی نہیں پائینگے۔

مُنافق تو تمہیں بھی کافر بنانا چاہتے ہیں

• آیت بالا میں منافقوں کے متعلق واضح کیا گیا ہے کہ وہ اپنے لئے ہدایت کے تمام راستے خود مسدود کر لیتے ہیں۔ کیونکہ یہ وہ لوگ ہیں جو ضابطۂ خداوندی کی صداقت کو اچھی طرح جانتے ہوئے اپنے ذاتی فائدوں کیلئے کافروں کیساتھ بھی ملے رہتے ہیں اور مومنوں کیساتھ بھی۔ ایسے لوگوں کے متعلق اگلی آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ یہ منافق لوگ دراصل کفار کے ایجنٹ ہوتے ہیں۔ مومنوں میں اسلئے ملے رہتے ہیں کہ اپنے آپکو مومن ظاہر کرکے ذاتی فائدے بھی اُٹھائیں۔ اور ہر ممکن طریقے سے مومنوں کو بھی پھر سے کفر میں لوٹا کر لے جائیں:۔

وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا

وہ چاہتے ہیں، کاش تم انکار کر دو، جیسے اُنہوں نے انکار کیا۔

فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِيَآءَ

پھر تم ہو جاؤ برابر۔ پس نہ پکڑو تم، بیچ سے اُن کے دوست،

حَتّٰى يُهَاجِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا

یہاں تک کہ وہ ہجرت کریں بیچ رہ اللہ کے، پھر اگر وہ منہ موڑیں

فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ ۪

تو پکڑو اُنکو، اور قتل کرو اُن کو جہاں بھی پاؤ تم اُن کو۔

وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ۙ ۸۹

اور نہ پکڑو، بیچ سے اُن کے دوست اور نہ مددگار

(منافق لوگ) یہ چاہتے ہیں کہ کاش ایسا ہو کہ جسطرح اُنہوں نے ضابطۂ الٰہی کا انکار کر دیا ہے۔ اُسیطرح تم بھی انکار کر دو پھر (اس انکار کے ضمن میں) تم دونوں برابر ہو جاؤ۔ پس ایسے لوگوں میں سے اُسوقت تک کسی کو دوست نہ بنانا، جبتک کہ وہ اللہ کے دین کیلئے (سابقہ نظریات سے پوری طرح) ہجرت نہ کر جائیں۔ پھر اگر وہ اِس سے روگردانی کریں (یعنی تمہارے اندر رہکر اپنے باطل نظریات کی تبلیغ کریں) تو اُنہیں گرفتار کر لو۔ (پھر اگر وہ فرار ہو کر روپوش ہو جائیں تو اُن کی تلاش کرو اور) اُنہیں جہاں پاؤ قتل کر دو۔ علہ اور (اگر وہ فرار ہو کر کہیں الگ ریاست بنالیں تو) اُن میں سے نہ کسی کو دوست بنانا نہ مددگار۔ علہ

• علہ اِس آیت مجیدہ میں آنحضورؐ سمیت صحابہؓ کو حکم دیا گیا ہے کہ منافقوں کو تلاش کرکے گرفتار کرو اور ایک ایک کو قتل کر دو۔ یہی حکم خالص آنحضورؐ کے نام منافقوں کی تلاش، گرفتاری اور قتل کا [illegible] میں بھی دیا گیا ہے۔ اِس ہدایت

مُسلمہ کے اُن حضرات سے مودبانہ التماس ہے کہ وہ اپنے نظریات پر نظرِ ثانی کریں جو یہ کہتے ہیں کہ آنحضورؐ کی زندگی میں منافق لوگ آنحضورؐ پر چھائے رہے۔ نفاق کو چھپائے رکھا۔ حتّٰی کہ آنحضورؐ کی وفاتِ مبارک کے بعد منافق ہی مسندِ خلافت پر قابض ہوگئے العیاذ باللہ! - واضح رہے کہ اگر یہ نظریہ صحیح مانا جائے تو آنحضورؐ کی نبوت کی فکر کرنا ہوگی۔ کیونکہ خُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ ۴/۸۹ کے مطابق آنحضورؐ اور صحابہؓ پر فرض کر دیا گیا تھا کہ منافقوں کو گرفتار کر کے ایک ایک کو قتل کر دیں۔ لیکن مذکورہ نظریہ کے مطابق آنحضورؐ اور صحابہؓ نے اس حکم کی معاذ اللہ استغفر اللہ، نافرمانی کی، حتّٰی کہ منافق، نہ صرف زندہ رہے۔ بلکہ مسندِ خلافت تک پہنچ گئے۔ واضح رہے کہ قرآن مجید کی آیت زیرِ بحث ۴/۸۹ کے مطابق یا تو صحابہؓ کے اندر آنحضورؐ کی وفاتِ مبارکہ تک منافقوں کی موجودگی کے نظریہ سے توبہ کرنا لازم ہے ورنہ آنحضورؐ کی نبوت کی فکر کرنا ہوگی۔ معاذ اللہ! استغفر اللہ! کہ اللہ تعالیٰ نے منافقوں کی تلاش، گرفتاری اور قتل کا حکم دیا تھا جس کی تعمیل نہیں کی گئی تھی۔ نیز واضح رہے کہ پچھلی آیت مجیدہ ۴/۸۸ سے ثابت ہے کہ منافق آنحضورؐ اور صحابہؓ سے مخفی نہیں تھے۔ کیونکہ بتایا گیا ہے کہ اُنکے متعلق صحابہؓ کے دو گروہ ہو گئے تھے۔ پس مجملہ منافق مخفی نہیں تھے بلکہ پوری طرح ظاہر ہو چکے تھے۔ جو اللہ کے مندرجہ بالا حکم ۴/۸۹ کے مطابق گرفتار اور قتل کر دیئے گئے تھے۔

● ۱۱۰ اگر منافقین گرفتاری اور قتل سے فرار ہو کر بفرضِ محال طاقت بنا کر کہیں کوئی حکومت قائم کریں تو حکم دیا گیا ہے کہ نہ اُن سے دوستانہ تعلقات قائم کرنا اور نہ اُنکے ساتھ باہمی مدد کا معاہدہ کرنا۔ کیونکہ خطرہ ہے کہ دوستی اور معاہدے کی آڑ میں تمہیں انتہائی نقصان پہنچائینگے۔

قرآن کریم کی رُو سے معاہدات کی اہمیت

● مفرور منافقوں کے متعلق اگلی آیت مجیدہ میں صرف ایک استثنیٰ بیان کی گئی ہے کہ ہاں اگر وہ کسی ایسی قوم سے جا ملیں جس کیسا تھ تمہارا جنگ نہ کرنے کا معاہدہ ہو تو وہ مذکورہ سزا سے بچ سکتے ہیں:-

اِلَّا الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ اِلٰى قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ

سوائے اُن لوگوں کے جو مل جائیں ساتھ اُس قوم کے کہ بیچ درمیان تمہارے

وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ اَوْ جَآءُوْكُمْ حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ

اور درمیان اُنکے عہد یا وہ آئیں تمہارے پاس کہ تنگ ہوئے ذہن اُنکے

اَنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ اَوْ يُقَاتِلُوْا قَوْمَهُمْ ۭ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ

کہ وہ لڑیں تم سے یا وہ لڑیں قوم اپنی سے اور اگر چاہے اللہ

لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ فَلَقٰتَلُوْكُمْ ۚ فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ

طاقت دے انہیں مقابل تمہارے تو ضرور لڑیں تم سے پھر اگر وہ بچیں تم سے

فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ وَاَلْقَوْا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ ۙ

پھر نہ لڑیں تم سے اور پیش کریں طرف تمہاری صلح

سوائے اُن لوگوں کے (یعنی منافقوں میں سے وہ لوگ مذکورہ سزا سے مستثنیٰ ہیں) جو اُس قوم کی پناہ میں چلے جائیں کہ تمہارے اور اُنکے درمیان (عدمِ جنگ کا) معاہدہ ہو۔ یا وہ خود تمہارے پاس آ جائیں (اس حالت میں کہ) اُنکے ذہن لڑائی سے تنگ آ چکے ہوں کہ نہ وہ تمہارے ساتھ لڑینگے اور نہ اپنی قوم کیساتھ اور اگر کہیں وہ اللہ کے قانونِ مشیت کے مطابق تم پر غلبہ پانے کی طاقت پالیں تو وہ ضرور تم سے جنگ کریں پس اگر منافق تمہارے ساتھ لڑنے سے پرہیز کریں۔ تو پھر وہ تمہارے ساتھ جنگ نہ کریں۔ اور تمہارے سامنے صلح کا (ارادہ) پیش کریں تو پھر (ایسے حالات میں) اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے اُن کے

فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا ۝ ۹۰

پھر نہیں ٹھہرائی اللہ نے تمہارے واسطے تمہارے خلاف انکے کوئی راہ

خلاف لڑائی کا کوئی جواز قرار نہیں دیا۔

منافقوں کی ایک اور قسم

• اس سے اگلی آیت مجیدہ میں ایک اور قسم کے منافقوں کی خبر دیگئی ہے جو مومنوں کیساتھ صلح جوئی کیساتھ رہنا چاہتے ہیں، لیکن جب انہیں کوئی قوم مومنوں کے خلاف ابھارتی ہے تو لڑنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں:۔

سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِيْنَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّاْمَنُوْكُمْ

ضرور پاؤ گے تم دوسرے ارادہ کرتے ہیں کہ یا امن رہیں تم سے

وَيَاْمَنُوْا قَوْمَهُمْ ؕ كُلَّمَا رُدُّوْٓا اِلَى الْفِتْنَةِ اُرْكِسُوْا

اور با امن رہیں قوم اپنی سے جب بلائے جائیں طرف لڑائی کے کود پڑیں

فِيْهَا ۚ فَاِنْ لَّمْ يَعْتَزِلُوْكُمْ وَيُلْقُوْٓا اِلَيْكُمُ

بیچ اسکے پھر اگر پرہیز کریں تم سے اور نہ پیش کریں طرف تمہاری

السَّلَمَ وَيَكُفُّوْٓا اَيْدِيَهُمْ فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ

صلح اور نہ روکیں ہاتھ اپنے، تو پکڑو تم انکو، اور قتل کرو ان کو

حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ ؕ وَاُولٰٓئِكُمْ جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ

جہاں کہیں پاؤ تم انکو۔ اور تم ہی ہو کہ ٹھہرایا ہمنے واسطے تمہارے اوپر انکے

سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ۝ ۹۱ ع ۱۳

غلبہ ظاہر

(ایمان والو!) تم ضرور ایک دوسری قسم کے منافق بھی پاؤگے جو ارادہ کرتے ہیں کہ تم سے بھی امن کیساتھ رہیں اور اپنی قوم سے بھی امن کیساتھ رہیں۔ (مگر انکی حالت یہ ہے کہ جب انہیں (تمہارے خلاف) لڑائی کیلئے ابھارا جائے تو جنگ میں کود پڑیں۔ پھر اگر وہ تمہارے خلاف جنگ کرنے سے پرہیز نہ کریں۔ اور تمہارے سامنے صلح کا پیغام پیش نہ کریں۔ اور تمہارے خلاف اپنے ہاتھ نہ روکیں تو پھر تم انہیں جہاں کہیں پاؤ گرفتار کرلو۔ اور انہیں قتل کردو۔ تم ہی تو وہ لوگ ہو کہ ہم نے تمہارے لئے انکے خلاف لڑنے کی واضح دلیل ٹھہرادی ہے۔ (وہ لوگ ضرور تمہارے ہاتھوں شکست فاش پائینگے)۔

• علہ دیکھئے اس آیت میں بھی منافقوں کو گرفتار کرنے اور قتل کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

کوئی مومن کسی مومن کو قتل نہ کرے

• منافقوں کے قتل کے حکم کے بعد اگلی آیت میں کہا گیا ہے کہ کوئی مومن کسی مومن کو قتل نہ کرے اور اگر کسی مومن سے کسی مومن کا سہواً قتل واقع ہو جائے تو ایک غلام آزاد کرے اور خون بہا بھی ادا کرے:۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا

اور نہیں لائق واسطے کسی مومن کے کہ وہ قتل کرے کسی مومن کو سوائے

خَطَـئًا ۚ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـئًا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ

خطا کے۔ اور جو کوئی قتل کرے کسی مومن کو خطا سے تو آزاد کرنا ہے ایک گردن

اور کسی مومن کیلئے (یہ روا نہیں کہ) وہ کسی مومن کو (جان بوجھکر) قتل کرے۔ سوائے اسکے کہ بھول کر قتل ہو جائے۔ اور جو کوئی کسی مومن کو بھول کر قتل کرے تو وہ ایک مومن کی گردن آزاد کرے۔ (یعنی اگر کوئی مومن کسی کافر کی غلامی میں ہو تو

مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ اِلَّآ اَنْ

مومن کا اور خون بہا دینا مقررہ طرف وارث اسکے۔ مگر یہ کہ

يَّصَّدَّقُوْا ۭ فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَھُوَ مُؤْمِنٌ

وہ معاف کریں۔ پھر اگر ہو بیں سے قوم دشمن تمہاری کے، اور وہ مومن ہو

فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۭ وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍۢ

تو آزاد کرنا ہے ایک گردن مومن کا۔ اور اگر ہو میں سے قوم کے

بَيْنَكُمْ وَبَيْنَھُمْ مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَھْلِهٖ

کہ ہے درمیان تمہارے اور درمیان انکے عہد تو خون بہا دینا مقررہ طرف وارث اسکے

وَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ

اور آزاد کرنا ہے ایک گردن مومن کا۔ پھر جو کوئی نہ پائے تو روزے رکھنا

شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ ۡ تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ

دو ماہ کے پے در پے۔ رجوع کرنا ہے طرف اللہ کی۔ اور ہے اللہ

عَلِــيْمًا حَكِــيْمًا ۝ ۹۲

بڑھکر جاننے والا حکمت والا

اُسکی قیمت ادا کر کے اُسے آزاد کرائے، اور جب غلامی کا دور گزر جائے تو کسی مومن مقروض کا قرضہ ادا کرے)۔ اور ساتھ ہی مقتول کے وارثوں کو باہمی مسلّمہ معینہ خون بہا ادا کرے سوائے اسکے کہ وہ (برضا و رغبت خون بہا) معاف کر دیں۔ پھر اگر وہ تمہاری دشمن قوم سے ہو اور مقتول مومن ہو، تو پھر ایک مومن کی گردن آزاد کرنا ہے (دشمن قوم کو خون بہا ادا نہیں کیا جائیگا)۔ اور اگر مقتول اُس قوم میں سے ہو کہ اُن کے اور تمہارے درمیان صلح (عدم جنگ) کا معاہدہ ہے تو مقتول کے وارث کو باہمی مسلّمہ مقررہ خون بہا ادا کرنا ہے۔

اور ایک مومن کی گردن آزاد کرنا ہے (یا ایک قرضدار کا قرضہ ادا کرنا ہے) پھر جو کوئی (گردن آزاد کرنے کی) طاقت نہ پائے تو وہ دو ماہ کے پے در پے روزے رکھے۔ یہ اللہ (یعنی اسکے امن کے قانون) کیطرف رجوع کرنا ہے[1]۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بہت بڑھکر جاننے والا اور حکمت والا ہے[2]۔

● [1] بلا ارادہ قتل کی سزا سے بھی کوئی مومن بچ نہیں سکتا۔ چنانچہ حکم دیا گیا ہے کہ اگر قاتل بلا عمد گردن آزاد کرنے (یعنی کسی مومن کو غلامی سے یا مومن مقروض کو قرضہ سے آزاد کرانے) کی طاقت نہیں رکھتا تو قتل بلا عمد کی سزا سے پھر بھی بچ نہیں سکتا۔ اُسے دو ماہ کے پے در پے روزے رکھنے ہونگے۔ تاکہ اللہ تعالیٰ کے قانونِ امن کیطرف رجعت کا ثبوت مہیا ہو جائے۔ اور مقتول کے وارثوں کی آتشِ انتقام ٹھنڈی ہو جائے۔

● [2] اللہ تعالیٰ بہت بڑھکر جاننے والا اور حکمت والا ہے کہ جبتک قاتل بلا عمد کو قانونی سزا نہیں دیجائیگی اُسوقت تک مقتول کے وارثوں کی انتقام کی آگ ٹھنڈی نہیں ہو سکتی۔ اور نہ آئندہ کیلئے امن کی ضمانت مہیا ہو سکتی ہے کہ مقتول کے وارث قتل کا بدلہ چکانے کیلئے کوئی ناقضِ امن اقدام نہیں کرینگے۔

مومن کے بارادہ قتل کی سزا ابدی جہنم ہے

● آیت بالا میں مومن کے قتل بلا عمد کی سزا بیان کرنے کے بعد سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں مومن کے قتل بارادہ کی سزا دائمی جہنم، اللہ کا غضب اور لعنت بیان ہوئی ہے۔

وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاۗؤُهٗ

اور جو کوئی قتل کرے کسی مومن کو ارادہ کیساتھ تو اسکی سزا

اور (دیگو خوب ہوش سے سن لو کہ) جو کوئی کسی مومن کو ارادے کیساتھ قتل کر دے، تو اُسکی سزا (اللہ کی طرف سے)

جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ
ناکامی ہے، ہمیشہ رہنا بیچ اُسکے اور ناراض ہوا اللہ اوپر اُسکے اور
لَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ۝۹۳
ناپسند کیا اُسے اور تیار کی واسطے اُسکے سزا بڑی

اُخروی ناکامی ہے ۔ اُس میں ہمیشہ رہنا ہے ۔ اور ناراض ہُوا اللہ تعالیٰ اُس پر اور ناپسند کیا اُسے (یعنی اُس سے بیزار ہوگیا) اور تیار کی اللہ نے اُسکے لئے سزا بڑی ۔

کسی مومن کے سہواً یا عمداً قتل کی سزا ایک نظر میں

• پیچھے آیت نمبر ۹۲ میں آپ دیکھ چکے ہیں کہ اگر کسی مومن کا بلا ارادہ قتل واقع ہو جائے یعنی کسی مومن شکاری نے فائر تو کیا ہرن کو شکار کرنے کیلئے ، مگر وہ سہواً جا لگا کسی مومن کو ، تو ایسے بلا ارادہ قتل کے متعلق ارشاد ہُوا ہے :۔

۱ اگر مقتول مومن اپنے ہی معاشرہ کا فرد ہے تو سہواً قتل کرنیوالا ایک مومن کی گردن بھی آزاد کرے ۔ جس کی دو صورتیں ہیں کہ اگر کوئی مومن کسی کا غلام ہو تو اُسکی قیمت ادا کرکے اُسکی گردن آزاد کرائے اور اگر کوئی غلام نہ ملے تو کسی مومن مقروض کی گردن آزاد کرائے اور مقتول کے وارثوں کو خوں بہا کی وہ رقم بھی ادا کرے جو متفقہ طور پر معاشرہ میں مقرر کیگئی ہو۔

۲ اگر مقتول مومن کسی دشمن قوم کا فرد ہو تو سہواً قتل کرنیوالا مومن ایک مومن غلام یا مقروض کی گردن آزاد کرائے ۔

۳ اگر مقتول مومن اُس قوم کا فرد ہے ، جسکے ساتھ مسلمانوں کا صلح کا معاہدہ ہے تو سہواً قتل کرنیوالا مومن مقتول کے وارثوں کو خوں بہا بھی ادا کرے اور ایک مومن غلام یا مومن مقروض کی گردن بھی آزاد کرائے ۔

۴ خوں بہا کی رقم اگر مقتول کے وارث معاف کریں تو معاف ہو سکتی ہے لیکن ایک مومن کی گردن آزاد کرانا ضروری ہے ۔

۵ اگر کسی مومن کو بلا ارادہ قتل کرنیوالا مومن ایک مومن کی گردن آزاد کرانے کی طاقت نہیں رکھتا تو اسلامی عدالت کے رُوبرو توبہ کرے اور توبہ کی تصدیق کیلئے مسلسل دو ماہ کے روزے رکھے ــــ یہ ہے کسی مومن کے ہاتھ سے کسی مومن کے سہواً قتل کی دُنیوی سزا جس سے قتلِ سہو کی اُخروی سزا باقی نہیں رہتی ۔

۶ اِس سے آگے آپ آیت نمبر ۹۳ میں دیکھ چکے ہیں کہ اگر کوئی مومن کسی مومن کو جان بُوجھ کر قتل کر دے تو اُسکی سزا ہے :۔

ابدی جہنّم ــــ اللہ کا غضب ــــ اُسکی لعنت ــــ اور عذابِ عظیم

اب آیئے نام نہاد اسلامی تاریخ کیطرف

• ہماری نام نہاد تاریخِ اسلام جسے مستشرقین قصاب کی دکان کے نام سے تعبیر کرتے ہیں یہ بتاتی ہے کہ رسُولِ مقبول کی وفاتِ مبارکہ کے بعد صحابۂ رسُول کی تلواریں باہم ایکدوسرے کے مقابلے پر بے نیام ہوگئیں اور معاذ اللہ معاذ اللہ ، ثم معاذ اللہ معاذ اللہ صحابہ نے صحابہ کو قتل کیا ۔ حالانکہ قرآنِ کریم کے لفظوں میں صحابۂ رسُول کو رضی اللہ عنہم کا دائمی سرٹیفکیٹ دیا گیا ہے ۔ اور انہیں اُنکی زندگی ہی میں ابدی جنّت کی خبر دیگئی تھی دیکھئے ارشادِ باری :۔

• وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ ۹/۱۰۰ ؛ اور مہاجرین و

انصار میں سے پہل کرنیوالے بھی اور وہ بھی کہ جنہوں نے ہجرت و نصرت میں اُن کی حُسن کارانہ پیروی کی، یعنی سابقون الاوّلون کے بعد میں ہجرت و نصرت کرنے والے، ان پہلے اور پچھلے سب مہاجر و انصار (صحابہ) پر اللہ راضی ہوگیا۔ اور وہ اللہ پر راضی ہوگئے۔ اور اُن کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایسے باغات کا وعدہ کر رکھا ہے، جن کی سطح میں نہریں بہتی ہونگی۔ اور وہ اُن میں ہمیشہ رہنے والے ہونگے۔

قرآن کریم اور نام نہاد اسلامی تاریخ کا تقابل

• آپ پ۹ میں دیکھ چکے ہیں کہ صحابۂ رسول رضی اللہ عنہم میں سے اللہ تعالیٰ نے ہر مہاجر و ناصر کے متعلق عموماً اور سابقون الاوّلون کے متعلق خصوصاً ابدی جنت کی بشارت کا اعلان کر رکھا ہے۔ لیکن ہماری نام نہاد اسلامی تاریخ کہتی ہے کہ ان پاکیزہ نفوس نے جن کی تعریف آپ پ۹ میں ملاحظہ فرما چکے ہیں، باہم ایکدوسرے کو ہزارہا کی تعداد میں قتل کیا۔ گویا کہ تاریخ کے مطابق وہ آیت مجیدہ ۴/۹۳ کے مصداق ہوئے۔ جیسے کہ تاریخ نے جنگِ جمل کے نام سے صحابہ صحابہؓ کی باہمی جنگ کا شاخسانہ کھڑا کر کے یہ خبر دی ہے کہ اس خونریز جنگ میں ایک طرف زوجۂ رسول صف آرا تھیں اور دوسری طرف برادر و دامادِ رسول نبرد آزما تھے۔ دونوں طرف کی فوجیں مشتمل تھیں اصحابِ رسول پر۔ اس جنگ میں فریقین کے کتنے مسلمان مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہوئے؟

جنگِ جمل

• اس سوال کا جواب سید عبد القادر ایم۔ اے کی مرتبہ تاریخ اسلام حصہ اوّل کے صفحہ ۲۶۳ کے الفاظ میں ملاحظہ فرمایئے: "یہ پہلی خانہ جنگی ہے جس میں نہ صرف مسلمانوں بلکہ صحابۂ رسول نے بھی ایکدوسرے پر تلوار چلائی ..... دونوں لشکروں کے دس ہزار سپاہی اس جنگ میں کام آئے۔"

جنگِ صفین

• جنگِ جمل کے بعد ہماری نام نہاد تاریخ اسلام نے جنگ صفین کے نام سے صحابہ اور صحابہؓ میں ایک ایسی خونریز جنگ کی خبر تراشی ہے، جس میں ایک طرف حضرت علیؓ برادر و دامادِ رسول اور دوسری طرف حضرت معاویہؓ نسبتی برادرِ رسول کو اسطرح برسرِ پیکار لایا گیا ہے کہ تاریخ اسلام سید عبد القادر صاحب کے صفحہ ۲۷۳ پر لکھا ہے کہ "اس میں پینتالیس ہزار سپاہی شامی لشکر کے اور پچیس ہزار لشکر خلافت کے مارے گئے"۔ یعنی معاذ اللہ معاذ اللہ دو عظیم صحابیوں کی زیرکمان ایک دوسرے کے خلاف خونریز جنگ میں دونوں طرف کے ستر ہزار مسلمان قتل ہوئے۔

• اب غور فرمائیں کہ یہ اُنہی صحابہ کو ایکدوسرے کا قاتل بتایا گیا ہے، جنہیں پ۹ میں اللہ تعالیٰ کیطرف سے رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُمۡ وَرَضُوۡا عَنۡہُ وَاَعَدَّ لَہُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ تَحۡتَہَا الۡاَنۡہٰرُ اور خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَاۤ اَبَدًا کا سرٹیفکیٹ دیا گیا ہے۔

• اب اگر بقول نام نہاد تاریخ اسلام صحابۂ رسول نے جنگ جمل میں دس ہزار اور جنگ صفین میں ستر ہزار مسلمانوں کو قتل کیا تھا تو وہ، سلسلۂ درس کی آیت زیر نظر ۴/۹۳ مَنۡ یَّقۡتُلۡ مُؤۡمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُہٗ جَہَنَّمُ خٰلِدًا فِیۡہَا وَغَضِبَ اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَلَعَنَہٗ وَاَعَدَّ لَہٗ عَذَابًا عَظِیۡمًا ۝ کے مصداق ٹھہرتے ہیں۔ معاذ اللہ استغفر اللہ۔ ثم معاذ اللہ استغفر اللہ۔

کیا قاتلوں پر قرآنی حد لگائی گئی تھی؟ • ہماری مروجہ نام نہاد تاریخ اسلام کہتی ہے کہ یہ جنگیں اور یہ قتلِ عظیم غلط فہمی کی بنا پر ہوا تھا۔ بالفاظِ دیگر یہ قتل بالعمد نہیں بلکہ قتل بلا عمد تھا ۔ اگر اتنے بڑے عظیم قتل کو بلا عمد ہی مان لیا جائے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ ۹۲/۴ کے قرآنی حکم کے مطابق جنگِ جمل کے بعد دس ہزار کے بلا ارادہ قاتلوں پر اور جنگِ صفین کے ستر ہزار کے بلا ارادہ قاتلوں میں سے جو جنگ سے زندہ بچ کر آئے تھے، اُن پر قرآنی حد لگائی گئی تھی۔ کیا اُن سب سے غلام آزاد کرائے گئے تھے؟ ۔ کیا اُن سے خون بہا دلوایا گیا تھا؟ ۔ اور یا کیا اُن سے دو دو ماہ کے پے در پے روزے رکھوائے گئے تھے؟ جواب ندارد۔ براہِ کرم جنگِ جمل اور جنگِ صفین کو صحیح ماننے والے اور ان جنگوں کو صحیح منوانے پر بضد رہنے والے حضرات ٹھنڈے دماغ کیساتھ غور فرمائیں کہ اگر ایسا نہیں کیا گیا تھا تو پھر کیا؟

تحفظِ ناموسِ صحابہ • جنگِ جمل کے فریقین قرآن کریم کے متبع ثابت ہیں یا قرآن کے باغی؟ العیاذ باللہ ۔ افسوس ہے کہ نام نہاد اسلامی تاریخ کے مطابق اُن صحابہ کو ایک دوسرے کے قاتل بنایا گیا ہے۔ جن کے متعلق سورۃ فتح میں ارشاد ہوا ہے:۔

• مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ ۲۹/۴۸ = محمد اللہ کے رسول ہیں اور وہ لوگ جو اُنکے ساتھ ہیں وہ کافروں پر سخت اور آپس میں رحیم و کریم ہیں ۔ اِس آیت مجیدہ کی رُو سے صحابہ کا اَشِدَّاءُ بَيْنَهُمْ ہونا ہرگز تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ ذیل میں صحابہ کی قرآنی شان اور تاریخی حیثیت سے متعلقہ قرآنی آیات کریمات بالمقابل پیش کیجاتی ہیں:۔

شانِ صحابہ قرآنِ کریم کی رُو سے	شانِ صحابہ نام نہاد تاریخ کی رُو سے
• وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۱۰۰/۹	• وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ۹۳/۴
• اور مہاجرین و انصار میں سے پہل کرنیوالے اور وہ بھی، کہ جنہوں نے ہجرت و نصرت میں کوئی حسن کارانہ اتباع کی اللہ تعالیٰ (پہلے پچھلے مہاجرین و انصار) سب پر راضی ہو گیا اور وہ سب اللہ پر راضی ہو گئے۔ اور اللہ نے اُنکے لئے ایسے باغات تیار کر رکھے ہیں جن کی سطح میں نہریں بہتی ہونگی۔ اور وہ اُن میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔	• اور جو کوئی قتل کرے کسی مومن کو ارادے کیساتھ تو اُسکی سزا آخروی ناکامی (جہنم) ہے۔ وہ اُس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ اُن پر اللہ کا غضب ہے۔ اور اُن پر اُس نے لعنت کی۔ اور اُس نے اُن کے لئے بہت بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

• اب اس تقابل کی روشنی میں صحابہ کی شان ملاحظہ فرمائیں کہ قرآن کیا کہتا ہے اور مروجہ تاریخ کیا کہتی ہے:۔

۱	قرآن مجید کہتا ہے کہ صحابۂ رسول پر اللہ تعالیٰ راضی ہو گیا $\frac{9}{100}$	لیکن نام نہاد تاریخ اسلام انہیں اللہ کے غضب کا مستحق ٹھہراتی ہے ۔
۲	〃 〃 〃 〃 〃 جنت کے وارث ہیں $\frac{9}{100}$	〃 〃 〃 〃 〃 اسکے برعکس ثابت کرتی ہے معاذ اللہ!
۳	〃 〃 〃 〃 〃 جنت میں ہمیشہ رہینگے $\frac{9}{100}$	〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃
۴	〃 〃 〃 〃 〃 آپس میں رحیم و کریم تھے $\frac{48}{29}$	〃 〃 〃 کے مطابق معاذ اللہ وہ باہم ہزاروں کے قاتل تھے

ہم سلسلۂ درس کی آیت نمبر ۹۳ کی تفسیر کے ضمن میں عرض کرتے ہیں کہ :-

رجوع الی المطلب قرآن کریم کی رُو سے ایک ایک مومن بالقدر اسلام کا وہ گراں بہا سرمایہ ہے کہ اگر کسی مومن کے ہاتھ سے کوئی مومن سہواً بھی قتل ہو جائے تو یہ بلا ارادہ کا قتل بھی قابلِ معافی نہیں ۔ اسکی سزا ایک گردن کی آزادی اور خون بہا کی ادائیگی ہے ۔ در گر طاقت نہ ہو تو پے در پے ساٹھ روزے رکھوانے سے قبل اسلامی عدالت میں توبہ کرائی جائیگی لیکن قتل بالعمد ہو تو اسکی سزا دُنیا میں پھانسی اور آخرت میں دائمی جہنم ہے ۔ اس پر روئے سخن نام نہاد تاریخ اسلام میں مذکور جنگ جمل و صفین کی طرف ہو گیا تھا ، جو قرآن کریم کی روشنی میں صحابۂ رضی اللہ عنھم پر بہتان محض کے سوا کچھ نہیں ۔ فلہذا آیت مجیدہ $\frac{48}{29}$ کے علاوہ $\frac{2}{92}$ اور $\frac{2}{93}$ کا ایک ایک جملہ نام نہاد تاریخ اسلام کے کذب کو طشت از بام کرنے کیلئے کافی ہے ۔

ناپہچان مومنوں کی تصدیق کر لیا کرو واضح رہے کہ صحابہ کا صحابہ کو جان بوجھ کر قتل کرنے کا تصور کسطرح صحیح تسلیم کیا جاسکتا ہے جبکہ سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں ناپہچان اور اجنبی مومنوں کے متعلق بھی حکم ہوتا ہے کہ پہچان کر لیا کرو کسی اجنبی مومن کو قتل نہ کر دینا :-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا ضَرَبْتُمْ فِي سَبِيلِ
اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو جب تم سفر کرو بیچ راہ

اللَّهِ فَتَبَيَّنُوا وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْقَىٰ إِلَيْكُمُ
اللہ کے تو تحقیق کر لیا کرو اور نہ کہو واسطے اُسکے جو پیش کرے طرف تمہاری

السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا تَبْتَغُونَ عَرَضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا
سلام نہیں ہے تو مومن ۔ چاہو گے تم مال حیاتی دنیا کا

فَعِنْدَ اللَّهِ مَغَانِمُ كَثِيرَةٌ ۚ كَذَٰلِكَ كُنْتُمْ مِنْ قَبْلُ
پس پاس اللہ کے ہے مال غنیمت بہت ۔ اسیطرح تھے تم اس سے پہلے

فَمَنَّ اللَّهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ
پھر احسان کیا اللہ نے اوپر تمہارے پھر تحقیق کیا کرو ۔ بیشک اللہ ہے

بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ۹۴
ساتھ اُسکے جو تم عمل کرتے ہو باخبر

(ایمان والو!) جب تم اللہ کی راہ میں (جنگ کرنے کیلئے) سفر اختیار کرو ۔ تو (جو بھی اجنبی آدمی تمہیں ملے اُسکی) تحقیق کر لیا کرو (کہ کیا وہ مومن ہے یا کافر) ۔ اور جو شخص تمہیں سلام پیش کرے تو مت کہنا ، تو مومن نہیں ۔ کیا دُنیا کی زندگانی کا مال چاہو گے ؟ حقیقت یہ ہے کہ تمہارے لئے اللہ کے پاس بہت سامالِ غنیمت ہے ۔ تم (اسلام قبول کرنے سے) پہلے ایسے ہی تھے ۔ (دنیا کے مال کے لئے بلا تحقیق مار ڈالتے تھے) ۔

پھر اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان فرمایا ۔ کہ (تمہیں امن پسند) ضابطہ عطا فرمایا ، جس میں حکم دیا گیا ہے کہ تم ضرور تحقیق کر لیا کرو ۔ بیشک اللہ تعالیٰ اُن اعمال سے پورا پورا باخبر ہے ، جو تم بجا لاتے ہو ۔

● ۲-أ-ب دیکھا آپنے کہ آئتِ صدر میں دو مرتبہ کے تکرار تاکیدی کیساتھ ارشاد ہوا ہے کہ کسی ایسے شخص کو بھی قتل کرنے کی اجازت نہیں دیگئی جو سلام پیش کرکے اپنے مومن ہونے کی خبر دیتا ہو۔ لیکن جنگ کے ایام میں، خصوصًا جب تم لڑائی کیلئے سفر اختیار کرچکے ہو تو سلام پیش کرنیوالے کی بھی پوری طرح تحقیق کرلیا کرو کہ وہ فی الحقیقت مومن ہے یا نہیں۔ جنگ کے سفر میں اگرچہ قدم قدم پر دشمن کیطرف سے جاسوسی کا خطرہ موجود ہوتا ہے، لیکن چونکہ ہر اجنبی کو جاسوسی کے شبہ میں قتل کردینے میں اِس امر کا امکان ہوتا ہے کہ اجنبی کہیں واقعتہً مومن ہو، اور تم اُسے کہیں قتل نہ کرڈالو۔ اِسلئے ایک ناپہچان مومن کو بھی قتل سہو سے بچانے کیلئے حکم دیدیا گیا ہے کہ کسی اجنبی کو بھی بلاتحقیق قتل نہ کردینا۔

● اِس سے اگلی آئت مجیدہ میں، جنگ میں شریک ہونیوالوں، اور پیچھے گھروں میں بیٹھ رہنے والوں کے متعلق بالفاظ ذیل وضاحت کیگئی ہے:۔

لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ
نہیں برابر بیٹھنے والے، میں سے مومنوں کے بغیر
اُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ
صاحب تکلیف کے، اور جہاد کرنے والے بیچ راہ اللہ کے،
بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۭ فَضَّلَ اللّٰهُ
ساتھ مالوں اپنوں کے اور جانوں اپنی کے۔ فضیلت دی اللہ نے
الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَي
جہاد کرنیوالوں کو ساتھ، مالوں اپنوں کے اور جانوں اپنی کے، اوپر
الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً ۭ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰي ۭ
بیٹھنے والوں کے درجہ کی رُو سے اور سب سے وعدہ کیا اللہ نے بھلائی کا
وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَي الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا
اور فضیلت دی اللہ نے مجاہدوں کو اوپر بیٹھنے والوں کے اجر
عَظِيْمًا ۝ ۹۵
عظیم کی رُو سے

مومنوں میں سے جو لوگ بغیر کسی جسمانی تکلیف کے (جنگ سے پیچھے گھروں میں) بیٹھنے والے ہیں، اور وہ جو اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ جہاد کرنیوالے ہیں، وہ باہم برابر نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے مالوں کیساتھ اور اپنی جانوں کیساتھ (اللہ کی راہ میں) جہاد کرنیوالوں کو (جنگ سے جی چُرا کر پیچھے گھروں میں بیٹھ رہنے والوں پر مدارج کی رُو سے فضیلت دی ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تمام مومنوں کیساتھ اُنکے اعمال کے مطابق بھلائی کا وعدہ کر رکھا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے (اپنے مالوں اور جانوں کیساتھ جہاد کرنیوالوں کو پیچھے بیٹھ رہنے والوں پر ایک بڑے اجر کی رُو سے فضیلت عطا فرمائی ہے۔ (پیچھے بیٹھنے والے اِنکے برابر نہیں ہوسکتے)۔

دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً ۭ وَكَانَ
درجے طرف سے اُسکی اور بچاؤ اور رحمت۔ اور ہے
اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ ۹۶ ع ۱۴ ۵ ۱۰
اللہ بچاؤ دینے والا مہربان

(اللہ کی راہ میں مالوں اور جانوں کیساتھ جہاد کرنیوالوں کیلئے) درجات اور (جہاد کے ذریعہ) حفاظت اور رحمت خود اللہ ہی کیطرف سے مقرر کردہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ (اپنے قانون کے مطابق) بچاؤ دینے والا رحمت کرنیوالا ہے۔

قرآنی تعلیم کا بنیادی نقطہ ربوبیتِ عالمینی ہے

• سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ ملاحظہ کرنے سے پہلے اس چیز کو ذہن میں تازہ کر لیجئے کہ قرآنی تعلیم کا بنیادی نقطہ وہی ہے جس سے یہ مقدس کتاب شروع ہوتی ہے۔ یعنی ربوبیتِ عالمینی: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۔ منشاءِ الٰہی یہ ہے کہ پورے کرۂ ارض پر ایسا متوازن نظام قائم ہو، جسکی بنیاد اللہ تعالیٰ کی صفت ربُ العالمینی کے اصول پر رکھی گئی ہو۔ یہ جنگیں جن کے متعلق آیاتِ صدر میں ہدایات دیگئی ہیں معاشرہ سے عدم توازن کے خاتمہ ہی کیلئے کی جاتی ہیں۔ کیونکہ قرآنی نظریۂ ربوبیتِ عالمینی کی راہ میں حائل ہونیوالی قوتیں جب جنگ کیلئے مجبور کردیں تو جنگ کرنا ناگزیر ہو جاتا ہے۔ تاکہ معاشرہ کو اُن خطوط پر متشکل کیا جاسکے جس کے مطابق عوام میں کوئی فرد بشر بھوکا، پیاسا، ننگا اور بے مکان نہ رہے۔ اللہ تعالیٰ کیطرف سے بعثتِ انبیاءؑ کا سلسلہ ہموار و متوازن نظام کے قیام ہی کیلئے جاری کیا گیا تھا۔ ہر نبیؑ رسول نے گوناگوں مشکلوں اور مخالفتوں کے باوجود غیر متوازن معاشروں کی مددگار جابر و سرکش قوتوں سے ٹکر لی۔ اور باطل نظاموں کو پاش پاش کرکے ربوبیتِ عالمینی کی بنیادوں پر متوازن نظام قائم کیا۔ جیسے کہ سیدنا محمد و احمد عربی سلام علیہ نے بھی ہزارہا مشکلات کا سامنا کرکے قرآنی معاشرہ قائم کیا۔ حتیٰ کہ اسکے لئے آپکو وطن عزیز سے ہجرت بھی کرنا پڑی۔ آپ اپنے اس اسوۂ حسنہ کی رُو سے آنیوالی نسلوں کو یہ بتا دیگئے تھے کہ اگر غیر متوازن معاشرہ کے خلاف وطن بھی چھوڑنا پڑے تو چھوڑ دینا ہوگا۔ چنانچہ اگلی آیت مجیدہ میں اسی چیز کی تعلیم دیگئی ہے کہ غیر متوازن معاشرہ پر مطمئن ہو کر زندگی گزار دینا اور اُسکے خلاف جدّ و جہد کرنا مومن کی شان نہیں چنانچہ ارشادِ باری ملاحظہ فرمائیں:-

اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ
بیشک وہ لوگ کہ فوت کریں انہیں ملائکہ، جو ظلم کرنیوالے ہیں

اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ ۚ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ
جانوں اپنی پر، کہینگے بیچ کس کے تھے تم، کہینگے تھے ہم کمزور کئے گئے

فِي الْاَرْضِ ۚ قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً
بیچ زمین کے۔ کہینگے کیا نہیں تھی زمین اللہ کی کشادہ

فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا ۚ فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۖ
پھر تم ہجرت کرتے بیچ اسکے۔ پس یہ وہ ہیں کہ ٹھکانا انکا ہے غیر متوازن معاشرہ

وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ۙ ۹۷
اور بری ہے جگہ پھر جانے کی

بیشک جو لوگ (غیر متوازن معاشرہ پر مطمئن ہو کر) اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں، فاتح فوج[۱]، انہیں بھی پورا بدلہ (سزا) دیتی ہے (جب وہ فاتح فوج سے فریاد کرتے ہیں کہ وہ بے بس ہیں تو) وہ کہتے ہیں کہ تم یہاں کس حال میں تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو زمین میں کمزور کر دیا گیا تھا اس پر وہ کہتے ہیں کہ کیا اللہ کی زمین کشادہ نہیں ہے؟ (اللہ کی زمین تو بلا شبہ کشادہ ہے) پھر تم (کو چاہیئے تھا کہ ایسے معاشرہ سے) اُس میں ہجرت کر جاتے۔ یہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانا (دُنیا میں بھی غیر متوازن معاشرہ) جہنم ہے اور کتنی بُری ہے پھر کر جانے کی جگہ (جہنم جس کیطرف یہ لوگ اُخروی زندگی میں پھیرے جائینگے)۔

• [۱] قرآن کریم میں ملائکہ کا ایک معنی فوج بھی آیا ہے۔ جیسے کہ سورہ زخرف میں بتایا گیا ہے کہ فرعون نے حضرت موسیٰ کے متعلق کہا فَلَوْلَآ اُلْقِيَ عَلَيْهِ اَسْوِرَةٌ مِّنْ ذَهَبٍ اَوْ جَآءَ مَعَهُ الْمَلٰٓئِكَةُ مُقْتَرِنِيْنَ ۳۴/۵۳ (اسکے پاس سونے کے کنگن کیوں نہیں آ گئے) اور اسکے ساتھ پرا باندھے ہوئے فوج کیوں نہیں آئی۔ اب چونکہ فرعون کے پاس سونے کے کنگن بھی تھے اور اُسکے ساتھ پرا

باندھے ہوئے فوج بھی آتی تھی۔ اِسلئے یہاں ۳-۵ میں ملائکہ کا معنٰی فوج ہے۔ اور اسیطرح سلسلۂ درس کی آئت زیر بحث نمبر ۹۷ میں بھی سیاقِ کلام کے مطابق جبکہ جنگ جہاد کا ذکر چل رہا ہے، اور جنگ میں مال اور جانیں پیش کرنیوالوں کے مدارج عظمٰی کی خبر ما قبل آیات نمبر ۹۵-۹۶ میں دیگئی ہے، اِسلئے آئت نمبر ۹۷ میں ملائکہ سے مراد فاتح فوج ہے جس سے عوام و خواص سب کو نقصان پہنچتا ہے۔ اور یہی ہیں جو عوام کیساتھ ہمکلام ہوتے ہیں موت کے ملائکہ کسی سے گفتگو نہیں کرتے۔

• عـ۲ جہنّم کا معنٰی ناہموار معاشرہ ۲۸-۲۹/۱۴ میں، دَارَ الْبَوَارِ تباہی کا گھر، اور بِئْسَ الْقَرَارُ بُرا ٹھکانہ بتایا گیا ہے۔

• عـ۳ واضح رہے کہ آئت صدر نمبر ۹۷ میں غیر متوازن معاشرے پر مطمئن ہو کر بیٹھ رہنا اور اُس معاشرے کو بدلنے کی کوشش نہ کرنا جُرم بتایا گیا ہے، جس کی دُنیوی سزا غیر متوازن معاشرہ کا دنیوی عذاب ہے اور اُخروی سزا بھی پھر جانے کی بُری جگہ بتائی گئی ہے۔ لیکن اگلی آئت مجیدہ میں اِس جُرم کی اُخروی سزا سے اُن لوگوں کو مستثنٰی قرار دیا گیا ہے جو واقعتہً کمزور کر دیئے گئے ہوں :-

اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَ
سوائے کمزور کر دیئے گئے، میں سے مردوں اور عورتوں اور

الْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ حِيْلَةً وَّلَا يَهْتَدُوْنَ
بچوں کے (کہ) نہیں طاقت رکھتے بدلنے کی اور نہیں رہنمائی پاتے

سَبِيْلًا ۹۸
راستے کی

(مذکورہ بالا اُخروی سزا سے نہیں بچ سکتا کوئی بھی) سوائے اُن مردوں عورتوں اور بچوں کے جنہیں (ا بابِ اقتدار کی طرف سے واقعتہً ایسا کمزور کر دیا گیا ہو کہ نہ وہ (اُس غیر متوازن معاشرے کو) بدلنے کی طاقت رکھتے ہوں اور نہ ہی وہ (اُس جہنمی معاشرہ سے ہجرت کر جانے کا کوئی راستہ پاتے ہوں۔ (یعنی اُنکے لئے ہجرت کے بھی تمام راستے مسدود کر دیئے گئے ہوں)۔

• اِس سے اگلی آئت مجیدہ میں اعلان کیا گیا ہے۔ کہ مذکورہ بالا قسم کے لوگ ہی وہ ہیں جو واقعتہً کمزور کر دیئے گئے ہوتے ہیں۔ جن میں نہ جابر معاشرہ کو بدلنے کی طاقت ہی چھوڑی گئی ہوتی ہے اور نہ اُنکے لئے ہجرت کر جانے کی کوئی راہ باقی رکھی گئی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اُن سے ضرور درگزر کریگا۔ یعنی وہ ظالم معاشرہ کیطرف سے دیئے گئے عذاب کے علاوہ اُخروی عذاب کے مستحق نہیں ہونگے :-

فَاُولٰٓئِكَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّعْفُوَ عَنْهُمْ ؕ وَ
پس یہ لوگ ہیں، ضرور ہے اللہ کہ درگزر کرے اُن سے۔ اور

كَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا ۹۹
ہے اللہ درگزر کرنیوالا۔ معاف کرنیوالا

پس ضرور اللہ تعالیٰ (اُن لوگوں سے درگزر کریگا جو واقعتہً ایسے کمزور کر دیئے گئے ہوں)۔ اور ہے اللہ تعالیٰ درگزر کرنیوالا بچانے والا۔

• اِس سے اگلی آئت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے سے یقیناً امن و سکون میسر آئیگا۔ اور جو مہاجر راستے کے مصائب کی تاب نہ لاسکیں اور راہ ہی میں فوت ہو جائیں، اُنکا اُخروی اجر اللہ تعالیٰ کے ہاں ضرور ضرور محفوظ رہیگا :-

وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي
اور جو کوئی ہجرت کرے بیچ راہ اللہ کے، وہ پائیگا بیچ

الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً ۭ وَمَنْ يَّخْرُجْ
زمین کے پناہ گاہیں بہت سی اور وسعت۔ اور جو کوئی نکلے

مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ
میں سے گھر اپنے کے، ہجرت کرتے طرف اللہ کے اور رسول اسکے کے

ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ
پھر پائے اُسے موت، تو بیشک واقع ہوا اجر اُس کا

عَلَى اللّٰهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا
اوپر اللہ کے اور ہے اللہ بچانے والا

رَّحِيْمًا ۱۰۰
مہربان

اور (ایمان والو! سُن لو کہ) جو کوئی اللہ کی راہ میں ہجرت کرے، تو وہ یقیناً بہت سی پناہ گاہیں بھی پائے گا اور (رزق کی) وسعت بھی پائے گا۔ اور جو کوئی بھی نکلے۔
اپنے گھر میں سے اللہ اور اسکے رسول کیطرف ہجرت کرکے (یعنی جو کوئی ظالم و جابر معاشرہ سے ہجرت کرکے اُس نظام کیطرف آجائے جو اللہ کے رسول نے قائم کیا ہے)۔ تو اگر اُسے (راستے ہی میں) موت آجائے تو بلاشبہ اُسکا اجر اللہ تعالیٰ پر واقع ہوگیا۔ (یعنی اسے اُس کی اِس ہجرت فی سبیل اللہ کا اجر اگلی دوسری زندگی میں ضرور دیا جائیگا) حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ (غیر متوازن معاشرہ میں پھنسے ہوئے لوگوں کو اپنے ضابطہ کے ذریعہ اس سے) بچانیوالا مہربان ہے۔

کفار مہاجروں کا ضرور پیچھا کرتے ہیں

• قارئینِ کرام دیکھتے چلے آرہے ہیں کہ پچھلی آیاتِ کریمات میں مسلسل غیر متوازن معاشرے کو بدلنے کی تاکید کی جارہی ہے۔ حتیٰ کہ اگر اُس معاشرے کو بدلنا ممکن نہ ہو تو آیت نمبر ۹۷ میں غیر متوازن معاشرے پر مطمئن ہوکر جدّ و جہد چھوڑ دینے کو جرم قرار دیا گیا ہے۔ پھر اگر معاشرے کو بدلنے کی طاقت نہ ہو تو اُس سے ہجرت کر جانے کا حکم دیا گیا ہے۔ سوائے اسکے کہ اربابِ اقتدار کیطرف سے ہجرت کے بھی تمام راستے مسدود کردیئے گئے ہوں۔ اب ظاہر ہے کہ اگر اربابِ اقتدار کے مخالف مومن اُنکے قبضہ سے نکل جانے میں کامیاب ہوجائیں تو ظالم اربابِ اقتدار ضرور اُن کا پیچھا کرتے ہیں۔ جیسے کہ فرعون نے حضرتِ موسیٰ علیہ السلام اور قومِ بنی اسرائیل کی انقلابی جماعت کا پیچھا کیا اور سمندر کی شاخ میں غرق ہوگیا۔
• اسیطرح جب آنحضور اور آپکے صحابہؓ مکہ معظمہ سے ہجرت کرکے مدینہ منورہ پہنچ گئے تو مشرکینِ مکہ نے آپ کا پیچھا کیا۔ وہ متعدد بار مدینہ منورہ پر حملہ آور ہوئے۔ اور آنحضور ﷺ کو متعدد بار اُن کے مقابلے پر میدان میں آنا پڑا۔ سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں جنگ کے وقت پر آنیوالی صلوٰۃِ موقّت کے متعلق تاکید کیگئی ہے۔

صلوٰۃِ موقّت نماز کی اہمیت

• متوازن معاشرہ کو قائم کرنے یا قائم شدہ قرآنی معاشرہ کی حفاظت کیلئے جب تمہیں دشمن کے مقابلے پر میدانِ جہاد میں نکلنا پڑے تو ایسی صورت میں جب تمہیں خطرہ ہو کہ اگر پوری اسلامی فوج بیک وقت باجماعت نماز ادا کرنے کیلئے کھڑی ہوجائے تو دشمن نقصان پہنچا دیگا تو ایسے خطرناک وقت پر بھی نماز لینی ہے۔

صلوٰۃِ موقّت کو ترک کرنا ——— البتہ اُسے کم کرلینا

وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ
اور جب چلو تم بیچ زمین کے تو نہیں اوپر تمہارے
جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ ۖ اِنْ خِفْتُمْ
گناہ کہ تم کم کرلو میں سے صلوٰۃ کے۔ بشرطیکہ خوف کرو تم
اَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ اِنَّ الْكٰفِرِيْنَ
کہ نقصان پہنچائینگے تم کو وہ لوگ جنہوں نے انکار کیا۔ بیشک انکار کرنیوالے
كَانُوْا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِيْنًا ۝ ۱۰۱
ہیں واسطے تمہارے دشمن ظاہر

اور (ایمان والو) جب تم (قرآنی متوازن نظام کے مخالفوں کے مقابلے کیلئے جہاد کی) زمین میں نکلو تو اگر تمہیں خطرہ ہو (کہ تمام مومنوں کے بیک وقت صلوٰۃ ادا کرنے سے) ضابطۂ خداوندی کا انکار کرنیوالے تمہیں نقصان پہنچائینگے تو اس امر میں کوئی گناہ نہیں کہ تم صلوٰۃ (نماز) کم کرلیا کرو۔ (حقیقت یہ ہے کہ) بلاشبہ ضابطۂ الٰہی کا انکار کرنیوالے تمہارے ظاہر دشمن ہیں۔

قصرِ صلوٰۃ کی عملی صورت

• اس سے اگلی آیتِ مجیدہ میں قصرِ صلوٰۃ (نماز) کو کم کرنے کی عملی صورت خود آنحضورؐ کے نام ذیل کے احکام جاری کرکے، خود حضورؐ کی سنتِ مطہرہ کی صورت میں بالفاظِ ذیل اُجاگر کیگئی ہے:-

وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ
اور جب ہوں آپ بیچ اُنکے تو کھڑی کریں واسطے اُنکے
الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَاۗىِٕفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ
صلوٰۃ۔ پس چاہیئے کہ کھڑا ہو ایک گروہ میں سے اُنکے ساتھ آپکے۔
وَلْيَاْخُذُوْٓا اَسْلِحَتَهُمْ ۣ فَاِذَا سَجَدُوْا
اور چاہیئے کہ لئے رہیں ہتھیار اپنے۔ پھر جب سجدہ کرلیں وہ۔
فَلْيَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَاۗىِٕكُمْ ۠ وَلْتَاْتِ طَاۗىِٕفَةٌ
تو چاہیئے کہ ہو جائیں وہ پیچھے تمہارے۔ اور چاہیئے کہ آئے گروہ
اُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوْا فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ
دوسرا کہ نہیں صلوٰۃ کی اُس نے۔ پس چاہیئے کہ وہ صلوٰۃ کرے ساتھ آپکے
وَلْيَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ وَاَسْلِحَتَهُمْ ۚ وَدَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
اور چاہیئے کہ لئے رہیں زرہیں اپنی اور ہتھیار اپنے۔ چاہتے ہیں وہ کہ انکار کیا،

اور (اے رسولؐ! ان مجاہدوں میں) جب آپ خود موجود ہوں تو چاہیئے کہ اُنکے لئے آپ خود صلوٰۃ کھڑی کیا کریں۔ اور چاہیئے یہ کہ (اُنکے دو گروہ ہوجائیں) اُن میں سے ایک گروہ آپکے ساتھ (قیامِ صلوٰۃ میں) کھڑا ہوجائے (اور دوسرا پہرہ دیتا رہے) اور چاہیئے کہ وہ (صلوٰۃ گزار مجاہد) اپنے ہتھیار (اور زرہیں) پہنے رہیں۔ پھر جب وہ (قیام اور رکوع کے بعد) سجدہ کرچکیں تو پھر چاہیئے کہ (اے مجاہدو!) وہ تمہارے پیچھے (پہرہ پر چلے جائیں) اور چاہیئے کہ آجائے دوسرا گروہ جس نے صلوٰۃ ادا نہیں کی۔ پھر چاہیئے کہ (اے رسولؐ) وہ گروہ بھی آپکے ساتھ صلوٰۃ ادا کرلے۔

اور چاہیئے کہ وہ بھی اپنی زرہیں اور ہتھیار پہنے رہیں کیونکہ جن لوگوں نے ضابطۂ خداوندی کا انکار کیا ہے وہ

لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ وَاَمْتِعَتِكُمْ
کاش کہ تم غافل ہو جاؤ طرف سے اسلحہ اپنے کے اور سامان اپنے کے
فَيَمِيْلُوْنَ عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً وَّاحِدَةً ؕ وَلَا
پھر وہ حملہ کر دیں اُوپر تمہارے حملہ کرنا یکبارگی۔ اور نہیں ہے
جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ كَانَ بِكُمْ اَذًى مِّنْ مَّطَرٍ
گناہ اوپر تمہارے، اگر ہو ساتھ تمہارے کوئی تکلیف میں سے بارش کے
اَوْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَنْ تَضَعُوْۤا اَسْلِحَتَكُمْ ۚ وَخُذُوْا
یا ہو تم بیمار، کہ تم اُتار دو ہتھیار اپنے، اور لئے رہو
حِذْرَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا
زرہیں اپنی۔ بیشک اللہ نے تیار کیا ہے واسطے کافروں کے عذاب
مُّهِيْنًا ۝ ۱۰۲
رُسوا کرنیوالا

تو چاہتے ہیں، کاش کہ تم اپنے ہتھیاروں اور سامان سے غافل ہو جاؤ۔
پھر وہ یکبارگی حملہ کرکے تم پر ٹوٹ پڑیں۔ اور نہیں
کوئی گناہ تم پر اس حالت میں کہ اگر تمہیں کوئی تکلیف ہو بارش کی،
یا تم بیمار ہو، تو یہ کہ تم اپنے ہتھیار اُتار دو۔ لیکن (بارش اور بیماری کی حالت میں بھی میدانِ جہاد میں صلوٰۃ ادا کرتے ہوئے زرہیں پہنے رہنا۔ بیشک اللہ تعالیٰ نے (مذکورہ بالا ہدایتوں میں) ضابطہ ہدایت کا انکار کرنیوالوں (اور تمہارے ساتھ جنگ کرنیوالوں) کیلئے ذلیل کرنیوالا (شکست کا) عذاب تیار کر رکھا ہے۔

صلوٰۃِ موقّت (نماز) معہ ارکانِ ثلاثہ قیام رکوع سجدہ، کی باجماعت ادائیگی تاحدِ امکان میدانِ جنگ میں بھی معاف نہیں

• آیتِ بالا میں آپ دیکھ چکے ہیں کہ، میدانِ جہاد میں، جہاں مومن مجاہد دینِ الٰہی کی سربلندی کیلئے اللہ کی راہ میں بیوی، بچے، گھر بار سب کچھ چھوڑ کر سربکف نکل آتے ہیں، صلوٰۃِ موقّت، نماز اُس وقت بھی معاف نہیں ہوتی۔ باجماعت ادا کرنی پڑتی ہے۔ دشمنوں کی یکبارگی یلغار کے خطرہ سے محفوظ رکھنے کیلئے صرف اتنی رعائت دیگئی ہے کہ اسلامی فوج دو حصّوں میں تقسیم ہو جائے۔ فوج کا ایک گروہ دُشمن کے خطرہ کے پیشِ نظر پہرہ دیا کرے اور دُوسرا گروہ امیرِ صلوٰۃ کے پیچھے نہیں، بلکہ اُسکے ساتھ کھڑا ہو کر (معاً) قصر نماز ادا کرے۔ جب پہلا گروہ قیام سے شروع کرکے سجدہ تک ایک رکعت قصر صلوٰۃ ادا کر چکے، تو وہ گروہ پیچھے پہرے پر چلا جائے اور دُوسرا گروہ امیرِ صلوٰۃ کے ساتھ کھڑا ہو جائے، اور قیام سے لیکر سجدہ تک وہ بھی ایک رکعت قصر صلوٰۃ ادا کرلے۔

قرآنِ کریم کی رُو سے صلوٰۃ دو رکعت ہے

• قصر صلوٰۃ کے مذکورہ بالا حکم اور اسکی صحیح عملی شکل پیش کرکے قرآن کریم نے ببانگِ دہل اعلان کر رکھا ہے کہ اصل صلوٰۃ جو اللہ تعالیٰ کیطرف سے فرض کیگئی ہے وہ صرف دو رکعت ہے۔ فرض نماز کے نام سے کسی وقت پر دو، کسی وقت پر تین اور کسی وقت پر چار رکعتوں کا حکم قرآنِ حکیم میں موجود نہیں کیونکہ جب قصر صلوٰۃ کی عملی صورت کی ابتدا بتائی گئی ہے قیام فَلْتَقُمْ ..... مَّعَكَ اور اسکی انتہا بتائی گئی ہے سجدہ فَاِذَا سَجَدُوْا ۱۰۲ تو ثابت ہوا کہ قصر صلوٰۃ ایک رکعت ہے جو قیام سے شروع ہو کر سجدہ پر ختم ہو جاتی ہے۔ تو اسطرح جب قصر نماز ایک رکعت ہوئی تو ثابت ہوا کہ پوری نماز دو رکعت ہے ـــــ نیز اس امر کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ یہاں امیرِ صلوٰۃ کے متعلق جو یہ

تصوّر پیدا ہوتا ہے کہ اسکی قصر نہیں۔ واضح رہے کہ یہ حکم عام مخصوص البعض ہے۔ آیت بالا 4/102 میں بطور خصوص آنحضورؐ کیلئے کہا گیا ہے کہ جب آپ موجود ہوں تو آپکی موجودگی میں کوئی اور امیرِ صلوٰۃ نہیں بن سکتا۔ وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ میں اِذَا متضمن معنی شرط ہے۔ فلہذا آنحضورؐ کی موجودگی میں چونکہ کسی اور کو امارتِ صلوٰۃ کا حق نہیں پہنچتا۔ سلئے آپکی موجودگی میں مجاہدوں کے دونوں گروہوں کو آنحضورؐ ہی ایک ایک رکعت قصر صلوٰۃ پڑھاتے تھے۔ اور جہاں آپ خود موجود نہ ہوتے۔ تو امیر جنگ (سپہ سالارِ فوج) جسے خود آپنے مقرر کیا ہوتا وہ امیرِ صلوٰۃ ہوکر دونوں گروہوں کو ایک ایک رکعت صلوٰۃ ادا کراتا۔ آنحضورؐ کے بعد یہ خطاب براہِ راست امیر جنگ سپہ سالا کیطرف ہے، جو دونوں گروہوں کو ایک ایک رکعت پڑھائیگا۔

قصر نماز کا روایتی مفہوم

• قصر نماز، یعنی نماز کو کم کرنے کے متعلق آپ دیکھ چکے ہیں کہ یہ حکم صرف اسوقت کیلئے ہے جب میدانِ جہاد میں فوجیں آمنے سامنے پڑی ہوں۔ ابھی لڑائی شروع نہ ہوئی ہو۔ مجاہدینِ اسلام کیلئے نماز باجماعت کی ادائیگی ممکن تو ہو۔ لیکن خطرہ یہ ہو کہ اگر پوری فوج ایک ہی بار نماز باجماعت کی ادائیگی کیلئے کھڑی ہو جائے تو دشمن حملہ کرکے نقصان پہنچا دیگا۔ لیکن افسوس ہے کہ روایتی فقہ میں اس مخصوص جنگی حکم کو عام سفروں کے متعلق قرار دیکر، ہر سفر کیلئے حکم عام قرار دیدیا گیا ہے کہ ہر مومن مسافر جب گھر سے نکل کر سفر اختیار کرے تو الگ الگ فقہوں کے مطابق الگ الگ مسافت کی مقدار سے قصر نماز شروع کر دیا کرے۔ خواہ وہ اکیلا ہو یا باجماعت۔ لیکن واضح رہے کہ:-

قصر صلوٰۃ کا حکم میدانِ جنگ کیساتھ مخصوص، اور فتنۂ کفّار کے خطرہ کی شرط کیساتھ مشروط ہے

• قصر نماز کے حکم کو ایک مرتبہ پھر نگاہوں کے سامنے لائیے:-

۱۔ وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ

۲۔ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ط 4/101

• دیکھئے! آیت مجیدہ کے ان دونوں ٹکڑوں میں قصر صلوٰۃ کی اجازت پر الگ الگ دو شرطیں لگائی گئی ہیں۔ اور دونوں ٹکڑوں کی ابتدا میں اِذَا اور اِنْ شرطیہ آئے ہیں۔ نمبر ایک میں آیا ہے اِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ، جب تم زمین میں سفر کرو۔ یہ سفر عام نہیں کیونکہ نمبر ۲ میں اِنْ خِفْتُمْ...... الخ کی شرط لگائی گئی ہے کہ قصر صلوٰۃ کی اجازت اسوقت پر ہے جب تم نے گھر سے نکل کر سفر اختیار کیا ہے۔ اور تمہیں باجماعت نماز کی ادائیگی میں یہ خطرہ لاحق ہو چکا ہے کہ اگر یکبارگی صلوٰۃ باجماعت ادا کی جائے تو دشمن یکبارگی حملہ کردیگا۔ اور اسی خطرہ کے پیش نظر حکم دیدیا گیا ہے کہ آدھے آدھے ہوکر الگ الگ ایک ایک رکعت قصر صلوٰۃ باجماعت ادا کرلیا کرو۔ اور باقی آدھے پہرہ دیتے رہیں۔ اور جو لوگ آدھے قصر صلوٰۃ ادا کر رہے ہیں وہ بھی اپنی زرہیں اور اسلحہ پہنے رہیں۔

• فلہذا آیات کریمات کے مذکورہ بالا احکام کے مطابق اِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ کے الفاظ کو عام سفروں پر محمول کرکے عام سفروں میں قصر صلوٰۃ کا تصور پیدا کرنا، خود آیات کریمات کے داخلی ارشاداتِ خداوندی کے بھی خلاف ہے۔ اور آیات کریمات کے سیاق و سباق کے بھی منافی ہے۔

عینِ دورانِ جنگ کی صلوٰۃ

• واضح رہے کہ مذکورہ بالا آیات مجیدہ ۴/۱۰۱-۱۰۲ میں میدانِ جنگ کی اُس حالت سے متعلقہ احکام دیئے گئے ہیں کہ جب ابھی جنگ شروع نہ ہوئی ہو۔ اور نماز باجماعت کی ادائیگی ممکن ہو۔ اِس سے اگلی آیت کریمہ میں میدانِ جنگ کے اُسوقت کے مطابق حکم دیا جارہا ہے جب جنگ شروع ہوچکی ہو۔ اب نماز باجماعت کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ اب مجاہدینِ اسلام جنگ کی مختلف پوزیشنوں میں کھڑے بیٹھے اور لیٹے مصروف پیکار ہیں۔ اِس سے پہلے جس وقت کیلئے قصرِ صلوٰۃ کا حکم دیا گیا ہے۔ اُسوقت ابھی جنگ شروع نہیں ہوئی تھی۔ دونوں فوجوں کے درمیان سلسلۂ نامہ و پیام جاری تھا۔ ہوسکتا تھا کہ گفت و شنید کے ذریعہ صُلح ہوجائے اور جنگ رُک جائے۔ اور یہ بھی ہوسکتا تھا کہ دُشمن اسلامی فوج کی شرائط قبول نہ کرے اور مسلمان فوج کو جنگ کرنے ہی کا فیصلہ کرنا پڑے۔

• واضح رہے کہ لفظ صلوٰۃ کا سہ حرفی مادہ ص۔ل۔و یعنی صلو ہے، جسکا بنیادی معنی ہے فرضِ منصبی کی ادائیگی ۲۲/۴۱۔ اور صلوٰۃ موقت ہے اپنے اپنے فرضِ منصبی کو پُورے صحیح طور پر ادا کرنے کا اللہ کے حضور میں اقرار۔ تو اسطرح جب مجاہدینِ اسلام، میدانِ جہاد میں دشمن فوجوں کے سامنے آموجود ہوئے ہوں۔ تو اسوقت اُن کی صلوٰۃ یعنی اُن کا فرضِ منصبی ہوتا ہے۔ انتہائی ثابت قدمی کیساتھ دشمن کا مقابلہ کرکے اُسے شکست فاش دینا۔ اور میدانِ جہاد میں صلوٰۃ موقت اِس امر کا اقرار ہوتا ہے کہ ہم پُورے عزم و استقلال کیساتھ دشمن کا مقابلہ کرکے اُسے شکست فاش دینگے۔ لیکن فوجوں کے آمنے سامنے پڑے ہونے کے بعد جب دشمن کیساتھ گفت و شنید ناکام ہوجائے۔ وہ مسلمانوں کی شرطیں قبول نہیں کرتا۔ اسلیے جب مجاہدینِ اسلام جنگ لڑنے کا فیصلہ کرلیں تو اُسوقت کے متعلق اگلی آیت مجیدہ میں ارشاد ہوا ہے :-

فَإِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا

پھر جب فیصلہ کرلو تم اُسوقت کی صلوٰۃ (جنگ) کا تو یاد کیا کرو

اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ ۚ

اللہ کو کھڑے کھڑے اور بیٹھے بیٹھے اور لیٹے لیٹے اُوپر کروٹوں اپنی کے

فَإِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ۚ اِنَّ

پھر جب اطمینان میں آؤ تم، تو قائم کرو صلوٰۃ موقت کو، بیشک

الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا

صلوٰۃ موقت ہے اوپر مومنوں کے فرض کی گئی

مَّوْقُوْتًا ۝ ۱۰۳

مقررہ وقتوں میں

پھر جب تم (اے ایمان والو!) اُسوقت کی صلوٰۃ (یعنی جنگ کرنے) کا فیصلہ کرلو۔ (اور جنگ شروع ہوجائے تو بجائے صلوٰۃ موقت کے وقتوں پر) کھڑے کھڑے اور بیٹھے بیٹھے اور لیٹے لیٹے (جنگ کی جس پوزیشن میں ہو اُسی میں صرف) اللہ کا ذکر کرلیا کرو (صرف اذکارِ صلوٰۃ ادا کرلیا کرو، قیام رکوع سجدہ معاف)۔ پھر جب (جنگ ختم ہوجائے اور) تم اطمینان کی حالت میں آجاؤ تو پھر پوری صلوٰۃ (پُورے ارکان و آداب کیساتھ) ادا کیا کرو۔ بیشک صلوٰۃ موقت مومنوں پر مقررہ وقتوں پر فرض کیگئی ہے۔ (جو اِس فرضیت کیمطابق میدانِ جنگ میں بھی معاف نہیں ہوسکتی)۔

میدانِ جنگ میں بھی نماز کیوں معاف نہیں؟

• آیاتِ بالا پر ایک لازمی سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب مجاہدینِ اسلام گھربار، بیوی بچے، مال دولت وغیرہ ہر چیز اللہ کی راہ میں

قربان کر کے زندگی تک بھی نچھاور کرنے کیلئے نقدِ جان کا نذرانہ لیکر میدانِ جہاد میں حاضر ہو جائیں تو ایسے وقت پر بھی نماز کیوں معاف نہیں۔ جبتک جنگ شروع نہ ہوئی اُسوقت تک فتنۂ کفار کے خطرہ سے بچنے کیلئے صرف آدھی صلوٰۃ (نماز) معاف ہے اور عین مقابلۂ کفار کے وقت جب جنگ شروع ہو چکی ہو تو اُسوقت بھی صرف ارکانِ نماز قیام رکوع سجدہ وغیرہ معاف ہوتے ہیں۔ اذکارِ صلوٰۃ خواہ تقاضائے وقت کے مطابق انتہائی اختصار کیساتھ ادا کئے جائیں وہ کیوں معاف نہیں ہوتے۔ اِس سوال کا جواب آیت بالا [۴/۱۰۳] کے آخری الفاظ میں دیا گیا ہے کہ صلوٰۃِ موقت وہ اٹل فریضۂ خداوندی ہے جسے مقررہ اوقات پر اِسطرح فرض کیا گیا ہے کہ کسی بھی صورت میں ٹل نہیں سکتا۔

• اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ۝ [۴/۱۰۳] = بیشک صلوٰۃِ موقت مومنوں پر مقررہ اوقات پر فرض کر دیگئی ہے (جو ٹل نہیں سکتی)۔ اسیطرح [۲/۲۳۸-۲۳۹] میں صلوٰۃِ موقت کے اٹل ہونے کی وضاحت بالفاظِ ذیل کیگئی ہے:۔

• حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ۝ فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا ۚ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ۝ [۲/۲۳۸-۲۳۹] = حفاظت کرو تم تمام صلوٰتوں کی خصوصًا صلوٰۃِ وسطیٰ کی۔ اور صلوٰۃ کے وقتوں پر قیامِ صلوٰۃ کیا کرو اللہ کے حضور میں دعائیں کرتے ہوئے۔ پھر اگر (تم سفر میں ہو اور تمہیں کوئی خوف لاحق ہو جائے تو صلوٰۃِ موقت ادا کر لیا کرو۔ اگر تم پیدل سفر کر رہے ہو تو پیادہ چلتے چلتے اور اگر تم سواری پر سفر کر رہے ہو تو سواری پر چلتے چلتے فریضۂ صلوٰۃ ادا کر لیا کرو۔ پھر اسکے بعد جب تم امن میں آجاؤ تو اُسطرح اللہ کا ذکر کیا کرو (یعنی آداب و شرائط کیساتھ صلوٰۃِ موقت ادا کیا کرو) جسطرح تمہیں اللہ نے تعلیم دی ہے۔ جسے تم نہیں جانتے تھے۔

کیا صلوٰۃِ موقت سے حکومت کے ہنگامی اجتماعات مراد لئے جا سکتے ہیں؟

• صلوٰۃِ موقت (نماز) کے متعلق ایک نظریہ یہ بھی پیش کیا جاتا ہے کہ اسکے متعلق جو کہا گیا ہے:۔ اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا [۴/۱۰۳] اسکے الفاظ کتٰبًا موقوتًا کا یہ معنیٰ ہے کہ اسلامی حکومت (مرکزِ ملت) کیطرف سے جب کبھی حکم دیا جائے کہ فلاں وقت پر اور فلاں مقام پر لوگ جمع ہو جائیں۔ تو اس مقرر کئے جانیوالے وقت پر مسلمانوں کے اجتماع میں شریک ہونا مومنوں پر فرض کیا گیا ہے۔ یعنی اسکے لئے قرآنِ کریم نے اوقات مقرر نہیں کئے۔ واضح رہے کہ یہ تصور بھی غیر قرآنی ہے۔ کیونکہ صلوٰۃ موقت جو اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا [۴/۱۰۳] کے الفاظ میں فرض کیگئی ہے اسکے لئے نہ صرف یہ کہ قرآنِ کریم نے خود اوقات متعین کر دیئے ہوئے ہیں [۱۱/۱۱۴]۔ بلکہ اسکے لئے ایک خاص طریقے کیساتھ مُنہ ہاتھ اور پیر دھونے یعنی وضو کرنے کا حکم بھی دے رکھا ہے [۵/۶]۔

• پھر مزید برآں طہارت اور وضو کے علاوہ، اسکی باجماعت ادائیگی، صف بندی، امیرِ صلوٰۃ کی اقتدا، قیام رکوع سجدہ اور اذکارِ صلوٰۃ بھی لازم قرار دیئے گئے ہیں۔ پھر اذکارِ صلوٰۃ کیلئے پابندی لگا دیگئی ہے فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ۔ صلوٰۃ موقت میں اذکارِ صلوٰۃ وہ ادا کرنا جن کی خود اللہ تعالیٰ نے ہمیں تعلیم دی ہے۔ لیکن حکومت کیطرف سے کوئی وقت مقرر کر کے بلائے گئے ہنگامی اجتماعات اِن قرآنی شرائط پر ہرگز پورے نہیں اُترتے۔ کیونکہ قرآنِ کریم نے صلوٰۃِ الفجر اور صلوٰۃِ العشآء کے نام [۲۴/۵۸] میں حوالے کے طور

پر خصوصًا بیان کئے ہیں جس سے ظاہر ہے کہ فجر کا وقت خدا تعالیٰ کیطرف سے صلوٰۃِ موقت کا خود مقررہ وقت ہے جس کی ابتدا پَو پھٹنے سے ہوتی ہے اور انتہا طلوعِ آفتاب بتائی گئی ہے۔ لیکن کوئی بھی ہنگامی اجتماعِ عام جس میں صلوٰۃِ موقت (نماز) کیطرح پُوری ملت سلامیہ کا شامل ہونا فرض کیا گیا ہو کِتٰبًا مَّوْقُوْتًا، پَو پھٹنے کے وقت پر منعقد نہیں ہوسکتا ہے۔ فلہٰذا اسلامی حکومت کیطرف سے منعقد کئے گئے ہنگامی اجتماعات کو صلوٰۃِ موقت کے اجتماعات قرار دینا غلط ہے۔ کیونکہ ہنگامی اجتماعات کیلئے قرآن مجید میں الگ حکم موجود ہے:-

• يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ ۸/۲۴ = ایمان والو جب اللہ رسول (یعنی قرآنی مرکز کی طرف سے) اللہ کا رسول اسلئے بلائے کہ تمہیں زندگی دے۔ (یعنی تمہیں زندہ قوموں کی صف میں کھڑا کردے) تو اُسکی دعوت کو قبول کیا کرو۔ (یعنی جس وقت اور جس جگہ پر حاضر ہونے کا حکم دیا جائے۔ اُسوقت اور اُس جگہ پر حاضر ہوجایا کرو) پھر اِن ہنگامی اجتماعات میں قیام رکوع سجدہ نہیں ہے۔ بلکہ مل بیٹھ کر باہمی مشورے کرتے ہیں۔ ارشاد باری ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِي الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا...... وَاِذَا قِيْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا ۵۸/۱۱ = ایمان والو! جب تمہیں کہا جائے کہ اللہ کے رسول کی مجلسوں میں جگہ کھول دو تو کھول دیا کرو۔ اور جب کہا جائے کہ کھڑے ہوجاؤ تو کھڑے ہوجایا کرو۔ نیز انہی ہنگامی اجتماعات کے متعلق سورہ نور میں ارشاد ہوا ہے:-

• لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ۭ قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ يَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَاذًا ۲۴/۶۳ = (ایمان والو:) ہمارے رسول کے بلاوے کو آپس کے باہمی بلاووں کی مانند قرار نہ دینا۔ (رسول کے بلانے پر ٹھیک وقت اور ٹھیک مقام پر ضرور پہنچ جایا کرو۔ اور بلا اجازت رسول کی مجلس سے چلے نہ جایا کرو) بیشک اللہ تعالیٰ تم میں سے اُن لوگوں کو جانتا ہے جو دوسروں کی آڑ لے کر (مجلس نبوی سے) کھسک جاتے ہیں ــــ پس یہ تھے ہنگامی اجتماعات جن کے لئے مختلف موقعوں پر مختلف اوقات مقرر کئے جاتے تھے۔ اِسکے برعکس اجتماعات صلوٰۃ کیلئے مستقل طور پر جو اوقات و اذکار، اور آداب و شرائط قرآن کریم نے خود مقرر کئے ہیں اُنکی روشنی میں بھی کھل کر ثابت ہوتا ہے کہ عام ہنگامی اجتماعات صلوٰۃِ موقت کے اجتماعات ہرگز نہیں تھے۔ انہیں صلوٰۃِ موقت کے اجتماعات قرار دینا صلوٰۃِ موقت کی اہمیت کو ختم کرنے کے سوا کچھ نہیں۔ جو نہ اکیلے مومن پر سے ٹلتی ہے ۲/۲۳۹۔ اور نہ مومنوں کی جماعت پر سے ۴/۱۰۱-۱۰۲۔ نیز جو نہ بیمار پر سے ٹلتی ہے نہ مسافر پر سے ۲/۴۳۔

• صلوٰۃِ موقت کے اوقات و اذکار، آداب و شرائط، طریقۂ وضو وغیرہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کیطرف سے خود متعین کردہ ہیں۔ اوقاتِ الصلوٰۃ پر بحث ۱۱/۱۱۴ کی تفسیر القرآن بالقرآن میں اپنے مقام پر آگے آئیگی۔ اور اسیطرح اذکارِ صلوٰۃ کی بحث بھی اپنے اپنے مقام پر آتی چلی جائیگی۔ جبتک محولہ بالا مقامات تفسیر القرآن بالقرآن میں نہیں آتے اُسوقت تک ادارہ بلاغ القرآن کے شائع کردہ پمفلٹ "الصلوٰۃ" سے استفادہ فرمائیں جسمیں صلوٰۃِ موقت کے ہر گوشے پر سیر حاصل بحث آیاتِ قرآنیہ کی سند کیساتھ پیش کیگئی ہے۔

رجوع الی المطلب • پیچھے آیات کریمات ۴/۱۰۱ تا ۱۰۳ میں دورانِ جنگ صلوٰۃِ موقت (نماز) کی ادائیگی کی مختلف صورتوں کی وضاحت کے بعد اگلی آیت مجیدہ میں ارشاد ہوا ہے کہ جب تم جنگ میں فتحیاب ہوجاؤ تو دشمن کا پوری طرح

تعاقب کرنا۔ اور دشمن کی فوجی طاقت کی آخری رمق تک ختم کرکے دم لینا۔ ورنہ کچھ عرصے کے بعد وہ پھر طاقت پکڑ کر تمہارے مقابلے پر آجائیگا۔ اس تعاقب کے سلسلے میں اُس وقتی رکاوٹ کو ہرگز خاطر میں نہ لانا کہ دوران جنگ تمہارا بہت نقصان ہو چکا ہے۔ حالانکہ تمہارے مقابلے پر دشمن کا بھی تو نقصان ہُوا ہے۔ تم قوانینِ خداوندی کی سربلندی کیلئے لڑتے ہو اور کفار ذاتی بڑائی کیلئے برسرِ پیکار آتے ہیں۔ اسلئے جس رحمتِ الٰہی کے تم اللہ تعالیٰ سے امیدوار ہو، کافر اُسکے اُمیدوار نہیں۔

وَلَا تَهِنُوا فِي ابْتِغَاءِ الْقَوْمِ ۖ إِنْ
اور نہ تم سستی کرنا پیچھا کرنے اُس قوم کے۔ اگر
تَكُونُوا تَأْلَمُونَ فَإِنَّهُمْ يَأْلَمُونَ كَمَا
تم ہوئے دردرسیدہ تو بیشک وہ بھی ہوتے دردرسیدہ جیسے
تَأْلَمُونَ ۖ وَتَرْجُونَ مِنَ اللَّهِ مَا لَا يَرْجُونَ ۗ
تم ہوئے دردرسیدہ۔ اور تم امید رکھتے ہو طرف سے اللہ کے جو نہیں امید رکھتے وہ
وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ۞ ۱۰۴
اور ہے اللہ بڑھکر جاننے والا حکمت والا

ع ۱۵ ۱۲

اور (ایمان والو) جنگ کے بعد (شکست خوردہ) قوم کی تلاش (یعنی اُنکے تعاقب) میں سستی نہ کرنا۔ اگر دورانِ جنگ تمہیں نقصان پہنچا ہے تو (یاد رکھو کہ) اُنہیں بھی اسیطرح نقصان پہنچا ہے جسطرح تمہیں پہنچا ہے۔ (اس میں تم دونوں برابر ہو) لیکن جس (متوازن معاشرہ) کی تم اللہ سے امید رکھتے ہو۔ اُنکی وہ امید نہیں رکھتے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ بہت بڑھ کر جاننے والا اور حکمت والا ہے۔ (یعنی اُسکا ہر حکم علم و حکمت پر مبنی ہے)

غرضِ جہاد • مومنوں کا جہاد و قتال صرف ضابطۂ خداوندی کے نفاذ کیلئے ہوتا ہے۔ اور اسطرح دشمن کی طاقت ختم کرنے کے بعد ضابطۂ خداوندی کو عملاً بروئے کار لایا جاتا ہے۔ چنانچہ آیاتِ بالا میں جنگ و جدال اور فتح سے متعلق ہدایات دینے کے بعد اس سے اگلی مسلسل تین آیتوں میں خود آنحضورؐ کو مخاطب کرکے حکم دیا گیا ہے کہ جب فتح و نصرت کے بعد قرآنی معاشرہ قائم ہو جائے، اور عوام کے مقدمات آپکے حضور میں پیش ہوں تو آپؐ، اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ سچی کتاب قرآن کریم کے ساتھ فیصلے فرمایا کریں۔ اور آپ عوام کا استحصال کرنے اور اُن کے حقوقِ ربوبیت میں خیانت کرنے والوں کی طرفداری نہ کرنا۔

إِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ
بیشک ہم نے نازل کی طرف آپکی اپنی کتاب ساتھ حق کے تاکہ آپ فیصلہ کریں
بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللَّهُ ۚ وَلَا تَكُنْ
درمیان لوگوں کے ساتھ اُسکے جو سمجھایا آپکو اللہ نے۔ اور نہ ہونا آپ
لِلْخَائِنِينَ خَصِيمًا ۞ ۱۰۵
واسطے خائنوں کے جھگڑنیوالے

بیشک (اے رسول) ہمنے آپ کی طرف حق و توازن پر مبنی ایک کتاب نازل فرمائی ہے۔ تاکہ آپ لوگوں کے درمیان اُنہی ہموار و متوازن قوانین کیساتھ فیصلے کیا کریں جو اللہ نے آپ کو (اپنی کتاب میں) سمجھائے ہیں۔ اور آپ اُن لوگوں کیلئے جھگڑنیوالے نہ ہونا جو (عوام کے حقوقِ ربوبیت غصب کرنے) خیانت کرنیوالے ہیں۔

وَاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا

اور آپ بچاؤ طلب کریں اللہ سے بیشک اللہ ہے بچاؤ دینے والا

رَّحِيْمًا ۱۰۶

مہربان

اور آپ اللہ تعالیٰ سے (اُسکے غیر متبدل قوانین پر عمل کرکے حفاظت اور) بچاؤ طلب کیا کریں ۔ بیشک اللہ تعالیٰ (اپنے غیر متبدل قوانین کے مطابق) بچاؤ دینے والا، رحم کرنیوالا ہے ۔

● واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ سے جو کچھ بھی مانگا جائے حفاظت اور بچاؤ وغیرہ، وہ اُسکے خود متعین کردہ غیر متبدل قوانین پر عمل کرنے ہی سے میسر آتا ہے ۔ بالفاظِ دیگر اگر کوئی شخص آگ میں انگلی ڈالکر اللہ سے حفاظت اور بچاؤ طلب کرے تو ہرگز بچاؤ عملاً نہیں کیا جاتا ۔ بلکہ آگ میں انگلی ڈالنے سے انگلی کا جل جانا یقینی امر ہے ۔

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں سیاقِ کلام کے مطابق آنحضور کو تکرار تاکیدی کے انداز میں اُوپر والا ہی حکم دیا گیا ہے :-

وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ

اور نہ جھگڑیں آپ طرف سے اُن لوگوں کی جو خیانت کرتے ہیں

اَنْفُسَھُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا

اپنے افراد کی ۔ بیشک اللہ نہیں پسند کرتا اُسے جو ہے بڑا خائن

اَثِـيْمًا ۱۰۷

بڑا گنہگار

اور (دوبارہ تاکید کیجاتی ہے کہ) آپ اُن لوگوں کی طرف سے جھگڑا نہ کرنا (اُنکی طرفداری نہ کرنا) جو اپنے افراد (یعنی اپنے اہلِ معاشرہ کے حقوقِ ربوبیت غصب کرکے اُن) سے خیانت کرتے ہیں ۔ بیشک اللہ تعالیٰ ایسے بڑے خائنوں[۱] اور بڑے گنہگاروں[۲] کو (اُنکی خیانت کی بدولت) پسند نہیں کرتا ۔

● عـ ۱ خَوَّانًا مبالغے کا صیغہ ہے بڑھکر خیانت کرنیوالا، اور اَثِیْمٌ فعیل کے وزن پر صفت مشبہ ہے بڑا گنہگار ۔ اِس آیت مجیدہ کا یہ مفہوم ہرگز نہیں کہ اللہ تعالیٰ بڑے خائنوں اور بڑے گنہگاروں کو پسند نہیں کرتا ۔ چھوٹے چھوٹے خائنوں اور چھوٹے چھوٹے گنہگاروں کو پسند کرتا ہے ۔ اللہ تعالیٰ نہ چھوٹے خائنوں اور چھوٹے گنہگاروں کو پسند کرتا ہے نہ بڑے خائنوں اور گنہگاروں کو ۔ آیت بالا میں خَوَّانًا اَثِیْمًا کے الفاظ اُن لوگوں کی انتہائی برائی کے اظہار کیلئے آئے ہیں جو اپنے ہی نفسوں یعنی اپنے ہی معاشرہ کے اپنے ہی افراد کے حقوقِ ربوبیت غصب کرکے خیانت کرتے ہیں ۔

● اِس سے اگلی آیت مجیدہ میں اِنہی خائن سرمایہ داروں کے متعلق بتایا گیا ہے کہ یہ لوگ اپنے اُن بُرے ارادوں اور اُن بُری تدبیروں کو، جنہیں یہ عوام سے چھپا کر اپنی خفیہ مجلسوں میں کرتے ہیں، اللہ سے نہیں چھپا سکتے ۔ اللہ تعالیٰ اُن کی اِن بُری تجویزوں کی بات کو بھی پسند نہیں کرتا :-

يَّسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُوْنَ

وہ چھپاتے ہیں سے لوگوں کے اور نہیں چھپاتے

(وہ معاشرہ کے خائن سرمایہ دار عوام کش تجویزوں کو) عوام سے تو چھپا سکتے ہیں لیکن وہ اللہ تعالیٰ سے (اُنہیں ہرگز)

مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ مَعَهُمْ اِذْ يُبَيِّتُوْنَ مَا لَا
سے اللہ اور ہے وہ ساتھ اُنکے جب وہ رات کو تدبیریں کرتے ہیں جو نہیں
يَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ
پسند کرتا میں سے بات کے۔ اور ہے اللہ ساتھ اُسکے جو وہ عمل کرتے ہیں
مُحِيْطًا ۝ ۱۰۸
گھیرنے والا

نہیں چھپا سکتے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اُسوقت بھی اُنکے ساتھ ہوتا ہے، جب وہ رات کو چھپ کر (ایسی مُہلک تجویزیں کرتے ہیں)، جن کی وہ بات تک کو بھی پسند نہیں کرتا۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ گھیرنے والا ہے اُن جملہ اعمال کو جو وہ بجالاتے ہیں۔ (اُنہیں اُنکی سزا ضرور ضرور دیجائیگی)۔

جن اعمال کی سزا دُنیا میں نہ ملے قیامت میں ضرور ضرور مل کر رہیگی

• سرمایہ دار اپنے سرمایہ کی طاقت سے ہمیشہ اپنے اردگرد ایسے لوگوں کا حلقہ بنائے رکھتے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ چوہدری صاحب، خانصاحب، میاں صاحب بڑے غریب پرور ہیں، ہمیشہ مفلسوں اور ناداروں کا خیال رکھتے ہیں اور اسطرح اُنکی جھوٹی خوشامد، حمایت اور طرفداری میں ہمہ تن مصروف رہتے ہیں۔ سرمایہ کی بدولت پولیس اور کچہریوں میں بھی اُنہیں برتری حاصل رہتی ہے اور اسطرح اُنہیں غُرباء کا خون چوسنے، اور اُنکے گاڑھے پسینے کی کمائی پر عیش اُڑانے کے مواقع بدستور میسّر رہتے ہیں۔ چنانچہ اسی ٹھاٹھ کیساتھ اُنکی زندگی گزر جاتی ہے اور اُنہیں اُنکے جرائم کی سزا اس دُنیا میں نہیں مل پاتی۔ تو کیا اب ایسا ہی ہونا چاہئے کہ جنہیں دُنیا میں سزا نہیں ملی، اُنہیں دُوسری زندگی میں بھی کوئی سزا نہیں ملنی چاہیئے؟

• سلسلۂ درس کی اگلی آیتِ مجیدہ میں معاشرہ کے خائن مالداروں کے طرفداروں اور اُنکی طرف سے جھگڑنیوالوں کو مخاطب کرکے کہا گیا ہے کہ آج تو تم اُنکے طرفدار بن کر عوام سے جھگڑتے ہو۔ اور اُنکے وکیل بن کر اُنہیں دُنیا کی عدالتوں میں سزا سے بچا لیتے ہو۔ بھلا یہ تو بتاؤ کہ کون ہے جو قیامت کی اُخروی عدالت میں اُنکا وکیل بن کر، اور اللہ سے جھگڑ کر، اُنہیں اُنکے اعمال کی سزا سے بچالیگا۔ کوئی نہیں، کوئی نہیں:۔

هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَاۗءِ جٰدَلْتُمْ عَنْهُمْ فِي
وہ ہو تم، یہ، جو جھگڑتے ہو طرف سے اُن کی، بیچ
الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۣ فَمَنْ يُّجَادِلُ اللّٰهَ عَنْهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ
زندگی دنیا کے۔ پھر کون ہے جو جھگڑیگا اللہ سے دن قیامت کے
اَمْ مَّنْ يَّكُوْنُ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ۝ ۱۰۹
یا کون ہوگا طرف سے اُن کی وکیل

(اے مُجرموں کے طرفدارو! اور اِن کیطرف سے جھگڑنیوالے وکیلو!) تم وہ ہو جو اِن (خائنوں) کیطرف سے (عام مجلسوں اور عدالتوں میں) جھگڑتے ہو۔ بھلا یہ تو بتاؤ کہ) کون ہے جو اُنکی طرف سے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کیساتھ جھگڑیگا۔ یا کون ہے جو اُنکی طرف سے (اللہ کے ہاں) وکیل ہوگا۔

• آیتِ بالا میں وضاحتاً بیان کر دیا گیا ہے کہ حقوقِ انسانیت میں خیانت کرنیوالوں کا قیامت کی عدالتِ عالیہ میں کوئی وکیل نہیں ہوسکیگا۔ لیکن اِس سے اگلی آیتِ مجیدہ میں عام قانون کی صورت میں اعلان کر دیا گیا ہے کہ بُرے اعمال بجالانیوالوں کے بچاؤ کی ایک ہی صورت ہے، توبہ کرکے اپنی اصلاح کرلینا:۔

وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ

اور جو کوئی عمل کرے بُرے یا وہ ظلم کرے نفس اپنے پر پھر

يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ ۱۱۰

بچاؤ چاہے اللہ سے وہ پائیگا اللہ کو بچانیوالا مہربان

اور جو کوئی (ایسا) بُرا عمل کرے (جس سے دوسروں کا نقصان ہو) یا وہ اپنے آپ پر ظلم کر بیٹھے [۱] پھر (اگر وہ اچھے اعمال کے ذریعہ اس بُرے عمل کے بُرے اثرات سے) بچنا چاہے [۲] تو وہ اللہ تعالیٰ کو بچانیوالا مہربان پائیگا۔

• [۱] یَعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ کا مفہوم بالکل واضح ہے کہ اوّل الذکر کے تحت چوری، خیانت، ملاوٹ، بلیک اور سمگل وغیرہ وہ بُرے اعمال آتے ہیں جن سے دُوسروں کا نقصان ہوتا ہے لیکن اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ سے مراد وہ بُرے اعمال ہیں جن کا اثر صرف اپنے آپ پر ہوتا ہے۔ مثلاً اگر شراب پی لی۔ تو اپنی ہی جیب اور صحت پر ظلم کیا۔ اور اسیطرح کے بُرے اعمال ہیں قلب و نگاہ کی خیانت، جن سے کسی کا کچھ نہیں بگڑتا، خود اپنی ہی عاقبت خراب ہوتی ہے۔

استغفار کا صحیح مفہوم

• [۲] یاد رہے کہ استغفار کا یہ مفہوم مطلقاً غلط ہے کہ چوری، بدکاری، ملاوٹ، خیانت وغیرہ گناہوں کو بخشوانے کیلئے سَو، دوسَو، پانچ سَو یا ہزار مرتبہ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْهِ کا وِرد کر لیا جائے تو گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ دلیل کے طور پر آیت بالا کے الفاظ اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا پر غور کرنے کیلئے ذیل کی مثال کو سامنے لائیے۔ مثلاً کوئی شخص شراب نوشی کیساتھ اپنی جان پر ظلم کر کے صحت خراب کر لیتا ہے۔ شراب نوشی گناہ ہے۔ اور اس جرم کی سزا صحت کی خرابی خود اپنے آپ پیدا ہوتی ہے۔ تو اب ظاہر ہے کہ ہزار نہیں، بلکہ لاکھ مرتبہ کے اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ کے وِرد سے بھی صحت واپس نہیں آسکتی۔ بلکہ اسکی ایک ہی صورت ہے کہ شراب پینے سے تائب ہو کر اپنی اصلاح کر لے، یعنی آئندہ کے لئے شراب نوشی مطلقاً چھوڑ دے، تو گئی ہوئی صحت واپس آسکتی ہے۔ اور اسی صورت میں وہ اللہ تعالیٰ کو غفور رّحیم پاسکتا ہے۔

• اسی چیز کی وضاحت ۶/۵۴ + ۷/۱۵۳ + ۱۶/۱۱۹ میں کیگئی ہے:۔ ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ عَمِلُوا السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْٓا ۙ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ ۱۶/۱۱۹ ۔ پھر بیشک تیرا رب ان لوگوں کیلئے جو نادانی کیساتھ بُرے عمل کر بیٹھیں، پھر اسکے بعد تائب ہو جائیں اور اپنی اصلاح کر لیں تو بیشک تیرا پروردگار اسکے بعد البتہ غفور رّحیم ہے بس محض زبان سے استغفار کے الفاظ دُہراتے رہنا وہ استغفار نہیں جس کا حکم قرآن کریم میں دیا گیا ہے۔

• اُوپر کی مثال میں آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ جب اپنی جان پر کئے ہوئے ظلم کا اثر محض اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ کے وِرد سے زائل نہیں ہوتا۔ گناہ معاف نہیں ہوتا، تو اگر کوئی شخص دُوسروں پر ظلم کرے، کسی کا حق مار کر اسکے بال بچوں کو نانِ جویں تک کا محتاج کر دے تو کیا یہ ظلم محض اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْهِ کے ہزار لاکھ مرتبہ کے وِرد سے معاف ہو سکتا ہے ؟ ہرگز نہیں، جبتک کہ مارا ہوا حق واپس نہ کیا جائے۔ (یہ ہے توبہ) اور آئندہ کیلئے ایسے بُرے عملوں سے مطلقاً باز آجانا (یہ ہے اپنی اصلاح)۔ قرآن کریم کا بتایا ہوا گناہوں کی معافی کا مجرب المجرب نسخہ صرف یہی ہے۔ پس قانونِ خداوندی کے مطابق اسکے بغیر کوئی مجرم اپنے جرم کی سزا سے بچ نہیں سکیگا۔ اگر اسے دُنیا میں سزا نہیں ملی تو اُخروی عدالتِ عالیہ میں مل کر رہیگی، جہاں دُنیوی عدالتوں کیطرح یہ نہیں ہوگا کہ کسی مجرم کی جگہ کوئی غیر مجرم دھر لیا جائے۔ سلسلۂ درس کی اگلی آیت میں اعلان کیا گیا ہے:۔

وَمَنْ يَّكْسِبْ اِثْمًا فَاِنَّمَا يَكْسِبُهٗ
اور جو کوئی کماتا ہے گناہ، بس سوا اسکے نہیں وہ کماتا ہے اُسے
عَلٰى نَفْسِهٖ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝ ۱۱۱
اوپر جان اپنی کے۔ اور ہے اللہ علم والا حکمت والا

اور حقیقت یہ ہے کہ جو شخص جرم کرے تو سوائے اسکے اور کوئی بات نہیں کہ (بغیر استغفار یعنی توبہ اور اصلاح کے بغیر) اُس جرم کی سزا اُسی کی جان پر آئیگی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ جاننے والا حکمت والا ہے۔ (اُس سے کسی کا کوئی جرم مخفی نہیں۔ اور جرائم کے خاتمے کیلئے یہی حکمت عملی ہے کہ جرائم کی سزا لازمی ہو۔ اگر دنیا میں سزا نہیں ملی تو آخرت کی سزا یقینی مانی جائے)۔

خود جرم کرکے دوسروں کے ذمہ لگانیوالے دوہری سزا کے مستحق ہیں

● اس سے اگلی آیت مجیدہ میں نوعِ انسانی کے اس جرمِ عظیم کی خبر دی گئی ہے، جو عموماً سرمایہ داروں میں پایا جاتا ہے کہ خانصاحب میاں صاحب، ملک صاحب اپنے جرم کو ملازم کے ذمہ لگا کر خود بری ہو جاتے ہیں، چوہدری صاحب خود قتل کرکے گاؤں کے عیسائی سے اقبالِ جرم کروا کر اُسے سزا دلوا دیتے ہیں۔ ضابطۂ خداوندی میں ایسے لوگ دوہری سزا کے مستحق قرار دیئے گئے ہیں۔ جیسے کہ اگلی آیت مجیدہ میں بالفاظ ذیل اعلان کیا گیا ہے:۔

وَمَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْۗـــــَٔةً اَوْ اِثْمًا
اور جو کوئی کمائے، بھول کر یا جان بوجھ کر گناہ۔
ثُمَّ يَرْمِ بِهٖ بَرِيْۗـــــًٔـا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا
پھر تہمت لگائے ساتھ اُسکے بری ہو کر، پس تحقیق اٹھایا اُس نے بہتان
وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ۝ ۱۱۲ ع ۱۶/۸/۱۴
اور گناہ ظاہر

اور جو شخص گناہ تو خود کرے بھول کر یا جان بوجھ کر پھر اپنے آپ کو اُس سے بری ٹھہراتے ہوئے، اُس جرم کو کسی دوسرے پر بہتان باندھ کر اُسکے ذمہ لگائے تو پھر (وہ دوہری سزا کا مستحق ہے کیونکہ) بلاشبہ اُس نے کھلے بہتان اور گناہ (کی دوہری سزا کا) بوجھ خود اُٹھا لیا ہے۔

احکامِ خداوندی آپکا فضل و رحمت ہیں

● اس سے اگلی آیت مجیدہ میں آنحضورؐ کو ارشاد ہوا ہے کہ آپ پر اگر حکمت والی کتاب کے نزول کی صورت میں اللہ کا فضل نہ ہوتا تو منافقوں کا ایک گروہ تو آپکو بہکانے کا ارادہ کر چکا تھا۔

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ
اور اگر نہ ہوتا فضل اللہ کا اوپر تیرے اور رحمت اُس کی
لَهَمَّتْ طَّاۗىِٕفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ يُّضِلُّوْكَ ۭ
البتہ ارادہ کیا ایک گروہ نے اُن میں سے، کہ بہکا دے آپ کو
وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَھُمْ وَمَا يَضُرُّوْنَكَ
اور نہیں وہ بہکاتے مگر لوگوں اپنوں کو اور نہیں وہ ضرر پہنچائینگے آپکو

اور (اے رسولؐ) اگر آپ پر اللہ کا فضل و رحمت (بصورت نزولِ وحی) نہ ہوتا تو اُن میں سے (منافقوں کا) ایک گروہ تو ارادہ کر چکا تھا کہ وہ آپکو (راہِ حق سے) بہکا دے۔ حقیقت یہ ہے کہ نہیں بہکاتے وہ مگر اپنے ہی لوگوں کو (یعنی اپنے جیسے جاہلوں) کو بہکاتے ہیں! اور وہ آپکو کوئی معمولی سا

مِنْ شَيْءٍ ۭ وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَ
سے کوئی چیز۔ کیونکہ نازل کی اللہ نے اوپر آپکے اپنی کتاب اور

الْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ۭ وَكَانَ
حکمت اور سکھایا آپکو جو نہیں تھے آپ جانتے اور ہے

فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ۝ ۱۱۳
فضل اللہ کا اوپر آپکے بہت بڑا

الثلثة

ضرر بھی نہیں پہنچا سکیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر اپنی حکمت والی کتاب نازل فرمائی ہے (جسمیں حکمت کے تمام اصول نازل کر دیئے گئے ہیں۔ جن پر عمل کر کے آپ انکے ضرر سے محفوظ رہیں گے)۔ کیونکہ اللہ نے آپکو (اپنی حکمت والی کتاب[1] کے ذریعہ) وہ کچھ سکھا دیا ہے جو آپ نہیں جانتے تھے[2]۔ حقیقت یہ ہے کہ (یہ نزولِ کتاب حکمت) آپ پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل ہے۔

کتاب و حکمت ایک ہی چیز ہے دو نہیں

[1] الکتٰبَ و الحکمۃ میں واؤ تفسیری ہے یعنی حکمت والی کتاب۔ اس اہم ترین قضیئے کا فیصلہ تفسیر القرآن بالقرآن یعنی تصریف آیات $\frac{9}{65}$ کے انداز میں سورہ یٰسین کی ابتدائی دو آیتوں میں کر دیا گیا ہے۔ یٰسٓ ۝ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ۝ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ $\frac{36}{1،2،3}$ = اے سید! حکمت والے قرآن کی شہادت ہے کہ آپ رسولوں میں سے ہیں۔ دیکھیے! یہاں قرآن الحکیم کا مرکب توصیفی لا کر فیصلہ کر دیا گیا ہے کہ قرآن حکیم خود حکمت والا ہے حکمت اسکے اندر موجود ہے اس سے باہر کہیں نہیں ہے۔

علم کلی

[2] • وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ کے الفاظ سے بعض حضرات یہ تصور اخذ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم کو مَا كَانَ وَمَا يَكُوْنُ کا علم عطا فرما دیا تھا۔ کیونکہ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ میں **ما** عموم کا فائدہ دیتا ہے۔ یعنی ہر وہ چیز جو آپ نہیں جانتے تھے، آپکو سب کا علم دیدیا گیا تھا۔ یاد رہے کہ یہی عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ کے الفاظ **ما** عموم کیساتھ جمع کے صیغے میں صحابہ رضی اللہ عنہم کیلئے بھی آئے ہیں۔ كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ۝ $\frac{2}{151}$ = جیسے کہ (اے صحابہ) ہم نے تمہارے اندر تمہیں میں سے اپنا رسول بھیجا ہے، جو تم پر ہماری آیتیں پڑھتا ہے۔ اور تمہاری نشوونما کرتا ہے۔ اور تمہیں حکمت والی کتاب سکھاتا ہے۔ (یعنی اسکے ذریعہ تمہیں وہ کچھ سکھاتا ہے جو تم نہیں جانتے۔

• اگر $\frac{4}{113}$ عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ سے آنحضورؐ کو علم غیب عطا کرنا مراد لیا جائے تو عَلَّمَكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ $\frac{2}{151}$ کے الفاظ سے سب کے سب صحابہؓ کو بھی علم غیب کا مالک ماننا ہوگا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ آنحضورؐ کو جو کچھ عطا کیا وہ تھا صرف قرآن کریم جسمیں دین کی ہر وہ چیز درج کر دیگئی ہے جو آنحضورؐ اور صحابہؓ نہیں جانتے تھے۔ اسلئے مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ اور مَا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ کے بعد جار مجرور متعلق فعل مِنَ الدِّيْنِ محذوف ہے۔ اور $\frac{4}{113}$ کا مفہوم یہ ہے کہ "اے رسول! اللہ تعالیٰ نے آپکو اپنے دین کے متعلق سب کچھ سکھا دیا ہے جو آپ نہیں جانتے تھے"۔ اور $\frac{2}{151}$ کا مفہوم یہ ہے کہ "اے صحابہ! تمہیں اللہ کے رسول نے دین کے متعلق سب کچھ سکھا دیا ہے جو تم نہیں جانتے تھے"۔ اسکے برعکس اگر آنحضورؐ کو عالم الغیب مانا جائے تو آپ پر اللہ کی وحی جانی ہوئی چیزوں کو جتوانے کا کار عبث ثابت ہوتی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ جو کچھ بذریعہ وحی نازل کرتا تھا۔ اُسے تو آنحضورؐ پہلے ہی جانتے تھے۔ یا للعجب!

صرف تجویزیں اور مشورے بغیر ادائے صدقات اور بلا طلب رضاءِ الٰہی بیکار ہیں

• اس سے اگلی آیت مجیدہ میں منافقوں کی اس روش پر روشنی ڈالی گئی ہے جو وہ تجویزیں اور مشورے تو پیش کرتے تھے۔ مگر انہیں عملی جامہ پہنانے کیلئے جیب سے کچھ دینے کا نام تک نہیں لیتے تھے۔ اور اچھی تجویزیں اور مشورے پیش کرنے میں بھی اللہ کی رضا مطلوب نہیں ہوتی۔ بلکہ اُنکا مقصود اپنی بڑائی ہوتی ہے کہ خانصاحب میاںصاحب چوہدری صاحب نے کیسی اچھی تجویز پیش کی ہے! اور کیسا عمدہ مشورہ دیا ہے:۔

لَا خَيْرَ فِي كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا
نہیں بھلائی بیچ اکثر میں سے مشوروں اُن کے، مگر
مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍۢ بَيْنَ
جو مشورے دے ساتھ صدقہ کے یا معروف طریقہ کے یا اصلاح کرنے درمیان
النَّاسِ ؕ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ
لوگوں کے۔ اور جو کوئی عمل کرے مذکورہ چاہنے خوشنودی اللہ کے
فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ ۱۱۴
تو ضرور ہم دینگے اُسے بدلہ بڑا

اُن (منافقوں کے) بیشتر مشوروں میں سے کوئی بھلائی نہیں (اُنکے بعض مشورے ٹھیک ہوتے ہیں مگر اُنکا مقصود ذاتی مفاد اور خلافِ رضاءِ الٰہی ہوتا ہے)۔ ہاں صحیح مشورہ اُسکا ہے، جو مشورہ کے ساتھ صدقہ دے۔ (یعنی اگر کسی اصلاحی کام کا مشورہ دے تو اُسکے ساتھ صدقہ بھی دے ۵۸/۱۲) یا معروف طریقہ کیساتھ (کہ اُن میں صدقہ کی ادائیگی کی طاقت نہ ہو ۵۸/۱۲) اور (اُن مشوروں اور صدقوں کی غرض) نوعِ انسانی کی اصلاح اور بھلائی ہو۔ اور جو کوئی اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کیلئے ایسا کریگا تو ہم اُسے ضرور اسکا بہت بڑا اجر عطا فرمائینگے۔

• ملہ اَوْ بمعنی اور ۲/۲۳۶ میں ملاحظہ فرمائیں:۔ لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً ۚۖ وَّمَتِّعُوْهُنَّ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ ج ۲/۲۳۶ = تم پر کوئی حرج نہیں کہ اگر تم اس حالت میں بیویوں کو طلاق دو کہ تم نے اُنکے ساتھ مس نہیں کی **اور** اُنکے لئے مہر مقرر نہیں کیا۔ تو اُنہیں فائدہ دو۔ یہ امر زیادہ مال والے پر اُسکی بساط کے مطابق فرض ہے۔ اور کم مال والے پر اُسکی بساط کے مطابق فرض ہے۔ دیکھئے! یہاں اَوْ بمعنی **یا** لگ ہی نہیں سکتا کہ اگر تم نے مس نہیں کیا یا مہر مقرر نہیں کیا تو اپنی اپنی بساط کے مطابق فائدہ دو۔ بلکہ اَوْ بمعنی اور ہی لگ سکتا ہے کہ اگر تم بیویوں کو بلا مس طلاق دو **اور** تم نے اُنکا مہر مقرر نہیں کیا تو کوئی حرج نہیں۔ اپنی اپنی بساط کے مطابق بلا مس مطلقہ عورتوں کو کچھ فائدہ ضرور دیا کرو۔

مومنوں کی تجویزیں اور مشورے بلا صدقہ نہیں ہوتے

• واضح رہے کہ قرآنی معاشرہ عوام کے مالوں ہی سے قائم ہوتا ہے:۔ يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۝ ۲/۲۱۹ = اے رسول! لوگ آپ سے پوچھینگے کہ وہ کتنا مال اللہ کی راہ میں دیدیں۔ آپ کہدیجئیگا کہ پورا فاضل مال۔ سورہ مجادلہ میں مشوروں کے متعلق مومنوں کو حکم دیا گیا ہے:۔

• يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ؕ ۵۸/۱۲ = ایمان والو جب تم ہمارے رسول کے سامنے رفاہِ عامہ کے کسی کام کی کوئی تجویز پیش کرو تو اپنی تجویز اور مشورہ پیش کرنے سے پہلے حضور رسالت میں اُس کام کی تکمیل کیلئے اپنے حصّے کے طور پر صدقہ پیش کیا کرو۔ اور ۴/۱۱۴ کے مطابق یہ سب کچھ محض نمود و نمائش نہ ہو۔ بلکہ ذٰلِکَ

اِبْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰہِ ۱۱۴/۴ یعنی اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور رضاجوئی کیلئے ہو۔

باہم مشورہ کے بعد جو کچھ طے پاجائے اسکی مخالفت، خود رسول مقبول کی مخالفت ہے

• سلسلۂ درس کی آیاتِ ماقبل ہیں سے ۱۱۴/۴ میں رفاعِ عامہ و معاشرہ کے اصلاحی کاموں کیلئے مومنوں کو اجازت دیگئی ہے کہ وہ اپنی اپنی تجویزیں اور مشورے پیش کرسکتے ہیں۔ اور اس سے اگلی آیت مجیدہ میں اعلان کیا گیا ہے کہ باہمی مشورہ کے بعد جس امر کا حکم اللہ کا رسول نافذ فرمائے تو جو لوگ رسول کے حکم کی مخالفت کریں! در متفقہ فیصلے کے بعد کوئی اور راہ تلاش کریں تو انکا ٹھکانہ جہنم ہے۔

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ
اور جو کوئی مخالفت کرے اللہ کے رسول کی پیچھے اسکے کہ ظاہر ہوچکی

لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ
واسطے اسکے ہدایت۔ اور وہ اتباع کرے سوائے راستے مومنوں کے

نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ
ہم موڑتے ہیں اسے جدھر کو وہ مڑتا ہے اور ہم داخل کرینگے اسے جہنم میں

وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ۱۱۵ ع ۱۴
اور وہ بری جگہ ہے پھر جانے کی

اور جو کوئی اللہ کے رسول کی مخالفت کرے پیچھے اسکے کہ اس کیلئے (وقتی امور پر باہمی مشورہ کے بعد معاملہ زیرِ غور کی) راہ نمایاں ہوچکی ہو۔ اور وہ مومنوں کے (باہمی طے کردہ) راستے کے سوا کسی اور راہ کی اتباع کرے تو (ہم اسے زبردستی وہ ہدایت پر نہیں لاتے۔ بلکہ) اسے اسی طرف کو مڑنے دیتے ہیں جدھر کو وہ خود مڑتا ہے۔ اور ہم اسے (اسکی اس سرکشی کی پاداش میں) جہنم داخل کرینگے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ) وہ جہنم (غیر متوازن معاشرہ) لوٹ کر جانے کی بری جگہ ہے۔

• اس سے اگلی آیت مجیدہ میں مومنوں اور آنحضور کے متفقہ فیصلے کی مخالفت کو شرک قرار دیا گیا ہے۔ کیونکہ یہ انداز حکومتِ الٰہیہ کی مخالفت پر مبنی ہے۔ بالفاظِ دیگر خلافت علیٰ منہاج النبوۃ میں وقتی امور کے فیصلے مشاورت ہی کی اساس پر کئے جاتے ہیں ۳/۱۵۹ + ۴۲/۳۸۔ اسکی مخالفت کرنیوالے اپنی رائے کو حکومتِ الٰہیہ کے مقابلے پر ترجیح دیتے ہوئے خود اللہ کے شریک بنتے ہیں۔ چنانچہ کہا گیا ہے کہ شرک معاف نہیں ہوگا۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ
بیشک اللہ نہیں معاف کرتا یہ کہ شرک کیا جائے ساتھ اسکے اور معاف کرتا ہے

مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ
جو سوا اسکے ہو۔ واسطے اسکے جو خود چاہے۔ اور جو شرک کرے ساتھ اللہ کے

فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا ۢ بَعِيْدًا ۝ ۱۱۶
پس تحقیق وہ گمراہ ہوا گمراہ ہونا دور کا

بیشک اللہ تعالیٰ (بلا توبہ اور بلا اصلاح) اس چیز کو معاف نہیں کرتا کہ اسکے ساتھ (کسی بھی چیز کو ۶/۱۵۱) شریک ٹھہرایا جائے۔ اور معاف کرتا ہے اسکے سوا کے جرائم (کی سزا، اسے) جو توبہ اور اپنی اصلاح کرکے ۴/۱۷ خود بچنا چاہے اور حقیقت یہ ہے کہ جو کوئی اللہ کیساتھ (کسی بھی چیز کو) شریک ٹھہرائے تو وہ دور کی گمراہی میں گمراہ ہوجاتا ہے۔ علہ

بلا توبہ و اصلاح شرک معاف نہیں ہوگا

علہ شرک کے متعلق پیچھے ۴/۴۸ میں آیا ہے وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰٓى اِثْمًا عَظِيْمًا ۝ = اور جس نے اللہ کیساتھ (کسی بھی چیز کو ۶/۱۵۱) شریک ٹھہرایا تو اس

نے کھُلا کھُلا افترٰی باندھ کر) عظیم گناہ کیا۔ مشرک عموماً، اپنے بزرگوں میں خداوندی صفات مانکر یہ کہتے ہُوئے کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالٰی نے خود اُنہیں اپنی صفاتِ مخصوصہ میں سے بے پرواہی اور بے نیازی، یا کائناتی اور تنزیلی قوانین میں ردّوبدل کے اختیارات عطا فرمائے ہیں۔ یہ کھُلا افترٰی اور گناہ ہے مُشرک کے متعلق سورہ حج میں ارشاد ہُوا ہے :-

• وَمَن يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَكَأَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَاءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ أَوْ تَهْوِي بِهِ الرِّيحُ فِي مَكَانٍ سَحِيقٍ ۝ ۲۲/۳۱ اور جو کوئی شرک کرے اللہ کیساتھ، تو گویا وہ آسمان سے گر پڑا پھر اُسے پرندے اُچک کر لیجائیں، اور یا اُسے آندھی نے دُور کے کسی مکان میں جا پھینکا۔ آسمان سے گرنے کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالٰی نے نوعِ انسانی کو کائنات کی ہر چیز پر فضیلت عطا فرمائی ہے ۱۷/۷۰ بلکہ ارشاد فرمایا ہے کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے وہ سب کا سب اِسکے زیرِ فرمان کر دیا گیا ہے :-

• وَسَخَّرَ لَكُم مَّا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مِّنْهُ ۴۵/۱۳ = اور (اے نوعِ انسانی) آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے۔ اللہ نے وہ سب کا سب تمہارے لئے مسخر کر دیا ہے۔ (تمہارے تابع تسخیر کر دیا ہے)۔ بالفاظِ دیگر نوعِ انسانی کا مقام اتنا بلند ہے کہ کائنات کی ہر بلند و بالا چیز سے اِسکا مقام بلند و بالا ہے۔ لیکن جب یہ کائنات کی کسی بھی چیز کو اپنے سے افضل قرار دیکر اُسے اللہ کا شریک ٹھہراتا، یعنی اُس سے مرادیں مانگنا شروع کر دیتا ہے تو انسانی عظمت کی بلندیوں سے ذلت کی پستیوں میں آگرتا ہے۔ اور اتنا ذلیل ہو جاتا ہے کہ اُسے اَنتھک شکاری پرندے، یعنی اپنی ہوسِ زر کی تکمیل کیلئے سادہ لوح عوام کا شکار کرنیوالے گدی نشین اُسے اُچک کر دُور اپنے مکان پر لے جاتے اور اپنا مرید بنا کر اُسکی کمائی میں عمر بھر حصّہ دار بنے رہتے ہیں۔

• المختصر! مُشرک چونکہ نہ اللہ تعالٰی کو اپنے مقام پر رکھتا ہے اور نہ اپنے آپکو اپنے مقام پر، بلکہ اللہ کو اُسکے مقام سے گرا کر بندوں کے مقام پر لے آتا ہے۔ اور اپنے آپکو انسانیت کے بلند مقام سے گرا کر حیوانیت کے ذلیل مقام پر لا کھڑا کرتا ہے، کہ کسی نہ کسی انسان کی غلامی کا پٹہ گلے میں ڈالے رہتا، اور مشکل وقت پر غیر اللہ سے مرادیں مانگتا ہے۔ چنانچہ سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں اِنہی مُشرکوں غیر اللہ سے مرادیں مانگنے والوں کے متعلق ارشاد ہُوا ہے :-

إِن يَدْعُونَ مِن دُونِهِ إِلَّا إِنَاثًا وَإِن يَدْعُونَ إِلَّا
نہیں وہ پکارتے ساتھ اُسکے مگر عورتوں کو۔ اور نہیں وہ پکارتے مگر
شَيْطَانًا مَّرِيدًا ۝ لَّعَنَهُ اللَّهُ ۘ وَقَالَ لَأَتَّخِذَنَّ
شیطان مردود کو۔ لعنت کی اُسپر اللہ نے۔ اور کہا اُس نے البتہ میں ضرور لونگا
مِنْ عِبَادِكَ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا ۝ ۱۱۷-۱۱۸
میں سے بندوں تیرے حصّہ مقرر کردہ

(مُشرک غیر اللہ سے مرادیں مانگنے والے) نہیں پکارتے اللہ کیساتھ[1]، مگر عورتوں کو پکارتے ہیں (جو عورتوں کیطرح خود کمائی نہیں کرتے بلکہ دُوسروں کی کمائی پر عیش اڑاتے ہیں)۔ اور نہیں پکارتے وہ (مُشرک لوگ مرادیں مانگنے کیلئے) مگر درگاہِ باری سے راندے ہوئے شیطان کو۔ کہ اُس سے اللہ بیزار ہُوا۔ اور اُس نے کہا کہ میں ضرور ضرور تیرے بندوں میں سے (غیر مخلص بندوں سے ۱۵/۴۰) اپنا مقررہ حصّہ وصول کیا کرونگا۔ ۲۰

• [1] مِن دُونِهِ کا ایک معنی قرآنی لغت کے مطابق اُسکے سوا کے علاوہ اُسکے ساتھ بھی ہے۔ جیسے کہ ۵/۱۱۶ میں آیا ہے :- وَإِذْ قَالَ اللَّهُ يَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ أَأَنتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُونِي وَأُمِّيَ إِلَٰهَيْنِ مِن دُونِ اللَّهِ ۖ اور وہ ذکر قابلِ ذکر ہے۔

جب اللہ تعالیٰ کہیگا کہ اے مریم کے بیٹے عیسیٰ! کیا تو نے لوگوں کو کہا تھا کہ مجھ اور میری ماں کو اللہ کیساتھ (مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ) دو الٰہ بنالو
• دیکھئے! یہاں مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ کا معنی اللہ کے سوا دو الٰہ اور بنانا لگ ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ نصاریٰ نے اللہ کے سوا نہیں بلکہ اللہ کیساتھ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ، دو الٰہ اور بنا کر مِن الٰہ بنائے ہوئے ہیں۔ جن کی تائید ۵ میں موجود ہے لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۔ بیشک جنہوں نے کہا کہ اللہ تین میں کا تیسرا ہے، انہوں نے کفر کیا پس ۵ کی شہادت سے ثابت ہے کہ مِنْ دُوْنِ کا معنی قرآنی لغت کے مطابق صرف کے سوا ہی نہیں، بلکہ کیساتھ بھی ہے۔

مریدوں کی کمائی کھانیوالے مرد نہیں۔ یہ تو عورتیں ہیں

• ۲ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب قرآن مجید کے قاری سے اسکی پہلی ہی سورت سورہ فاتحہ میں حصر کیساتھ وعدہ لے رکھا ہے:۔ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝ ۔ اے اللہ ہم تیری ہی فرمانبرداری کرینگے اور تجھ ہی سے مرادیں مانگا کرینگے۔ آیات بالا زیر بحث میں اس اولین وعدہ کی مخالفت کرنے یعنی غیر اللہ سے مرادیں مانگنے والوں کو مشرک قرار دیا گیا ہے۔ اور جن افراد کو پیر و مرشد بنا کر حاجت روا اور مشکلکشا مانا جاتا ہے، یعنی جو خود کما کر کھانے کی بجائے مریدوں کی کمائی پر اسیطرح عیش اڑاتے ہیں جسطرح عورتیں خاوندوں کی کمائی کھاتی ہیں، انہیں عورتیں قرار دیا گیا ہے۔ نیز اُدھر تو بعض پیروں کی حالت یہ بھی ہے کہ وہ عورتوں جیسے کپڑے، اور عورتوں ہی کی مانند ہاتھوں میں چوڑیاں اور گجرے پہنتے ہیں اور کانوں میں بالیاں اور ناک میں بلاکیں آویزاں کرتے ہیں۔
• خود کمائی نہ کرنا اور عورتوں کیطرح مریدوں کی کمائی پر بسر کرنا سب کے سب پیروں کا مستقل اور دائمی شعار ہے۔ عورتیں تو پھر بھی اپنے گھریلو کام کاج میں دن بھر مصروف رہتی ہیں، لیکن پیری پیشہ حضرات تنکا تک توڑ کر دوہرا نہیں کرتے۔ اسی لئے خدا تعالیٰ نے انہیں عورتیں اِنٰثًا کہا ہے۔ اور چونکہ یہ لوگ مریدوں کے مشکلکشا اور حاجت روا بنے ہوتے ہیں، ایسے لوگوں کو شیطان مردود قرار دیا گیا ہے شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا ۔ کیوں؟
• قرآن کریم میں شیطان اُسے کہا گیا ہے جس میں ابلیسیت بشکل مشہود جلوہ گر ہو۔ ۲ میں ابلیس کی دو صفتیں بیان کیگئی ہیں۔ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ، یعنی انکار وتکبار خاصۂ ابلیسیت ہے۔ پیر حضرات کا عام قاعدہ یہ ہے کہ عوام سے اونچے بیٹھتے ہیں اپنے برابر بیٹھنے کی کسی کو اجازت نہیں دیتے۔ اگر کوئی شخص انکے پلنگ پر انکے برابر بیٹھ جائے تو اسے بے ادبی اور گستاخی قرار دیتے ہیں۔ گفتگو کرتے وقت اپنے آپکو جمع کے صیغے میں ہم کہتے ہیں۔ اپنے آپکو میں کہنا انکی لغت ہی سے خارج ہے۔ پنجابی زبان میں اپنے آپکو اسیں کہتے ہیں۔ اگر کوئی آدمی انکی بات کاٹ دے، یا انکی رائے کی مخالفت کر بیٹھے تو انکے ہاں ایسا آدمی مردود بلکہ گردن زدنی قرار دیا جاتا ہے۔ مندرجہ بالا سب چیزیں تکبر اور انکار کی جیتی جاگتی تصویریں ہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ایسے شخص کو جو عورتوں کیطرح دوسروں کی کمائی کھانیوالا اور تکبر کا مجسمہ ہو، اِنٰثًا اور شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا قرار دیا ہے۔ اور اُس سے بیزاری کا اعلان فرمایا ہے لَعَنَهُ اللّٰهُ ۔ العیاذ باللہ!

ابلیس کا مخصوص اعلان

• ۳ لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا کے الفاظ میں ابلیس کے اُس نعرے موسے کا ذکر کیا گیا ہے جو اُس نے روزِ آفرینش ہی کیا تھا:۔ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ اِلَّا عِبَادَكَ

مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ۰ ۱۵/۳۹-۴۰ ۔ میں اُن (نوعِ آدم) میں سے تیرے مخلص بندوں کے سوا سب کو گمراہ کرونگا بسلسلۂ درس کی اگلی آیت میں اُسکے اس طریقہ کی وضاحت بھی کر دیگئی ہے کہ وہ اپنے مریدوں کی کمائی میں سے ایک مقررہ حِصّہ کسطرح وصول کیا کریگا؛ اسکے لئے اگلی آیت کے ملاحظہ فرمائیں الفاظ ذیل:۔

وَّلَاُضِلَّنَّهُمْ وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ
اور البتہ اُنہیں ضرور گمراہ کرونگا۔ اور البتہ ضرور اُنہیں امیدیں دلاؤنگا
وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ
اور البتہ ضرور حکم کرونگا اُنہیں۔ پھر وہ ضرور کاٹینگے کان چرپایوں کے
وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ؕ
اور البتہ ضرور حکم کرونگا اُنہیں پھر وہ ضرور بدلینگے، پیدائش اللہ کو
وَمَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ
اور جو پکڑے شیطان کو کارساز سوائے اللہ کے ، پس تحقیق
خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا ؕ ۱۱۹
اُس نے گھاٹا کھایا گھاٹا ظاہر

اور (شیطان نے کہا کہ) میں البتہ ضرور گمراہ کرونگا اُنہیں ۔ اور البتہ ضرور اُنہیں اُمید دلاؤنگا (کہ اگر میرا مقررہ حِصّہ ادا کروگے تو تمہارے مویشیوں اور کھیتی میں برکت ہوگی) اور البتہ ضرور میں اُنہیں حکم کیا کرونگا پھر وہ (میرے حکم کے مطابق میرے نام پر) البتہ ضرور اپنے چارپایوں کے کان کاٹا کرینگے۔ اور البتہ ضرور میں اُنہیں حکم دونگا، تو وہ (میرے حکم سے) اللہ کی پیدائش کو بدلینگے، (اُسے غیر اللہ کیطرف منسوب کرینگے (کہ یہ بیٹا پیروں نے دیا ہے پیرانِ دتہ) اور حقیقت یہ ہے کہ جس کسی نے اللہ کیساتھ (گمراہ کرنیوالے، اپنا مقررہ حِصّہ وصول کرنیوالے، جانوروں کے کان کاٹنے اور اللہ کی پیدائش کو بدلنے کا حکم دینے والے آمر شیطان کو اپنا کارساز بنایا) تو (جان لوکہ) وہ ظاہر گھاٹے میں جاپڑا۔

پیروں کا مقررہ حِصّہ

• لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ۱۱۸/۴ کے الفاظ پر ایک مرتبہ پھر غور فرمائیں۔ یہاں عِبَادِكَ میں اللہ کے مخلص بندے شامل نہیں اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ۱۵/۴۰۔ کیونکہ ۱۵/۴۲ کے مطابق اُن پر شیطان کا بس نہیں چل سکتا۔ اسلئے یہاں غیر مخلص بندوں کا ذکر ہے جن پر شیطان کا تسلّط ممکن ہے، اور وہ اُن سے اُنکی کمائی میں سے اپنا مقررہ حِصّہ وصول کرتا ہے۔ اگر آپ پیروں کے زمیندار مریدوں کو قریب سے دیکھیں تو آپکو معلوم ہوگا کہ ہر وہ جنس جو کھیت میں پیدا ہوتی ہے، اُس میں پیر صاحب کے آستانہ شریف کا حِصّہ مقرر ہوتا ہے۔ گندم، دھان، جَو، جوار، مکی، چنے وغیرہ میں سے دو چار دس ٹوپے فی مانی پیر صاحب کا حِصّہ کھلیان ہی سے الگ کر دیا جاتا ہے۔ گائے بھینسوں کے دودھ میں سے ہر مہینے میں ایک دن کا دودھ گیارھویں شریف کے نام سے آستانوں اور پیروں کی نذر مقرر ہوچکا ہے۔ اور پیر صاحبان مریدوں کو وعدہ دیتے چلے آرہے ہیں کہ اگر تم کھیت کی پیداوار اور مویشیوں کے دودھ میں سے مقررہ حِصّہ ادا کرتے رہوگے تو فصلوں میں برکت ہوگی اور گائے بھینسیں خوب دودھ دیتی رہینگی (وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ) اور اگر تم نے مقررہ حِصّے میں کمی کی تو آئندہ کیلئے فصلیں برباد ہو جائینگی اور گائے بھینسوں کے تھنوں میں خون اُتر آئیگا۔

• چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ایسے ہی پُرفریب جھوٹے وعدوں کیلئے سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں وضاحتًا اعلان کر رکھا ہے کہ یہ سب کچھ فریب محض ہے:۔

يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيهِمْ ۖ وَمَا
وہ وعدہ دیتا ہے انہیں اور امیدیں دلاتا ہے انہیں۔ اور نہیں

يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۱۲۰﴾
وعدے دیتا انہیں شیطان مگر فریب محض

اور وہ (شیطان مریدوں کی کمائی کھانیوالا) انہیں (مریدوں) کو وعدے بھی دیتا ہے اور اُنکی اُمیدیں بھی بندھاتا ہے حقیقت یہ ہے کہ شیطان اُنہیں جو بھی وعدہ دیتا ہے، وہ فریب محض ہے (اُس میں مطلقاً کوئی سچائی نہیں)۔

نہائت ہی مؤدبانہ گذارش

• آیاتِ بالا میں آپ وضاحتاً ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ بندوں کے مال سے مقررہ حِصّہ وصول کرنا اور اُنہیں جھوٹی اُمیدیں دلاکر اُنکے مال کھانا، شیطان کا کام بتایا ہے، لیکن معاشرہ کے جس گوشے میں یہ شیطانی فعل عملاً پایۂ تکمیل کو پہنچ رہا ہے، وہ ہے صرف اور صرف پیری مریدی کا مخصوص گوشہ۔ اِسکے سوا کہیں بھی جھوٹی اُمیدیں بندھاکر لوگوں کی کمائی میں سے مقررہ حِصّہ ہرگز ہرگز وصول نہیں کیا جارہا۔ تو اِسطرح اگر شیطان کا لفظ قرآن کریم نے اُن لوگوں کیلئے استعمال کیا ہے، جو جھوٹے وعدے دیکر اور جھوٹی اُمیدیں بندھاکر مریدوں کے مال سے مقررہ حِصّہ باقاعدہ وصول کر رہے ہیں تو اِس سلسلے میں معاف فرمایئے، یہ فیصلہ قرآن کریم کے الفاظ میں اللہ تعالیٰ کا ہے، کسی اور کا نہیں۔

اولے باندھنے والے پیر

• معزز قارئین کی معلومات میں اضافے کیلئے واضح کیا جاتا ہے کہ پیر خاندانوں میں سے ایک خاندان وہ ہے جسے علاقہ پنجاب میں "گڑے بنھ" کہا جاتا ہے۔ وہ لوگ اِس جھوٹے اور پُرفریب وعدے کیساتھ عوام کے مالوں سے مقررہ حِصّہ وصول کرتے چلے آرہے ہیں کہ جو لوگ کھیتی کی پیداوار میں سے ہمارا مقررہ حِصّہ ادا کرتے رہینگے، اُنکے کھیتوں میں اولے نہیں پڑینگے۔ چنانچہ زمیندار بیچارے اپنی فصلوں اور کھلیانوں کو اولوں سے بچانے کیلئے مذکورہ بالا غلط اُمید دلانیوالوں کو بھی اُنکا مقررہ حِصّہ ادا کرتے چلے آرہے ہیں۔ قرآنی فیصلے ۱۲۰ کے مطابق یہ سب غلط امیدیں اور جھوٹے وعدے فریب محض ہیں۔ اولے، بارش، برف اور شبنم وغیرہ تمام چیزیں اُس قانونِ خداوندی کے مطابق برستی ہیں جو ان کیلئے خود اللہ تعالیٰ نے مقرر کر رکھا ہے۔ کارگاہِ کائنات میں ہر چیز کے قوانین مقرر ہیں کہ بارش کسطرح برستی ہے؟ اولے کیوں پڑتے ہیں؟ اور برف باری کا خداوندی اندازہ کیا ہے؟۔ اِس سلسلے میں یہ دعویٰ کرنا کسقدر غلط اور فریب محض ہے کہ ہمارے دم چھو کے ساتھ اولے ٹل سکتے ہیں۔ یا اُنکے گرنے کی جگہ بدل سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا کے الفاظ میں اعلان کر دیا ہے کہ ایسے پُرفریب اور جھوٹے دعوے کرنیوالے شیطان ہیں۔ اور ایسے ہی لوگوں کے متعلق سلسلۂ درس کی اگلی آئت میں ارشاد ہوا ہے:۔

اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۫ وَلَا يَجِدُوْنَ
یہی ہیں وہ کہ ٹھکانہ اُنکا قیدخانہ ہے۔ اور نہیں وہ پائینگے

عَنْهَا مَحِيْصًا ﴿۱۲۱﴾
جس سے اُس کے رہائی

(یہ جھوٹی اُمیدیں دلاکر لوگوں کے مال بٹورنے والے) یہی وہ لوگ ہیں کہ اُنکا ٹھکانہ (اُخروی) قیدخانہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسے لوگ دُنیا مت کے دِن اُس (اُخروی قیدخانے) سے رہائی نہیں پائینگے۔ (اُس میں ہمیشہ رہینگے)۔

لفظ جہنم کی قرآنی لغت

• علہ لفظ جہنّم کے متعلق اہلِ لغت میں اختلاف ہے۔ بعض اسے عبرانی کے لفظ جی ھنّوم سے معرّب مانتے ہیں۔ جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یروشلم کے پاس ایک وادی ہے جہاں بُت پرست لوگ مسافروں کو پکڑ کر بتوں کے سامنے قربان کیا کرتے تھے۔ عبرانی زبان میں جی کا معنیٰ ہے وادی اور ھنّوم اُس وادی کا نام تھا۔ اور بعض اسے مادہ ج۔ ہ۔ م = جہم سے مشتق بتاتے ہیں، جس کا بنیادی معنیٰ ہے تیوری چڑھانا، بُرا مُنہ بنانا جو انتہائی ذہنی اذیت کا نشان ہے۔ اور تیسرے وہ ہیں جنہوں نے اسے مادہ ج ح م = جحم کے مترادف قرار دیا ہے، جس کا بنیادی معنیٰ ہے تنگی، بخل، حسد اور حسد کیساتھ جل بھن جانا۔ تو اسطرح جہنّم کا معنیٰ وہ مقام جس کے رہنے والے جلتے رہتے ہوں لیکن جیسے کہ بارہا عرض کیا گیا ہے کہ قرآن کریم متنازعہ الفاظ کی لغت خود پیش کرتا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں جہنّم کے متعدد معنے آئے ہیں، جن میں ایک معنیٰ تنگی، بخل اور حسد کے تصوّر کے مطابق ناہموار معاشرہ بھی ہے۔ جس میں غیر متوازن تقسیم رزق کی بدولت بخل حسد بُغض اور ذہنی جلن کا چارسُو دَور دَورہ ہوتا ہے۔

جہنّم بمعنیٰ غیر متوازن معاشرہ

• غیر متوازن معاشرہ کو جہنّم اسلئے کہا گیا ہے کہ اُس میں ہر شخص ذہنی جلن میں مبتلا رہتا ہے جہنمی معاشرہ ملوکیت کی پیداوار ہے جو خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کی ضد ہے۔ چنانچہ سورہ ابراہیم میں خلافت الٰہیہ کے غاصب ملوک، بادشاہوں کے متعلق ارشاد ہُوا ہے:۔ اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡنَ بَدَّلُوۡا نِعۡمَتَ اللّٰہِ کُفۡرًا وَّ اَحَلُّوۡا قَوۡمَہُمۡ دَارَ الۡبَوَارِ ۙ جَہَنَّمَ ۚ یَصۡلَوۡنَہَا ؕ وَ بِئۡسَ الۡقَرَارُ $\frac{۲۸-۲۹}{۱۴}$ = (اے مخاطب!) کیا تُو نے غور نہیں کیا اُن لوگوں کیطرف جنہوں نے اللہ کی نعمت کو (اسکے نظامِ ربوبیت ہے کا) انکار کر کے بدل دیا۔ اور اپنی اپنی قوم کو تباہی کے گھر جہنّم میں لا اُتارا۔ اُس میں سب داخل ہوئے۔ حقیقت یہ ہے کہ (تباہی کا گھر جہنّم، جس میں نوعِ انسانی کی ضروریاتِ زندگی کے مساویانہ حق $\frac{۱۰}{۴۱}$ کو بدل دیا گیا ہو۔ اور اُسے غیر متوازن کر کے نوعِ انسانی کو تباہی کے گڑھے میں ڈال دیا گیا ہو) وہ رہنے کی بہت بُری جگہ ہے۔

جہنّم بمعنیٰ شکست

• قُلۡ لِّلَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا سَتُغۡلَبُوۡنَ وَ تُحۡشَرُوۡنَ اِلٰی جَہَنَّمَ ؕ وَ بِئۡسَ الۡمِہَادُ $\frac{۱۲}{۳}$ = اے رسُول! ضابطہ ربوبیت کا انکار کرنیوالوں سے کہہ دیجئے کہ تم ضرور مغلوب ہو جاؤ گے (شکست کھاؤ گے) اور تم شکست کے میدان (جہنّم) میں جمع کئے جاؤ گے۔ (یعنی تمہیں میدانِ شکست میں گرفتار کر لیا جائیگا) اور وہ بہت بُرا مقام ہوگا۔

جہنّم بمعنیٰ جرائم کی سزا۔ اگر دُنیا میں نہ ملے تو قیامت کو ضرور ملیگی

• قرآن مجید میں جُرم اور جہنّم کو لازم ملزوم قرار دیا گیا ہے:۔ اِنَّہٗ مَنۡ یَّاۡتِ رَبَّہٗ مُجۡرِمًا فَاِنَّ لَہٗ جَہَنَّمَ ؕ لَا یَمُوۡتُ فِیۡہَا وَ لَا یَحۡیٰی $\frac{۷۴}{۲۰}$ = جو کوئی اپنے رب کے پاس مجرم ہو کر آئیگا۔ تو بلاشبہ اُسکے لئے (جُرموں کی سزا) جہنّم ہے۔ اُس میں نہ وہ مریگا نہ زندہ ہوگا۔ نیز فرمایا:۔

• اِنَّ الۡمُجۡرِمِیۡنَ فِیۡ عَذَابِ جَہَنَّمَ خٰلِدُوۡنَ ﴿ۚۖ﴾ لَا یُفَتَّرُ عَنۡہُمۡ وَ ہُمۡ فِیۡہِ مُبۡلِسُوۡنَ ﴿ۚ﴾ $\frac{۷۴-۷۵}{۴۳}$ = بیشک مجرم جہنّم کے عذاب میں ہمیشہ رہنے والے ہونگے۔ اُن سے عذاب ہلکا نہیں کیا جائیگا۔ اور وہ اُس میں مایوس ہونگے نیز فرمایا کہ قیامت کو کہا

• هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ يُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُوْنَ ؀ ۵۵/۴۳ = یہ ہے جہنم جسے مجرم جھٹلاتے تھے۔

جہنم مجرموں کے پیچھے لگی ہوئی ہے

• جھوٹی تہمت لگانیوالے گنہگاروں کے متعلق ارشاد ہوا ہے کہ جب ان پر اللہ کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو وہ تکبر کیساتھ اصرار کرتے ہیں۔ گویا کہ انہوں نے سنا ہی نہیں :۔ مِنْ وَّرَآئِهِمْ جَهَنَّمُ ۚ وَلَا يُغْنِيْ عَنْهُمْ مَّا كَسَبُوْا شَيْئًا وَّلَا مَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ ۚ ۴۵/۱۰ = جہنم (انکے جرائم کی سزا) انکے پیچھے لگی ہوئی ہے۔ اور انہیں کوئی فائدہ نہیں دیگے وہ کسب جو انہوں نے کئے۔ اور نہ انہیں کوئی فائدہ دینگے وہ لوگ جنہیں انہوں نے اللہ کیساتھ اپنے مددگار ٹھہرایا ہوا تھا۔

جہنم سرکشوں کی گھات میں ہے

• اِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا ۙ لِّلطّٰغِيْنَ مَاٰبًا ۙ ۷۸/۲۱-۲۲ = بیشک جہنم سرکشوں کی (سرکشی کی سزا) انکی گھات میں لگی ہوئی ہے۔ جن سرکشوں کو دنیا میں شکست کی صورت میں سزا مل جائے تو یہ بھی جہنم ہے ۸/۱۲۔ اور اگر دنیا میں سزا نہ مل سکے تو قیامت کی دوسری زندگی میں، انہیں ضرور مل کر رہیگی جہنم انکی گھات میں لگی ہوئی ہے جس کی زد سے مجرم سرکش ہرگز بچ نہیں سکتے۔ وہ معاشرہ جو نوع انسانی کی بداعمالیوں کی سزا کی صورت میں عذاب کی شکل اختیار کر لیتا ہے، جس میں نوعِ انسانی جل رہی ہوتی ہے، وہ بھی جہنم ہے۔

جہنم برا ٹھکانہ ہے۔ بری قرار گاہ ہے رہنے کی بری جگہ ہے۔ جہنم ایک آگ ہے

• هٰذَا ۚ وَاِنَّ لِلطّٰغِيْنَ لَشَرَّ مَاٰبٍ ۙ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمِهَادُ ؀ ۳۸/۵۵-۵۶ = بات یہی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بیشک سرکشوں کیلئے برا ٹھکانہ ہے جہنم۔ وہ اس میں سب جلتے ہیں پس وہ بہت بری جگہ ہے۔ ۹/۷۳ + ۶۶/۹ میں جہنم کیلئے آیا ہے :۔ بِئْسَ الْمَصِيْرُ = بری ہے جگہ پھر جانے کی۔ ۱۴/۲۹ میں آیا ہے فَبِئْسَ الْقَرَارُ = بری قرارگاہ ہے۔ پچھلے صفحہ پر ۱۴/۲۸-۲۹ کے حوالے سے گزر چکا ہے کہ اس غیر متوازن معاشرہ کو بھی جسمیں خلافتِ الٰہیہ کے منکر بادشاہ قوم کو لا اتارتے ہیں بِئْسَ الْقَرَارُ کہا گیا ہے۔ پس دنیا کی جہنم (غیر متوازن معاشرہ) بھی نوعِ انسانی کے ہاتھوں قائم ہوتا ہے۔ اور آخرت کی جہنم بھی نوعِ انسانی ہی کے جرائم کی سزا ہے۔

جہنم اور جحیم مترادف الفاظ ہیں

• سورہ طور میں ارشاد ہوا ہے :۔ يَوْمَ يُدَعُّوْنَ اِلٰى نَارِ جَهَنَّمَ دَعًّا ؀ ۵۲/۱۳ = وہ وقت قابل ذکر ہے جب نافرمان جہنم کی آگ کیطرف بری طرح دھکیلے جائینگے۔ اور :۔ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَعِيْمٍ ؀ ..... وَوَقٰىهُمْ رَبُّهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ؀ ۵۲/۱۷-۱۸ = بیشک ضابطۂ خداوندی کی نگہداشت کرنیوالے جنت اور نعمتوں میں ہونگے ..... یعنی انکے رب نے انہیں جحیم کے عذاب سے بچالیا۔

• لفظ جحیم کے مادہ جحم کی بحث پچھلے صفحہ پر گزر چکی ہے جس کا بنیادی معنی ہے تنگی، بخل، حسد اور حسد سے جل بھن جانا۔ نیز اوپر آپ دیکھ چکے ہیں کہ لفظ جہنم جحیم کا مترادف ہے ۵۲/۱۳-۱۷-۱۸۔ ۵۲/۱۴ میں نارِ جہنم کے الفاظ میں اسے آگ کہا ہے۔ لیکن واضح رہے کہ جہنم کی آگ نہ لکڑیوں کی ہے نہ اُپلوں کی، نہ وہ آگ کوئلوں کی ہے نہ گیسوں کی۔ بلکہ اس آگ کا ایندھن بنائے گئے ہیں ظالم انسان :۔

• وَاَمَّا الْقٰسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ۙ ۷۲/۱۵ = بیشک بے انصافی کرنیوالے جہنم کا ایندھن ہیں۔ ۲۱/۹۸ میں آیا ہے :- اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ = تم اور وہ لوگ جن کی تم اللہ کے سوا فرمانبرداری کرتے ہو سب جہنم کا ایندھن ہیں۔

• ان آیات کریمات پر بنظر عمیق غور کرنے سے کھل کر عیاں ہو رہا ہے کہ جہنم وہ مقام ہے جہاں انسان عدم توازن کی آگ میں جل رہے ہوتے ہیں۔ دنیا میں یہ آگ وہ لوگ دھکاتے ہیں جن کے قبضے میں ریاست کی باگ ڈور ہوتی ہے اور ملکی وسائل پر انکا تسلط ہوتا ہے۔ گروہ ایسا غیر متوازن معاشرہ قائم کرتے ہیں جس کے ذریعہ قوم کو تباہی کے گھر میں لا اتارتے ہیں وَاَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ ۙ جَهَنَّمَ ۱۴/۲۸-۲۹۔ اور قیامت کی جہنم بھی انسان کے اپنے اعمال کی سزا ہوگی۔ دنیا کی جہنم میں بھی انسان عدم توازن کی آگ میں جلتا رہتا ہے۔ اور قیامت کی جہنم میں بھی نعمائے خداوندی کی محرومی کے جہنم میں جلتا رہیگا۔

جہنم بمعنی قید خانہ

• اخروی جہنم اس دنیا کے عملوں کی سزا ہے۔ اسلئے اُسے قید خانہ بھی کہا گیا ہے :- وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ حَصِيْرًا ۱۷/۸ = اور ہم نے جہنم کو ضابطۂ ربوبیت کا انکار کرنیوالوں کیلئے قید خانہ قرار دیا۔ لفظ حصیر کا سہ حرفی مادہ ح ص ر = حصر ہے جس کا بنیادی معنی ہے گھیرنا۔ گھیر ڈالنا۔ قید کرنا۔ اور حصیر کا معنی ہے زندان قید خانہ۔ ۹/۴۹ میں جہنم کیلئے آیا ہے اِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ۝ = بیشک جہنم ضابطۂ ربوبیت کا انکار کرنیوالوں کو گھیرنے والی ہے چنانچہ سلسلۂ درس کی آیت زیر بحث ۴/۱۲۱ میں اسی قید خانہ کے متعلق ارشاد ہوا ہے :- اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ وَلَا يَجِدُوْنَ عَنْهَا مَحِيْصًا = اُن کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ وہ اس قید خانے سے رہائی نہیں پائینگے۔ نیز واضح رہے کہ جہنم ضد ہے جنت کی۔ اسلئے اہل جہنم کا تذکرہ کرنے کے بعد سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں اہل جہنم کی ضد اہل جنت کے متعلق ارشاد ہوا ہے :-

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ

اور جو لوگ ایمان لائے اور عمل کئے اصلاح کے تو ہم ضرور داخل کرینگے انکو

جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ

باغوں میں۔ چلتی ہیں سے نیچے انکے نہریں ہمیشہ رہنے والے بیچ انکے ہمیشہ۔

وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ۱۲۲

وعدہ ہے اللہ کا سچا۔ اور کون ہے بڑھکر سچا۔ سے اللہ بات کی رو سے

اور جو لوگ (اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ ضابطۂ ربوبیت پر) ایمان لائیں اور (معاشرہ کی) اصلاح کے کام کریں۔ تو ضرور ہم داخل کرینگے اُنکو ایسے باغوں میں کہ چلتی ہونگی اُنکی سطح میں نہریں وہ اُن میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ یہ وعدہ ہے اللہ کا، حقا سچا۔ اور (غور کرو) کہ بات کرنے کی رو سے اللہ سے بڑھکر کون سچا ہے؟ (کوئی نہیں)

جھوٹی اُمیدیں دلانے سے جنت میسر نہیں آتی۔ نہ دنیوی نہ اخروی

• سلسلۂ درس کے سیاق کلام میں آپ شیطان کے یہ الفاظ ملاحظہ فرما چکے ہیں :- وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ ۴/۱۱۹ = میں انہیں ضرور اُمیدیں دلاؤنگا۔ اور اُمیدیں دلانے کی غرض بھی آپ دیکھ چکے ہیں اُنکے مال بٹورنا :- لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ۴/۱۱۸۔ اُمیدیں دلا کر مال حصول کرنے کی ایک مثال ملاحظہ فرمائیں۔ میونسپل کمیٹی محصول چنگی کی صورت میں عوام کے مالوں سے ایک حصہ یہ اُمید دلا کر وصول کرتی ہے کہ تمہاری گلیوں اور بازاروں کی صفائی رکھی جائیگی۔ روشنی اور آب رسانی کی ذمہ داری لی جائیگی۔ نالیوں کے

پانی اور بارش کے پانی کے نکاس کا باقاعدہ انتظام کیا جائیگا۔ اور حالت یہ ہے کہ یہ گلی گذری کمیٹیاں، سو فیصد نہیں تو پچاس فیصد وعدے ضرور پورے کرتی ہیں۔ اور جس حد تک اُنکے وعدوں کے ایفاء میں کمی ہوتی ہے، اُس حد تک عوام کمیٹی کے ارباب و بست وکشاد سے شکائت کرتے رہتے ہیں کہ فلاں بازار خراب ہے، فلاں گلی ٹوٹی ہوئی ہے۔ اور اسکے جواب میں صدر بلدیہ کیطرف سے یہ اِنتہار کبھی نہیں دیا جاتا کہ یہ گلی اور بازار اِسلئے خستہ حالت میں ہے کہ اِن کے متعلق اللہ کی مرضی ہی ایسی ہے۔ لہذا اُسکی رضا پر راضی رہو اور شکائت نہ کرو۔

● لیکن اِسکے برعکس زمیندار بچارے پیر صاحب کا مقررہ حصہ بھی ادا کرتے رہتے ہیں اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ مویشی مرجاتے ہیں فصلیں خراب ہوجاتی ہیں۔ پکی پکائی پر اولے پڑجاتے ہیں۔ لیکن مُرید بچارے کو اتنی جرأت نہیں ہوتی جو شکائت کرسکے، کہ حضرت صاحب! ایسا کیوں ہوا ہے۔ اوّل تو وہ خود ہی یہ کہکر خاموش ہوجاتا ہے کہ اللہ کی رضا ہی یوں تھی۔ اور اگر وہ شکائت کرنے کی جرأت کر بھی لے، تو پیر صاحب کہہ دیتے ہیں کہ اللہ کی مرضی ہی ایسی تھی۔ اُسکی رضا پر راضی رہو۔ پھر اِسکے جواب میں اس زبوں حال مُرید کو یہ جرأت نہیں ہوتی کہ یہ کہے، جناب! اگر اللہ کی مرضی، اُسکی رضا اور اُسکے قانون پر ہی ہر چیز موقوف ہے تو آپ ہم سے ایک ایک جنس اور ہر مال مویشی سے حصہ کیوں وصول کرتے ہیں۔ ہمیں تحفظ کی غلط اور جھوٹی اُمیدیں کیوں دے رکھی ہیں؟ اور ہم سے نذریں نیازیں کیوں وصول کی جاتی ہیں؟

● قیامت کے متعلق بھی پیر صاحبان نے اپنے مریدوں کو غلط امیدیں بندھائی ہوتی ہیں کہ مرید اپنے پیر کا دامن تھام کر جنت میں چلے جائینگے۔ پنجابی میں کہا جاتا ہے :۔ مُرید، پیر دا لڑ پھڑکے پار ہو جان گے۔ ایسی ہی غلط اور جھوٹی اُمیدوں کا نظریہ اہلِ کتاب یہود و نصاریٰ میں بھی چل رہا ہے۔ چنانچہ سلسلۂ درس کی اگلی آئت مجیدہ میں کہا گیا ہے کہ نہ تمہارے پیروں کیطرف سے بندھائی گئی تمہاری اُمیدوں کی کوئی قیمت ہے۔ اور نہ اہلِ کتاب کے پیروں یا درویوں کی طرف سے بندھائی گئی اُن کی اُمیدوں کی کوئی وقعت ہے۔ بلکہ قیامت کی عدالتِ عالیہ میں بُرے عمل کی سزا ضرور دی جائیگی:۔

لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَاۤ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ

نہیں ساتھ امیدوں تمہاری کے اور نہ ساتھ امیدوں اہل کتاب کی

مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ ۙ وَلَا يَجِدْ

جو کوئی عمل کرے بُرا، وہ بدلہ دیا جائیگا ساتھ اُسکے۔ اور نہیں پائیگا وہ

لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا۝ ۱۲۳

واسطے اپنے، سوائے اللہ کے کارساز اور نہ مددگار

(ایمان والو! حصولِ جنت) نہ تمہاری امیدوں پر منحصر ہے اور نہ اہلِ کتاب کی اُمیدوں پر۔ (بلکہ ہمارا اٹل قانون یہ ہے کہ): جو کوئی بُرے عمل کریگا (اُسے بلا توبہ و اصلاح معاف نہیں کیا جائیگا) اُسکی سزا اُسے دیجائیگی، اور (اُسکے ٹھہرائے ہوئے اولیاء کارساز و مددگار اُسکے کوئی کام نہیں آئینگے) وہ اپنے لئے اللہ کے سوا کوئی نہ کارساز پائیگا نہ مددگار۔

● اِس سے اگلی آئت مجیدہ میں اللہ تعالیٰ کی کارسازی اور مددگاری کی وضاحت بالفاظ ذیل کیگئی ہے کہ وہ اِنسان کے اپنے اِصلاحی اعمال کی جزا ہے:۔

وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى

اور جو کوئی عمل کرے ہیں سے نیکیوں کے میں سے مرد کے یا عورت کے

وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا

اور وہ مومن ہو ۔ پس وہ داخل ہونگے جنت میں ۔ اور نہ

يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا ۝ ۱۲۴

ظلم کئے جائینگے کھجور کی گٹھلی کے شگاف برابر

اور جو کوئی عمل کرے اصلاح والے (جن سے معاشرہ میں اصلاح ہوتی چلی جائے) خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔ اور وہ مومن ہو (یعنی اللہ کے نازل کردہ ضابطۂ ربوبیت پر ایمان رکھتا ہو) تو ایسے لوگ (دنیا اور آخرت میں) جنت (متوازن معاشرہ) میں داخل ہونگے۔ اور اُن پر کھجور کی گٹھلی کے شگاف کے برابر (یعنی معمولی سا) ظلم بھی نہیں کیا جائیگا۔

اعمالِ صالحہ کیساتھ مومن ہونے کی شرط کیوں؟

• اعمالِ صالحہ کیساتھ مومن ہونے کی شرط اُخروی کامیابی کیلئے لازمی قرار دیگئی ہے۔ لیکن اس پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا غیر مومن کے اعمال ضائع ہو جائینگے؟ ۔ اس سوال کا جواب قرآن کریم میں یہ دیا گیا ہے کہ غیر مومن اپنی بڑائی اور نام و نمود کیلئے کچھ اصلاحی کام کرتا ہے۔ تاکہ اُسکی تعریف کی جائے۔ کہ فلاں صاحب بڑے سخی اور غریبوں کا بڑا خیال رکھنے والے ہیں لیکن مومن چونکہ اپنے نام و نمود کیلئے نہیں بلکہ اللہ کی رضا کیلئے اصلاح کے کام کرتا ہے۔ اسلئے اُسکا اجر اللہ تعالیٰ کے ہاں محفوظ رہتا ہے۔ اِسکے برعکس چونکہ غیر مومن کا مقصد عوام سے تعریف کروانا ہوتا ہے اور اور چونکہ اُسکا مقصود اُسے اسی دُنیا میں مل جاتا ہے۔ اسلئے اُخروی جزا میں اُسکا کوئی حصہ باقی نہیں رہتا۔ چنانچہ اگلی آیت مجیدہ میں اسی چیز کی کھل کر وضاحت کی گئی ہے کہ حصولِ جزا کی رُو سے دُنیا کی تعریف اچھی جزا نہیں۔ بلکہ بہتر جزا ہے صرف حصولِ رضاءِ ذاتِ باری۔

وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ

اور کون ہے بہتر دین کی رُو سے اُس سے جو فرمانبردار کرے چہرہ اپنا کو

لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ

واسطے اللہ کے ۔ اور وہ توازن قائم کرنیوالا ہو ۔ اور وہ اتباع کرے طریقے ابراہیم

حَنِيْفًا ؕ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ۝ ۱۲۵

حنیف کی ۔ حقیقت یہ ہے کہ بنا لیا اللہ نے ابراہیم کو دوست

اور (اعمال کی) جزا کی رُو[1] سے اُس سے بہتر کون ہو سکتا ہے جس نے اپنے چہرے (یعنی اپنی رضا) کو اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار کر دیا ہو۔ اور وہ ہو معاشرے میں توازن قائم کرنیوالا[2]۔ یعنی وہ اُس ابراہیم کے طریقے کی پیروی کرے، جو ہر دینِ باطل سے کٹ کر دینِ حق کیطرف جھکنے والا تھا[3]۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم کو (اُسکی دینِ حق پسندی کی بدولت) اپنا دوست بنایا تھا۔

• [1] دین کا معنیٰ بدلہ اور جزا بھی ہے۔ جیسے یوم الدین کا معنیٰ ہے بدلے اور جزا کا دن $\frac{1}{3}$۔

• [2] مُحْسِنٌ مادہ ح۔س۔ن۔ حسن سے اسم فاعل ہے۔ اس مادہ کا معنیٰ ہے توازن قائم کرنا۔ ہر چیز کا حُسن اُسکے اجزا کے تناسب و توازن ہی سے قائم رہتا ہے۔ اسی لئے آیت بالا میں محسن کا معنیٰ معاشرے میں توازن قائم کرنیوالا صحیح ہے۔

• [3] وَاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا میں ابتدائی واؤ تفسیری ہے کہ ابراہیم کا طریقہ معاشرے میں حُسن پیدا کرنا ہی تھا۔ اِسکے سوا کوئی اور نہیں تھا۔

• مِلَّة حَنِيفًا، مادہ ح۔ن۔ف، حنف سے مشتق ہے جس کا بنیادی معنی ہے ایک طرف کو جھکنا، کٹ جانا۔ قرآن مجید میں یہ لفظ خالصًا دینِ حق کیطرف جھکنے کیلئے آیا ہے۔ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَآءَ ۹/۵ = خالص کرنیوالے واسطے اللہ کے دین اُسکے کو، اللہ کے دین کیطرف جھکنے والے ہر دینِ باطل سے کٹ کر۔

کیا ملّتِ ابراہیم دینِ الٰہی سے الگ ہے؟

• مذہبی دُنیا میں دین، مذہب اور ملّت تین چیزیں الگ الگ شمار ہوتی ہیں یعنی دین اللہ کا، مذہب امام ابوحنیفہ کا اور ملّت حضرت ابراہیم حنیف کی لیکن قرآن کریم میں مذہب کا تو ذکر ہی موجود نہیں۔ یہ غیر قرآنی لفظ ہے۔ البتہ دین اور ملّتِ ابراہیمؑ کے الفاظ قرآنِ کریم میں موجود ہیں۔ اور یہ ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔

• قُلْ اِنَّنِيْ هَدٰىنِيْ رَبِّيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۚ دِيْنًا قِيَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۶/۱۶۱ = کہدیجیئگا اے رسولؐ! کہ مجھے میرے رب نے صراطِ مستقیم کی راہنمائی فرمادی ہے۔ وہی جو دین قیّم یعنی ملّتِ ابراہیم حنیف ہے۔ دیکھئے! یہاں صراطِ مستقیم کا بدل آیا ہے "دینِ قیّم" اور اُسی کا بدل بعد بدل آیا ہے "ملّتِ ابراہیم حنیف" جس سے بالوضاحت ثابت ہُوا کہ اللہ کے دین ہی کا ایک نام ہے ملّتِ ابراہیمؑ یعنی وہی دین، کہ حضرت ابراہیمؑ بھی اُسی کے پیروکار اور متبع تھے۔

• سلسلۂ درس کی آیت زیرِ بحث میں اخیر پر آیا ہے وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا = اور اللہ نے ابراہیمؑ کو اپنا دوست بنایا تھا۔ کیوں؟ جنابِ خلیلؑ کے متعدد کارناموں میں سے ایک عظیم کارنامہ نظامِ ربوبیّت کے قیام کیلئے بیت اللہ شریف کے اُس مرکزی نظام کو پھر سے قائم کرنا تھا، جسے سابقہ انبیاءؑ کے بعد والوں نے ضائع کر دیا تھا۔ اِسی مرکزی نظام کے قیام کے بدلے اللہ تعالیٰ نے آپکو اپنا دوست اور لوگوں کا امام قرار دیا۔ اِنِّيْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ۲/۱۲۴

• اگلی آیت مجیدہ میں اعلان کیا گیا ہے کہ معاشرہ کے بالادست لوگ جن نعمتوں پر غاصبانہ قبضہ کرکے عوام کو اُنکی ضروریاتِ زندگی سے محروم کر دیتے ہیں۔ وہ سب کی سب چیزیں اللہ کی ملکیت ہیں اور پوری کی پوری نوعِ انسانی کا اُن پر مساویانہ حق مسلّم ہے۔

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ
اور واسطے اللہ کے ہے جو ہے بیچ آسمانوں کے اور جو ہے بیچ زمین کے
وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا ۱۲۶ ع ۱۸/۱۵
اور ہے اللہ ساتھ ہر چیز کے گھیرے ہُوئے

حقیقت یہ ہے کہ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، (وہ سب کا سب صرف اور صرف) اللہ ہی کی ملکیت ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو گھیرے ہُوئے ہے۔ (کوئی بھی چیز اُسکے احاطۂ اقتدار سے باہر نہیں)۔

قرآنِ کریم کی رُو سے عورت کا صحیح مقام۔ اگلی آیت مجیدہ کا تعلق پیچھے آیت نمبر ۳ کیساتھ ہے

• واضح رہے کہ سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ کا ربط سمجھنے کیلئے سورہ نساء زیرِ نظر کی ابتدائی آیتوں کو پھر سے سامنے لانا ضروری ہے۔ جو پیچھے گزر چکی ہیں۔ سورہ نساء کی آیت نمبر ۱ میں اِس امر کی وضاحت کیگئی ہے کہ مرد اور عورت دونوں صنفیں ایک ہی جرثومۂ حیات، نفسِ واحدہ سے پیدا کیگئی ہیں۔ بلحاظ دیگر اصل و بنیاد کی رُو سے عورت اور مرد، دونوں کا مقام ایک ہے۔ نوع کے لحاظ سے اِن میں مطلقًا کوئی فرق نہیں۔ سورۃ

بنی اسرائیل میں دونوں صنفوں کو مساوی طور پر واجب التکریم ٹھہرایا گیا ہے :۔

• وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ ۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم نے عورت مرد دونوں صنفوں ، پوری نوع آدم کو واجب التکریم قرار دیا ۔ اسطرح سورہ نساء کی آیت اوّل میں عورت کے مساویانہ مقام کی وضاحت کے بعد آیت نمبر ۲ میں عورتوں کے اس گوشے سے بحث کی گئی ہے جو انکی زندگی کا انتہائی گھناؤنا اور المناک حصّہ ہے ۔ اور وہ ہے انکا بیوہ ہو کر بے سہارا (یتیم ہو جانا) نیز انکے یتیم بے سہارا بچوں کا ان بے سہارا عورتوں کیساتھ در در کی ٹھوکریں کھاتے پھرنا ۔ چنانچہ آیت نمبر ۲ و ۳ میں یتیم بچوں اور بیوہ عورتوں ہی سے متعلقہ ہدایات دی گئی ہیں

• چونکہ مومن اور جہاد کا چولی دامن کا ساتھ ہے ۔ اسلئے اسلامی ریاست میں کسی بھی وقت یہ ممکن ہوتا ہے کہ جونہی کسی مخالف طاقت نے اسلامی ریاست کی طرف ٹیڑھی نگاہ سے دیکھا ، یا کسی علاقہ کی کسی مومن جماعت یا فرد ، یا ضعیف اور کمزور مردوں ، عورتوں اور بچوں پر دست ظلم دراز کیا ۔ تو ۴/۷۵ کے مطابق اسلامی ریاست کے مومن ظالم کی کلائی مروڑنے کیلئے میدان جہاد میں پہنچ جاتے ہیں ۔ اب ظاہر ہے کہ ۹/۱۱۱ کے مطابق ، میدانِ جہاد میں قتل کرنا اور قتل ہو جانا دونوں صورتیں ممکنات میں سے ہیں ۔ تو اس پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر کبھی ایسا وقت آجائے کہ سینکڑوں اور ہزاروں کی تعداد میں مومن مرد اللہ کے دین کی حفاظت کیلئے جانیں قربان کر دیں ۔ اور سینکڑوں ہزاروں کی تعداد میں عورتیں بیوہ اور بچے یتیم ہو جائیں تو اس صورت حال سے کسطرح نپٹا جا سکیگا ، جبکہ ادھر معاشرہ کا ہر بالغ مرد شادی شدہ ہو ۔ اور ادھر سینکڑوں کی تعداد میں نوجوان عورتیں بے خاوند ہو کر بے سہارا (یتیم [1]) ہو جائیں ، انہیں انکا ازدواجی حق کسطرح دلایا جائیگا ؟ یعنی انہیں معاشرہ میں کسطرح کھپایا جائیگا ؟

بیوہ عورتیں بھی یتیموں کی فہرست میں شامل ہیں

• [1] عربی زبان میں یتیم کا مطلق معنیٰ ہے بے سہارا ہو جانا ۔ سطرح جن بچوں کے باپ مر جائیں وہ بھی چونکہ بے سہارا ہو جاتے ہیں اسلئے انہیں بھی یتیم کہا جاتا ہے ۔ اور جن عورتوں کے خاوند مر جائیں چونکہ وہ بھی بے سہارا ہو جاتی ہیں اسلئے قرآن مجید انہیں بھی یتیم کہتا ہے ۴/۱۲۷

بے سہارا عورتوں اور بچوں کے حقوق کی حفاظت

• سورہ نساء کی آیت نمبر ۲ میں یتیم بچوں کے مالوں کی حفاظت کی تاکید کے بعد آیت نمبر ۳ میں بیوہ عورتوں اور انکے بچوں کو معاشرہ میں کھپانے کیلئے ایک ہنگامی قانون بیان ہوا ہے کہ جب معاشرہ میں کسی حادثہ ، جنگ جہاد یا کسی وبا کی بدولت بیوہ عورتوں کی تعداد اس حد کو پہنچ جائے کہ جبتک اصحاب استطاعت ایک سے زائد عورتوں سے نکاح نہ کریں اسوقت تک ان بیوہ (بے سہارا یتیم) عورتوں کو معاشرے میں کھپانا اور انہیں انکا ازدواجی حق دلانا ممکن نہ ہو ۔ تو ایسے وقت پر ان لوگوں کو ، جو مالی اور بدنی طاقت رکھتے ہوں حکم دیا گیا ہے کہ وہ چار چار تک نکاح کر کے معاشرہ کی بیوہ ، بے سہارا عورتوں کو انکا ازدواجی حق بھی مہیا کریں ۔ اور انکے یتیم بچوں کی پرورش کا بوجھ بھی اٹھائیں سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ نمبر ۴/۱۲۷ میں ایسی بیوہ بے سہارا عورتوں کو "یَتٰمَی النِّسَآءِ" کہا گیا ہے ۔ جن کیساتھ یتیم بچے بھی ہو سکتے ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آیت نمبر ۳ ہی میں دیئے گئے حکم کو ذیل کے مخصوص تاکیدی الفاظ اور مخصوص تاکیدی انداز کے ساتھ دہراتے ہوئے سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ ۴/۱۲۷ میں ارشاد فرمایا ہے :۔

وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ ۚ قُلِ اللّٰهُ
وہ فتوی چاہتے ہیں آپ سے بیچ عورتوں کے۔ کہدیجئے اللہ
يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ ۙ وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ
فتوی دیتا ہے تمہیں بیچ ان کے۔ اور وہ فتوی وہی ہے جو پڑھا گیا اوپر تمہارے بیچ کتاب کے
فِيْ يَتٰمَى النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ
بابت یتیم عورتوں کے کہ وہ جو نہیں دیتے تم انہیں، جو فرض ہُوا واسطے ان کے
وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ
اور تم رغبت رکھتے ہو کہ تم نکاح کرو ان سے، حالانکہ کمزور دل
مِنَ الْوِلْدَانِ ۙ وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ ؕ
میں سے بچے (بھی ہیں)) اور یہ کہ تم قائم ہو جاؤ واسطے یتیموں کے ساتھ انصاف کے
وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ
اور جو تم کام کرو گے بھلائی کے، تو بیشک اللہ ہے ساتھ اسکے
عَلِيْمًا ۝ ۱۲۷
خوب جاننے والا

(اے رسول!) لوگ آپ سے (بے سہارا بیوہ) عورتوں کے متعلق فتوی پوچھتے ہیں۔ آپ کہدیجئے کہ اللہ فتوی دیتا ہے انکے بارے میں (وہی) جو پڑھا گیا ہے اوپر تمہارے اسی کتاب (کی اسی سورہ مجیدہ کے شروع میں) اُن یتیم عورتوں کے بارے میں۔ وہ کہ جنہیں (تم زمانۂ جہالت کی رسم کے مطابق) انکا وہ حق مہر نہیں دیتے جو انکے لئے فرض کیا گیا ہے۔
اور تم (بلا ادا حق مہر) اُن سے نکاح کی رغبت رکھتے ہو۔ حالانکہ (صرف مہر ہی ادا نہیں کرنا بلکہ انکے ساتھ) کچھ کمزور بچے بھی ہیں (جن کی پرورش کا بوجھ بھی تمہیں اُٹھانا ہے) اور اللہ حکم دیتا ہے کہ تم یتیموں (کی پرورش) کیلئے انصاف کیساتھ قائم ہو جاؤ۔
اور تم (بیوہ عورتوں اور یتیم بچوں کی) بھلائی کیلئے جو کام بھی کرو گے۔ تو (جان لو کہ) بلاشبہ اللہ تعالی اُسے خوب اچھی طرح جانتا ہے۔ (وہ تمہارا اجر ضائع نہیں کریگا)۔

اس سے اگلی آیت مجیدہ کا ربط آیت نمبر ۳۴ کیساتھ

• واضح رہے کہ آیت نمبر ۳۴ میں کہا گیا ہے کہ اگر کسی شوہر کی بیوی بدخوئی، یا فرض ناشناسی کرے تو شوہر پہلے تو احتجاج کے طور پر اس سے خوابگاہ الگ کر لے۔ اور اُس پر واضح کرے کہ ایسا کیوں کیا گیا ہے پھر اگر وہ اسطرح بھی سیدھی راہ اختیار نہ کرے اور میاں بیوی میں اختلاف کی صورت پیدا ہو جائے تو دو منصف درمیان میں آجائیں، ایک میاں کے خاندان سے اور ایک بیوی کے خاندان سے۔ اور وہ دونوں اُن میں صلح کرا دیں۔ بس جسطرح آیت نمبر ۳۴ میں بیوی کی بدخوئی اور نافرض شناسی سے پیدا ہونیوالے حالات کا حل بتایا گیا ہے! اُسیطرح اگلی آیت مجیدہ نمبر ۱۲۸ میں اسی مسئلہ کے دوسرے پہلو پر روشنی ڈالی گئی ہے کہ اگر شوہر بدخو ہو۔ یا فرض شناسی سے پہلوتہی کرتا ہو تو پھر بھی (وہی صورت) اختیار کرنی چاہیئے کہ فریقین کے دو منصف اُن دونوں میں صلح کرا دیں:-

وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا
اور اگر عورت خوف کرے، طرف سے خاوند اپنے کے بدخوئی کا
اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا
یا نافرض شناسی کا، تو نہیں گناہ اوپر اُن دونوں کے کہ صلح کرا دیں

اور اگر (عورت کی بدخوئی کے برعکس، کسی عورت کو اپنے خاوند سے بدخوئی کا خوف ہو
یا نا فرض شناسی کا خطرہ ہو تو اُن (فریقین کے خاندانوں کے دو منصفوں) پر کوئی حرج نہیں کہ اُن دونوں میں صلح کرا دیں۔ کیونکہ (ہر حال میں)

بَيْنَهُمَا صُلْحًا ۚ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ۗ وَأُحْضِرَتِ
درمیان اُن دونوں کے صلح کرانا اور صلح اچھی ہے۔ اور حاضر کرتے ہیں
الْأَنفُسُ الشُّحَّ ۚ وَإِن تُحْسِنُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ
نفس بخیل۔ اور اگر تم توازن پیدا کر دا اور بچتے رہو تو بیشک
اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ۝ ۱۲۸
اللہ ہے ساتھ اُسکے جو تم عمل کرتے ہو باخبر

صلح اچھی ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ فریقین کے اپنے (نفس ہی بخل کا ارتکاب کرتے ہیں ۔ جس کی بدولت ایکدوسرے کے حقوق کی پامالی کے ذریعہ اختلاف پیدا ہو جاتا ہے) حقیقت یہ ہے کہ اگر تم آپس میں توازن قائم رکھو۔ اور (نفس کے بخل سے) بچتے رہو تو (اختلاف پیدا نہیں ہوگا۔ جانتے رہو کہ) جو اعمال تم بجا لاتے ہو۔ اللہ تعالیٰ اُن سے پوری طرح باخبر ہے۔

• علہ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَن يُصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا میں لفظ عَلَيْهِمَا میں آمدہ ضمیر تثنیہ مذکر اُن دو منصفوں کی طرف راجع ہے، جن کا ذکر دُور پیچھے آیت نمبر ۳۵ میں بیوی کی بدخوئی کے ضمن میں گزر چکا ہے۔ عام تراجم میں اس آیت مجید کا یہ معنی درج ہے کہ اگر شوہر کی طرف سے بدخوئی یا نافرض شناسی کا خوف بیوی کو لاحق ہو جائے تو وہ دونوں میاں بیوی کسی طرح خود صلح کرلیں۔ مگر یہ تصور انتہائی بے انصافی پر مبنی ہے کہ اگر خاوند کو بیوی کیطرف سے بدخوئی یا نافرض شناسی کا خطرہ لاحق ہو تو شوہر پہلے زواحتجاج کرے اور پھر فریقین کے خاندانوں سے دو منصف صلح کرائیں لیکن اگر بیوی کو خاوند کیطرف سے بدخوئی یا نافرض شناسی کا خوف لاحق ہو تو بیوی بچاری بے دادو فریاد، کسی نہ کسی طرح خود ہی صلح کرے۔ شاہ اشرف علی صاحب تھانوی، اور مولوی احمد علی صاحب لاہوری نے یہی مفہوم لکھا ہے، جو انصاف کے خلاف ہونے کی بدولت صحیح نہیں۔ انصاف چونکہ فریقین میں مساوی انداز کا متقضی ہے۔ اسلئے شوہر یا بیوی، دونوں کی بدخوئی اور نافرض شناسی کے ارتکاب کی صورت میں صلح کا وہی انداز ہونا چاہیئے جس کی وضاحت آیت نمبر ۳۴ میں گزر چکی ہے یعنی عورت بھی وہی انداز احتجاج اختیار کرے جس کا حق شوہر کو دیا گیا ہے۔ اور اگر بیوی کے احتجاج سے شوہر راہ راست پر نہ آئے تو میاں بیوی کے خاندانوں میں سے دو الگ الگ منصف مقرر کئے جائیں، جو شوہر کو راہِ راست پر لاکر میاں بیوی کی صلح کرا دیں فلہذا آیت بالا زیرِ نظر نمبر ۱۲۸ میں وَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا میں ھُمَا ضمیر تثنیہ آیت نمبر ۳۵ میں مذکور منصفوں کیطرف راجع ہے۔

• علہ شُحّ کا سہ حرفی مادہ ش۔ ح۔ ح = شُحّ ہے جس کا بنیادی معنی ہے حرص و بخل۔ حریص و بخیل کو شحیح کہتے ہیں۔

• علہ تُحْسِنُوا مادہ ح۔ س۔ ن = حسن سے ہے جسکا معنی ہے توازن قائم کرنا۔ اپنے اپنے فرائض منصبی باقاعدہ ادا کرتے چلے جانا۔

• علہ تَتَّقُوا مادہ و۔ ق۔ ی = وقی سے مزید فیہ ہے جسکا معنی ہے بچنا۔ یس باہمی اختلافات سے بچنے کیلئے یہ نسخہ بتایا گیا ہے کہ فریقین نفس کی بخیلی سے بچتے رہیں۔ واضح رہے کہ مرد ہو یا عورت، نفسِ انسانی اپنی بڑائی چاہتا ہے۔ اسی جذبہ کے ماتحت شوہر چاہتا ہے کہ گھر میں اسکی حکومت ہو۔ اور بیوی چاہتی ہے کہ بالادستی اُسکی تسلیم کی جائے۔ اور اسطرح بلاوجہ اختلاف پیدا ہو جاتے ہیں۔ قرآن کریم نے تُحْسِنُوا اور تَتَّقُوا کا حکم دیکر اعلان کر دیا ہے کہ اگر تم توازن قائم رکھو، اپنے اپنے فرائض منصبی ادا کرتے چلے جاؤ اور اپنی بڑائی طلب کرنے کی بجائے نفس کی اس شرارت سے بچکر باہمی مشاورت کیساتھ زندگی گزارو، تو اختلاف پیدا ہی نہیں ہونگے۔

ایک اور بشری تقاضے کا انسداد

• سورہ نساء زیر بحث کی آیت نمبر ۳ میں ہنگامی حالات کے مطابق ایک سے زائد نکاح کرنے کا حکم دینے کے بعد یہ پابندی لگائی گئی ہے کہ اگر تم ایک سے زائد بیویوں میں انصاف نہ کر

سکو تو پھر ایک سے زائد نکاح ہرگز نہ کرنا۔ اور یہاں سلسلۂ درس کی آیت مجیدہ نمبر ۱۲۹ میں اس امر کی وضاحت کیگئی ہے کہ اگر تم ایک سے زائد بیویوں میں پورا پورا توازن قائم کرنا چاہو تو بشری تقاضوں کے مطابق کر ہی نہیں سکتے۔ اسی لئے تو اللہ تعالیٰ نے ایک مرد کیلئے صرف ایک ہی عورت کا قانون مقرر کیا ہے۔ لیکن ہنگامی حالات میں جب ایک ہنگامی ضرورت کے مطابق ایک سے زائد نکاح کا حکم دیا گیا ہے، تو ایسا نہ ہو کہ تم کسی ایک بیوی کیطرف پورے پورے جھک جاؤ۔ اور دوسری بچاری درمیان میں لٹکی ہوئی ہو کر رہ جائے۔ چنانچہ ان امور کی وضاحت بالفاظ ذیل کیگئی ہے:۔

وَلَنْ تَسْتَطِيعُوٓا اَنْ تَعْدِلُوا بَيْنَ النِّسَآءِ
اور ہرگز نہیں تم طاقت رکھتے کہ عدل کرو درمیان بیویوں کے
وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيلُوا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوهَا
اور اگرچہ حرص کرو تم پس نہ تم جھکنا، پورا جھکاؤ، پھر تم چھوڑ دو اسے
كَالْمُعَلَّقَةِ وَاِنْ تُصْلِحُوا وَتَتَّقُوا فَاِنَّ اللّٰهَ
مانند لٹکی ہوئی کے۔ اور اگر تم اصلاح کرو اور بچو، تو بیشک اللہ
كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا ۱۲۹
ہے بچانیوالا رحم کرنے والا

اور (تمہارا البشری تقاضا یہ ہے کہ) تم ایک سے زائد بیویوں میں (پورا پورا عدل نہیں کر سکتے۔ لیکن (یاد رکھو کہ) کسی ایک بیوی کی طرف پورے کے پورے نہ جھک جانا۔ کہ دوسری بیوی کو درمیان لٹکی ہوئی چھوڑ دو۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر تم اپنی بساط کے مطابق اصلاح کرو اور قانونِ خداوندی کی مخالفت سے بچتے رہو تو (جو کمیاں تقاضائے بشریت رہ جائیں) اللہ تعالیٰ اُنکے ضرر سے بچانیوالا اور رحمت کرنیوالا ہے۔ (قانونِ خداوندی کی نگہداشت کی کمیوں کے ضرر سے بچے رہو گے)۔

عورت کے یتیم کے تین اہم مقامات

● مذاہب عالم میں عورت انتہائی مظلوم ہے کہیں تو اسے متوفی مرد کی متروکہ جائیداد کا درجہ دیدیا گیا ہے۔ اور کہیں اسکے حقِ نسائیت کو اسطرح پامال کیا گیا کہ اگر یہ بیوہ ہو جائے تو اسے نکاح ثانی کی اجازت ہی نہیں دیجاتی تھی۔ اس سے بھی دو قدم آگے بڑھے تو بیوہ بچاری کو متوفی شوہر کیساتھ زندہ جلا دیا گیا۔ کیوں؟ اسلئے کہ یہ منحوس ہے۔ ڈائن ہے، اس نے خاوند کو کھالیا ہے۔ پھر اگر بیوہ کو زندہ چھوڑا، تو سہاگنوں کو اسکے سائے تک سے دور رکھا گیا، کہ اسکے منحوس سائے سے اُنکے سہاگ خراب نہ ہوں۔ لیکن قرآن کریم نے عورت کی:۔

۱۔ بیوگی کو ۲۔ اسکے شوہر کی بدخوئی اور نا فرض شناسی کو ۳۔ اور اسکے مطلقہ ہو جانے کو، ان (ہر سہ مقامات کو) عورت کا یتیم قرار دیکر ہر مقام پر اسکے حقوق محفوظ کر دیئے ہیں۔ عورت بیوہ ہو جائے تو بھی بے سہارا یتیم ہو جاتی ہے۔ نیز مطلقہ ہو جائے تو پھر بھی بے سہارا یتیم ہو جاتی ہے۔ قرآن کریم نے بیوہ اور مطلقہ کو نکاحِ ثانی کا نسوانی حق عطا کر کے پھر سے اُن کا سہارا قائم کر دیا ہے۔ بلکہ بیوہ عورتوں کے متعلق تاکید فرمائی ہے کہ اگر معاشرہ میں اُنہیں کھپانے کی گنجائش نہ ہو تو اصحاب استطاعت چار چار تک نکاح کر کے اُنکا ازدواجی حق مہیا کریں ۴/۳ نیز اُنہیں بے سہارا جان کر اُنکا حق مہر غصب نہ کریں ۴/۱۲۷۔ اور تیسرے نمبر پر اگر شوہر بدخو، نافرض شناس اور بکھڑو ہے تو عورت کو باقاعدہ احتجاج کا حق بھی دیا گیا ہے۔ اور معاملے کو فریقین کے دو منصفوں کے ذریعہ سلجھانے کا بھی مساویانہ حکم دے رکھا ہے ۴/۱۲۸۔

● اس سے اگلی آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ اگر میاں بیوی میں اختلاف پیدا ہونے کے بعد فریقین کے دو منصف صلح کرانے میں

کامیاب نہ ہوسکیں اور طلاق ہوجائے تو فریقین کو جان لینا چاہیئے کہ اللہ کے قانون میں اتنی وسعت موجود ہے کہ مطلقہ اور طلاق دہندہ دونوں الگ الگ شریکِ حیات پسند کرکے اپنی زندگیوں کو پھر سے جنت بداماں بنا سکتے ہیں۔ اللہ کے قانون میں انسانی زندگی کے ہر گوشے کا حل موجود ہے:۔

وَاِنْ يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ
اور اگر دونوں جدا جدا ہوجائیں گے بے نیاز کر دیگا اللہ ہر ایک کو ساتھ

سَعَتِهٖ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِيْمًا ۝ ۱۳۰
وسعت اپنی کے اور ہے اللہ وسعت والا حکمت والا

اور اگر (ایسا ہو کہ ہر دو منصفوں کی صلح کی کوشش ناکام ہو جائے۔ اور میاں بیوی) دونوں جدا جدا ہوجائیں تو اللہ ہر ایک کو بے نیاز کر دیگا۔ (اسکے وسعت والے قانون کے مطابق دونوں الگ الگ شریکِ حیات تلاش کرلینگے) کیونکہ اللہ وسعت دینے والا حکمت والا ہے

امنِ عالم کا ایک ہی نسخہ ہے تم سے پہلے اہلِ کتاب کو بھی یہی دیا گیا تھا

● اس سے اگلی آیتِ مجیدہ میں ارشاد ہوا ہے کہ ایمان والو!:۔
ذاتی ملکیت کے فساد انگیز نظریہ سے پرہیز کرنا۔ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے وہ سب کا سب صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے۔ تم سے پہلے اہلِ کتاب کو بھی یہی حکم دیا تھا کہ اللہ کی مخالفت سے بچتے رہو:۔

وَلِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ ؕ
اور واسطے اللہ کے ہے جو بیچ آسمانوں کے اور بیچ زمین کے ہے

وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ
اور البتہ تحقیق حکم دیا ہم نے انہیں جو دیئے گئے کتاب پہلے تم سے

وَاِيَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ
اور تمہیں بھی، کہ ڈرو اللہ سے اور اگر تم انکار کرو، تو بیشک

لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ ؕ وَكَانَ
ہے واسطے اللہ کے جو بیچ آسمانوں کے اور جو بیچ زمین کے ہے، اور ہے

اللّٰهُ غَنِيًّا حَمِيْدًا ۝ ۱۳۱
اللہ بے نیاز تعریف والا

حقیقت یہ ہے کہ آسمانوں کی اور زمین کی ہر چیز صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے۔ اور البتہ تحقیق ہم نے اُن لوگوں کو بھی یہی وصیت کی، جو تم سے پہلے کتاب دیئے گئے ہیں (کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اللہ کی ملکیت ہے) اور تمہیں بھی یہی وصیت کی ہے کہ اللہ کی مخالفت سے ڈرو (اللہ کی ملکیت کو اپنی ملکیت نہ ٹھہرانا) اور اگر تم اس کا انکار کرو تو یاد رکھو کہ تمہارے انکار سے حقیقت نہیں بدل جاتی) بیشک اللہ ہی کی ملکیت ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ اور (جانے رہو کہ تم ذاتی ملکیت کا تصور پیدا کرکے اللہ تعالیٰ کی مخالفت کروگے تو خود ہی عدم توازن کے جہنم میں جلوگے) اللہ تعالیٰ تم سے بے نیاز اور بیحد تعریفوں والا ہے۔

قرآن کریم کی طرف سے ذاتی ملکیت کے تصور کی مسلسل چار مرتبہ پے درپے مذمت

● اس امر کی شہادت کیلئے عالمی مشاہدات کافی ہیں کہ:۔
کرۂ ارض پر افراد افراد میں، قبائل قبائل میں، قوموں قوموں میں اور ملکوں ملکوں میں جسقدر فسادات کی آگ پھیلی ہوئی ہے، اسکی اصل بنیاد ذاتی ملکیت کا تصور ہے۔ چنانچہ اسی فتنہ انگیز تصور کی نفی کیلئے آپ دیکھ چکے ہیں کہ اوپر آیت نمبر ۱۲۶ میں ایک مرتبہ اور اگلی آیت نمبر ۱۳۱ میں دو مرتبہ

یعنی مسلسل تین مرتبہ کے تکرار کیساتھ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ کے الفاظ میں ذاتی ملکیت کے نظریے کا بطلان کیا گیا ہے۔ لیکن آپ حیران ہو جائینگے کہ اللہ تعالیٰ نے تین مرتبہ کے تکرار پر بھی بس نہیں فرمائی، بلکہ سلسلۂ درس کی منفصلہ اگلی آیت مجیدہ کو چوتھی مرتبہ کے تکرار کیساتھ پھر انہی الفاظ سے شروع فرمایا ہے:۔

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ط
اور واسطے اللہ کے ہے جو بیچ آسمانوں اور جو بیچ زمین کے ہے
وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ۝ ۱۳۲
اور کافی ہے اللہ کارساز

اور (چوتھی مرتبہ کے تکرار کیساتھ سُن لو کہ) جو کچھ آسمانوں میں ہے۔ اور جو کچھ زمین میں ہے وہ سب کا سب صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے۔ اور (یہ بھی جان لو کہ تمہاری) کارسازی کیلئے اللہ ہی کافی ہے۔

حقیقت اظہر من الشمس

● قرآن کریم کے متعلق کسی بھی مومن کے ذہن میں یہ خیال راہ نہیں پا سکتا کہ قرآن کریم کے بعض الفاظ، جملے اور آیتیں حادثاتی طور پر محض شعر کا وزن پورا کرنے کیلئے نازل کی گئی ہیں۔ پس آیات بالا میں چار مرتبہ کے تسلسل کیساتھ ان الفاظ کا تکرار لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ، کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے۔ وہ سب کا سب صرف اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے۔ کیا یہ چار گانہ تکرار عبث اور بلا ضرورت ہے؟۔ اور اگر یہ چہار مرتبہ کا تکرار جو کہ آیت نمبر ۱۳۱ میں دو مرتبہ آیا ہے۔ اور اس سے اگلی آیت متعلقہ آیت نمبر ۱۳۲ کو پھر شروع ہی لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ سے کیا گیا ہے۔ بیکار اور عبث نہیں تو صاف ظاہر ہے کہ ذاتی ملکیت کے اُس تصور کے بطلان پر، جس نے پورے کرۂ ارض کو دہکتا ہوا جہنم بنا کر رکھ دیا ہے باری تعالیٰ نے یکے بعد دیگر چار مہریں ثبت کر کے اعلان فرمایا ہے کہ آسمانوں اور زمین میں ہر چیز اللہ کی ملکیت ہے۔ اُسکے سوا کوئی ان کا مالک نہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ کرۂ ارض پر ذاتی ملکیت کی لکیریں کھینچنا اور اللہ کی ملکیت کو اپنی ملکیت قرار دینا آیاتِ بالا کی کھلی مخالفت ہے۔

کرۂ ارض کی پوری نعمتیں پوری نوعِ انسانی کا مساوی حق ہیں

● اور ثابت ہو چکا ہے کہ کائنات کی ہر چیز کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ اُسکی ملکیت میں اُسکا کوئی شریک نہیں۔ لیکن چونکہ پوری نوعِ انسانی، اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے اسلئے ہر فرد بشر کو ضروریاتِ زندگی مساوی اور متوازن انداز میں ملنی لازم ہیں کیونکہ خود ذاتِ باری نے اعلان فرما دیا ہے

● هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۝ ۲/۲۹ = اے نوعِ انسانی! اللہ وہ عظیم الشان ذات ہے، جس نے زمین میں جو کچھ بھی پیدا کیا ہے، وہ سب کا سب، تم سب کے سب کیلئے پیدا کیا ہے۔ اب غور فرمائیے، کہ وہ نعمتیں جو رب العلمین نے پوری نوعِ انسانی کیلئے پیدا فرمائی ہیں، انہیں کسی مخصوص طبقے کیلئے مختص کرنا کہ ان کے گھی، دودھ بالائیاں قبول نہ کریں۔ اور نوعِ انسانی ہی کے ایک طبقے کو نعماءِ خداوندی سے محروم رکھنا کہ اُسکے بیماروں کو دودھ بطور دوائی بھی میسر نہ آئے۔ کیا یہ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۴ / ۱۲۶ + ۱۳۱ / ۱۳۲ اور هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۲/۲۹ کی کھلی بغاوت نہیں؟

● نیز اُس رب العلمین کے متعلق جس نے اپنی کتاب میں دنیا کی سب نعمتوں کو سب انسانوں کا مساوی اور متوازن حق قرار دیا ہے

یہ نظریہ پیش کرنا کہ اُس نے خود اپنی مخلوق کے بعض افراد کی قسمت میں نعمتوں کی کثرت لکھی ہے اور بعض کی قسمت میں خود محرومی تحریر فرمائی ہے۔ کیا یہ رب العلمین کی کھلی توہین نہیں؟

● اب اور آگے بڑھیئے! زمین کا مالک کون ہے؟ قرآن کا جواب ہے کہ اللہ تعالیٰ لیکن اس ذاتی ملکیت کے خونی تصور کی خون آشامیاں ملاحظہ فرمائیں کہ ایک وہ ہیں جن کی درجنوں دکانیں اور بیسیوں مکانات ہیں۔ اور ایک وہ ہیں جنہیں سر چھپانے کو جھونپڑی تک میسر نہیں۔ حالانکہ ارشادِ باری ہے :۔ وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ ۲/۳۶ ۔ ۷/۲۴ : اور اے نوعِ انسانی تم سب کا مساوی حق ہے کہ تمہیں زمین میں زندگی کے آخری دم تک کیلئے مستقر (مکان) بھی میسر ہو اور ضروریاتِ زندگی (متاع) بھی آخری سانس تک متوازن انداز سے ملتا رہے۔ یہ ہے قرآن کریم کا بتایا ہوا معاشی نظام۔

ایک اہم سوال کا جواب

● یہاں پہنچکر سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر ذاتی ملکیت کی نفی صحیح تسلیم کی جائے تو زکوٰۃ، صدقات، تقسیمِ وراثت وغیرہ کے قرآنی احکام کا کیا بنیگا جبکہ ظاہر ہے کہ ذاتی ملکیت ہوگی تو زکوٰۃ ادا کی جائیگی۔ غریبوں کیلئے صدقات دیئے جائینگے۔ اور مرنیوالا ذاتی ملکیت چھوڑیگا تو اُس کا ترکہ تقسیم کیا جائیگا — گزارش ہے کہ یہ مسائل اُسوقت تک کیلئے ہیں جبتک قرآنی متوازن معاشرہ ابھی قائم نہ ہوا ہو۔ جب آنحضورؐ نے قرآنی معاشرہ قائم کیا تو وہ آنِ واحد میں قائم نہیں ہوگیا تھا۔ قرآنی معاشرہ اقامتِ صلوٰۃ اور انفاقِ مال سے شروع ہوتا ہے۔ قرآن کریم میں مومنوں کی تعریف شروع ہی میں بیان کردی گئی ہے :۔ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَوٰةَ وَمِمَّا رَزَقْنَٰهُمْ يُنفِقُونَ ۲/۳ ۔ اجتماعاتِ صلوٰۃ میں حاضر ہوتے اور مال خرچ کرتے ہیں۔

● ملہ اِس مال سے نہ صرف یہ کہ مرکز کو مضبوط کرنا تھا بلکہ معاشرہ کے بھوکے ننگوں کی بھوک ننگ دُور کرنا بھی ضروری تھا تاکہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیتِ عالمینی بشکلِ مشہود نمایاں ہو جائے۔ اِسطرح جب آنحضورؐ نے معاشرہ کے اُمراء سے لگاتار مال لینا شروع کیا تو اس پر پیدا ہونیوالا سوال معہ جواب یہ ہے :۔

● يَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنفِقُونَ ۖ قُلِ الْعَفْوَ ۲/۲۱۹ : لوگ آپ سے پوچھینگے کہ وہ کس حد تک مال دیتے چلے جائیں آپ کہدیجئیگا! کہ ضرورت سے زائد پورا فاضلہ مال دیدینا ہوگا — اِس آیت مجیدہ سے صاف ظاہر ہے کہ مالداروں کے پاس جمع شدہ مال دراصل اُن لوگوں کا مارا ہوا حق ہے جو ضروریاتِ زندگی سے محروم ہیں۔

قرآنی معاشرہ میں زکوٰۃ کی ادائیگی مرکزِ ملت پر فرض ہے

● فریضۂ زکوٰۃ اُسوقت تک مومنوں کے ذمہ ہوتا ہے، جبتک صحیح قرآنی نظام قائم نہ ہو جائے۔ جب قرآنی نظام قائم ہو جائے تو ذاتی املاک ختم ہو جاتی ہے۔ ہر شخص متوازن ضروریاتِ زندگی کا حقدار ٹھہرتا ہے اور زکوٰۃ یعنی نشوونما کی ذمہ داری مرکزی نظام پر عائد ہو جاتی ہے۔ صحابہ رسولؐ کے متعلق ارشاد ہوا ہے :۔ الَّذِينَ إِن مَّكَّنَّٰهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَوٰةَ وَآتَوُا الزَّكَوٰةَ ۲۲/۴۱ : یہ وہ لوگ ہیں کہ جب ہم اُنہیں زمین میں اقتدار عطا فرمائینگے تو وہ نظامِ صلوٰۃ (قرآنی اخوت کا اجتماعی نظام) قائم کرینگے۔ اور عوام کی نشوونما کے ضامن ہونگے — اِس آیت پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ صحابہ رسولؐ

صلوٰۃ وزکوٰۃ کے پابند تو پہلے ہی تھے۔ یہ کونسی صلوٰۃ وزکوٰۃ ہے جو انہوں نے زمین میں اقتدار ملنے کے بعد قائم کی تھی؟ یہ وہی قرآنی نظام تھا جس کی اساس لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ پر قائم ہوئی کہ ہر چیز کو اللہ تعالیٰ کی ملکیت مانا گیا اور نوعِ انسانی کو متوازن ضروریاتِ زندگی کا حقدار۔ اور یہ ذمہ داری رسُولِ اکرم اور صحابہ کرام کی قائم کردہ خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کے ذمّہ آئی۔

● آیاتِ بالا میں لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ کے چار مرتبہ کے مسلسل تکرار کیساتھ ہر چیز کو خالص اللہ تعالیٰ کی ملکیت قرار دینے کے بعد اگلی آیت مجیدہ میں اسکی مخالفت، یعنی ذاتی ملکیت کو اسقدر ناپسند ٹھہرایا گیا ہے کہ اگر قیامت کی مہلت مقرر نہ کردی گئی ہوتی تو اللہ اس نوع کی جگہ اور مخلوق لے آتا۔

اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ اَيُّهَا النَّاسُ وَيَاْتِ

اگر اللہ چاہے تو لے جائے تم کو اے نوعِ انسانی اور لے آئے

بِاٰخَرِيْنَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰي ذٰلِكَ قَدِيْرًا ۝ ۱۳۳

دوسروں کو۔ اور ہے اللہ اوپر اس کے اندازہ کرنے والا

(اللہ کی ملکیت کو ذاتی ملکیت قرار دینا اتنا ناپسندیدہ ہے کہ) اگر اللہ چاہے تو اے نوعِ انسانی تمہیں لے جائے (ختم کر دے) اور دوسری مخلوق لے آئے (جو اللہ کی ملکیت کو اللہ ہی کی ملکیت جانے، حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسا کرنے کا قانون متعین کر چکا ہے (وہ اسلئے اس نوع کو بدل کر دوسری نہیں لاتا، کیونکہ اس نے اسے قیامت تک مہلت دے رکھی ہے)۔

● اس سے اگلی آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ اس نوع کے لوگ صرف دنیاوی منفعت کے طلبگار ہیں۔ حالانکہ جو ضابطہ اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے اس میں دنیوی ضروریاتِ زندگی کا حق بھی مسلّم ہے اور آخروی سرخروئی اور کامیابی کا راز بھی مضمر ہے۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ

جو کوئی ہے ارادہ کرتا فائدہ دنیا کا۔ پس ہے پاس اللہ کے

ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا

فائدہ دنیا کا اور آخرت کا۔ اور ہے اللہ سننے والا

بَصِيْرًا ۝ ۱۳۴ ۱۹ ع ۱۶

دیکھنے والا

جو فرد یا قوم صرف دُنیوی فائدے کا ارادہ رکھتی ہے۔ (اور اسطرح اللہ کے قوانین سے گریز کرتی ہے وہ سُن لے کہ) پس اللہ کے پاس (یعنی اسکے نازل کردہ قانون میں) دُنیا کا فائدہ بھی موجود ہے اور آخرت کا فائدہ بھی محفوظ ہے)۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ سُننے والا دیکھنے والا ہے۔ (وہ محروم ربوبیت افراد کی فریادیں) سُنتا بھی ہے، اور اُنکی حالتِ زار کو، دیکھتا بھی ہے۔

گواہی ہمیشہ سچی دیا کرو خواہ تمہارے اپنے یا والدین کے خلاف ہی کیوں نہ ہو

● جہانتک نوعِ انسانی کی مشکلات کے حل کی وضاحت کرنے کے بعد کہ وہ صرف اجتماعی طور پر

ذاتی ملکیّت کے تصوّر سے کنارہ کشی ہے۔ اس سے اگلی آئت مجیدہ میں معاشرہ کی ایک اہم شق کیطرف توجہ دلائی گئی ہے۔ جس سے مخالفت پیدا ہوتی ہے، اور جس سے افراد، اقوام، خاندانوں اور قبیلوں میں دائمی عداوت کی بنیاد قائم ہوتی ہے وہ ہے جھوٹی گواہی:-

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ
اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو، ہو جاؤ کھڑے ہونیوالے ساتھ انصاف کے

شُھَدَآءَ لِلّٰہِ وَلَوْ عَلٰٓی اَنْفُسِکُمْ
گواہی دینے والے واسطے اللہ کے، اور اگرچہ ہو خلاف جانوں تمہاری اپنی کے

اَوِ الْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ ج اِنْ یَّکُنْ غَنِیًّا
یا والدین کے اور قریبیوں کے۔ اگرچہ ہو مالدار

اَوْ فَقِیْرًا فَاللّٰہُ اَوْلٰی بِھِمَا قف فَلَا تَتَّبِعُوا
یا محتاج۔ پس اللہ ہے بہتر دوست دونوں سے۔ پس نہ پیروی کرو

الْھَوٰٓی اَنْ تَعْدِلُوْا ج وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا
خواہش کی، کہ نہ کرو انصاف۔ اور اگر گول مول کرو یا اعراض کرو

فَاِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا ۝ ۱۳۵
تو بیشک اللہ ہے ساتھ اسکے جو تم عمل کرتے ہو خبردار

اے وہ لوگو! جو ضابطۂ خداوندی پر ایمان لانے کے دعویدار ہو۔ (جب کبھی گواہی دینے کا موقعہ آئے) تو خالص اللہ تعالیٰ کیلئے گواہ بن کر عدل و انصاف پر کھڑے ہو جایا کرو۔ خواہ وہ گواہی تمہارے اپنے آپ یا والدین یا قریبیوں کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ خواہ وہ (جس کی طرف سے تم گواہی دے رہے ہو) مالدار ہو یا غریب، اللہ تعالیٰ اُن دونوں کی نسبت تمہارا بہتر دوست ہے پس تم ہرگز اتباع نہ کرنا خواہش کی کہ تم انصاف نہ کرو (یعنی صحیح گواہی نہ دو)۔ اور اگر تم پیچدار الفاظ میں (گول مول) گواہی دو، یا تم گواہی دینے سے اعراض کرو (تو یاد رکھو کہ اسکے ضمن میں) تم جو بھی صحیح یا غلط عمل کرو گے اللہ تعالیٰ اُس سے پورا پورا باخبر ہے۔ (قیامت کی عدالت میں وہ تمہارے جملہ اعمال بے نقاب کر دیگا)۔

ایمان کی لازمی شقیں • آئت ما قبل میں یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کے الفاظ کیساتھ ایمان کے دعویداروں کو مخاطب کرنے کے بعد اگلی متصلہ آئت مجیدہ میں ایمان کی ...لازمی شقیں بیان کی جا رہی ہیں جن پر ایمان کی عمارت کھڑی ہوتی ہے:-

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ
اے ایمان کے دعویدارو! ایمان لاؤ ساتھ اللہ اور رسول اسکے کے

وَالْکِتٰبِ الَّذِیْ نَزَّلَ عَلٰی رَسُوْلِہٖ وَالْکِتٰبِ الَّذِیْٓ
اور کتاب کے جو نازل کیگئی ہے اوپر رسول اُس کے اور اُس کتاب

اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ط وَمَنْ یَّکْفُرْ بِاللّٰہِ وَمَلٰٓئِکَتِہٖ
جو نازل کی اُس سے پہلے۔ اور جو کوئی انکار کرے اللہ کا اور ملائکہ اسکے کا

وَکُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ
اور کتابوں اُسکی کا اور رسولوں اُسکے کا اور دن پچھلے کا پس تحقیق وہ گمراہ ہو

اے وہ لوگو جو ایمان لانے کا دعویٰ کرتے ہو۔ ایمان لاؤ ساتھ اللہ کے۔ اور ساتھ اُسکے رسُول کے، اور ساتھ اُس کتاب کے جو اُس نے اپنے رسُول پر نازل کی۔ اور ساتھ اُس کتاب کے جو، اُس نے نازل کی اُس کتاب سے پہلے۔ اور جو کوئی انکار کرے اللہ کا، اور اُسکی کائناتی قوتوں کا (جو انسان کی خدمت کیلئے پیدا کیگئی ہیں ۲/۳۴)، اور اُسکی نازل کردہ کتابوں کا، اور اُسکے بھیجے ہوئے رسُولوں کا۔ اور آخرت کے دن کا (جسمیں اِس دنیا کے اعمال کی جزا

ضَلٰلاً بَعِيدًا ۱۳۶ ۵	سزا دی جائیگی) وُہ دُور کی گمراہی میں گم ہو کر صحیح راہ سے بھٹک گیا۔
گمراہی دُور کی	

• یہ ہیں ایمان کی پانچ لازمی شقیں، جن پر ایمان لائے بغیر کوئی شخص مومن نہیں کہلا سکتا:۔

۱۔ **ایمان باللّٰہ**۔ ہر مومن کیلئے لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ پر اِسطرح ایمان لائے کہ اِس دُنیا کا خالق و مالک وُہی ہے۔ اِس کائنات میں اُسی کے قوانین ہر آن جاری وساری ہیں، جن کی زنجیروں میں کائنات کی ہر چیز جکڑی ہوئی مصروفِ عمل ہے ۵۷/۱ + ۵۹/۱ + ۶۱/۱ + ۶۲/۱ + ۶۴/۱۔ اُسکی ذات میں کوئی شریک نہیں ۱۱۲/۱۔ اُسکی صفات میں کوئی شریک نہیں ۳۷/۱۸۰۔ اُسکے حکم میں کوئی شریک نہیں ۶/۵۷ + ۱۲/۴۰ + ۱۲/۴۷ + ۱۸/۲۶۔

۲۔ **ایمان بالملٰئکۃ**۔ اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ کائناتی قوّتوں پر اِسطرح ایمان لائے کہ وہ سب کی سب اِسکی خدمت کیلئے پیدا کیگئی ہیں ۲/۳۴ + ۷/۱۱ + ۱۵/۲۹ + ۱۷/۶۱ + ۱۸/۵۰ + ۲۰/۱۱۶ + ۳۸/۷۲۔ تمام کائناتی قوّتوں کو بذریعہ تسخیر تابعِ فرمان بنانا ہے ۴۵/۱۳۔ اِن میں سے نہ کسی کو سجدہ کرنا ہے نہ کسی کے سامنے دست بستہ ہونا اور ڈنڈوٹ بجالانا ہے۔

۳۔ **ایمان بالکُتُب**۔ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ تمام کتابوں پر اِسطرح ایمان لائے کہ سب برحق ہیں سب کے اندر واحد مکمل اکمل ضابطۂ حیات، قرآنِ کریم والاہی نازل کیا گیا تھا ۴۲/۱۳۔ اپنے اپنے وقت پر یہ اکیلی اکیلی واجبالاتباع امام تھیں ۱۱/۱۷ + ۴۶/۱۲ اور اِسوقت اکیلا قرآنِ کریم بلا شرکتِ غیرے واجب الاتباع امام ہے ۳/۲۔

۴۔ **ایمان بالرُّسُل**۔ اللہ تعالیٰ کے تمام رسولوں پر اِسطرح ایمان لائے کہ سب کے سب ایک سے رسُول تھے ۲/۲۸۵، اُن میں سے کوئی بھی کمتبا قسم کا رسُول نہیں تھا۔ اُن میں کا ہر رسُول ایک سے ایک افضل تھا ۲/۲۵۳۔ اللہ تعالیٰ کے سب کے سب رسول کامیاب و کامران اور غالب تھے ۵۸/۲۱۔ سب کے سب اللہ تعالیٰ کے سو فیصد فرمانبردار اور نوعِ انسانی میں واجب التکریم تھے ۲۱/۲۶-۲۷ بشمول آنحضور بلکن آنحضور سمیت، سب کے سب اللہ کے بندے بشر تھے ۱۴/۱۱ + ۱۷/۹۳ + ۱۸/۱۱۰ + ۴۱/۶۔

۵۔ **ایمان بالیوم الآخر**۔ آخرت کے دن پر اِسطرح ایمان لائے کہ موت کے بعد ہمنے اِس زندگی کے اعمال کی جوابدہی کیلئے ضرور ضرور دوبارہ پیدا کیا جانا ہے خواہ ہماری ہڈیاں بھی گل سڑ کر ریزہ ریزہ ہو چکی ہوں ۲/۲۸ + ۱۷/۴۹ + ۲۳/۱۶ + ۲۳/۸۲ + ۳۴/۷ + ۳۶/۱۹ + ۷۵/۳-۴۔

ایمان کی عملی تصدیق

• لیکن یاد رہے کہ ان پانچ بنیادی شقوں پر محض زبانی کلامی ایمان نہیں ہوگا۔ ایمان کی تصدیق ہر مومن کا عمل کریگا۔ بصورتِ دیگر اگر اللہ، ملائکہ، کتب، رسل اور آخرت پر زبانی زبانی ایمان اور عملاً انکار ہو تو ایسا ایمان کسی کام نہیں آئیگا۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں ایسے ایمان کی کوئی قیمت نہیں۔ مثال کے طور پر اللہ پر ایمان کے بعد اگر کوئی شخص عملاً غیر اللہ کو حاکم مانکر، غیر اللہ کے احکام پر عامل رہے، نیز غیر اللہ کو کائناتی امور میں متصرف مانکر غیر اللہ سے مُرادیں مانگتا رہے تو ایمان باللہ کے ایسے دعویداروں کے متعلق ارشاد ہُوا ہے:۔ وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ ۱۲/۱۰۶ = اور نہیں ایمان لاتے اکثر لوگوں کے، مگر ایمان لانے کے باوجود مُشرک ہوتے ہیں۔

دین میں جبر نہیں

• آیت بالا ۲۵۶ میں ایمان کی مکمل تشقیں بیان کرنے کے بعد اگلی آیت میں اِس امر کی وضاحت کردی گئی ہے کہ دین میں جبر ہرگز نہیں ۔ جو چاہے مذکورہ شقوں پر خود ایمان لائے ، جو چاہے خود انکار کردے اور یہ ایمان و انکار ایک مرتبہ نہیں جتنی مرتبہ چاہے کرتا چلا جائے ۔ قرآن کریم اُسکے حق خود اختیاری میں ہرگز روک نہیں بنتا۔ چنانچہ ارشاد ہوا ہے :۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا
بیشک جو لوگ ایمان لائیں پھر انکار کردیں پھر ایمان لائیں

ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ
پھر انکار کردیں ۔ پھر زیادہ ہوں کفر میں ۔ نہیں ہوگا

اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ
اللہ کہ معاف کرے واسطے اُنکے ، اور نہ رہنمائی کریگا اُنہیں

سَبِيْلًا ط ۱۳۷
راہ کی

بیشک جو لوگ (برضا و رغبت ، بلا کسی دباؤ کے خود) ایمان لائیں ۔ پھر (ایمان لانے کے بعد خود) انکار کردیں پھر خود ایمان لائیں پھر خود انکار کردیں ۔ (تو یہ انکا حق خود اختیاری ہے جس میں کوئی جبر نہیں ۲/۲۵۶) ۔ پھر اگر وہ کفر میں خود زیادتی اختیار کریں (کفر میں پکے ہوجائیں) ، تو پھر اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کہ اُنہیں معاف کردے ۔ اور نہ ایسا ہے کہ پھر اُنہیں اپنے سیدھے راستے کی راہنمائی کرے ۔ (کیونکہ سیدھا راستہ اختیار کرنا بھی انسان کا اپنا کام ہے اور جرم کرنے کے بعد خود توبہ اور اصلاح کرکے مغفرت کا حقدار ہونا بھی انسان کا اپنا کام ہے ۔ اللہ تعالیٰ مجرم کی توبہ و اصلاح کے بعد غفور الرحیم ہے ۶/۵۴ + ۶/۱۵۴ + ۱۶/۱۱۹) ۔

کُتبِ روایات کا مسئلہ قتلِ مرتد آیتِ بالا ۱۳۷/۴ کی کھلی مخالفت ہے

• کُتبِ روایات کا مسئلہ یہ ہے کہ جو شخص ایک مرتبہ مسلمان ہونے کے بعد کافر ہوجائے یعنی واپس کفر میں لوٹ جائے ، ارتداد کا مرتکب ہو ، مرتد ہوجائے وہ واجب القتل ہے یعنی اسلام کی رُو سے اُسکی سزا یہ ہے کہ اُسے قتل کردیا جائے ۔ روایات کا دیا ہوا یہ تصوّر آیتِ بالا کی کھلی مخالفت ہے جسمیں ایک مرتبہ نہیں بلکہ بار بار غور و خوض کے بعد ایمان لانے اور کفر میں لوٹ جانے ، مرتد ہوجانے پر کوئی پابندی نہیں لگائی گئی ۔ اِس بار بار کے ارتداد پر بھی یہ نہیں کہا گیا کہ جب وہ آخری مرتبہ کفر پر پکا ہوجائے تو اُسے قتل کردیا کرو ۔ صرف اُسکی اُخروی سزا کی خبر دیگئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نہ اُسے معاف کریگا اور نہ اُسے سیدھے راستے کا راہرو ٹھہرائیگا ۔

تصریفِ آیات

• اِرتداد کے ضمن میں ذیل کی تصریفِ آیات ملاحظہ فرمائیں کہ کسطرح ارتداد (یعنی ایمان لانے کے بعد پھر کفر میں لوٹ جانے) پر قرآن کریم نے کوئی قدغن نہیں لگائی :۔

۱ ۔ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ ج وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الضَّآلُّوْنَ ۳/۹۰ = بیشک جو لوگ ایمان لانے کے بعد کافر ہوجائیں ۔ پھر کفر میں زیادتی کرکے پکے ہوجائیں تو اُنکی توبہ قبول نہیں ہوگی ۔ کیونکہ وہ آخر دم تک گمراہ ہیں ۔ دیکھئے ! ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا سے صاف ظاہر ہے کہ مرتدین واجب القتل نہیں کیونکہ مرتد کے قتل کی صورت میں اُسکا کفر میں پکے ہوجانے کا تصوّر ہی پیدا نہیں ہوتا ۔ نیز آیات ذیل میں بھی مرتد کی سزا قتل نہیں بتائی گئی :۔

۲- وَمَنْ يَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ۞ ۲/۱۰۸ = اور جو کوئی ایمان کو کفر کیساتھ بدل دے (یعنی مرتد ہو جائے) پس وہ سیدھے راستے سے گمراہ ہو گیا۔ اس آیت میں ایمان کے بعد کفر اختیار کرنے، ارتداد کا اختیاری حق قائم ہے یہاں بھی ارتداد کی سزا موت نہیں بتائی گئی۔ بلکہ سابقہ ہر دو آیات کریمات ۴/۱۳۷ اور ۳/۹۰ کی مانند مرتد کو صحیح راہ سے بھٹکا ہوا کہا ہے۔

۳- وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۞ ۵/۵ = اور جو کوئی ایمان چھوڑ کر کفر اختیار کرے (مرتد ہو جائے) پس بیشک اسکا عمل (سابقہ ایمان) ضائع ہو گیا اور وہ آخرت میں گھاٹا پانیوالوں میں سے ہوگا۔

دیکھئے! اس آیت میں بھی ارتداد کی سزا آخرت کا خسارہ بیان ہوئی ہے، یہ نہیں کہا گیا کہ اُسے قتل کر دو۔

۴- قتلِ مرتد کی تردید میں آیت ذیل ملاحظہ ہو، جو شدید ترین قاطعہ دلیل کی حیثیت رکھتی ہے۔ سورہ منافقون میں منافقین کے اعلانِ ایمان کی تکذیب کرنے اور اُنکی لغو قسموں کی تردید کے بعد ۶۳/۳ میں ارشاد ہوا ہے:- ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ۞ ۶۳/۳ = یہ اسلئے کہ یہ لوگ پہلے ایمان لائے پھر کافر ہو گئے (مرتد ہو گئے) پس انکے ذہنوں پر عدم تدبر کی مُہر پائی گئی ہے پس وہ تفقہ نہیں کرتے۔ اس سے اگلی آیت میں ان مرتدین سے مجتنب رہنے کی تاکید کیگئی ہے:- هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ ۶۳/۴ = وہ مسلمانوں کے دشمن ہیں، اُن سے بچ کر رہنا۔

● دیکھئے! اِن آیتوں میں اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا کے الفاظ میں کھل کر مرتدین کا ذکر کیا گیا ہے، اور اُن سے بچکر رہنے کی تاکید کیگئی ہے۔ اگر مرتد کی سزا قتل ہوتی تو یہاں اُنکی تفصیل بیان کرنے کے بعد فَاقْتُلُوْهُمْ کا حکم دیا جانا چاہیئے تھا۔ فَاحْذَرْهُمْ کا نہیں۔ فَاحْذَرْهُمْ کے حکم سے، کہ "تو اُن سے بچکر رہنا" روزِ روشن کیطرح عیاں ہے کہ مرتد کی سزا اللہ تعالٰی کے ہاں قتل نہیں۔ بلکہ دینِ الٰہی میں اُنہیں زندہ رہنے کا حق دیا گیا ہے۔ تبھی تو کہا ہے کہ اُن سے بچکر رہنا۔ بچکر رہنے کا حکم اُنکے متعلق دیا جا سکتا ہے، جنہوں نے زندہ رہنا ہو، جنہیں حکومت قتل کر دے اُن سے بچکر رہنے کا کیا مطلب؟

● قرآن کریم میں مزید بہت سی آیتیں موجود ہیں، جن میں مرتدین کو زندہ رہنے کا حق حاصل ہے۔ اور جبتک وہ کفر میں پکے نہ ہو جائیں، اُسوقت تک اسلام میں واپس لوٹ سکتے ہیں۔

بار بار ایمان لانیوالے اور بار بار کفر کرنیوالے منافق ہیں
وہ مومنوں کو چھوڑ کر کافروں سے دوستی کرتے ہیں

● آیت زیر بحث ۴/۱۳۷ میں منافقوں کا ایک نشان یہ بتایا گیا ہے کہ وہ بار بار ایمان لاتے اور بار بار کفر کرتے ہیں۔ اگلی آیت مجیدہ میں اُنکا دوسرا نشان یہ بتایا جا رہا ہے کہ وہ ایمان کے دعویدار ہونیکے باوجود مومنوں کو چھوڑ کر کافروں سے دوستی کرتے ہیں:-

بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا
بشارت دے منافقوں کو کہ بیشک واسطے اُنکے ہے سزا
اَلِيْمًا ۞ الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ
دردناک۔ وہ لوگ جو پکڑتے ہیں کافروں کو دوست سوائے

(اے رسول! آپ ان بار بار ایمان لانیوالے اور بار بار کفر کرنیوالے) منافقوں کو خوشخبری دیدیں کہ بیشک اُن کے لئے دردناک عذاب ہے، اُن لوگوں کو جو مومنوں کے سوا کافروں کو دوست پکڑتے ہیں (یہ بھی اُنکی منافقت کا نشان ہے)

الْمُؤْمِنِينَ اَيَبْتَغُونَ عِندَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ
مومنوں کے۔ کیا وہ تلاش کرتے ہیں پاس انکے عزت پس بیشک ہے عزت

لِلّٰهِ جَمِيعًا ۱۳۸ - ۱۳۹
واسطے اللہ کے ساری

کیا وہ انکے ہاں عزت تلاش کرتے ہیں۔ (یہ انکی خام خیالی ہے) عزت تو پوری کی پوری اللہ تعالیٰ کیلئے ہے۔ (یعنی اسکے قانون کے مطابق ہی عزت ملتی ہے۔ اور اسکے قانون کے مطابق ہی ذلت ملتی ہے)۔

جہاں آیاتِ قرآنیہ کی مخالفت ہو رہی ہو وہاں مت بیٹھا کرو

• اگلی آیت مجیدہ میں منافقوں کا نشان بتایا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیاتِ کریمات کی تضحیک کرتے ہیں لیکن مومنوں کو حکم دیا جا رہا ہے کہ جن مجلسوں میں آیاتِ قرآنیہ کا مذاق اڑایا جا رہا ہو تم ان میں شریک نہ ہونا۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کے ہاں تم بھی منافقوں کے زمرہ میں شمار کیے جاؤ گے:۔

وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا
اور بیشک نازل کیا جا رہا ہے اوپر تمہارے بیچ کتاب کے کہ جب

سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ
سنو تم آیتیں اللہ کی، انکار کیا جائے انکا اور مذاق اڑایا جا رہا

بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوضُوا فِي
انکا۔ تو نہ تم بیٹھو ساتھ انکے۔ یہاں تک کہ وہ غور کریں بیچ

حَدِيثٍ غَيْرِهٖٓ ۖ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ
بات سوائے اسکے۔ بیشک تم اسوقت ہو گے مثل انکی۔ بیشک ہے اللہ

جَامِعُ الْمُنٰفِقِينَ وَالْكٰفِرِينَ فِي جَهَنَّمَ
جمع کرنیوالا منافقوں اور کافروں کو بیچ آگ شکست کے

جَمِيعًا ۱۴۰
سب کو

اور (اے ایمان والو!) بلاشبہ تم پر کتاب میں نازل کیا جا رہا ہے کہ جب (کبھی ایسی صورت تمہارے سامنے آ جائے کہ کسی جگہ پر) تم سنو کہ اللہ تعالیٰ کی آیاتِ کریمات کا انکار کیا جا رہا ہے۔ اور انکا مذاق اڑایا جا رہا ہے۔

تو تم ان لوگوں کیساتھ نہ بیٹھنا، (جو اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے اور انکا مذاق اڑاتے ہیں) یہاں تک کہ وہ کسی اور موضوع پر گفتگو کرنے لگیں۔ (اگر تم آیتوں کے انکار اور استہزا کے وقت وہیں بیٹھے رہو تو) اسوقت بلاشبہ تم بھی انہی کی مانند ہو گے۔ بیشک اللہ تعالیٰ (آیات کا استہزا کرنیوالے) منافقوں (اور انکا انکار کرنیوالے) کافروں سب کو جہنم (شکست کی آگ میں) جمع کرنیوالا ہے (سب شکست کھا جائینگے)۔

علہ قَدْ نَزَّلَ کا معنی لکھا گیا ہے "نازل کیا جا رہا ہے" قواعد میں یہ ماضی ہے۔ لیکن قرآنِ کریم کا اسلوب بیان ہے کہ جو چیز نازل کی جا رہی ہو اسے تحقیق مزید کیلئے ماضی کے صیغہ میں بیان کرتا ہے۔ جیسے کہ سورہ حج میں آیا ہے:۔ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ۲۲ یہاں ضُرِبَ اگرچہ ماضی مجہول کا صیغہ ہے مگر معنی یہ ہے۔ "اے نوعِ انسانی ایک مثال بیان کی جا رہی ہے۔ اسے غور سے سنو۔" (اور اس سے آگے بیان ہوا ہے:۔ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ ..... الخ $\frac{22}{73}$

• ۲ علہ جہنم کا معنی شکست کی آگ سلسلہ درس کی اگلی آیت مجیدہ سے عیاں ہے جسمیں فتح اور شکست ہی سے متعلقہ وضاحت بالفاظ ذیل کیگئی ہے:۔　(لفظ جہنم کی قرآنی لغت صفحہ ۳۰۸ پر گزر چکی ہے)

الَّذِیۡنَ یَتَرَبَّصُوۡنَ بِکُمۡ ۚ فَاِنۡ
اُن لوگوں کو انتظار کر رہے ہیں ساتھ تمہارے پھر اگر
کَانَ لَکُمۡ فَتۡحٌ مِّنَ اللّٰہِ قَالُوۡۤا اَلَمۡ نَکُنۡ مَّعَکُمۡ ۫ۖ
ہو واسطے تمہارے فتح طرف سے اللہ کی کہینگے کیا نہیں ہم ساتھ تمہارے
وَ اِنۡ کَانَ لِلۡکٰفِرِیۡنَ نَصِیۡبٌ ۙ قَالُوۡۤا اَلَمۡ نَسۡتَحۡوِذۡ عَلَیۡکُمۡ
اور اگر ہو واسطے کافروں کے حصہ۔ کہینگے کیا نہ حفاظت کی اوپر تمہارے
وَ نَمۡنَعۡکُمۡ مِّنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ؕ فَاللّٰہُ یَحۡکُمُ بَیۡنَکُمۡ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ ؕ
اور بچایا تم کو مومنوں سے پس اللہ فیصلہ دیگا بیچ تمہارے دن قیامت کے
وَ لَنۡ یَّجۡعَلَ اللّٰہُ لِلۡکٰفِرِیۡنَ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ
اور نہیں ٹھہرائیگا اللہ واسطے کافروں کے اوپر مومنوں کے
سَبِیۡلًا ﴿۱۴۱﴾ ع ۲۰
کوئی راہ

یہ (منافق آیاتِ خداوندی کا تمسخر اڑانیوالے) وہ ہیں جو تمہارے متعلق انتظار کرتے ہیں (کہ تمہیں شکست ہو جائے) پھر اگر اللہ کیطرف سے (یعنی اللہ کے قانون کے مطابق) تمہیں فتح حاصل ہو تو یہ کہینگے کہ کیا ہم تمہارے ساتھ نہیں ہیں (ہمیں بھی مالِ غنیمت کا حصہ دو)۔ اور اگر (کبھی کوئی وقتی کامیابی) کافروں کے حصے میں آئے تو (انہیں) کہینگے کیا ہم نے تمہاری حفاظت نہیں کی۔ اور کیا ہمنے تمہیں مومنوں سے بچا نہیں لیا۔ پس لیے منافقو! اللہ تمہارے درمیان قیامت کے دن صحیح صحیح فیصلہ کردیگا۔ اور اللہ تعالیٰ (دنیا میں) کافروں کیلئے مومنوں کے مقابلے پر (فتحیاب ہونے کی) کوئی راہ ہرگز نہیں ٹھہرائیگا۔

منافق صلوٰۃ موقت سے جی چراتے ہیں

● اس سے اگلی آیت مجیدہ میں منافقوں کا ایک اور نشان بتایا گیا ہے کہ وہ صلوٰۃ موقت (نماز) میں سستی اور بددلی کیساتھ آتے ہیں۔ اور محض دکھاوے کی نمازیں ادا کرتے ہیں۔

اِنَّ الۡمُنٰفِقِیۡنَ یُخٰدِعُوۡنَ اللّٰہَ وَ ہُوَ
بیشک منافق دھوکہ دیتے ہیں اللہ کو۔ اور وہ
خَادِعُہُمۡ ۚ وَ اِذَا قَامُوۡۤا اِلَی الصَّلٰوۃِ قَامُوۡا
دھوکا دیتا ہے انکو۔ اور جب کھڑے ہوتے ہیں بیچ صلوٰۃ کے کھڑے ہوتے ہیں
کُسَالٰی ۙ یُرَآءُوۡنَ النَّاسَ وَ لَا یَذۡکُرُوۡنَ اللّٰہَ
سستی کیساتھ۔ دکھاتے ہیں لوگوں کو۔ اور نہیں یاد رکھتے اللہ کو
اِلَّا قَلِیۡلًا ﴿۱۴۲﴾ۙ
مگر تھوڑا

بلاشبہ منافق (یعنی مذکورہ بالا دوغلی روش والے) اللہ کو دھوکا دیتے ہیں (چونکہ وہ اللہ کیساتھ کیا وعدۂ ایمان وفا نہیں کرتے اسلئے) وہ (اللہ) اپنا وعدہ وفا نہیں کرتا اور جب وہ صلوٰۃ (نماز) کیلئے کھڑے ہوتے ہیں (ٹوٹے ہوئے ذہن، بددلی) سستی کیساتھ۔ وہ لوگوں کو دکھاتے ہیں (کہ وہ بڑے پابندِ صلوٰۃ ہیں) لیکن وہ اللہ (کے قانون و احکام کو) تھوڑا یاد رکھتے ہیں۔ (اللہ کے احکام کی پابندی نہیں کرتے)

مُّذَبۡذَبِیۡنَ بَیۡنَ ذٰلِکَ ٭ۖ لَاۤ اِلٰی ہٰۤؤُلَآءِ وَ
وہ تذبذب میں ہیں بیچ اسکے۔ نہ طرف ادھر کے اور

وہ لوگ (کفر و ایمان کی رو سے) بین بین کے تذبذب میں ہیں۔ نہ (پوری طرح) ادھر کو ہیں! اور نہ ہی وہ پوری طرح اُدھر

لَآ اِلٰی هٰٓؤُلَآءِ ؕ وَمَنۡ یُّضۡلِلِ اللّٰهُ فَلَنۡ تَجِدَ لَهٗ سَبِیۡلًا ۝ ۱۴۳ نہ طرف اُدھر کے ۔ اور جسے گمراہ ٹھہرائے اللہ تو نہیں پائے گا تو واسطے اُسکے کوئی راہ	کو ہیں حقیقت یہ ہے کہ جسے اللہ گمراہ پائے (اور جو گمراہی میں اتنا شدید ہو چکا ہو کہ اُس نے اپنے اُوپر ہدایت کے دروازے خود بند کر لئے ہوں) تو تُو اُسکے لئے ہدایت کی کوئی راہ ہرگز نہیں پائیگا۔

● عله مَنۡ یُّضۡلِلِ اللّٰهُ، جس کا معنی عام تراجم میں یہ لکھا ہے کہ جسے اللہ گمراہ کردے ۔ متشابہ آئت مجیدہ ہے جس کا معنی ذیل کی محکم آئت کے مطابق لکھ گیا ہے ؛۔ قُلۡ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ قَدۡ جَآءَكُمُ الۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّكُمۡ ۚ فَمَنِ اهۡتَدٰی فَاِنَّمَا یَهۡتَدِیۡ لِنَفۡسِهٖ ۚ وَمَنۡ ضَلَّ فَاِنَّمَا یَضِلُّ عَلَیۡهَا ۚ $\frac{۱۰}{۱۰۸}$ = اے رسُولؐ کہدیجیئے کہ اے نوعِ انسانی بیشک تمہارے پاس تمہارے رب کیطرف سے حق (قرآن) آگیا ہے ۔ پس جو کوئی خود اُس سے رہنمائی حاصل کرے ، وہ خود اُسکے اپنے لئے ہوگا ۔ اور جو کوئی خود گمراہ ہو جائے اُسکا وبال اُسکی اپنی جان پر ہوگا — واضح رہے کہ یُضۡلِلِ اللّٰهُ باب تفعیل سے ہے ۔ جسکا خاصہ وجدان ہے یعنی کسی چیز کا کسی شخص کے اعمال میں پایا جانا ۔

● ایسے گمراہ مُنافقوں کا نشان پیچھے آئت مجیدہ $\frac{۴}{۱۳۹}$ میں بتایا گیا ہے کہ وہ مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کیساتھ دوستی کرتے ہیں ۔ اسلئے سلسلۂ درس کی اگلی آئت مجیدہ میں مومنوں کو خصوصی حکم دیا گیا ہے کہ تم ایسا نہ کرنا تم سوائے مومنوں کے کافروں سے دوستی نہ گانٹھنا ۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَتَّخِذُوا الۡكٰفِرِیۡنَ اَوۡلِیَآءَ مِنۡ دُوۡنِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ؕ اَتُرِیۡدُوۡنَ اَنۡ تَجۡعَلُوۡا لِلّٰهِ عَلَیۡكُمۡ سُلۡطٰنًا مُّبِیۡنًا ۝ ۱۴۴ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو ۔ نہ پکڑو تم کافروں کو دوست سوائے مومنوں کے ۔ کیا تم ارادہ کرتے ہو کہ تم ٹھہراؤ واسطے اللہ کے اوپر اپنے حجّت ظاہر	اے وہ لوگو! جو (برضا و رغبت ضابطۂ خداوندی پر) ایمان لائے ہو ۔ تم مومنوں کے سوا کافروں کو دوست نہ بنانا ۔ (وہ تمہارے دوست ہرگز نہیں ہو سکتے) ۔ کیا تم (مومنوں کے سوا کافروں کو دوست بنا کر) یہ ارادہ کرتے ہو کہ تم اپنے اُوپر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی کھُلی حجّت قائم کر لو؟

● اگلی آئت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ کافروں کو دوست بنانیوالے مُنافقوں کی حالت یہ ہے کہ وہ تذبذب کے جہنّم کے نچلے درجے میں ہیں :۔

اِنَّ الۡمُنٰفِقِیۡنَ فِی الدَّرۡكِ الۡاَسۡفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَلَنۡ تَجِدَ لَهُمۡ نَصِیۡرًا ۝ ۱۴۵ بیشک منافق ہیں بیچ درجے سب سے نچلے ، میں سے آگ کے ، اور نہ پائیگا تو واسطے اُن کے مددگار	بیشک مُنافقوں (کی حالت یہ ہے کہ تذبذب کی بدولت) وہ نار (اضطراب) کے انتہائی نچلے درجے میں ہیں ۔ (وہ ضرور شکست کھا جائینگے ۔ اے رسُولؐ!) آپ اُن کیلئے کوئی مددگار نہیں پائینگے ۔

اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَ اَصْلَحُوْا وَ
سوائے اُنکے جو توبہ کریں، اور اصلاح کرلیں، اور
اعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ وَاَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ
مضبوط پکڑیں اللہ کو، اور خالص رکھیں دین اپنا واسطے اللہ کے
فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَسَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ
پس وہ ہیں ساتھ مومنوں کے، اور ضرور دیگا اللہ
الْمُؤْمِنِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ ۱۴۶
مومنوں کو بدلہ بڑا

(اُن میں سے) سوائے اُن لوگوں کے جو (اپنے بُرے عقیدہ سے) لوٹ آئیں اور اپنے اعمال کی اصلاح کرلیں اور اللہ (کی کتاب ۳/۱۰۳) کو مضبوط پکڑلیں۔ اور اپنے دین کو صرف اللہ تعالیٰ کیلئے خالص رکھیں (یعنی اللہ کے دین میں غیر اللہ کے احکام شامل نہ کریں)۔ پھر وہ لوگ مومنوں کے ساتھی ہیں۔ (اگر وہ ایسا کریں تو جماعتِ مومنین کے افراد ہیں ورنہ جماعتِ مومنین کے افراد نہیں) اور اللہ تعالیٰ ضرور ضرور مومنوں کو اجرِ عظیم عطا فرمائیگا۔ (یعنی انہیں ضرور کا فروں اور منافقوں پہ فتح دیگا)۔

● علہ وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ کا لفظی معنی ہے اور مضبوط پکڑیں اللہ کو۔ اور اللہ کو پکڑنے کی تفسیر خود اللہ تعالیٰ نے ۳/۱۰۳ میں بذریعہ تصریف آیات، ذیل کے حکم میں کر رکھی ہے:۔ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۳/۱۰۳ = سب ملکر اللہ کی رسّی کو مضبوط پکڑلو۔ اور اللہ کی رسّی کی تفسیر يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ۱۹/۱۲ کے الفاظ میں فرمائی ہے:۔ اے یحیٰی اللہ کی کتاب کو قوت کیساتھ تھام لے۔ پس چونکہ اللہ کی رسّی اللہ کی کتاب ہے۔ فلہٰذا وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ ۴/۱۴۶ کی تقدیرِ کلام یہ ہے:۔ وَاعْتَصَمُوْا بِكِتٰبِ اللّٰهِ = اور وہ مضبوط پکڑلیں اللہ کی کتاب کو، یعنی خالص اللہ کی کتاب پہ عمل ہوجائیں تو پھر وہ منافق مذکورہ شکست کے عذاب سے بچ سکتے ہیں۔

● علہ اَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ۔ اس جملہ میں دین اسلام کی بنیادی شق بیان کردیگئی ہے جس کی مخالفت سے فرقہ بندی کے سوتے پھوٹتے ہیں۔ ارشادِ باری ہے:۔ اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ۝ اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ ۳۹/۲-۳ = (اے رسُول!) بیشک ہمنے آپ کیطرف اپنی ایک اکلوتی سچی کتاب نازل فرمائی ہے پس آپ اللہ کے دین کو اُسکے لئے خالص رکھتے ہُوئے خالص اللہ کی فرمانبرداری کریں۔

● اِس آیت مجیدہ سے عیاں ہے کہ اللہ کا خالص دین صرف اُسکی کتاب میں ہے۔ اگر اُسکی کتاب کیساتھ کسی اور کتاب کو شامل کر لیا جائے تو دین ناخالص اور اُمّت فرقہ فرقہ ہوجاتی ہے۔ اور جو لوگ دین کو ناخالص کرکے فرقہ فرقہ ہوجائیں اُنکے متعلق ارشاد ہُوا ہے:۔ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا ۭ كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ۝ ۳۰/۳۱-۳۲ = اور تم مشرکوں میں سے نہ ہوجانا۔ اُن لوگوں میں سے کہ جنہوں نے دین میں تفرقہ پیدا کی اور گروہ گروہ ہوگئے سب گروہ اُس پر اِتراتے ہیں جو الگ الگ اُنکے پاس ہے۔ یعنی اللہ کی کتاب کیساتھ جو جو کچھ کسی نے شامل کرکے اللہ کے دین کو ناخالص کرکے فرقہ بندی اختیار کی ہے، وہ اُس اپنی شامل کردہ کتاب پر فخر کرتا ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے، فلاں کتاب کی مدد کے بغیر قرآن مجید کی سمجھ نہیں آسکتی ـــــ پس آیت زیرِ نظر میں منافقوں پر شرط لگائی گئی ہے کہ منافقت

سے تائب ہو کر اپنے اعمال کی اصلاح بھی کریں۔ اور اللہ کے دین کو اسکے لئے خالص رکھیں یعنی اللہ کی کتاب کیساتھ کسی اور کتاب کو شامل نہ کریں تو پھر شکست کے عذاب سے بچ سکتے ہیں۔ چنانچہ سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں منافقوں کو مخاطب کر کے ارشاد ہوا ہے کہ اگر تم شکر گزاری کے کام کرو تو اللہ تعالیٰ تمہیں سزا دیکر کیا کریگا۔ وہ تو نیک عملوں کی جزا دینے والا، قدر دان ہے :-

مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَ
کیا کریگا اللہ ساتھ عذاب تمہارے کے اگر شکر کرو تم، اور

اٰمَنْتُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا ۱۴۷
ایمان لاؤ تم۔ اور ہے اللہ قدر دان جاننے والا

(منافقو!) اگر تم شکر گزاری کرو (ایسے عمل بجا لاؤ جن کا اچھا نتیجہ سامنے آجائے) اور تم (ضابطۂ الٰہی پر) ایمان لاؤ، تو اللہ نے کیا کرنا ہے تمہیں عذاب کر کے؟ حقیقت یہ ہے کہ اللہ قدر دان[عل] ہے (اچھے کاموں کی بھرپور جزا دینے والا ہے اور ہر کسی کے اعمال کو) خوب اچھی طرح جاننے والا ہے۔

• عل شکر کا معنیٰ ایسی بھرپور محنت کرنا ہے، جسکا بھرپور نتیجہ سامنے آجائے۔ اور بھرپور محنت کا بھرپور اجر دینا بھی اسکا معنیٰ ہے۔ جب بندے کیطرف سے ہو تو بھرپور محنت کرنا مراد ہوتی ہے اور جب اللہ کیطرف سے ہو تو محنت کا بھرپور اجر دینا مراد ہوتا ہے كَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا کا مفہوم یہی ہے۔

عیب پوشی • قرآن مجید میں جگہ بہ جگہ منافقوں کا ذکر پھیلا ہوا ہے۔ انکے ظاہر نشان بتا دیئے گئے ہیں۔ انکے اطوار و خصائل کی تفصیل کر دیگئی ہے مگر کسی ایک منافق کا بھی نام نہیں بتایا گیا۔ اس میں اللہ کی صفت عیب پوشی کارفرما ہے۔ اسیطرح وہ اپنے بندوں کو بھی حکم دیتا ہے کہ بلا وجہ عیب جوئی اور نکتہ چینی نہ کیا کریں کسی کے عیب بیان نہ کریں۔ جس کسی میں کوئی عیب پائیں تو اسکے سامنے اس عیب کی برائی بیان کریں تاکہ وہ اس سے باز آجائے۔ اسطرح اس عیب پوشی کے ذریعہ معاشرہ خوشگوار رہتا ہے۔ جو کوئی عمومی نصیحت کے ذریعہ باز نہ آئے، وہ قانون کی زد میں آکر اپنے آپکی تشہیر بھی آپ کر دیتا ہے اور سزا بھی پاتا ہے۔ سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں پرائے عیوب کی تشہیر کو انتہائی ناپسندیدہ فعل قرار دیا گیا ہے۔ سوائے اس شخص کے کہ اس پر ظلم کیا گیا ہو۔ صرف اسے تشہیر کی اجازت دیگئی ہے :-

لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ
نہیں پسند کرتا اللہ ظاہر کرنا برائی کا

مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا
ساتھ بات کے۔ مگر جس پر ظلم ہوا۔ اور ہے اللہ خوب سننے والا

عَلِيْمًا ۱۴۸
خوب جاننے والا

نہیں پسند کرتا اللہ کہ ظاہر کی جائے برائی (کسی شخص کی) بات کیساتھ[عل] (یعنی کسی کی برائی کا چرچا کرنا اللہ تعالیٰ کے ہاں ناپسندیدہ عمل ہے) سوائے اس شخص کے کہ جس پر ظلم ہوا۔ (وہ اپنی دادرسی کیلئے ظالم کے ظلم کو ظاہر کر سکتا ہے)۔ اور ہے اللہ خوب خوب سننے والا۔ (اسلئے اس نے اپنے ضابطۂ انصاف کے مطابق، ظالموں کو ظلم کی سزا دینے کا حکم نازل کر دیا ہے ۴۲/۲۷ عل)

• علہ مِنْ حرفِ جار کا معنیٰ ساتھ بھی ہے۔ جیسے يَنْظُرُوْنَ مِنْ طَرْفٍ خَفِيٍّ ۴۲/۴۵ کا معنیٰ ہے " وہ کنکھیوں کیساتھ دیکھتے ہیں"

• علہ اللہ تعالیٰ سمیع وعلیم نے ہر جرم کے متعلق مجرم کی نوعیت کے مطابق سزا دینے کا حکم دے رکھا ہے:۔ جَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۴۲/۴۰ کسی برائی (جرم) کی سزا جرم کے مطابق ہے جس پر ظلم ہوا ہو اُسے تشہیرِ ظلم کا حق دیا گیا ہے: تاکہ معاملہ حکام تک پہنچا کر مجرم کو اُسکے جرم کے مطابق سزا دلوادی جائے۔

• سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں ایکدوسرے کی نیکیوں کو ظاہر کرنے کی اجازت دیدی گئی ہے مگر انہیں چھپانے سے منع بھی نہیں کیا گیا:۔

اِنْ تُبْدُوْا خَيْرًا اَوْ تُخْفُوْهُ اَوْ تَعْفُوْا
اگر تم ظاہر کرو بھلائی یا چھپاؤ اُسکو یا درگزر کرو
عَنْ سُوْٓءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا ۱۴۹
طرف سے برائی کے تو بیشک اللہ ہے درگزر کرنیوالا، اندازہ کرنیوالا

(ایمان والو!) اگر تم (دوسروں کی) نیکی ظاہر کردیا اُسے چھپاؤ (تو دونوں صورتوں میں کوئی مضائقہ نہیں)۔ اور اگر تم دوسروں کی برائی سے درگزر کرو (یعنی انہیں معاف کردو) تو بیشک اللہ تعالیٰ بھی درگزر کرنیوالا، صحیح صحیح قانون متعین کرنیوالا ہے۔ علہ

• علہ اللہ تعالیٰ نے کیا ٹھیک ٹھیک قانون متعین فرمایا ہے کہ اگر کسی زیادتی کرنیوالے کو تم معاف کردو، تم درگزر کرو تو اللہ تعالیٰ بھی اُسے معاف کرنیوالا اور درگزر کرنیوالا ہے۔ معافی اور درگزر ایسے احسن اقدام ہیں جن سے معاشرہ میں خوشگواری اور افرادِ معاشرہ میں نفرت وعداوت کی بجائے شفقت ومحبت پیدا ہوتی ہے۔

اللہ اور رسول میں فرق کرنیوالے اللہ اور رسول کا انکار کرنیوالے ہیں

• آیاتِ بالا میں معاشرہ کے ایک اہم گوشہ سے متعلقہ ہدایات جاری کرنے کے بعد اگلی آیت مجیدہ میں پھر ایمان کی ایک اہم شق کی وضاحت کیگئی ہے کہ اللہ اور رسول میں فرق کرنا، گویا اللہ اور رسول کے انکار کے مترادف ہے۔ یہ شق انتہائی اہم عنوان کی حامل ہے، اسلئے اس پر پوری طرح غور فرمائیں:۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَ
بیشک جو لوگ انکار کرتے ہیں   ساتھ اللہ اور رسولوں اسکے اور
يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَ
ارادہ کرتے ہیں   کہ فرق کریں   بیچ   اللہ اور رسولوں اسکے اور
يَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ ۙ وَّ
کہتے ہیں ہم ایمان لاتے ہیں ساتھ بعض کے اور انکار کرتے ہیں ساتھ بعض کے اور
يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ۱۵۰
ارادہ کرتے ہیں کہ پکڑیں   درمیان اسکے   راہ

بیشک جو لوگ انکار کرتے ہیں اللہ کا، اور انکار کرتے ہیں اُسکے رسولوں کا۔ یعنی وہ اس چیز کا ارادہ کرتے ہیں کہ وہ اللہ اور اسکے رسولوں میں فرق کریں (اللہ کے حکم الگ بتائیں اور رسولوں کے حکم الگ بتائیں) اور وہ کہتے ہیں کہ ہم بعض رسولوں (کی شریعت) کو مانتے ہیں اور بعض (کی شریعت) کا انکار کرتے ہیں۔ علہ اور وہ ارادہ کرتے ہیں کہ اسکے بین بین راہ اختیار کریں (کہ ملک ملک رسولوں کی الگ الگ شریعتیں ہیں حالانکہ سب رسولوں کی شریعت ایک ہے ۲/۱۳)

أُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ حَقًّا ۚ وَأَعْتَدْنَا
وہ لوگ وہی ہیں، کافر سچے۔ اور تیار کیا ہم نے

لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا ۝ ۱۵۱
واسطے کافروں کے عذاب دردناک

مذکورہ لوگ سچے پکے کافر ہیں۔ اور ہم نے تیار کر رکھا ہے (اللہ اور اُسکے رسولوں میں فرق کرنیوالوں اور بعض رسولوں کا انکار کرنیوالے) کافروں کیلئے دردناک عذاب۔

• علہ وَيُرِيدُونَ، کی واؤ تفسیری ہے یعنی اللہ اور رسولوں میں فرق کرنے کو اللہ اور اُسکے رسولوں کا انکار قرار دیا گیا ہے۔ لیکن یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہاں اللہ اور اُسکے رسولوں میں کس انداز سے فرق کرنے کو کفر قرار دیا گیا ہے۔ کیا اللہ کے رسولوں کو بھی اللہ ہی ماننا چاہئے تاکہ نہ اللہ اور اُسکے رسولوں میں فرق پیدا ہو، اور نہ آیاتِ بالا کے مطابق کفر لازم لائے؟ اس سوال کا جواب قرآن کریم کی روشنی میں عیاں ہے کہ اللہ کے رسول، سب کے سب اُسکے بندے تھے ۱۷/۲۔ اللہ نہیں تھے اسلئے اُنہیں اللہ ماننا تو بجائے خود انتہائی درجے کا کفر ہے پس ثابت ہوا کہ یہاں اللہ اور اُسکے رسولوں میں جس فرق کی نشاندہی کی گئی ہے وہ اسکے سوا ہے۔ پس وہ یہی ہو سکتا ہے کہ اللہ اور اُسکے رسولوں کے الگ الگ حکم بنا کر اللہ اور اُسکے رسولوں میں فرق پیدا کیا جائے۔ کیونکہ اللہ کے رسولوں کا، اللہ کے حکم سے۔ اپنا الگ کوئی حکم ہوتا ہی نہیں یعنی حکم کے لحاظ سے اللہ اور اُسکے رسولوں میں کوئی فرق نہیں۔ بصورتِ دیگر اللہ، اللہ ہے اور اُسکے رسول، رسول ہیں۔

• رسول اللہ کا معنی ہی اللہ کا حکم پہنچانیوالا ہے، اپنا حکم دینے والا نہیں، کیونکہ اِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ ۶/۵۷ اور لَا يُشْرِكُ فِي حُكْمِهِ أَحَدًا ۱۸/۲۶ کے مطابق اللہ کے سوا کسی کا حکم مطلقاً ہے ہی نہیں۔ یعنی حکم صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کا ہے، جو لوگوں تک پہنچتا ہے صرف اُسکے رسولوں کے ذریعہ، اور جو رسولوں کی زندگی میں بھی، اور اُنکے بعد بھی اللہ کی کتاب کے اندر موجود ہوتا ہے پس یہاں اللہ اور رسولوں میں جس فرق کرنے کو کفر بتایا گیا ہے، وہ صرف وہ ہے۔ جو انبیاء کی اُمتیں اللہ اور اُسکے رسولوں میں اسطرح پیدا کر لیتی ہیں کہ یہ حکم اللہ نے دیا ہے اور یہ حکم اُسکے رسول نے دیا ہے۔ یہی فرق کرنا کفر بتایا گیا ہے، ورنہ اسکے سوا، اللہ اور اُسکے رسولوں میں، اللہ و بندہ، خالق و مخلوق، اور مُرسِل و مُرسَل کا فرق نہ کرنا تو بجائے خود عظیم الشان کفر ہے۔

• علہ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَنَكْفُرُ بِبَعْضٍ اور يَتَّخِذُوا بَيْنَ ذَٰلِكَ سَبِيلًا کا باہمی ربط معلوم کرنا انتہائی ضروری ہے۔ واضح رہے کہ بعض نبیوں پر ایمان لانے اور بعض کا انکار کرنے، اور اسکے بَین بَین راستہ اختیار کرنے کو جب مشاہدات کی کسوٹی پر پرکھا جائے تو صاف عیاں ہے کہ کوئی بھی اہل کتاب ایسا نہیں جو اپنے نبی رسول سے پہلے والے رسولوں کا انکار کرنے کا کوئی بھی بَین بَین راستہ اختیار کئے ہوئے ہو۔ بلکہ سب کے سب جملہ انبیاء ماسبق پر ایمان رکھتے ہیں۔ یہودی لوگ حضرت موسیٰؑ سے پہلے والے رسولوں کو مانتے ہیں، عیسائی حضرت مسیحؑ سے پہلے کے سب رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں اور مسلمان آنحضورؐ سے ماقبل کے تمام رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ لہٰذا اس مشاہدے کے مطابق یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ پھر وہ کونسی صورت ہے جو آیاتِ بالا میں بیان ہوئی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ رسولوں میں سے بعض پر ہم ایمان لاتے ہیں اور بعض کا انکار کرتے ہیں۔ اور اسطرح وہ اسکے بَین بَین راستہ اختیار کرتے ہیں۔ اس سوال کا جواب صاف ہے کہ اللہ کے رسول، اللہ کا ضابطۂ حیات لوگوں تک پہنچانے کیلئے مبعوث کئے جاتے تھے جو مکمل شرع سمیت سب کی طرف ایک ہی نازل کیا گیا تھا ۲۲/۱۳ (تفصیل آگے آرہی ہے)۔ لیکن اسکے برعکس:۔

● کہا یہ جاتا ہے کہ ہر رسُول کو اللہ کیطرف سے الگ الگ شریعت دیگئی تھی ہم اپنے رسُول کی شریعت کو مانتے ہیں اور باقی رسولوں کی شریعتوں کا ہمیں انکار ہے۔ وہ الگ الگ اُنکی الگ الگ اُمتوں کیلئے تھیں۔ آیات بالا میں الگ الگ رسولوں کی الگ الگ شریعتوں کے تصوّر کو غلط بتایا گیا ہے، یعنی ہر اُمت کے اپنے رسول کی الگ شریعت کے تصوّر کو باطل قرار دیکر، صرف اپنے رسُول کی شریعت پر ایمان لانے کے بین بین کے راستے کو رسولوں کا انکار بتایا ہے۔ یہ اسلئے کہ اللہ کے سب کے سب رسولوں کو، اللہ کا ایک ہی دین اور دین کی ایک ہی شرع (شریعت) عطا فرمائی گئی تھی:۔

● شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى ۴۲/۱۳ ۔ (ایمان والو!) اللہ نے تمہارے لئے اُسی دین کی شرع کر دی ہے جس کا حکم نوحؑ کو دیا تھا۔ اور (اے رسُول!) اُسی دین کی شرع کر دی ہے جو ہمنے آپکی طرف وحی کیا ہے۔ اور اُسی دین کی شرع کر دی ہے جس کا حکم ہمنے ابراہیمؑ، موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو دیا تھا۔

● پس آیت بالا ۴۲/۱۳ کے مطابق ثابت ہُوا کہ سب کے سب رسُولوں کو دین بھی ایک ہی دیا گیا تھا اور دین کی شرع (شریعت) بھی ایک ہی دیگئی تھی۔ اِسلئے سلسلۂ درس کی آیت بالا ۴/۱۵۰ میں رسولوں کی ایک اکلوتی شریعت کے اِنکار کو خود رسُولوں کا انکار کہا گیا ہے اور سب رسولوں کی ایک شریعت پر ایمان لانے کی بجائے صرف اپنے اپنے رسُول کی شریعت پر ایمان لانے کو اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا کے الفاظ میں بین بین کا راستہ اِسلئے کہا گیا ہے کہ کہا یہ جاتا ہے کہ سابقہ نبیوں کی شریعتیں سب صحیح تھیں لیکن ہمیں اُن سے اِسلئے انکار ہے کہ وہ سابقہ اُمتوں کیلئے تھیں، ہمارے لئے نہیں تھیں۔ چنانچہ سلسلۂ درس کی اگلی آیت میں اِس نظریے کی ضد بیان کر کے مومنوں کی صفت یہ بتائی گئی ہے کہ نہ وہ اللہ اور اُسکے رسولوں کے الگ الگ حکم بتا کر، اُسکے رسولوں میں فرق کرتے ہیں اور نہ اللہ کے رسولوں کی الگ الگ شریعتوں کا تصوّر پیدا کر کے بعض نبیوں کی شریعتوں کے اِنکار کی صورت میں بعض رسولوں کے انکار کے مرتکب ہوتے ہیں:۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَ
اور جو لوگ ایمان لائے ساتھ اللہ کے اور اُسکے رسولوں کے، اور
لَمْ يُفَرِّقُوْا بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰٓئِكَ سَوْفَ
نہیں فرق کرتے بیچ کسی ایک کے اُن میں، وہ لوگ ہیں، ضرور
يُؤْتِيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا
دیا جائیگا اُنکو بدلہ اُنکا۔ اور ہے اللہ معاف کرنیوالا
رَّحِيْمًا ۱۵۲ ع ۲۱/۱
مہربان

اور (اِسکے برعکس)، جو لوگ ایمان لائے ساتھ اللہ کے اور (ایمان لائے ساتھ) اُسکے جملہ رسولوں کے اور وہ نہیں فرق کرتے اُن میں سے کسی ایک میں بھی۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ ضرور ضرور دیا جائیگا اُنہیں اجر اُن کا۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ خطائیں معاف کرنیوالا مہربان ہے۔

بنی اسرائیل کا ایک عجیب و غریب سوال
اُنکے بزرگوں کی عجیب و غریب عہد شکنیاں

● اس سے اگلی آیت مجیدہ میں بنی اسرائیل کا ایک عجیب و غریب سوال اور اُسکا جواب مذکور ہے۔ اور ساتھ ہی متصلہ آیات کریمات میں بنی اسرائیل کے بزرگوں کی عجیب عجیب عہد شکنیوں کی تفصیل اور اُن سے حکومت چھن جانے، اور اُن پر غلامی مسلط ہونے کی وجہ بیان ہوئی ہے:-

يَسْئَلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ
سوال کرتے ہیں تجھ سے اہل کتاب یہ کہ تو نازل کرے اوپر اُن کے
كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰٓى اَكْبَرَ
ایک کتاب طرف سے آسمان کی پس تحقیق سوال کیا موسیٰ سے، زیادہ بڑا
مِنْ ذٰلِكَ فَقَالُوْٓا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْهُمُ
مذکورہ سوال سے پس کہا انہوں نے دکھا ہمکو اللہ ظاہر پس پکڑا اُن کو
الصّٰعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ ۚ ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا
بجلی نے بوجہ ظلم اُنکے کے پھر پکڑا انہوں نے بچھڑا، پیچھے اسکے جو
جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ فَعَفَوْنَا عَنْ ذٰلِكَ ۚ وَ
آئیں اُنکے پاس دلیلیں۔ پھر درگزر کیا ہم نے، اُس سے، اور
اٰتَيْنَا مُوْسٰى سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ۝ ۱۵۳
دیا ہم نے موسیٰ کو غلبہ ظاہر

سوال کرتے ہیں آپ سے (اے رسول! یہودی) اہل کتاب کہ آپ اُن پر آسمان سے کتاب نازل کریں۔ پس (اس سے پہلے ان کے بڑوں نے) بالتحقیق موسیٰ پر اس سے بڑا سوال کیا تھا۔ (جب حضرت موسیٰ کتاب لکھوانے کیلئے ستر آدمیوں کو طور پر لیگئے) تو انہوں نے کہا کہ ہمیں دکھا دیجئے اللہ تعالےٰ ظاہر (کھلا کھلا) پھر اُنکے اس ظلم (غلط سوال) کے بدلے اُنہیں بجلی نے آلیا۔ پھر اُنکے بعد والوں نے واضح دلائل آچکنے کے باوجود بچھڑے کو (معبود) ٹھہرایا۔ (اور اس طرح کھلے شرک کے مرتکب ہوئے، پھر ہمنے اس سے درگزر کیا۔ اور (اُنکے خلاف) ہمنے حضرت موسیٰ کو ظاہر غلبہ عطا فرمایا۔ (یعنی آپ کے سب سے بڑے دشمن فرعون سمیت سب مخالف شکست کھا کر ناکام و نامراد ہوگئے۔

● اس سے اگلی آیت مجیدہ میں بنی اسرائیل سے لئے گئے میثاقِ غلیظ کا ذکر آرہا ہے۔ جسے بنی اسرائیل نے پکا عہد کرنے کے باوجود وفا نہ کیا:-

وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ بِمِيْثَاقِهِمْ وَ
اور بلند کیا ہمنے اوپر اُنکے طور کو، وقت اُنکے پکے عہد کے اور
قُلْنَا لَهُمُ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّ قُلْنَا لَهُمْ
کہا ہمنے واسطے اُنکے داخل ہو دروازہ میں فرمانبردار ہو کر اور کہا ہمنے واسطے اُنکے
لَا تَعْدُوْا فِى السَّبْتِ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا
نہ سرکشی کرو بیچ ہفتے کے، اور لیا ہمنے اُن سے پکا عہد
غَلِيْظًا ۝ ۱۵۴
گاڑھا

اور (وہ وقت بھی قابلِ ذکر ہے کہ جب) ہمنے اُنکے پکے عہد کے وقت، اُن پر طور کو بلند کیا، (یعنی وہ اُسوقت دامن طور میں ایسے مقام پر تھے جہاں طور پہاڑ کی چٹانیں اُنکے اُوپر جھکی ہوئی تھیں) نیز (ایک موقعہ پر) ہمنے اُنہیں کہا کہ (ارض مقدس کی بستی کے دروازے میں فروتنی کیساتھ داخل ہونا۔ اور (ایک موقعہ پر) ہمنے اُنہیں کہا کہ ہفتہ وار اجتماع کے دن کی خلاف ورزی نہ کرنا، اور اُن سے (مذکورہ تمام کاموں کا) پکا گاڑھا عہد لیا۔

● اس سے اگلی آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ بنی اسرائیل کے بزرگوں نے ان تمام وعدوں کو ایک ایک کرکے توڑ دیا اور عذاب کے مستحق ہوگئے۔

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ وَكُفْرِهِمْ
پھر بوجہ توڑنے انکے وعدوں اپنوں کے، اور کفر اپنے کے

بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَقَتْلِهِمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَّ
ساتھ آیتوں اللہ کے، اور قتل کرنے اپنے نبیوں کو ناحق، اور

قَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ۭ بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ
قول انکے ہمارے اذہان لپٹے ہوئے ہیں، بلکہ مہر لگی پائی اللہ نے ان پر بوجہ کفر انکے

فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ ۱۵۵
پھر وہ نہیں ایمان لاتے، مگر تھوڑا

پھر انکے اس پختہ عہد کو توڑ دینے کے باعث، اور انکے اللہ کی آیتوں کا انکار کرنے کی بدولت، اور (موسیٰ کے بعد آنیوالے) اللہ کے نبیوں کی ناحق مخالفت کرنے کی وجہ سے (اللہ تعالیٰ نے ان پر غلامی، ذلت اور رسوائی کا عذاب نازل کیا $\frac{۲}{۵۹}$) پھر انکے اس قول کے باعث کہ ہمارے ذہنوں پر پردہ ہے (ہم پر اثر نہیں ہوگا۔ بات یہ نہیں) بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے ان کے ذہنوں پر انکے انکار کی بدولت عدم تدبر کی مہر لگی ہوئی پائی ہے پس وہ شاذ و نادر ہی ایمان لاتے ہیں۔

وَّبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلٰي مَرْيَمَ بُهْتَانًا
اور بوجہ انکار ان کے اور قول ان کے اوپر مریم کے بہتان

عَظِيْمًا ۝ ۱۵۶
بڑا

نیز انکے (اللہ کی آیتوں کے) انکار کی بدولت اور ان کے قول مریمؑ پر بہتانِ عظیم کی بدولت (ان پر ہمیشہ غلامی کا عذاب نازل فرمایا $\frac{۲}{۵۹}$)۔

● ۱۔ جس بہتان کی یہاں خبر دی گئی ہے۔ اسکی حقیقت یہ ہے کہ عام امتوں کی طرح جب عیسائیوں نے اپنے نبی کی شان بڑھا چڑھا کر بیان کرنا شروع کی اور حضرت مسیحؑ کو کنواری مریمؑ کا جنا ہوا خدا کا بیٹا کہنا شروع کیا تو انکے مقابل قوم یہودیوں نے کہا کہ کنواری نے بغیر ناجائز بچہ جنا تھا۔ یہودیوں کا مریمؑ پر یہ بہتان حضرت مسیحؑ کے بعد کا ہے۔ کیونکہ انہیں انکی زندگی میں خدا کا بیٹا نہیں کہا گیا تھا۔ آپ کی موت کے بعد ہی عیسائیوں نے آپکو کنواری کا جنا ہوا خدا کا بیٹا قرار دیا تھا۔ اور آپ کی موت کے بعد ہی مریمؑ پر یہودیوں نے ناجائز بچہ جننے کا بہتان لگایا تھا۔ پیدائش مسیح کی مکمل بحث پیچھے سورہ آل عمران کی آیت نمبر $\frac{۴۵}{۳}$ کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔ سلسلۂ درس کی اگلی آیت میں یہودیوں کے متعلق مزید ارشاد ہوا ہے۔

وَّقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ
اور انکے قول، بیشک قتل کیا ہم نے مسیح عیسیٰ بیٹے مریم کے،

رَسُوْلَ اللّٰهِ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ
رسول اللہ کو، حالانکہ نہیں قتل کیا اسکو، اور نہیں صلیب دی اسکو

وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ۭ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ
ولیکن مشکل ہوگیا واسطے انکے اور بیشک جو لوگ اختلاف کرتے ہیں بیچ اسکے

اور بوجہ انکے اس قول کے کہ بلاشبہ ہم نے مریمؑ کے بیٹے مسیح عیسیٰؑ اللہ کا رسول (ہونے کے مدعی) کو قتل کر دیا ہے (ان پر عذاب نازل ہوا) حالانکہ انہوں نے نہ اسے قتل ہی کیا تھا اور نہ انہوں نے اسے صلیب دی تھی۔

ولیکن (اپنے اس ارادے کو پورا کرنا) انکے لئے مشکل ہوگیا تھا۔ اور بیشک جو لوگ اسکے بارے میں اختلاف کرتے ہیں ۲۔ بیشک وہ

لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ؕ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ
البتہ بیچ شک کے ہیں متعلق اسکے نہیں واسطے انکے متعلق اسکے کوئی علم

اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ۱۵۷
سوائے پیروی گمان کے اور قتل کیا اسے یقیناً

بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا ۳
بلکہ اٹھا لیا اسے اللہ نے طرف اپنی اور ہے اللہ غالب

حَكِيْمًا ۱۵۸
حکمت والا

اِنکے متعلق شک میں ہیں (وہ حقیقت حال سے بے خبر ہیں)۔ انہیں اِنکے متعلق کوئی علم نہیں ہے۔

سوائے پیروی ظن گمان کے۔ حقیقت یہ ہے کہ اُنہوں نے یقیناً اُسے قتل نہیں کیا تھا۔

بلکہ اللہ نے اُسے اپنی طرف اُٹھا لیا (یعنی ہجرت کروا کر بلند کر دیا غالب کر دیا۔ اُسکے دشمن مغلوب ہو گئے) حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ غلبہ عطا کرنیوالا حکمت والا ہے۔ [۳]

● [۱] شُبِّهَ لَهُمْ کا معنی لکھا گیا ہے مُشکل ہو گیا اُنکے لئے۔ شُبِّهَ مجہول کا صیغہ ہے باب تفعیل اور مادہ ش۔ب۔ہ = شبہ سے۔ اِس مادہ کا معنی مشکل ہونا بھی ہے۔ ثبوت کیلئے دیکھئے المنجد مطبوعہ دارالاشاعت کراچی کا صفحہ ۵۱۷ کالم ۲ سطر ۱۹،۲۰ "شُبِّهَ الشَّیُٔ مشکل ہونا"۔

● [۲] صلیب کے مسئلہ میں اختلاف یہ ہے کہ یہودی کہتے ہیں، ہمنے مسیح کو صلیب دیکر لعنتی موت مار دیا ہے۔ اسلئے لعنتی موت مرنیوالا نبی نہیں ہو سکتا۔ لیکن عیسائی کہتے ہیں کہ مسیح لعنتی موت نہیں مرے بلکہ وہ ہمارے گناہوں کے بدلے مصلوب تو ہوئے، مگر تیسرے دن زندہ ہو کر اپنے باپ۔ خدا کے پہلو میں جا بیٹھے۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں کے قول کو غلط قرار دیکر پہلے تو عقیدۂ قتل و صلیب کا بطلان کیا ہے مَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ۔ اور پھر دونوں گروہوں کو بے خبر قرار دیکر اعلان کر دیا ہے کہ وہ محض ظن و گمان کی پیروی کرتے ہیں۔

● [۳] بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ کا معنی لکھا گیا ہے:۔ بلکہ اللہ نے انہیں اپنی طرف اٹھا لیا (یعنی ہجرت کروا کر بلند کر دیا، غالب کر دیا)۔ رَفَعَ اِلَيْهِ کا معنی آسمان کیطرف اٹھا لینا اُسوقت صحیح ہو سکتا ہے، جب اللہ تعالیٰ کو کسی آسمان پر مقیم مانا جائے، چونکہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ حاضر و موجود ہے اسلئے آسمان کیطرف اٹھا لینے کا معنی غلط ہے۔ قرآن کریم میں اللہ کیطرف یا رب کیطرف کی اصطلاح انبیاء کی ہجرت کیلئے بھی آئی ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے ہجرت کرتے وقت ارشاد فرمایا۔ اِنِّيْ ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّيْ ۳۷/۹۹ بیشک میں اپنے رب کی طرف جا رہا ہوں۔ تو کیا حضرت ابراہیمؑ آسمان پر چڑھ گئے تھے؟

● پھر حضرت ادریسؑ کیلئے بھی رفع کا لفظ آیا ہے:۔ وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ۱۹/۵۷، کیا ان لفظوں کا یہی معنی ہے کہ ہم نے ادریسؑ کو اونچے مکان پر آسمان کیطرف اٹھایا؟ واضح رہے کہ انبیاء کیلئے رفع کا لفظ اصطلاحاً ہجرت کے ذریعہ بلند کرنے کیلئے آتا ہے۔ اور اس سے نبی رسولوں کی فتح مراد ہوتی ہے۔ انبیاء کیلئے ایسے وقت پر ہجرت لازم ہو جاتی ہے جب قوم کیطرف سے انکے قتل کے منصوبے تیار کئے جا رہے ہوں:۔

ہجرتِ ابراہیمؑ

● جب حضرت ابراہیمؑ کے متعلق انکی قوم نے فیصلہ کیا:۔ قَالُوا ابْنُوْا لَهٗ بُنْيَانًا فَاَلْقُوْهُ فِي الْجَحِيْمِ ۳۷/۹۷ انہوں نے کہا اس (ابراہیمؑ) کیلئے ایک مکان بناؤ اور اسے آگ میں ڈالدو، مگر ہمنے انہیں (ناکام کر کے) ذلیل کر دیا۔

یعنی وہ ارادہ ہی کرتے رہگئے اور حضرت ابراہیمؑ یہ کہکر ہجرت فرما گئے :۔ فَقَالَ اِنِّيْ ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ ○ ۳۷/۹۹: آپنے فرمایا کہ بیشک میں اپنے رب کیطرف جارہا ہوں۔ وہ ضرور میری رہنمائی کریگا۔۔۔ اور آپ اللہ کیطرف چلے گئے۔ یعنی قوم سے ہجرت فرماگئے۔ قوم کے مقابلے پر فتحیاب ہوئے۔

حضرت موسیٰؑ کی ہجرت

• حضرت موسیٰؑ نے بھی ہجرت فرمائی اور آپکی ہجرت ہی آپکی کامیابی کا زینہ بنی۔ فرعون نے اُن کا پیچھا کیا مگر وہ غرق ہوگیا اور حضرت موسیٰؑ فتحیاب ہوئے۔

آنحضورؐ نبی اکرمؐ کی ہجرت

• اسیطرح جب آنحضورؐ کیلئے آپکی قوم نے فیصلہ:-
وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ ۸/۳۰ = اور (اے رسولؐ!) وہ وقت قابلِ ذکر ہے کہ جن لوگوں نے (قرآنی ضابطے) کا انکار کیا، جب اُنہوں نے آپکے متعلق تجویز کیا کہ آپکو عمر قید کر دیا جائے، یا آپکو قتل کر دیا جائے اور یا آپکو جلا وطن کر دیا جائے۔۔ اِس پر خبر دیگئی ہے:۔ وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ○ ۸/۳۰ = اُس وقت حالت یہ تھی کہ اُنہوں نے بھی تجویز کی اور اللہ نے بھی تجویز کی۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تجویز کرنیوالوں میں سے بہتر تجویز کرنیوالا ہے۔ (مکّہ والے آپکے متعلق تجویزیں کرتے رہگئے اور آنحضورؐ ہجرت فرما کر مدینہ منوّرہ پہنچ گئے۔ حضرت ابراہیمؑ کی کامیابی کا راز بھی ہجرت میں تھا۔ اور آنحضورؐ کی کامیابی بھی ہجرت ہی میں مضمر تھی۔ مکّہ والوں نے فرعون کی سُنّت ادا کی۔ آپکا پیچھا کرکے باربار حملہ آور ہوتے رہے۔ بالآخر انہیں شکست فاش ہوئی! اور آنحضورؐ فتحیاب ہوگئے۔

حضرت مسیحؑ کی ہجرت

• اِسیطرح حضرت مسیحؑ کی عظیم الشان فتح کا راز بھی آپکی ہجرت میں مضمر تھا۔ جسکی خبر بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اٰیۃ کے الفاظ میں دیگئی ہے کہ مخالفوں کیلئے قتل وصلیب کے منصوبے کو پورا کرنا مشکل ہوگیا وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ۔ ہم نے انہیں اپنی طرف اُٹھالیا۔ جسطرح قوم کے ارادۂ قتل کے وقت حضرتِ ابراہیمؑ اللہ کیطرف چلے گئے (یعنی ہجرت کرگئے) اِسیطرح قوم کے ارادۂ قتل وصلیب کے وقت حضرتِ مسیحؑ اللہ کیطرف چلے گئے ہجرت کرکے کامیاب ہوگئے اور ربوہ کو اپنا صدر مقام قرار دیا ۲۳/۵۰۔ دشمن نے فرعون کی سُنّت ادا کرکے پیچھا کیا۔ آپ پر حملہ آور ہوئے مگر شکست کھائی۔ آپکی مکمل فتح اور کافروں کی مکمل شکست کی خبر سورہ صف میں باندازِ ذیل دیگئی ہے:۔

• يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيّٖنَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ فَاٰمَنَتْ طَّاۗىِٕفَةٌ مِّنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ وَكَفَرَتْ طَّاۗىِٕفَةٌ ۚ فَاَيَّدْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلٰي عَدُوِّهِمْ فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِيْنَ ○ ۶۱/۱۴ = اے ایمان والو! (اے صحابہ رسولؐ!) دین اللہ کے اسطرح مددگار بن جاؤ جیسے کہ عیسیٰؑ بن مریمؑ نے اپنے صحابہ سے کہا تھا کہ کون ہے میرا مددگار اللہ (کے دین) کیلئے۔ آپکے صحابہ نے کہا ہم اللہ (کے دین) کے مددگار ہیں۔ پس ہوا یہ کہ بنی اسرائیل میں سے ایک گروہ آپ پر ایمان لایا اور ایک گروہ نے انکار کردیا۔ پھر ہم نے دشمنوں کے مقابلے پر ایمان والوں کی مدد کی اور وہ ان پر غالب آئے۔ (آپکے دشمن شکست یاب اور آپ فتحیاب ہوگئے۔ پھر کیا ہوا؟

ظفرمند و ظفریاب مسیح ابن مریم نے نظامِ ربوبیت کی اساس پر حکومتِ الٰہیہ خلافت علیٰ منہاج النبوۃ قائم کی۔ سلٰمٌ عَلَی الْمَسِیْحِ

حضرت مسیح کے متعلق روایاتی تصوّر

• اب غور فرمائیں کہ جب آیتِ بالا ۱۴/۹۱ سے حضرت مسیح کی مکمل ظفرمندی اور عظیم فتح بصورتِ نصف النہار ثابت ہے تو پھر کسطرح باور کیا جا سکتا ہے کہ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیْهِ کی روائتی تفسیر کے مطابق دشمنوں نے حضرت مسیح کو صلیب دینے کیلئے قید کر لیا۔ مگر اللہ نے اس بےگناہ کی بجائے کسی اور بےگناہ کو آپکی شکل میں تبدیل کر کے سُولی پر چڑھوا دیا تھا۔ اور حضرت کو آسمان پر اُٹھا لیا تھا۔ پھر اگر آپ کو صلیب سے بچانے کیلئے آسمان پر اُٹھایا جانا صحیح مان لیا جائے تو پھر ۱۴/۹۱ میں جو دشمنوں کے مقابلے پر حضرت مسیح کی عظیم الشان فتح کی خبر دی گئی ہے، دشمنوں کیساتھ یہ لڑائی کب ہوئی تھی؟ اور آپنے یہ عظیم الشان فتح کب پائی تھی؟ اور یا یہ کہ کیا اللہ تعالیٰ نے آپکی فتح کی ۱۴/۹۱ کی غلط خبر نازل کر دی ہے؟ العیاذ باللہ!

• سلسلۂ درس کی اس سے اگلی آیت مجیدہ میں واضح کیا گیا ہے کہ اگرچہ مسیح کی طرف منسوب کردہ افسانۂ صلیب کی حقیقت کا نام و نشان تک موجود نہیں۔ لیکن نصاریٰ کی حالت یہ ہے کہ ان میں کا ایک ایک فرد موت سے پہلے مسیح کے مصلوب ہونے پر ضرور ایمان لاتا ہے اور لاتا رہیگا۔ اور اُدھر مشاہدہ بھی گواہ ہے کہ عیسائیوں کے ہاں یہ مستقل دستور ہے کہ ہر عیسائی کی موت کے وقت اُنکا پادری خود آ کر مرنیوالے سے صلیب کے کفارہ پر تجدیدِ ایمان کراتا ہے۔ اور عیسائیوں نے اس غلط محض اور منگھڑت واقعۂ صلیب کو پوری قوم کی بخشش کا ذریعہ قرار دے رکھا ہے۔ حالانکہ اگلی آیت مجیدہ میں یہ بھی بتا دیا گیا ہے کہ قیامت کے دن حضرت مسیح اِن کے خلاف شہادت دینگے کہ میں نے انہیں ایسے عقائد کی تعلیم نہیں دی تھی۔ بلکہ اِن لوگوں نے تثلیث، ابن اللہ اور کفارہ صلیب وغیرہ کے عقائد خود گھڑ لئے تھے۔ چنانچہ ارشاد ہوا ہے:۔

وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ
اور نہیں کوئی میں سے اہلِ کتاب کے۔ مگر ضرور ایمان لائیگا

بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ
ساتھ اسکے، پہلے موت اپنی کے اور دن قیامت کے ہوگا وہ

عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا ۚ ۱۵۹
اوپر اُن کے گواہ

اور یہ اہلِ کتاب (عیسائی جنہوں نے مسیح کو مصلوب مان رکھا ہے، یہ اس مقام پر پہنچ چکے ہیں کہ) انکا ہر ایک شخص اپنی موت سے پہلے ضرور، ضرور اُس کیساتھ (یعنی مسیح کے مصلوب ہونے پر) ایمان لایا کریگا۔ حالانکہ قیامت کے دن وہ (مسیح) اُن پر گواہ ہوگا۔ (انکے خلاف گواہی دیگا کہ میں نے انہیں ان مشرکانہ عقائد کی تعلیم نہیں دی تھی) ؎۱

مسیح سے متعلقہ عیسائیوں کے الگ الگ اعتقادات کے متعلق قرآنی فیصلے

• ؎۱ حضرت مسیح کو عیسائیوں نے متعدد انداز کیساتھ اپنے گناہوں کا کفارہ قرار دے رکھا ہے۔ ان میں سے سرِفہرست ہے حضرت مسیح کا مصلوب ہو کر تیسرے دن زندہ ہو جانا۔ دوسرا یہ ہے کہ بعض عیسائیوں نے حضرت مسیح کو عین اللہ مان رکھا ہے اور تیسرا یہ ہے کہ بعض نے اُنہیں اللہ کا بیٹا ٹھہرایا اور باپ بیٹا روح القدس یا باپ بیٹا اور مریم

کی تثلیث کو توحید قرار دے رکھا ہے۔ اِن ہر سہ باطل عقائد میں سے اوّلین عقیدۂ صلیب کا بطلان تو آپ آیات بالا ۴/۱۵۷-۱۵۸ میں اُوپر ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ دُوسرے اور تیسرے عقیدہ کے بطلان کا اعلان ذیل میں بالترتیب ۵/۷۲ اور ۵/۷۳ میں ملاحظہ فرمائیں:۔

• ۵/۷۲ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ؕ وَقَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ۵/۷۲ = بیشک کُفر کیا اُن لوگوں نے، جنہوں نے کہا کہ اللہ مسیحؑ ابن مریمؑ ہی ہے۔ حالانکہ خود مسیحؑ نے کہا تھا کہ اے بنی اسرائیل، تم صرف اللہ کی فرمانبرداری کرو۔ صرف اُسی کو الٰہ مانو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے۔

• ۵/۷۳ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ ۵/۷۳ = بیشک کُفر کیا اُن لوگوں نے، جنہوں نے کہا کہ اللہ تین الٰہوں (باپ بیٹا روح القدس یا باپ بیٹا اور مریمؑ) میں کا تیسرا ہے۔ حالانکہ الٰہِ واحد کے سوا اور کوئی اِلٰہ دنیا میں موجود ہی نہیں — یہ ہے عیسائی حضرات کے ہر سہ عقائد کا بطلان۔ اب ملاحظہ فرمائیں حضرت مسیحؑ کی وہ گواہی جس کی خبر سلسلۂ درس کی آیت بالا ۴/۱۵۹ میں دیگئی ہے کہ حضرت مسیحؑ قیامت کے دِن عیسائی حضرات کے خلاف گواہی دینگے۔ قرآن کریم نے اسے ۵/۱۱۶-۱۱۷ میں ایک مکالمے کی صورت میں پیش کیا ہے۔ دیکھئے ارشادِ باری ہے:۔

• وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ ۵/۱۱۶

= اور وہ وقت قابلِ ذکر ہے جب اللہ تعالیٰ (قیامت کے دِن) کہیگا۔ اے مریمؑ کے بیٹے عیسیٰؑ! کیا تُو نے لوگوں کو کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کیساتھ دو الٰہ اور ٹھہرا لو — حضرت مسیحؑ جواباً عرض کرینگے:۔

• قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ ۗ بِحَقٍّ ؕ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ؕ تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ۵/۱۱۶ مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِيْ بِهٖٓ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ۚ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ ۚ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ ؕ وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۵/۱۱۷

(مفہوم) حضرت مسیحؑ جواباً عرض کرینگے کہ (اے اللہ) تُو پاک ہے (ہر قسم کے عیوب سے اور لوگوں کے ٹھہرائے ہوئے تمام شریکوں سے) میرے لئے یہ لائق نہ تھا کہ میں وہ بات کہتا جس کا مجھے حق نہیں۔ اگر میں نے کوئی ایسی بات کہی تھی تو تُو خود جانتا ہے۔ جو کچھ میرے جی میں ہے تُو اُسے جانتا ہے۔ جو کچھ تیرے جی میں ہے میں اُسے نہیں جانتا۔ بیشک تُو ہر قسم کی پوشیدگیوں کو بہت بڑھکر، اور خُوب خُوب جاننے والا ہے۔

مَیں نے اُنہیں وہی بات کہی تھی، جس کا تُو نے مجھے حکم دیا تھا یعنی یہ کہ (صرف اور صرف اللہ ہی کو الٰہ مانو، اور) اللہ ہی کی فرمانبرداری کرو، جو تمہارا بھی رب ہے اور میرا بھی رب ہے۔ میں جبتک اُن میں رہا تو میں اُن پر گواہ تھا۔ مگر جب تُو نے مجھے فوت کر دیا۔ تو اِسکے بعد تُو اِن کا نگران تھا۔ (چاہیئے تو یہ تھا کہ یہ لوگ تجھے ایک مانتے اور تیرے ساتھ دو الٰہ اور نہ ٹھہراتے) حقیقت یہ ہے کہ تُو ہر چیز کا خود بڑھکر گواہ ہے۔

حاصل کلام

• آیاتِ بالا ۴/ ۱۵۷-۱۵۸ میں آپ دیکھ چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نصاریٰ کے عقیدۂ صلیب وکفارہ کی تردید اسطرح کی ہے کہ حضرت مسیحؑ نہ قتل ہوئے تھے اور نہ صلیب دیئے گئے تھے ، اسلئے گناہوں کے کفارہ کا تصور از خود باطل ہو چکا پھر آیت مجیدہ ۵/۷۲ میں مسیحؑ کے متعلق عین اللہ ہونے کی تردید کر دیگئی ہے اور ۵/۷۳ میں باپ بیٹا روح القدس یا باپ بیٹا اور کنواری مریم کی تثلیث کے عقیدے کا بطلان کر کے اُسے کفر قرار دیدیا گیا ہے۔ اور آیات مجیدہ ۵/۱۱۶-۱۱۷ میں قیامت کی باز پرس کی خبر اسطرح دیگئی ہے کہ حضرت مسیحؑ جنہیں نصاریٰ نے اپنے گناہوں کا کفارہ قرار دے رکھا ہے۔ وہ اُنکے گناہوں کا کفارہ بننے کی بجائے اُلٹا اُنکی مخالفت کرینگے ، اور اُنکے عقیدۂ تثلیث کی تردید کرتے ہوئے یہ ارشاد فرمائینگے کہ میں نے اِن کو تین خداؤں کی تعلیم نہیں دی تھی۔

فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي کی بحث

• آگے بڑھنے سے پہلے آیت مجیدہ مندرجہ بالا ۵/۱۱۷ کے جلی اور خط کشیدہ الفاظ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي پر روشنی ڈالنا ضروری ہے کہ اسکا سیدھا سادہ معنی یہ ہے کہ "جب تو نے مجھے فوت کر دیا"۔ بنز انہی معنوں کی خود بخاری شریف مترجم مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی کی جلد دوم صفحہ ۸۷ ، پر باب ۴۳ ، "قَوْلِهِ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَادُمْتُ فِيهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتَ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ وَأَنْتَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ" کا الگ باب باندھا گیا ہے جسمیں حضرت ابن عباسؓ سے روایت درج ہے۔ جس کے اردو ترجمہ کے خود بخاری شریف کے آیت بالا سے متعلقہ عنوان میں آنحضورؐ کا قول صفحہ ۹۰ ، پر بالفاظ ذیل درج ہے کہ قیامت کے دن ایسا ہوگا کہ۔

• پھر چند آدمی میری اُمت کے لائے جائینگے اور فرشتے اُنکو دوزخ کیطرف لے چلینگے تو میں عرض کرونگا کہ اے رب یہ تو میرے صحابی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائیگا ہاں ، مگر تم کو معلوم نہیں کہ اُنہوں نے تمہارے بعد کیا کام کیئے۔ اُسوقت میں حضرت عیسیٰ کیطرح عرض کرونگا کہ كُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَادُمْتُ فِيهِمْ آخر آیت تک۔ (یعنی فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتَ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ وَأَنْتَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ تک)

• دیکھئے البخاری شریف کے اس اقتباس سے فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتَ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ کا معنی صاف عیاں ہو رہا ہے کہ آنحضورؐ عرض کرینگے کہ بارِ الٰہا جب تُو نے مجھے فوت کر دیا تو اُسکے بعد تو اِن کا نگران تھا ____ لیکن افسوس ہے کہ جب یہی جملہ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي حضرت مسیحؑ کے متعلق قرآن مجید ۵/۱۱۷ میں آیا ہے تو وہاں اسکا معنی جب تُو نے مجھے فوت کر دیا کی بجائے یہ لیا جاتا ہے کہ جب تُو نے مجھے آسمان پر اُٹھا لیا۔ ظاہر ہے کہ ایک ہی جملہ جو ایک ہی مقصد کے اظہار کیلئے الگ الگ دو جگہ پر استعمال ہوا ہے تو اُس کا ایک ہی معنی لیا جانا ضروری ہے۔ یعنی اگر حضرت مسیحؑ کیلئے اِسکا معنی آسمان پر اُٹھا نا لیا جائے تو آنحضورؐ کیلئے بھی یہی معنی لیا جانا چاہیئے کہ جب تُو نے مجھے آسمان پر اُٹھا لیا۔ اور اگر اسکا معنی آنحضورؐ کیلئے یہ لیا جائے کہ جب تُو نے مجھے فوت کر دیا تو حضرت مسیحؑ کے لئے بھی یہ معنی لیا جانا ضروری ہے کہ آپ قیامت کو عرض کرینگے کہ بارِ الٰہا! جب تُو نے مجھے فوت کر دیا تو پھر تُو اِنکا نگران تھا۔ مجھے کوئی معلوم نہیں کہ اِن لوگوں نے مجھے اور میری ماں کو تیرے ساتھ دو اِلٰہ اور ٹھہرا لیئے تھے۔

• واضح رہے کہ تَوَفَّيْتَنِي کا سہ حرفی مادہ ہے و۔ف۔ی = وفی ، جس کا بنیادی معنی ہے پُورا کرنا ، مکمل کرنا۔ قرآن کریم میں آیا ہے

• اَوۡفُوۡا بِعَهۡدِىۡۤ ۲/۴۰ : پورا کرو میرا عہد • اَوۡفُوۡا بِالۡعُقُوۡدِ ۵/۱ : پورے کرو وعدوں کو
• فَاَوۡفِ لَنَا الۡكَيۡلَ ۱۲/۸۸ : پورا کر ہمارے لئے پیمانہ • وَاِبۡرٰهِيۡمَ الَّذِىۡ وَفّٰٓى ۵۳/۳۷ : اور ابراہیم جس نے پورا کیا (عہد اپنا)

یہ مادہ قرآن کریم میں موت کے معنوں میں بالفاظ ذیل آیا ہے :-

• يَتَوَفّٰهُنَّ الۡمَوۡتُ ۴/۱۵ : پورا کر دے انہیں موت • وَالَّذِيۡنَ يُتَوَفَّوۡنَ مِنۡكُمۡ ۲/۲۳۴ : اور وہ لوگ جو تم میں سے مر جائیں۔
• اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الۡاَنۡفُسَ حِيۡنَ مَوۡتِهَا ۳۹/۴۲ : اللہ تعالیٰ موت کے وقت ہر شخص کو پورا کر دیتا ہے، فوت کر دیتا ہے۔

نیز یہ مادہ پورا بدلہ دینے کے معنوں میں بھی قرآن کریم میں بالفاظ ذیل آیا ہے :-

• لِيُوَفِّيَهُمۡ ۳۵/۳۰ : تاکہ وہ پورا پورا اجر دیئے جائیں • فَيُوَفِّيۡهِمۡ اُجُوۡرَهُمۡ ۳/۵۷ : پھر وہ انہیں انکے پورے پورے اجر عطا کریگا۔
• لَيُوَفِّيَنَّهُمۡ رَبُّكَ اَعۡمَالَهُمۡ ۱۱/۱۱۱ : البتہ ضرور دیگا تیرا رب انہیں انکے اعمال کا پورا پورا بدلہ۔

المختصر • مادہ وَفّٰى، آسمان پر اُٹھائے جانے کے معنوں میں قرآن حمید میں کہیں نہیں آیا۔ اور نہ اسکے بنیادی معنوں میں آسمان پر اُٹھائے جانے کا تصور موجود ہے۔ حضرت مسیح کیلئے فَلَمَّا تَوَفَّيۡتَنِىۡ کے الفاظ اسیطرح آپ کی وفات کے معنوں میں آئے ہیں، جسطرح بخاری شریف میں یہی فَلَمَّا تَوَفَّيۡتَنِىۡ کے الفاظ آنحضور کیلئے موت کے معنوں میں آئے ہیں۔ موت کے وقت انسان دنیوی زندگی کے لحاظ سے پورا ہو جاتا ہے۔ اسلئے اُسکے لئے فوت ہونے مر جانے کیلئے يَتَوَفّٰهُنَّ الۡمَوۡتُ ۴/۱۵ اور وَالَّذِيۡنَ يُتَوَفَّوۡنَ مِنۡكُمۡ ۲/۲۳۴ کے الفاظ آئے ہیں، یعنی جو لوگ تم میں سے پورے ہو جائیں، جنہیں موت پورا کر دے۔ موت انسانی زندگی کی آخری منزل ہے۔ اسلئے اُسکے لئے مادہ وفی استعمال ہوتا ہے کہ وہ پورا ہو گیا۔ لیکن آسمان پر اٹھایا جانا انسانی زندگی کی بھی نہ آخری نہ درمیانی کوئی بھی منزل نہیں، اور نہ کسی نبی رسول کی نبوت و رسالت کی کوئی بھی منزل ہے آسمان پر اٹھایا جانا۔ اسلئے فَلَمَّا تَوَفَّيۡتَنِىۡ کا یہ معنی کہ پھر جب تو نے مجھے آسمان پر اٹھا لیا، لغت عرب قرآنی لغت اور مادہ و۔ف۔ی کے بنیادی معنوں، ہر سہ کی رو سے مطلقاً غلط ہے۔ حضرت مسیح سلام علیہ جملہ انبیاء کیطرح كُلُّ نَفۡسٍ ذَآئِقَةُ الۡمَوۡتِ کے زمرہ میں داخل ہو چکے ہیں اور اب آپ قیامت ہی کو اُٹھائے جائینگے (سلام علی مسیح)

رجوع الی المطلب • اب ہم اپنے قارئین کرام کو سلسلۂ درس کی اگلی آیات کریمات کیطرف دوبارہ لے جانے کیلئے یاد کراتے ہیں کہ آیت نمبر ۱۵۳ سے اہل کتاب یہودیوں کا ذکر چل رہا ہے، اور انکی بدعنوانیوں اور سرکشیوں کی فہرست بتائی جا رہی ہے۔ چنانچہ اگلی آیت مجیدہ ۴/۱۶۰ میں بتایا جا رہا ہے کہ یہود نے بعض ایسی چیزوں کو از خود اپنے اوپر علماء سوء کے کہنے پر حرام کر لیا ہوا تھا، جو اُس ضابطۂ خداوندی میں بھی جو اُنکی طرف تورات کی صورت میں نازل ہوا، اور سابقہ جملہ کتب سماوی میں بھی حلال تھیں :-

فَبِظُلۡمٍ مِّنَ الَّذِيۡنَ هَادُوۡا حَرَّمۡنَا [1]

پھر بوجہ ظلم کے، اُن لوگوں کے، جو یہودی ہوئے حرام پائیں ہم نے

• پس وہ لوگ جو یہودی کہلائے، اُنکے اپنے ظلم (یعنی مسئلہ حلت و حرمت کے متعلق غلط اعتقاد) کی بدولت ہم نے ان پاکیزہ

عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ
اُوپر انکے، پاکیزہ چیزیں جو حلال کیگئی تھیں واسطے انکے اور بوجہ روکنے انکے
عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْرًا ۙ ۱۶۰
سے راستے اللہ کے زیادہ

چیزوں کو اُن کیلئے خود حرام کیا ہوا پایا جو انکے لئے حلال کیگئی تھیں۔ اور اس سبب سے کہ وہ (لوگوں کو) اللہ کی راہ سے بہت زیادہ روکتے تھے (اُن پر ذلت کا عذاب نازل ہوا)

• علہ حَرَّمْنَا باب تفعیل سے ہے، جس کا ایک معنیٰ اس مادہ کے خاصہ وجدان کے مطابق کسی میں کسی چیز کا پایا جانا بھی ہے۔ اس لئے اسکا معنیٰ لکھا گیا ہے کہ ہم نے انکے لئے حرام کیا ہُوا پایا اُن طیبات کو جو انکے لئے ضابطۂ خداوندی میں حلال کیگئی تھیں۔ اگر فَبِظُلْمٍ... حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ کا یہ مفہوم لیا جائے کہ یہودیوں کے ظلم و تعدی کی بدولت اللہ تعالیٰ نے اُن کیلئے بعض طیبات حرام کردی تھیں تو لازماً ایسا کیا جانا حضرت موسیٰؑ کی زندگی میں متصوّر ہوسکتا ہے۔ کیونکہ اللہ کی وحی اللہ کے نبیؑ ہی پر آتی ہے۔ غیر نبی پر نہیں آتی۔ لیکن یہ امر ممکن ہی نہیں کہ حضرتؑ کی زندگی میں ساری کی ساری اُمت سرکش ہوگئی ہو۔ جیسے کہ بنی اسرائیل اہلِ کتاب کے متعلق قرآن کریم $\frac{3}{113}$ + $\frac{5}{83}$ + $\frac{28}{52}$ میں بتایا گیا ہے کہ صحیح دین پر قائم اہلِ کتاب زمانۂ رسالتِ محمدیؐ تک موجود تھے۔ تو اسطرح جب زمانۂ موسوی میں سارے بنی اسرائیل کا نافرمان ہوجانا قرآن کریم کی رُو سے مطلقاً غلط ہے تو پھر مذکورہ نظریہ کے مطابق طیبات کو صرف سرکشوں کیلئے حرام کیا جانا صحیح ہوسکتا تھا۔ اُن فرمانبرداروں کیلئے طیبات کا حرام کرنا ظلمِ عظیم ہے جو زمانۂ رسالتِ موسوی سے لیکر زمانۂ رسالتِ محمدیؐ کے طویل عرصہ میں ناکردہ گناہ کے بدلے سزایاب رہے۔ اور ایسا ظلمِ عظیم اللہ تعالیٰ کیطرف منسوب کیا ہی نہیں جاسکتا۔ پس حقیقت وہی ہے جو اوپر لکھی گئی ہے کہ حضرت موسیٰؑ کے بعد علماءِ بنی اسرائیل نے غلط تفقہ کے ذریعہ مسئلہ حلت و حرمت میں بیجا مداخلت کرکے بعض طیبات کو یہودیوں کیلئے حرام کردیا۔

یہودیوں کی حرام کردہ چیزوں کی تفصیل

• یہودیوں کے علماء نے اپنی غلط تفقہ کی بدولت جو چیزیں حرام ٹھہرائیں اُن کی تفصیل اللہ تعالیٰ نے سورہ انعام میں بالفاظ ذیل پیش فرمائی ہے۔ اور ساتھ ہی یہ بھی فیصلہ دیدیا گیا ہے کہ یہ چیزیں اُن کے اُن علماء نے حرام ٹھہرائی تھیں جو انسان کے ہر اچھے بُرے فعل کو اللہ تعالیٰ ہی کا فعل قرار دیتے ہیں۔ دیکھئے! ارشاد باری ہے:۔

• وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ ۚ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهُمَآ اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَآ اَوِ الْحَوَايَآ اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ۭ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ ڮ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ۝ $\frac{6}{146}$ ۔

اور اُن لوگوں پر جو یہودی ہُوئے ہم نے ہر ناخن والا جانور حرام پایا۔ اور گائے اور بکری میں سے ہمنے اُن پر اِن کی چربی حرام پائی، سوائے اُسکے جو اُنکی پیٹھوں یا انتڑیوں نے اُٹھائی ہُوئی ہو۔ اور یا ہڈیوں کیساتھ لگی ہوئی ہو۔ یہ سزا ہم نے اُنہیں اُنکی اپنی بغاوت (غلط تفقہ) کی بدولت پائی تھی۔ اور بلاشبہ ہم سچے ہیں (ہم کسی پر طیبات کو ہرگز حرام نہیں کرتے)۔

• اِس سے آگے آیت نمبر $\frac{6}{148}$ میں بالفاظ ذیل فیصلہ دیدیا ہے کہ یہ چیزیں خود اُنہوں نے حرام ٹھہرائی تھیں ہم نے حرام نہیں کی تھیں:۔

• سَيَقُولُ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَشْرَكْنَا وَلَا آبَاؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِن شَيْءٍ ۚ كَذَٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ حَتَّىٰ ذَاقُوا بَأْسَنَا ۗ قُلْ هَلْ عِندَكُم مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوهُ لَنَا ۖ إِن تَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ أَنتُمْ إِلَّا تَخْرُصُونَ ۝ ۶/۱۴۸

(مفہوم) جن لوگوں نے (اللہ کے حلال کو حرام ٹھہرانے کا) شرک کیا ہے، (اے رسول!) وہ ضرور کہیں گے کہ اگر اللہ چاہتا تو نہ ہم شرک کرتے، اور نہ ہمارے آباؤ اجداد شرک کرتے۔ اور نہ ہی ہم (طیبات میں سے) کوئی چیز حرام کرتے۔ اسیطرح ان سے پہلے لوگوں نے بھی (ہمارے ضابطے کو) جھٹلایا تھا۔ (ہماری طیبات کو خود حرام کر کے اُسے ہماری مشیت قرار دیا تھا) یہانتک کہ انہوں نے ہمارے عذاب کا مزہ چکھا۔ (اے رسول! آپ اُن سے) کہیگا کہ اگر تمہارے پاس کوئی علم (کی دلیل) ہے تو اُسے ہمارے لئے نکال کر لاؤ۔ (لیکن تم علم الہٰی، کسی آسمانی کتاب کی دلیل ہرگز نہیں لاسکتے، کیونکہ) تم نہیں پیروی کرتے مگر صرف ظن و گمان کی (تمہارے پاس روایات کا ظنی علم ہے) اور نہیں ہو تم مگر اٹکل پچو باتیں کرتے ہو۔

دیکھا آپنے کہ • آیات بالا سے کسطرح کھل کر عیاں ہو چکا ہے کہ مذکورہ ۸ طیبات کو یہودیوں نے روایات کے ظنی اور اٹکل پچو علم کیساتھ علماءِ سُوء کے کہنے پر از خود حرام کر رکھا تھا۔ اللہ نے حرام نہیں کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اُن پر نہیں خود اُنکی طرف سے حرام کیا ہوا پایا۔ اور وہ اپنے خود حرام قرار دادہ پر مُصر تھے کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت ہی یہی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے آنحضورؐ کی معرفت انہیں چیلنج دوبا کہ اگر تمہارے پاس یقینی علم (کوئی دلیل قطعی) ہے تو نکال کر لاؤ۔ مگر وہ نہ لا سکے جس پر اللہ تعالیٰ نے اُن پر إِن تَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ أَنتُمْ إِلَّا تَخْرُصُونَ ۝ ۶/۱۴۸ کا فتویٰ لگا دیا ہے کہ تمہارے پاس اس حرام دادہ کی کوئی علمی دلیل نہیں۔ تم ظنی علم (روایات) کی اتباع کرتے ہو۔ اور محض اٹکل پچو باتوں سے کام نکالتے ہو۔

• پس ظاہر ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مذکورہ چیزوں کو اُنکے لئے خود حرام قرار دیدیا ہوتا تو پھر علمی دلیل لانے کے چیلنج کی کیا ضرورت تھی۔ پس روز روشن کیطرح ثابت ہوا کہ حَرَّمْنَا کا معنیٰ باب تفعیل کے خاصہ وجدان کے مطابق، خود اُنکی طرف سے حرام کیا ہوا پایا ہے۔ حرام کیا ہرگز نہیں۔

• سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں یہودیوں کی مزید خطرناک سرکشیوں کی خبر دیگئی ہے، جو اُن کیلئے نزولِ عذاب کا باعث ہوئیں:۔

وَأَخْذِهِمُ الرِّبَا وَقَدْ نُهُوا عَنْهُ

اور لینے اُنکے بیاج کے، حالانکہ بیشک منع کئے گئے وہ اُس سے

وَأَكْلِهِمْ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ۚ وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ

اور کھانے اُنکے مال لوگوں کے ساتھ جھوٹ کے اور تیار کیا ہمنے واسطے کافروں کے

مِنْهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ۝ ۴/۱۶۱

میں سے اُنکے، عذاب دردناک

اور (اُن پر ذلّت کا عذاب نازل کیا گیا بسبب) اُن کے بیاج لینے کے، حالانکہ بیشک وہ اُس سے منع کر دیئے گئے تھے۔ نیز بوجہ اُنکے جھوٹ (ناجائز طریقوں) کیساتھ لوگوں کا مال کھانے کے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہمنے اُن میں سے اُن لوگوں کیلئے جو ہمارے ضابطے کا انکار کرنیوالے ہیں، دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔ (یعنی ہمارے قانون میں ایسے لوگ دردناک عذاب کے مستحق ہیں)۔

یہودیوں کے راسخون فی العلم

• اوپر آیت نمبر ۱۵۳ سے ۱۶۱ تک یہودیوں کی نافرمانیوں کی فہرست بیان کر کے انکے لیئے دردناک عذاب کی خبر دیگئی ہے۔ اور سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں اہل کتاب میں سے علمائے حسن کی خبر دیگئی ہے ، جو اللہ کے نازل کردہ یقینی علم کتاب میں پکے ہیں۔ یہ وہی لوگ ہیں جو زمانۂ رسالت محمدی میں توراۃ کی تعلیم کے مطابق اللہ کے دین پر قائم تھے ۳/۱۱۳ ۔ جب انہوں نے قرآن سنا تو اُن کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے کیونکہ وہ اس تعلیم کو پہلے ہی پہچانتے تھے ۵/۸۳ ۔ نیز کیونکہ انہوں نے اس رسول ﷺ کی خبر اپنی کتاب تورات و انجیل میں لکھی ہوئی پائی تھی ۷/۱۵۷ ۔ اسلیئے انہوں نے کہا تھا کہ ہم تو پہلے ہی سے مسلمان (فرمانبردار) ہیں ؛۔

لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِى الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَالْمُؤْمِنُوْنَ

مگر جو پکے ہیں بیچ علم کے ، بیچ سے اُنکے اور سب مومن

يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ

ایمان لاتے ہیں ساتھ اُسکے جو نازل ہوا طرف تیری اور جو نازل ہوا

مِنْ قَبْلِكَ وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ وَالْمُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ

سے پہلے تیرے۔ اور قائم کرنیوالے صلوۃ کے ، اور وہ ہیں دینے والے زکوۃ کے ،

وَالْمُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ اُولٰٓئِكَ

اور وہ ایمان لانیوالے ساتھ اللہ کے اور دن پچھلے کے۔ وہ لوگ ہیں

سَنُؤْتِيْهِمْ اَجْرًا عَظِيْمًا ۞ ۱۶۲ ع ۲۲/۲

ضرور دینگے ہم اُن کو بدلہ بڑا

لیکن ان مذکورہ بالا باغی یہودیوں میں سے جو اللہ کے علم (کتاب) میں پکے ہیں ، (وہ خصوصًا) اور دوسرے مومنین (عمومًا) سب ایمان رکھتے ہیں اُس (کتاب) پر جو آپ کی طرف نازل کیگئی ہے اور جو کتابیں اے رسول ! آپ سے پہلے نازل کیگئی ہیں ۔ اور خاص کر ہم تعریف کرتے ہیں [۱] قیام صلوۃ کرنیوالوں کی۔ کیونکہ وہی [۲] لوگ زکوۃ دینے والے (زکوۃ کا نظام قائم کرنیوالے) ہیں ۔ اور وہ ایمان رکھنے والے ہیں اللہ کیساتھ اور رسولوں کی جوابدہی کیلئے آخرت کے دن کیساتھ ، مذکورہ بالا وہ لوگ ہیں کہ) ہم انہیں عنقریب (انکے عملوں کا) بہت بڑا اجر عطا فرمائینگے۔

• [۱] وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ ، چونکہ بحالت نصبی آیا ہے ، اسلیئے یہاں نصب مخصوص بالمدح ہے یعنی لفظ نمدح محذوف ، اور تقدیر کلام یہ ہے : وَ نَمْدَحُ الْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ۔

• [۲] وَالْمُؤْتُوْنَ سے ماقبل ھُمْ ضمیر مبتدا محذوف ہے۔ اور الْمُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ ..... اسکی خبر ہے ۔

• سلسلۂ درس کی اگلی آیات کریمات میں بتایا گیا ہے کہ جو دین آنحضور ﷺ کیطرف نازل کیا گیا ہے کوئی نیا نہیں ، بلکہ وہی ہے جو سابقہ انبیاء کو دیا گیا تھا۔

اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ

بیشک وحی کی ہمنے طرف تیری جسطرح وحی کی ہمنے طرف نوح کے

وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ ۚ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ

اور نبیوں میں سے بعد اُسکے۔ اور وحی کی ہمنے طرف ابراہیم کے

(اے رسول ! آپ کوئی نرالی قسم کے رسول نہیں [۲۶/۴۶] بیشک ہمنے آپکی طرف بھی اُسیطرح وحی فرمائی ہے جسطرح ہمنے نوح کیطرف وحی کی تھی ۔ اور جسطرح اُسکے بعد والے نبیوں کیطرف ہمنے وحی کی تھی اور خصوصًا وحی کی ہم نے ابراہیم کیطرف

وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَ

اور اسمٰعیل کے اور اسحاق کے اور یعقوب کے اور اسکی اولاد کے اور

عِيْسٰى وَاَيُّوْبَ وَيُوْنُسَ وَهٰرُوْنَ وَسُلَيْمٰنَ ۚ

عیسیٰ کے اور ایوب کے اور یونس کے اور ہارون کے اور سلیمان کے

وَاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ۚ ۱۶۳

اور دی ہمنے داؤد کو زبور

وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ

اور رسولوں کیطرف بیشک ذکر کیا ہم نے انکا اوپر تیرے اس سے پہلے

وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ۭ وَكَلَّمَ اللّٰهُ

اور ان رسولوں کو نہیں ذکر کیا ہمنے انکا اوپر تیرے اور کلام کی اللہ نے

مُوْسٰى تَكْلِيْمًا ۚ ۱۶۴

موسیٰ سے کلام کرنا

اور اسمٰعیل کیطرف، اور اسحٰق کیطرف، اور یعقوب کیطرف، اور اسکی اولاد (میں سے نبیوں) کیطرف۔ اور (وحی کی ہمنے) عیسیٰ کیطرف۔ اور ایوب کیطرف۔ اور یونس کیطرف اور ہارون کیطرف اور سلیمان کیطرف۔
اور داؤد کو ہمنے اپنی کتاب زبور عطا فرمائی تھی۔

اور بیشک بہت سے رسولوں (کیطرف ہمنے وحی کی)، جن کا بالتحقیق اس سے پہلے ہمنے آپ پر ذکر کو دیا ہے۔
اور بہت سے رسولوں (کیطرف ہمنے وحی فرمائی کہ) نہیں ذکر کیا ہمنے آپ سے انکا (اس سے پہلے) اور اللہ تعالیٰ نے موسیٰ کیساتھ کلام فرمائی (اپنے مخصوص طریق کیساتھ) کلام کرنا۔

اللہ تعالیٰ کا وحی کا ایک ہی طریقہ ہے

• آیات بالا میں آیت نمبر ۱۶۳ کو اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ سے شروع فرمایا ہے، یعنی :۔ اے رسول! بلاشبہ ہمنے آپکی طرف اسیطرح وحی فرمائی ہے، جسطرح نوحؑ کیطرف وحی کی تھی۔ اور اسکے بعد حضرت نوحؑ کے بعد والے تمام نبیوں کا ذکر کیا گیا ہے وَالنَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ ۚ کے الفاظ میں اور اسکے بعد خصوصی کے طور پر حضرات ابراہیمؑ، اسمٰعیلؑ، اسحٰقؑ، یعقوبؑ، اسباط، عیسیٰؑ، ایوبؑ، یونسؑ، ہارونؑ اور سلیمانؑ کے اسماءِ گرامی بیان کرنے کے بعد حضرت داؤدؑ کے متعلق باندازِ خصوصی ارشاد ہوا ہے وَاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا۔

• واضح ہے کہ آیت مجیدہ ۱۶۳ کے ابتدائی الفاظ اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ کے مطابق، اسکے بعد مذکور جملہ انبیاء نوحؑ تا داؤدؑ کی طرف جسطرح وحی کیگئی تھی، آنحضورؐ کیطرف بھی اسیطرح وحی کیا جانا ثابت ہے۔ حضرت داؤدؑ کی خصوصیت عطاءِ زبور بھی كَمَآ اَوْحَيْنَآ میں داخل ہے جیسے کہ ۲۶/۱۹۶ میں بتایا گیا ہے کہ حضرت داؤدؑ کی زبور سمیت سابقہ جملہ زبر میں قرآن مجید ہی نازل کیا تھا۔

• وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ ۲۶/۱۹۲ = اور بلاشبہ وہ (قرآن) بالتحقیق رب العالمین کیطرف سے نازل ہوا ہے۔

• وَاِنَّهٗ لَفِيْ زُبُرِ الْاَوَّلِيْنَ ۝ ۲۶/۱۹۶ = اور بلاشبہ وہ (قرآن) بالتحقیق تمام پہلی زبوروں (کتابوں) میں موجود ہے۔

• پس سطورِ بالا میں تعریفِ آیات کے قرآنی اسلوب کے مطابق ثابت ہوا کہ آنحضورؐ کیطرف سابقہ جملہ رسولوں ہی کی واحد کتاب نازل کیگئی تھی۔ اور آپ کی طرف بھی اسیطرح وحی کیگئی تھی جسطرح جملہ رسولوں، خصوصاً مذکورہ بالا انبیاء نوحؑ تا داؤدؑ کیطرف وحی کیگئی تھی۔

اب آیئے آیت مجیدہ ۱۶۴ کے مندرجات کی طرف!

• آیت نمبر ۱۶۴ میں رُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ کے الفاظ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے جملہ مذکور و غیر مذکور انبیاء کو اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ کے ضمن میں بیان کر دیا ہے کہ آنحضور کیطرف بالکل اسی طرح وحی کیگئی تھی جسطرح جملہ انبیاء از نوح تا عیسیٰ کیطرف وحی ہوئی تھی۔ اور اس آیت نمبر ۱۶۴ کے اخیر پر اسی كَمَآ اَوْحَيْنَآ کے ضمن میں ارشاد ہوا ہے :۔ وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا ۔ اور اللہ تعالیٰ نے موسیٰ کیساتھ کلام فرمایا، اپنے اسی مخصوص اندازِ کلم کیساتھ۔

• واضح رہے کہ اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ کے مطابق آنحضور کیطرف بھی كَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا کے انداز سے وحی فرمائی گئی تھی۔ حاصل کلام یہ ہے کہ جسطرح جملہ انبیاء کیطرف وحی کیگئی تھی، اسیطرح آنحضور کیطرف وحی کیگئی، یا دوسرے لفظوں میں جس طرح آنحضور کی طرف وحی کیگئی تھی اسیطرح جملہ انبیاء کیطرف وحی فرمائی گئی تھی۔

• پیچھے عنوان قائم کیا گیا ہے "وحی کا ایک ہی طریقہ ہے"۔ قرآن کریم سے جملہ انبیاء کیلئے وحی کا ایک ہی طریقہ ثابت ہے جیسے کہ سورہ شوریٰ میں ارشاد ہوا ہے :۔

• وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا[1] اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ[2] اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا[3] فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ[4] ؕ

۴۲/۵۱ • آیت مجیدہ کا مفہوم عرض کرنے سے پہلے چند امور کی وضاحت ضروری ہے :۔

• پہلا یہ کہ آیت مجیدہ میں دو اَوْ عاطفہ بمعنی واؤ اور ایک فا آئی ہے۔ جنہوں نے اُسے چار جملوں میں تقسیم کر رکھا ہے۔ ناظرین کی آسانی کیلئے چاروں جملوں پر الگ الگ خط کھینچکر نمبر لگا دیئے گئے ہیں۔ واضح رہے کہ پہلے تین جملوں میں پہلا جملہ معطوف علیہ ہے اور دوسرا اور تیسرا دونوں معطوف ہیں۔

• دوسرے نمبر پر یہ بتانا ضروری ہے کہ قواعد کی رُو سے یہ امر مسلّم ہے کہ اگر معطوف، معطوف علیہ کے فعل کے ماتحت ہو تو جملہ معطوفہ میں معطوف علیہ کا فعل مع جملہ متعلقات محذوف و مقدر ہوتا ہے۔ قواعد کے اسی قاعدے کے مطابق آیت مجیدہ کا خط کشیدہ جملہ ۲ جو جملہ ۱ کا معطوف ہے اور جو اپنے معطوف علیہ کے فعل یُکَلِّمَ کے ماتحت ہے، اُس میں یہی فعل مع جملہ متعلقات مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا محذوف و مقدر ہے۔

• تیسرے نمبر پر یہ بتانا ضروری ہے کہ قواعد کی رُو سے یہ امر مسلّم ہے کہ اگر معطوف اپنا الگ فعل رکھتا ہو۔ یعنی وہ معطوف علیہ کے فعل کے تحت نہ ہو تو معطوف علیہ کے فعل کے متعلقات معطوف کے فعل کے متعلقات مانے جاتے ہیں۔ لہٰذا قواعد کے اسی قاعدے کیمطابق جملہ ۳ جو جملہ ۱ کا معطوف ہے اور اپنا الگ فعل یُرْسِلَ رکھتا ہے۔ اُس میں معطوف علیہ کے فعل کے متعلقات مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ .... مع ضمیر ہٗ و حرف استثنیٰ اِلَّا محذوف و مقدر ہے۔

• چوتھے نمبر پر یہ بتانا ضروری ہے کہ آیت مجیدہ کے خط کشیدہ الفاظ ۱ میں اَنْ حرف ناصبہ آیا ہے جس نے یُکَلِّمَ فعل

• اَوْ بمعنی واؤ قرآن کریم میں موجود ہے۔ جیسے کہ آیت مجیدہ لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً ۲/۲۳۶ میں شاہ اشرف علی، مولوی احمد علی اور صاحب تفسیر نعیمی نے اَوْ کا معنی اور کیا ہے (اسوقت یہ تینوں تراجم ہمارے سامنے کھلے پڑے ہیں)

مضارع کی میم کو زبر دی ہے ۔ اگر اَنْ نہ آتا تو اس میم پر پیش ہوتی ۔ یاد رہے کہ اسی اَنْ ناصبہ نے آیت مجیدہ کے تیسرے خط کشیدہ جملہ میں یُرْسِلَ فعل مضارع کی لام کو زبر دی ہے ۔ جس سے ظاہر ہے کہ تیسرا جملہ دو وجوں سے جملہ اوّل کے ماتحت ہے ۔ پہلی یہ کہ وہ اسکا معطوف ہے ۔ اور دوسری یہ کہ اسکے فعل مضارع یُرْسِلَ پر اسیطرح اَنْ ناصبہ کا عمل موجود ہے جسطرح جملہ اوّل کے فعل مضارع یُکَلِّمَہٗ پر ہے ۔

• تو اب قواعد کے مذکورہ بالا مسلمات کی رُو سے آیت زیر بحث کی تقدیر کلام یہ ہے :۔

• مَا کَانَ لِبَشَرٍ اَنْ یُّکَلِّمَہُ اللّٰہُ اِلَّا وَحْیًا اَوْ مَا کَانَ لِبَشَرٍ اَنْ یُّکَلِّمَہُ اللّٰہُ اِلَّا مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ مَا کَانَ لِبَشَرٍ اَنْ یُّرْسِلَہُ اللّٰہُ اِلَّا رَسُوْلًا فَیُوْحِیَ بِاِذْنِہٖ مَا یَشَآءُ اِنَّہٗ عَلِیٌّ حَکِیْمٌ ۴۲/۵۱ (مفہوم) اور نہیں لائق واسطے کسی بشر کے کہ اللہ تعالیٰ اُس سے کلام کرے ۔ مگر وہ کلام کرتا ہے صرف وحی کے طریقے سے (یعنی اللہ تعالیٰ صرف پیغام بھیج کر ہی کلام کرتا ہے ۔

اور نہیں لائق واسطے کسی بشر کے کہ اللہ تعالیٰ اُس سے کلام کرے مگر وہ کلام کرتا ہے اسطرح کہ خود پسِ پردہ رہتا ہے اور نہیں لائق واسطے کسی بشر کے کہ اللہ تعالیٰ بھیجے اُسکو (اپنا پیغام) مگر (وہ بھیجتا ہے اپنا پیغام معرفت) رسول (پیغام رساں ملک جبریل) کے ۔ پس وہ وحی کرتا ہے اپنے اِذن (قانون) کے مطابق جو وہ خود چاہتا ہے ۔ بیشک وہ اللہ بلند شان حکمت والا ہے ۔

• دیکھا آپنے ! کہ ان چاروں جملوں میں کلام کے ایک ہی طریقے کی وضاحت کیگئی ہے ۔

• کہ اللہ تعالیٰ صرف وحی ہی کے ذریعہ اپنے بندوں (رسُل انبیاء) سے کلام کرتا ہے ـــــ اور خود پسِ پردہ ہی رہتا ہے ۔ اور اپنی وحی اپنے رسول (پیغام رساں ملک جبریل) کے ذریعہ کرتا ہے ـــــ وحی الٰہی کی یہی ایک اکلوتی صورت ہے جسکی وضاحت ۲/۹۷ کی محکم آیت مجیدہ فَاِنَّہٗ نَزَّلَہٗ عَلٰی قَلْبِکَ بِاِذْنِ اللّٰہِ میں موجود ہے ۔ اور یہ ثبوت ہے اِس بات کا کہ اللہ تعالیٰ نے جملہ انبیاء وسلام علیہم کیساتھ اسی اکلوتے طریقے سے کلام فرمایا تھا ۔

وحی الٰہی صرف قرآن کریم ہے

• افسوس ہے کہ بعض لوگ آیت مجیدہ ۴۲/۵۱ سے تین قسم کی وحی مراد لیکر کُتب روایات کو وحی کی ایک قسم قرار دیتے ہیں حالانکہ آپ اُوپر دیکھ چکے ہیں کہ ۴۲/۵۱ میں اَوْ بمعنی یا لگ ہی نہیں سکتا ۔ کہ وحی کی تین قسمیں تسلیم کی جائیں ۔ نیز اگر کُتبِ روایات کو وحی الٰہی قرار دیا جائے ، جو سراسر ظنّی ہیں ، یقینی نہیں ۔ تو آیاتِ ذیل کی مخالفت لازم آتی ہے ۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کھلے لفظوں میں اعلان کر رکھا ہے کہ آنحضورؐ کیطرف صرف قرآن کریم ہی وحی کیا گیا تھا ۔

• اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ ھٰذَا الْقُرْاٰنَ ۱۲/۳ ۔ اے رسُول! ہم نے آپکی طرف یہ قرآن وحی فرمایا ہے ۔ نیز آنحضورؐ کا اعلان بھی یہی ہے
• وَاُوْحِیَ اِلَیَّ ھٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَکُمْ بِہٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ۶/۱۹ ۔ اور میری طرف یہ قرآن وحی کیا گیا ہے تاکہ میں بھی صرف اِس قرآن کیساتھ تمہیں تمہارے فرائضِ منصبی سے آگاہ کروں ۔ اور جس شخص تک یہ قرآن پہنچے وہ بھی اسی قرآن کیساتھ لوگوں کو اُن کے فرائضِ منصبی بتلائے ۔ پس قرآن کریم کے سوا کسی اور چیز کے وحی الٰہی ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ۔

وحی کے لغوی معنے - وحی نبوت، وحی اشارت وحی جبلت اور وحی رحمانی کی ضد وحی شیطانی

• آگے بڑھنے سے پہلے لفظ وحی کے لغوی معنے اور قرآن مجید میں اس لفظ کے مختلف استعمالات ملاحظہ فرمائیں۔ - آلاتِ تکلم یعنی لب، زبان اور کام و دہن کے واسطہ کے بغیر جو کلام کیا جائے، اُسے ازروئے لغت وحی کہا جاتا ہے۔ قرآن کریم میں بھی اِس لفظ کو ذیل کے متعدد انداز میں استعمال کیا گیا ہے :-

۱ وحی نبوت یا وحی رحمانی :- اسکی مکمل بحث اُوپر گزر چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں میں سے کسی بندے کو بطور نبی رسول منتخب [۳۴-۳] کرکے، اپنے ملک رسول (جبریل) کے ذریعہ اُسکے قلب پر اپنے پیغامات یعنی اپنی تعلیم بلا آواز وحی کرنا ہے [۲/۹۷] - اور خود ہمیشہ ہی پس پردہ رہنا [۴۲/۵۱] - یہ اندازِ وحی حضور خاتم النبیین پر ہمیشہ کیلئے ختم کر دیا گیا ہے۔

۲ وحی اشارت :- حضرت زکریا کو جب حضرت یحییٰ کی خوشخبری دی گئی، تو آپنے عرض کیا کہ بارِ الٰہا میرے لئے کوئی نشانی مقرر فرمائیں تو ارشاد ہوا۔ قَالَ اٰیَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَیَالٍ سَوِیًّا ۝ [۱۹/۱۰] = اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تیرے لئے یہ نشانی مقرر کی گئی ہے کہ تو پوری تین راتیں (زبان سے) کلام نہ کرے۔ اور اِس زبان سے کلام نہ کرنے کو اگلی آیت مجیدہ [۱۹/۱۱] میں وحی کے لفظ میں بیان کیا گیا ہے۔ فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰۤى اِلَیْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّ عَشِیًّا ۝ = پھر (زکریا) محراب سے نکل کر اپنی قوم کیطرف آیا اور اُنہیں (زبان کے واسطہ کے بغیر اشاروں کیساتھ) وحی کی کہ صبح اور پچھلے پہر (ہر آن) اپنے فرضِ منصبی ادا کرتے رہو۔ سورہ آل عمران میں حضرت زکریا کی اِسی وحی یعنی تکلم بلا واسطہ لب، زبان کو اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَیَّامٍ اِلَّا رَمْزًا [۳/۴۱] کے الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ - یہ کہ تو تین دن تک لوگوں سے اِشاروں کے سوا کلام نہ کرے۔ پس وحی کا ایک قرآنی معنی ہے، اِشاروں کیساتھ کلام کرنا۔

۳ وحی جبلت :- سورہ نحل میں ارشاد ہوا ہے :- وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِیْ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا وَّ مِنَ الشَّجَرِ وَ مِمَّا یَعْرِشُوْنَ ۝ ثُمَّ كُلِیْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِیْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ؕ یَخْرُجُ مِنْۢ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِیْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ۝ [۱۶/۶۸-۶۹] = اور تیرے رب نے شہد کی مکھی کو (جبلت میں) وحی کر دی ہے کہ تو پہاڑوں، درختوں اور چھتوں پر گھر بنایا کر۔ پھر تو ہر ہر میوے سے کھایا کر اور اللہ کی راہ پر اُسکی فرمانبردار ہو کر چلا کر۔ اُنکے پیٹوں سے مختلف رنگوں کا مشروب (شہد) نکلتا ہے، اُس میں نوعِ انسانی کیلئے شفا ہے۔ بیشک اِس بیان میں تفکر کرنیوالوں کیلئے نشانی ہے۔ - اب دیکھئے! کہ پہاڑوں، درختوں اور چھتوں پر گھر بنانا بھی اللہ تعالیٰ نے شہد کی مکھی کی جبلت میں رکھ دیا ہوا ہے۔ اور جملہ میوہ جات کو چوسنا اور اُنکی مٹھاس کو اپنے پیٹ سے نکالکر اپنے چھتوں میں بھرنا بھی سب کچھ اُسکی جبلت ہی میں رکھ دیا ہوا ہے۔ جسکے لئے اَوْحٰی کا لفظ لایا گیا ہے۔ اِسے وحی جبلت کہا جاتا ہے۔ ہر جاندار کی جبلت میں اللہ تعالیٰ نے جو جو خاصیت ودیعت فرمائی ہے وہ ہر ایک اللہ تعالیٰ کی وحی جبلت ہے۔

• سورہ حٰم سجدہ میں ارشاد ہوا ہے :- وَاَوْحٰى فِیْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا [۴۱/۱۲] = اور اللہ نے ہر سماوی کرہ اور ہر سماوی فضا میں اُسکا فرضِ منصبی وحی کیا (اُسکی خلقت ہی میں ودیعت کر دیا)۔ نیز سورہ الزلزال میں زمین کے متعلق ارشاد ہوا ہے :-

• اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ۙ وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا ۙ وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَا لَهَا ۚ يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا ۙ بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا ۹۹/۱-۵ = وہ وقت قابلِ ذکر ہے جب زمین کو ہلایا (گھنگھالا) جائیگا، پوری طرح ہلایا (گھنگھالا) جانا ۔ اور زمین اپنے تمام بوجھ (معدنی ذخیرے) اُگل دیگی ۔ اور انسان کہیگا کہ (اب) اسکے پاس کیا ہے اُس دور میں زمین اپنی (اپنے ایک حصے کی) خبریں (اپنے دوسرے حصوں میں) بیان کیا کریگی ۔ یہ اسلئے کہ تیرے رب نے اُسے وحی کردی ہُوئی ہے ۔ (یہ سب کچھ اُسکی جبلّت میں رکھدیا ہوا ہے)۔

۷ وحی شیطانی :۔ سورۃ الانعام میں اُن مخالفینِ انبیاء کی ملمع کی ہوئی پُرفریب تعلیم کو وحی شیطانی کہا گیا ہے ۔ جو انبیاء کی تعلیم کو بے اثر کرنے کیلئے اُسوقت کے باطل پیشوا اپنے عقیدتمندوں کو دیا کرتے تھے اور وہ لوگ انبیاء کی دشمنی میں پیش پیش رہتے تھے ۔ ارشادِ باری ہے :۔

• وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا ۭ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَمَا يُشْعِرُكُمْ ۙ اَنَّهَآ اِذَا جَآءَتْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ ۶/۱۰۹ = اور وہ اللہ کی پکی قسمیں کھاتے ہیں کہ اگر انکے پاس کوئی نشانی آئے تو وہ ضرور اُسکے ساتھ ایمان لائینگے ۔ اے رسولؐ! کہدیجیئے کہ نشانیاں تو اللہ کے پاس ہیں ۔ اور تمہیں کیا خبر ہے کہ جب نشانیاں آئیں تو وہ پھر بھی ایمان نہیں لائینگے ۔ چنانچہ اسکے بعد ارشاد ہوا ہے :۔

• وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰۗىِٕكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا ۶/۱۱۱ اور اگر ہم ان پر انکے (ذہنی) ملائکہ اُتار دیں ۔ اور (انکے مطالبہ کے مطابق) مُردے اُن سے باتیں کریں ۔ اور (اُن کی مطلوبہ) چیزیں ہم انکے سامنے اکٹھی کردیں تو پھر بھی ایمان نہیں لائینگے ۔ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ۶/۱۱۲ = اور اسیطرح ہم نے ہر نبی کے دشمن پائے شیطان عوام میں سے اور باطل پیشواؤں میں سے جو ایک دوسرے کو فریب دینے کیلئے ملمع کی ہوئی باتیں سکھاتے تھے ۔

• اب پھر آیئے اپنے درس کیطرف ۔ پیچھے سلسلۂ درس کی آیت نمبر ۱۶۴ ۔ ۱۶۵ میں متعدد

رجوع الی المطلب | انبیاء کے اسمائے گرامی لیکر ارشاد ہوا ہے کہ اے رسولؐ آپکی طرف بھی اُسیطرح وحی کیگئی ہے، جسطرح جملہ سابقہ رسولوں کیطرف وحی کیگئی تھی ۔ سورہ زخرف میں خود آپ سے اعلان کروا دیا گیا ہے :۔

• قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ ۴۶/۹ = اے رسولؐ! کہدیجیئے کہ میں سابقہ رسولوں سے کوئی انوکھا رسول نہیں ہوں۔ سب رسول ایک جیسے ہیں ۲/۲۸۵ ۔ اور میں بھی رسولوں میں سے ایک ہوں ۳۶/۳ ۔ چنانچہ سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ نمبر ۱۶۶ میں رسولوں ہی کے متعلق ارشاد ہوا ہے :۔

رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ

رسول بشارت دینے والے اور انذار کرنیوالے، تاکہ نہ ہو

(پیچھے مذکور لوگوں کیطرف) اپنے بہت سے رسولؐ اچھے کاموں کے اچھے بدلہ کی خوشخبری دینے والے اور بُرے کاموں کے بُرے انجام سے ڈرانے والے

لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ
واسطے لوگوں کے اُوپر اللہ کے کوئی دلیل بعد رسولوں کے۔ اور ہے اللہ
عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝ ۱۶۵
غالب حکمت والا

تاکہ لوگوں کیلئے رسولوں کے بعد، اللہ کے ذمہ کوئی دلیل باقی نہ رہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے۔ (یہ اُسکی حکمت کاملہ ہے کہ نوعِ انسانی کی ہدایت کیلئے اپنے رسول بھیجتا رہا جو لوگوں تک اللہ کی کتاب پہنچاتے رہے)۔

• واضح رہے کہ اللہ کے رسولوں کا فریضہ تھا لوگوں تک اللہ کا پیغام یعنی اُسکی کتاب پہنچانا۔ سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی آخری کتاب قرآن مجید کے متعلق ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ اِس کتاب ہی کیساتھ گواہی دیتا ہے اور اللہ کی جو گواہی قرآنِ کریم میں درج ہے۔ اُسکی تصدیق مشاہداتِ عالم کرتے ہیں یعنی قرآنِ کریم کی شہادت مشاہداتِ عالم کے خلاف نہیں عین مطابق ہے:-

لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَيْكَ
لیکن اللہ گواہی دیتا ہے ساتھ اُسکے جو اُس نے نازل کیا طرف تیری
اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَشْهَدُوْنَ ۚ
نازل کیا اُسکو ساتھ علم اپنے کے۔ اور کائناتی قوتیں گواہی دیتی ہیں
وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۝ ۱۶۶
اور کافی ہے اللہ گواہ

لیکن اللہ گواہی دیتا ہے[۱] (اے رسُول ربوبیتِ عالمین کی)، اُس کتاب کیساتھ جو اُس نے آپ پر نازل فرمائی ہے[۲]۔ اللہ نے اُسے اپنے علم کے مطابق نازل کیا ہے[۳]۔ اور گواہی دیتی ہیں تمام کائناتی قوتیں[۴] (جو اس کائنات میں سرگرمِ عمل ہیں) حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کافی ہے بہت بڑا گواہ[۵]۔

• [۱] اَللّٰهُ يَشْهَدُ کا معنیٰ ہے، اللہ گواہی دیتا ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ ہر وقت اور ہر جگہ حاضر و ناظر ہے، اسلئے اللہ تعالیٰ کی گواہی ہر جگہ اور ہر وقت موجود ہے۔ نوعِ انسانی جو بھی عمل بجا لاتی ہے اُسکا جو نتیجہ برآمد ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی گواہی ہے کہ کائنات میں جو کچھ بھی ہو رہا ہے، سب کا سب اُسکے لگے بندھے قوانین کے مطابق ہو رہا ہے۔ لہلہاتی فصلیں، لدے پھندے باغات، چلتے کارخانے، دوڑتی ریلیں اور بسیں، اُڑتے طیارے سب اللہ تعالیٰ کی شہادت کے مظہر ہیں کہ جبتک وہ اُسکے قانون کے مطابق مصروفِ عمل ہوتے ہیں اُسوقت تک ورکنگ آرڈر میں رہتے ہیں، جُونہی کہیں قانونِ خداوندی کی مخالفت ہوتی ہے فصلیں ماری جاتی ہیں، باغات کے پھل کانے پڑ جاتے ہیں۔ کارخانہ کھڑا ہو جاتا اور بس رُک جاتی ہے۔ ہوائی جہاز اُڑتا اُڑتا رُک کر گر پڑتا اور سینکڑوں جانیں ضائع کرنے کا موجب بنتا ہے۔ اسیطرح قوموں کے عروج و زوال اور مذکورہ تمام چیزوں کی ہر حالت اللہ تعالیٰ کی حالی شہادتیں ہیں، جو کرۂ ارض کے گوشے گوشے، کونے کونے، بلکہ چپے چپے پر ہر آن بزبانِ حال جاری ہیں۔

• [۲] يَشْهَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَيْكَ کا معنیٰ یہ ہے کہ (اے رسُول!) اللہ تعالیٰ اُس عظیم الشان کتاب کیساتھ گواہی دیتا ہے جو اُس نے آپ پر نازل فرمائی ہے۔ اِن الفاظ سے بصورت نصف النہار عیاں کر دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی آخری کتاب میں بھی، جو اُس نے اپنے آخری نبی پر نازل فرمائی ہے کوئی خبر، کوئی حکم، کوئی شہادت کائناتی مشاہدات کے خلاف

نازل نہیں فرمائی۔ اِسکی ایک ایک آیت بلکہ اِسکا ایک ایک لفظ کائناتی مشاہدات کے مطابق ہے۔ اِس میں کوئی چیستانی اور دیو مالائی داستانیں نازل نہیں کی گئیں جو قرآن کریم میں تو افسانوی انداز کیساتھ موجود ہوں۔ مگر مشاہدات میں اُنکا وجود موجود ہی نہ ہو۔ مثلاً بے باپ کی پیدائش، کسی چٹان میں سے کسی حاملہ اونٹنی کا پیدا ہونا اور چٹان میں سے پیدا ہوتے ہی بچہ جن دینا۔ کسی سونٹے کا اژدہا بن جانا، پہاڑ پر ڈنڈا مارنے سے چشموں کا جاری ہو جانا۔ ڈنڈا مارنے سے پانی کا پھٹ جانا اور اُس میں سڑکیں تیار ہو جانا، آگ کی جلانے کی خاصیت زائل ہو جانا وغیرہ جیسے چیستانی بیانوں سے اللہ تعالیٰ کی کتاب صد فیصد پاک ہے۔ اِس میں وہی قانون درج ہے جو کائنات میں جاری ہے اور اِس میں وہی بیان دیئے گئے ہیں جو جُزوِ کائنات ہیں۔

• ۳ـ أَنزَلَهُ بِعِلْمِهِ کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وہ کتاب، قرآن کریم جو آنحضورؐ پر نازل کی گئی ہے، اُسے اپنے علم کے مطابق نازل فرمایا ہے۔ علم کا معنی قانون بھی قرآن مجید میں موجود ہے :- وَمَا تَخْرُجُ مِن ثَمَرَاتٍ مِّنْ أَكْمَامِهَا وَمَا تَحْمِلُ مِنْ أُنثَىٰ وَلَا تَضَعُ إِلَّا بِعِلْمِهِ ۔ ۱۲ـ۴۷ = اور نہیں نکلتے پھل اپنے غلافوں سے اور نہ کوئی مونث حمل اُٹھاتی ہے اور نہ وہ اُسے وضع کرتی ہے، مگر یہ سب کچھ اُسکے علم، اُسکے قانون کے مطابق ہوتا ہے۔

• ۴ـ وَالْمَلَائِكَةُ يَشْهَدُونَ کا معنی ہے :- "اور کائناتی قوتیں گواہی دیتی ہیں" واضح رہے کہ یہ جملہ واؤ عطف کے ذریعہ جملہ معطوفہ ہے اور اِسکا جملہ معطوف علیہ ہے اللّٰهُ يَشْهَدُ۔ اِسطرح اللہ کی گواہی اور ملائکہ کی گواہی معطوف، معطوف علیہ کی صورت میں مساوی انداز کیساتھ بیان ہوئی ہے حقیقت یہ ہے کہ اللہ کی شہادت جو، مشاہدات کی حالی زبان سے جاری ہے، وہ ملائکہ، یعنی کائناتی قوتوں کے ذریعہ ہی مصروفِ عمل ہے۔ کائنات کے ہر عمل میں کوئی نہ کوئی کائناتی قوت کام کر رہی ہوتی ہے اسلئے اللہ تعالیٰ نے اپنی شہادت کیساتھ ساتھ کائناتی قوتوں کی شہادت کو مساوی انداز کیساتھ بیان کیا ہے۔

• سائنس کی حیرت انگیز ایجادات میں ریڈیو، ٹیلی ویژن اور ایٹمی تعمیری یا تخریبی ایجادات۔ اِن تمام چیزوں میں الگ الگ اللہ تعالیٰ کے ملائکہ، اُسکی کائناتی قوتیں مصروفِ عمل ہیں۔ کرۂ ارض کے اربوں کھربوں ریڈیو سیٹوں میں بیک وقت ایک ہی آواز کو پہنچانیوالی بھی اللہ تعالیٰ کی کائناتی قوت ہے۔ اور ٹیلی ویژن کے لاکھوں سیٹوں میں ایک ہی تصویر کو بیک وقت متحرک کھانیوالی بھی اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ کائناتی قوت ہی ہے۔ نوعِ انسانی کو فضاؤں اور خلاؤں کی سیر کرانیوالی بھی اللہ تعالیٰ کی کائناتی قوتیں ہیں جو اللہ ہی کے قانون کے مطابق مصروفِ عمل ہیں۔ اور اپنے اپنے عمل کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی ہمنوا ہو کر بزبانِ حال گواہیاں دے رہی ہیں اور دیتی چلی جائینگی۔

• ۵ـ آیتِ مجیدہ کے اخیر پر یہ جملہ آیا ہے وَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا۔ شہید کا لفظ شاہد اسم فاعل سے فعیل کے وزن پر صفتِ مشبّہ ہے بمعنی بہت بڑھ کر بڑا گواہ۔ کائناتی قوتوں کی گواہی اُسوقت بصورتِ مشہود سامنے آتی ہے، جب حضرتِ انسان اُنہیں مسخر کرکے ۴۵ـ۱۲، اُن سے کام لیتا ہے۔ اِسلئے اُنہیں الگ الگ شاہد کا مقام حاصل ہے۔ لیکن چونکہ اللہ کی پیدا کردہ کائنات کے ہر عنصر میں اللہ کی عطا کردہ قوت ہر وقت موجود ہوتی ہے خواہ اُس سے کام لیا جا رہا ہو یا نہ لیا جا رہا ہو۔ اِسلئے اِن قوتوں کا خالق و مالک شہید ہے یعنی بہت بڑھ کر بڑا اور پورا پورا صحیح صحیح گواہ ہے۔ لیکن :-

• واضح رہے کہ آیت مجیدہ زیر نظر کے الفاظ اَللّٰہُ یَشْھَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَیْکَ کے مطابق آپ دیکھ چکے ہیں کہ اللہ کی گواہی بِمَآ اَنْزَلَ اِلَیْکَ یعنی قرآن کریم کیساتھ منسلک کر دی گئی ہے۔ اور یہ چیز دوپہر کے سورج کیطرح عیاں ہے کہ قرآن کریم "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ" سے شروع ہوتا اور رَبِّ النَّاسِ پر ختم ہوتا ہے۔ اور ہر مقام پر ربوبیتِ عالمینی کی تائید کرتا ہے۔ بالفاظِ دیگر قرآن کریم کی تعلیم کا نقطۂ ماسکہ ربوبیتِ عامہ ہے۔ ہر نبی کی قوم نے ربوبیتِ عامہ ہی کا انکار کیا تھا۔ فرعون، بنی اسرائیل کے حقوقِ ربوبیت غصب کرنے میں اپنے آپکو حق بجانب سمجھتا تھا۔ اسلئے حضرت موسٰی نے اُس سے صرف یہ مطالبہ کیا کہ جب تو انکے حقوقِ ربوبیت تسلیم نہیں کرتا تو انہیں اپنے ملک سے پرامن ہجرت کرنے کی اجازت دیدے :-

• اَرْسِلْ مَعِیَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ ۱۰۵/۷ = بنی اسرائیل کو میرے ساتھ بھیجدے (تاکہ وہ کسی اور جگہ سے اپنے حقوقِ ربوبیت حاصل کرلیں)۔

• حضرت صالحؑ کی قوم چشموں اور چراگاہوں پر قابض تھی۔ اُس نے غرباء کے مویشیوں کو نہ چشموں سے پانی پینے کا حق دیا ہوا تھا نہ چراگاہ سے چگنے کا۔ حضرت نے اُنہیں مساواتِ ربوبیت کا درس دیا۔ اسکے ضمن میں تبلیغ ربوبیت کے کام آنیوالی اونٹنی کو نشانی ٹھہرایا گیا کہ اُسے کوئی نقصان نہ پہنچایا جائے لیکن قوم نے مساوی حقوقِ ربوبیت کے نظریہ کی مخالفت کرکے اُسکی ٹانگیں کاٹ دیں تاکہ چشموں اور چراگاہوں پر غاصبانہ قبضہ قائم رہے۔

• حضرت نوحؑ نے جب ربوبیتِ عالمینی کا درس دیا تو بھوکے ننگے لوگ آپکے گرد جمع ہو گئے۔ اس پر قوم کے سرداروں نے کہا:-

• وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِیْنَ ھُمْ اَرَاذِلُنَا ۲۷/۱۱ = اور نہیں دیکھتے ہم تجھے مگر تیری پیروی صرف اُن لوگوں نے کی ہے جو ہمارے رذیلے ہیں جو ہمارے معاشرہ کے ادنٰے، کمینے، بھوکے ننگے محرومِ ربوبیت ہیں۔

• خود آنحضورؐ کی قوم بھی ربوبیتِ عالمینی کی منکر تھی۔ اللہ نے اُنہیں آنحضورؐ کی معرفت اپنی کتاب کا اوّلین درس ہی ربوبیتِ عالمینی کا دیا :-

• اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ ۲/۱ سب اچھی تعریفیں اللہ کیلئے ہیں جو عالمین کی ربوبیت کرنیوالا ہے۔ حالی مرحوم نے اِس جملہ کا یہ ترجمہ کیا ہے:

یہ پہلا سبق ہے کتابِ ھُدیٰ کا کہ ہے ساری مخلوق کنبہ خدا کا

اللہ کی راہ سے روکنا گمراہی ہے

• آیت بالا ۱۶۶/۴ میں اللہ تعالیٰ اور اُسکی کائناتی قوتوں، جو بربنائے نظام ربوبیت میں لگی ہوئی ہیں، کی شہادت کے بعد اُن لوگوں کو جو اللہ کی راہ یعنی ربوبیتِ عالمینی کی راہ سے روکتے ہیں دُور کی گمراہی میں گمراہ قرار دیا ہے :-

اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ بیشک جن لوگوں نے انکار کیا اور روکا طرف سے راستے	بیشک جن لوگوں نے (مذکورہ بالا خداوندی شہادت کا) انکار کیا اور لوگوں کو اللہ کے راستے (ربوبیتِ عامہ) سے روکا۔

اللہِ قَدْ ضَلُّوْا ضَلٰلًا بَعِیْدًا ۱۶۷ || بلاشبہ وہ گمراہی میں بہت دُور تک چلے گئے۔

اللہ کے، بیشک وہ گمراہ ہو گئے گمراہی دُور کی

چونکہ اللہ کی راہ، ربوبیّتِ عالمینی کی راہ ہے۔ اِس لئے اگلی آیت میں اسی چیز کی خبر انتہائی وضاحت کیساتھ کھول کر بیان کر دیگئی ہے۔ اور اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَظَلَمُوْا کی خبر کیساتھ، ربوبیّتِ عالمینی کا انکار کرکے لوگوں پر ظلم کرنیوالوں کی یہ سزا مقرر کی ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو ہرگز معاف نہیں کریگا۔ اور انہیں قیامت کی عدالت میں جنّت کی سیدھی راہ کی بجائے جہنّم کیطرف بھیجدیگا۔

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَظَلَمُوْا لَمْ یَکُنِ اللہُ

بیشک جو لوگ انکار کرتے ہیں اور ظلم کرتے ہیں ہرگز نہیں ہوگا اللہ

یَغْفِرَ لَھُمْ وَلَا لِیَھْدِیَھُمْ طَرِیْقًا ۱۶۸

کہ معاف کرے واسطے انکے اور نہ یہ کہ راہنمائی کرے انہیں راستے کی

اِلَّا طَرِیْقَ جَھَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْھَآ اَبَدًا

سوائے راستے جہنّم کے۔ رہینگے وہ بیچ اُس کے ہمیشہ

وَکَانَ ذٰلِکَ عَلَی اللہِ یَسِیْرًا ۱۶۹

اور ہے وہ اوپر اللہ کے آسان

جو لوگ (اللہ کے قانون ربوبیّتِ عالمینی کا) انکار کرکے لوگوں پر ظلم کرتے ہیں۔ ہرگز معاف نہیں کریگا انہیں اللہ تعالیٰ اور نہ ہی انہیں (قیامت کو جنّت کے) راستے کی رہنمائی کریگا (یعنی انہیں جنّت میں نہیں بھیجیگا)۔

سوائے جہنّم کی راہ کے (یعنی اللہ تعالیٰ انہیں جہنّم رسید کریگا) وہ اُس میں ہمیشہ رہینگے۔

اور (ایسے ظالم مجرموں کو سزا دینی، دُنیا میں جن کی ہوا کو بھی کوئی نہیں پا سکتا) اللہ کیلئے آسان ہے۔

اللہ تعالیٰ کیلئے کونسا امر مشکل ہے؟

• اِس آیت مجیدہ کا آخری جُملہ ہے :- وَکَانَ ذٰلِکَ عَلَی اللہِ یَسِیْرًا اس پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کیلئے کوئی امر مشکل ہے ہی نہیں تو منکرین ربوبیّت کو سزا دینے کے متعلق باندازِ خصوص یہ کیوں کہا گیا ہے کہ یہ چیز اللہ تعالیٰ پر آسان ہے ـــ واضح رہے کہ وَکَانَ ذٰلِکَ عَلَی اللہِ یَسِیْرًا کا جملہ قرآن کریم میں اُن امور کیلئے آیا ہے جو دُنیا میں مشکل ترین تصور کئے جاتے ہیں۔ مثلاً :-

• نظامِ ملوکیّت کا قاعدہ ہے کہ اگر بادشاہ یا صدرِ مملکت کی ملکہ سے کوئی قانون شکنی، بلکہ شدید ترین جُرم بھی ہو جائے تو اُسے عدالت میں چیلنج نہیں کیا جا سکتا۔ بالفاظِ دیگر مُلک کی ملکہ کو سزا دلوانا دُنیا والوں کیلئے مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن تصور کیا جاتا ہے۔ لیکن خدا تعالیٰ نے قرآنی ریاست کے صدرِ اوّل جناب محمد رسُول اللہ سلامٌ علیہ کی ازواجِ مطہرات کے متعلق سورہ احزاب میں ارشاد فرمایا ہے کہ اگر یہ قانون شکنی کریں تو نہ صرف یہ کہ وہ سزا سے بچ نہیں سکتیں، بلکہ انہیں دُگنی سزا دیجائیگی ۳۳/۳۰۔ یعنی جو کام دُنیا والوں کیلئے انتہائی مشکل ہے، یعنی صدر کی بیوی، ریاست کی ملکہ کو سزا دِلوانا، وہ اللہ تعالیٰ کیلئے آسان ہے۔ چنانچہ ازواجِ مطہرات کیلئے جُرم کی دُگنی سزا مقرر کرنے کے بعد ارشاد ہوا ہے :-

وَکَانَ ذٰلِکَ عَلَی اللہِ یَسِیْرًا ۝ ۳۳/۳۰ اور یہ کام اللہ کیلئے آسان ہے۔

• پس اسیطرح آیتِ مجیدہ زیرِ نظر ۴/۱۶۹ میں اُن لوگوں کے متعلق جو عوام کے حقوقِ ربوبیّت پر ڈاکہ ڈالکر سرمایہ جمع کرتے ہیں

اور کسی سرمائے کے زور سے اپنے آپکو دنیوی سزا سے اسطرح محفوظ کر لیتے ہیں کہ دنیا میں انکی ہوا کیطرف بھی کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ اسطرح اُن پر یہ جملہ صادق آتا ہے کہ اُنہیں سزا دینا کوئی آسان کام نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اُنکے متعلق بھی ارشاد فرمایا ہے کہ اُنہیں جہنم رسید کرنا اللہ تعالیٰ کیلئے آسان ہے:۔ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ۝ ۴/۱۶۹

• اِس سے اگلی آیت مجیدہ میں وضاحتاً اعلان کر دیا گیا ہے کہ:۔

سب کچھ اللہ تعالیٰ کا ہے یعنی عوام کیلئے ہے

لوگو! تمہارے پاس تم سب کی ربوبیّت کے ضامن اللہ تعالیٰ کیطرف سے اُسکا رسولؑ اُسکا پیغام لیکر آگیا ہے۔ لہٰذا اُسکے پیغام ربوبیّت پر ایمان لاؤ۔ لیکن اگر تم اِسکا انکار کر دو۔ تو تمہارے انکار سے حقیقت نہیں بدل سکتی، زمین و آسمان میں جو کچھ بھی ہے وہ سب کا سب اللہ تعالیٰ کا ہے، پوری نوعِ انسانی کا ہے۔ بالفاظِ دیگر نوعِ انسانی کے ایک ایک فرد کا حقِ ربوبیّت مسلّم ہے:۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ
اے نوعِ انسانی! بیشک آیا تمہارے پاس رسول ساتھ حق کے
مِنْ رَّبِّكُمْ فَاٰمِنُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ۭ وَاِنْ
طرف سے رب تمہارے کے پس ایمان لاؤ بہتر ہے واسطے تمہارے۔ اور اگر
تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
تم انکار کرو، تو بیشک واسطے اللہ کے ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین کے ہے
وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝ ۱۷۰
اور ہے اللہ جاننے والا حکمت والا

اے نوعِ انسانی بیشک تمہارے پاس ہمارا رسولؑ تمہارے رب کیطرف سے حق (قرآن ۲۵/۴۳) لیکر آگیا ہے۔
پس تم اِس (ضابطۂ ربوبیّت) پر ایمان لاؤ۔ یہ تمہارے لئے بہتر ہے۔ (اس میں ہر کسی کا حقِ ربوبیّت محفوظ ہے!) اور اگر تم (اس ضابطۂ ربوبیّت کا) انکار کر دو (تو تمہارے انکار سے حقیقت نہیں بدل سکتی)۔ پس بیشک آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے سب کا سب اللہ تعالیٰ کا ہے (یعنی تم سب کی ضروریاتِ زندگی کیلئے مشترک ہے) اور اللہ تعالیٰ بڑھکر جاننے والا حکمت والا ہے:

وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

• واضح رہے کہ یہ جملہ اسی سورہ نساء میں پیچھے آیت مجیدہ نمبر ۱۲۶ میں ایک مرتبہ، پھر اگلی آیت نمبر ۱۳۱ میں دو مرتبہ اور اسکی ملحقہ آیت نمبر ۱۳۲ میں ایک مرتبہ اسطرح آیا ہے کہ آیت نمبر ۱۳۱، اسی جملہ، وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ سے سے شروع ہوتی اور اسی جملہ فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ پر ختم ہوتی ہے۔ اور اسکی ملحقہ آیت مجیدہ ۱۳۲ پھر اسی جملہ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ سے شروع ہوتی ہے۔ نیز واضح رہے کہ دو باہم ملحقہ متصل آیتوں ۴/۱۷۰ کے بعد اگلی آیت مجیدہ ۴/۱۷۱ میں یہی تکرار بالفاظِ ذیل آرہا ہے:۔ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ۔

• اب غور طلب یہ امر ہے کہ آیاتِ مجیدہ ۱۲۶ تا ۱۳۲، میں ایک ہی جملہ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ کا چار مرتبہ کا تکرار، اور باہم ملحقہ صرف دو آیتوں ۱۳۱-۱۳۲، اور ۱۷۰-۱۷۱ میں اسی جملہ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ کا

مسلسل تکرار کیا بے معنی اور عبث ہے۔ کیا یہ معاذ اللہ معاذ اللہ قرآن مجید کو علمی سطح سے گرانے کیلئے لایا گیا ہے؟

• واضح رہے کہ :-

• کسی کلام میں تکرار یا تو متکلّم کے ذہنی انتشار و نسیان اور اسکی ادنیٰ شخصیت کا مظہر ہوتا ہے۔ اور یا معقول شخصیت کیطرف سے تاکید کے اظہار کیلئے لایا جاتا ہے اور اگر دوسے زائد مرتبہ کا تکرار وارد ہو تو تاکید در تاکید اور تاکید مزید کا فائدہ دیتا ہے۔ اب چونکہ قرآن مجید کلام ہے اللہ تعالیٰ کا، جو ذہنی انتشار اور نسیان کے عیوب سے صد فیصد مبرّا ہے۔ اس پر وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا ۱۹/۶۴ ، اور وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيلًا ۴/۱۲۲ کے قرآنی الفاظ شاہد ہیں۔

• فلہٰذا ثابت ہُوا کہ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ کا بار بار کا تکرار جو آیاتِ بالا کے علاوہ قرآن مجید میں ۲/۲۸۴ + ۳/۱۰۹ + ۳/۱۲۹ + ۵/۱۷ + ۱۰/۵۵ + ۲۲/۶۴ + ۳۱/۲۶ + ۵۳/۳۱ متعدد بار آیا ہے، یہ تکرار تاکیدی ہے۔ اسی کے مترادف الفاظ لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ آیاتِ ذیل ۲/۱۱۶ + ۱۰/۶۸ + ۱۴/۲ + ۱۶/۵۲ + ۲۰/۶ + ۲۲/۶۴ + ۳۴/۱ + ۳۹/۴۴ + ۴۲/۴ + ۴۲/۵۳ اور ۴۳/۸۵ کے عظیم و کثیر تکرار کیساتھ وارد ہوئے اور مفہوم دونوں قسم کے جملوں کا یہ ہے کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے، وہ سب کا سب اللہ کی ملکیت ہے۔ اور یہ قرآن کریم کے اوّلین درس اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کا تکرار تاکیدی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی مقدّس کتاب کے طول و عرض میں پھیلا کر اس امر کی تاکید فرمائی ہے کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے وہ سارے کا سارا اللہ تعالیٰ کا ہے۔ اور چونکہ مخلوق بھی ساری کی ساری اللہ تعالیٰ کی ہے یعنی وہ سب کا ایک جیسا ربّ العٰلمین ہے۔ اسلئے تم اللہ کی ملکیت پر اپنی ملکیت نہ جما لینا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی ساری نعمتوں کو اُسکی ساری مخلوق پر متوازن انداز کیساتھ تقسیم کرنا۔

• اس عظیم تکرار تاکیدی سے ذاتی ملکیت کی نفی اور ہر فرد کے حقِ ضروریاتِ زندگی کا اثبات عیاں ہے۔ ذاتِ باری نے اسی مفہوم کو ذیل کی آیاتِ کریمات میں مزید نکھار کر بیان کر دیا ہے :-

• وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۳/۱۸۰ ؛ اور (سن لو کہ) آسمانوں اور زمین کی میراث صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کیلئے ہے اور تم جو بھی عمل اُسکے حقِ میراث کو توڑنے کیلئے کروگے وہ اُسے خوب جاننے والا ہے۔

• اس آیتِ مجیدہ کے آخری جملے میں تنبیہ فرمائی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حقِ میراث و ملکیت میں خیانت نہ کرنا۔ اللہ کی نعمتوں کو اُسکی مخلوق میں اسطرح متوازی انداز کیساتھ تقسیم کرنا کہ کوئی فردِ بشر ضروریاتِ زندگی سے محروم نہ پایا جائے اور اوّلین درسِ قرآنیہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کے مطابق پوری دنیا اللہ تعالیٰ کی ربوبیتِ عالمینی کی مُنہ بولتی تصویر بن جائے۔

• سورہ نجم میں جملہ زیر بحث کی غرض بتائی گئی ہے :-

• وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ أَسَاءُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَيَجْزِيَ الَّذِيْنَ أَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰى ۵۳/۳۱ ؛ حقیقت یہ ہے کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے، وہ سب کا سب اللہ ہی کی ملکیت ہے (اس حقیقت کے اعلان کی غرض یہ ہے تاکہ) جو کوئی اس حقیقتِ قرآنی کے خلاف برا عمل کرے اُسے بری سزا دی جائے۔ اور جو کوئی اس پر عمل کر کے معاشرہ میں حسنِ توازن پیدا کرے اُسے اُسکا اچھا بدلہ دیا جائے۔

مسجدیں اللہ کی ہیں یعنی اُسکے بندوں کیلئے ہیں

• اللہ کی ملکیت اُسکے بندوں کی مُشترکہ ضروریات کیلئے ہے۔ اِسکے ثبوت میں ایک اور قرآنی مثال ملاحظہ فرمائیں جس پر معاشرہ میں باقاعدہ اور مسلسل عمل درآمد ہوتا چلا آرہا ہے۔ سورۃ جن میں ارشاد ہوا ہے:- وَاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ ۷۲/۱۸ = اور یہ کہ بلاشبہ مسجدیں اللہ کی ملکیت ہیں ۔ اب اِس خداوندی ملکیت کی عملی صورت یہ ہے کہ کوئی بھی مسجد یا اُسکا کوئی حصّہ کسی فرد کی ذاتی ملکیت نہیں مانا جاتا۔ بلکہ مسجدیں پورے عوام کی مُشترکہ سجدہ گاہیں تسلیم کی جاتی ہیں۔ اِسیطرح مسجد حرام کے متعلق ارشاد ہوا ہے کہ یہ تمام لوگوں کے لئے مشترکہ طور پر قِيٰمًا لِّلنَّاسِ ۵/۹۷ اور مَثَابَةً لِّلنَّاسِ ۲/۱۲۵ ہے۔ پس غور فرمائیں کہ کسطرح باندازِ بیغ وضاحت کردیگئی ہے کہ مسجدِ حرام ہے تو اللہ کی۔ مگر اُسکی عملی صورت یہ ہے کہ وہ اَلنَّاس، پُوری نوعِ اِنسانی کو قدموں پر کھڑا کرنے اور اُنکے فائدوں کیلئے ہے۔ پس اِس قرآنی مثال سے بدرجۂ اَولیٰ ثابت ہُوا کہ قرآنِ حکیم نے جو، لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ کا کثیر تکراری اعلان کر رکھا ہے، اُس سے مراد یہ ہے کہ آسمانوں اور زمین کی تمام چیزیں نوعِ انسانی میں اِس توازن کیساتھ تقسیم کی جانی لازم ہیں کہ کسی فرد کی کوئی وقتی ضرورت رُکی ہُوئی نہ ہو۔ اور کرۂ ارض کا ہر گوشہ بزبانِ حال پکار رہا ہو:-

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

جرائم کی سزا سے بچنے کے حیلے

• آگے بڑھنے کے پہلے سلسلۂ درس کی آیت بالا کے آخری جُملے کو بھی نگاہوں کے سامنے لائیں۔ دیکھئے! ارشاد ہُوا ہے:- وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۰ ۴/۱۷۰ = اور اگر تم ضابطۂ ربوبیت کا انکار کرو (تو تمہارے انکار سے حقیقت نہیں بدل سکتی۔ حقیقت یہ ہے کہ) آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے اللہ ہی کی ملکیت ہے۔ اور (اِس حقیقت کا اظہار) عین اللہ کے علم اور حکمت کے مطابق ہے یعنی اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ ذاتی ملکیت کا تصوّر اور اسکے نتیجے کے طور پر اکثریت کی ضروریاتِ زندگی سے محرومی فسادِ عالم کی جڑ ہے۔ اِسلئے اُس نے اپنی حکمت کیساتھ فساد کی جڑ کاٹ دی ہے۔

• نیز سابقہ صفحہ پر آپ ۴/۳۰ کے حوالہ سے دیکھ چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ربوبیتِ عالمینی کی مخالفت کو موجبِ سزا اور اِسکی موافقت کو موجبِ جزا قرار دیا ہے۔ اب چونکہ عوام کے حقوقِ ربوبیت غصب کرتے ہُوئے اُن پر ایسے ایسے ظلم توڑے جاتے ہیں کہ زمین و آسمان کانپ اُٹھتے ہیں، جیسے کہ ایک طرف استحصالی گروہ کے کُتّوں کے برتنوں میں اُنکی ضرورت سے زائد دودھ اُنکے پیروں کی ٹھوکریں کھاتا ہوتا ہے۔ اور دُوسری طرف غریب عوام کے بیمار بچّے دُودھ کے ایک گھونٹ کو ترستے ہوئے خشک لب دم توڑ رہے ہوتے ہیں۔

نصاریٰ کی تثلیث انجیل کا حکم نہیں بلکہ خود تراشیدہ اور افترایٔ علی اللہ ہے۔

• نوعِ انسانی نے اِس قسم کے گوناگون ظلموں کی سزا سے بچنے کیلئے کفارہ اور شفاعت وغیرہ کے عقیدے ایجاد کر رکھے ہیں۔ جیسے کہ نصاریٰ نے حضرت مسیحؑ کو مصلوب مانکر کفارہ کا عقیدہ ایجاد کیا، اور اُنہیں اللہ کیساتھ برابر کا اِلٰہ قرار دے رکھا ہے تاکہ اپنے جُرموں کی سزا سے بچ جائیں۔ سلسلۂ درس کی اگلی آیتِ مجیدہ میں نصاریٰ کے عقیدۂ تثلیث کا ابطال

کیا گیا اور اس امر کی وضاحت کر دی گئی ہے کہ تثلیث وکفارہ کا عقیدہ نصاریٰ کا افتراء ہے، انجیل کا حکم نہیں ؛۔

يَاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا

اے اہل کتاب نہ حد سے نکلو بیچ دین اپنے کے اور نہ کہو

عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ؕ اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ

اوپر اللہ کے سوائے سچ کے سوائے اسکے نہیں کہ مسیح عیسیٰ بیٹا مریم کا

رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ ۚ اَلْقٰهَآ اِلٰى مَرْيَمَ وَ

بھیجا ہوا اللہ کا اور اسکا کلام پانیوالا تھا پیش کیا اسنے طرف مریم کے، اور

رُوْحٌ مِّنْهُ ؗ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ

تعلیم پانیوالا طرف سے اسکی پس ایمان لاؤ ساتھ اللہ کے اور رسولوں اس کے کے

وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ؕ اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ؕ اِنَّمَا

اور مت کہو تین ہیں۔ باز آجاؤ بہتر ہے واسطے تمہارے سوائے اسکے نہیں کہ

اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ سُبْحٰنَهٗۤ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ ۘ

اللہ ہے حاکم اکیلا - وہ پاک ہے کہ ہو واسطے اس کے بیٹا

لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَ

واسطے اسی کے ہے جو ہے بیچ آسمانوں کے اور جو ہے بیچ زمین کے۔ اور

كَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ۠ ١٧١ ع

ہے کافی اللہ کارساز

اے اہل کتاب (تمہیں جو دین اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کے ذریعہ دیا ہے) اس میں (ردّوبدل کرکے) غلو نہ کرو۔ اور نہ کہو اوپر اللہ کے سوائے حق کے۔ (تم نے مسیح کو خدا کا بیٹا اور اُسے اپنے گناہوں کا کفارہ غلط طور پر خود ٹھہرالیا ہے) سوائے اسکے نہیں کہ مسیح عیسیٰ مریم کا بیٹا، اللہ کا بھیجا ہوا (رسول) اور اُسکی طرف سے کلام پانیوالا تھا۔ اُسکی (خوشخبری) مریم کو دی گئی تھی۔ یعنی وہ ہستی اللہ کیطرف سے اُسکی تعلیم پانیوالا تھا۔ (اُسے اللہ کیطرف سے وحی کی جاتی تھی) پس تم اکیلے اللہ کے ساتھ اور اُسکے تمام رسولوں کیساتھ ایمان لاؤ۔ اور مت کہا کرو کہ تین خدا ہیں (تمہارا تثلیث کا عقیدہ مطلقاً غلط ہے) اس سے باز آجاؤ اپنے لئے نیک اعمال بجالاؤ۔ سوائے اسکے نہیں کہ اللہ اکیلا ہی الٰہ ہے (جس کی عبودیت اختیار کی جائے) وہ پاک ہے اس چیز سے کہ اسکا بیٹا ہو۔ اُسی کی ملکیت ہے۔ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ اور (مسیح کارساز کبھی نہیں) کارسازی کی رُو سے اکیلا اللہ ہی کافی ہے۔

اٰمِنُوْا، اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ میں خَيْرًا منصوب ہے۔ اسکا نصب مفعول بہٖ ہونے کی بدولت ہے۔ اسکا عامل فعل حذف ہے اِفْعَلُوْا خَيْرًا لَّكُمْ۔ وایمان لاؤ (باطل عقائد چھوڑ دو) اپنے لئے اعمال صالح بجالاؤ۔

● مِنْهُ واضح رہے کہ :۔

● كَلِمَتُهٗ سے حضرت مسیح مراد ہیں، جو حضرت مریم کو عطا کئے گئے تھے نیز حضرت مریم کو حضرت مسیح ہی کی خوشخبری دی گئی تھی :۔

اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ۖ اسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيْهًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ۙ

$\frac{3}{45}$ = (اے مریم!) بیشک اللہ تعالیٰ تجھے اپنی طرف سے ایک کلام پانیوالے کی خوشخبری دیتا ہے کہ اُسکا نام مسیح عیسیٰ ابن مریم ہوگا۔ جو دُنیا اور آخرت میں پُروقار ہوگا اور اللہ کے مقربین میں سے ہوگا

● یہاں کلمہ بمعنی کلام پانیوالا بطور اسم فاعل استعمال ہوا ہے۔ جیسے کہ هُوَ اُذُنٌ $\frac{9}{61}$ کا یہ معنی نہیں ہے کہ وہ کان ہے۔ بلکہ اسکا

معنی یہ ہے کہ وہ کان والا، سُننے والا ہے، صرف سُنی سنائی باتیں کرتا ہے۔

• ۳ اِسیطرح رُوْحٌ مِّنْہُ کا ہرگز یہ معنی نہیں کہ حضرت مسیحؑ اللہ تعالیٰ کی رُوح بمعنی جان تھے، جو بقول کسے جسم کے اندر داخل ہوتی ہے تو جسم زندہ ہو جاتا ہے اور نکل جاتی ہے تو جسم مرجاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے متعلق جسم اور رُوح کا تصوّر ہی مطلقاً غلط ہے۔ پھر رُوْحٌ مِّنْہُ سے حضرت مسیحؑ کو اللہ کی رُوح میں سے قرار دینا، حضرت مسیحؑ کو اللہ کا حصّہ قرار دینا ہے۔ جو اللہ احد و واحد کے جُزو مقرر کرنے کے مصداق نہ صرف غلط بلکہ مُشرکانہ تصوّر ہے۔

• حقیقت یہ ہے کہ قرآن کریم میں رُوح کا لفظ اللہ تعالیٰ کی تعلیم، اُسکی وحی کیلئے آیا ہے۔ جیسے کہ ارشادِ باری ہے:-

۱ یُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِکَۃَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِہٖ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖٓ ۱۶/۲ = اللہ تعالیٰ اپنے ملائکہ کو اپنی روح (تعلیم وحی) کیساتھ اپنے امر سے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے نازل کرتا ہے۔

۲ یُلْقِی الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِہٖ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖ ۴۰/۱۵ = اللہ تعالیٰ اپنے امر سے اپنی رُوح (تعلیم وحی) اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے پیش کرتا ہے (نازل کرتا ہے)۔

۳ وَکَذٰلِکَ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ۴۲/۵۲ = اور (اے رسول!) اِسیطرح ہم نے آپکی طرف اپنے امر سے (روح) تعلیم وحی فرمائی ہے — دیکھئے! اِن ہر سہ آیات کریمات میں دوپہر کے سورج کیطرح اللہ کی رُوح بمعنی اُسکی تعلیم، اُس کی وحی ثابت ہے۔ اب جو آیت مجیدہ زیر بحث میں حضرت مسیحؑ کو رُوْحٌ مِّنْہُ کہا گیا ہے یہاں بھی رُوح، اسم بطور اسم فاعل استعمال ہُوا ہے۔ اللہ کیطرف سے رُوح، یعنی اللہ کی تعلیم پانیوالا۔

• ۴ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَۃٌ میں لفظ اٰلِھَۃٌ محذوف، اور تقدیر کلام یہ ہے:- وَلَا تَقُوْلُوْا اٰلِھَتُنَا ثَلٰثَۃٌ = مت کہا کرو کہ ہمارے اِلٰہ تین ہیں۔ اِسی چیز کی سورہ مائدہ میں بالفاظِ ذیل وضاحت موجود ہے:- لَقَدْ کَفَرَ الَّذِیْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰہَ ثَالِثُ ثَلٰثَۃٍ ۵/۷۳ = بیشک اُن لوگوں نے کُفر کیا جنہوں نے کہا کہ اللہ تین میں کا تیسرا ہے۔ اِن آیات کریمات میں نصاریٰ کے عقیدۂ تثلیث کی تردید کیگئی ہے۔ جنہوں نے باپ بیٹا اور روح القدس، یا باپ بیٹا اور مریم کو تین خدا ٹھہرا لیا ہُوا ہے۔

• لیکن افسوس ہے کہ جو لوگ حضرت مسیحؑ کو اللہ کی رُوح میں سے بتا کر اللہ کا حصّہ قرار دیتے ہیں، اُنہیں بھی اپنے نظریہ پر نظر ثانی کرنی چاہیئے۔ کیونکہ یہ نظریہ بھی دو اِلاہوں کا غمّاز ہے۔

• ۵۔ دیکھئے! اِس آیت مجیدہ میں پھر پہلی آیت کے عین متصل اُسی جملہ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کو لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ کے الفاظ میں تکرار تاکیدی، تاکید در تاکید اور تاکید مزید کے طور پر لایا گیا ہے کہ آسمانوں اور زمین کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے، یعنی پوری نوعِ انسانی کی متوازن ضروریاتِ زندگی کیلئے ہے۔ اِس پر کسی خاص فرد، خاص گروہ یا خاص قوم کی اجارہ داری تسلیم کرنا، یا الگ الگ افراد کی الگ الگ مختلف اور متضاد قسمت اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا قرآن کریم کے خلاف ہے۔

• ۱۷۱ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا آیت بالا کا آخری جملہ ہے، جس میں اللہ تعالیٰ کی کفائت وکالت کی خبر میں نصاریٰ کو تنبیہ کیا گیا ہے کہ تم نے جو حضرت مسیح کو کارساز قرار دے رکھا ہے یہ غلط ہے۔ کیونکہ وکالت (کارسازی) کی رُو سے اکیلا اللہ تعالیٰ کافی ہے۔ اسکے سوا کسی اور کو کارساز قرار دینا اللہ تعالیٰ کے اختیاراتِ خصوصی میں شریک قرار دینا ہے۔ چنانچہ سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں حضرتِ مسیح کے متعلق بتایا گیا ہے کہ وہ نہ الٰہ تھے نہ وکیل و کارساز۔ وہ اللہ کے بندے تھے۔ انہیں بندہ ہونے میں عار نہیں ہو گی۔

لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَ
نہیں عار سمجھیگا مسیح کہ ہو بندہ واسطے اللہ کے اور
لَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ ؕ وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ
رسول قریب کئے ہوئے۔ اور جو کوئی عار سمجھے اپنے بندہ ہونے سے
وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ اِلَيْهِ جَمِيْعًا ۱۷۲
اور تکبر کرے تو فرور اکٹھا کریگا انکو طرف اپنی سب کو

(حقیقت یہ ہے کہ) مسیح اللہ کا بندہ ہونے میں کوئی عار نہیں سمجھیگا۔ (یعنی قیامت کو بھی اپنے بندہ ہونے کا اقرار کریگا) اور نہ (اللہ کے) مقرب رسول اپنے آپ کے بندہ ہونے کو عار سمجھیں گے اور جو کوئی اپنے اللہ کا بندہ ہونے کو عار سمجھیں اور تکبر کریں تو اللہ تعالیٰ اُن سب کو (اعمال کی جوابدہی کیلئے) فرور اپنی طرف اکٹھا کریگا۔

• ۱۷۲ یہاں مَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ کے الفاظ، حضرات انبیاء کیلئے بطور مجاز آئے ہیں۔ کیونکہ حضرت مسیح کی عبدیت کے اظہار کیسا تھ سائقہ باقی انبیاء کی عبدیت کا بھی اعلان کر دیا گیا ہے۔ تاکہ حضرت عزیر کی عبدیت بھی عیاں ہو جاتے، جنہیں یہود نے خدا کا بیٹا بنا رکھا ہے — یہاں پر عوام کے ذہنی ملائکہ کا ذکر نہیں کیا گیا۔ اور نہ یہاں قرآنی ملائکہ، کائناتی قوتیں زیر بحث ہیں کیونکہ یہاں فَسَيَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا کے الفاظ سے عیاں ہے کہ یہ صرف وہی حضرات ہیں جو قیامت کی جوابدہی کیلئے اللہ تعالیٰ کے حضور اکٹھے کئے جائینگے۔ نہ روائتی ملائکہ بقولِ روایات قیامت کی جوابدہی کے مکلف ہیں اور نہ قرآنی ملائکہ۔ اسلئے کُھل کر ثابت ہوا کہ آیت زیر بحث میں ملائکہ کا لفظ مسیح نبی کیساتھ باقی انبیاء کیلئے بطور مجاز لایا گیا ہے، جو میدانِ قیامت میں جمع کئے جائینگے۔

• واضح رہے کہ:۔

• اس وسیع وعریض کائنات میں اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ ملائکہ تو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا ملکہ ہی نہیں رکھتے۔ بھری دُنیا میں صرف حضرتِ انسان ہے جو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری اور نافرمانی دونوں کام کرنے کا ملکہ رکھتا ہے۔ اسی نوعِ انسانی کی رہنمائی کیلئے اسی نوع میں سے انبیاء سلام علیہم بھیجے جایا کرتے تھے۔ آیتِ بالا میں انہیں مجازاً ملائکہ مقرب کہا گیا ہے کہ اُن میں اگرچہ نافرمانی کا ملکہ موجود تھا۔ لیکن انہیں اپنے آپ پر پُورا پُورا کنٹرول تھا۔ اگرچہ حضرات انبیاء بشری تقاضوں سے مبرّا نہیں تھے، مگر وہ سب کے سب اِرادے کیساتھ کوئی معمولی سی نافرمانی بھی نہیں کرتے تھے۔ اِس مقدس جماعت کی عظمتِ ناموس پر ذیل کے قرآنی الفاظ قیامت تک گواہ رہینگے۔

• عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ۙ لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ ۝ ۲۱/۲۷-۲۶

(مفہوم) وہ اللہ کے واجب التکریم بندے تھے۔ وہ بات میں بھی اپنے خالق و مالک سے آگے نہیں بڑھتے تھے۔ اور عمل کے لحاظ سے اُنکا ایک ایک قدم اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق اٹھتا تھا۔ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ ۚ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِينَ ۝ ۳۷/۱۸۱-۱۸۲

اللہ تعالیٰ کی عبدیت سے انکار و تکبر، موجب عذاب الیم ہے

• سلسلۂ درس کی آیت بالا میں حضرت مسیحؑ اور جملہ انبیاء سلام علیہم کے متعلق اِس امر کی وضاحت کرنے کے بعد کہ وہ سب اللہ کے عبد تھے۔ اُنہوں نے زندگی بھر کبھی اللہ کی عبودیت سے انکار نہیں کیا تھا۔ اور قیامت کو بھی اللہ کی عبودیت کو عار نہیں جانیںگے۔ اور ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کی عبدیت سے انکار و تکبر کرنیوالوں سے قیامت کی باز پرس کی خبر دینے کے بعد اگلی آیت مجیدہ میں باعمل مومنین کے بہتر اجر کی خبر دیگئی ہے اور اللہ تعالیٰ کی عبدیت سے عار و استکبار کرنیوالوں کیلئے تکرار تاکیدی کے طور پر مفصلاً عذاب الیم کی خبر دیگئی ہے:۔

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ پھر جو لوگ ایمان لائیں اور عمل کریں اصلاح کے،	پھر جو لوگ ایمان لائیں (ضابطۂ الٰہی پر) اور معاشرہ کی اصلاح کے کام کریں۔
فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ پس پورا دیگا اُن کو اجر اُن کا اور زیادہ کریگا اُن کو میں سے	تو اللہ تعالیٰ اُنہیں اُنکا پورا پورا بدلہ دیگا۔ اور اُنہیں اپنے فضل سے زیادہ کریگا
فَضْلِهٖ ۚ وَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْتَنْكَفُوْا وَاسْتَكْبَرُوْا فضل اپنے کے۔ اور جو لوگ عار جانیں اور بڑائی چاہیں	اور جو لوگ (انبیاءؑ کو اللہ کے بندے ماننے کو) عار سمجھیںؑ اور اپنی بڑائی چاہیںؑ،
فَيُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ وَّلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ عذاب کریگا اُن کو، عذاب دردناک۔ اور نہ پائینگے واسطے اپنے	تو (اللہ تعالیٰ) اُنہیں دردناک سزا کیساتھ عذاب کریگا۔ اور وہ اپنے لئے سوائے اللہ کے (اپنے خود ساختہ خیر خواہوں اور مددگاروں میں سے) کسی ایک کو بھی نہ خیر خواہ پائینگے اور نہ مددگارؑ
مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ۝ ۱۷۳ میں سے سوائے اللہ کے دوست اور نہ مددگار	

• ۱ے وَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْتَنْكَفُوْا کا معنیٰ لکھا گیا ہے، جو لوگ اللہ کے نبیوں کو اللہ کے بندے ماننے کو عار سمجھیں۔ ان الفاظ کے اِس مفہوم کی صحت کا ثبوت پورا سیاقِ کلام ہے جس میں حضرت مسیحؑ اور جملہ انبیاءؑ کو اللہ کے بندے بتایا گیا ہے۔ اور وضاحت کر دیگئی ہے کہ قیامت کو حضرت مسیحؑ سمیت باقی جملہ انبیاء سلام علیہم بھی اپنے، اللہ کے بندے ہونے کو ہرگز باعثِ عار نہیں جانینگے۔ اب اِس سیاق کے مطابق اَمَّا الَّذِيْنَ اسْتَنْكَفُوْا کے الفاظ پر غور فرمائیں۔ اِن لفظوں کا مطلق معنیٰ یہ ہے "جو لوگ عار جانیں"۔ اِس پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ کس چیز کو عار جانیں؟ اِس سوال کا جواب سیاقِ کلام میں موجود ہے کہ جو لوگ انبیاءؑ کے اللہ کے بندے ہونے کو عار جانیں۔ یعنی اُنکے ہاں انبیاءؑ کو بندوں کی بجائے ما فوق الانسان مانا جائے۔

• ۲ے اِسْتَنْكَفُوْا کے عین متصل ما بعد آیا ہے وَاسْتَكْبَرُوْا۔ اِسکا مطلق معنیٰ یہ ہے کہ "اور اُنہوں نے اپنی بڑائی چاہی" اِن الفاظ میں ایک خطرناک گوشے کا انکشاف کیا گیا ہے۔ کہ یہ لوگ انبیاءؑ کو ما فوق الانسان ہستیاں کہکر خود اپنی بڑائی کے

طلبگار ہوتے ہیں۔ واضح رہے کہ اِن الفاظ میں یہ بتایا گیا ہے۔ کہ مافوق الانسان ہونے کا تصوّر شروع تو کیا جاتا ہے حضرات انبیاؑ سے، مگر اِس تصوّر کو آگے بڑھا کر غیر انبیاء بزرگوں کو بھی مافوق الانسان کی سطح پر لے آیا جاتا ہے۔ ہر دَور کے لوگ اپنے بزرگوں کو مافوق الانسان بتاتے چلے آتے ہیں، اور اِسطرح جو لوگ آج خود تو اپنے مُنہ سے مافوق الانسان نہیں بنتے، صرف اپنے بزرگوں کو مافوق الانسان بتاتے ہیں۔ کل کو اُنکی وفات کے بعد اُنکے جانشین اُنہیں مافوق الانسان ٹھہرا دیتے ہیں۔ لھذا القیاس ہر بزرگ کا جانشین اپنے سلف بزرگ کو مافوق الانسان ٹھہراتا چلا جارہا ہوتا ہے۔

• اِس نظریئے کو آیت بالا میں موجب عذاب الیم قرار دیا گیا ہے۔ دُنیا میں اِس نظریہ کا نقصان عیاں ہے کہ، جو قوم اپنے بزرگوں کو مافوق الانسان مانتی ہے، وہ اُنکی طرف عجیب و غریب کرامتیں منسوب کرکے خود بے عمل اور جامد ہو جاتی ہے۔ ہر کام میں خدا تعالیٰ کے خود متعین فرمودہ مادی ذرائع کو پسِ پُشت پھینک کر بزرگوں کی کرامتوں پر بھروسہ کئے رہتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دُوسری قومیں جو اللہ تعالیٰ کے عظیم مادی شاہکاروں کو مسخر کرکے چاند اور مریخ کے سفر اختیار کرتے ہُوئے عروج وکمال کی بلندیوں کو چھو رہی ہوتی ہیں، مگر یہ انتہائی پسماندگی کی اتھاہ گہرائیوں میں گری ہوتی ہے۔

• ۱۷۳ وَلَا يَجِدُونَ لَهُم مِّن دُونِ اللَّهِ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا پر غور کرنے سے ظاہر ہے کہ جب قیامت میں عمل کا موقع ہی کوئی نہیں کیونکہ وہ دار الجزا ہے۔ اِسلئے اللہ تعالیٰ کی ولایت و نصرت حاصل کرنے کے مواقع صرف اور صرف دُنیا میں ہیں۔ جو دار العمل ہے۔ پس بتایا گیا ہے کہ جو لوگ مذکورہ عذاب الیم سے بچنا چاہتے ہیں، وہ دُنیوی زندگی میں انبیاؑ کے مافوق الانسان ہونے کے عقیدہ سے رجوع کریں۔ اور جسطرح نبیوںؑ نے اپنے ذاتی اعمال کے ذریعہ دُنیا و آخرت کی سُرخروئی حاصل فرمائی تھی۔ اُسیطرح وہ بھی جمود کی دلدلوں سے نکل کر عمل کی پہنائیوں میں سرگرم تگ و تاز ہو جائیں۔ تاکہ دُنیا کی کامیابی اور اُخروی فلاح دونوں سعادتیں حاصل کرسکیں۔

قرآن کریم نورِ مبین ہے

• سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ اِس ظلم و استحصال کے اندھیروں میں ڈوبی ہُوئی دنیا میں پُوری نوعِ انسانی کیلئے روشنی کا مینار جس سے انسانی راہِ حیات کا ہر خطرناک موڑ پُوری طرح نمایاں ہو کر سامنے آجاتا ہے، اُسکی نازل کردہ کتاب قرآن کریم ہے۔ چنانچہ قیامت تک کی پُوری نوعِ انسانی کو مخاطب کرکے ارشاد ہُوا ہے:-

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُم بُرْهَانٌ اے نوعِ انسانی! بیشک آگئی تمہارے پاس دلیل قاطع، مِّن رَّبِّكُمْ وَأَنزَلْنَا إِلَيْكُمْ نُورًا طرف سے رب تمہارے کے، اور نازل کی ہمنے طرف تمہاری روشنی مُّبِينًا ۝ ۱۷۴ ظاہر	اے پُوری نوعِ انسانی بلاشبہ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے (خداوندی حقائق کا مجموعہ قرآن کریم، ہر متنازعہ مسئلہ کے حل کیلئے بصورتِ) دلیل قاطع آگیا ہے یعنی ہم نے تمہاری طرف ایک ظاہر نور، (روشنی کا مینار) نازل کردیا ہے۔ (تاکہ تم ہر قسم کے اندھیروں سے نکل کر روشنی میں آجاؤ ۱۴)

• ۱؎ یہاں بُرھان سے مراد قرآنِ کریم ہے ۔ اس پر اسلاف و اخلاف کے سب کے سب مترجمین و مفسرین صد فیصد متفق ہیں ۔ لیکن نُوراً مُّبِیْناً سے بعض مترجمین و مفسرین نے آنحضورؐ مراد لیا ہے ۔ اور اسکے ساتھ ذیل کی آیت مجیدہ کو ملاکر آنحضورؐ کو بشر کی بجائے نور قرار دیدیا ہے :- قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۝ ۵/۱۵ ۔ اس آیت کے الفاظ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ سے بھی آیتِ بالا زیر بحث ۴/۱۷۴ کیطرح آنحضورؐ ہی مراد لئے گئے ہیں ۔

• ۲؎ مگر دونوں مقامات پر غلطی یہ کیگئی ہے کہ ہر دو آیتوں کے درمیان میں آمدہ **واؤ** کو عطف مغائرت قرار دیدیا ہے ۔ یعنی آیت نمبر ۴/۱۷۴ میں نور کو بُرہان سے اور ۵/۱۵ میں نور کو کتاب سے الگ چیز قرار دیا گیا ہے ۔ حالانکہ دونوں آیتوں میں واؤ تفسیری یعنی یعنی ہے ۔ اور دونوں آیتوں کا الگ الگ ایک ہی مفہوم یہ ہے :-

• اے نوعِ انسانی بیشک تمہارے پاس تمہارے رب کیطرف سے بُرھان آیا ہے ، یعنی ہمنے تمہاری طرف ظاہر نُور نازل فرمایا ہے ۴/۱۷۴

• بیشک تمہارے پاس اللہ کیطرف سے نور یعنی کھول کھولکر بیان کرنیوالی کتاب آگئی ہے ۵/۱۵

اللہ کیطرف سے نازل ہوتی تھی اُسکی کتاب ، نبی نازل نہیں بلکہ مبعوث کیے جاتے تھے

• دیکھئے ۴/۱۷۴ میں نور کے متعلق ارشاد ہُوا ہے اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا ۔ یعنی نور کا نازل کیا جانا بتایا گیا ہے ۔ اور اسیطرح سورہ اعراف میں بھی نور کے نازل کرنے کی خبر دیگئی ہے :- وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۷/۱۵۷ ۔ اور انہوں نے اتباع کی اُس نور کی جو (رسول) کیساتھ نازل کیا گیا ہے ۔ اسیطرح سورہ تغابن میں بھی نور کا نازل کیا جانا بتایا گیا ہے :-

• فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِيْٓ اَنْزَلْنَا ۶۴/۸ ۔ پس ایمان لاؤ اللہ کیساتھ اور اُسکے رسول کیساتھ اور اُس نور کیساتھ جو ہمنے نازل فرمایا ہے ــ دیکھا آپنے ! کہ ہر مقام پر نور کے نازل کرنے کی خبر دیگئی ہے نبیوں کے نازل کرنے کی کہیں بھی خبر نہیں آئی ۔ پس آیت زیر بحث ۴/۱۷۴ میں نور سے مراد آنحضورؐ نہیں بلکہ قرآنِ کریم ہے ، کیونکہ آنحضورؐ مبعوث ہُوئے تھے ، نازل نہیں ہُوئے تھے : نازل ہُوا تھا قرآنِ کریم ۔

توراۃ اور انجیل بھی اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ نور تھیں

• اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ ۵/۴۴ = بیشک ہمنے توراۃ نازل فرمائی تھی اُس میں ہدایت اور نور تھا ۔

• وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ ۵/۴۶ = اور ہمنے (عیسیٰ) کو انجیل عطا فرمائی ، اُس میں ہدایت اور نور تھا ۔

• اب غور فرمائیں کہ اِن آیات کریمات میں توراۃ اور انجیل کو بھی نور کہا گیا ہے ۔ یہ نور اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتابیں تھیں ، جو انسانی زندگی کی تاریک راہوں کو روشن کرنیوالی تھیں ۔ اللہ کے نبی بشر تھے ۱۸/۱۱۰ + ۱۱/۳۱ + ۱۴/۱۱ ، نور نہیں تھے بلکہ اُن میں سے ہر نبی صاحبِ نور تھا ۔ ہر نبی کیساتھ نور نازل کیا گیا تھا ۔ ـ وَالنُّوْرِ الَّذِيْٓ اَنْزَلْنَا ۶۴/۸ ـ اَلنُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۷/۱۵۷

• اللہ کے جملہ نبی رسول نوع اور جنس کے لحاظ سے صد فیصد بشر تھے ۔ پیدا ہُوئے ، طبعی زندگی کی تمام منزلیں بچپن ، جوانی اور بڑھاپا طے کیں ، اور بالآخر فوت ہو گئے ۔ یہ جملہ صفات نوعِ بشری کی ہیں ، نور کی نہیں ۔ نور ، اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب

قرآن مجید ہے، جس نے کائنات کی تاریک راہیں روشن کر کے خطرے کا ہر مقام نمایاں کر رکھا ہے۔ مگر ولے حسرتا! کہ نوعِ انسانی ہر آن خطروں ہی کی طرف رواں دواں چلی جارہی ہے۔

• واضح رہے کہ سلسلۂ درس کی اگلی آئت مجیدہ ۴/۱۷۵، درحقیقت سورہ نسآء کی آخری آئت ہے۔ اُس سے اگلی آئت مجیدہ ۴/۱۷۶، اُس مسئلہ وراثت کا تتمہ ہے جو ۴/۱۱ تا ۴/۱۲ میں سورت مجیدہ کی ابتداء میں گزر چکا ہے۔ پس سورہ نسآء کے اخیر میں اِس آئت مجیدہ کے مختصر اور جامع الفاظ میں قرآنی نظام کا خاکہ پیش کر دیا گیا ہے۔ لہٰذا اِس کا مفہوم اور اِسکے ضمنی نوٹ بغور ملاحظہ فرمائیں۔ دیکھئے! اِسکے ابتدائی الفاظ ہی میں تکرار تاکیدی کے طور پر بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اُسکی کتاب پر ایمان لانے اور کتاب کو عملاً تھامے رکھنے ہی سے اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور فضل میسر آتا، اور ہر قسم کے خطرات سے محفوظ سیدھی راہ، صراطِ مستقیم کی نشاندہی نصیب ہوتی ہے:۔

فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَاعْتَصَمُوْا بِہٖ
پھر جو لوگ ایمان لائے ساتھ اللہ کے اور مضبوط پکڑا اس کو

فَسَیُدْخِلُھُمْ فِیْ رَحْمَۃٍ مِّنْہُ وَفَضْلٍ
تو ضرور داخل کریگا انہیں بیچ رحمت کے طرف اپنی، اور فضل کے

وَّیَھْدِیْھِمْ اِلَیْہِ صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا ۱۷۵
اور رہنمائی کریگا انہیں طرف اپنی راستہ سیدھا

پھر جو لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائیں (اُسکے حکم کے مطابق اللہ، ملائکہ، کتب، رُسل اور قیامت پر ایمان لائیں)، اور اُس (کی کتاب) کو مضبوط تھام لیں۔ تو وہ ضرور انہیں اپنی رحمت اور فضل میں داخل کریگا۔ (اُنکی تمام سیاسی اور اقتصادی مشکلیں دُور کر دیگا) اور وہ انہیں اپنی طرف سیدھے راستے کی راہنمائی کریگا (جو سیاسی اور اقتصادی خطرات سے بھی محفوظ ہوگا۔ اور اُخروی زندگی کی کامیابی بھی میسر آئیگی)۔

(نوٹ) اِس آئت مجیدہ کے ضمنی نوٹ ذرا لمبے ہیں۔ نمبروار بغور ملاحظہ فرماتے چلے جائیں:۔

• ۱ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ کا معنیٰ لکھا گیا ہے کہ وہ اللہ پر یعنی اُسکے حکم کے مطابق اللہ، ملائکہ، کتب، رُسل اور قیامت پر ایمان لائیں۔ اِن معنوں کی صحت کیلئے واضح رہے کہ اِس آئت مجیدہ میں ایمان کی رُو سے صرف اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کو دُنیوی و اُخروی سعادت کیلئے کافی جاننا، مطلقاً غلط، اور تعلیم قرآنی کے صد فیصد خلاف ہے۔ فہم قرآن کیلئے تصریف آیات کے قرآنی اصول کو ہر آن نگاہوں میں رکھنا لازم ہے۔ پس غور فرمائیں کہ آئت زیرِ بحث میں اللہ پر ایمان لانے اور اُسے مضبوط تھام لینے کا نتیجہ دو چیزیں بیان ہوئی ہیں:۔

۱۔ فَسَیُدْخِلُھُمْ فِیْ رَحْمَۃٍ مِّنْہُ وَفَضْلٍ = تو اللہ انہیں ضرور اپنی طرف سے رحمت اور فضل میں داخل کریگا۔

۲۔ وَّیَھْدِیْھِمْ اِلَیْہِ صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا = اور رہنمائی کریگا انہیں اپنی طرف سیدھے راستے کی۔ • واضح رہے کہ صراطِ مستقیم اور رحمت و فضل لازم و ملزوم ہیں۔ اصل چیز ہے صراطِ مستقیم کا میسر آنا۔ جس کا تعلق ایمان اور عمل دونوں کیساتھ وابستہ ہے۔ ایمان کے ضمن میں اِسی سورہ نسآء کی آئت نمبر ۱۳۶ یہ پیچھے گزر چکا ہے:۔

• وَمَنْ یَّکْفُرْ بِاللّٰہِ وَمَلٰٓئِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِیْدًا ۴/۱۳۶ = اور جس نے انکار کیا اللہ کا، اور اُسکے ملائکہ کا، اُسکی کتابوں کا، اُسکے رسولوں کا، اور یومِ آخرت کا، تو وہ (صراطِ مستقیم سے بھٹک کر) دُور

کی گمراہی میں گمراہ ہو گیا۔

• دیکھئے: تصریف آیات کے قرآنی اسلوب کے مطابق، صراطِ مستقیم کو پانے اور اس سے بھٹک کر گمراہ ہو جانے سے بچنے کیلئے اکیلے اللہ پر ایمان لانا کافی نہیں بتایا گیا۔ بلکہ ایمان کی پانچ شقیں بتائی گئی ہیں۔ اللہ، ملائکہ، کتب، رسل اور قیامت پر ایمان لانا۔ پس تفسیر القرآن بالقرآن کے مطابق ۵/۱۷۵ کے الفاظ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ کا جو یہ مفہوم اوپر لکھا گیا ہے، صحیح ہے :- اللہ تعالیٰ پر ایمان لائیں (اُسکے حکم کے مطابق اللہ، ملائکہ، کتب، رسل اور قیامت پر ایمان لائیں)۔

• ۲۔ وَاعْتَصَمُوْا بِہٖ کا معنی لکھا گیا ہے۔ "اور اُسکی کتاب کو مضبوط تھام لیں"۔ اس مفہوم کی صحت کا ثبوت بھی قرآن کریم کی تصریف آیات میں موجود ہے۔ وَاعْتَصَمُوْا بِہٖ کا لفظی معنی ہے:۔"اور اُس (اللہ) کو مضبوط تھام لیں" — اب ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کو مضبوط پکڑنا، اُسے مضبوط تھامنا تو ممکن ہی نہیں، کیونکہ وہ کوئی مادی شئے تو ہے نہیں، جسے مضبوط پکڑا جاسکے۔ اسلئے وَاعْتَصَمُوْا کا قرآنی معنی بھی قرآنی تصریف آیات کیساتھ ملاحظہ فرمائیں۔ ارشادِ باری ہے :۔

• یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ○ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ○ ۳/۱۰۲-۱۰۳ = ایمان والو! اللہ تعالیٰ کی مخالفت سے اسطرح بچو جو بچنے کا حق ہے۔ اور تم نہ مرو مگر اس حالت میں کہ تم اللہ کے فرمانبردار ہو۔ اور اللہ کی رسی کو مضبوط تھام لو — دیکھئے! اس آیت مجیدہ میں اعتصام بحبل اللہ کا حکم دیا گیا ہے حبل کا لفظ مجازی طور پر کتاب کیلئے استعمال ہوا ہے، جسکی وضاحت سورہ مریم میں بالفاظ ذیل کردی گئی ہے :۔

• یٰیَحْیٰی خُذِ الْکِتٰبَ بِقُوَّۃٍ ط ۱۹/۱۲ = اے یحییٰ کتاب کو قوت کیساتھ پکڑلے — غور فرمائیے! کہ اس آیت مجیدہ میں، وَاعْتَصِمُوْا کی بجائے خُذْ بِقُوَّۃٍ آیا ہے، اور حَبْلِ اللّٰہِ کی بجائے کتاب کا لفظ لایا گیا ہے۔

• پس تصریفِ آیات کے قرآنی فیصلے کے مطابق سلسلۂ درس کی آیت مجیدہ ۴/۱۷۵ میں وَاعْتَصَمُوْا بِہٖ کا یہ معنی صد فیصد صحیح ہے :۔"اللہ کی کتاب کو مضبوط تھام لو — لیکن یہاں پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اللہ کی کتاب قرآن مجید کو دونوں ہاتھوں کیساتھ مضبوط پکڑنے کا حکم دیا گیا ہے؟ اور کیا اسطرح کتاب اللہ کو دونوں ہاتھوں کیساتھ مضبوط پکڑنے سے اللہ کی رحمت اور فضل میں داخلہ مل جائیگا۔ اور کیا اس سے صراطِ مستقیم کی رہنمائی ہو جائیگی؟ ہرگز نہیں۔

• برادرانِ عزیز! یہاں پھر تصریفِ آیات کا فیصلہ ملاحظہ فرمائیں۔ سورہ انعام میں ارشاد ہوا ہے :۔

• وَھٰذَا کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰہُ مُبٰرَکٌ فَاتَّبِعُوْہُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ ○ ۶/۱۵۵ = اور یہ کتاب (قرآن مجید) بابرکت ہے جسے خود ہمنے نازل کیا ہے۔ پس تم صرف اسی کی اتباع کرو۔ (یعنی اس میں درج حکموں پر عمل کرو) اور (اس میں جن کاموں سے منع کیا گیا ہے۔ اُن سے) بچو۔ تاکہ تم رحم کئے جاؤ — حاصل کلام یہ کہ اعتصام بحبل اللہ سے مراد اعتصام بکتٰب اللہ ہے۔ اور اعتصام بالکتٰب کا معنی ہے۔ کتاب میں درج اللہ تعالیٰ کے حکموں پر عمل کرنا۔ اور جن اعمال سے اُس نے منع کر دیا ہے اُن سے بچتے رہنا۔ اور اسی چیز کا نتیجہ ۴/۱۷۵ میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان اعمال کی جزا کے طور پر اپنی رحمت اور فضل میں داخل کردیگا۔ اور صراطِ مستقیم کی رہنمائی فرمائیگا۔

قرآنی حکومت اللہ کا فضل و رحمت ہے

● عــٓ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِىْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ کا معنٰی لکھا گیا ہے :۔ تو وہ انہیں ضرور اپنی رحمت اور فضل میں داخل کر دیگا۔ (انکی تمام سیاسی اور اقتصادی مشکلیں دُور کر دیگا) — اِس مفہوم کی صحت کیلئے تصریفِ آیات کا خداوندی فیصلہ ملاحظہ فرمائیں :۔

● حضرتِ داؤد سلام علیہ کو اللہ تعالیٰ نے خلافتِ ارضی عطا فرما رکھی تھی، جس کی خبر خود آپؑ ہی کو مخاطب کرکے بالفاظِ ذیل دیگئی ہے :۔ يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِى الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ ۳۸/۲۶ = اے داؤد! بلاشبہ ہم نے تجھے زمین میں خلیفہ بنایا ہے (زمین کی حکومت عطا فرمائی ہے) پس تُو لوگوں میں حق کیساتھ (یعنی ہماری کتاب کیساتھ) فیصلے کیا کر۔

● سورۂ سبا میں حضرتِ داؤد کی اِسی خلافتِ ارضی (یعنی زمینی اقتدار) کو اپنا فضل قرار دیا ہے :۔ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا ۳۴/۱۰ اور البتہ تحقیق ہمنے داؤد کو اپنی طرف سے فضل (خلافتِ ارضی، زمین کے ایک حصّے کی حکومت عطا فرمائی تھی) — اب ظاہر ہے کہ جس قوم کو خود اللہ کیطرف سے اُسکے فضل کیساتھ، ارضی اقتدار عطا کیا گیا ہو۔ اظہر من الشمس ہے کہ اسکی سیاسی اور اقتصادی تمام مشکلیں اسیطرح دُور ہو جائینگی۔ جسطرح حضرتِ داؤد کی قوم کی جملہ سیاسی اور اقتصادی مشکلیں دُور ہوگئی تھیں۔ ملکی دفاع اسقدر مضبوط تھا کہ کسی بیرونی حملہ کا خطرہ موجود نہ تھا۔ اور ریاست کا داخلی نظام اسقدر متوازن ربوبیتِ عالمینی کی اساس پہ قائم تھا کہ اندرونی خلفشار کے پیدا ہونے کا امکان تک موجود نہ تھا۔ نیز اقتصادی لحاظ سے بھی آپکی حکومت پُوری طرح دوسری حکومتوں سے مضبوط اور بے محتاج تھی۔

● یہاں پہنچکر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرتِ داؤدؑ تو اللہ کے نبی تھے، انہیں جو حکومت عطا ہوئی تھی اُسے تو اللہ کی رحمت اور فضل کہنا بجا ہے۔ غیر نبیوں کیلئے یہ لفظ کسطرح استعمال کیا جا سکتا ہے؟ اِسکا جواب تصریفِ آیات کے ذریعہ سورہ بقرہ میں موجود ہے، جہاں بنی اسرائیل کو مخاطب کرکے ارشاد ہُوا ہے :۔

● يٰبَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِىَ الَّتِىْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّىْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۲/۴۷ (اے بنی اسرائیل میری نعمت کو یاد کرو، جو میں نے تم پر ارزانی فرمائی۔ اور بیشک میں نے تمہیں اُس زمانے کے لوگوں پر فضیلت عطا کی یعنی ارضی اقتدار عطا فرمایا) — پس جو بھی حکومت کتاب اللہ کی اساس پہ قائم ہو اور اُس میں کتابُ اللہ کا قانون نافذ کیا جائے۔ وہ فضلِ خداوندی اور اُسکی رحمت ہے۔ ایسے نظام میں بسنے والوں کی جملہ سیاسی اور اقتصادی مشکلیں یقیناً دُور ہو جاتی ہیں۔

طاغوتی حکومتوں میں سیاسی اور اقتصادی مشکلیں کبھی ختم نہیں ہوتیں

● اِسکے برعکس جو حکومتیں ظلم و تشدد کیساتھ حاصل کی جاتی ہیں۔ اور جبر و استبداد کی اساس پہ قائم ہوتی ہیں، نیز اُن میں جابرانہ غیر متوازن نظام قائم کیا جاتا ہے ایسی حکومتوں میں بسنے والوں کی نہ سیاسی مشکلیں حل ہوتی ہیں نہ اقتصادی۔ بلکہ نت نئے موج نئی سیاسی مشکلات جنم لیتی رہتی ہیں، اور اقتصادی اُلجھنیں دِن بدن مزید اُلجھتی چلی جاتی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ غیر متوازن نظام نت نئے فساد خود پیدا کرتا ہے۔ طاغوتی حکومتیں جو جبر و استبداد کی اساس پہ قائم ہوتی ہیں، اُنہیں اللہ کیطرف سے اتمامِ حجت کیلئے لمبی مہلت دی جاتی ہے تاکہ ملکی اقتدار جو انہیں کسی نہ کسی طرح میسّر آگیا ہے، اُسکے ساتھ عوام کی خدمت کریں۔ نوعِ آدم

کے حقوقِ ربوبیّت بحال کرکے احترامِ آدمیّت کا ثبوت دیں۔ لیکن جب وُہ لمبی مُہلت سے بھی رجوع الی اللہ نہیں کرتیں تو کسی دوسری قوم سے اُنکا بِنّا یا نچا کرا دیا جاتا اور پھر اُس قوم کی مُہلت کی ابتدا ہو جاتی ہے۔ فراعنۂ مصر نے غیر متوازن نظام کے ذریعہ بنی اسرائیل کے حقوقِ ربوبیّت پر ڈاکہ ڈالے رکھا۔ لیکن بالآخر فرعونیّت کے آخری نمائندے کو لشکروں سمیت غرق کر دیا گیا۔ اور اُسکی حکومت بنی اسرائیل کو دیدیگئی۔ ارشادِ باری ہے:۔

• فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ۝ وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ۝ $\frac{۷}{۱۳۶ - ۱۳۷}$ = پھر ہمنے (لمبی مُہلت کے بعد) اُن سے انتقام لیا۔ پھر اُنہیں ہمنے سمندر میں ڈبو دیا۔ اِس سبب سے کہ اُنہوں نے ہماری آیتوں کی عملاً تکذیب کی تھی اور وہ ان سے غافل رہے تھے۔ اور (اُنکے بعد) ہمنے اُس سرزمین کے مشرق و مغرب کا جس کے اندر ہمنے (رباتی کی بہنات اور زرخیز مٹی کی) برکت رکھی ہوئی ہے، اُس قوم کو وارث بنا دیا جو اُس زمین میں (حاکم قوم کیطرف سے) کمزور کر دیئے گئے تھے۔

• بنی اسرائیل کی اِسی وراثتِ ارضی کو اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمت اور فضل قرار دیا ہے:۔

• يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝ $\frac{۲}{۴۷ + ۱۲۲}$ = چنانچہ بنی اسرائیل کو بھی لمبی مہلت دیگئی اور بالآخر اُنکی عملاً تکذیبِ آیات کی بدولت اُن سے بھی نعمت و فضل (ارضی حکومت) چھین لی گئی۔

• فی زمانہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ موجودہ سرکش طاغوتی حکومتیں دن بدن ترقی پہ جا رہی ہے۔ اِنہیں کیوں تباہ نہیں کیا جاتا؟ اُن حضرات کو غور کرنا چاہیئے کہ قرآن مجید میں سرکش طاغوتی قوموں کی نافرمانیوں اور پھر اُنکی تباہی کے جو قصص بیان کئے گئے ہیں، وہ محض قصہ گوئی کے انداز میں نہیں لائے گئے۔ اُن قوموں کو بھی لمبی مہلت دیگئی تھی۔ اور موجودہ اقوام کو بھی لمبی مہلت دیگئی ہے۔ جُوں جُوں کسی قوم کا پیمانۂ ظلم لبریز ہوتا چلا جاتا ہے، اُسکی تباہی کے سامان خود اُسی کے ہاتھوں تیار ہو جاتے ہیں۔ اور وہ ختم ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ حلیم و بُردبار ہے۔ اُسکی مُہلت کا ایک ایک دن ایک ایک ہزار سال کے برابر ہے:۔

• يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗٓ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ $\frac{۳۲}{۵}$

• وہ (اللہ) امور کی تدبیر کرتا ہے آسمان سے زمین تک، پھر (اُسکی تدبیر) اُسکی طرف عروج کرتی ہے (مکمل ہو جاتی ہے) ایک دن میں کہ اُسکی مقدار اُس ایک ہزار سال کے برابر ہے جو تُم شمار کرتے ہو۔

• سورہ مجیدہ النسآء کے اخیر میں اللہ کے فضل و رحمت (خلافتِ ارضی) کو اُسکی نازل کردہ کتاب پر سو فیصد عمل کرنے کیساتھ مشروط کرکے امنِ عالم اور ربوبیّتِ عالمین کا درسِ عام دیدیا گیا ہے۔ واضح رہے کہ نہ ربوبیّتِ عامہ کے متوازن نظام کے بغیر دُنیا میں امن قائم ہو سکتا ہے۔ اور نہ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب کی اساس پر قائم کیگئی حکومت کے بغیر نظامِ ربوبیّت بروئے کار آ سکتا ہے۔

المختصر!

مسئلۂ وراثت کا تتمہ

• سورۂ نسآء کی آخری آیت مجیدہ ۴/۱۷۶ مسئلۂ وراثت کا تتمہ ہے۔ پچھلے آیات مجیدہ ۴/۱۱، ۴/۱۲ میں مسئلۂ وراثت کی باقی تمام شقیں بالوضاحت بیان کر دیگئی ہیں۔ صرف ایک شق کلالہ بے اولاد باقی ہے جسے مسئلۂ وراثت کے تتمہ کے طور پر اس آیت میں بیان کر کے سورۂ نسآء کو ختم کر دیا گیا ہے۔ کلالہ بے اولاد کے مال متروکہ کی تقسیم بالا بذیل بتائی گئی ہے:۔

یَسْتَفْتُوْنَكَ ۭ قُلِ اللّٰهُ یُفْتِیْكُمْ فِی
فتوٰی پوچھتے ہیں تجھ سے ۔ کہدیجئے اللہ فتوٰی دیتا ہے تمہیں بارہ میں
الْكَلٰلَةِ ۭ اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَیْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّ
کلالہ کے ۔ اگر مرد مرجائے ، نہیں واسطے اُسکے اولاد ، اور
لَهٗۤ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ۚ وَ
واسطے اُسکے ہو ایک بہن تو واسطے اُسکے آدھا ہے جو اُسنے چھوڑا ۔ اور
هُوَ یَرِثُهَاۤ اِنْ لَّمْ یَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ ۭ
وہ وارث ہوتا ہے اُس بہن کا، اگر نہ ہو واسطے اُسکے اولاد ۔
فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَیْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ ۭ
پھر اگر ہوں دو بہنیں ، تو واسطے اُنکے دو تہائی ہے اُس سے جو اُسنے چھوڑا
وَاِنْ كَانُوْۤا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّنِسَآءً فَلِلذَّكَرِ
اور اگر ہوں بھائی بہن بہت سے مرد اور عورتیں تو واسطے ایک مذکر کے ہے
مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ ۭ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا ۭ
برابر حصہ دو مونثوں کے بیان کرتا ہے اللہ واسطے تمہارے تاکہ تم گمراہ نہ ہو
وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ۧ ۱۷۶ ع ۲۴ / ۵ / ۴
اور ہے اللہ ساتھ ہر چیز کو خوب جاننے والا

(اے رسولؐ!) لوگ آپ سے فتوٰی پوچھینگے (کلالہ کے متعلق) آپ کہدیجئیگا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں کلالہ کے بارے میں یہ فتوٰی دیتا ہے کہ اگر کلالہ مرد اس حالت میں فوت ہو جائے کہ اُسکی اولاد نہ ہو۔ اور اُسکی ایک بہن ہو تو اُس (بہن) کیلئے اُس مال کا نصف ہے جو اُس نے چھوڑا ہو۔ اور (اگر کلالہ عورت مرجائے اور اُسکا ایک بھائی ہو تو) وہ اُسکے سارے مال کا وارث ہے ، اگر اُسکی اُس بہن کی اولاد نہ ہو۔ پھر اگر (کلالہ متوفی بھائی کی بہنیں) دو مونثیں ہوں ، تو اُن کیلئے اُس کا مال دو تہائی حصہ ہے جو اُسنے چھوڑا ہو۔ اور اگر (متوفی کلالہ بے اولاد (مرد یا عورت کے) بہن بھائی بہت سے مرد عورتیں ہوں ، تو ایک مذکر کیلئے حصہ ہے دو مونثوں کے برابر۔ اللہ تعالیٰ تمہارے لئے کھول کھول کر بیان کرتا ہے ، تاکہ تم گمراہ نہ ہو جاؤ۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب اچھی طرح جاننے والا ہے۔ (یعنی جو حصے اُسنے مقرر کئے ہیں علم کے عین مطابق ہیں)۔

• اس آیت مجیدہ کی تفسیر کیلئے اسے پانچ حصوں میں تقسیم کر کے پیش کیا جا رہا ہے تاکہ الگ الگ ہر حصے کی تفسیر ذہن نشین کرنے میں آسانی رہے :۔

۴/۱۷۶ ۔ حصہ نمبر ۱ :۔

یَسْتَفْتُوْنَكَ ۭ ....
قُلِ اللّٰهُ یُفْتِیْكُمْ فِی الْكَلٰلَةِ ۭ ....
اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَیْسَ لَهٗ وَلَدٌ ....

(اے رسولؐ!) لوگ آپ سے (کلالہ کی دوسری قسم بے اولاد کے متعلق) فتوٰی پوچھینگے کہدیجئیگا! کہ (فتوٰی دینا اللہ ہی کا حق ہے) اللہ تمہیں کلالہ کے متعلق فتوٰی دیتا ہے اگر کوئی مرد کلالہ مرجائے کہ اُسکی اولاد نہ ہو

وَّلَهٗٓ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ج | اور اُسکی ایک ہی بہن ہو تو بہن کیلئے مال متروکہ کا نصف ہے

• غور فرمائیں کہ:-
متن کے خط کشیدہ الفاظ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ سے کھل کر عیاں ہوتا ہے کہ یہاں کلالہ بے اولاد کا ذکر ہے۔ اور کلالہ کی ایک قسم از روئے قرآن کلالہ با اولاد بھی ہے۔ مزید وضاحت کیلئے آیت مجیدہ کا اس سے اگلا حصہ ملاحظہ فرمائیں جسمیں کلالہ عورت کا ذکر ہے۔ اور اِن شرطیہ لاکر بالوضاحت بتا دیا گیا ہے کہ کلالہ کی ایک قسم بے اولاد بھی ہوتی ہے۔ اور ایک با اولاد بھی :-

۴/۱۷۶ کا حصہ نمبر ۲ :-
وَهُوَ يَرِثُهَآ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ ط | اور (جب کلالہ عورت مرجائے تو) اگر اُسکی اولاد نہ ہو (اور اُسکا ایک ہی بھائی ہو تو) وُہ اُسکے سارے ترکہ کا وارث ہے۔

دیکھیئے! آیت مجیدہ کے اِس حصہ میں اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ کے جملے نے شک و شبہ کے تمام پردے چاک کر کے پوری طرح کھولکر بیان کر دیا ہے کہ کلالہ بے اولاد بھی ہوتا ہے اور با اولاد بھی ہوتا ہے۔

متوفی کلالہ بے اولاد کی طرز تقسیم | • آیت مجیدہ کے مندرجہ بالا حصوں میں کلالہ متوفی کی وُہ صورت بیان ہوئی ہے کہ صرف دو بہن بھائی ہیں۔ دونوں کلالہ ہیں۔ بھائی کا بہن کے سوا اور کوئی نہیں۔ اور بہن کا بھائی کے سوا اور کوئی نہیں۔ دونوں کے نہ ماں باپ ہیں نہ اولاد۔ تو ایسی صورت کے متعلق ارشاد ہوا ہے کہ اگر بھائی کلالہ مرجائے تو اُسکی بہن نصف ترکے کی وارث ہوگی اور اگر بہن کلالہ مرجائے تو اُسکا بھائی سارے مال متروکہ کا وارث ہے۔

(نوٹ) اگرچہ یہاں کلالہ مرد و عورت کے زوجین کا ذکر موجود نہیں۔ لیکن ۴/۱۲ کے مطابق اظہر من الشمس ہے کہ اگر وہ موجود ہونگے تو اپنا اپنا حصہ پالینگے۔ اور اگر نہ ہونگے نہیں پائینگے۔

اب آیت مجیدہ کے مندرجہ بالا حصوں پر غور فرمائیں | • اِن حصوں سے وضاحتًا ثابت ہے کہ متوفی اور متوفیہ کلالہ بے اولاد کے نہ ماں باپ ہیں نہ اولاد ہے۔ تو اب قرآنی کلیہ کے مطابق متوفی اور متوفیہ کے بہن بھائی ہی وارث ہیں۔ اور قرآنی کلیہ کے مطابق جب بہن بھائی وارث ہوں تو لازمًا بہن (مونث) کا حصہ بھائی (مذکر) کے حصہ سے نصف ہوتا ہے ۔۔۔ قرآن کریم نے اپنے اسی کلیہ کے مطابق بہن کا حصہ بھائی کے حصے کا نصف قرار دیا ہے۔ یعنی اگر بہن کلالہ بے اولاد مرجائے تو بھائی کل ترکہ کا وارث ہوتا ہے۔ اور اگر بھائی کلالہ بے اولاد مرجائے تو بہن نصف کی وارث ہوتی ہے۔ نیز اگر متوفی بھائی کلالہ بے اولاد کی بجائے متوفیہ بہن کلالہ بے اولاد مرجائے تو اُسکی ایک بہن ہو تو پھر بھی بہن نصف ترکہ ہی کی وارث ہوگی۔

باقی نصف کون لیگا؟ | • اِس سوال کا جواب مسئلہ وراثت سے متعلقہ اِس بنیادی قرآنی کلیہ میں موجود ہے کہ متوفی کے وارث یا تو اُسکے بیٹے پوتے پر پوتے ہیں اور یا باپ دادا، پردادا:- اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ ۴/۱۱ ۔ پس کلالہ بے اولاد کی جب صرف اکیلی بہن موجود ہو تو باقی نصف متوفی کا چچا یا اُسکی اولاد کو ملیگا۔ وہ نہ ہوں تو اگر

دادا کے بھائیوں میں سے کسی کی اولاد میں کوئی موجود ہو تو وہ پائیگا۔ وہ نہ ہو تو اگر پردادا کے بھائیوں میں سے کسی کی اولاد میں سے کوئی موجود ہو تو وہ حقدار ہوگا۔ علیٰ ہٰذا القیاس یہ نصف متوفی کے آباء دادا، پردادا وغیرہ اوپر والوں میں سے کسی چچا دادا، چچا پردادا اور چچا پر پردادا وغیرہ کی اولاد میں سے کوئی موجود ہو یا موجود ہوں تو وہ وارث ہوگا یا وارث ہونگے۔ اور اگر چچا دادا، چچا پردادا، اور چچا پر پردادا وغیرہم کی اولاد میں سے بھی کوئی موجود نہ ہو تو باقی نصف بھی متوفی کی موجود وارث بہن ہی کو ملیگا۔ کیونکہ قرآنی کلمہ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ کے دائرہ سے باہر جانا خلاف قرآن ہے۔

متوفی کلالہ مرد بے اولاد کی دو بہنیں

• آیت مجیدہ زیر نظر کے اگلے حصے میں بتایا گیا ہے کہ اگر متوفی مرد کلالہ بے اولاد کی بہنیں دو ہیں تو انہیں ترکہ کا دو تہائی ملیگا۔ اور اس صورت میں بھی باقی ایک تہائی متوفی کلالہ کے چچا یا اسکی اولاد کو ملیگا۔ انکی غیر موجودگی میں اگر چچا دادا، چچا پردادا وغیرہ اوپر والوں میں سے کسی کی اولاد ہو تو وہ وارث ہوگی۔ اگر کوئی بھی موجود نہ ہو تو باقی ایک تہائی بھی متوفی کی موجود وارث دو بہنوں کو ہی ملیگا۔ کیونکہ قرآنی کلمہ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ کے دائرہ سے باہر جانا خلاف قرآن ہے۔

حصہ نمبر ۳:-

فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ ...

پھر اگر ہوں دو بہنیں تو واسطے دونوں کے دو تہائی اس میں سے جو چھوڑا

پھر اگر (متوفی مرد کلالہ بے اولاد کی) دو بہنیں ہوں تو ان دونوں کیلئے مال متروکہ کی دو تہائیاں ہیں۔

علاوہ ازیں اگر متوفی یا متوفیہ کے زوجین موجود ہوں تو وہ اپنا قرآنی حصہ پائینگے۔ شوہر ½ اور بیوی ¼۔ اور اگر نہ ہوں تو نہیں پائینگے۔ نیز اگر دو کلالہ بہن بھائیوں یا دو بہنوں کی بجائے صرف دو بھائی کلالہ بے اولاد ہوں، تو وہ ایکدوسرے متوفی بھائی کا پورا پورا ترکہ پائینگے۔ اور اگر صرف دو بہنیں کلالہ بے اولاد ہوں تو اگر چچا، دادا چچا، پردادا چچا پر پردادا چچا وغیرہ کی اولاد میں سے کوئی موجود ہو تو اکیلی بہن ترکہ کا نصف لیگی، اور دو بہنیں ترکہ کا دو تہائی لینگی۔ اور الگ الگ صورتوں میں باقی نصف یا ایک تہائی وہ لینگے۔ اور اگر ان چچا آباء کی اولاد میں سے مطلقاً کوئی فرد موجود نہ ہو تو پھر الگ الگ صورتوں میں اکیلی بہن یا دو بہنیں الگ الگ سارے ترکہ کی وارث ہونگی۔

متوفی مرد یا متوفیہ عورت کلالہ بے اولاد کی دو سے زائد بہنیں

• سطور بالا میں آپ دیکھ چکے ہیں کہ اگر متوفی مرد کلالہ بے اولاد کی ایک بہن ہو تو ترکہ کا نصف پاتی ہے۔ دو ہوں تو دو تہائیاں لیتی ہیں۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر بہنیں دو سے زیادہ ہوں تو پھر تقسیم کی کیا صورت ہوگی؟

• اس سوال کے جواب کیلئے اس چیز پر غور فرمائیں کہ جب ایک بہن اور دو بہنوں کے حصوں کی وضاحت کردیگئی ہے تو ایک بھائی اور دو بھائیوں کے حصوں کی وضاحت کیوں نہیں کیگئی؟ اسکا جواب بالکل واضح ہے کہ ان صورتوں میں تقسیم وراثت میں

کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی۔ ایک بھائی ہو یا دو، کل ترکہ کے وارث ہوتے ہیں پس اسی اصول کے مطابق متوفی کے دو سے زائد بھائیوں یا دو سے زائد بہنوں کی صورت میں تقسیم وراثت کا ذکر اسلئے نہیں کیا گیا کہ تقسیم میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی۔ اگر دو سے زائد بھائی ہوں تو وہ پورے ترکہ کے وارث ہوتے ہیں اور اگر دو سے زائد بہنیں ہوں تو وہ دو تہائی میں برابر کی وارث ہوتی ہیں۔

متوفی مرد یا متوفیہ عورت کالہ بے اولاد کے ملے جلے بہن بھائی

• یہاں تک آپ متوفی مرد کالہ بے اولاد اور متوفیہ عورت کالہ بے اولاد کی ایک بہن، دو بہنیں یا دو سے زائد بہنوں کی صورت میں تقسیم وراثت کی الگ الگ صورتیں ملاحظہ فرما چکے ہیں آیت مجیدہ زیرِ نظر کے اگلے حصے میں اس امر کی وضاحت کی گئی ہے کہ اگر متوفی مرد یا متوفیہ عورت کالہ بے اولاد کے پسماندگان میں ملے جلے بہن بھائی ہوں تو بھائی کا حصہ بہن کے حصہ سے دگنا ہوگا:۔

۱۷۶/۴ کا حصہ نمبر ۴:۔

وَإِنْ كَانُوٓا إِخْوَةً رِّجَالًا وَّنِسَآءً

اور اگر ہوں بھائی بہن مرد اور خواتین

فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ ۗ ......

تو واسطے مذکر کے، مانند حصہ دو مونثوں کے ہے

اور اگر (متوفی کالہ یا متوفیہ کالہ کے) بہن بھائی (ملے جلے) مرد عورتیں ہوں۔ تو ایک مذکر (یعنی ایک بھائی) کا حصہ دو مونثوں (یعنی دو بہنوں) کے برابر ہوگا۔

• آیت مجیدہ زیرِ بحث ۱۷۶/۴ کے آخری جملہ میں، جو سورہ نسآء کے بھی انتہائی آخری الفاظ ہیں، مسئلہ وراثت کی تمام مختلف شقوں کے متعلق خصوصاً، اور سورہ نسآء میں درج جملہ مسائل کے متعلق اعلان کر دیا گیا ہے کہ پورا پورا علم رکھنے والے اللہ نے کھول کھول کر بیان کر دیا ہے:۔

۱۷۶/۴ کا حصہ نمبر ۵:۔

يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ أَن تَضِلُّوا ۗ وَاللَّهُ

بیان کرتا ہے اللہ واسطے تمہارے تاکہ نہ بھٹکو تم اور ساتھ اللہ

بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝ ۱۷۶ ع ۲۴

ساتھ ہر چیز کے خوب جاننے والا

اللہ تعالیٰ تمہارے لئے (جملہ مسائل کو) کھول کر بیان کرتا ہے۔ تاکہ تم (صحیح راہ سے) بھٹک نہ جاؤ۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب اچھی طرح جاننے والا ہے۔

رَّبِّ أَعُوذُ بِكَ مِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِينِ ۝ وَأَعُوذُ بِكَ رَبِّ أَن يَحْضُرُونِ ۝ ۲۳/۹۷-۹۸

قرآن کریم

اللہ تعالیٰ کی فعلی کتاب ہے

• قرآن کریم کی تفسیر توضیح مشاہداتِ عالم کی صورت میں اللہ تعالیٰ کی قولی کتاب کائنات صحیفۂ فطرت میں اور تصریفِ آیات کے ذریعہ اسکی قولی کتاب خود قرآن کریم میں موجود ہے

فلھذا۔

ہم مُفسّرینِ قرآن نہیں

خادمینِ قرآن بتصریفِ آیاتِ الفرقان ہیں

یہ ایک مُسلّمہ امر ہے کہ:-

کسی کتاب کے شارح اور مُفسّر کا علم، صاحب کتاب کے علم سے یا تو زیادہ ہونا لازم ہے، یا کم از کم اُسکے برابر،

مگر چونکہ

نہ کسی فردِ بشر کا علم، اللہ تعالیٰ کے علم سے زیادہ ہے، نہ برابر، یہی وجہ ہے کہ

اللہ تعالیٰ اپنی کتاب کا شارح اور مُفسّر خود آپ ہے

چنانچہ قرآن مجید کے غیر اللہ شارعین کے متعلق ارشاد فرمایا:-

• اَمۡ لَهُمۡ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوۡا لَهُمۡ مِّنَ الدِّيۡنِ مَا لَمۡ يَاۡذَنۡ بِهِ اللّٰهُ ؕ

۴۲/۲۱ - کیا اُنکے لئے اللہ کے شریک ہیں، جو اُن کیلئے اللہ کے دین کی شرع کرتے ہیں جس کی اللہ نے ہرگز اجازت نہیں دی۔

• نیز دین اللہ کے غیر اللہ شارع اللہ کو اسقدر ناگوار ہیں کہ آیت مجیدہ کے اگلے الفاظ میں ارشاد ہوا ہے:-

• وَلَوۡلَا كَلِمَةُ الۡفَصۡلِ لَقُضِىَ بَيۡنَهُمۡ ؕ وَاِنَّ الظّٰلِمِيۡنَ لَهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ۴۲/۲۱ =

اور اگر نہ ہوتا فیصلہ (اللہ کیطرف سے فیصلے کے دن کا) تو ان (غیر اللہ شارعین قرآن) کا یہیں فیصلہ کر دیا جاتا۔ بلا شبہ ظالموں (بے ٹھکانہ کام کرنیوالوں) کیلئے دردناک عذاب ہے۔

• پیچھے واضح کیا جا چکا ہے کہ یہ ایک مسلّمہ امر ہے کہ کسی کتاب کا شارع اور مفسّر وہ ہو سکتا ہے جو یا تو صاحب کتاب کے علم سے زیادہ علم رکھتا ہو اور یا کم از کم صاحب کتاب جتنا علم رکھتا ہو۔ مگر جب یہ امر بصورت نصف النہار عیاں ہے کہ کوئی فردِ بشر نہ اللہ تعالیٰ کے علم سے زیادہ علم کا مالک ہو سکتا ہے اور نہ اُسکے برابر کا، لہٰذا کسی بڑے سے بڑے متبحر عالم بزرگ کے متعلق بھی تصور تک پیدا نہیں ہوتا کہ وہ مفسّر قرآن ہونے کا دعویٰ کر سکے، یا اُسے مفسّر قرآن سمجھا جا سکے۔

• جسطرح ۴۲/۲۱ میں غیر اللہ شارعین دین (قرآن) سے بیزاری کا اعلان کیا گیا ہے اُسیطرح اس امر کی بھی بالفاظ ذیل وضاحت کر دی گئی ہے کہ اپنے دین (قرآن کریم) کا شارع خود اللہ تعالیٰ ہے:-

• شَرَعَ لَكُمۡ مِّنَ الدِّيۡنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوۡحًا وَّالَّذِىۡۤ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلَيۡكَ ..... ۴۲/۱۳ =

(ایمان والو! اللہ تعالیٰ نے) تمہارے لئے اپنے اُس دین کی خود شرع کر دی ہے جس کی وصیت اُس نے نوحؑ کو فرمائی اور اُسی دین کی شرح کر دی ہے جو (اے رسولؐ!) ہم نے آپکی طرف وحی فرمایا ہے۔

• اور اس چیز کا فیصلہ بھی باریتعالیٰ نے خود کر رکھا ہے کہ آنحضورؐ کیطرف صرف یہ قرآن مجید ہی وحی کیا گیا تھا:-

• نَحۡنُ نَقُصُّ عَلَيۡكَ اَحۡسَنَ الۡقَصَصِ بِمَاۤ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلَيۡكَ هٰذَا الۡقُرۡاٰنَ ۖ ۱۲/۳ =

(اے رسولؐ!) ہم آپ پر ایک احسن قصہ بیان کرتے ہیں۔ اسلئے کہ ہم نے آپ کی طرف یہ قرآن وحی فرمایا ہے۔

• ادارہ بلاغ القرآن کی شائع کردہ یہ تفسیر القرآن بالقرآن علماء کے اُس بورڈ کی بشری کاوش کا نتیجہ ہے جو صرف خدمتِ قرآن کے جذبہ سے معمور ہیں. جنہیں نہ نام و نمود کی خواہش ہے نہ علمی حلقوں میں شہرت کی طلب۔

• یہی وجہ ہے کہ تفسیر القرآن بالقرآن زیرِ نظر کو ادارہ کے نام سے شائع کیا گیا ہے۔ حتّٰی کہ علمآء کے بورڈ نے اپنے اسماءِ گرامی شائع کرنے کی اجازت بھی نہیں دی۔

جَزَاهُمُ اللهُ اَحْسَنُ الْجَزَاء

(ادارہ)

یہ

• قرآن کریم پر صدیوں کے پڑے ہوئے روایات کے دبیز پردوں کو چاک کرنے کی مخلصانہ کوشش ہے۔ حرفِ آخر نہیں، بلکہ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے دعوت تفقّہ فی القرآن بتصریفِ آیات الفرقان ہے۔ اِس میں پائی جانے والی ہر خوبی کتاب الٰہی کی اپنی خوبی ہے۔ اور اگر اس میں کوئی کمی یا خامی پائی جائے، وہ ہماری کمزوری اور سہو ہے۔ قرآن کریم ہر قسم کی کمیوں اور خامیوں سے پاک و منزّہ ہے۔

ادارہ بلاغ القرآن ۱۱۰- این-سمن آباد لاہور

بمعاونت

ملک سلطان محمود صاحب لاہور